مظہر علوم اعلیٰ حضرت، جامع معقولات و منقولات، امام علم و فن

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر مشتمل "سہ ماہی المختار کلیان" کی تاریخی پیش کش

امام علم و فن نمبر

ناشر

غوث الوریٰ اکیڈمی

زیر اہتمام:- الجامعۃ الرضویہ کلیان، مہاراشٹر

تصحیح و تنقیح

مفتی مطیع الرحمن مضطر • مفتی حسن منظر قدیری • ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد

ہمدم و ہمقدم

مفتی مبشر رضا مصباحی • مولانا سید معین الدین رضوی

ڈاکٹر احمد حسین قادری پورنوی • مولانا جنید رضا رامپوری

پروف ریڈنگ

مولانا نثار احمد مصباحی • مولانا عبد الرزاق پیکر رضوی

مولانا محمد محبوب رضا قادری • مولانا محمد محب الرحمن رضوی

تزئین کار

مولوی محمد شمشاد عالم رضوی

کاتب

محمد سلمان رضا قادری

کمپوزنگ

مولوی ابو صالح رضوی • مولوی عبد القادر رضوی • مولوی غلام حسنین رضوی

مولوی آصف رضا رضوی • مولوی شمس اللقاء فیضی • مولوی وجہ القمر فیضی

متعلمین الجامعۃ الرضویہ کلیان

دارالعلوم نورالحق چرہ فیض آباد کی مدینہ مسجد جہاں حضرت امام علم وفن نماز ادا فرماتے

دارالعلوم نورالحق چرہ جہاں حضرت امام علم وفن نے تدریسی زندگی کی تکمیل کی

دارالعلوم نورالحق چرہ حضرت امام علم وفن کا حجرہ مبارک

بفضل روحانی:
تاجدار اقلیم ولایت سرکار مفتی اعظم ہند
حضور سیدی مصطفےٰ رضا خاں
علیہ الرحمۃ والرضوان

بیادگار
حضور محدث مہمات حضرت حافظ و قاری ظفیر الدین رضوی علیہ الرحمہ

بفضل عاطفت:
ملک العلماء محبوب بارگاہ اعلیٰ حضرت
مولانا محمد ظفر الدین بہاری
علیہ الرحمۃ والرضوان

سرزمین مہاراشٹر میں دینی، ملی، مذہبی اور مسلکی خدمات انجام
دینے والا منفرد ادارہ "الجامعۃ الرضویہ" کا علمی، ادبی، اور فکری ترجمان سہ ماہی "المختار" کا

امام علم و فن نمبر

مدیر اعلیٰ
محمد ادریس رضوی

بانی و نگراں
ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مولانا محمد مسعود رضا قادری

نائب مدیر
محمد احمد رضا احمد

ترسیل زر کا پتہ:

سہ ماہی المختار کلیان

مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ اندرا نگر امبرناتھ روڈ والدھونی کلیان ضلع تھانہ مہاراشٹر

پبلشر اینڈ پرنٹر محمد جہانگیر اشرف رضوی
نے بھارت پریس ممبئی سے طبع کرا کر آفس "المختار" مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ اندرا نگر والدھونی کلیان سے شائع کیا

ہندوستان کی عبقری اور ہمہ گیر شخصیت مظہر علوم اعلیٰ حضرت نائب ملک العلماء

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند خیر الاذکیاء استاذ مطلق حضرت علامہ

خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

کے حالات و کارنامے

پر مشتمل ایک حسین گلدستہ

امام علم و فن نمبر

ترتیب و تہذیب

احمد رضا احمد

باہتمام

مولانا محمد مسعود رضا قادری

مہتمم الجامعۃ الرضویہ، کلیان

مولانا محمد جہانگیر اشرف رضوی

الجامعۃ الرضویہ کلیان

ناظم مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ والدھونی، کلیان

صفحات
816

تعداد
2100

اشاعت
۱۴۳۴ھ
2013

ہدیہ
500

شرف انتساب

عالم اسلام کے دو عظیم روحانی پیشوا کے نام یعنے

تاجدارِ اقلیم روحانیت، مخزن کشف وکرامت، پیکر رشد وہدایت، مرشد برحق

حضور سیدی مصطفےٰ رضا خاں قادری مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی نگاہِ ولایت اور نظرِ عنایت نے حضرت خواجہ کو علوم رضا اور فنون قدیمہ کا وارث وامین بنادیا۔

اور

چودھویں صدی ہجری کی عہد ساز شخصیت، ماہر ریاضی وہیئت، محبوب بارگاہ اعلیٰ حضرت

سید شاہ ملک العلماء حضرت **محمد ظفر الدین بہاری** علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی صحبت کیمیا گر نے آپ کو علم وفن کے منصب زریں پر تخت نشیں کیا۔

خاکپائے امام علم وفن

احمد رضا احمد

سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کا مزار مبارک
جن کے فیوض و برکات نے آپ کو امام علم وفن بنا دیا۔

اعلیٰ حضرت کے ولد الاعز حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری
کا مزار مبارک جن کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو مظہر علوم اعلیٰ حضرت بنا دیا

مزار پاک حضرت سید شاہ مخدوم
عمت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ماریرا شریف
جہاں سے حضرت امام علم وفن کو قلبی لگاؤ تھا۔

مدرسہ قادریہ بدایوں شریف
جہاں امام علم وفن نے
چھ سال تدریسی خدمات انجام دیں

مدرسہ قادریہ بدایوں میں
امام علم وفن کی درسگاہ

الجامعۃ الرضویہ کلیان کا ازہری ہال
جہاں حضرت امام علم وفن کئی بار تشریف لائے
اور مدرسین، منتظمین واراکین
کو زریں مشوروں سے نوازا

حضرت امام علم وفن کی آخری آرامگاہ
سنگھیا بائسی، ضلع پورنیہ (بہار)

حضرت خواجہ علم وفن کی رہائش گاہ

جانشین امام علم وفن حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی
کی بستی پچھلا میں واقع
ان کا حجرۂ خاص جہاں کتابوں کا ذخیرہ ہے
اور اسی حجرے میں حضرت خواجہ صاحب قبلہ
قیام فرماتے تھے۔

عرس قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری میں دیا گیا ایوارڈ

سپاس نامہ

خواجہ مظفر حسین

غلام ربانی — غلام رسول — فیض ربانی — غلام علی — غلام مرتضیٰ

ہندوستان اور بنگال کے سرحدی علاقہ ضلع اتر دیناجپور میں واقع

جامعہ نوریہ شام پور رائے گنج

۱۲ر جون ۱۹۹۴ء کو منعقدہ مناظرہ میں کھلی فتح کے بعد مناظر اہلسنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی دام ظلہ نے ڈھائی ایکڑ وسیع و عریض زمین حاصل کر کے اپنے دادا پیر سید ابوالحسن احمد نوری و پیر و مرشد حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ سے منسوب جامعہ نوریہ قائم فرمایا۔ الحمدللہ ! اب تک مکمل چہار دیواری اور ۲۵×۱۶ کے ۲۱ر کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ نصاب میں درس نظامی کے ساتھ ہندی، انگریزی، حساب، جغرافیہ اور سائنس لازمی طور سے شامل ہے۔ امسال سے حضرت مناظر اہل سنت یہیں مستقل قیام فرما رہے ہیں اور نگرانی کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری افتاء، قضاء اور مناظرہ کی ٹریننگ بھی دے رہے ہیں۔ اسی احاطہ میں الگ سے شعبہ نسواں بھی قائم ہے فی الحال دس معلمین چار معلمات ڈیڑھ سو بیرونی طلبہ ۹۰ر بیرونی طالبات اور تین طباخ مصروف عمل ہیں۔

عرس قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری میں دیا گیا تکریمی خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علامہ ارشد القادری

قائد اہل سنت ایوارڈ

و

ALLAMA ARSHADUL QUADRI
CHARITIES
INTERNATIONAL

حضرت امام علم وفن کے مکان
کا برآمدہ۔ جہاں بیٹھ کر آپ نے
سینکڑوں مسائل حل فرمائے

حضرت امام علم وفن
کے مکان کا باہری حصہ

یہ ایوارڈ محمدیہ عربی کالج پورنیہ کی طرف سے آپ کو دیا گیا

عرس قاسمی مارہرہ شریف میں حضرت امین ملت کے ہاتھوں دیا گیا سپاس نامہ

ہدیہ سپاس

بموقع عرس قاسمی برکاتی ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی

وہ علوم و فنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم و فن
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علم الربع المجیب

علم الزیج

علم الافلاک

علم الابعاد

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عمل بالخطائین

علمِ نجوم

علمِ جفر

علمِ مساحت

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ہیئت

علمِ توقیت

علمِ ہندسہ

علمِ جبر و مقابلہ

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عِلمُ القیافہ

عِلمُ الید

عِلمِ موسیقی

عِلمِ جرِ اثقال

عِلمِ اکر

عِلمِ اصوات

وہ علوم و فنون جن پہ متبحر علوم اعلیٰ حضرت العلامہ حسنی میاں
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علم الحروف

علم مناظر و مرایا

اعمال ستینیہ

علم رمل

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ہیئت

علمِ توقیت

علمِ ہندسہ

علمِ جبر و مقابلہ

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ارثماطیقی

علمِ مثلث مسطح

علمِ مثلث کروی

علمِ لوگارثم

وہ علوم و فنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم و فن
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عِلم الاعداد

عِلم الحساب

عِلم التکسیر

عِلم الاسطرلاب

فہرست مشمولات

پہلا ═══ باب

تاثرات مشائخ کرام

دوسرا باب

تاثرات: علماودانشوران

43 ——— 65

تیسرا باب

مشائخ واساتذہ

66 ——— 111

چوتھا باب

سیرت وسوانح

112 —— 183

پانچواں باب

خصائل وفضائل

184 —— 234

چھٹا ═══════════════ باب

تدریس وتفہیم

ساتواں ـــــــ باب

فقہ وافتا

آٹھواں ـــــــ باب

مظہر علوم اعلیٰ حضرت

نواں ـــــــ باب

سائنسی وعصری علوم

دسواں باب

تحقیق وتنقید

435 ـــــ 494

گیارہواں باب

زبان وادب

495 ـــــ 529

بارہواں ═══ باب

جامع علوم وفنون

530 ——— 574

تیرہواں ═══ باب

معروف تلامذہ

575 ——— 609

چودہواں باب

جو آنکھوں نے دیکھا

پندرہواں باب

غروب آفتاب

سولہواں ـــــــ باب

عربی ،انگریزی مقالات

689 ـــــــ 717

سترہواں ـــــــ باب

منظومات

718 ـــــــ 744

اٹھارہواں باب

پیغامات و مکتوبات

انیسواں باب

اخباری تراشے

پٹنہ :— روزنامہ انقلاب روزنامہ پندار روزنامہ قومی تنظیم روزنامہ فاروقی تنظیم روزنامہ سہارا

ھندی اخبارات ہندوستان دینک جاگرن (پورنیہ) پربھات خبر

ممبئی :— روزنامہ اردو ٹائمز روزنامہ سہارا روزنامہ انقلاب

دھلی :— روزنامہ انقلاب سیاسی تقدیر عزیز الہند راشٹریہ سہارا جدید خبر ہمارا سماج روزنامہ صحافت ہندوستان ایکسپریس

کلکتہ:— روزنامہ سہارا اخبار مشرق

لکھنو:— روزنامہ انقلاب راشٹریہ سہارا

حیدر آباد — روزنامہ اعتماد روزنامہ منصف

بیسواں باب

عکوس ونوادرات

سند خصوصی عطا کردہ سرکار مفتی اعظم ہند

سپاس نامہ حضرت امین میاں صاحب قبلہ

سپاس نامہ حضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ

قائد اہل سنت ایوارڈ

عمدۃ العقلا خطاب

امام علم وفن کی تحریریں

اداریہ

اداریہ ———

ہندوستان کی سرزمین صدیوں سے علم وفکر کا گہوارہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔ یہی سرزمین ہے جسے صوفیہ نے اپنا مسکن بنایا، اسی زمین کی نمی نے تصوف کے نمو کے لئے سازگار فضا فراہم کی، علم حدیث کی اشاعت کے دروازے کے ،فقہ حنفی کے ارتقا کے لئے اسی سرزمین نے اپنا سینہ کشادہ کیا، اسی سرزمین نے علم وادب کے گنج ہائے گرانمایہ پیدا کے ،اور حضرت امام غزالی اور علامہ ابن حمام جیسے ماہر علوم وفنون کے بعد امام احمد رضا جیسی نابغہ روزگار اور جامع علوم وفنون شخصیت ہمیں دی۔

امام احمد رضا علم وآگہی کی اس جامع شخصیت کا نام ہے جنہیں کسی نے عبقری الشرق کہا تو کسی نے نابغۂ روزگار۔ کسی نے تہافۃ الفلاسفہ کہا تو کسی نے معجزۂ رسول۔ کسی نے امیر المومنین فی الحدیث کہا تو کسی نے امام المفسرین، کسی نے ثانی ابو حنیفہ کہا تو کسی نے خسروئے ثانی، کسی نے عاشق رسول کہا تو کسی نے قطب الاقطاب، کسی نے امام الکلام کہا تو کسی نے اپنے عہد کا آئن اسٹائن ------ یعنی ایک شخصیت اور ان گنت پہلو ------ قدرت نے آپ کے اندر علم، عشق اور ادب کا وہ جوہر رکھ دیا تھا کہ آپ ہر صفات کا مجموعہ ہر خوبی کے جامع اور ہر فن کے ماہر تسلیم کئے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ ملک وبیرون ملک سے علما اور دانشوران تحصیل علم اور اکتساب فیض کے لئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے، کیا عرب کیا عجم ـ کیا برما اور کیا افریقہ -------- آپ ہی کی بارگاہ نے حضرت مولانا شاہ حامد رضا کو حجۃ الاسلام، حضرت مولانا شاہ ظفر الدین رضوی کو ملک العلما حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا کو مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ امجد علی کو صدر الشریعہ، حضرت مولانا نعیم شاہ الدین مرادآبادی کو صدر الافاضل اور حضرت مولانا شاہ عبد العلیم رضوی کو مبلغ اسلام بنایا گویا ایک ذات کی صفات کئی شخصیات میں منتقل ہوگئیں اور سب آپ کی برکتوں سے آسمان علم وفضل پہ آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔

ان میں حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کی وہ شخصیت ہے جن کے حصے میں فقہ وادب کے ساتھ امام احمد رضا کے علوم جدیدہ کا وافر حصہ آیا چنانچہ............ جیسے علوم وفنون کے آپ تنہا وارث تھے کوئی دوسرا اس میں آپ کا

شریک وسہیم نہیں تھا اپنے عہد میں ''مظہر علوم اعلیٰ حضرت'' کی حیثیت سے آپ کی شخصیت مسلم الثبوت تھی۔ آپ نے ان علوم وفنون کو اپنے استاذ اعلیٰ حضرت کی امانت سمجھ کر اپنے تلامذہ میں منتقل کرنا چاہا تو حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا دل، دماغ، سینہ سب اس کے لئے موزوں پاکر یہ امانتیں ان کی طرف منتقل فرمادیں اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں امام علم وفن آسمان علم وحکمت پہ ''مظہر علوم اعلیٰ حضرت'' کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا جس کی تابانی نے ایک جہاں کو منور وتابناک کردیا۔ اس روشنی نے بہت سی درس گاہیں آباد کیں، بہت سے خانوادے روشن کئے، بہت سی خانقاہیں زندہ کیں اور بہت سے گمناموں کو شہرت اور بہت سے بے زبانوں کو زبان کا سلیقہ بخشا۔ بلا شبہ ان کی ذات میں ہزار ہا شخصیتیں پوشیدہ تھیں۔ ان کے کردار میں جماعتی زندگی کا راز مضمر تھا ان کی تحریروں میں تعمیر شخصیت کے جوہر پنہاں تھے۔ ان کی صحبت کیمیا اثر نے:............ع

چاہنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

کے مصداق بہت سے افراد کو مناظر، متکلم، صحافی، مدرس، مبصر، ناقد، محقق اور صاحب کردار ووضع دار بنایا۔ افسوس ہے وہ آفتاب علم وفن ۷۸؍ سالہ دور مکمل کر کے ۲۱؍ ویں صدی کے اوائل میں روپوش ہوگیا، اور اس کے ساتھ ہی علم کا ایک دبستاں بند ہوگیا، اب ہر طرف ''ویران میکدہ ہے خم وساغر اداس ہیں'' کا منظر ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے فروغ رضویات اور تفہیم فکر رضا پر جو تحقیقات پیش کیں وہ انہیں کا حصہ تھا جو موضوع اوروں کے لئے چیستاں ہوتا آپ کی مشکل پسند طبیعت اسے حل کرتی، جو مسئلہ لاینحل ہوتا اس کے لئے آپ ہی حل المشکلات ثابت ہوتے۔ امام احمد رضا کے علوم جدیدہ سے متعلق رسائل کا مسودہ جسے کوئی ہاتھ نہ لگاتا اسے آپ سبقا سبقا پڑھاتے۔

جماعت اہل سنت کا ہر فرد جماعت کے اس مضبوط ستون کے ٹوٹ جانے سے غمزدہ اور اداس ہے۔ اسے اپنے اس عظیم نقصان کا احساس ہے۔ انہیں زخمی احساس کے شکاروں میں ان کے تلامذہ بھی ہیں اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ بھی، جنہیں حضرت حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت وخدمات کو منظر عام پہ لانے کا شوق ان کی زندگی میں بھی تھا اور ان کی رحلت کے بعد اب یہ شوق ان کے فرائض کا حصہ بن گیا ہے: ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سہ ماہی المختار، کلیان کا یہ ''امام علم وفن نمبر'' انہیں دردمند دلوں کی پکار، ان کے جذبات کا ترجمان، ان کے فرائض کا آئینہ اور ایک علمی وروحانی شخصیت کی بارگاہ میں مخلصانہ خراج۔ اس کی ترتیب کا کام کوئی ۱۵؍ ماہ پیشتر شروع ہوا مگر امام علم وفن کی شخصیت وکارنامے کا کام اور مہینوں میں سمٹ جائے ایسا کہاں ممکن تھا؟ اس مرحلہ شوق وسعادت کے آغاز سے اتمام تک ہمیں یہی محسوس ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ہمارے کیا؟ کسی کے بھی بس میں

نہیں ہے۔ ظاہر ہے جو ذات '' مظہر علوم اعلیٰ حضرت '' ہو اس کی علمی شان '' ہر لحہ نیا طور نئی برق تجلی '' کی ہی ہوگی، اور یہ پھیلنے کے لئے ہوتی ہے سمٹنے کے لئے نہیں۔ اسی لئے اس نمبر کے حوالے سے ہمارا یہ ادعا بھی نہیں کہ اس میں '' امام علم وفن '' کی شخصیت سے وابستہ تمام علمی فنی اخلاقی وروحانی پہلوؤں کا احاطہ کرلیا گیا ہے ہاں اتنا ہے کہ ان اوراق سے حضرت امام علم وفن کی جو شخصیت سامنے آتی ہے وہ یقیناً نمایاں، ممتاز اور ستاروں میں ماہتاب کی مثل ہے۔

یہ نمبر ۲۰/ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب **تاثرات مشائخ کرام** کے لئے وقف ہے۔ دوسرے باب میں **علما و دانشور** حضرات کے تاثرات شامل ہیں۔ تیسرا باب حضرت خواجہ صاحب کے **مشائخ واساتذہ** کیلئے مختص ہے۔ چوتھا باب آپ کی **سیرت وسوانح** کا آئینہ دار ہے۔ پانچواں باب آپ کے **خصائل وفضائل** کی عکاسی کرتا ہے۔ چھٹا باب آپ کی **تدریسی وتفہیمی خصوصیات** کا مظہر ہے۔ ساتواں باب **فقہ وافتا** کے حوالہ سے آپ کی مہارت کا غماز ہے۔ آٹھواں باب آپ کے **مظہر علوم اعلیٰ حضرت** ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ نواں باب **سائنسی وعصری علوم** میں آپ کی یکتائی کا خطیب ہے۔ دسواں باب **تحقیق وتنقید** میں آپ کی شان امتیاز کا نقیب ہے۔ گیارہواں باب **زبان وادب** پہ آپ کی ماہرانہ قدرت کو واضح کرتا ہے۔ بارہواں باب آپ کے **جامع علوم فنون** ہونے کے شواہد پیش کرتا ہے۔ تیرہواں باب **معروف تلامذہ** کی سیرت وخدمات میں آپ کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ چودھواں باب '' **جو آنکھوں نے دیکھا** '' ان کے تلامذہ وحاضر باشوں نے انہیں ویسا پیش کیا ہے جیسا دیکھا ہے۔ پندرہواں باب **غروب آفتاب** کا رقت انگیز منظر پیش کرتا ہے۔ سولہواں باب **عربی انگلش اور بنگلہ زبان** کے توسط سے آپ کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ سترہواں باب امام علم وفن کی بارگاہ میں **منظوم خراج عقیدت** ہے۔ اٹھارہواں باب اس '' امام علم وفن نمبر '' شائع کرنے پر المختار کے سرپرست،، مدیر، اور نائب مدیر کے نام دردمند دلوں کے تشکر آمیز، حوصلہ افزا اور تاثراتی **پیغامات ومکتوبات** ہیں۔ انیسواں باب **اخباری تراشے** کے نام سے ہے جس میں حضرت خواجہ صاحب کی رحلت پہ اخبارات میں شائع ہونے والے تاثرات شامل ہیں اور بیسواں باب آپ کی شخصیت سے وابستہ مختلف **نوادرات کے عکوس** سے لبریز ہیں۔

یہ بیس ابواب پر مشتمل امام علم وفن نمبر کے متنی اشاریے ہیں جس کی تفصیل قارئین اندرون صفحات ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام ابواب میں ملک کے نامور علماء مشائخ، اساتذہ، دانشور شعرا، ادبا، محققین، مصنفین، صحافی اور مختلف اداروں کے ذمہ داروں کی تحریریں شامل ہیں ان میں بعض تحریریں ان حضرات کی بھی ہیں جنہوں نے صلاحیت رکھ کر بھی اس سے قبل کبھی مضمون نہیں لکھا مگر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی محبت ووارفتگی نے ان سے قلم برداشتہ کچھ لکھوا لیا۔

گیا ہے۔ علاوہ ازیں [illegible] امام علم وفن [illegible]
[illegible]
[illegible]
علم وفن کی ہمہ گیر شخصیت [illegible] گیا ہے [illegible] ہے۔

یہ بیس (۲۰) ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب **تاثرات مشائخ کرام** کے لئے وقف ہے۔ [illegible] **علماء و دانشور** حضرات کے تاثرات شامل ہیں۔ تیسرا باب حضرت خواجہ صاحب کے **مشائخ و اساتذہ** پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب آپ کی **سیرت و سوانح** کا آئینہ دار ہے۔ پانچواں باب آپ کے **خصائل و فضائل** و مکارم کی عکاسی کرتا ہے۔ چھٹا باب آپ کی **تدریسی و تفہیمی خصوصیات** کا مظہر ہے۔ ساتواں باب **فقہ و افتاء** کے حوالے سے آپ کی مہارت کا اظہار ہے۔ آٹھواں باب آپ کے **مطالعہ علوم اعلیٰ حضرت** [illegible] فراہم کرتا ہے۔ نواں باب **سائنسی و عصری علوم** میں آپ کی کمالات کا عکس ہے۔ دسواں باب **تحقیق و تنقید** میں آپ کی شان امتیاز کا نقیب ہے۔ گیارہواں باب **زبان و ادب** پر آپ کی [illegible] بارہواں باب آپ کے **جامع علوم فنون** ہونے کے ثبوت پیش کرتا ہے۔ تیرہواں باب **معروف تلامذہ** [illegible] سیرت و خدمات میں آپ کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ چودہواں باب "**جو آنکھوں نے دیکھا**" کے علاوہ وہ حاضر باشوں نے انہیں دیا پیش کیا ہے جو یاد رکھا ہے۔ پندرہواں باب **غروب آفتاب** کا رقت انگیز منظر پیش کرتا ہے۔ سولہواں باب **عربی انگلش اور بنگلہ زبان** کے [illegible] آپ کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ سترہواں باب امام علم وفن کی بارگاہ میں **منظوم خراج عقیدت** ہے۔ اٹھارہواں باب "امام علم وفن نمبر" شائع کرنے پر الافتخار کے سرپرست، مدیر اور نائب مدیر کے نام [illegible] کے تاثراتی **پیغامات و مکتوبات** ہیں۔ انیسواں باب **اخباری تراشے** کے نام سے ہے جس میں حضرت خواجہ صاحب کی رحلت پہ اخبارات میں شائع ہونے والے تاثرات شامل ہیں اور بیسواں باب آپ کی شخصیت سے وابستہ مختلف **نوادرات کے عکوس** سے لبریز ہیں۔

یہ بیس ابواب پر مشتمل امام علم وفن نمبر کے مختصر اشارے ہیں جس کی تفصیل قارئین اندرون صفحات ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام ابواب میں ملک کے نامور علماء، مشائخ، اساتذہ، دانشور، شعراء، ادباء، محققین، مصنفین، صحافی اور مختلف اداروں کے ذمہ داروں کی تحریریں شامل ہیں ان میں بعض تحریریں ان حضرات کی بھی ہیں جنہوں نے صلاحیت رکھ کر بھی اس سے قبل کبھی مضمون نہیں لکھا مگر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی محبت و وارفتگی نے ان سے قلم برداشتہ لکھوالیا ان مضامین میں حضرت

خواجہ صاحب کے علم وفن کا زور نہ سہی، ان کی زندگی کے وہ پر کیف لمحات ضرور محفوظ ہو گئے ہیں جنہیں ان کے تلامذہ اور حاضر باشوں کے علاوہ شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ بعض مقالات ومضامین بڑے معیاری اور وقیع ہیں۔ صاحب تحریر نے یقیناً انہیں بڑی محنت وعرق ریزی سے لکھا ہے انشاء اللہ یہ تحریریں الگ سے کتابی شکل میں شائع کی جائیں گی۔ ان تمام تحریرات کی روشنی میں حضرت امام علم وفن کی شخصیت، جس شان یکتائی وزیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے وہ یہ ہے

امام علم وفن اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کے مظہر ہیں -------علوم اعلیٰ حضرت کے وارث ہیں------- مسلک اعلیٰ حضرت کے وفادار اور اس کی آبرو ہیں----------استاذ العلما ہیں-------فکروفن کے تاجور ہیں-------فکروفن کے ہمالہ اور یکتائے روزگار ہیں--------بے نظیر محقق ہیں--------عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں-------مفتی اعظم ہند کی کرامت ہیں-------عظمت وتواضع کا مادہ اجتماع ہیں----------جامع کمالات ہیں---------مفتی اعظم کی نوری کرن ہیں-----------اخلاق ومروت کے گلشن بے خار ہیں -------دنیائے تدریس کے بے تاج بادشاہ اور تفہیم کے تاجور ہیں-------فقہی بصیرت کے حامل اور فقیہہ باکمال ہیں-------پورے فتاویٰ رضویہ کی تفہیم کے تنہا مالک ہیں--------اعلیٰ حضرت کے علمی جانشین اور عرفان رضا کے امین ہیں-------عصری علوم میں منفرد اور حکمت ودانائی کے مظہر اتم ہیں-------تحقیق وتنقید اور اسلوب تحقیق وتنقید میں بے نظیر ہیں -------زبان وادب کے سلطان اور علم وفن کے گلستاں ہیں--------مربی ومشفق استاذ ہیں۔

المختار کا یہ ''امام علم وفن نمبر'' حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی حیات وخدمات پہ شائع ہونے والا پہلا نمبر ہے۔ ہم نے اسے آغاز سے تکمیل تک پہنچانے میں جن مشقتوں کا سامنا کیا ہے اس کی امید کسی صاحب جنوں سے ہی ہوسکتی ہے اور بس۔ اک جذبہ جنوں تھا جو ہمیں کشاں کشاں در در لئے پھر رہا تھا اور ہم احرام شوق باندھے حریم مقصود کے طواف اور مراد ومواد کی سعی میں پروانہ وار دوڑ رہے تھے اسی سعی سعید کے دوران فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے ہمارے سروں پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیا اور ہماری منزل آسان فرمادی۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اس نمبر کے لئے جس محبت ووفائیت کا مظاہرہ فرمایا اس عہد میں کسی اور سے یہ متصور نہیں، اپنی علمی اور سفری مصروفیات کے باوجود انہوں نے اپنے سارے پروگرام منسوخ فرما کر اس کام کے لئے مختلف مقامات کا سفر کیا، دانشوروں سے رابطے کئے، ملاقاتیں کیں اور کام کو منظم کردیا۔ پھر انہوں نے اپنے عزیز ترین شاگرد حضرت ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجد کو حکم دے کر اس کار سعادت میں شریک ہی نہیں کیا بلکہ اصل بوجھ ان ہی کے ماتھے پہ ڈال دیا، جسے انہوں نے گویا عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ خدانخواستہ وہ ہمیں نہ ملتے تو شاید یہ عظیم نمبر اپنے وقت موعود پر ہم قارئین کی خدمت میں پیش نہ کرپاتے، جس کے لئے شکریہ کے رسمی الفاظ لکھ کر دکھاوے کی رسم ادا کرنا نہیں چاہتے اس کا صلہ تو

انہیں ''امام علم وفن'' کے علمی فیوض وبرکات کی صورت میں ملے گا، انشاءاللہ!۔

بہر حال شب وروز کی محنت ومشقت ، سعی بلیغ اور جہد مسلسل کے بعد یہ نمبر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے عرس پر اور پٹنہ میں منعقدہ ''امام علم وفن کانفرنس'' کے موقع پر منظر عام پہ آرہا ہے۔موضوع مواد اور پیش کش کے اعتبار سے یقیناً یہ تاریخی اور وقیع ہے تاہم یہ نمبر اس معیار کا نہیں ہے جیسا حضرت فقیہ النفس نے خاکہ کھینچا تھا۔انہوں نے بڑی باریک بینی سے سارے مقالات ومضامین پر نظر ثانی فرمائی، ہمیں ہدایات دیں اور ہم نے اس کے مطابق کام کیا، مگر مفتی صاحب کی ہدایات کے مطابق قلت وقت کے باعث بعض مضامین تصحیح سے رہ گئے اس لئے اس تعلق سے یقیناً کمی ہے۔جس کے لئے حضرت مفتی صاحب اور قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔قارئین بصد ذوق وشوق اس کا مطالعہ فرمائیں، حضرت خواجہ صاحب کے فیضان سے مالا مال ہوں اور یہ نمبر کیسا لگا ضرور لکھیں۔

☆☆☆☆

ھدیہ تشکر

محمد مسعود نعمانی، الجامعۃ الرضویہ، کیان

بہار کی مٹی بڑی زرخیز ہے۔ اس نے ہر دور میں ہر شعبہ حیات کو بھی شخصیتیں عطا کی ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور جن کے اندر حق گوئی کا حوصلہ ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے۔ ہمارے ممدوح امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی بہار ہی کی زرخیزی کی پیداوار تھے جن کے قدموں میں علم کے طالب دور دور سے تشنگان علم سمٹ کر آئے اور سیراب و شادکام ہو کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔

حضرت خواجہ صاحب جماعت اہل سنت کے ممتاز اور بعض اعتبارات سے منفرد عالم دین تھے۔ ان کے معاصرین میں من کل الوجوہ کوئی ان کا مماثل و ہمسر نہیں تھا۔ حد یہ کہ ان کی علمی خدمت اور سادگی پسند طبیعت نے انہیں علماء، طلبہ اور عوام تمام حلقوں میں مقبول بنایا تھا۔ سرکار مفتی اعظم ہند سے بیعت و خلافت نے ان کی شخصیت میں مزید معرفت و روحانیت کو روشن کر دیا تھا۔ دنیا نے ان کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھا کہ علم کا یہ کوہ گراں معرفت و للہیت اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی کتنا قیمتی ہے۔ ان کی خدمات کا حق تھا کہ ان کی زندگی ہی میں ان کے شایان شان ایک علمی مذاکرہ کا اہتمام ہوتا، مجلہ شائع ہوتا اور دنیا پر ان کے "مظہر علوم اعلیٰ حضرت" ہونے کے شواہد و حقائق روشن ہو جاتے۔

سن ۲۰۱۳ء کی ایک شام "الجامعۃ الرضویہ" کیان کے صحن میں گفتگو کے دوران امام علم و فن کا تذکرہ نکل آیا، ان کی سیرت کے دلنشیں پہلو زیر گفتگو آئے، مظہر علوم اعلیٰ حضرت ہونے کی دلیلیں دی جانے لگیں، اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند سے والہانہ محبت کا ذکر چھڑ گیا گویا یہ شام حضرت امام علم و فن کے نام تھی۔ رضوی احباب نے ان کے حضور ایک علمی گلدستہ نذر کرنے کا خیال دل میں جما دیا اور اس طرح "الجامعۃ الرضویہ" کیان کا ترجمان سہ ماہی المختار کا یہ "امام علم و فن نمبر" منظر عام پر آ گیا۔

اس نمبر میں حضرت خواجہ علم و فن کے کون کون سے گوشے سامنے آئے؟ ان کے معاصرین نے انہیں کیسا پایا؟ تلامذہ نے ان کی تدریسی صفات کس طرح بیان کیں؟ اخلاق و اخلاص، زہد، روحانیت اور خود داری کا کیا نقشہ کھینچا گیا؟ اور ان کے مظہر علوم اعلیٰ حضرت ہونے کے شواہد کس حد تک پیش ہوئے؟ نمبر کے مطالعہ کے بعد قارئین خود ہی محسوس کر لیں گے۔ ہم تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی بارگاہ میں محبتوں کا یہ خراج ہم قطعی پیش نہیں کر پاتے اگر ہمیں ہمارے مدرسین [illegible]

بالخصوص مولانا احمد رضا احمد اور عزیزم حافظ شمساد سلمہ کا مخلصانہ ایثار وتعاون اور سب سے بڑھ کر فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، ادیب شہیر حضرت مفتی منظر حسین قدیری اور محقق رضویات ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد اور ادیب لبیب مولانا ادریس رضوی کی معاونت ورفاقت حاصل نہ ہوئی ہوتی۔ ہمارے مدرسین نے مقالات ومضامین کی حصول یابی سے لے کر کمپوزنگ اور ترتیب واشاعت تک کے مراحل طے کرنے کے لئے کلیان سے لے کر بریلی شریف، دہلی، پٹنہ پورنیہ، شام پور رائے گنج فیض آباد تک سفر کیا، صعوبتیں برداشت کیں اور خندہ پیشانی سے ہر کٹھن گھڑی کا عبادت سمجھ کر استقبال کیا تو ہماری جماعت کی ان عظیم شخصیات نے اپنا آرام تج کر، اپنی ضروریات سے صرف نظر فرما کر بلکہ صعوبتوں کو برداشت کر کے اس نمبر کو اصلاح وتصحیح اور ترتیب وتہذیب کی منزل سے گزار کر ایک حسین گل دستہ کی شکل میں پیش کرنے کے قابل بنا دیا۔ خدائے تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

ان کاموں کے درمیان کبھی ہمارا مدرسہ علما کا مہمان خانہ بنا کبھی جامعہ نوریہ رائے گنج میں ہم نے ڈیرے ڈالے، کبھی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ نے ہمارا استقبال کیا تو کبھی القلم فاؤنڈیشن میں ہم نے اپنا بستر جمایا۔ یہ ساری وہ جگہیں ہیں جس نے ہمارے نمبر میں معیار واعتبار کا رنگ بھرا۔ خدائے تعالیٰ ان تمام ادارے کو حادثات زمانہ سے محفوظ رکھے

اس نمبر کو منظر عام پہ لاتے ہوئے مسرت کے ساتھ ایک خلش سی بھی محسوس ہو رہی ہے کہ ہمیں یہ نمبر حضرت خواجہ علم وفن کی حیات مبارکہ میں ان کے روبرو منظر عام پہ لانا تھا ساری تیاریاں اسی اعتبار سے کئی ماہ پیشتر سے ہو رہی تھیں مگر افسوس کہ ۲۰/اکتوبر (۲۰۱۳) کو علم وفن کا یہ آفتاب غروب ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ہماری ناتمام حسرتوں کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ ہم اپنی آرزوؤں کے مطابق ان کی بارگاہ میں خراج نہیں پیش کر سکے۔ اگر یہ نمبر ان کی حیات مبارکہ میں آیا ہوتا تو اس کی شان دوسری ہوتی اور ہماری خوشی بھی دوبالا ہوتی، مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ-------اب حضرت کے عرس چہلم کے موقع سے یہ نمبر اس یقین کے ساتھ ہم ان کی بارگاہ میں نذر کر رہے ہیں کہ اسے وہ قبول فرما کر ہماری نگاہ میں ہمیں مکرم بنا دیں گے

اخیر میں ایک بار پھر ہم اپنے کرم فرما حضرات بالخصوص فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، ادیب شہیر حضرت مفتی منظر حسین قدیری اور محقق رضویات ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد اور ادیب لبیب مولانا ادریس رضوی، مولانا غلام رسول بلیاوی مہتمم ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ، مولانا احمر رضوی ابن حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی اور ان تمامی حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے کسی طرح بھی اس نمبر کو سجانے سنوارنے میں ہمارا تعاون کیا خدائے تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کے صدقے ان تمام کو عرفان خواجہ عطا فرمائے اور انہیں دونوں جہاں میں شاد کام رکھے آمین۔

☆☆☆☆☆

احوال واقعی

احمد رضا احمد: مدیر سہ ماہی المختار کلیان

حسین صورت، نفیس طبیعت، پاک طینت، شاہین صفت، عقابی فطرت، متناسب جسامت، گورا گندمی رنگ، نور بھری کشادہ پیشانی، سرگیں آنکھیں، گھنی محراب دار بھویں، گلابی رخسار، خاص قسم کی بارونق داڑھی، موزوں لب، چمکدار دندان، خمیدہ ٹھوڑی، کشادہ سینہ۔ حل المشکلات، کنزالنوادرات، مخزن المعلومات، کشف المغلقات، ماہر زیجات وریاضیات، واقف علم نجوم وفلکیات، جامع معقولات ومنقولات، مظہر علوم اعلیٰ حضرت، خیرالاذکیا، استاذ مطلق، میخانۂ نوری کے بادہ خوار، اخلاق محبت کے علمبردار، نابغۂ روزگار--------- ان تمام اوصاف حمیدہ، خصائل جمیلہ اور القابات جلیلہ کے امتزاج سے جو خوبصورت تصویر سطح ذہن پر منعکس ہو اسی کا نام جہان علم وادب میں ''امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی'' علیہ الرحمۃ ہے۔ یعنی ع

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھایئے

یہ کچھ ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ میرے پدر بزرگوار معین ملت مولانا معین الدین علیہ الرحمۃ نے مجھے ابتدائی تعلیم وتربیت سے آراستہ فرما کر تکمیل تعلیم اور تحصیل سند کے لئے امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی بارگاہ خردنواز میں روانہ فرمایا۔ تقریباً پانچ رچھ سال اس بحر علم وفن میں غوطہ زنی کی، اور ان کے چشمۂ شیریں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی، پھر دھیرے دھیرے.........ع

ان کے رندوں میں میرا بھی نام آگیا

۲۰۰۰ء میں خلعت ودستار سے بہرہ مند ہو کر تلاش معاش اور دینی خدمات کے لئے عروس البلاد ممبئی وارد ہوا۔ چند شناساؤں کی وساطت سے ''الجامعۃ الرضویہ'' کلیان کے مہتمم اعلیٰ مولانا مسعود رضا قادری اور ناظم اعلیٰ مولانا جہانگیر اشرف رضوی سے ملاقات ہوئی۔ رسمی گفتگو کے بعد بحیثیت مدرس میری تقرری عمل میں آئی، اس وقت یہ ادارہ آب وگل کے مراحل سے گزر رہا تھا، آج الحمد للہ! مہاراشٹر کی عظیم تعلیم گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ دینی، عصری تعلیم کے ساتھ تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور ادب وصحافت کے میدان میں بھی اس جامعہ نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور یہ عمل ہنوز مسلسل ہے۔

مولانا مسعود رضا قادری اور ان کے دست وباز و مولانا جہانگیر اشرف رضوی ''دو جسم ایک قالب'' ہیں اور دونوں دینی ملی اور مسلکی خدمات کے لئے کافی مخلص اور جذباتی ہیں۔ علم دوستی، علماء نوازی، احقاق حق اور اشاعت فکر رضا ان کا محبوب شیوہ

ہے،اس کے لئے وہ نہ دشوار گزار راہوں کی پرواکرتے ہیں نہ راستے کی کٹھنائیاں ان کے قدموں کی زنجیریں بنتی ہیں۔وہ

گذر جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے

مجھے دشواریوں میں اشک برسانا نہیں آتا

کا ترانہ گاتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔ان کے اسی جذبہ جنوں نے حضرت امام علم وفن کی حیات ہی میں ان کی شخصیت وکارنامے پر''المختار'' ممبئی کا''امام علم وفن نمبر نکالنے کا ارادہ کیا اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے کوہ پیا حوصلے نے ہی یہ کارنامہ انجام دے دیا۔

'' آج سے تقریباً پندرہ مہینہ پیشتر مفتی حسن منظر قدیری، مولانا مسعود رضا قادری، مولانا جہانگیر اشرف رضوی اور'' الجامعۃ الرضویہ'' کے دیگر مدرسین بعد نماز عصر چائے نوشی پہ بیٹھے تھے، استاذ مکرم حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی تدریسی، تحریری، تحقیقی اور سائنسی خدمات کا تذکرہ آ گیا، کہ اچانک مولانا مسعود رضا قادری نے پر جوش انداز میں کہہ ڈالا'' حضرت امام علم وفن کے حیات وخدمات پر'' سہ ماہی المختار'' کا نمبر نکالا جائے۔''

محفل میں موجود بھی علم دوست حضرات نے ان کی آواز ملا کر ارادے کو اور مستحکم کر دیا، لیکن اب سب سے کٹھن معاملہ، اس منصوبہ کی انجام دہی کا تھا۔حضرت کا شاگرد سمجھ کر سبھوں نے یہ ذمہ داری میرے سر سونپ دی۔میں نے اولاً تو اپنی کم علمی، بے بضاعتی اور ارباب علم وادب سے عدم رابطگی کے سبب معذرت چاہی مگر مولانا مسعود رضا قادری اور دیگر احباب کے اصرار پیہم پر'' نذر شہ'' کے طور پر یہ ذمہ داری قبول کرنی پڑی۔

اپنے علم دوست احباب کی مدد سے پہلے اس نمبر کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا پھر اہل فکر وقلم کی بارگاہوں میں حاضری لگائی اور اپنا منصوبہ وخاکہ پیش کیا، قلمی تعاون کی درخواست کی، دہائی دی کہ حضرت خواجہ صاحب کا ہم پر حق ہے ان کی شخصیت وخدمات کے حوالے سے یہ کام ہونا چاہئے۔پہلے پہل قلمکاروں نے اس اقدام کی بڑی ستائش کی، اور مضامین کی فراہمی کا وعدہ کیا لیکن کہتے ہیں کہ سیر چمن کی خواہش ہو تو پھولوں کی خوشبو کے ساتھ کانٹوں کی چبھن بھی سہنا پڑتی ہے، ایسا ہی کچھ تلخ تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب چند بزعم خویش'' امرائے قلم'' نے اپنی محنت سے قبل ہی اجرت کا مطالبہ کر ڈالا:

مجھے شکوہ ہے اک بیدادگر سے

اب اس میں آپ ہوں یا آسماں ہو

یہ المیہ بھی دھڑکتے دل کے ساتھ پڑھنے کا ہے کہ جوں ہی'' امام علم وفن نمبر'' کا اعلان شائع ہوا کچھ چہرے عرق آلود ہو گئے، پیشانیوں پر ناگواری کی لکیریں نمودار ہو گئیں اور، مختلف طریقوں سے ہماری حوصلہ شکنی کی کوشش کی گئی، مگر ہم نے باد مخالف کی پروا کئے بغیر منزل مقصود کو اپنا ہدف بنایا......ع

گلوں سے ان کو کیا ہوگی محبت
جنہیں نفرت ہو کانٹوں کی چبھن سے

بہر حال یہ خاکہ تیار ہوا، عناوین مقرر ہوئے، مختلف ذرائع سے اہل قلم قرطاس تک اسے پہنچایا۔ چند مخصوص عناوین مخصوص قلم کاروں کے لئے مختص کیے گئے۔ بعضوں نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور بعضوں نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ امام علم وفن سے متعلق اس علمی عنوان پر خامہ فرسائی کے ہم اہل ہی نہیں، بس چند مذاکرے اور علمی مجالس کی روداد قلمبند کر سکتے ہیں اور کچھ حضرات نے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کی کہ اس علمی شخصیت پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ خیر راقم نے رابطے کا سلسلہ دراز رکھا اور کوشش بھر ان تمام حضرات تک پہنچا جو خاکہ کے مطابق مقالات ومضامین لکھنے کے اہل بھی تھے اور جن سے امیدیں بھی تھیں۔

اس مرحلہ عشق کو طے کرنے کے بعد تقاضۂ مضامین کا مرحلہ آیا، یہاں بھی یاران میکدہ نے قطرۂ خوں تک نچوڑنے کی پوری کوشش کی۔ پیہم فون، گزارش اور تقاضے کا حاصل مصروفیات کا بہانہ تھا اور بس۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس موضوع پہ لکھنے کے لئے انہیں اپنے اندر کے انسان سے جنگ کرنی پڑ رہی ہو یا پھر ان کے قلم کی روشنائی خشک ہوگئی ہو۔ ان میں سے کچھ تو وہ تھے جنہوں نے امام علم وفن کے شجر سایہ دار کے چھاؤں میں تربیت پائی، خواجہ علم وفن کے خوان کرم سے حصہ پایا، شب وروز استفادہ واکتساب کیا اور آپ کی انگلیاں پکڑ کر بلند مراتب پر پہنچے، مگر اب جب کہ استاذ کی بارگاہ میں محبتوں کا خراج پیش کرنے کا موقع آیا تو پہلو تہی کرنے لگے، اعتراف حقیقت میں چند سطور لکھنے کی توفیق نہ ملی اور وعدوں پہ وعدہ کر کے آخر میں عدیم الفرصتی کا عذر نامعقول پیش کر لیا، گویا ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

کچھ مخلصین نے مضامین بھیجے تو کچھ قلمی تاجروں اور پیشہ ور مصنفوں نے انہیں غصب کر لئے اور میری پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ ایسے نامساعد حالات اور حوصلہ شکن لمحات میں دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر ہونا فطری تقاضہ تھا، مگر میں بہت احسان مند ہوں اپنے دو محسن اور بزرگ کرم فرما مناظر اعظم فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر ادیب شہیر حضرت مفتی حسن منظر قدیری دامت برکاتہما العالیہ کا، جنہوں نے حوصلہ شکن حالات میں نہ صرف پشت پناہی فرمائی بلکہ قدم قدم پر ساتھ دیا جہاں میری رسائی دم توڑتی یہ دونوں مقدس شخصیات سہارا بن کر کھڑی ہو جاتیں اور میں تازہ دم ہو جاتا، بسا اوقات مناظر اہلسنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ نے بذات خود فون کے ذریعے بہت سے افراد سے رابطے کئے اور مختلف عنوانات دیگر مضامین لکھوائے، پھر الجامعۃ الرضویہ (کلیان) کے طالب علم مولوی ابو صالح، مولوی عبد القادر، مولوی غلام حسنین، مولوی وجہ القمر، مولوی شمس اللقا اور مولوی آصف نے فارغ اوقات میں کمپوزنگ کی قاری شمشاد عالم رضوی اور قاری سلمان رضا نے محنت ومشقت کے ساتھ تزئین اور سیٹنگ کا فریضہ انجام دیا، مولانا محبوب رضا ومولانا محب الرحمٰن نے خوش دلی

کے ساتھ پروف ریڈنگ فرمائی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان مقالات مضامین میں کچھ ایسے بھی تھے جو محض حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی محبت اور ان سے والہانہ جذبات کی رو میں لکھے گئے تھے پہلے سے مضمون لکھنے کا کوئی تجربہ انہیں نہیں تھا جس کا اثر ہر صفحہ سے نمایاں تھا مگر ان مضامین میں حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کے حوالہ سے بہت کچھ تھا اس لئے اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ اس صورت حال کے سبب ضرورت تھی کہ ان تمام مقالات ومضامین اور منظومات کی نظر ثانی کرالی جائے۔ چنانچہ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر ادیب شہیر حضرت مفتی حسن منظر قدیری کے ساتھ اب ڈاکٹر امجد رضا امجد چیف ایڈیٹر "رضا بک ریویو" پٹنہ کی خدمات حاصل کی گئیں کلیان کا شہران کا مہمان خانہ بنا اور مسلسل ہفتہ روز ان حضرات نے بڑی باریک بینی سے تمام موصولہ مضامین ومقالات کا مطالعہ فرما کر اسے منظر عام پہ لانے کے قابل بنایا۔ جزاہم اللہ خیرا الجزا

اسی نشست میں مزید کچھ ضروری عناوین کا انتخاب ہوا اور مختلف دانشوروں سے مضامین لکھوانے کی نئی کوشش شروع ہوئی۔ اس حوالہ سے فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی اور ڈاکٹر امجد رضا امجد نے جو محنتیں کیں وہ نا قابل فراموش بھی ہیں اور شکریہ کے رسمی الفاظ سے ماورا بھی۔ ان نئے مقالات ومضامین کی وصولیابی کے بعد جو تقریبا دوسو صفحات پر مشتمل تھے، ایک بار پھر اس پہ نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی گئی اور مفتی صاحب قبلہ کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ نوریہ، شام پور (رائے گنج) اور رضویات پہ علمی واشاعتی کام کرنے والا ادارہ "القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ ہم لوگوں کا تحقیقی مرکز بنا اس طرح یہ کام مختلف مراحل سے گزرتا ہوا پایہ تکمیل کو پہنچا۔ سچ ہے کہ اگر ان حضرات نے اس طرف توجہ نہیں کی ہوتی تو یہ نمبر اتنا وقیع نہیں ہو پاتا۔

حذف واضافہ، قطع وبرید اگرچہ ادارہ کا قانونی حق ہے پھر بھی ہم اخلاقاً اپنے تمام اہل قلم وقرطاس سے معذرت خواہ ہیں، جن کے مضامین میں حسب ضرورت عنوانات یا تحریر میں ضروری تبدیلی کی گئی یا غیر ضروری باتیں خارج کردی گئیں۔ ساتھ ہی ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے مقالے مضامین اور تأثرات وپیغامات سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ان ہی حضرات کے قلمی تعاون سے ہم حضرت خواجہ صاحب کی بارگاہ پہ علمی خراج پیش کرنے کے قابل ہوئے۔ ایک بار پھر ہم ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں، مناظر اعظم حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر حضرت مفتی حسن منظر قدیری اور آبروئے قلم علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد کی علمی وادبی بارگاہوں میں جن کے بے پایاں معاونت اور اشتراک عمل سے امام علم وفن نمبر سج دھج کر قارئین کی نظروں کی زینت بنا یہ لکھے بغیر ہمارا تشکر نامہ ادھورا رہے گا کہ نمبر کی ترتیب کا کام بظاہر مکمل ہونے کے بعد ایک بار پھر پروف ریڈنگ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہم نے القلم فاؤنڈیشن کو اپنا مستقر بنایا، وہاں ڈاکٹر امجد رضا امجد کی کرم فرمائی سے پٹنہ کی دو عظیم علمی اور تدریسی وملی خدمتیں انجام دینے والی معروف شخصیات حضرت مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی مدرس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی اور حضرت مولانا نثار احمد مصباحی صدر مدرس جامعہ غوثیہ تاج العلوم پٹنہ سیٹی کی خدمات ہمیں میسر آگئیں یعنی ایک بار پھر القلم

میں دیوان کان امام علم وفن کی محفل آراستہ ہوگئی، تمام مشمولات کا بار یک بینی کے ساتھ پروف پڑھا گیا اور تصحیح کرائی گئی، ہم اپنے ان دونوں علم نواز شخصیتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے اشتہار سے اطمینان قلبی کے ساتھ یہ نمبر قارئین کے حوالے کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس میں جو کچھ حسن و جمال ہے انہیں حضرات کی رہین منت ہے اور جو نقص و عیب ہے اس ناچیز کا عمل و حصہ ہے۔ اس میں جو حسن و دلکشی نظر آئے ان حضرات کے ذوق سلیم کی تحسین فرمائیں اور جو کمی و خامی نظر آئے میری کم علمی اور بے بضاعتی پر محمول کریں۔

میں محو حسن اس لئے رہتا ہوں اے فنا
دنیا کے عیب پر کبھی میری نظر نہ جائے

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے ہمنوا مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی اور مولانا سید معین الدین قادری کا شکریہ نہ ادا کروں جو ہر دم ہر قدم میرے رفیق کار رہے اور روزانہ دو چار بار موبائل سے حالات دریافت کرتے رہے بلکہ کچھ لوگوں سے خود رواہرا بحال کر کے مضامین فراہم کیے۔ عزیزم مولوی نفیس عالم سلمہٗ اور مولانا جنید عالم رامپوری نے بریلی شریف اور مبارک پور کے قلمکاروں کے مضامین اسکین کرا کر بھیجا، خدائے تعالیٰ انہیں اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے الجامعۃ الرضویہ کے مہتمم اعلیٰ مولانا مسعود رضا اور مولانا جہانگیر اشرف رضوی نے اپنی مصروفیات کے باوجود متعدد مقامات کے سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور تمام ضروری امور کی انجام دہی میں کلیدی رول ادا کیا۔ برکاتیہ مسجد سرود ے ریسیڈینسی (کلیان) کے صدر حاجی ابوبکر میمن اور نائب صدر حاجی عمر کھتری ودیگر ممبران کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کام کے لئے مجھے امامت سے بری الذمہ فرما کر مختلف اسفار کے لیئے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمائی۔ جن حضرات نے بھی اس منصوبہ کی تکمیل میں مالی، قلمی اور اخلاقی طور پر حصہ لیا اور اس نمبر کی طباعت واشاعت میں اپنا سرمایہ فراہم کیا ہم دل کی گہرائی سے سبھوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

کس کس کا نام لوں کس کس کو چھوڑ دوں
مجھ پر کرم سبھی کا ہے سبھوں کا شکریہ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قطعہ تاریخ بر وفات حسرت آیات

ماہر علوم وفنون حضرت العلام خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ

از: پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ

کون اٹھ گیا کہ انجمن علم وفن میں ہے
ہر سمت ایک گریہ، بکا، نالہ، بین، آہ
اک تاجدار مملکت دانش وخبر
تھا طالبان حق کے دلوں کا وہ چین آہ
علم ہیئت کا رازداں تکثیر کا امین
وہ منطق اور فلسفہ کا زیب وزین، آہ
نخچیر ناوک ازل آخر کو ہوگیا
کیوں غمزدوں کو موت نہ ہو قلتین آہ؟
تھا اپنے زور علم سے غیروں میں بھی سند
اس سانحہ پہ کیوں نہ کرے جانبین آہ
وہ پاسبان شرع طریقت کا آشنا
پردہ جو کرگیا تو ہے اک شور شین آہ
اللہ مغفرت کرے درجات ہوں بلند
کرتے رہیں دعا کہ ہے ہم پہ دین آہ
اے برقؔ مجھ کو قطعۂ تاریخ کی تھی فکر
ہاتف نے جو کہا وہ لکھا عین مین آہ

<u>یکتائے روزگار کہو نازش قلم</u>

۴ ۳ ۴ ۱ھ

<u>وہ پاک باز خواجہ مظفر حسین آہ</u>

۳ ۱ ۰ ۲ء

قطعہ تاریخ وفات

امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی

منیر سیفی

ہر لمحہ جن کا وقف تھا اللہ کے لئے
نایاب علم وفن پہ تھی جن کی گرفت سخت
2605[30-415-140=592]-592 2013
مغموم دل ہے آج قلم آب دیدہ ہے
دار الفنا سے آہ مظفر حسین رفت
۱۴۳۴ھ

امام علم وفن کی رحلت پر چند تاریخی فقرے

محمد نور الزماں نوری و محمد فیضان رضا ناز نوری ٹولہ بائسی پورنیہ

الم فوت فخر ہندوستان
۲۰۱۳ء

جہان غریق رنج والم
۲۰۱۳ء

اب چل دیے خواجہ مظفر حسین
۲۰۱۳ء

خواجہ اک شان ولایت
۱۴۳۴ھ

ذآیات غوث پاک ہیں
۱۴۳۴ھ

شہنشاہ نطق علم وحکمت
۱۴۳۴ھ

غریق رحمت دال
۲۰۱۳ء

پہلا باب

تاثرات مشائخ کرام

امام علم وفن: جس کی قدر جماعت پر قرض رہی

امین ملت پروفیسر، سید محمد امین میاں مارہرہ شریف

ان تمام دوستوں کو مبارک باد دینا میرا خوشگوار فریضہ ہے جو خواجہ صاحب کے سلسلے میں تاثراتی مجلّہ شائع کررہے ہیں۔ خواجہ صاحب سے میری چند ملاقاتیں ہیں مگر میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے کرام سے ان کے بارے میں اتنا سنا ہے کہ بڑی پرانی واقفیت لگتی ہے۔ آپ کا شمار علوم اسلامیہ کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی بحر ذخار سے خواجہ صاحب نے دل کھول کر استفادہ کیا ہے۔

خواجہ صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے آپ کے تربیت یافتہ شاگرد ملک کے مختلف حصوں میں آپ کا نام روشن کررہے ہیں۔ خواجہ صاحب کی علمیت کا اندازہ تحقیقات امام علم وفن سے لگایا جاسکتا ہے جو خواجہ صاحب کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ملک کے مختلف جرائد میں لکھے تھے۔ یہ مجموعہ مختلف علوم وفنون میں آپ کی دسترس کا عمدہ نمونہ ہے۔

خواجہ صاحب کی مذہبی اور تدریسی خدمات کے مدنظر سال گزشتہ مارہرہ مطہرہ میں ''عرس قاسمی،، کے موقع پر آپ کو سپاس نامہ پیش کیا گیا اور عزت افزائی کی گئی مجھے اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ ہماری جماعت نے خواجہ صاحب کی وہ قدر نہیں کی جسکے وہ حقدار ہیں۔

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب صرف علوم وفنون کے میدان میں ہی امامت کے منصب پر فائز نہیں بلکہ دیگر خوبیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ آپکا حسن اخلاق خوش مزاجی، کشادہ قلبی جود وسخا اور اخلاقی محاسن لائق تقلید ہیں۔

میں بارگاہ رب العزت میں دعاء کرتا ہوں کہ مولائے کریم بطفیل سرور کونین ﷺ اہل سنت وجماعت پر آپکے سائے کو دیر قائم رکھے۔ ایک بار پھر میں رسالہ ''المختار'' کے ذمہ داران کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کی طرف سے خواجہ صاحب کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام علم وفن: اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کا مظہر

علامہ توصیف رضا خان خانقاہ رضویہ بریلی شریف

امام علم وفن کی رحلت کی خبر سن کر مجھے بے حد افسوس ہوا خدائے پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے او ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خواجہ صاحب ہماری جماعت کے بے مثال عالم دین تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے درسگاہ کے بے تاج بادشاہ تھے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علوم وفنون کا وارث اور مظہر تھے، خواجہ مظفر حسین صاحب ایسے علوم وفنون کے جان کار تھے کہ ان علوم وفنون کے جاننے والے پوری دنیا میں اب مشکل سے دستیاب ہوں گے۔ خواجہ صاحب کے انتقال سے آن پوری دنیا میں علمی خلا محسوس کی جارہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عروس البلاد ممبئی میں عرس چہلم کے موقع پر ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک عظیم نمبر شائع کر رہے ہیں یہ مسرت آمیز خبر سن کر سارا غم کافور ہو گیا کیونکہ اس عظیم نمبر سے انشاء اللہ ممدوح کی حیات وخدمات کے ایسے ایسے گوشے منظر عام پر آجائیں گے جو اب تک عام لوگوں کی نظر سے اوجھل تھے۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صاحب لولاک کے صدقے امام علم وفن نمبر کو پائے تکمیل تک پہونچائے او عوام وخواص میں شرف قبولیت بخشے آمین بجاہ سید المرسلین۔

امام علم وفن : مسلک اعلیٰ حضرت کے وفادار

جمال ملت حضرت مولانا جمال رضا خاں قادری بریلی شریف

اسلام کی چودہ سو سال سے زیادہ کی تاریخ ہے۔ دین مصطفیٰ کی خدمت علما ،صوفیا، مجاہدین اور اولیائے کرام اپنے اپنے منصب کو خلوص للّٰہیت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ جہاں مجاہدین کے لہو نے شجر اسلام کو پروان چڑھانے میں ایک زبردست تقویت پہونچائی ہے وہیں اولیائے کرام نے اپنی روحانیت کے جلوے دکھا کر اسلام مخالف طاقتوں کو اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرانے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ صوفیائے کرام کی عاجزی، انکساری اور ایثار نے دین کو اس انداز پر لوگوں کے سامنے پیش کیا، لوگ ان کی عاجزی، انکساری اور ایثار سے متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں جوق در جوق شامل ہوتے چلے گئے۔ علمائے کرام نے بھی ہر دور میں اپنے علم سے دین کے اوپر اعتراض کئے جانے والی طاقتوں کا جواب دیا اور اٹھنے والی انگلیوں کو مروڑ کر ہمیشہ کے لئے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

ایک صوفئ باصفا میں ایک عالم باعمل میں اور ایک عاشق اولیا میں جو اوصاف ہوتے ہیں میں نے وہ تمام اوصاف دور رواں کے امام المنطق برادر طریقت حضرت علامہ شاہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی، قادری نوری دامت برکاتہم العالیہ میں بدرجۂ اتم پایا۔

ایک ایسی ذات جس کی علمی جلالت کا احساس اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ موصوف کسی شہر کے کسی ادارے میں اگر خدمت کو قبول فرما لیتے ہیں تو اس ادارے میں آپ کے ہمراہ سیکڑوں طلبہ داخلہ لینے کے لئے اور آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس ادارے کو کوئی نہیں جانتا وہ ادارہ امام المنطق کے تشریف لے جانے سے پورے ہندوستان میں شہرت پا جاتا ہے۔

وہ ایسے عاشق اعلیٰ حضرت اور ایسے فنافی الشیخ ہیں کہ بریلی کی گلیوں میں جب بھی میں نے انہیں چلتے ہوئے دیکھا تو ان میں مفتیٔ اعظم ہند کے دور کے اکابرین کی جھلک نظر آئی۔ وہ جب درگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری دینے آتے ہیں تو نہ

جانے کتنے طلبا ان کے پیچھے ہوتے ہیں مگر وہ خود ایک ادنیٰ خادم وغلام کی طرح حاضر بارگاہ ہوتے ہیں۔

اکثر جلسوں میں امام المنطق کے ساتھ اس فقیر (راقم الحروف) کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے ان علما، طلبہ کے بیچ امام المنطق کو اس طرح سے جلوہ بار دیکھا کہ نہ بیٹھنے والوں کو احساس ہوتا تھا کہ ہم کسی جلیل القدر عالم کے ساتھ بیٹھے ہیں نہ خود ہی صاحب کی کسی بات سے احساس ہوتا تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ جلسے کے اختتام تک جلسہ میں موجود رہنا اور اپنے شاگردوں کے خطابات کو اتنے غور سے سننا جیسے عوام الناس کسی ضروری بات پر دھیان لگا کر سنا کرتے ہیں؛ یہ امام المنطق کا خاصہ ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند اور حضور اعلیٰ حضرت کا ذکر اور ان کی محبت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے وفاداری ان کی ہر بات سے اور ان کے ہر جملے سے ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک محققانہ ذہن رکھنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم کی تحقیقات کے خلاف کوئی تحقیق نہیں کی بلکہ جب بات نکلی یہی کہا کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم نے جس مسئلے پر قلم اٹھالیا اس پر مزید تحقیق کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ بلاشبہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم کی تحقیقات پر ان کے فرمودات کو حق جاننا ان کی دانشمندی ان کی دور اندیشی ان کی علمی جلالت اور مسلک وفاداری پر دال ہے۔

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کے مزار مقدس پر جس انداز سے عجز وانکساری کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور ہاتھوں کو باندھ کر قیام کرتے ہیں تو ان کی کیفیت کو دیکھ کر ان کی مرید صادق ہونے کا احساس ہوتا ہے اور زبان حال سے اس وقت انکا وجود یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضور مرشد کھڑا رہوں گا کھڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
نگاہ لطف وکرم اٹھے گی تو جھک کے میرا سلام ہوگا

خداوند قدوس صوفی مزاج اوصاف جمیلہ رکھنے والے اس عالم باعمل کو عمر نوح عطا فرمائے۔ ان کے سینے سے پھوٹنے والی علمی کرنوں سے عالم کو روشن کرے، اور زبان سے جاری ہونیوالے علم کے چشمے سے زمانہ کو سیراب کرے۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

امام علم وفن: فکر ونظر کے تاجور

شہزادۂ شہید راہ مدینہ مولانا سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی

امام علم وفن حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کی پوری زندگی کو تحریر میں قید کرنے کی ایک کامیاب کوشش المختار کا خاص شمارہ ''امام علم وفن نمبر'' کی اشاعت ہے۔
چمن تو پھول کھلنے کی جگہ ہے اس میں پھول کھلتے اور مسکراتے ہیں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں؛ البتہ وہ پھول قابل ستائش ہے جو صحراؤں اور ریگ زاروں کو لالہ زار بنادے۔
مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب سرزمین بہار میں کھلنے والا ایسا ہی پھول ہیں جو اپنے علم وفن کی نسیم بہار سے صحرا کو گلزار بنادیتے ہیں اور بسا اوقات سنگلاخ زمین میں بھی لالہ وگل کی کاشت کرتے ہیں یہ ان کی فنی تحقیقات ہیں۔
اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خواجگی کا تاج رکھتے ہیں، علم وفن کے تاجدار ہیں اور فکر ونظر کے تاجور بھی، علمی دنیا میں اس وقت نہ ان کی کوئی نظیر، نہ مثال، کوئی عدیل نہ ہمسر ہے: وہ تنہا امام احمد رضا کے علوم وفنون کے وارث ومظہر ہیں، امام علم وفن نمبر کی اشاعت پر صد تبریک وتحسین قبول کریں۔

☆☆☆

امام علم وفن: استاذ العلما

ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، خانقاہ منعمیہ متن گھاٹ پٹنہ

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اپنے ملفوظات خوان پر نعمت میں ایک نابغہ روزگار شخصیت حضرت علامہ سید علاؤ الدین جیوری کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''سید علاؤ الدین ایک بہت بڑے بزرگ تھے جملہ اصناف علوم پر عبور رکھتے تھے۔ سید علاؤ الدین نے پورے ہفتہ کو درس کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔ مثلاً ایک روز فقہ کا سبق دیتے، ایک روز علم نحو و منطق سکھاتے، ایک روز اصول و علم کلام پڑھاتے اور ایک روز تفسیر و حدیث کا سبق دیتے '' (۱۵۷ صفحہ اردو ترجمہ)

ایسی شخصیت کے لئے جب میں اپنے زمانہ پر نظر ڈالتا ہوں تو جو شخصیت سب سے پہلے نگاہ میں آتی ہے وہ ہیں حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب متع اللہ المسلمین ببقائہ۔

خواجہ صاحب منقولات ہی نہیں معقولات پر بھی ایسی گہری دسترس رکھتے ہیں کہ علماء ہی نہیں فضلائے علوم سائنس و ریاضی و جغرافیہ بھی آپ کے تبحر کے قائل اور مداح ہیں۔

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ ایک بار ایسے موقعہ پر خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی حاضر آئے کہ علم طبعیات کے جانے مانے استاذ پروفیسر محفوظ الرحمٰن، علم ریاضی کے معروف استاد پروفیسر محمد اظہر حسین صاحب اور جغرافیہ کے ریٹائرڈ استاذ پروفیسر خورشید صاحب بھی خانقاہ میں حاضر تھے اور موقعہ علم توقیت کے سلسلے میں ایک خاص نشست کا تھا۔ تبادلۂ خیال کے دوران جب خواجہ مظفر حسین نے اپنی بات اور تجربہ کی روشنی میں جن نتائج کو پیش کیا تو بیک زبان تینوں ماہرین نے ان کی تحسین فرمائی اور کسی ماہر علوم شرقیہ کی اس قدر بالغ نظری پر حیرت کا اظہار کیا۔ اسی نشست میں ایک حساب کرنے کا موقعہ آیا جس کے لئے

کاغذ وقلم درکار تھا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا مکتوبی نتیجہ سامنے آئے خواجہ صاحب نے زبانی اس کا حساب کر کے نتیجہ بیان کر دیا اور وہ وہی تھا جو بعد میں کاغذ پر سامنے آیا۔ سارے حاضرین عش عش کرنے لگے۔ اور اکیلے میں بھی مجھ سے خواجہ صاحب کی عبقری شخصیت کا بارہا اظہار کرتے۔

بمبئی کے ایک بڑے سیمینار کے موقعہ سے خلوت اور جلوت دونوں میں حضرت خواجہ صاحب سے لگاتار رفاقت کا موقعہ ملا۔ اس موقعہ پر جناب غلام جابر شمس مصباحی کے دولت کدہ پر خواجہ صاحب کے ساتھ اس خاکسار کی دعوت ہوئی تو اس میں بھی مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو ہوئی اور نہ صرف ان کا تبحر علمی واشگاف ہوا بلکہ ان کے اندر کا وہ گراں قدر انسان بھی سامنے آیا جو بزرگوں کی صحبت سے مالا مال، نسبتوں کا قدر دان، اخلاق عالیہ کا خوگر اور عاجزی وانکساری کا پتلا تھا۔

بمبئی کے اس سیمینار میں خواجہ صاحب کا ایک اور جوہر کھلا کہ انہوں نے حاضرین کے مجمع کو تقریری سیشن میں خطاب بھی فرمایا۔ عام طور پر صاحب قلم جوہر خطابت سے خالی وعاری ہوتے ہیں اور وہ برجستہ خطاب سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور یہی حال عام طور پر خطیبوں کا ہوتا ہے کہ وہ تحریری میدان میں خود کو تہی دامن پاتے ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب جب خطاب فرما رہے تھے تو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی گفتگو میں خطابی رمق بھی تھی اور سامعین کو باندھنے والی کشش بھی ساتھ ہی ساتھ اس قدر تجربات ومشاہدات سے پر گفتگو فرمائی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ ہر شخص آپ کے بیان کردہ واقعہ کو گوش برآواز سن رہا تھا اس لئے کہ یہ تاریخ کے وہ ابواب تھے جن کے چشم دید راوی خود حضرت خواجہ صاحب تھے۔ دوسرے یہ کہ جن نتائج وماحصل کی طرف آپ نے توجہ دلائی وہ بلاشبہ ان کی دقت نظر اور فکر عمیق کے غماز تھے اور اصاغر واکابر سب کے لئے یہ گہر آبدار سے کم نہیں تھے۔

مشائخ صوفیہ کے یہاں منازل سلوک طے کرنے کے لئے دو راہیں معروف ہیں یعنی جذب اور سلوک۔ لیکن یہ طے ہے کہ وہ جذب جو سلوک سے خالی ہو زہر ہلاہل ہے اور وہ سلوک جو جذب سے عاری ہو بغیر نمک کا کھانا ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ جو مجذوب سالک ہوگا وہ سالک مجذوب سے افضل ہوگا اور اس کا راز یہ ہے کہ سالک مجذوب باکمال تو ہوگا لیکن دوسروں کے لئے غیر مفید ہوگا جب کہ مجذوب سالک باکمال بھی ہوگا اور دوسروں کے لئے بے انتہا مفید بھی ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح معقول بلا منقول زہر ہلاہل ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ جس معقولی کا انجام منقول ہو وہ صدفی صد مبارک ہے اور جو منقول سے چل کر معقول پر ٹھر جائے وہ اپنی ذات کے لئے مبارک ہوگا لیکن غیروں کے لئے بے فائدہ۔ حضرت خواجہ صاحب کی ذات کا یہ عالم ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں ان کے چوٹی کے معقولی ہونے پر اتفاق ہے لیکن دیکھئے تو سرتاپا منقولی نظر آئیں اور بولیں تو منقولات کی وصلیاں چمک جائیں اور اسی لئے ان کا وجود صدفی صد مبارک ہے۔ متع اللہ المسلمین ببقائہ.

☆☆☆

امام علم وفن: کی فیضان گاہ (براؤں شریف)

علامہ غلام عبدالقادر صاحب قبلہ علوی مدظلہ العالی براؤں شریف

امام علم وفن حضرت علامہ مولانا خواجہ مظفرحسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی شخصیت وعبقریت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف سے ان کے خوشگوار تعلقات کی ایک معتبر تاریخ ہے۔

ہوا یہ کہ شیخ العلما علامہ غلام جیلانی صاحب قبلہ اعظمی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث وصدرالصدور فیض الرسول براؤں شریف کی تحریک پر امام علم وفن کو براؤں شریف لانے کی کوشش کی گئی تھی مگر کسی وجہ سے نہ آسکے تھے۔ پھر برادر گرامی قدر مجاہد سنیت حضرت خلیفہ بھیا علیہ الرحمہ سابق سجادہ نشین خانقاہ فیض الرسول وبرادر گرامی مولوی محمد فاروق احمد صاحب علیہ الرحمہ سابق مہتمم اور اساتذۂ فیض الرسول کی اجتماعی تحریک پر حضرت خواجہ صاحب کو تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے براؤں شریف لایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں رہ کر اپنی تدریسی خدمات کا ناقابل فراموش انمٹ نقوش چھوڑے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض وجوہات کی بنا پر جب وہ یہاں سے تشریف لے گئے تو میں نے اپنے اہتمام ونظامت کے زمانے میں دوبارہ خواجہ علم وفن کو یہاں لانے کی کوشش کی اور خواجہ صاحب بخوشی دوسری مرتبہ یہاں تشریف لائے اور اس طرح فیض الرسول کے طلبہ کو ایک بار پھر خواجہ صاحب سے اکتساب فیض کے مواقع فراہم ہوئے۔ خواجہ صاحب نے یہاں رہ کر بہت سارے طلبہ کو مستفیض فرمایا چنانچہ یہاں سے اکتساب فیض کرنے والے تلامذہ کی ایک معتبر ٹیم ملک وبیروں ملک میں خدمات دینے میں مصروف ہیں۔ خواجہ صاحب سے میرے اپنی قلبی لگاؤ کا ہی نتیجہ تھا کہ کچھ وجوہات کی بنا پر جب خواجہ صاحب یہاں سے تشریف لے گئے تو میں نے اپنے سب سے بڑے فرزند عزیزم مولانا حافظ وقاری محمد آصف علوی سلمہ (جوفی الحال الجامعۃ الازہر مصر میں مصروف تحقیق ہیں) کو اکتسابِ فیض کے لئے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔

میری دانست کے مطابق موصوف کو خواجہ علم وفن کا لقب دار العلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف سے سب سے پہلے دیا گیا جو آج نہ یہ کہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک بھی یہ موصوف کے لئے زبان زد عوام وخواص ہے۔ خواجہ صاحب کے فیض الرسول سے تعلقات کی استواری کا یہ حال ہے کہ یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد بھی وہ یہاں کے ایک فرد شمار کئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گاہے بگاہے سالانہ امتحان یا جلسہ واعراس کے مواقع پر خواجہ صاحب کی فیض الرسول میں تشریف آوری کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور خدا کرے تاحیات یہ سلسلہ جاری رہے۔

ہر چند کے اب خواجہ صاحب کی آمد یہاں کم ہو پاتی ہے مگر وہ جب بھی یہاں آئے تو میں نے ادارہ وخانقاہ کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے ان سے یہی کہا کہ حضرت آپ رہنے کو تو کہیں بھی رہیں مگر آپ رہیں گے براؤں شریف ہی کے اور اس محبتانہ اعتراف کو نہ یہ کہ وہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ آج تک نبھاتے چلے آرہے ہیں۔ مولائے قدیر ان کی حیات کو صحت وعافیت کے ساتھ طویل فرما کر ان کے علمی سائے تادیر علمی حلقوں میں دراز فرمائے۔

آمین بجائے حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہ اکرم الصلوۃ والتسلیم۔

☆☆☆

امام علم وفن : میرے خواجہ علم وفن

سید محمد تنویر ہاشمی خانقاہ ہاشمی، درگاہ حضرت ہاشم پیر، بیجاپور

عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ امام علم وفن کی خدمت میں حاضر ہوکر اس مرد علم ومعرفت آگاہ سے شرف لقا حاصل کروں جس کی جوتیاں اٹھا کر اصاغر، اکابر، جاہل، عالم وفاضل، گم نام' ناموراور گونگے، سحر البیان ہو گئے۔ اللہ تعالی نے چند سال قبل میری یہ دعا قبول فرمائی اور ایک اہم دینی وشرعی مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد محترم ومکرم، مشفق ومہربان ، امام علم وفن حضرت علامہ مفتی خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ یقین جانیں پہلی ملاقات، مگر ایسا محسوس ہوا کہ مجھے خواجہ علم وفن پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ اس قدر محبت وشفقت فرمائی کہ میں تو حضور والا کا گرویدہ ہوگیا اور میری آنکھوں سے آنسوں جاری ہوگئے۔ سادہ لباس میں احقر نے ایک جلیل القدر عالم کو بلکہ ایک صوفی باصفا کو اخلاق کے اعلی اقدار پر فائز المرام پایا۔ گفتگو شروع ہوئی تو حضرت والا کی شیریں بیانی، وجاہت علم، باوقار بزرگی، اللہ اللہ چند لمحوں میں حضرت خواجہ علم وفن نے ایک متنازعہ مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں سید صاحب ضرور اس مسئلہ میں رہبری کرونگا۔ بس اس دن سے حضرت والا میری رہنمائی کرنے لگے اور مناظر اہلسنت فقیہ النفس محترم مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ کو حکم فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہمیں جماعت اہل سنت کی رہنمائی شریعت مطہرہ کی روشنی میں کرنا ہے۔ الحمد للہ! بالآخر دونوں بزرگوں نے ایک تکفیر کے مسئلہ میں علمی تحقیق اور تاریخ ساز فیصلہ جاری کر کے متنازعہ مسئلہ کو اس طرح حل فرمادیا کہ ملک وبیرون ملک سب کو تسلیم کرتے ہی بنی!

چند ماہ قبل مفتی حسن منظر قدیری صاحب خانقاہ ہاشمی بیجاپور تشریف لائے تھے دوران گفتگو آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت امام علم وفن کے اعتراف خدمات میں ایک مجلّہ شائع ہونے جارہا ہے اور آپ کو حضرت امام علم وفن کی شخصیت پر اپنے تاثرات قلم بند کرنا ہے محترم محمد مفتی مطیع الرحمن صاحب سے فون پر بات ہوئی تو آپ نے بھی حکم فرمایا کہ جلد اپنے تاثرات خواجہ صاحب سے متعلق تحریر کر کے روانہ کرو۔ واللہ! جو کچھ میں نے حضرت امام علم وفن کے بارے میں رقم کیا ہے وہ میرے قلبی احساسات ہی نہیں بلکہ عملی مشاہدہ ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے یعنی جماعت اہل سنت نے جیسی قدر ومنزلت ایسی شخصیت کی کرنی چاہئے تھی نہیں کر سکے۔ ہمارے یہاں چھوٹے بہت جلد بڑے بن جاتے ہیں مگر جو واقعی بفضلہ تعالی بڑے ہیں ہم انکی عظمتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ مبارکبادی کے مستحق ہیں وہ احباب جن کی کاوشوں سے امام علم وفن کی خدمات پر ایک معلوماتی مجلّہ شائع ہونے جارہا ہے۔

اللہ تعالی حضور ﷺ کے طفیل حضرت امام علم وفن کو صحت کامل عابد عطا فرمائے۔

☆☆☆

امام علم وفن: شستہ زبان اور بالیدہ فکر کے پیکر

سید محمد انور چشتی، خادم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

استاذی الکریم امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی دام ظلہ برصغیر کے ان جلیل القدر اساتذہ میں ہیں جن کی درس گاہِ علم وفن سے استفادہ کرنے والے علم وادب کے مختلف میدانوں میں امتیازی حیثیت کے حامل ہوئے۔ ان کی درس گاہ سے کسب فیض کرنے والے علما کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوئی، جس نے علم وفن کی اشاعت اور ملک وملت کی تعمیر وترقی میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ ان کے تلامذہ آج ملک کی مختلف درس گاہوں میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوکر علم وادب کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ تقریبا نصف صدی سے اشاعت علم دین کے مبارک عمل سے وابستہ ہیں۔ آپ نے مختلف اوقات میں جن اداروں کی مسند تدریس کو زینت بخشی ان میں مظہر اسلام ومنظر اسلام بریلی شریف، جامعہ عربیہ سلطان پور، مدرسہ فیضیہ ایشی پور، بھاگلپور، مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف، مدرسہ قادریہ بدایوں اور مدرسہ نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ کے علم وفضل اور تدریسی خوبیوں کے سبب طلبہ آپ سے شرف تلمذ کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جس ادارے میں بھی تشریف لے گئے تھوڑے ہی عرصہ میں علم وفن کے شائقین طلبہ کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ آپ کی تدریس کا نرالا اور اچھوتا اسلوب طلبہ کی دلچسپی اور توجہ کا باعث ہوتا ہے۔ علمی قحط کے اس دور میں جب کہ باکمال اساتذہ کا وجود نادرونایاب ہے، آپ کی ذات طالبان علوم نبویہ کے لیے ایک عظیم نعمت ہے۔

حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ سے مختلف اداروں میں مجھے بھی اکتساب علم کا موقع ملا۔ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کان پور میں، مفتی اعظم کان پور حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب اور مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ میں اپنے نانا امام النحو، صدر العلما حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمہما اللہ کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے اُس وقت کی معروف درس گاہ مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف پہنچا۔ یہاں امام علم وفن کی درس گاہ علم وادب آراستہ تھی۔ مختلف علاقوں کے طلبہ یہاں تحصیل علم میں مصروف تھے۔ مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف

میں جب تک خواجہ صاحب کا سلسلہ درس جاری رہا میں بھی حاضر رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ یہاں سے مستعفی ہوکر دارالعلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لے گئے، تو میں بھی الہ آباد پہنچ گیا۔ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے زمانہ تدریس میں بھی ان سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ کچھ ہی عرصے بعد جب آپ دوبارہ مدرسہ فیض الرسول براؤں پہنچے، تو میں بھی وہاں حاضر ہوگیا۔ اس طرح ایک زمانے تک آپ کی درس گاہ سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ فالحمد لله علی ذالك

حضرت خواجہ صاحب قبلہ ایک قابل قدر استاذ اور بے مثال مدرس ہیں۔ آپ کی تدریس کا انداز نہایت شائستہ اور سنجیدہ ہوا کرتا ہے۔ سخت سے سخت کتابوں اور مشکل سے مشکل اسباق کا درس آپ نہایت آسان اور سہل پیرایے میں دیتے ہیں۔ مثالوں کی روشنی میں مشکل مقامات کی توضیح وتشریح آپ کا امتیازی وصف ہے۔ بڑی بات تو یہ کہ آپ صرف منطق وفلسفہ ہی نہیں بلکہ فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ معقول ومنقول کے تمام فنون کی کتابوں کا درس یکساں مہارت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر فن میں اختصاص حاصل ہے؛ اور تمام فنون پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ خواجہ صاحب جیسے عبقری استاذ خال خال ہی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔ امین۔

استاذی الکریم حضرت خواجہ صاحب قبلہ ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ خطیب اور تجربہ کار مصنف بھی ہیں۔ یہ تینوں اوصاف ایک ہی شخصیت میں کم ہی جمع ہو پاتے ہیں۔ عموماً اچھے مدرسین، عمدہ خطیب نہیں ہوتے؛ اور اچھا خطیب، کام یاب مصنف نہیں ہو پاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر یہ تینوں خوبیاں جمع فرمادی ہیں۔

آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں ربیع الاول شریف کی بارہویں شب کو سالانہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام منعقد ہوا کرتا ہے۔ ہر سال ہندوستان کے کسی صاحب علم خطیب کو خصوصی خطاب کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ ایک سال حضرت خواجہ صاحب قبلہ کو دعوت دی گئی۔ حسب وعدہ آپ تشریف لائے اور حضور خواجہ بندہ نواز سید مصباح الحسن علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل قطعہ کے ابتدائی مصرعے کو موضوع سخن بنایا۔

ہر اک شی کا وہ مبدا ہے یہ منصوص شریعت ہے
وہی ہے منتہی سب کا یہ مضمون شریعت ہے
مگر مصباح کہتا ہے بشر ہیں اس جگہ حیراں
محمد کو خدا جانے یہ عرفان حقیقت ہے

ڈھائی گھنٹے تک پُر مغز علمی وتحقیقی گفتگو فرماتے رہے۔ ایسا نفیس خطاب ہوا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہوگیا اور اہل علم انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک مصرعے کی توضیح وتشریح پر مشتمل ڈھائی گھنٹے کا عالمانہ خطاب آپ ہی کا حصہ ہے۔

پھر دوسرے سال کے سالانہ جلسہ عید میلاد النبی میں بحیثیت خصوصی خطیب آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس بار آپ نے

مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی کو موضوع سخن بنایا، اور پھر اسی شان سے نکات سے بھرپور ڈھائی گھنٹے کا خطاب فرمایا۔ بلاشبہ آپ کی عمدہ خطابت کا یہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ اس کے علاوہ بھی کئی بار کچھوچھ شریف تشریف لائے، آستانہ عالیہ صمدیہ اور جامعہ صمدیہ میں قیام فرمایا۔ جامعہ صمدیہ کی تعلیمی و تعمیری ترقی کو دیکھ مسرت کا اظہار فرمایا۔ حوصلہ افزا اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

استاذی الکریم حضرت خواجہ صاحب قبلہ تحریر و قلم کے بھی شہنشاہ ہیں۔ ان کے علمی و فکری مضامین و مقالات ملک کے معتبر جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ باضابطہ کئی تصانیف بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی تحریریں حلقہ علم و ادب میں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں اور اعتماد و اعتبار کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کی خدمات جلیلہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک وقیع نمبر کی اشاعت کا ارادہ خوش آئند ہے۔ میں ان تمام افراد کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس مبارک عمل میں دامے درمے قدمے سخنے حصہ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مالی مقام ان اتکلم فی حیاته الکریم

السید محمد عبداللّٰہ ابدال الحسنی الحسینی القادری الجیلانی

الحمدللّٰہ الذی علم الانسان ما لم یعلم،واکرمه بخطابه الافخم،"ولقد کرّمنا بنی آدم"وجعل نجاته فی اتباع حبیبه والسواد الاعظم،والصلٰوة والسلام علٰی حبیبه وخلیله سید ولدآدم،الذی من بُعِثَ بالرحمة والانابة الاعظم،صاحب المجدوالکرم،دافع البلاء والالم،وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ اٰله الطیبین الطاهرین واصحابه المرضیین والتابعین المعظمین وبارک وسلم.......................امابعد

فیقول افقرالعباد اِلیٰ مولاه الغنی الجوّاد،السید محمد عبداللّٰہ ابدال الحسنی الحسینی القادری الجیلانی،بلغه الامل ووفقه لصالح العمل: لماکانت الایام الماضیة ممتلئة بلطائف الرحمانیة،لقد اطلعت الکتاب النفیس مایتعلق بالعلامة المحدث الناقد المحقق البارع الفقیه،حاوی الفروع والاصول،جامع المعقول والمنقول،حجة السلف،بقیة الخلف،استاذالعلماء،فخرالاکابر،قدوة الاصاغر والمعاصر،شیخ الطریقة،بدرالشریعة،الشیخ خواجه مظفر حسین الرضوی،حفظه الله تعالیٰ وامتع به،المسمی ب"تحقیقات امام علم وفن"کان اهداه الیّ صدیقی العزیز،مولاناالفاضل،فخرالاماثل،العالم الماهر،محمد حسان ملک نوری،فتح اللّٰہ علیه فتوح العارفین،احد علماء برهان فور الهند،فی زیارتی ورحلتی الی ناکفور الهند وقد درستُ الکتاب دراسة عمیقة،فوجدتُه متیناً ممتعاًمهمّاًوانی لااتوقفُ وکذا لا یتوقفُ کل من یطالعه عن الاعتراف بانّ الشیخ حفظه اللّٰہ،وفیٰ لهٰذه المسائل حقها من البحث والتحقیق وحینما قرأتُه فی بلدی"بنجانه بَلِی"اُعجبتُ به لاستقرائه واستیفائه واستیعابه،لانّ الشیخ جاء مستوفیً واضحاًفی مبانیه ومعانیه حیث امتلأت القلوب الصافیة،من الانوار یَضِیئُ بها طرائق الفهم من جمیع المناحی ،لغةً،اعراباً،بلاغةً،استنباطاًوبیاناً،لفوائد حدیثیةولطائف اسنادیة،ومسائل اصلیة وفرعیة،و دقائق

عقلية ونقلية ،وهذاامرلم يسبقه اليه غيره فالحمد لله على ذالك انه الفى فى اثناء هذه البحوث منقول نادرة عن الجهابذة الاقدمين ،واكتشافات بديعة مع مااعطاه الله تعالىٰ من ذكاء نادر وفهم ثاقب واطلاع واسع على العلوم الاسلامية ومتعلقاتها ،قل ما تجدها عند غيره من الباحثين والمحققين فى هذاالعصر ،وقد دافع الشيخ اعزه الله تعالىٰ عن اسلافنا الكرام رضوان الله تعالى عليهم إلى يوم الجزاء والانعام ،فاحسن القيام بالدفاع عنهم جزاه الله تعالىٰ عنا وعن سائر المسلمين.

مالى مقام ان اتكلم فى شانه الكريم وحياته العظيم ،وخدماته القويم ،والشيخ حفظه الله تعالىٰ ونصره برئ من قيل وقال ،لانه من مشاهير عصره علماً وزهداًوممن له اليد الطولىٰ فى الفقه والحديث وغيرهما والبارع فى عدة علوم وشتّى فنون ،ومفتى كثير الاطلاع ،وواسع الباع فى المعقول والمنقول لا يستنقصه الاّمتغرض ،قلّ إن يذكر علم الّا وله مشاركة جيدة ،بالجملة رفعه الله تعالىٰ إلى مقام الكمال ،اطال الله تعالىٰ بقائه فى عافية وسرور وادام النفع به وبعلومه .وهذا على امتثال امر صديقى العزيز العالم البارز محمدحسان ملك نورى سلمه ،بان اكتب فى حياته المباركة وخدماته الفاخرة ،فما كتبت الا تشكراً لانه قد ورد "من لم يشكر الناس لم يشكر الله"فبادرت إلى ان اشكره بكلمات ما يليق فى شانه الكريم ،ورجوت من الله المنى مع اعترافى بانّ باعى قصير وذهنى كليل ،لكن اردت التشبه لهٰؤلاء السادة الكرام علىٰ حد ما قيل.

"فتشبهوا إن لم تكونوا امثلهم ان التشبه بالكرام فلاح"

ولقدقمت امتثالاً لامره إلى ان اكتب ،ثم شُغِلتُ بواجبات التدريس والتعليم ،وما يتعلق بها مع تواصل الاسفار وكثرة الشواغل ،فلم يُتح لى كتابته على وجه المطلوب الا فى هذااليوم ،فالحمد لله الّذى يسّرَ واعانَ ،ومد فى العمر إلى هذاالاوان ،فله الفضل دائما ،وله الشكر واجبا .واسئله القبول بجاه الرسول صلى الله تعالى عليه واله وصحبه واوليائه الفحول.

امام علم وفن: مسلک اعلیٰ حضرت کی آبرو

مولانا انس رضا خاں قادری دارالعلوم مظہر اسلام بی بی جی مسجد بریلی شریف

یوں تو لوگ اپنے خاندان اور قبیلے سے جانے جاتے ہیں مگر کبھی کبھی خاندان و قبیلے میں ایسے قد آور اور ہونہار فرزند پیدا ہو جاتے ہیں جس پہ سارا خاندان وقبیلہ ناز کرتا ہے، اور اکناف عالم میں اس خاندان و قبیلے کا نام روشن ہو جاتا ہے بلا شبہ امام علم وفن آبروئے مسلک اعلیٰ حضرت، امام منطق وفلسفہ مجسمۂ علوم وفنون ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ دارالعلوم مظہر اسلام کے انہیں خریجوں میں سے تھے جن پر دارالعلوم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا آپ کی جودت طبع، ذوق سلیم، تبحر علمی اور درس نظامی میں مضبوط پکڑ کو دیکھتے ہوئے محدث ثناء اللہ صاحب قبلہ اور میرے دادا حضور حضرت ساجد میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کو فراغت کے بعد اس عظیم درسگاہ میں درس وتدریس کی گراں بار ذمہ داری سونپی جسے آپ نے بخوبی نبھایا، کچھ اساتذہ نے آپ کی روز افزوں ترقی وشہرت پر حسداً روک لگانے کی کوشش کی تو تیز فہم خواجہ نے حالات کو بھانپ کر حضور مفتی اعظم ہند کی دربار میں روداد پیش کردی، حضرت نے دعا دے کر فرمایا کامیابی ملے گی۔

بالآخر ایک دن تمام اساتذہ کے سامنے خواجہ علم وفن کو پڑھانے کا حکم ملا، طلبہ نے سوالات کے بوچھار کر دیئے؛ جو اصلاً مخالف اساتذہ کے تیار کردہ تھے، خواجہ صاحب نے تمام سوالات کے تشفی بخش جواب دیئے، جس سے علماء متحیر ومسحور ہو گئے پھر تو خواجہ فکر وفن کی بلندی کا سورج نصف النہار تک پہونچ گیا، ہر طرف آپ کی علمی تحقیق وتدقیق کے چرچے ہونے لگے، ہر بڑے ادارے سے خواجہ کی مانگ آنے لگی، جن کا احترام کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے متعدد درسگاہوں کو زینت بخشی، لاکھوں تشنگان علوم نبویہ کے کشکول کو گوہر مراد سے بھر کر تقریباً نصف صدی تک علوم عقلیہ ونقلیہ کے بیش قیمت موتی بکھیرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اہل سنت کا عظیم خسارا ہے جس کی بھرپائی نہیں ہو سکتی ہمیشہ اہل سنت کے اس عظیم سالار کے جانے کا قلق وکسک باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اہلسنت کے اس بطل جلیل کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری :: ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

دوسرا باب

تاثرات علماء ودانشوران

امام علم وفن : یکتائے علم وفن

علامہ بہاء المصطفیٰ قادری (مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا ہے۔ اب تک کوئی ایسا آلہ یا پیمانہ نہیں ایجاد ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ کسی کی علمی قابلیت یا فنی مہارت کا اندازہ کیا جا سکے۔ ہاں! جو شخص علم وفن میں ماہر و یکتا ہو وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں اپنے علم وفن کے اعتبار سے بہت قابل و ماہر ہے۔ ایک قلیل العلم جو صحیح معنوں میں عالم کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ اپنے زمانے کے امام علم وفن حضرت علامہ استاذ العلما مولانا مظفر حسین صاحب قبلہ جن کے علم وفن کی دہلیز تک جس کی پہونچ نہ ہو وہ اس عبقری شخصیت کے علمی خدوخال پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے؟ جبکہ آپ امام علم وفن کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔

امام علم وفن اپنے در سے کیا کیا نہیں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو علم منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، نحو، صرف، علم بدیع و بیان غرض کہ سائل جس علم کا پیاسا آیا، اسی علم وفن کا جام پلا کر سیراب فرما دیا۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ خواجہ علم وفن بھی ہیں اور خواجہ کی دہلیز سے کوئی پیاسا محروم نہیں واپس ہوتا۔ چھوٹا منہ بڑی بات یہ کم علم کن کن خوبیوں کا تذکرہ کرے؟ میں تو ادنیٰ سا طالب علم ہوں ۔کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے، استاذ اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ نظر دوڑایئے، جدھر دیکھئے شاگردوں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے، جو اپنے خواجہ سے حاصل علمی روشنی سے خود بھی روشن و منور ہیں اور اوروں کو بھی روشن و منور کر رہے ہیں۔ حقیر تو یہی دعا کر رہا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ حضرت خواجہ کے حیات و خدمات اور علم و فضل میں دن دوگنی ترقی عطا فرمائے اور اپنے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے (آمین)

یہ جان کر مجھے بہت خوشی و مسرت ہوئی کہ ''الجامعۃ الرضویہ'' کلیان مہاراشٹر میں موجود آپ کے تلامذہ، محبین، مخلصین آپ کی حیات و خدمات پر ایک ضخیم ''نمبر'' کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں جو استاذ کی بارگاہ میں قلمی نذرانہ ہوگا، جس سے عام لوگوں کو بھی حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی خدمات سے مستفیض ہونے کا سنہرا موقع ملے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان شاگردوں کے حوصلہ کو اور تقویت عطا فرمائے اور دیگر حضرات کیلئے مشعل راہ بنائے اور ان کو علم و عمل اور خدمت دین کی مزید توفیق و رفیق عطا فرمائے آمین۔ **بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ و التسلیم**

امام علم وفن: ملک العلما کی دوسری تصویر

مفتی محبوب رضا روشن القادری (پوکھریرا سیتا مڑھی، بہار)

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کی کی ذات بابرکات اپنی تبحر علمی، وسعت فکری، فنی کمالات، تحقیقی خیالات ،درسیاتی معلومات، اورعصری علوم وفنون پر کما حقہ مہارت تامہ رکھنے نیز علم وشعور اور فکر وآگہی کو جلا بخشنے کی بنیاد پر محتاج تعارف نہیں۔ حق یہ کہ آپ کی عبقری شخصیت حضرت ملک العلما کی دوسری تصویر کا نام ہے۔

آپ کے سینۂ فیض گنجینہ میں علم معقولات ومنقولات کا عظیم سمندر موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ آپکی باصلاحیت ذات اور باعظمت شخصیت کا شہرہ ہر چہار جانب پھیلا ہوا ہے۔ ہر صاحب علم ونظر اور ذی عقل وہنر آپکی صلاحیت اور فہم وادراک کا ذکر جمیل کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب فیضان کرم ہیں ’ملک العلما ،حضرت سید ظفر الدین بہاری کے واسطے سے سیدنا اعلی حضرت، امام اہل سنت ،مصدر عشق ومحبت ،مجدد اعظم دین وملت ،رفیع الدرجت، عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کے۔ ’بحر العلوم‘ کٹیہار میں ’ملک العلما‘ کے علم وفن کا بادل امام علم وفن پر اتنا برسا کہ آپ سر سے پیر تک نہا گئے۔ اس طرح آج آپ ’خیر الاذکیا‘ ’خواجہ ملت‘ ،اور ’امام علم وفن‘ ،ہی نہیں بلکہ حضرت ’ملک العلما‘ کی دوسری تصویر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نظر بد سے بچا کر صحیح سالامت رکھے۔ آمین!

☆☆☆

خواجہ مظفر حسین رضوی: امام علم وفن

علامہ یٰسین اختر مصباحی (بانی وصدر دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی ۲۵)

خوش شکل، خوش لباس، خوش وضع، خوش مزاج، خوش فکر ایک ایسی شخصیت عالم خیال نہیں بلکہ عالم واقعہ میں طبقۂ علما کے درمیان جلوہ فرما ہے، جو عصر حاضر کے دو چار اکابر علما کی صف میں اپنی منفرد شناخت رکھتی ہے؛ اور اس کی قامت زیبا پہ علوم وفنون کا ملبوس زریں، ہر دیدۂ بینا کے لئے قابل التفات ہی نہیں بلکہ باعث کشش بھی ہے۔

یہ شخصیت شعبۂ تدریس وتحریر میں بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ مظفر ومنصور رہی ہے۔ جس کی درس گاہ سے بعض بڑے باشعور وباصلاحیت علما پیدا ہوئے ہیں۔ اس قابل افتخار شخصیت کے قلم نے بعض بے حد پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھائی ہیں اور رضویات کے موضوع پر وقیع وگراں قدر تحریروں سے قوم کو نوازا ہے۔

کہنے والے حضرات اس شخصیت کو کبھی 'امام علم وفن' اور کبھی 'خواجۂ علم وفن' کہتے ہیں۔ جس کا اصل نام ہے: خواجہ مظفر حسین رضوی۔ ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کی خدمت میں برسوں رہ کر علوم وفنون کی تحصیل کی اور کمال مہارت سے متصف ہوئے۔

شہر عاشقاں، بریلی شریف میں صحاح ستہ کی تکمیل کے بعد سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے حدیث کی خصوصی اجازت پائی۔ آپ ہی کے دست گرفتہ وفیض یافتہ ہیں۔

حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، پورنوی کی تحریرات کا ایک مجموعہ بنام 'تحقیقات امام علم وفن' مولانا غلام جابر شمس مصباحی کی تلاش وجستجو اور جمع وترتیب کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ اس مجموعہ کو حضرت خواجہ صاحب یا آپ کے معتمد تلامذہ نظر ثانی وتصحیح کے ساتھ دوبارہ شائع کریں تو یہ علمی مجموعہ، حضرت خواجہ صاحب کی تحقیق وتدقیق کا ایک شاہکار ہوگا، اور اس کی اہمیت نیز آب وتاب سے مدتوں اہل علم وفضل محظوظ ومستفید ہوتے رہیں گے۔

راقم سطور کی ملاقات، حضرت خواجہ صاحب سے گاہے گاہے ہوتی رہی ہے۔ میں نے دوران گفتگو آپ کو خوش اخلاق اور علم نواز پایا۔ وسیع النظر ہونے کے ساتھ آپ وسیع القلب بھی ہیں۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے 'یک در گیر محکم گیر' کے اصول پر عمل فرمایا۔ کاش کہ اس اصول کو آپ نے ابتدا ہی میں اپنا لیا ہوتا تو آج کچھ اور ہی بات ہوتی۔ اس کے باوجود آپ کے چند باصلاحیت تلامذہ اس وقت جو دینی وعلمی خدمت انجام دے رہے ہیں؛ اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ: ع

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں، ان کی

☆☆☆

معلوم کرادی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ علم کیمیا اور علم نباتات اور حیوانات سے بھی آپ کو دلچسپی ہوگی۔ اب آپ ہی ایمانداری سے غور کریں کہ سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بعد بھی ہندو پاک میں کوئی ایسی دوسری شخصیت ہے جس کو اہل علم ذمہ دارطبقہ جامع العلوم والفنون کا لقب دے سکے۔ پھر اگر وہ بطور تحدیث نعمت یہ ادعا فرمائیں تو کیا حرج ہے کہ۔ ع

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

لیکن افسوس اس مغتنم شخصیت کے ساتھ ان کے احباب وتلامذہ نے کیا سلوک کیا؟ کبھی کوئی سلیقے کا ایک مضمون تو نہیں لکھا جس کے ذریعہ وہ مدارس اسلامیہ کی چہار دیواری کے باہر عصری درسگاہوں میں بھی متعارف ہو جاتے۔ دوسرے علاقے اور خطے کے لوگ اپنے پیتل کو بھی سونا بنا کر پیش کرتے ہیں اور ہم اپنے زرخالص کو بھی زرخالص کہنے میں شرم وجھجک محسوس کرتے ہیں۔ کیا زندہ قوموں کا یہی شعار ہونا چاہئے۔ کوئی پون صدی پیشتر بہار کے شاعر اعظم جناب شاد عظیم آبادی نے اپنوں کی ایسی ہی سرد مہری اور تنگ ظرفی کو دیکھ کر شکوہ کیا تھا کہ۔

میں وہ موتی تیرے دامن پہ ہوں اے خاک بہار
آج تک دے نہ سکا کوئی بھی قیمت میری

حضرت خواجہ بھی اگر اپنے عزیزوں سے یہی گلہ کریں (جو اس مرد قلندر کا شیوہ نہیں) تو کیا کوئی باغیرت اہل قلم ان کو اپنا منھ دکھا سکے گا۔ اب بھی ہم تلافی مافات کی کوشش کریں۔ صبح کا بھولا اگر شام کو آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ علوم وفنون کے مختلف شعبہ جات میں خواجہ علم وفن کی جو خدمات ہیں ان کی قدر وقیمت متعین کریں اور پھر علمی ادبی حلقوں میں ان کا تعارف کرائیں تاکہ عصری دانشگاہوں میں بھی ان کی شناخت ہو اور آنے والی نسلیں ان سے اثر پذیر ہو سکیں۔ اور فخریہ یہ اعلان کر سکیں کہ صاحبان جبہ ودستار میں بھی ایسا جوہر قابل موجود ہے جس کو قدیم وجدید علوم وفنون میں حیرت انگیز دسترس حاصل ہے۔ مگر افسوس! وہ در مکنون بازار علم ودانش میں محتاج تعارف رہ گیا۔

☆☆☆

امام علم وفن: ایک ہمہ رنگ شخصیت

مولانا محمود عالم رشیدی، نائب صدر سنی جمعیۃ العلماء ممبئی

رسالہ "المختار" جو تین ماہ پر کمیان کی سرزمین سے نکلتا ہے اس کے خاص شمارہ "امام علم وفن نمبر" کی اشاعت کی خبر نسیم بہار کی طرح گذری اور قلب وجگر کو تروتازہ کرگئی۔

امام علم وفن حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی قبلہ اپنے فرق اقدس پر تاج خواجگی رکھتے ہیں جو ان کی شرافت ونجابت کی پہچان ہے وہ ایک ہمہ رنگ شخصیت ہیں ہر رنگ میں ان کی جلوہ گری ہے شرف دید میسر ہو تو چہرہ پر تروتازہ پھول کی شگفتگی، شرف کلام حاصل ہو تو گفتگو میں حلاوت وشرینی اور تصور کرو تو علوم اعلی حضرت کی آخری یادگار معلوم ہوتے ہیں جواب چراغ سحری کی طرح ٹمٹماتے نظر آرہے ہیں۔

اس علمی انحطاط کے دور میں وہی امام احمد رضا قدس سرہ کے فکروفن کے راز دان ہیں بلکہ یوں کہہ لیجئے آج عالم اسلام میں علوم رضا کو سمجھنے اور جاننے والا ان کے سوا کوئی نہیں۔

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

امام علم وفن: فکروفن کے کوہ ہمالہ

مولانا عبیداللہ خان اعظمی (سابق ممبر آف پارلیمنٹ دہلی)

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ امام علم وفن کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک دستاویزی تاریخ گوہر شناس حضرات کے ذریعہ منظر عام پر آرہی ہے، جو اپنوں کی قدرشناسی اور غیروں کی معلومات وضروریات کا ذریعہ بنے گی۔ مجھ سے بھی فرمائش کی گئی ہے کہ اس گراں قدر علمی وفکری شخصیت پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے کہ میں اس فکروفن کے ہمالہ کے نیچے کھڑے ہوکر اس کی رفعت واوصاف سے نابلد اپنی چشم ظاہر میں سمائے کچھ مناظر قارئین کے سامنے پیش کرسکوں۔ شاید یہ خامہ فرسائی ان کے فکر دانوں کی پچھلی صف میں کھڑے ہونے کے لائق بنا سکے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کی دعاؤں کے فیوض وبرکات نے میری تخلیقی صلاحیت اور میری خطابت کو جلا بخشی ہے۔ خواجہ صاحب کی ذات گراں مایہ انسانی اقدار کی پاسبان، کمزور طبقات وغربا پر مہربان، سراپا مہر ومحبت، مجسمۂ اخلاص واخلاق اور نمونۂ درد ہے۔ جن کی علم دوستی اور شفقت سے معمور علمی وادبی، فقہی وفنی مہارت ورہبری نے مجھ جیسے معلوم نہیں کتنے لوگوں میں طلب علم کی جوت جگائی۔ جن کے فیضان توجہ سے نہ جانے کتنے تشنگان علم وادب اعلیٰ مراتب کو پہونچے۔ جنہیں میدان علم وتحقیق کے لوگ کبھی فراموش نہیں کر پائیں گے۔ مناظر اہل سنت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب مضطر آپ کی فکری صلاحیتوں کے مظہر ہیں۔ ان کے علم وفن کے قندیل کی ضیاباریاں جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں پر بجلی بن کر گرتی ہیں اور جہالت وسفاہت کی دستار سے مزین سروں پر فنی وفکری یتیمی کا داغ صاف دکھلائی دینے لگتا ہے۔

آپ نے اپنی زبان میں سادگی اور سلاست کا جو جوہر برقرار رکھا ہے وہ بے حد منجھی ہوئی شخصیت اور وضاحت فکر کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ کی شخصیت مخزن علم بھی ہے اور معدن معلومات بھی۔ آپ کی ذات والاصفات جہاں ایک طرف تاریخی، تہذیبی، معاشرتی، علمی، ادبی وفنی صداقتوں کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف تجربات ومشاہدات اور احساسات وجذبات کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ بعض واقعات وحادثات اور احسان فراموشی کی روداد صفحۂ قرطاس پر آنکھوں سے ٹپکے ہوئے لہو کی مصداق ہے

۔ مولانا صاحب کو پروردگار عالم نے زبان وقلم کی شاہی بخشی ہے۔ زبان کھولیں تو انداز تکلم پر تقریر فدا ہو جاتی ہے۔ منطقی استدلال فی البدیہہ اور لوچ دار انداز تکلم پھولوں کی کنج میں اس لڑکھڑاہٹ کی مانند ہوتا ہے جس کے نرم ہچکولے سامعین کی ذہنی پنکھڑیاں کھلا دیتے ہیں۔ اور موضوع کا ہر پہلو خوش گوار تواتر وتکرار کے ساتھ دماغ میں یوں دیکھا جاتا ہے جیسے ننھی شبنم کی بوندیں نوشگفتہ پھولوں کے نشیب میں اترتی جائیں۔ اپنی سحر بیانی سے وہ معانی خیز پہلوؤں کو جلوۂ صد رنگ بنا دینے کا ہنر جانتے ہیں۔

جو تجھ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں
علاج گردش لیل ونہار رکھتے ہیں

☆☆☆

سہ ماہی **المختار** کلیان

کے

امام علم وفن نمبر

نکالنے پر

رسالہ کے تمام مدیران ووابستگان کو

دلی مبارک باد

الحاج چراغ الدین فرید صاحب عرف بابو بھائی

صدر اعلیٰ دارالعلوم اصلاح المسلمین، کلیان

امام علم وفن : قاسم علوم رضا

مولانا غلام رسول بلیاوی: مہتمم ادارہ شرعیہ بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے علمی پایہ کی دوسری شخصیت ہندوستان میں دیکھی نہیں گئی، اس کا اعتراف علم وفن سے تعلق رکھنے والے ہر فرد نے کیا اور اس پر آپ کی ہزار سے متجاوز کتابیں بھی شاہد ہیں۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کو بھی علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا وافر حصہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے توسط سے حاصل ہوا گویا اپنے عہد میں امام احمد رضا کے علوم کا وارث وقاسم حضرت خواجہ صاحب بن کر ابھرے اور پوری دنیا پہ چھا گئے۔

ادارہ شرعیہ بہار کے قیام کے بعد اس کی ترقی واستحکام کے لئے بانی ادارہ شرعیہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ہمیشہ ان سے مشورے لئے بلکہ بعض مقامات پہ ان کی خدمات بھی حاصل کیں اس طرح ادارہ شرعیہ کے لئے حضرت خواجہ صاحب نے جو کچھ کیا وہ ہمارے لئے یادگار تحفہ ہے۔ مجھ پر بھی حضرت کی بڑی نوازشات تھیں، جب ملاقات کرتا دعاؤں سے نوازتے خیریت پوچھتے پھر ادارہ شرعیہ کا ذکر ضرور چھیڑتے۔ افسوس ہے علم وفن کا وہ کوہ ہمالہ، اخلاق واخلاص پیکر جمیل، محبت وشفقت کا وہ دریائے بیکراں اور حکمت ودانائی کا وہ سمندر اس دنیا سے رخ موڑ گیا۔ ہم یقیناً ان کی رحلت سے ٹوٹے ہیں ،ادھورے ہوئے ہیں، اک سہارے سے محروم ہوئے ہیں۔ ان کی ذات ایک محفوظ چھاؤنی تھی جس میں علم کی دھمک، پیار کی ٹھنڈک، شفقت کی خوشبو، ایثار کا رنگ اور للہیت کی فضا قائم تھی۔ خدائے تعالیٰ حضرت کو وہ مقام عطا فرمائے جس سے انہیں روحانی راحت وسکون ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ ان کے صدقے وطفیل میں ہمیں اور جملہ امت مسلمہ کو دارین کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔

☆☆☆

علوم اعلیٰ حضرت کے تنہا وارث

الحاج سعید نوری، بانی رضا اکیڈمی ممبئ

ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر ونظریہ جانتے ہیں کہ بہار کیذرخیز مٹی سے تقریباً ہر صدی میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں کہ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت، علمی قوت اور فکری بصیرت کی بنیاد پر دین ومذہب کی نصرت وحمایت اور قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لئے بے مثال قربانیاں اور بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ دور حاضر میں جن شخصیتوں نے بہار ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی تحقیقی، تدریسی، تبلیغی اور تحریری میدان میں نا قابل فراموش نمائندگی کی ہے۔ان میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف رمز شناس مدرس، بالغ نظر مفکر، باکمال مدبر، دقیق نظر محقق اور بے نظیر مبلغ ہی نہیں بلکہ اپنے عہد میں علوم اعلیٰ حضرت کے تنہا وارث تھے۔ آپ نے رضویات کے مخفی گوشوں کو اجاگر فرمایا، فتاویٰ رضویہ کے پیچیدہ مقامات کی توضیح فرمائی۔

آپ کے مقالات، تصنیفات، تحقیقات اور مضامین پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات عالم اسلام کی وہ آفاقی، عبقری شخصیت تھی جو بیک وقت علوم دینیہ اور عصریہ پر یکساں دسترس رکھتی تھی، تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ اکثر علوم وفنون میں آپ کا بظاہر کوئی استاذ نہیں تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

”ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح کروی، زیج، اعمال ستینیہ، عمل بالخطائین، مثلث کروی، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، رمل وتکسیر، مناظر ومرایا، علم الابعاد وغیرہ میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں، بلکہ میں ان علوم کا مطالعہ جاری رکھا اور مفتی اعظم ہند کی نظر فیض سے وہ علوم مجھ پر واضح ہوتے گئے۔“

آپ کے تحقیقات جو ہند وبیرون ہند کے مؤقر رسائل وجرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، اس سے آپ کی تحقیقی تصنیفی صلاحیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی نگارشات سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے ورآپ کے درجات کو بلند وبالا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

امام علم وفن: ہالینڈ کے علمی فضاؤں میں

مولانا اسرار احمد (ہالینڈ)

یہ جان کر میری مسرتوں کی انتہا نہ رہی کہ کلیان کا سہ ماہی المختار، امام علم وفن کی حیات اور دینی وعلمی کارناموں پر ایک مبسوط نمبر نکالنے جارہا ہے۔ میں صمیم قلب سے اس کے منصوبہ سازوں اور کار پردازوں کو مبارک باد کہتا ہوں۔ ان کی یہ سوچ اور کارنامہ لائق تبریک وتقلید ہے۔ میں امام علم وفن کو اس وقت سے جانتا ہوں جب ۱۹۷۳ میں مرکز اہل سنت کی درس گاہ منظر اسلام، بریلی شریف میں زیر تعلیم تھا۔ شمس العلما حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب پورنوی اشرفی علیہ الرحمۃ صدر المدرسین تھے۔ ہماری جماعت کی یہ کتابیں: ملاحسن، میبذی اور شرح عقائد آپ کے ہاں تھیں۔ وہ میرے مشفق استاذ ہی نہیں، مربی اور کارجین بھی تھے۔ اس لئے ان کو دوسرے طلبہ کی بہ نسبت میری تعلیم وتربیت کی فکر کچھ زیادہ ہی تھی۔ ان کے خیال میں صدارت کے فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے کما حقہ میری تعلیم کی طرف وہ توجہ نہیں دے پارہے تھے۔ اس لئے ان کی خواہش تھی اور فرماتے تھے کہ اب تم جامعہ عربیہ سلطان پور خواجہ صاحب کے پاس چلے جاؤ، اور ان کا فیض حاصل کرو۔ اس وقت ان سے زیادہ بافیض استاذ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھی اور ملک العلما کے شاگرد رشید ہیں۔ مگر میرا عالم یہ تھا کہ میں انہیں کا فیض سمیٹ نہیں پارہا تھا، کہاں جاتا؟۔ اس طرح میں وارث علوم اعلیٰ حضرت، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہ کر کے شرف تلمذ حاصل کرنے سے محروم رہا۔ جس کا افسوس مجھے اب ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

یہاں ۱۹۸۴ء میں رویت ہلال کمیٹی نیدرلینڈ، کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پلیٹ فارم سے ثبوت ہلال کے طرق موجبہ کو عملی جامہ پہنانے اور اسلامی تاریخوں کا تعین کرنے کے علاوہ، صحیح بنیادوں پر روزے اور نمازوں کے اوقات کا جدول تیار کرنا ہوا، تو خصوص مقام کے لحاظ سے جن مہینوں اور تاریخوں میں نماز عشاء کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک (غروب شفق ابیض کے بعد سے طلوع فجر تک سحری وعشا کے وقت) پر عمل کرنا ممکن ہوا، اس کے مطابق؛ اور جن مہینوں اور تاریخوں میں امام اعظم کے مسلک پر عمل کرنا ممکن نہ ہوسکا، صاحبین کے مسلک (غروب شفق احمر کے بعد سے نصف شب تک) کے مطابق عمل درآمد کیا۔ یعنی افق غربی سے سورج کا انحطاط ہالینڈ کے محکمہ فلکیات وآبزرویٹری کے تعاون سے علی الترتیب ۱۸ ڈگری اور ۱۲ ڈگری لیا۔ جس کی تصدیق امام علم وفن حضرت ...لیہ مظفر حسین رضوی اور مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے علم وفن کی روشنی میں فرمائی اور اپنے تجربوں سے بھی ...ں کی تائید کی۔ الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ اسی جدول کے مطابق یہاں کے مسلمان عمل پیرا ہیں۔

امام علم وفن: بے نظیر محقق

محمد اقبال قادری مصباحی بولٹن، یو۔ کے

یوں تو اس دنیا میں لاکھوں شخصیتوں نے جنم لیا مگر انہیں میں کچھ ایسی شخصیات ابھرتی ہیں جو عظیم اور قابل قدر ہوتی ہیں۔ان میں گوناگوں خوبیاں ان گنت کمالات اور متنوع امتیازات ہوتے ہیں۔وہ اپنے علم وعمل سے خود بھی روشن ومنور ہوتی ہیں اور اپنے فیضانِ علم وعمل سے ہزاروں کو روشن بھی کردیتی ہیں۔ان شخصیات میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی قدس سرہ کا مقام ومرتبہ صف اول میں نظر آتا ہے۔

آپ نے عنفوان شباب سے عمر کی آخری سانس تک اپنے تدریسی فیضان سے بے شمار افراد کو منور کیا۔

آج آپ کے تلامذہ ہر ممتاز خدمات انجام دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔آپ ایک متبحر عالم دین، بے مثال مدرس، بے نظیر محقق اور علوم نادرہ میں کمال درجہ کی قابلیت کے حامل تھے۔

آپ سے میری بالمشافہ تو ملاقات نہ ہوسکی مگر ٹیلیفون پر کئے بار رابطہ ہوا۔پیر بھائی ہونے کی حیثیت سے مجھ سے بات کرکے بہت خوشی محسوس کرتے تھے اور میں آپ کی نادر تحقیقات کے ساتھ فون پر آپکی شفقتوں سے بہت متاثر ہوں۔

آخری بار ابھی حج کو جارہا تھا تو میں نے حضرت سے دعاء کے لئے فون پر رابطہ کیا تو حضرت نے بطور عجز وانکسار ارشاد فرمایا: آپ خود مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

پھر میں حج کے لئے روانہ ہوا اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حج سے فراغت کے بعد مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے یہ افسوسناک خبر سے مطلع کیا۔انتقال کی خبر سن کر نہایت افسوس ہوا اور مکہ شریف کی مبارک سرزمین پر حضرت کے لئے مغفرت وترقئی درجات کے لئے دعاء کی۔اخیر میں دعاء ہے کہ رب ذوالجلال حضرت کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

٭٭٭٭

Expert In Modren Education

Sayed Aulade Rasul Qudsi Newyork ,U.S.A

On 20th October,2013 at 11.46pm from moulana Abdur Rab Sahab khateeb-o- imam,Adam masjid Houston,Texas and at 12.02 am from moulana urquani Sahab khateeb-o- imam,Makkah masjid,Houston ,Texas suddenly I got such a melacholious and regretful news by text message which not only shocked me but also it's effect kept annoying me till one week in such a way that I felt losing my equilibrium .The shocking news was regarding the demise of Khaja-e-ilmo fan Hazrat Khaja Muzaffar Husain Alaihir Rahmah. As soon as I got this news instantly I recited Tarjihah and Suratul Fatiha along with four Qul then passed their rewards to the soul of great personality who was undoubtedly vivid misdaaque of the sacred Hadith "Mautul A'alimi Mautul A'alam(the death of an A'alimi is the death of the world).

unfortunately neither I got opportunity to meet him nor any scope for reaping advantage directly from his vast and broad knowledge though I had been hearing since my early student life about his profound knowledge in different subjects relating to Manquoolaat and Ma'quoolaat from my esteemed father Mufti-e-A'azam Orissa Hazrat A'llama Mufti Sayed Abdul Quddus Alaihir Rahmah who was great praiser and admirer of Hazrat Khaja-ilmo fan.My benevolent father used to say that Khaja Sahab at present is unrivalled and matchless amongst the scholars of Islam.

This is an undeniable fact that except Khaja-e-ilmo fan no one is found more efficient than him specially in Logic and Philosophy.In addition somesubject matters like Logharithm,lime Jafar,timing,astronomy etc werez solely Confinedto him .

He left thousands of students behind him .It was his peculiarity that he through his credible and praiseworthy knowledge not only made his students

expert in Manquoolaat and Ma'quoolaat but also he inculcated in their hearts the spirituality,piety,Almighty fearing morality and the righteousness of life. His principal aim of imparting education to his students was not merely to satisfy an intellectual curiosity but to train rational and righteous individuals for the moral and physical goal of their families,their people and for the entire mankind.He was always focussing on the moral that the Islamic system of education strikes a balance between the need for individual excellences and the requirements of the society.Moreover he used to say emphatically that the Islamic education is totally based on the whole hearted acceptance of the revelation as a guide to all knowledge and conduct.

No doubt he proved by his Allah gifted vast knowledge that the Islamic education is much broader in its scope than the educational system of democratic west and socialist east.

Though I didn't get privilege to be benifitted by his knowledge directly but I'm rather fortunate that I learnt a lot from his praiseworthy and efficient student Hazrat mufti Motiurrahman Muztar rizwi . It will be neither wrong nor any kind of exaggeration to say that Mufti Sahab is the most high ranked student of Khaja-e-ilmo fan. In other words Mufti Sahab is the true inheritant and successor of his profound knowledge.whenever I get any kind of complexity,confusion and complication in any masala instantly without any hesitation I contact him and with broad heart he removes my doubts ,sorts it out and gives such a satisfactory solutions of the problems indeed beyond description.

May Allah bestow a long and healthy life to Mufti Sahab and shower His mercy and bounty on Khaja-e ilmo fan Alaihir Rahmah in abundance,make his holy grave splenid and sparkling and grant him Jannah.

Aameen bijaahi sayyidil mursaleen sallallahu Alaihi wasallam

امام علم و فن: ایک عالمگیر شخصیت

مولانا محمد عاقل رضا صدر مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

صوبہ بہار ہندوستان کا ایک مردم خیز علاقہ شمار ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ارباب فضل وکمال، اصحاب فکر ونظر اور محدثین وفقہا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور خلفاء میں ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہار علیہ الرحمہ اسی خطۂ علم وفن سے تعلق رکھنے والی ایک جلیل القدر شخصیت تھے۔ جو اپنی علمی گیرائی وگہرائی اور تبحر علمی کی وجہ سے ملک العلماء کے لقب سے متصف ہوئے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے دوسرے خلیفہ حضرت علامہ سلیمان اشرف بہار علیہ الرحمہ کی بے مثال علمی شخصیت اکابر علماء میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کی علمی وسعتوں کا اندازہ ان کی شہرہ آفاق کتاب ''المبین'' سے ہوتا ہے۔ جو اپنے انفرادی علمی موضوع پر امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ عصر حاضر کی شخصیتوں میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا نام افق شہرت پر نمایاں ہے۔ بریلی شریف میں آپ نے تکمیل کی اور اس کے بعد منظر اسلام میں ہی مستقل پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دیگر معروف اداروں مین آپ نے اپنے طلبہ کو اپنے علمی فیضان سے فیضیاب کیا۔ فی الحال آپ چرہ محمد پور فیض آباد میں کافی وقت سے دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جماعتی درسگاہوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو علم ہیئت وہندسہ توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، مثلث کروی، زیج، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد جیسے کم یاب علوم اور فنون قدیمہ پر کامل دسترس رکھنے والے تنہا نظر آتے ہیں۔ جو اپنی تبحر علمی، وسعت فکر ونظر اور بلند اخلاق جیسے اوصاف جلیلہ کی بنا پر ملک گیر نہیں بلکہ عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔ ابھی جلدی میں امام علم وفن قبلہ کے مضامین ومقالات کا مجموعہ ''تحقیقات امام علم وفن'' مرتب کیا گیا ہے اس میں حضرت امام علم وفن نے علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر کے عنوان سے ایک اہم معلوماتی تحقیقی مقالہ رقم فرمایا ہے۔ اس مقالے میں آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی دقت نظر اور وسعت علم پر اپنے فلسفی استدلال کی روشنی مین محققانہ انداز میں کلام فرمایا ہے، اسی طرح امام احمد رضا اور علم تکسیر عنوان پر آپ نے اعلیٰ حضرت کے علم وآگہی اور اس فن پر امام احمد رضا کی مہارت تامہ پر دلچسپ انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ مائیکروفون کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کی ایک کتاب پر امام علم وفن قبلہ نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا نام (الکشف شافیا

[عل]م توقیت (جغرافیا) ہے یہ کتاب پہلی بار قلمی مخطوطہ سے آپ کی تقدیم کے ساتھ منظر عام پر آئی۔اس میں بہت سارے رموز ونکات کو [آ]پ نے واضح فرمایا ہے۔اور فاضل بریلوی کے متن کی تشریحات بھی کی ہیں۔ جو اپنی افادیت واہمیت رکھتی ہے۔حضرت امام علم [وف]ن کا امام احمد رضا محدث بریلوی کے حضور خراج عقیدت کا حسین انداز ملاحظہ فرمائیں۔آپ رقم طراز ہیں۔

''رب کریم اپنے فضل وکرم سے جب کسی بندہ کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنی رحمت سے اس کو اتنا بخشتا ہے کہ بندے کو تنگی داماں کی شکایت ہو جاتی ہے۔امام احمد رضا انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں امام احمد رضا کو قدرت الہیہ نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتے ہیں۔وکونسا علم ہے کہ رب قدیر نے انہیں نہیں بخشا اور وہ کون سا فن ہے کہ جس میں امام احمد رضا کے قلم نے اسرار پنہاں کی عقد کشائی نہیں کی؟ ہم جہاں بھی دیکھتے ہیں ہر بساط پر ان کا کھنکتا ہوا سکہ نظر آتا ہے،،(تحقیقات امام علم وفن)

علمی،قلمی خدمات کے دائرے کی وسعت اپنی جگہ،حضرت امام علم وفن کے در گاہ فیض وکرم سے استفادہ کرنے والے [ذ]ی وقار علماء کرام،ذی استعداد مفکرین،ذی استعداد مدرسین،فکر ونظر کے حاملین خطباپر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالئے تو لگتا ہے کہ ہر [سم]ت فیض رضا،کرامت مفتی اعظم ہند بن کر امام علم وفن کے علم وفضل کی بارش ہو رہی ہے۔

بجتا ہے علم دین کا جو ساز دوستو
ہے وہ بھی اسی جرس کی آواز دوستو

مولی تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی عمر اور علم میں بے شمار برکتیں اور فضل وکمال میں بے پایاں عروج وارتقا اور کمال [ب]خشے اور آپ کی فنی وقلمی خدمات کو شرف قبولیت کا اعجاز عطا فرمائے۔آمین

امام علم وفن: علوم اعلیٰ حضرت کے وارث

مولانا محمد نظام الدین القادری الامجدی عفی عنہ برطانیہ

دنیا میں کچھ افراد وہ ہوتے ہیں کہ ان کی ذات وشخصیت سے ادارے، انجمنیں اور تنظیمیں پہچانی جاتی ہیں۔ انہیں اپنے تعارف کے لئے کسی ادارہ یا تنظیم کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ بلکہ وہ تنہا جہاں بیٹھ جائیں وہیں ایک جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ ان میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی ذات صف اول میں نظر آتی ہے۔ اس پر مظہر اسلام سے جرہ محمد پور کے دار العلوم نور الحق میں آپ کی تدریسی خدمات کی تاریخ شاہد عدل ہے۔

اس فقیر کا حضرت سے تعارف چند سال قبل بذریعۂ ٹیلی فون ہوا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ فقیر جب برطانیہ آیا تو یہاں اوقات سحری وعشاء میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف دیکھا تو اس مسئلہ کے حل کے لئے حضرت کا کسی طرح نمبر حاصل کر کے پھر بذریعۂ فون رابطہ کیا اور سلام کے بعد اپنا مدعا پیش کیا اور یہاں کے مسلمانوں کی اوقات کے سلسلے میں پریشانی بیان کی کہ یہاں تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ سے مسلمان مقیم ہیں مگر یہ مسائل تا حال لاینحل ہیں۔ حضرت نے تعاون کی حامی بھری اور میں نے بعد میں چند سوال حضرت کی خدمت میں پیش کئے جن کا حضرت نے محقق اور مدلل جواب برطانیہ ارسال کیا۔ پھر ایک دن میں نے فون پر عرض کیا کہ حضور! مجھے اوقات نکالنا سکھا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا: کیا تمہارے پاس زبدۃ التوقیت ہے؟ میں نے کہا: ہاں! تو پھر حضرت نے فون پر قاعدہ سمجھایا اور کہا کہ اس کی مشق کرو۔ میں نے محنت کی اور اس قاعدہ کو اچھی طرح سیکھ لیا۔ اور حضرت سے فون پر رہنمائی بھی لیتا رہا۔

پھر حضرت نے وہی قاعدہ بذریعۂ Calculator بھی سکھا دیا۔ اس طرح حضرت نے تمام قواعد وقت نکالنے کے بذریعۂ فون تعلیم فرمادئے اور ان تمام کو میں نے تحریر کر کے محفوظ بھی کر لیا۔

قارئین جانتے ہیں کہ توقیت کا فن کتنا مشکل ہے اسکو ٹیلی فون پر سکھا دینا یہ امام علم وفن کی تدریسی کمال اور تفہیم میں اعلیٰ درجہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شاید برصغیر میں اس کی نظیر نہیں مل سکے۔

یہ فقیر ان چند سالوں کے ٹیلی فون پر رابطے سے بہت متاثر ہوا اور آپ کی ذات میں عاجزی، انکساری، تلمیذ پر شفقت، خورداں نوازی، ملت کا درد، بریلی شریف سے عقیدت اور کمال اخلاص یہ تمام چیزیں محسوس کی۔

آپ کے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل میرا فون پر رابطہ ہوا تھا۔ خیر خیریت دریافت کی خوش تھے مختلف امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود دوا علاج سے دور ہی رہتے۔ بلکہ اللہ عزوجل کے فیصلہ پر راضی تھے۔ الرضا بالقضاء یہ ایک مومن صادق کی علامت ہے جو آج کل بہت کم نظر آتی ہے۔ آپ باوقار عالم، محقق، مفتی، فلسفی، منطقی، ہیئت، توقیت، جفر، ہندسہ، حساب اور بھی بہت علوم وفنون نادرہ کے حاذق اور ماہر تھے۔ بلکہ آپ بہت سے علوم میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ کے وارث تھے۔ جب آپ کے وصال کی اطلاع برطانیہ میں ہوئی تو کئی حضرات نے میرے ساتھ فون پر رابطہ کیا اور اظہار افسوس کے ساتھ اپنی اپنی مساجد میں دعائے مغفرت کی۔

اظہار تعزیت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

حضرت علامہ محمد حنیف الرضوی ـــــ مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خان الاعظمی ـــــ حضرت علامہ منور عتیق ـــــ مولانا محمد محسن رضوی ـــــ حافظ و مولانا محمد یونس ـــــ حضرت علامہ مقصود صاحب ـــــ مولانا محمد کلیم القادری ـــــ جناب حاجی مشتاق صاحب ـــــ مولانا محمد ادریس صاحب ـــــ مولانا محی الدین صاحب ـــــ علامہ ارشد صاحب۔

اللہ عزوجل حضرت کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کی تمام دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

نوٹ: شرح چغمینی کے صفحہ ۱۲۲ کے حاشیہ نمبر ۱۰ پر غایت انحطاط نکالنے کا قاعدہ ہے جو قارئین کے فائدہ کے لئے حضرت کی تفہیم کے مطابق درج کرتا ہوں۔

عرض البلد کو ۔[۹۰] سے تفریق کرو، جو حاصل ہوگا وہ تمام العرض ہوگا ۔ پھر اس کو میل شمسی سے تفریق کرو تو غایت انحطاط نکل آئے گا

مثال: عرض البلد ۳۰۔۴۸

۔۹۰

۴۱۔۳۰

۳۰۔۲۳ میل شمس ۲۲ جون و

=۱۸۱ غایت انحطاط

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: غزالیٔ دوراں

مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی پی ہیگ، نیدر لینڈ

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی وفات حسرت آیات سے ملت اہل سنت میں ایک عظیم
کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کا وجود مسعود ہمارے تدریسی نظام کا سرمایہ، علمی وتحقیقی مجالس کی آبرو، مسائل دقیقہ کی حل طلبی میں
طوفان شناس ناخدا کی حیثیت رکھتے تھے۔

ماضی قریب میں ہم نے اپنے کئی اکابر علماء ومشائخ کو کھویا ہے۔ بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی حضرت مو
صوفی نظام الدین صاحب، حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب بستوی، شہزادۂ سید العلماء حضرت نظمی میاں صاحب، مفتی اع
راجستھان مفتی اشفاق حسین، فاضل نوجوان مولانا نصر اللہ صاحب مصباحی علیھم الرحمۃ والرضوان۔ ان میں سے ہر ایک کی ذا
اپنی جگہ علمی دینی اور مختلف جہتوں سے نہایت اہم تھی۔ دین ودانش کی انجمنوں میں ہر ایک نہایت بلند وبالا اور ملک وملت کے لئے
قابل فخر اور سرمایہ کی حیثیت رکھتا تھے، مولیٰ تعالیٰ ہمیں ان سب کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

اے خدا کشتی امت کا نگہباں تو ہے
ہم نے جو کھودیا اب اس کا بدل کیا ہوگا

تقریباً ۶-۸ ماہ کا وقت گزرا حضرت امام علم وفن کے کچھ تلامذہ اور محبین کے کلیان ممبئی سے طبع ہونے والے سہ ما
رسالہ ''المختار'' کا ایک خصوصی شمارہ ''امام علم وفن'' کے نام سے حضرت والا کے اعتراف خدمت کے طور پر طبع کرنے کا ارادہ کیا
تھا۔ حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اور کئی احباب نے مجھ کمترین سے بھی اس شمارہ کے لئے قلمی شرکت کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر
افسوس وہ کام منظر عام پر آنے سے پہلے ہی حضرت کا وقت موعود آ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ (خواجۂ علم وفن) دور رواں میں برصغیر کے علماء علام کے درمیان ایک
معروف شخصیت کا نام ہے، جنہوں نے بالخصوص علوم معقولات، ریاضی، توقیت وہیئت وغیرہ اور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

کیا اور خصوصی علوم کی عقدہ کشائی میں کمال پیدا کیا۔ اور ان علوم تک اپنے طلبہ کو بھی پہنچایا۔ ہند و پاک کے علمی دنیا میں ان مخصوص علوم کے اور بھی ماہرین ضرور ہیں، مگر خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ کی تحقیقات انیقہ کا جواب نہیں۔

افسوس کہ ۱۴۳۳ھ کا آغاز ہوتے ہی ملت اہل سنت کا یہ عظیم اسکالر اور محقق بھی ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔

موضع سنگھیا تحصیل و قصبہ بائسی ضلع پورنیہ بہار کا وہ مکان بڑا عظیم المرتبت ہے۔ جہاں اس عہد کا عظیم پیدا ہوا اور دنیا میں اپنی علمی و فکری لیاقت کے نقوش بکھیر کر راہی ملک بقا ہوا۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس خاک سے جن کو
ہم ڈھونڈنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

امام علم وفن: صاحب علم واخلاق

مولانا محمد علی قاضی، مصباحی، جمالی، ایم اے (ہبلی) خطیب مسجد منورہ بنگلور

مــادر عـلـمی الجامعۃ الاشرفیہ کے عہد طالبعلمی یعنی سن ۱۹۸۲ سے قبل کسی موقعہ پر میں نے امام علم وفن حضرت خواجہ
مظفر حسین صاحب قبلہ کا ہشاش بشاش، چمکتا ہوا جاذب قلب ونظر چہرہ دیکھا تھا۔ وہ جھلک آج بھی میرے ذہن ودل میں محفوظ
ہے۔ ابھی تقریبا دو سال قبل پیر طریقت حضرت مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب (باگام)
کی رفاقت میں بہار اور یوپی کا دورہ ہوا۔ اس موقعہ پر کچھوچھہ شریف سے لکھنو جاتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب قبلہ سے شرف
ملاقات وکسب فیض کی غرض سے ان کے دار العلوم میں جانے کا حسن اتفاق میسر آیا۔ اللہ اکبر! بالکل پہلی ملاقات تھی مگر ایسا لگتا تھا
کہ قبلہ خواجہ صاحب مجھے برسوں سے جانتے پہچانتے ہیں۔ نہایت مخلصانہ ومشفقانہ انداز تکلم اور پر تکلف وپر وقار وضع قطع، پھر بھی
مجھے وہ نہایت بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ بستر علالت پر ہوتے ہوئے بھی ہم مہمانوں کی مہمان نوازی میں انہوں نے کوئی کسر
باقی نہ رکھی۔ شائستہ گفتگو بھی فرما رہے ہیں، ادھر اپنے شاگردوں کو ہماری مکمل خاطر تواضع کا حکم بھی دے رہے ہیں اور کبھی خود ہی
اپنی نشست گاہ سے اٹھ کر ہمارے دستر خوان کی طرف لپکتے ہوئے ہمیں خورد ونوش کی گذارش بھی کر رہے ہیں۔ واہ بھائی! یہ تو
خواجہ علم وفن ہی نہیں بلکہ خواجہ حسن اخلاق بھی ہیں۔ سچ ہے۔---------کردار سے بنائیے معیار زندگی

ماحول سے حیات کا سودا نہ کیجیے

ہبلی واپسی کے بعد دوبار میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی۔ علیک سلیک کے بعد مجھ کم علم وبے عمل کو انہوں نے قاضی
ت! کہہ کر مخاطب کیا اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ گفتگو کی۔ اور آپ کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ کہاں وہ کوہ علم وفن، اور
ہاں میں ذرۂ بے وقعت وبے وزن؟ مگر وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے۔ سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اے کاش ایسی چاہت، ایسی اخلاق اور ایسی سوچ جماعت اہل سنت کے ہر نمائندہ اور ہر ترجمان میں پیدا ہو جائے تو آج بھی عوام و خواص ہمارے قریب آسکتے ہیں۔ مگر افسوس!

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کہنا نہیں چاہتا تھا مگر کہنے پر مجبور ہوں کہ اہل سنت کے کتنے ایسے سپوت ہیں کہ ان کی کما حقہ قدر نہیں کی گئی، دنیادار کے خواندہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی حیثیت والوں کو لوگوں نے اپنے اپنے مطالب کے لئے خوب چڑھایا۔ اسی طرح کتنے ایسے جماعت میں چھوٹے ہیں، جو ہر طرح سے قابل ہیں مگر انہیں نظر انداز کیا گیا۔ ان حالات میں اگر کوئی ڈاکٹر اقبال کا یہ (حسب حال) شعر پڑھے تو بعض لوگوں کے ماتھے پر شکن کیوں پڑ جاتی ہے؟

اٹھا ہوں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم واقدس ﷺ کے طفیل حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی عمر وصحت میں برکت دے اور ان کے امثال اہل سنت میں پیدا فرمائے۔ امین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

تیسرا باب

مشائخ واساتذہ

امام علم وفن : ملک العلما کے تلمیذ مفتی اعظم کی کرامت

حضرت علامہ مختار حنیف قادری بغدادی

علوم شرعیہ اور فنون ادبیہ کی تعلیم وتعلم کا منہج وطریقہ ہر زمانہ میں مختلف اسالیب اور الگ الگ ڈھنگ سے جاری وساری رہا ہے۔ صحابہ وتابعین کی درسگاہیں، ان کے کاشانوں اور رہائش گاہوں سے لے کر کوچہ وبازار اور مسجد ومنبر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ جہاں کہیں ہوتے علوم شریعت کا جام لنڈھاتے۔ دیوانگان علوم نبوت ہر جگہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقدس لبوں سے جھڑی ہوئی موتیاں سمیٹتے نظر آتے۔ فقہا ومجتہدین اور ائمہ ومحدثین کی تعلیم گاہیں، کبھی ان کے دولت کدے اور آرام گاہیں ہوتیں، تو کبھی ان کے گردوپیش تلامذہ کی حسین جھرمٹ مساجد کے محراب ومنبر سجاتی نظر آتی۔ شارع رشید، پر واقع 'جامع الخلفاء' کے ایک ایک ستون سے نہ جانے کتنے فقہا ومحدثین کی یادیں وابستہ ہیں۔ فقہا محدثین اور ائمہ ومجتہدین ایک ایک ستون کے پاس جلوہ فگن ہوتے؛ اور ان کے چہار سو طالبان علوم شریعت کا ہالہ بچ جاتا۔ یہ ستون امام ابو یوسف الانصاری ہے، اور یہ ستون امام محمد بن حسن الشیبانی ہے، یہ ستون امام شافعی ہے، اور یہ ستون امام احمد بن حنبل ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔ ان سب کے باوجود اساطین علوم وفنون درسگاہ اور جگہ کا پابند ہو کر نہ رہے، بلکہ سفر وحضر ہر جگہ شمع علم فروزاں رکھتے اور مشکوۃ نبوت سے ماخوذ نور ونکہت سے دلوں کو جگمگاتے رہتے۔ سلسلۂ درس علم نبی جاری رکھتے اور تشنگان علوم دینیہ کو سیراب فرماتے رہتے۔ رفتہ، رفتہ ایک عہد وہ آیا جبکہ باضابطہ مدارس وجامعات اور کلیات ومعاہد اور دار العلوم کا قیام معرض وجود میں آ گیا، اور تعلیمی سلسلہ اس نہج ونصاب پر جاری ہوا جسے آج ہم کچھ تبدیلیوں کے ساتھ اپنے درمیان مصروف عمل دیکھ رہے ہیں۔

عصر قدیم سے لیکر عہد حاضر تک تمام عصور وعہود میں طریقۂ تعلیم جو بھی رہا ہو مگر سب میں ایک امر قدر مشترک کے طور پر دیکھنے میں آیا کہ اہل علم وفن کی کما حقہ وراثت انہیں تلامذہ میں منتقل ہوئی جنہوں نے خود کو صرف درسگاہوں کی تعلیم تک محدود نہ رکھا، بلکہ اساتذۂ فن کی خدمت گزاریوں کے صلہ میں انھیں جلوت وخلوت اور سفر وحضر ہر جگہ اکتساب فیض کا موقع

ملتا رہا۔ خواہ وہ امام ابو یوسف ہوں یا امام محمد۔ رازی ہوں کہ غزالی۔ سبھی کو اپنے اپنے اساتذہ و معلمین کی نگاہوں میں محبوبیت کا درجہ حاصل رہا ہے۔ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری کو 'ملک العلما' کا رتبہ اسی وقت ملا جب انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی بارگاہ میں 'عزیز فرزند، جان پدر بلکہ از جاں بہتر، ولدی الاعز' کا قرب خاص اور رتبۂ بلند حاصل کر لیا۔

امام علم وفن، ربیب ملک العلما، مظہر مفتی اعظم، وارث علوم امام احمد رضا، استاذ مطلق حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ وعم فیضہ کی مبارک و مسعود زندگی کے تاریخ ساز اور علما نواز عہد کے حسین اوراق اور یادگار لمحات پر اگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے، اور آپ کے زمانۂ طالب علمی کے شب وروز سے، مطالعہ کا آغاز کیا جائے، تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ استاذ مطلق کو ملک العلما کی بارگاہ ناز میں وہ قرب خاص حاصل تھا جو آپ کے زملا ورفیقان درس میں شاید کسی کو میسر رہا ہو۔

ان دنوں کی بات ہے جبکہ حضور ملک العلما علیہ الرحمہ 'حیات اعلیٰ حضرت' کی تصنیف وتالیف کا کام انجام دے رہے تھے، تو آپ کے تلمیذ ارشد تقریباً ہر روز مغرب وعشاء کے درمیانی وقت میں، ذوق کی بیداری، مزاج کی شگفتگی اور ذہن سازی کے لئے اردو زبان وادب کی کتابیں پڑھکر سنایا کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ بحر العلوم لطیفی، کٹیہار کے طلبہ میں اگر کسی کو ملک العلما کی بارگاہ عالی جاہ میں باریابی ولب کشائی کی سعادت مندی وفیروز بختی حاصل تھی، تو وہ صرف اور صرف استاذ مطلق امام علم وفن کی ذات ستودہ صفات کو تھی۔ ان حالات کے تناظر میں جہاں ملک العلما سے تقرب کا پتہ چلتا ہے، وہیں اس امر کی بھی عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ آخر بنگال سے متصل پورنیہ جیسے علاقہ میں پیدا اور بچپن گذارنے والا شخص دہلی ولکھنؤ اور حیدر آباد وعظیم آباد میں بسنے والوں کی طرح مضمون نگاری کیسے کرتا ہے۔ اور زبان وادب میں اتنی وقیع اور فصیح وبلیغ تحریریں کیسے جنم دیتا ہے؟ تعجب ہے کہ وہ صرف نثر نگار ہی نہیں بلکہ ایک فنکار شاعر بھی ہے؟ ان سارے سوالات کا جواب صرف اتنی سی بات میں مضمر ہے کہ امام علم وفن کی پیدائش ضرور دستگھیا، ضلع 'پورنیہ، صوبہ بہار، میں ہوئی مگر زبان سازی اور تربیت علمی وفکری تو عظیم آباد پٹنہ کی آغوش کے پروردہ اور اعلیٰ حضرت حسان ہند کی بارگاہ کے تربیت یافتہ، علما کے بادشاہ، علامہ سید ظفر الدین بہاری کی نگہداشت میں ہوئی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملک العلما نے اپنی کتاب 'حیات اعلیٰ حضرت' میں جس طرح مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی حیات مبارکہ کے جن واقعات کو بچپن سے لے کر جوانی وبڑھاپے تک، تعلیم وتعلم سے لے کر فراغت تک، فتویٰ نویسی سے لے کر درگاہ کی جلوہ سامانیوں تک، تجدیدی کارناموں سے لے کر شعر وسخن تک اور خلوت خانہ سے لے کر جلوہ گاہ تک بیان فرمایا ہے۔ یقیناً وہ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ملک العلما اعلیٰ حضرت کے صرف شاگرد نہ تھے، بلکہ صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح بلا تمثیل آل بیت مجدد کے ایک فرد تھے، جس کی تائید اعلیٰ

حضرت کے ان (۳۳) خطوط کے واقعات سے ہوتی ہے جنہیں امام نے ملک العلما کے نام مخصوص الفاظ و آداب کے ساتھ شفقت پدری میں ڈوب کر تحریر فرمائے ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس میں ملک العلما تمام تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں یکتا و بے ہمتا نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج تک ملک العلما پر وہ کام نہ ہو سکا (اب ہو گیا ہے) جس کے وہ مستحق تھے۔ ملک العلماء جس طرح اپنی اس مذکورہ خصوصیت میں یکتا ہیں، اسی طرح ایک دوسری خصوصیت بھی ہے جس میں اپنے دیگر معاصر تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ہیئت و ہندسہ جیسے علوم و فنون کا علم براہ راست اعلیٰ حضرت سے حاصل کیا۔ کچھ علوم و فنون میں تو اکلوتا شاگرد ہونے کا شرف پایا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں.........اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں (ملک العلما) نے بقدر کفایت اخذ کیا۔.........''

یہ نمونہ کی چند خصوصیات ہیں جو ملک العلماء کو اپنے تمام معاصرین علماء اور تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں امتیازی شان بخشتی ہیں۔ ورنہ تو خود اعلیٰ حضرت نے آپ کو 'ملک العلماء، فاضل بہار' کا لقب دیکر 'مفتی، مصنف، واعظ، مناظر' جیسے اہم مناصب جلیلہ پر فائز اور اس کا مستحق بتایا ہے۔

یوں تو ملک العلما کے تلامذہ اور شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، مگر ان میں ہمارے استاذ محترم امام علم و فن کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ستاروں میں کہکشاں کو۔ یا۔ سیاروں میں مہر و ماہ کو۔ آج دنیا کے مختلف براعظموں سے آنے والے وہ مسائل جو عقدۂ لاینحل کا درجہ رکھتے ہیں، ناخن علم امام علم و فن سے ہی ان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ خواہ وہ امریکہ کا مسئلۂ سمت قبلہ ہو۔ یا۔ برطانیہ کے مختلف شہروں کا وقت نماز۔ خواہ وہ ہندوستان میں اعضا کی پیوند کاری سے متعلق مجلس شرعی کا الجھا ہوا پیچیدہ سوال ہو۔ یا۔ دور جدید کی نو ایجاد ٹی، وی اور ویڈیو کی تحقیق، خواہ وہ اٹھائیس رمضان کو چاند دیکھے جانے کا امکان ہو۔ یا۔ مقدار صاع کی تحقیق، وغیرہ وغیرہ ایسے بہت سے مسائل جن کی تحقیق و تدقیق امام علم و فن استاذ مطلق نے فرمائی ہے، وہ بلا شبہ امام علم و فن، وارث علوم امام احمد رضا ہی کا حصہ ہیں۔ دور حاضر کے کہنہ مشق مفتیان کرام جن مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں عاجز و درماندہ رہ جاتے، خواجہ علم و فن نہ صرف انہیں حل فرماتے ہیں بلکہ ان سے متعلق تحقیق کا وہ دریا بہاتے ہیں جنہیں بلحصر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے قلم خداداد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سمت قبلہ معلوم کرنے کے جو طریقے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے '**کشف العلۃ عن سمت القبلہ**' میں بھی بیان فرمائے ہیں، وہ دس ہیں۔ اس پر امام علم و فن نے ایک مشاہداتی طریقہ کا استدراک فرمایا ہے، جو مقدمہ **کشف العلۃ** میں مندرج ہے۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ میں علی گڑھ کے

سمت قبلہ سے متعلق جو طریقہ اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، اس پر دو دوسرے طریقوں کا استدراک فرما کر استاذ مطلق نے اپنے دادا استاذ کے حقیقی وارث علمی ہونے کا بین ثبوت دیا ہے۔ دور حاضر کے مفتیان کرام اور محققین اسلام اعلیٰ حضرت کے جن جوابات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ان پر نئے نئے قاعدوں کا اضافہ اور جدید طریقوں کا استدراک یہ کوئی معمولی بات تو نہیں لیکن ہمیں پھر بھی کوئی تعجب اس لئے نہیں کہ یہ کسی اور کا کارنامہ نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت کے علوم نادرہ کے اکلوتے وارث ملک العلما کے شاگرد رشید کا کرشمہ ہے۔ سچ ہے کہ:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو :: پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

استاذ مطلق، امام علم وفن نے ملک العلما کی درسگاہ 'بحر العلوم لطیفی، کٹیہار'، سے سیرابی حاصل کرنے کے بعد استاذ گرامی کے اشارہ پر منبع علم وحکمت، چشمۂ فیضان نبی رحمت، مرکز اہل سنت 'بریلی شریف' کی طرف وارفتگی عقیدت اور وفور شوق کے ساتھ کشاں، کشاں چل پڑے۔ وہاں پہونچ کر 'دار العلوم مظہر اسلام' میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ تعلیم وتربیت اور پڑھنے، لکھنے کی ساری تمنائیں تو بارگاہ ملک العلماء سے پوری ہو چکی تھیں، اب یہاں تو صرف اتنی سی آرزو لے کر حاضر ہوئے تھے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، عالم برحق، پیکر تقویٰ وطہارت، حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کے مقدس ہاتھوں سے کچھ پینے کا شرف مل جائے تا کہ دیوانگان رضا میں اپنا نام بھی درج ہو جائے۔ چنانچہ مرشد برحق کے دست مبارک پر شرف بیعت وارادت پا کر اپنی خوش بختیوں پر ناز کرنے لگے، تھوڑے ہی دنوں بعد دار العلوم مظہر اسلام سے سند ودستار فضیلت بھی حاصل کر لی گئی۔ لیکن عصر حاضر کے مستند مولویوں کی طرح صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے پیر ومرشد کی بارگاہ ناز میں دست بستہ حاضر ہو گئے اور نیازمندی کے ساتھ بڑی لجاجت سے عرض کی:

سرکار! ذاتی سند واجازت سے بہرہ ور فرما دیجئے!

ارشاد ہوا: کسی لائق بنے بھی ہو؟

امام علم وفن نے اپنی ساری ہمت وتوانائی اکٹھی کر کے عرض کی:

کسی لائق بن نہیں سکا ہوں، اسی لئے تو عرض کر رہا ہوں کہ حضور بنا بھی دیں اور سند بھی عطا فرما دیں۔

اس پر پیر ومرشد نے اپنے نواسے خالد میاں مرحوم کے ذریعہ سند منگوا کر عطا فرما دی۔

پھر جب 'دار العلوم مظہر اسلام'، کی تدریسی خدمات انجام دینے لگے تو پیر ومرشد نے دار الافتاء کا 'کلید بردار' بھی بنا دیا۔ اس لئے اگر امام علم وفن کو تلمیذ ملک العلماء ہونے کا شرف حاصل ہے تو، انہیں کرامت مفتی اعظم کہا جانا بھی برحق ہے

استاذ مطلق، امام علم وفن نے تقریباً پانچ سال تک 'دار العلوم مظہر اسلام' بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور انہیں دنوں حضور مفتی اعظم کے دار الافتاء میں بحیثیت مفتی فتویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری بھی سنبھالے رہے۔ ان

دنوں دار العلوم مظہر اسلام حضور مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ وسر پرستی اسلام وسنیت کی حمایت ونصرت میں روز افزوں ترقی کی شاہراہوں پر گامزن تھا اور رفتہ رفتہ افکار رضا کی ترویج واشاعت میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ کی صورت اختیار کر چکا تھا مگر اس کے باوجود دار العلوم منظر اسلام کے صدر المدرسین مفتی افضل حسین صاحب مونگیری کی شخصیت بعض وجوہ سے طلبائے مظہر اسلام کے لئے پر کشش بنی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک خاص وجہ یہ تھی کہ مفتی صاحب بعض علوم نادرہ جیسے توقیت وغیرہ سکھایا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ توقیت کے عملیات کی مشق کرانے میں مہینوں صرف ہو جاتا تھا اور رجسٹر کے رجسٹر بھر جاتے تھے تب جا کر کہیں اس فن میں کچھ شعور پیدا ہوتا تھا۔ طلبہ کی یہ مشقتیں دیکھ کر امام علم وفن کو تشویش رہا کرتی تھی۔ مولانا سلطان صاحب قبلہ اڈروی جو کہ حضرت استاذ مطلق کے شاگرد رشید ہیں، اگر چہ دیکھنے میں حضرت سے بھی زیادہ سن رسیدہ معلوم ہوتے ہیں گو عمر میں بڑے تو نہیں مگر کچھ زیادہ چھوٹے بھی نہیں ہیں، کیونکہ حضرت نے بریلی شریف میں دار العلوم مظہر اسلام کی درسگاہ اس وقت سنبھالی تھی جب کہ آپ کی عمر شریف صرف بیس سال تھی۔ مولانا موصوف نے انہیں دنوں مفتی افضل حسین صاحب سے توقیت سیکھنا شروع کیا تھا۔ مولانا ایک دن امام علم وفن کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور موقع مناسب دیکھتے ہوئے اپنی دشواریوں اور آزمائشوں کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت استاذ مطلق "علم توقیت" پہ غور وخوض شروع کیا۔ کچھ ملک العلماء کی تعلیم وتربیت کام آئی اور کچھ ذہن رسا نے ساتھ دیا۔ بالآخر کرامت مفتی اعظم ہند نے کام پورا کر دکھایا اور استاذ مطلق نے مولانا موصوف کو علم توقیت میں اپنا پہلا شاگرد بنایا۔ پھر کیا تھا؟ علم کی خوشبو شدہ شدہ طلبہ میں پھیلی، اور یکے بعد دیگر آپ کے درس میں شریک ہونے لگے۔ اس طرح بہت تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے 'توقیت' سیکھ لی۔

درحقیقت حضرت خواجہ صاحب کو لائق وفائق تو حضور مفتی اعظم کی نگاہ ولایت نے بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت سارے علوم وفنون جو علمائے عہد میں نادر ونایاب ہیں، استاذ مطلق نے بغیر کسی استاذ کے از خود حاصل کیا ہے۔ **وذلک فضل الله یوتیه من یشا۔**

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اچھے اساتذہ کے لئے اچھا ماحول اور سازگار فضا کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک وہ معقول ادارہ، اچھے طلبہ، مناسب انتظام، خوشگوار تعلیمی ماحول، اور باصلاحیت ذی استعداد اساتذہ کی جماعت نہیں پاتے، نہ تو نمایاں کارنامے انجام دے پاتے، اور نہ ہی نمایاں شاگرد پیدا کر پاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس امام علم وفن جس جگہ تشریف لے جاتے ہیں، اپنی انجمن خود ہی تیار کر لیتے ہیں۔ علم سے کوری پیاسی جگہ پہونچے تو اپنے علم فیاض کے بحر بیکراں سے سیراب کر دیا۔ ریگزار جہالت میں چشمۂ علم پیدا کیا۔ بنجر زمینوں میں سبزہ اگایا، جنگل میں گئے تو منگل بنا دیا۔ جس ادارہ کو رونق بخشی، اسے گہوارہ علم

ودانش بنادیا۔ طلبہ سے خالی تھا تو اب مہمانان رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے آباد وشاد ہو گیا۔ جہاں ابتدائی دو تین جماعتیں تھیں، پہونچنے کے ساتھ ہی فضیلت کی سند و دستار بٹنے لگی ۔ کچھوچھہ شریف ، براؤں شریف ، بدایوں شریف ، سلطانپور ، بھاگلپور اور الہ آباد کی درسگاہیں اور در و دیوار، ان کے فارغین وفاضلین ہمارے ان دعوؤں کی تائید وتوثیق میں پختہ دلیل اور بین ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملک کی ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم اہلسنت نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد یوپی جہاں امام علم وفن استاذ مطلق آج تقریباً بیس سالوں سے اپنے فیضان علم وہنر سے ایک جہاں کو سیراب کر رہے ہیں ۱۹۹۳ء میں جب یہاں آپ کی تشریف آوری ہوئی تو اس وقت صرف رابعہ تک کے طلبہ موجود تھے۔ لیکن اسی سال جب آپ تشریف فرما ہوئے تو نہ صرف فضیلت کی فراغت شروع ہوگئی بلکہ شعبۂ تخصص سے بھی فراغت ہوئی، خود راقم الحروف بھی تخصص کے پہلے سال کے فارغین میں سے ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ امام علم وفن ان اساتذہ میں سے نہیں، جو اداروں کے محتاج ہوتے ہیں ۔ بلکہ ان سلاطین مملکت علم وآگہی میں سے ہیں کہ جہاں فروکش ہو جائیں، مملکت علم کا دارالسلطنت اور پایۂ تخت بن جائے ، اگر اتر پردیش میں دور حاضر کے چھوٹے ، بڑے اداروں کے فارغین کو دیکھا جائے اور امام علم وفن کے تلامذہ کی جانب ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ تلامذۂ امام علم وفن اس وقت کے بڑے سے بڑے ادارہ کے ممتاز فاضلین سے ہرگز کم نہیں ۔مشاہدہ کے طور پر گنتی کے چند فضلا شمار کرائے جاتے ہیں تا کہ ایک اندازہ قائم ہو سکے ۔ استاذ مطلق امام علم وفن کے شاگردوں میں مفتی ایوب صاحب مظہر مرحوم ومغفور، مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر، غازی ملت حضرت ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی ،مولانا سلطان صاحب ادروی، سید علیم اشرف صاحب جائسی ، سید انور صاحب چشتی ، قاضی شہید عالم صاحب بریلی ، مولانا یادعلی صاحب شاہجہاں پور، مفتی شبیر صاحب پورنوی ،مولانا غلام زرقانی صاحب امریکہ، مفتی انوار احمد صاحب امجدی، مفتی عبیدالرحمن صاحب چمنی بازار، سید احسن صاحب کچھوچھوی، سید قسیم اشرف صاحب جائسی ،مولانا اسید الحق عاصم القادری، مولانا غلام غوث صاحب مسکینیہ دھوراجی، مولانا محمد حبیب الرحمان نعمانی ازہری، مولانا عابد حسین صاحب، رائے پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں ورنہ تو تلامذہ استاذ مطلق کی بہت بڑی تعداد ہے، جو روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ سبھوں کو اگر شمار کرایا جائے تو یہ مقالہ، مقالہ نہ رہکر روداد بن جائے۔

استاذ مطلق ، امام علم وفن حضور خواجہ صاحب قبلہ مدظلہ کو اللہ رب ذوالمنن نے جہاں نکتہ رس شعور، باریک بین نگاہ، وقاد ذہن ، اخاذ فکر، فقہی بصیرت اور معقولی ومنقولی علوم وفنون کی بھرپور صلاحیات سے مالا مال فرمایا ہے، وہیں نہایت خوش اخلاق وملنسار، مؤدب ومتواضع اور حلیم وبردبار بھی بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی درسگاہ کے حاضر باش طلبہ جہاں آپ کی علمی تمکنت ،فکری جولانیت اور خداداد بے پناہ علمی قابلیت سے مرعوب رہتے ہیں، وہیں آپ کی خوش طبعی، شفقت

پدری اور بے پناہ ہمدردی وخاطر داری کے باعث فرق مراتب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے یک گونہ بے تکلف بھی ہو جاتے ہیں۔ آپ کی انہیں محبتوں اور عنایتوں کی وجہ سے اوقات درس وغیر اوقات درس ہر وقت جبکہ آپ کے آرام کا وقت نہ ہو طلبہ صبح وشام، دن رات علمی وفکری استفادہ کرتے رہتے ہیں، اور جس علم وفن میں جہاں کہیں انہیں دشواری محسوس ہوتی ہے اسے پوچھ لینے اور حل کرا لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ جس طالب علم کی صلاحیات واستعدادات جس میدان عمل کی طالب ومتقاضی ہوتیں وہ اسی مرغوب وپسندیدہ میدان کار میں امام علم وفن سے رہنمائی حاصل کرتا اور اپنے محبوب ومالوف علم وفن کی تکمیل کرتا، مفتی مطیع الرحمن صاحب مضطر کا علمی کارنامہ، نفس کی فقاہت جہاں درخواجہ کے فیضان سے مستعار ہے وہیں ان کا میدان مناظرہ اور اس کی للکار بھی امام علم وفن کی برسہابرس تربیتوں ہی کی مرہون منت ہے۔ غازی ملت ہوں کہ مفتی ایوب مظہر کی خطابت کے جواہر، درحقیقت آپ ہی کی شاگردی کا ثمرہ ہیں۔ اور قاضی شہید عالم صاحب کو تو میں نے ان کے زمانہ تدریس بدایوں میں ربع المجیب، علم مثلث کروی اور دیگر علوم ہیئت وہندسہ کے اسباق نہایت جانفشانی سے حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ سید علیم اشرف جائسی کی حاضر باشی اور سید انور چشتی کی سفر وحضر میں خوشہ چینی کو ان نگاہوں نے براؤں شریف کے عہد مسعود میں بار بار ملاحظہ کیا ہے۔ میاں اسید وعطیف تو آج بھی موقع بموقع حاضری دیتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی دریا خود پیاسے کے پاس بھی چلا جاتا ہے۔

یہ تو آپ نے امام علم وفن کی درسگاہ کی کچھ جھلکیاں دیکھی ہیں لیکن امام علم وفن کا علمی فیضان صرف ان کی درسگاہ تک ہی محدود ومحصور نہ رہا، بلکہ درسگاہ سے باہر بھی آپ کا علمی فیض بٹتا رہا۔ اصاغر کی تو بات ہی کیا؟ اکابر نے بھی مسائل شرعیہ عصریہ متعلقہ بامور ہندسہ میں آپ کی طرف رجوع کیا ہے ان میں بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری میاں، اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ جیسی مقتدر ہستیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام علم وفن، استاذ مطلق نے اپنی پوری حیات مبارکہ درس وتدریس میں صرف کر دی۔ کبھی کسی دوسرے میدان کو اپنا مطمح نظر نہ بنایا۔ حالاں کہ آپ اپنے عہد شباب میں ایک اچھے خطیب اور بہترین مناظر بھی تھے، مختلف جگہوں پر اہل سنت کے وکیل ومناظر کی حیثیت سے خود حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے روانہ فرمایا تھا۔

امام علم وفن، استاذ مطلق کو اللہ رب ذوالجلال نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے۔ معنوی ومادی ہر طرح کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا ہے۔ خاندانی ریاست کے ساتھ ساتھ قدرت فیاض نے آپ کو جمال قد، ورعنائی خد سے بھی زیبائش وآرائش بخشی ہے۔ متوسط قد، گورا رنگ، گول چہرا، گھنی ترشی ہوئی ڈاڑھی، اونچی ناک، سرگی آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نمایاں، کشادہ پیشانی، گول، قدرے بڑا سر، غرضیکہ خدوخال، لب ورخسار، اور چہرۂ پرانوار سے ہوشمندی وفطانت

آشکار۔ مگر ان سب میں اللہ تعالیٰ نے جس قابل صد رشک خوبی وکمال سے زیب وزینت بخشی ہے وہ ہے آپ کی یادداشت وقوت حافظہ۔ اس کا ایک تجرباتی مشاہدہ اس قلمی شیش محل کے تصویر خانہ میں ثبت کر دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی یادداشت ایک دلکش تصویر مداحان وعقیدت کیشان خواجہ کے لیے یادگار بن جائے۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ جب بندہ حقیر تقصیر مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں حضور استاذ مطلق کی درگاہ والا جاہ سے کسب فیض کرنے والوں کے حسین جھرمٹ میں ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے حاضر ہوا تھا۔ میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ، حاشیہ خیالی، ملا حسن، حسامی اور التصریح وغیرہ متعدد علوم وفنون کی کتابیں مختلف اوقات میں زیر درس تھیں، خارجی وقتوں میں ربع المجیب، توقیت اور دیگر فنون سیکھنے کے مواقع میسر تھے۔ احباب کی ایک اچھی جماعت بہم تھی۔ مولانا عابد، مولانا فخر الدین، مولانا اشفاق، اور ابتدائی تعلیم سے لے کر تخصص تک میرے زمیل مولانا غلام حسین وغیرہم پوری جانفشانی کے ساتھ طلب علم میں منہمک تھے۔ اس وقت ہم لوگوں کے پاس صرف میر زاہد غلام یحییٰ کے تقریباً سات سے زائد حواشی وشروح موجود تھیں۔ ہم لوگ ان حواشی وشروح کا مطالعہ کر کے جاتے اور جن مسائل میں انجلائے تام نہ ہوتا استاذ مطلق کی بارگاہ میں پیش کرتے اور حضرت ان مسائل کی وضاحت نہایت شرح وبسط کے ساتھ فرما دیتے۔ ہم لوگ اس وقت حیرت میں ڈوب جاتے جب دیکھتے کہ حضرت کی تقریر بالکل ان حواشی وشروح کے موافق ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی موقع آیا کہ استاذ مطلق نے خود ہی ارشاد فرمادیا: فلاں حاشیہ میں دیکھ لو اس میں یہ مبحث تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔ یہ سن کر ہماری حیرتوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ کیونکہ استاذ مطلق کے پاس میر زاہد رسالہ کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا، کبھی کبھار ہم ہی سے لے کر چند لمحات کے لئے دیکھ لیا، اور بس۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ کسی علمی وفکری سوال کا جواب۔ یا۔ کسی نظری مسئلہ کا حل زور علم سے تو دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت استاذ مطلق کی درسگاہ کا معمول ہے کہ اگر کسی نے حاشیہ میں پیش کردہ اعتراض کے بارے کچھ پوچھ لیا جس کا جواب حاشیہ میں تحریر نہیں، تو استاذ مطلق خود اس کا جواب مرحمت فرماتے؛ اور اگر جواب لکھا ہوتا تو اس پر اعتراض وارد کر کے چھوڑ دیتے۔ امام علم وفن کے درسگاہ کا یہ عام معمول ہے اس لئے اس تعلق سے آپ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ طلبہ کو کوئی حیرت وتعجب نہیں ہوتا۔ مگر کتاب کا حوالہ اس کتاب کو دیکھے بغیر نہیں پیش کیا جا سکتا، حیرت یہ تھی کہ آخر خواجہ علم وفن ان کتابوں کا مطالعہ کب کرتے ہیں؟ حسن اتفاق ایک دن موقع مناسب دیکھ کر بندۂ حقیر جو حضرت کی کرم فرمائیوں سے کچھ منہ لگا تھا، پوچھ بیٹھا کہ: حضور والا نے ان کتابوں کا مطالعہ کب کیا؟ تو ارشاد فرمایا کہ: جب میں مظہر اسلام، بریلی شریف میں مدرس تھا، اس وقت دار الافتاء اور کتب خانۂ اعلیٰ حضرت کی چابی ہمارے حوالے تھی۔

مطلب واضح تھا کہ میں نے ان کتابوں کا مطالعہ تقریباً آج سے چالیس سال پہلے کیا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ۱۹۹۲ء کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا پرانا مطالعہ اس پختگی کے ساتھ محفوظ ہو قرین قیاس نہیں۔ مگر جب ہم بریلی شریف حضور مفتی اعظم ہند

علیہ الرحمہ کے عرس مبارک کے موقع پر حاضر ہوئے تو امام علم وفن ہمیں سرکار مفتی اعظم کی اس نشست گاہ کی زیارت کرانے لے گئے جہاں سے سرکار مفتی اعظم اپنی ظاہری حیات میں جلوہ بار ہو کر عوام وخواص کو اپنے فیضان کرم سے سیراب فرمایا کرتے تھے۔ اتفاقاً وہاں ایک گجراتی مولانا صاحب سے ملاقات ہوگئی، جن کا اسم گرامی اس وقت ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود بھی یاد نہیں آرہا ہے۔ بہر کیف ان سے استاذ گرامی نے فرمایا کہ جناب آپ اپنی آپ بیتی اور حضرت مرشد گرامی کی کرم فرمائیاں ذرا ان لوگوں کے لئے بیان فرمادیں۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ:

''میرا حافظہ بہت کمزور تھا، حد تو یہ کہ میں نمازوں میں اکثر رکعتیں بھول جاتا تھا۔ ایک بار سیدی مرشدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالی عنہ سے اپنی کیفیت پیش کر کے دعا کی درخواست کی اور حضرت نے دعاؤں سے نوازا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آج بحمدہ تعالی جو کچھ پڑھ لیتا ہوں، برسوں نہیں بھولتا۔ مگر افسوس کہ تجارتی مصروفیتوں کی وجہ سے فرصت نہیں مل پاتی، اس لئے پڑھنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا''۔

اس واقعہ کو سننے کے بعد ہماری ساری حیرانی ختم ہوگئی کہ حضور استاذ مطلق کا چالیس سال پرانا مطالعہ آج بھی کیسے محفوظ ہے؟ جسے کرامت مفتی اعظم نے 'لائق' بنا دیا ہو، اس کی جانب ذہول ونسیان بھلا کیسے راہ پائے؟

پھپھوند شریف کا واقعہ ہے، جس کے راوی فصیح اللسان حضرت قاری رئیس خان صاحب استاذ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور ہیں کہ آپسی گفتگو کے دوران امام علم وفن اور ایک بہت ہی مشہور مفتی صاحب کے درمیان کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہوا حضرت مفتی صاحب نے ایک عبارت پیش فرمائی۔ جس پر امام علم وفن نے فرمایا کہ عبارت یوں نہیں بلکہ یوں ہوگی۔ مفتی صاحب مصر ہوئے کہ نہیں عبارت وہی ہے جو میں نے سنائی۔ اس پر کتاب منگائی گئی۔ جس میں دیکھا گیا تو عبارت اسی طرح نکلی جس طرح امام علم وفن نے فرمایا تھا۔ جب کہ مفتی صاحب موصوف کا مطالعہ تازہ تازہ تھا۔

یہ سب تو احوال گذشتہ اور خبر 'کان' کا ذکر تھا، موجودہ وقت میں جب کہ حضرت کی عمر شریف اس وقت تقریباً پچاسی برس ہو چکی ہے۔ سارے اعضا کمزور ہو چکے ہیں، قوی مضمحل ہیں۔ بیماریوں کا ہجوم ہے۔ مگر اس کے باوجود چہرے پر وہی رونق ونور، آنکھوں میں وہی چمک دمک، اور حافظہ کا حال تو یہ کہ بندۂ حقیر بیس سال پہلے اور آج میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ بڑھاپے میں جبکہ قوت حافظہ ہی پر سب سے زیادہ ضعف کا اثر ہوتا ہے، اس کی توانائی کا یہ عالم ہے تو پھر تعقل وتفکر اور تدبر وتفقہ کا ذکر ہی کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: حضور مفتیٔ اعظم کے ایک محبوب خلیفہ

ابوحماد محمد فیروز جنت القادری صدیقی رضوی

ان کا سایہ اک تجلی ان کا عشق پا چراغ ⁂ وہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ زید مجدہ السامی ایک باوقار عالم دین، نکتہ سنج مدرس عظیم منطقی وفلسفی اور حضور قطب عالم مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفےٰ رضا خان نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید اور محبوب وعزیز خلیفہ ہیں۔ آپ قدیم علوم وفنون کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں بھی مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ کے علمی خوشہ چینوں میں دور حاضر کی بڑی بڑی قابل قدر علمی ہستیاں پائی جاتی ہیں۔ آپ کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ہند وبیرون ہند علوم وفنون کے گوہر لٹا رہے ہیں اور دینی خدمات پر مامور ہوکر آپ کے فیضان علمی کا دریا بہا رہے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کا علمی قد اس قدر اونچا اور بلند ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں اور ہر میدان میں اپنے علمی لیاقت کا لوہا منواتے نظر آتے ہیں۔ غور طلب بات ہے کہ جب آپ کے تلامذۂ کرام کے شوکت علمی، اور جاہ وحشمت کا یہ حال ہے، تو پھر خود استاذ مکرم، امام علم وفن کے علمی دبدبے کا عالم کیا ہوگا۔ ع...

اس پار کا جب یہ عالم ہے اس پار کا عالم کیا ہوگا

آپ یقیناً یکتائے روزگار، علوم وفنون کے گوہر آبدار اور فکر وفن کے تاجدار نظر آتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیائے علم وادب بیک زبان آپ کو عمدۃ العقلاء، خیر الاذکیا، حل المشکلات، امام علم وفن اور خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند کے عظیم القابات وخطابات سے یاد کرتی نظر آتی ہے۔ علوم وفنون کے اس سمندر کے پاس آج بھی پیاسوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اس شمع علم وادب کے ارد گرد ہر وقت پروانوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ میں ایک انجمن، ایک لائبریری اور مکمل تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں

علوم وفنون کا وہ کون سا گوشہ ہے جس کی زلف برہم کو آپ نے اپنے ناخن تدبیر سے سلجھانے کا کارنامہ انجام نہ دیا ہو۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں کہ آج بعض فنون اپنی بقاء میں آپ کی مرہون منت ہیں۔ میرے اس موقف کی تائید میں

اس انٹرویو کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جسے جناب سراج الدین شریفی سہسرامی نے امام علم وفن سے لیا تھا اور سوال وجواب کی صورت میں ''تحقیقات امام علم وفن،، نامی کتاب میں درج ہے:

سوال: کیا اب یہ سمجھا جائے کہ آپ کے ساتھ ہی مذکورہ نایاب وکم یاب علوم وفنون بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے؟

جواب: جی ہاں! شاید ایسا ہی ہو۔

آپ کی ذات مصدر حسنات، منبع فیضان اور مربی خلائق ہے۔ آپ علوم اسلامی کے علاوہ علماء سے رخصت پذیر علوم مثلاً ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث کروی، مثلث مسطح، زیج، اعمال ستینیہ، علم اسطرلاب، علم اربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، اور علم الابعاد جیسے علوم وفنون پر تبحر دسترس رکھتے ہیں اور عالم اسلام کیلئے منارۂ نور بنے ہوئے ہیں۔

امام علم وفن کی علمی وجاہت، شاہانہ کروفر، رعب ودبدبہ، سطوت وحشمت، شوکت وشہرت، اور ترقی درجات کے پیچھے یقیناً آپ کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ العزیز کی دعائے مستجاب کی اثر آفرینی کام کر رہی ہے۔ خود امام علم وفن کو اس بات کا اعتراف ہے کہ میری ساری کامرانیاں، علمی وفنی مہارتیں اور شوکت وعروج میرے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند کے دعاؤں کا ثمرہ اور نظر کیمیا گر کا اثر ہے۔ ذیل کے اقتباس سے ہمارے ان جملوں کی تائید ہوتی ہے۔ امام علم وفن فرماتے ہیں:

آج میرے پاس جو کچھ ہے اسی ''یہ لیجئے،، کی برکتیں ہیں بہاریں ہیں۔'' (تحقیقات امام علم وفن)

سرکار مفتی اعظم ہند کی نظر کیمیا گر نے امام علم وفن کو خالص کندن بنا کر رکھ دیا۔ آج جدھر دیکھئے امام علم وفن کی ذات ستودہ صفات اور شوکت علمی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر درسگاہ میں آپ کے تذکرے اور ہر محفل مشکبار نظر آتی ہے۔ آپ نہ صرف یہ کہ مسند درس وتدریس کے مسند نشیں، کہنہ مشق مدرس ومعلم اور محقق ہیں بلکہ بحیثیت خلیفہ، حضور مفتی اعظم ہند مسند رشد وہدایت کے مسند نشیں اور طریقت کی راہ کے سالک ورہنما بھی ہیں۔ آپ شریعت وطریقت کے حسیں سنگم ہیں، دلوں کو صیقل اور مصفی ومنزکی کرنے کا بھی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ غرض کہ ہر جہت اور ہر زاویے سے اپنے مرشد گرامی کی خلافت واجازت کا حق ادا فرما رہے ہیں۔ تمام خلفائے مفتی اعظم میں آپ کی ذات اپنے مرشد کے لئے جملہ امور میں دفاعی قوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی تحقیقات وتدقیقات اور فتوی کے خلاف جب بھی کوئی ردعمل سامنے آیا ہے، امام علم وفن ہی وہ واحد خلیفہ ہیں جنہوں نے میدان میں کود کر معترض کے اعتراض کا نہ صرف یہ کہ تشفی بخش جواب عطا فرمایا ہے، بلکہ تحقیقات نوری کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ حضور مفتی اعظم ہند کے خلیفہ ہونے کیساتھ ساتھ بلاشبہ فی زمانہ تحقیقات رضا ونوری کے نادر ونایاب شارح بھی ہیں۔

تقاضائے فطرت وبشریت ہر ادوار واعصار میں علماء وفقہائے کرام کے مابین علمی اختلاف رونما ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ یہ کوئی قبیح یا مذموم عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مستحسن اور معلومات میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ اسی باعث سرکار مفتی اعظم ہند کے بھی بعض فتاویٰ اور آپ کی تحقیقات کے خلاف بعض علماء کی رائیں سامنے آئیں۔ لیکن امام علم وفن نے ان کا ایسا مدلل ومبرہن دندان شکن جواب دیا ہے کہ معترض کو اپنے اعتراض سے رجوع کرنے ہی میں عافیت نظر آئی اور پھر انہوں نے تحقیقات وفتاوائے نوری کے آگے اپنا سر تسلیم خم فرمادیا۔

ہم اسی قبیل سے متعلق حضرت امام علم وفن کا قول نقل کرتے ہیں؛ ملاحظہ فرمائیے۔ امام علم وفن رقمطراز ہیں۔

”جب مفتی افضل حسین اور ان کے ہمنواؤں نے لاؤڈاسپیکر سے متعلق مفتی اعظم ہند کے فتویٰ کا رد کیا تو اولاً اسی بندہ ناچیز نے مفتی اعظم ہند کے موقف کی وضاحت کر کے مفتی افضل حسین وغیرہ کا رد کیا جسے آج بھی قول فیصل نامی کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا اور جبر ومقابلہ، امام احمد رضا اور علم المساحہ، امام احمد رضا اور علم جفر، امام احمد رضا کی علم ہندسہ پر نقد ونظر، امام احمد رضا اور علم مثلث مسطح، امام احمد رضا اور علم مثلث کروی، امام احمد رضا اور علم لوگارثم، امام احمد رضا اور علم تکسیر، امام احمد رضا اور علم الربع المجیب، امام احمد رضا اور علم اسطرلاب، خلا پیمائی اور امریکی سمت قبلہ کی بحث میں ہم نے ہی امام احمد رضا کی تصنیف ’کشف العلۃ عن سمت القبلہ‘ کا مقام لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ’مفتی اعظم ہند باعتبار شیخ طریقت، آج بھی لوگ بار بار مطالعہ کرتے ہیں۔ ’ٹی وی کی تحقیق‘، سے بریلی شریف کے دارالافتاء کی حیثیت ہم نے واضح کی الخ“۔

مذکورہ اقتباس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ امام علم وفن بحیثیت خلیفہ مفتی اعظم ہند ہر میدان میں کرامت مفتی اعظم کی صورت میں فاتح وغالب، کامیاب وکامراں اور اپنی قابلیت کا لوہا منوا کر مفتی اعظم کے خلیفہ برحق ہونے کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں۔ امام علم وفن کی خداداد صلاحیت ولیاقت، علمی استعداد اور رشد وہدایت کے زریں کارناموں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ جب امام علم وفن کا یہ عالم ہے تو آپ کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم کا عالم کیا رہا ہوگا۔ ع

جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں شاہان زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے مختار کا عالم کیا ہوگا

لاریب حضرت امام علم وفن کی ذات ایک مینارۂ نور اور روشن چراغ ہے، جس سے دنیا روشنی حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ ع

جہاں رہے گا وہی روشنی لٹائے گا :: چراغ کا کوئی اپنا مکاں نہیں ہوتا

حضور سیدی آقائی مصطفیٰ رضا خان المعروف بہ حضور مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصف خاص جو آپ کی حیات مبارکہ میں خوب نمایاں اور واضح تھا، وہ تھی آپ کی حق گوئی و بے باکی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ہمہ وقت بلند ہمتی ،اولوالعزمی اور جان نثاری کا جذبۂ بیکراں۔ اس جہت سے جب ہم خلیفہ مفتیٔ اعظم ،حضرت امام علم وفن کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے اندر بھی اپنے مرشد گرامی کے جذبوں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے؛ اور آپ بھی لومۃ ولائم کی پرواہ کئے بغیر حق بات کا اعلان سر عام کرتے نظر آتے ہیں۔ خانقاہ سے لے کر درسگاہ تک ،عوام سے لے کر خواص تک جس موڑ پر اور جہاں بھی آپ نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی ہے، برملا اس کی نشاندہی فرمائی ہے اور حتی الوسع اس کی اصلاح کے لئے پیش رفت بھی فرمائی ہے؛ اور یہ عمل خیر آج بھی زور وشور سے جاری وساری ہے۔ ع

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز :: یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

حضور سیدی مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفائے کرام کی ایک کثیر تعداد آج بھی باحیات ہے، جو رشد وہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے ہے۔ یہ تمام خلفائے مفتی اعظم اپنی جگہ پر آفتاب وماہتاب اور گلشن ولایت کے سرسبز وشاداب پھول ہیں لیکن ان میں امام علم وفن ،علوم وفنون میں مہارت وممارست اور دیگر خوبیوں میں انفرادیت کے باعث ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہنے دیا جائے کہ امام علم وفن بلاشبہ مفتی اعظم ہند کی کرامتوں میں سے ایک زندہ کرامت کا نام ہے۔

میں سہ ماہی مجلّہ 'المختار، کلیان کے جملہ مجلس مشاورت ، مدیر اعلیٰ اور جملہ منتظمین ومعاونین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں ،جنہوں نے امام علم وفن کی حیات وخدمات اور ان کے زریں کارناموں پر مشتمل ایک وقیع اور ضخیم نمبر شائع کرنے کا ارادہ فرما کر خدمت لوح وقلم کی دنیا ہی میں ایک حسین ،تاریخی اور انقلابی کارنامہ انجام دینے اور خوابیدہ تنظیموں ،تحریکوں کو بیدار کرنے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی دے رہے ہیں کہ: ع

چھین کر لائیں گے ہم سورج کی سنہری کرنیں :: اب زمانے میں اندھیرا نہیں ہونے دیں گے

سہ ماہی مجلّہ 'المختار، کلیان مہاراشٹر کا یہ کارنامہ قابل تقلید، لائق عمل اور کام کرنے والوں کیلئے بہترین نمونہ ہے۔

خدائے قدیر اس کاوش کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے آمین! ع

ٹوٹ کر اک ستارے نے سبق ہم کو دیا

راہ کی روشنی بن جاؤ زمانے کے لئے

☆☆☆☆

امام علم وفن: اور ملک العلما

مولانا احمد حسن رضوی قادری مدیر اعلیٰ 'ماہنامہ بطحاء' حیدرآباد

پورنیہ، بہار کی سرزمین جو ہمیشہ ہی سے علم وحکمت سے پُر رہی ہے اور جس سے صوفیا، علما، ادبا اور شعرا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ خیر الاذکیا، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کی خاک بھی بیسویں صدی عیسوی کی چوتھی دہائی کے آغاز میں اسی سرزمین کے علاقہ 'بائسی' میں 'سنگھیا' گاؤں سے اُٹھی؛ اور آج اپنی علمی وفنی خوشبوؤں سے زمانے کو معطر کر رہی ہے۔

آپ کے آبا واجداد گاؤں کے شرفا میں شمار کیے جاتے تھے۔ والد محترم حضرت مولانا زین الدین رضوی ایک اچھے عالم تھے اور علاقے میں بڑے مولانا، کے نام سے معروف تھے۔ مکتب کے بعد شرح جامی تک کی تعلیم آپ ہی نے دی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے 'بحر العلوم' کٹیہار میں داخل کرایا، جہاں آپ کے استاذ، امام احمد رضا کے علمی وارث وخلیفہ، ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ علم وفن کے خزانے لٹا رہے تھے۔ حضرت مولانا عبد الروف صاحب نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اشرفیہ سے تعلیمی رخصت لے کر یہیں آپ سے ہیئت وتوقیت کا درس لیا تھا۔

خواجہ صاحب وہاں صبح وشام، شب وروز مسلسل چار سال کچھ دنوں تک حضرت ملک العلما سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ مگر جب 'ملک العلما' ضعیفی کے ساتھ علالت طبع کی وجہ سے تعلیمی ذمہ داری سے سبک دوش ہو گئے تو محبوب شاگرد کو مرکز اہل سنت بریلی شریف جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ۱۹۵۵ء کو بریلی شریف حاضر ہوئے اور شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی قائم کردہ درسگاہ جامعہ مظہر اسلام میں داخلہ لیا، ممتاز اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ ساتھ ہی پیر ومرشد جانشین اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنّت، حضور مفتی اعظم سے بھی خصوصی سند عطا ہوئی۔ یہ انہیں بزرگوں کا فیضان ہے کہ آج آپ خیر الاذکیا ہی نہیں 'علم وفن کی امامت'، کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔

قرآن مقدس میں فرمایا گیا ہے **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین**۔ یعنی اس میں ہر خشک وتر کا علم مخفی ہے۔ اب جس کی نگاہ جتنی تیز اور باریک بیں ہوگی، وہ اسی اعتبار سے اس کے کنز مکنون تک رسائی حاصل کر سکے گا اور جدید زمانہ کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے گا۔ امام احمد رضا جس نے یونیورسیٹی تو کیا کبھی اسکول تک کا منھ نہیں دیکھا تھا، اسی قرآنی خزانے کے

ذریعے نہ صرف یہ کہ جدید زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر خود دنیا جہان کو چیلنج پہ چیلنج کیا۔آپ کے علمی وارث ،ملک العلما حضرت سید ظفر الدین بہاری دینی درسگاہ ہی کے استاذ تھے اور جدید علوم کے ماہرین سے آنکھ ملا کر بات کرتے تھے

امام علم وفن نے بھی دینی مدرسہ میں مروجہ نصاب ہی کو پڑھا اور ’ملک العلما، سے ظاہری علم اور جانشین اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، حضور ’مفتی اعظم، کے باطنی فیضان سے ایسے مالا مال ہوئے کہ ’ہندوستان، میں رہ کر ’امریکہ، کا قبلہ درست فرمایا اور ’زمین، پہ رہ کر ’خلا پیمائی، ہی نہیں ’افلاک، کی باتیں کیں۔خود فرماتے ہیں:

’’بندۂ ناچیز نہ تو کسی اسکول میں پڑھا ہے اور نہ تو کسی کالج و یونیورسیٹی میں جا کر کوئی ایسا علم حاصل کیا ہے جسے آج لوگ عصری علوم کہتے ہیں۔ بلکہ فقط مدرسہ کی چہار دیواری میں رہ کر عربی فارسی کی کتابوں سے ان علوم وفنون کا مطالعہ کیا ہے جسے لوگ علوم قدیمہ یا فلسفہ قدیمہ کہتے ہیں ۔لیکن اس کے باوجود جب یہ مسئلہ چھڑا کہ 2000ء کی ماہ فروری ۲۹ کی ہوگی یا ۳۰ کی؟ یا یہ بحث اٹھی کہ بے کٹی پٹی ۱۷ اونٹوں کی تقسیم کے مفروضہ واقعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ یا جب سیدنا حضور مفتی اعظم کی طرف منسوب پاکستانی جعلی فتویٰ کو اچھالا گیا۔یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۲۷ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق کے نیچے جہاں چاند ہوتا ہے، وہاں تک نگاہ پہونچنے کے لئے ناظر کو سطح ارض سے کتنی بلندی پر ہونا چاہئے؟ یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۱۰ تاریخ کو سورج گہن ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا جب ہوسٹن (امریکہ) کی سمت قبلہ علما کے مابین موضوع بحث بنی۔یا جب ہالینڈ اور بلیک برن (Black Burn) کے تعلق سے یہ سوال اٹھا کہ وہاں سال کی کن کن تاریخوں میں عشا کا وقت نہیں ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ تو ان ساری باتوں کا تسلی بخش، مدلل، صحیح صحیح جواب اس بندۂ ناچیز نے ان ہی علوم سے دیا جسے لوگ علوم قدیمہ کہتے ہیں‘‘۔

مزید اس سے متصل اس اقتباس کو بھی ملاحظہ کریں۔

’’آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہوسٹن کی سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے جب یہی علما جو فلسفہ قدیمہ سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں، عصری علوم سمجھ کر اپنے سامنے گلوب کو رکھ کر حل کرنا چاہا تو اور الجھ گئے اور جب قطب نما کی سوئی گھما کر مسئلہ کو حل کرنا چاہا تو نتیجہ صفر نکلا۔لیکن جب ہیئت کے ایک دائرہ کو سمجھایا گیا اور مثلث کروی کے اصول کو بتایا گیا تو ساری گتھیاں ایک دم سلجھ گئی۔‘‘(روبرو۔

ایک انٹرویو، جام نور جون 2004)

بس ضرورت ہے ذہن وقلب کو وسیع کر کے تلاش وجستجو میں لگ جانے بتوجہ کے ساتھ پڑھنے اور غور وفکر کرنے کی۔ کامیابی
کے دریچے کھلتے ہی ہیں۔ امام علم وفن نے یہی کیا جس کی بدولت انہیں ہر طرح کے علوم وفنون پر دسترس حاصل ہوتا گیا، اور
وہ اس بلند مقام پر فائز ہیں، جس کی طرف نظر اٹھانے سے بڑے بڑوں کی پگڑیاں گر جاتی ہیں۔ ان کی یہ انفرادی کوشش
موجودہ اور آئندہ کے نسلوں کے اساتذہ وتلامذہ کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ امام علم وفن نے ایک جگہ فرمایا ہے:

''ہم سنتے آرہے تھے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایسے ایسے فلاں فلاں علوم کے ماہر تھے۔
ان علوم میں ان کی ایسی ایسی فلاں فلاں تصنیفات ہیں اور جب میں مدرس ہوا تو اچانک میرے
ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ان علوم وفنون کے موجدین تو ہماری ہی طرح انسان تھے انہوں نے
ان علوم کو ایجاد کیا اور بعد میں آنے والے حضرات نے اس کی تنقیح کی اور جس زبان میں ان علوم و
فنون کو مدون کیا گیا ہے اس زبان کو قدر معتد بہ ہم جانتے ہیں تو کیا سچ مچ ہم اتنے نادان ہیں کہ محنت
کرنے کے باوجود بھی ہم انہیں نہیں سمجھ سکتے؟ نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں۔ یہ خیال آتے ہی ان فنون
سے تعلق رکھنے والی کتابوں کی ہم نے تلاش جاری رکھی، بالخصوص امام احمد رضا کی تصنیفات کی کامل
جستجو رہی۔ بحمدہ تعالیٰ مجھے کتابیں ملتی گئیں اور ہم محنت کرتے رہے۔ نتیجے میں ہم نے بہت کچھ پایا
اور اسے موقع پر استعمال کرتا رہا اس طرح میری ہمت بڑھتی رہی اور ہم آگے بڑھ کر دوسرے فن کی
طرف مائل ہوتے رہے، اس طرح بحمدہ تعالیٰ مجھے رب قدیر نے امام احمد رضا اور مرشد برحق غوث
العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے وسیلے سے غوث پاک کا صدقہ عطا فرماتا رہا اور پھر نتیجہ یہ ہوا
کہ یہ ہیچمدان درسگاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ ہیئت و ہندسہ، توقیت ومسافت،
جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستیہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب علم
الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد غیرہ وغیرہ علوم و
فنون کا مطالعہ جاری رکھا، ان علوم وفنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں،،۔ (روبرو، ص 83۔
انٹرویو شمارہ جون 2004)

ہماری اس گفتگو سے قارئین نے یہ محسوس کر لیا ہوگا کہ آج کے دور میں ہر چیلنج اور لاینحل مسائل کا جواب امام علم وفن
ہیں جو اعلیٰ حضرت اور ملک العلماء مفتی اعظم کے فیوض وبرکات کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔

ایک مرتبہ شہنشاہ خطابت حضرت علامہ عبید اللہ خاں اعظمی مدظلہ العالی سابق ممبر آف پارلیمنٹ نے ممبئی کے ایک
عظیم اجتماع میں علماء اور دانشوروں سے خطاب کے دوران فرمایا تھا کہ: آج ہمارے بیچ ہماری جماعت... کہ ایک ایسا اکمال

استاذ الاساتذہ، ماہر تدریس شخصیت موجود ہے جس کو چاندی میں نہیں، سونے اور ہیرے میں تولا جائے تو بھی حق ادا نہیں ہوگا وہ شخصیت حضرت 'امام علم وفن' کی ہے۔

- برادر رفیق حضرت مولانا مسعود رضا صاحب اور ان کی پوری ٹیم قابل مبارک باد ہے کہ سہ ماہی 'المختار' کا ایک خصوصی شمارہ 'امام علم وفن نمبر' کی شکل میں نکال کر اس جانب پیش رفت کرنے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اہل سنت کو امام اہل فن کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور آپ کو سلامت رکھ کر ہمیں زیادہ زیادہ آپ کے فیوض سے مستفیض فرمائے۔ آمین!

☆......☆......☆

امام علم وفن : کے مشاہیر اساتذہ

مولانا محمد شاہد القادری (چیئر مین امام احمد رضا سوسائٹی، کلکتہ)

اللہ تعالیٰ جب کسی پر اپنا فضل فرماتا ہے، تو اسے علم وفضل کی دولت سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ ہندوستان میں بے مثال و بے نظیر علما، مشائخ اور تاجداران فکر وفن نے جنم لیا اور اپنی علمی لیاقت سے ایک زمانہ کو متحیر کر دیا۔ ان میں ایک پاکیزہ نام امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ العالی کا ہے، جن کے علمی طظنہ اور تبحر علمی سے دنیا عالم حیرت میں ہے۔ چاہے علم ہیئت کا مسئلہ ہو یا علم تکسیر کا، علم لوگارثم کا مسئلہ ہو یا حساب ستینی کا، سمت قبلہ کا پیچیدہ مسئلہ ہو یا جبر و مقابلہ کا، منطق وفلسفہ کا مسئلہ ہو یا علم زائچہ کا، علم مربع کا مسئلہ ہو یا علم رمل کا، کسی بھی علم وفن کا مسئلہ ہو، اللہ ورسول کے فضل وکرم سے امام علم وفن ہر ایک کی گتھیاں بآسانی سلجھا دیا کرتے ہیں۔ یہ سب اساتذہ کرام کی بارگاہ کا فیض اور مرشد برحق حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ کرم کا خاصہ ہے۔

آپ نے والد ماجد حضرت مولانا خواجہ زین الدین رضوی معروف بہ بڑے مولانا صاحب علیہ الرحمۃ کے علاوہ

☆ وارث علوم امام احمد رضا، ملک العلما، حضرت علامہ مفتی سید ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمۃ

☆ شیخ معقولات و منقولات حضرت علامہ سلیمان بھاگلپوری علیہ الرحمۃ

☆ شیخ الحدیث حضرت محدث ثناء اللہ صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ

☆ شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمۃ

☆ شیخ المعقولات حضرت مولانا معین الدین صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ

☆ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ، جیسے یکتائے روزگار اساتذۂ کرام سے اکتساب علم وفن کیا اور یکتائے روزگار ہوئے۔

ملک العلما مفتی ظفر الدین رضوی بہاری

ولادت باسعادت:۔ حضرت ملک العلما مفتی ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ کی ولادت پاک ۱۰ رمحرم الحرام

۱۳۰۲ھ۔ ۱۹را کتوبر ۱۸۸۰ء میں صبح صادق کے وقت رسول پور، میجرا، پٹنہ میں ہوئی۔ خاندان کے بعض لوگوں نے آپ کا نام عبد الحلیم تجویز کیا۔ والد گرامی نے باعتبار سنہ فصلی تاریخی نام غلام حیدر اور مختار احمد تجویز کئے۔ دوسرے اعزا کی خواہش پر ظفیر الدین نام پر اتفاق ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے ظفر الدین نام رکھا اور اسی نام سے آپ کو شہرت ملی۔

تعلیم وتربیت:۔ چار سال کی عمر میں ان کے والد ماجد حضرت ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمہ نے ۱۳۰۷ھ میں ان کی تعلیم کا آغاز کر دیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں جلالین اور میر زاہد وغیرہ کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ یہاں سے مدرسہ حنفیہ، پٹنہ آگئے اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۴ھ) کی بارگاہ میں رہ کر منتہی کتب پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مدرسہ امداد العلوم، مدرسہ احسن المدارس (کانپور) میں ماہرین تعلیمات سے علم حاصل کئے۔ کانپور سے پیلی بھیت آئے اور مدرسۃ الحدیث میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ سے علم حدیث کا درس لیا۔ یہاں سے ۱۳۲۲ھ میں بریلی شریف تشریف لئے گئے جہاں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ عالی میں بخاری شریف اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی۔ ۱۳۲۵ھ میں دستار فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔

اساتذہ کرام:۔ مجدد اعظم حضرت امام احمد رضا رضا محدث بریلوی قدس سرہ، امام المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ، استاذ العلما علامہ عبد الرزاق کانپوری قدس سرہ، ابتدائی درجات کے درجنوں اساتذہ کرام

تدریسی ذمہ داریاں:۔ حضرت ملک العلما نے تدریسی زندگی کا آغاز جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف سے کیا۔ یہاں آپ نے چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں پھر حضرت محدث بریلوی کے حکم سے مدرسہ حنفیہ، ضلع آرہ (بہار) تشریف لائے، تقریباً ایک سال تک علم وعرفان کے گوہر لٹاتے رہے، ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) میں منصب صدارت پر فائز ہوئے چار سال تک اس گلشن علم وہنر کی آبیاری کرتے رہے۔ ۱۳۳۴ھ میں حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے حکم پر خانقاہ کبیریہ شہسرام (بہار) تشریف لئے گئے۔ جہاں چار سال تک علمی فیضان آپ نے جاری رکھا۔ ۱۳۳۸ھ میں مدرسہ شمس الہدیٰ دوبارہ تشریف لئے گئے، چند سال خدمت علم دین کرنے کے بعد ۱۳۷۱ھ میں مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم، کٹیہار (بہار) تشریف لئے گئے آپ اپنی عمر کے ۷۰ رویں بہار میں تھے، مدرسہ کا ابتدائی دور تھا، آپ نے اس مدرسہ کو قابل فخر اساتذ کرام سے بام عروج تک پہنچایا۔ حضرت امام علم وفن نے آپ سے اسی مدرسہ میں اکتساب فیض کیا۔ آپ نے تقریباً ۵۵ رسال تک تدریسی خدمات انجام دے کر تاجدران علم وفن کو پیدا کیا۔

مشاہیر تلامذہ:۔ حضرت مفسر اعظم ہند رعلامہ ابراہیم رضا خاں رضوی بریلوی، مفتی رجب علی نانپاروی، علامہ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا عین الہدیٰ رحمن پوری، مولانا خواجہ شمس العالم کٹیہاری، مفتی نظام الدین بلیاوی، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مفتی عمیم الاحسان ڈھاکہ، مولانا شہاب الدین اشرفی، مفتی محمد ابو ظفر طیب رشیدی، علامہ محمد

سلیمان رضوی، مولانا محمد فیض الرحمن بلہاوی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

بیعت وخلافت: ۔آپ سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ سے یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں بزمانہ عرس حضور سید آل رسول احمدی مارہروی علیہ الرحمہ، سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔آپ نے پیری مریدی پر زیادہ دھیان دینے کے بجائے درس وتدریس اور رد مذاہب باطلہ ہی کو شغل بنایا۔آپ کے حلقہ ارادت میں رنگون، کلکتہ، بریلی، پٹنہ، چاٹگام، بوگرا اور دوسرے علاقہ کے کثرت سے لوگ داخل ہوئے۔

بارگاہ محدث بریلوی میں مقبولیت: ۔حضرت ملک العلما کے علم فضل کی تعریف کرتے ہوئے سیدی محدث بریلوی علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی، اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارافتا میں میرے معین ہیں۔میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ:۔(۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت میں تنہا آگاہ ہیں.......... فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک اور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان جگہ مقرر کروں۔''

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت ملک العلما اور اپنے کلکتوی خلیفہ علامہ محمد لعل خاں رضوی مدراسی کے زریں کارنامے کو اجاگر کرتے ہوئے اور دعا دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''آپ اور مولانا حامی سنت ماحی بدعت حاجی محمد لعل خاں صاحب سلمکما جو کچھ خدمات دین کر رہے ہیں، مولیٰ عز وجل برحمتہ قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں اس پر اجر جزیل دے اور اور ہمیشہ اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے''

تصانیف ملک العلما: ۔آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۷۰ رہیں۔چند مشور تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

☆ **الحسام المسلول علی منکر علم الرسول**

☆ **ظفر الدین الجید**

☆ **ظفر الدین الطیب**

☆ سجم الكنزه على الكلاب الممطره

☆ النبراس لدفع ظلام المنهاس

☆ كشف الستور عن مناظره رامپور

شفقت پدری سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے ہزار مشکلات کے باوجود حضرت شیخ العلما اور آپ کے چھوٹے بھائی خیر الاذکیا حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

تعلیم وتربیت:۔ حضرت شیخ العلما نے ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں حاصل کی، عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں گھوسی کوپا گنج اور مبارکپور کے مدارس میں پڑھی، اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۳۳۹ھ میں مرکز علم وفن جامعہ رضویہ دار العلوم منظر اسلام (بریلی شریف) خلیفہ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کے ہمراہ تشریف لئے گئے۔ جہاں آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، صرف، نحو پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ (اجمیر شریف) تشریف لے گئے اور آپ نے قابل اساتذہ کرام سے منتہی کتب پڑھے۔ دورہ حدیث کے لئے بریلی شریف تشریف لائے اور حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) سے بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف اور بیضاوی شریف کا درس لیا۔ ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم منظر اسلام (بریلی شریف) سے سند فراغت حاصل ہوئی۔

اساتذہ کرام:۔ حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ، استاذ المحدثین حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، استاذ معقولات حضرت علامہ عبد العزیز بجنوری علیہ الرحمہ، عمدۃ المحققین حضرت علامہ عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ، استاذ الفقہا، حضرت علامہ رحم الٰہی منگوری علیہ الرحمہ، حضرت علامہ عنایت اللہ صاحب، حضرت علامہ قطب الدین صاحب، حضرت علامہ عبد الحئی افغانی صاحب، حضرت علامہ صبغۃ اللہ صاحب، حضرت علامہ عبد اللہ افغانی صاحب

تدریسی خدمات:۔ آپ کا بحیثیت مدرس تقرر سب سے پہلے دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف میں ہوا، یہاں سے مدرسہ محمدیہ امروہہ (مرادآباد) بحیثیت نائب صدر مدرس تشریف لے گئے، سات سال تک علم وعرفان کے گوہر لٹاتے رہے، اسکے بعد ایک سال مدرسہ محمدیہ (مدراس) میں، دوسری بار ایک سال مدرسہ محمدیہ (امروہہ) میں، سات سال مدرسہ احسن المدارس (کانپور) میں، ایک سال مدرسہ قادریہ برکاتیہ (مارہرہ شریف) میں، پانچ سال جامعہ مظہر اسلام (بریلی شریف) میں، سات سال جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) میں، چھ ماہ جامعہ عربیہ (ناگپور) میں، دسری بار پانچ سال جامعہ مظہر اسلام (بریلی شریف) میں، ۱۳۷۹ھ سے آخری لمحات تک بحیثیت شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول (براؤن شریف)

میں تشنگان علوم نبویہ کی پیاس بجھاتے رہے۔آپ کا تدریسی سفر تقریباً ۵۱ رسال تک جاری رہا۔
آپ نے سینکڑوں علما، فقہا، محدثین، اساتذہ، خطبا اور مبلغین پیدا کئے۔

تلامذہ کرام:۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ میں خیر الاذکیا حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی، سلطان الواعظین حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، استاذ العلما حضرت علامہ عبدالرؤف بلیاوی، ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خان بریلوی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ گھوسوی، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں اشرفی کچھوچھوی، علامہ سید آل حسن مارہروی، مفتی مجیب اشرف اعظمی، علامہ کمیل اشرف کچھوچھوی، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی کے اسماء سرفہرست ہیں۔

شعر وشاعری:۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر وشاعری کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ چند نمونہ نذر قارئین ہیں:۔

عربی اشعار

یا مرجع الانام یا صاحب الھھم
صلی علیک ربک ذوالفضل والکرم
یا من دعوت الی دین ربنا
وانت لک العرب و لانت لک العجم
شمس العلوم قد طلعت فی دیارنا
فارزق بھا الھدایۃ والرشد و الحکم

اردو اشعار

ہے وصال حضرت مہدی کا چرچا سو بسو
آنکھ برساتی ہے اشکوں کی جگہ گویا لہو
جبکہ تاریخ وصال پاک کی تھی جستجو
قال قلبی اکتبوا التاریخ مغفورلہ

ویلور کے زمانہ قیام میں آپ نے شاہ عبدالطیف ویلور علیہ الرحمہ کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا تھا، جس کی شعری اور فنی خوبیوں سے متاثر ہو کر صاحب سجادہ نے بطور انعام آپ کو ایک گھڑی عنایت فرمائی تھی۔ یہ پورا قصیدہ آج بھی خانقاہ ویلور موجود ہے۔

تصنیفی خدمات:۔ (۱) ترجمہ شفا شریف۔ امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ (۲) رسالہ لامیہ (۳) متن الکافی، ترجمہ فن عروض (۴) متن عقائد نسفی فن کلام (۵) شرح مختصر المعانی فن بلاغت (۶) رسالہ منطق (۷) وجود رابطی فن

منطق (۸) حمداللہ پرنوٹ (۹) سوانح صدرالشریعہ (۱۰) حیات شیخ المشائخ

اخلاق ومحاسن:۔ حضرت شیخ العلما حسن اخلاق اور حسن عمل کے عظیم پیکر تھے، منکسر المزاجی، طلاقت لسانی، تبحر علمی، علمی طنطنہ، جلالت شان آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ براؤن شریف کے علمی اور پر سکون ماحول میں آپ کا ذوق طریقت اور ثمر اگر تجرد پسندی اور عزلت نشینی کے سبب آپ کا سلسلہ ارادت نہ بڑھ سکا۔ آپ اپنے مریدین کو وقتاً فوقتاً ظاہری اور باطنی صفائی حاصل کرنے کے لئے نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

بیعت وارشاد:۔ آپ کو حضرت سراج العارفین سید شاہ محمد اسمٰعیل برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری علیہ الرحمہ، حضور صدرالشریعہ علامہ امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ، تاج العلما حضرت علامہ سید اولادرسول محمد میاں برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ اور حضرت عزیز الاولیاء رامپوری علیہ الرحمہ سے سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ چشتیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

حضرت کے مریدین کی تعداد کا صحیح رکارڈ نہیں ہے، لیکن آپ نے اپنے مریدین ومتوسلین اور حلقہ ارادت میں شامل افراد کی سچی رہنمائی کی اور تزکیہ نفس فرمایا۔

وصال مبارک:۔ سواد اعظم اہل سنت کا یہ عظیم مبلغ چند ماہ علالت کے بعد ۶ ربیع لاول ۱۳۹۷ء/۲۵ رفروری ۱۹۷۷ء بروز جمعہ اپنے وطن مالوف گھوسی میں اس دارفانی کو الوداع کہا اور حضور صدرالشریعہ کے باغ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

﴿مرجع:۔ حضور صدرالشریعہ.........حیات وخدمات۔ مرتب: مولانا فیضان المصطفیٰ امجدی، گھوسی﴾

رئیس المحققین علامہ محمد سلیمان بھاگلپوری

ولادت باسعادت:۔ حضرت علامہ محمد سلیمان بھاگلپوری علیہ الرحمہ ایک رئیس خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ماجھی پور، ضلع بھاگلپور (بہار) میں ہوئی۔ آپ کا گھرانہ دیندار گھرانہ تھا اور اولیا کرام کے دامن کرم سے والدین کریمین وابستہ تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے۔ تلمیذ حضرت محدث بریلوی حضرت محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں رہ کر شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ دنوں کے لئے جامعہ نعیمیہ مرادآباد تشریف لے گئے اور بارگاہ خلیفہ محدث بریلوی حضور صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین رضوی مرادآبادی علیہ الرمہ سے اکتساب فیض کیا۔ تلمیذ حضرت محدث بریلوی حضرت علامہ سید شاہ احمد اشرف اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے ایما پر مرکز علم وفن بریلی شریف تشریف گئے، جہاں خلیفہ محدث بریلوی حضور صدر

الشریعہ علامہ مفتی امجد علی رضوی اعظمی علیہ الرحمہ علم وعرفان کے گوہر لٹا رہے تھے، آپ کی بارگاہ عالی میں زانوئے ادب تہہ کر کے علوم نبویہ حاصل کئے۔ آپ کی فراغت اور دستار بندی دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ہوئی۔

اساتذہ کرام:۔ سلطان المشائخ علامہ سید احمد اشرف اشرفی کچھوچھوی، حضور حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں محدث بریلوی، حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی، حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی رضوی اعظمی۔

رفقاء درس:۔ حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز امجدی مرادآبادی، حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن حامدی اڑیسوی، حضور شیخ العلما علامہ غلام جیلانی برکاتی اعظمی، حضور صدر العلما علامہ غلام جیلانی اشرفی میرٹھی، حضور شمس العلما علامہ مفتی شمس الدین رضوی جونپوری۔

درس وتدریس:۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے فراغت کے بعد حضرت محدث اعظم ہند کے حکم پر مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ تشریف لے گئے۔ آپ نے یہاں کے بعد جامعہ نعیمیہ مرادآباد، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، جامعہ حمیدیہ بنارس، مدرسہ احسن المدارس کانپور، دار العلوم شاہ عالم احمد آباد، مدرسہ بحر العلوم کٹیہار اور مدرسہ اشرفیہ، بھاگلپور میں تشنگان علوم نبویہ کی علمی پیاس بجھاتے رہے اور علما کی ایک بڑی جماعت آپ سے مستفیض ہوتی رہی۔

تلامذہ کرام:۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی۔

تدریسی دور کا ایک اہم واقعہ:۔ جس زمانے میں آپ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ تشریف لے گئے۔ اس مدرسہ میں کچھ دیوبندی مولوی بھی مدرس تھے۔ ان لوگوں نے آپ کی مخالفت شروع کردی اور مدرسہ کے ناظم اعلیٰ بھیا بشیر الدین صاحب کے سامنے علمی نکتہ چینی کرنے لگے۔ ناظم اعلیٰ نے اس موقع پر سوچا کہ باہر کے کسی عالم کو بلا کر ان کا امتحان لے لیا جائے۔ تاکہ معترضین کی صداقت معلوم ہو، چنانچہ اس مقصد کے لئے دیوبند سے قاری طیب دیوبندی بلائے گئے۔ یہ بات حضرت علامہ سلیمان بھاگلپوری علیہ الرحمہ کو ایک دن پہلے معلوم ہوئی انہوں نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ اگر میں اپنے اس امتحان میں ناکام ہوا تو پھر اعدادیہ سے تمام درسی کتب از سر نو پڑھوں گا۔ صبح کے وقت درس گاہ میں تفسیر بیضاوی کا طلبا کو درس دینا شروع کیا، درس بیضاوی شریف میں جامع، پرمغز اور فاضلانہ نکات بیان فرمائے، قاری طیب دیوبندی عش عش کر اٹھے اور اس نے آپ کی علمی گہرائی اور گیرائی کا برملا اعتراف کیا۔ یہ سب بارگاہ صدر الشریعہ اور درس گاہ صدر الافاضل کا فیضان کرم تھا۔

بیعت وخلافت:۔ آپ حضور شیخ المشائخ سیدی شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے اور حضور سید احمد اشرف کچھوچھوی اور حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے طالب تھے۔

اخلاق ومحاسن:۔ آپ کے مزاج میں نفاست غایت درجہ کی تھی۔ رہن سہن شاہانہ انداز کا تھا، سادات کرام سے بے نہایت محبت فرماتے اور ان کا حد درجہ ادب واحترام کرتے، حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا محدث بریلوی اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور سیدی امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ذکر خیر کیف ومستی میں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے درس گاہی ملکہ غضب کا عطا فرمایا تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔ آپ کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہ کر کے بڑے علما اور فضلاء اپنے زمانے کے یکتائے روزگار ہوئے۔ اپنے رفقاء درس سے بیحد انسیت رکھتے تھے۔ تمام اساتذہ کرام کا ادب واحترام سے ذکر خیر کیا کرتے تھے۔

وصال مبارک:۔ علم وادب بالخصوص درس گاہی دنیا کا یہ عظیم شہنشاہ، رئیس المحققین حضرت علامہ سلیمان بھاگلپوری عمر بھر دین متین کی خدمت کر کے ۲؍ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ/۲۳؍مارچ ۱۹۷۷ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔ وطن مالوف ماجھی پور، بھاگلپور میں آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔

﴿مرجع:۔ حیات حافظ ملت............مرتب: علامہ بدرالقادری (ہالینڈ)﴾

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی

ولادت باسعادت:۔ حضرت فقیہ عصر حضرت مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی بن عبدالصمد بن ثناء اللہ بن لعل محمد بن حضرت مولانا خیرالدین اعظمی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کریم الدین پور ضلع مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ کی ابتدائی تعلیم علاقہ کے کتب میں ہوئی، ۱۴؍شوال ۱۳۵۳ھ کو جامعہ اشرفیہ مبارکپور تشریف لے گئے اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں رہ کر آٹھ سال تک علمی پیاس بجھاتے رہے، ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۶۱ھ کو مدرسہ اسلامیہ عربی اندرکوٹ (میرٹھ) تشریف لے گئے اور امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے زیر سایہ ۹؍ماہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ شوال ۱۳۶۱ھ میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام (بریلی شریف) میں محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائلپوری کی بارگاہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۵؍شعبان ۱۳۶۲ھ کو جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی شریف سے سند فراغت اور دستار بندی سے نوازے گئے۔

اساتذہ کرام:۔ حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی رضوی اعظمی، حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رضوی لائل پوری، حافظ ملت علامہ عبدالعزیز امجدی مرادآبادی، امام النحو علامہ سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی، خیرالاذکیا علامہ غلام یزدانی رضوی اعظمی، رئیس المحققین علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگلپوری،

ابتدائی اساتذہ کرام۔

تدریسی خدمات:۔ آپ نے تقریباً ۲۴ سال تک تشنگان علوم اسلامیہ کی پیاس بجھائی اور علم وعرفان کے ماہر پیدا کیا۔ فراغت کے بعد سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے خاص کرم فرمایا اور اپنے دار الافتا میں مشق افتا کے لئے رکھ لیا۔ بعد نماز عشا آپ کے فتویٰ پر سرکار مفتی اعظم ہند نظر ثانی کرتے اور اصلاح فرماتے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ عالی میں ۱۱؍سال، ۲؍ماہ، ۳؍دن رہ کر فیضیاب ہوئے۔ ۲۲؍ذالحجہ الحرام ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۶ء کو جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں تقرر ہوا۔ تاحیات اسی علمی دانشگاہ سے لگے رہے اور یہیں سے آپ نے دار البقا کا سفر کیا۔

تلامذہ کرام:۔ مفتی قاضی عبد الرحیم رضوی بستوی، علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مفتی مجیب اشرف رضوی ناگپوری، مفتی نظام الدین رضوی دیوریاوی، حافظ عبد الحق رضوی گونڈوی، مولانا شفیق احمد رضوی الہ آبادی، مولانا انور علی رضوی بہرائچی، مولانا ذوالفقار علی نوری رامپوری۔ ان کے علاوہ سینکڑوں علما اور فضلاء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

بیعت وخلافت:۔ آپ حضور صدر الشریعہ سے ۱۳۸۹ھ میں مرید ہوئے اور حضور صدر الشریعہ نے روانگی حج کے وقت شاہ گنج اسٹیشن پر شرف خلافت سے سرفراز فرمایا اور ۱۷؍رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو حضور مفتی اعظم ہند نے بھی اجازت خلافت عطا فرمائی۔

تصانیف:۔ نزہۃ القاری شرح بخاری ۹؍جلدیں، اشک رواں، تحقیقات، اسلام اور چاند کا سفر، اشرف السیر، اثبات ایصال ثواب، مقالات امجدی ۳؍جلدیں، سنی دیوبندی کا منصفانہ جائزہ۔

مناظرہ:۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کی علمی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے اسی خداداد صلاحیت سے اپنے مذہب وملت کی خدمت کی اور جب اسلام پر غیروں نے ناپاک حملہ کئے تو قرآن اور حدیث کی روشنی میں دندان شکن جواب دیکر منکر رسالت کو مبہوت کر دیا۔ آپ نے جن مناظروں میں بحیثیت صدر مناظرہ یا مناظر کی حیثیت سے شرکت کی وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) رائے پور ضلع لکھیم پور، یوپی (۲) چترا ضلع پلاموں، بہار (۳) سعدی پور ضلع فتح پور، یوپی (۴) بھن گاؤں، ضلع بستی، یوپی (۵) سیتاپور۔ یوپی (۶) بجرڈیہہ، بنارس (۷) بدایوں، یوپی (۸) کٹک، اڑیسہ۔

محاسن وکمالات:۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ علوم قرآن، وحدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ فقہ وافتا اور منطق وفلسفہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ سیر وتاریخ اور احوال بزرگان دین میں محققانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ درس گاہی زندگی باوقار تھی، افہام وتفہیم میں کمال حاصل تھا۔ تحریر وتقریر کی دنیا میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اپنی تقریر میں عقائد اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو زیادہ تر موضوع بنایا کرتے تھے۔ آپ کو تمام اہلسنت کے بزرگوں سے خاصی عقیدت تھی۔ حال کے بزرگوں میں حضور صدر الشریعہ، حضور مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم پاکستان، حضور حافظ ملت

اور حضور مجاہد ملت سے غایت درجہ کی محبت فرمایا کرتے تھے۔

وصال :۔ آپ کا وصال ۶ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ / ۱۱ رمئی ۲۰۰۰ء میں جامعہ اشرفیہ، مبارکپور میں ہوا، نماز جنازہ حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین میاں برکاتی مدظلہ العالی نے پڑھائی، جنازہ میں لاکھوں کا ازدحام تھا، علما، مشائخ، اساتذہ مدارس اسلامیہ، سماجی، سیاسی، تعلیمی اور تنظیمی افراد نے لاکھوں کی تعداد میں اپنے اس محسن کا آخری دیدار کیا۔ آپ کے مکان کے پاس قصبہ گھوسی میں مزار پاک مرجع خلائق ہے۔

آپ کے مؤقر اساتذہ کرام میں تین بزرگوں کے اسماء گرامی اور ملتے ہیں (۱) والد گرامی حضرت مولانا زین الدین قادری (۲) حضرت مولانا یوسف پٹنوی قادری (۳) حضرت مولانا معین الدین اعظمی۔ آخر الذکر اساتذہ کرام کے حالات زندگی پر مواد راقم تلاش بسیار کے باوجود حاصل نہ کرسکا۔ راقم قارئین کرام سے معذرت خواں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اساتذہ کی نوازشیں

مولانا محمد عطاء النبی حسینی مصباحی

کسی بھی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اساتذہ کی ایک بنیادی حیثیت ہوتی ہے جس طرح غنچہ وگل کی رعنائی وشادابی باغباں کے حسن عمل کی مرہون منت ہوتی ہے۔ اس زاوئے سے امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ العالی کی حیات کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کو علم وفن، فضل وکمال، عزم واستقلال جیسی صفات جمیلہ سے آراستہ وپیراستہ کرنے، سجانے سنوارنے، اور نکھارنے والی ایسی ایسی عظیم، باکمال اور قد آور ہستیاں نظر آتی ہیں جن کے روحانی فیض اور علمی جلالت شان کا نہ صرف اصاغر بلکہ معاصر، اکابر مشائخ بلکہ ایک جہاں معترف ہے۔ آپ کے انہیں اساتذہ کا ذکر جمیل مقصود ہے لیکن اس سے قبل آپ کے مختصر حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ولادت:۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء کو ہندوستان کے مشہور ومعروف صوبہ بہار کے ضلع پورنیہ بستی سینگھیا کے ایک معزز وباوقار اور علمی گھرانے میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی، عربی کی تعلیم از ابتداء تا شرح جامی مدرسہ اساقت رحمت سے حاصل کی جہاں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خواجہ محمد زین الدین رضوی اعلیٰ استاذ تھے۔ یہاں سے ۱۹۵۰ء میں جامعہ بحر العلوم کٹیہار آئے جہاں حضور ملک العلماء کے زیر سایہ ۱۹۵۵ء تک کامل پانچ سال مختلف علوم وفنون حاصل کرتے رہے ۱۹۵۵ء کے بعد ملک العلماء علیہ الرحمۃ کی اجازت سے مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں داخل ہونے اور ۱۹۵۶ء میں آپ کے سر پر دستار فضیلت سجادی گئی۔

تدریس:۔ بعد فراغت آپ نے جن مدارس میں رہ کر علم وفن کا فیض تقسیم کیا ان کا اجمالی جائزہ درج ذیل ہے۔

(۱) مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف میں پانچ سال (۲) دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ میں تین سال (۳) مظہر اسلام میں دو سال (۴) منظر اسلام بریلی شریف میں ایک سال (۵) جامعہ عربیہ سلطان پور میں آٹھ سال (۷) جامع

اشرف کچھوچھہ میں ایک سال (۸) دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں دو سال (۹) دارالعلوم غریب نواز الہ باد میں ایک سال (۱۰) مدرسہ قادریہ بدایوں شریف میں چھ سال (۱۱) اس کے بعد دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں، آئے اور تادم تحریر یہیں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تلامذہ:۔ پچاس ساٹھ سالہ تدریسی دور میں آپ نے بے شمار تلامذہ پیدا کئے جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔ سر دست چند مشہور اور قابل فخر تلامذہ کے اسماء یہ ہیں۔

فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمن صاحب پورنوی۔ حضرت سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھہ شریف، سید انور چشتی، مولانا اسید الحق عاصم قادری بدایوں شریف، خوشتر نورانی صاحب ایڈیٹر جام نور دہلی، جانشین فقیہ ملت مولانا انوار احمد قادری، قاضی شہید عالم کٹیہاری، مولانا عطیف قادری بدایونی وغیرہم۔

مناظرہ:۔ زمانہ طالب علمی سے اب تک کئی مناظرے کئے ہیں جن میں اہل سنت کا سر بلند ہوا۔ پہلا مناظرہ آپ نے ۱۶/۱۵ سال کی عمر میں دیوبندی علماء سے کیا۔ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور چند لمحات میں دیوبندی علماء کو شکست فاش دی اور ان کے سرنگوں کئے کچھ دنوں بعد علاقہ میں جانے مانے دیوبندی مولوی ملا عبدالمبین ملاٹولہ جونپور (جو علاقہ کے پیر صاحب تھے) سے کیا اور اسے عاجز ساکت کر کے شرمناک شکست دی۔ علاوہ ازیں حضرت علامہ سید محمد اشرفی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے حکم سے خود ان سے بطور مشق علم غیب پر اور علامہ خلیل احمد کاظمی محدث امروہی علیہ الرحمہ سے بھی خود ان کے حکم پر ''مسئلہ امکان کذب باری'' پر مناظرے کئے اور دونوں بزرگوں کو خوش کر کے داد تحسین کے حق دار بنے۔

تصنیف:۔ آپ کی باضابطہ کوئی تصنیف ہے یا نہیں اس کا علم نہ ہوسکا، ہاں مختلف موضوع پر علمی وتحقیقی مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں جن میں سے کچھ مضامین کا گلدستہ ''تحقیقات امام علم وفن'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

بیعت وخلافت:۔ بریلی شریف میں قیام کے درمیان آپ نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت شرف حاصل کیا اور حضور مفتی اعظم ہند ہی نے ۱۹۷۰ء میں آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

امام علم وفن کے مختصر حالات کے بعد اب آپ کے اساتذہ کرام کا ذکر کیا جارہا ہے جن کی بافیض بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے آپ ''امام علم وفن'' ہوئے۔

ملک العلماء، علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ

طلوع آفتاب:۔ حضور ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ کا آفتاب حیات۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۴ھ مطابق ۸/اکتوبر ۱۸۸۶ء موافق ۲۵/کاتک ۱۲۹۴ فصلی بروز جمعہ ۱۱ بجے اپنے وطن مالوف موضع میجرا (رسول پور) ڈاک خانہ بین، تھانہ سلاؤ، سب ڈویژن بہار شریف، ضلع پٹنہ، صوبہ بہار میں طلوع ہوا۔

گردش جہان علوم وفنون:۔ آپ نے ۴ر برس ۴ر مہینے ۴ر دن کی عمر میں ۱۱ر جمادالاولیٰ ۱۳۰۷ھ مطابق ۴ر جنوری ۱۸۹۱ء بروز شنبہ اپنے والد ماجد ملک عبدالرزاق سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور قواعد بغدادی اور ڈھائی پارہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد حافظ مخدوم اشرف صاحب مرحوم سے تکمیل قرآن پاک کی۔ پھر مولوی عبدالکریم مرحوم سے کریما وغیرہ پڑھ کر اپنے نانیہال موضع بین پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں داخلہ لیا اور نصاب مدرسہ کے مطابق مولوی محمد مہدی حسن مرحوم ساکن موضع نزیا، مولوی محمد اکرام الحق، مولوی محمد منعم، مولوی فخرالدین حیدر، مولوی محی الدین اشرف، مولوی بدرالدین اشرف اور مولوی شیخ اظہر صاحبان سے حساب، اردو، فارسی، دینیات، اور عربی متوسطات تک کی تعلیم پائی اور مولانا ابونعیم محمد ابراہیم ساکن منوناتھ بھنجن مدرس اول مدرسہ غوثیہ حنفیہ سے تفسیر جلالین، سبع معلقہ، ملاجلال وغیرہ کتابیں پڑھیں اس کے بعد ۲۵ر جمادالآخر ۱۳۲۰ھ کو مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلہ پٹنہ حضور محدث سورتی، علامہ محمد وصی احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے مسند امام اعظم، مشکوۃ شریف، ہدایہ وغیرہ کا درس لیا، بعدہ مدرسہ امدادالعلوم بانس منڈی کانپور، دارالعلوم مسجد رنگیاں کانپور، مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت اور مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی میں مختلف ایام میں مختلف اساتذہ سے توضیح، صدرا، ہدایہ آخرین، میرزاہد، تفسیر بیضاوی، حمداللہ، مشکوۃ شریف، قاضی مبارک اور دیگر کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ اخیر میں آپ اعلیٰ حضرت محدث بریلی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضری دی جس کے بعد ''منظر اسلام'' کی بنیاد پڑی اور یہاں اعلیٰ حضرت سے بخاری شریف، تحریر اقلیدس، تصریح، شرح چغمینی، رسالہ قشیریہ، علم توقیت، اور افتاء کی تعلیم پائی جبکہ یہاں پر دیگر اساتذہ سے مدارک شریف، ترمذی شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ۲۵ر شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ۲ر اکتوبر ۱۹۰۷ء بروز پنج شنبہ دستار فضیلت کا جلسہ مسجد بی بی جی میں نہایت تزک واحتشام سے ہوا اور جب تحریک اعلیٰ حضرت آپ کے سر پر حضرت سید شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف نے دستار باندھی اور سند تدریس وافتا مرحمت فرمائی۔

بیعت وخلافت:۔ یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو آپ اعلیٰ حضرت کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور سال فراغت ۱۳۲۵ھ میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اسی سال ''ملک العلماء اور فاضل بہار'' کے خطاب سے نوازا۔

علمی ضوفشانی:۔ یوں تو آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے طلباء میں علمی ضوفشانی کا سلسلہ شروع کردیا تھا لیکن شمع علم سے تاریک دلوں کو روشن کرنے کا باقاعدہ آغاز قبل فراغت مدرسہ منظر اسلام میں ۱۳۲۳ھ سے کیا اور سال فراغت مشکوۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ بعد فراغت آرہ، گورکھپور، بنگلور اور لاہور سے مختلف مدارس سے درخواستیں آئیں لیکن آپ نے بارگاہ اعلیٰ حضرت کی فرقت پسند نہ کی اور مدرسہ منظر اسلام ہی کو ترجیح دی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت کی ایما پر ۱۳۳۰ھ میں مدرسہ حنفیہ آرہ تشریف لے گئے اور سال کے اخیر میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ بحیثیت صدر مدرس مسند

تدریس پر ضوفگن ہوئے۔ ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں سجادہ نشین شاہ ملیح الدین علیہ الرحمہ کی خواہش پر مدرس اول کی حیثیت سے رونق افروز ہوئے۔

پھر ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں دوبارہ تشریف لائے اور تیس سال تک علم وفن کے جوہر تقسیم کر کے ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ سب سے اخیر میں بارگاہ عشق متن گھاٹ، کے سجادہ نشیں شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں کی فرمائش پر ۲۱ر شوال ۱۳۷۱ھ کو آپ کٹیہار (بہار) میں مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرما کر منصب صدارت پر متمکن ہوئے اور اپنی محنت وکوشش سے اسے کافی فروغ بخشا۔

مشہور تلامذہ:۔ آپ نے پچاس ساٹھ برس تک جن مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں ان مدارس کے طلبا کی فہرست ترتیب دی جائے تو ایک دفتر درکار ہو اس لئے صرف چندان تلامذہ کے اسماء پیش کئے جا رہے ہیں جو آسمان علم وفن میں ماہ ونجوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سید شاہ احسن الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ شاکر یہ پنڈ شریف ضلع مونگیر بہار، سید شاہ فرید الحق عمادی سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ پٹنہ سیٹی، علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور، شمس العلماء مفتی محمد نظام الدین بلیاوی ثم الہ آبادی، مولانا محمد احمد رفاقتی مصنف تذکر علماء اہلسنت، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی، مولانا عبد الرشید رشیدی چمنی بازار پورنیہ، مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، مولانا شہاب الدین اشرفی وغیرہم۔

تصنیف:۔ ملک العلماء علیہ الرحمہ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ستر/۷۰ سے زائد ہیں۔ کچھ کتابیں عربی میں ہیں لیکن افادۂ عام کے لئے زیادہ تر اردو میں لکھی کتابیں ہیں اس میں سے بعض کا مختصر تعارف یہ ہے۔

(سیرت)

(۱) **شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ** ۱۳۲۴ھ قاضی عیاض بن موسیٰ غرناطی مالکی کی سیرت نبویہ پر مشہور تصنیف ''کتاب الشفاء'' عربی زبان میں شرح۔

(۲) **تنویر السراج فی ذکر المعراج** ۱۳۵۲ھ وبعد: ذکر معراج پر کی گئی آپ کی تقریروں کا مجموعہ علم کا خزانہ اور حمائد ومحامد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گنجینہ ہے۔

(۳) مولود رضوی ۱۳۶۰ھ خانقاہ شفا ارزاں کے سجادہ نشیں حامد حسین حامد کی خواہش پر ملک العلماء میلاد پاک کے موضوع پر ''مولود رضوی'' کے نام کتاب لکھی۔ اس میں میلاد پاک کے موضوع پر آپ نے مستند آثار وروایات نقل کی ہیں۔

(حدیث)

(۴) **نزول السکینہ باسانید الاجازات المتینہ** ۱۳۳۳ھ : یہ رسالہ مبارکہ الاجازات المتینہ کی اسانید کے

سلسلے میں ہے۔

(۵) **الجامع الرضوی معروف بصحیح البہاری** ۱۳۴۵ھ سن آغاز: ملک العلماء نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کی جس میں آپ نے فقہ حنفی کے تمام مسائل کی مستدل احادیث صحیحہ معتبرہ یکجا کر دی ہیں۔

(۶) **الافادات الرضویہ** ۱۳۴۴ھ: اس کا موضوع اصول علم حدیث ہے۔ یہ وہ قواعد و نکات ہیں جو ملک العلماء نے اعلیٰ حضرت سے دوران درس سماعت کئے۔

(فقہ و اصول)

(۷) **مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس** ۱۳۲۳ھ اس رسالے میں عرس کی شرعی حیثیت کے متعلق گفتگو ہے جو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس رسالے کے اخیر میں اعلیٰ حضرت کی تقریظ بھی ہے۔

(۸) **اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد** ۱۳۲۵ھ: قربانی کی کھال صدقہ نافلہ ہے اور اس کے احکام کا بیان اس رسالہ میں موجود ہے۔

(۹) **التعلیق علی القدوری** ۱۳۲۵ھ درس نظامیہ کی فقہی کتابوں میں سے ایک شاہکار کتاب ''قدوری'' پر عربی زبان میں تعلیقات جو نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱۰) **بسط الراحۃ فی المظر و الاباحۃ** ۱۳۲۶ھ: اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کتاب الحظر والاباحہ کا اختصار و خلاصہ۔

(۱۱) **الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی** ۱۳۲۶ھ: الأشباہ والنظائر کی شرح علامہ حموی نے لکھی مگر چند اوراق شرح کے بغیر تھے جنہیں ملک العلماء نے مکمل فرمایا۔

(۱۲) **رفع الخلاف من بین الأحناف** ۱۳۳۲ھ: اس میں علمائے بریلی، دیوبند کے مسائل کا تصفیہ ہے۔

(۱۳) **القول الأظہر فی الأذان بین یدی المنبر** ۱۳۳۳ھ: اذان ثانی کہاں ہو؟ اس میں اسی مسئلہ کا بیان ہے۔ اسی موضوع پر آپ کا ایک فتویٰ ''دبدبہ سکندری'' رامپور میں بھی شائع ہوا ہے۔

(۱۴) **تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب** ۱۳۳۲ھ: اپنے مکان میں دریچے کھولنے کے بارے میں مولانا قادر بخش سہسرامی مرحوم کے فیصلے کے جواب ملک العلماء نے علمائے کرام و فقہائے عظام کی تصانیف سے دے کر مولانا مرحوم کے فیصلے کے متعلق ثابت فرمایا کہ یہ مسلک احناف، ظاہر الروایہ اور درایت کے خلاف ہیں۔

(۱۵) **نسائیہ المنتہی فی شرح ہدایہ المبتدی** ۱۳۴۳ھ: ہدایہ کی عربی شرح جو مبسوط و ہدایہ سے ماخوذ ہے۔

(۱۶) **تسہیل الوصول الی علم الاصول** ۱۳۴۸ھ: جس طرح ملک العلما نے اعلیٰ حضرت سے اصول حدیث کے فوائد سن کر جمع کیے ہیں شاید اسی طرز پر فقہ کے متعلق اعلیٰ حضرت سے سنے ہوئے فوائد و نکات ترتیب دی ہیں۔

(۱۷) **نافع البشر فی فتاوی ظفر** ۱۳۴۹ھ : ۱۵۷۳ھ استفتا اور ان کے جوابات پر مشتمل۔

(۱۸) **نصرۃ الاصحاب با قسام ایصال ثواب** ۱۳۵۴ھ : بہار کے مشہور اہل قرآن عالم سید محی الدین تمنا عمادی پھلواروی کے قائم کردہ چار سوالوں کے جوابوں میں تحریر کیا گیا۔

(۱۹) **جامع الاقوال فی رویتہ الھلال** ۱۳۵۷ھ مسئلہ رویت ہلال، اختلاف، مطالع، طریق موجب عدم اعتبار خطوط و تار وغیرہ میں علمائے سابق وحال کے ۲۳ فتاویٰ کا نایاب مجموعہ

(۲۰) عید کا چاند ۱۳۷ھ : ایک مقام پر رویت ہلال سے دوسرے مقام والوں کو روزہ رکھنے عید کی نماز ادا کرنے اور قربانی کرنے کا حکم کب ہوگا۔ علاوہ ازیں رویت ہلال کے بارے میں تار، ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس، اخبارات کی خبر شرعاً غیر معتبر ہے جیسے مسائل پر یہ رسالہ تصنیف کیا گیا جس میں ۱۹۵ مختلف مکاتب فکر کے علمائے سابقین ومعاصرین کی تحریرات و تصدیقات درج ہیں۔

(۲۱) **تنویر المصباح للقیام عندحی علی الفلاح** ۱۳۷۱ھ : قیامت **عند حی علی الفلاح** کے ندب واستحباب پر یہ رسالہ لکھا گیا جس میں ۱۸۰ مشاہیر علمائے ہند کی تصدیقات بھی ہیں۔

(۲۲) اصلاح الایضاح : یہ رسالہ مسئلہ نکاح میں مولوی سعید الدین صاحب رامپوری کے رسالۃ الایضاح کے رد میں لکھا گیا (عقائد و مناظرہ)

(۲۳) **ظفر الدین المجید** ۱۳۲۳ھ : مشاہر علمائے دیوبند سے بیس فیصلہ کن سوالات۔

(۲۴) **الحسام المسلول علی منکر علم الرسول** ۱۳۲۳ھ علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے منکرین کے رد میں۔

(۲۵) **مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفی** ۱۳۲۴ھ : امتناع النظیر کے اثبات اور مثل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امکان کا ابطال۔

(۲۶) شکست سفاہت ۱۳۲۶ھ مناظرہ میوات، اطراف فیروزپور جھرکا کی روداد۔

(۲۷) **ظفر الدین الطیب** ۱۳۲۷ھ **ظفر الدین المجید** (جو آپ ہی کی تصنیف ہے) کے سوالات اور مناظراتی ومواخذاتی استفسارات پر مشتمل۔

(۲۸) **سجم الکنزہ علی الکلام المظفرہ** ۱۳۲۸ھ : حمزہ مستغفرہ کا رد جواب۔

(۲۹) **المبراس لدفع المنہاس** ۱۳۲۹ھ : شملہ میں کی گئی آپ کی تقریر پر منہاس صاحب کے اعتراض کا رد۔

(۳۰) **کشف الستور عن مناظرہ رام پور** ۱۳۳۴ : حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی اور مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری کے مناظرہ کا نفیس فیصلہ کی روداد۔

(۳۱) گنجینۂ مناظرہ ۱۳۳۴ھ: مولوی ولی اللہ مارواڑی راجستھان سے مناظرہ کے لیے ملک العلما کلکتہ تشریف لے گئے لیکن مولوی صاحب پہلے ہی فراہم ہو گئے۔ اس کتاب میں اسی واقعہ کی تفصیل ہے۔

(۳۲) **ندوۃ العلما** ۱۳۳۸ھ سید عبدالحی ناظم ندوۃ العلما کی سالانہ رپورٹ پر تنقیدی تحریر۔

(۳۳) **الفوائد التامه فی اجوبة الامور العامه** ۱۳۵۷ھ: اپنے صاحب زادہ پروفیسر مختار الدین آرزو کیلئے علم کلام کی مشہور درسی کتاب کے اہم مباحث کو سوال وجواب کی شکل میں لکھی گئی۔

(تاریخ وسوانح)

(۳۴) **الجمل المعد دلنا لیفات المجدد** ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء تک اعلیٰ حضرت کی لکھی ہوئی کتابوں کا ذکر۔

(۳۵) **جواهر البیان فی ترجمه خیرات الحسان** ۱۳۳۳ھ: علامہ شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی علیہ الرحمہ کی اہم تصنیف "**الخیرات الحسان** فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" کا اردو ترجمہ۔

(۳۶) **خیر السلوک فی نسب الملوک** ۱۳۳۳ھ: اس میں ۲۴ قصبات کے ملک حضرات کے شجرہ نسب کا بیان ہے۔

(۳۷) چودھوی صدی کے مجدد ۱۳۶۷ھ اس میں مجدد کے اوصاف، مجدد کے اقسام اور مجدد کی شناخت کے علاوہ مختلف صدیوں مجددین کے اسما کا ذکر ہے اور چودھوی صدی کے مجددمیں اعلیٰ حضرت کا نام نامی پیش کیا گیا ہے

(۳۸) حیات اعلیٰ حضرت رمظہر المناقب ۱۳۶۹ھ: اعلیٰ حضرت کی حیات پر سب سے پہلی اور مستند کتاب۔

(نحو وصرف)

(۳۹) **التعلیق علی شروح المغنی** ۱۳۳۱ھ: مشہور زمانہ نحوی کتاب "مغنی اللبیب" پر عربی تعلیقات۔

(۴۰) **المصر المبنی علی بیان المغنی** ۱۳۳۶ھ: "**مغنی اللبیب**" کی عربی شرح جو نامکمل حالت میں ہے۔

(۴۱) **نظم المبانی فی حروف المعانی** ۱۳۳۶ھ: حروف معانی کا نہایت ہی مبسوط بیان۔

(۴۲) **وافیه** ۱۳۳۵ھ: نحو میر" سے "مغنی اللبیب تک کے نحوی قواعد، مسائل کا پر مثالوں کے ساتھ بیان۔

(۴۳) عافیہ ۱۳۳۵ھ: فن صرف کی کتاب "میزان سے" شافیہ" تک کے تمام مسائل کو جامع۔

(منطق وفلسفہ)

(۴۴) **تهذیب** ۱۳۳۵ھ: منطق کی کتاب "صغریٰ" سے سلم" تک کے مسائل پر حسین پیرایہ میں گفتگوں کی گئی ہے۔

(۴۵) **تدهیب** ۱۳۳۵ھ: علم فلسفہ کے جملہ ابتدائی مسائل کو حاوی۔

(۴۶) **انوار الامتعه من الشمس البازغه** ۱۳۵۷ھ: اپنے صاحب زادہ کی آسانی کیلئے فلسفہ کی مشہور کتاب

"الشمس البازغہ" کے اہم مباحث کی تشریح سوال وجواب کے انداز پر لکھی۔

(ہیئت وتوقیت)

(۴۷)**الجواهر والبواقيت معروف بتوضيح التوقيت** ۱۳۳۰ھ: اس میں توقیت کے اہم وعلمی مسائل سادہ وسلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔

(۴۸)**بد السلام لميقات كل الصلواة والصيام** ۱۳۳۵ھ: حضرت شاہ بدرالدین پھلواری کی فرمائش پر اوقات صوم وصلوٰۃ کیلئے لکھی گئی۔

(۴۹)**مؤذن الاوقات** ۱۳۳۵ھ: ہندوستان کیلئے ۱۲ر درجہ عرض سے ۲۴ درجہ عرض تک ۲۳ر رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی جسے ملک العلما نے پوری کر دیا۔

(۵۰)**توضيح الافلاك معروف بسلم السما** ۱۳۴۰ھ: علم ہیئت پر ہی کار آمد رسالہ۔

(۵۱)مشرقی کا غلط مسلک ۱۳۵۸ھ: خاکسار تحریک کے بانی عنایت خاں مشرقی کے رسالہ مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹ کے رد ہیں۔

(جفر وتکسیر)

(۵۲)**اطيب الاكسير فى علم التكسير** ۱۳۳۰ھ: علم تکسیر میں لکھی گئی۔ ممکن ہے کہ یہ رسالہ "**الاكسير فى علم التكسير**" کا نفس اول ہو۔

(۵۳)**الاكسير فى علم التكسير** ۱۳۳۷ھ: علم تکسیر میں نہایت نفس کتاب۔

(۵۴)**التحقيق المبات العلمات الموان** ۱۳۳۰ھ:

(فضائل ومناقب)

(۵۵)**تحفة الاخيار فى مناقب المنار** ۱۳۳۷ھ: بزرگان برکاتیہ رضویہ کے حالات۔

(۵۶)**تحفته العظماء فى فضل العلماء** ۱۳۶۵ھ: علم اور علماء کی فضیلت کے بیان میں۔

(۵۷)**النور والضياء فى سلا سل الاولياء** ۱۳۸۲ھ: بزگان دین کے ۲۶ سلسلوں کا شجرہ اور اسمائے گرامی اس میں درج ہیں جن میں ملک العلماء کو بیعت اجازت اور خلافت حاصل تھی۔

(اخلاق ونصائح)

(۵۸)**سرور القلب المحزون فى الصبر عن نور العيون** ۱۳۳۸ھ: علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی کتاب "**شرح الصدر فى شرح حال الموتى فى القبور**" کا اردو ترجمہ۔

(۵۹)**صادي الهدى ترك الموالات** ۱۳۹۲ھ: تحریک ترک موالات کے متعلق نفیس رسالہ۔

(۱۰) **دلچسپ مکالمہ** ۱۳۴۷ھ مسلمانوں کی اکثریت کا راز۔

مناظرہ:۔ آپ بارگاہ رضا کے عظیم مناظر تھے، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی حقانیت کیلئے بارگاہ رضا میں کوئی سائل آتا تو آپ ہی کو اہل حق کی نمائندگی کے لیے بھیجا جاتا اور آپ جہاں بھی مناظرہ کے لیے تشریف لے جاتے کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہوتا۔ یہاں آپ کے ان مناظروں کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے جو آپ نے باطل کی سرکوبی کے لیے کیے

(۱) مسجد بی بی جی، بریلی شریف میں آپ اور آریوں کے رہنما رام چندر دہلوی کے مابین مناظرہ ہوا جس میں مذہب اسلام کے دائمی ہونے اور مسئلہ تناسخ زیر بحث آئے۔ آپ نے اس کے ہر اعتراض کے تشفی بخش جواب دیے اور اس پر ایسے سوالات کیے جن کا کوئی جواب اس سے نہ بن پڑا۔

(۲) موضع آنولہ، ضلع بریلی شریف میں ایک قادیانی مبلغ آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگا، جس سے کئی لوگ قادیانی ہو گئے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے لوگ بارگاہ رضا میں حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت نے اس سے مناظرہ کرنے اور لوگوں کو اس کے دام تزویر سے بچانے کے لئے آپ کو روانہ کیا، آپ نے وہاں قادیانی مبلغ سے مناظرہ کیا جس میں "مسئلہ ختم نبوت" پر گفتگو ہوئی، آخر کار ملک العلماء نے اسے ایسی شکست دی جس کے نتیجے میں قادیانی ہونے والے تینوں شخص صدق دل سے تائب ہوئے اور لوگوں نے قادیانی لوگوں پر لعن تعن کی۔

(۳) وہابیوں سے بارہا آپ کا مناظرہ ہوا لیکن ان میں زبردست مناظرہ وہ تھا جو ۱۳۲۶ھ میں آپ نے ضلع گزگاؤں میں کیا۔ بدمذہب مناظر نے عربی زبان میں گفتگو کی شرط لگائی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کا دم نکل گیا اور اردو گفتگو پر اتر آیا۔ آپ نے بھی تفہیم عوام کے لئے اردو میں گفتگو کی، بالآخر بدمذہب راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ اس مناظرہ کی مکمل روداد شکست سناہت کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ۱۳۳۹ھ میں قیام شملہ کی دوران مولوی مرتضیٰ حسن چاند پوری در بھنگوی سے آپ کا مناظرہ "کلمات توہین یعنی کس قسم کے کلمات کس کے لئے توہین ہیں" پر ہوا اور مولوی صاحب کو منہ کی کھانی پڑی، اس کی پوری تفصیل فریقین کے خطوط کی نقل کے ساتھ "التحقیق المبین" میں درج ہے۔

(۵) ۱۳۳۴ھ میں ایک راجستھانی بے عقیدہ مولوی ولی اللہ نے کلکتہ آکر اہل سنت کو دعوت مناظرہ دی، جس کے لئے ملک العلما، کو بلایا گیا، لیکن وہ بدعقیدہ پہلے ہی بھاگ گیا۔ اس واقعہ کا پورا بیان "گنجینہ مناظرہ" کے نام سے چھپ چکا ہے

(۶) قیام سہسرام کے زمانے میں چنڈ ہوس ضلع پٹنہ میں مناظرہ ہونا طے ہوا۔ اس میں غیر مقلدین کے بارہ علماء بلائے گئے جن کے سرکردہ مولوی عبدالنور در بھنگوی مدرس الحدیث کولوٹولہ (کلکتہ) تھے۔

مناظرہ تین دن تک صبح و شام چلتا رہا، چوتھے دن مولوی عبدالنور شکست کھا کر جلسہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔

وصال۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۹ رجمادالاخری ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء اتوار کا دن گزار کر پیر کی شب نہایت سکون سے اسم جلالت اللہ اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

امام علم وفن اور ملک العلماء

امام علم وفن ۱۹۵۰ء میں بارگاہ ملک العلماء میں آئے اور ۱۹۵۵ء تک مکمل پانچ سال ملک العلماء کی صحبت سے فیض اٹھاتے رہے۔ اس پانچ سالہ دور میں امام علم وفن نے کیا حاصل کیا اور ملک العلماء نے کیا عطا کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

"امام علم وفن جن پر ذہانت، ذکاوت کو ناز ہے، ایسا شاگرد جب کسی جوہر شناس استاذ کو ملے گا تو اس کا بڑھاپا جوانی میں کیوں نہ بدلے گا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساٹھ پینسٹھ سالہ استاذ نہیں، استاذ الاساتذہ سولہ سالہ انتخاب عصر شاگرد کو پلاتا رہا، یہ پیتا رہا، نہ اس نے دینے میں بخیلی کی نہ اس نے لینے میں کوتاہی کی۔ ساقی کہن ہو، شفیق ہو تو پینے والا کتنا پئے گا۔ جاموں جام نوکوں تاک شبہ نہ ہو، ہضمی ہوگئی ہوگی۔ میکدہ کا مالک تجربہ کار تھا۔ اسے پتہ تھا، کتنا دینا تھا، کتنا پلانا تھا۔ جب میخوار کا حاضمہ درست ہوا تو انڈیل انڈیل کر بلانے میں کیا قباحت ہے" (تحقیقات امام علم وفن، ص ۱۶۔۵

البتہ ملک العلماء نے اتنا ضرور دیا کہ آج وہ بعض علوم میں یکتائے زمانہ ہیں اور امام علم وفن جیسے قابل رشک خطاب سے مشہور ہے۔

رئیس المتکلمین علامہ محمد سلیمان بھاگل پوری علیہ الرحمۃ

ولادت اور تعلیم وتربیت۔۔۔ حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری علیہ الرحمہ ایک رئیس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، آپ کی ولادت علاقہ ماچھی پور ضلع بھاگل پور بہار میں ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد حضور محدث اعظم ہند اور دیگر مشائخ کچھوچھہ علیہم الرحمہ نے آپ کو کچھوچھہ مقدسہ بلالیا۔ یہاں حضور محدث اعظم ہند سے شرح جامی تک کی حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے مشورے پر بارگاہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مدرسہ معینیہ عثمانیہ دارالخیر اجمیر شریف سے منظر اسلام بریلی شریف منتقل ہوئے تو آپ بھی منظر اسلام بریلی شریف آگئے اور یہیں حضور صدر الشریعہ سے علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔

درس وتدریس:۔ بعد فراغت حضور محدث اعظم ہند کے حکم پر مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ اس مدرسہ میں چونکہ کچھ دیوبندی مدرسین بھی تھے اس لئے مخالفت شروع کردی اور ناظم اعلیٰ بھیا بشیر الدین سے نکتہ چینی کرنے لگے۔ ناظم اعلیٰ نے حقیقت حال سے واقفیت کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ کسی عالم کو بلا کر امتحان لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے دیوبند سے قاری طیب کو بلایا گیا۔ پھر کیا ہوا مولانا بدر القادری صاحب مصباحی لکھتے ہیں۔

''یہ بات حضرت مولانا سلیمان صاحب کو صرف ایک روز قبل معلوم ہوئی۔ انہوں نے دل میں ٹھانی کہ اگر اس امتحان میں ناکام ہوا تو میزان ومنشعیب سے از سر نو پھر تمام کتابوں کا درس لونگا۔ صبح ہوئی تو آپ نے تفسیر بیضاوی کا درس شروع کیا۔ قاری طیب بھی موجود تھے۔ درس بیضاوی میں آپ نے ایسی جامع، پر مغز اور فاضلانہ نکات بیان فرمائے کہ ممتحن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے آپ کی علمی گہرائی وگیرائی کا برملا اعتراف کیا۔ (حیات حافظ ملت ص ۱۲۶)

اس کے علاوہ آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، جامعہ بحرالعلوم کٹیہار، جامعہ حمیدیہ بنارس، احسن المدارس کانپور، دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد میں مختلف اوقات میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو کر طالبان علوم نبویہ کو علم دین سے آراستہ کر کے میدان عمل میں اتارا۔

تلامذہ:۔ آپ نے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی اور علماء کی ایک عظیم جماعت کو مستفید اور مستفیض کیا۔ ان مستفیدین میں سے چند کے اسماء یہ ہیں۔

حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مفتی شریف الحق امجدی، علامہ ارشد القادری، حضرت مولانا قاضی شفیع اعظمی، حضرت مولانا غلام مصطفی کوثر امجدی، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی، اشرف العلماء سید حامد اشرف کچھوچھوی، صوفی نظام الدین محدث بستوی، سندالمدرسین مولانا بدرالدین قادری گورکھپوری، مولانا کاظم علی عزیزی وغیرہم۔

بیعت وخلافت:۔ آپ کو شرف بیعت شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے حاصل تھا اور آپ ہی سے خلافت بھی حاصل تھی۔

وصال:۔ عمر بھر دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے ۲ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

شخصیت:۔ آپ کی شخصیت کیسی تھی، اس کے بارے میں مولانا بدرالقادری صاحب مصباحی ''رقم طراز ہیں''

''آپ کے مزاج میں نفاست حد درجہ تھی، رہن سہن شاہانہ انداز کا تھا، سادات کرام سے نہایت محبت فرماتے اور ان کا حد درجہ ادب واحترام کرتے۔ آپ ایک عمدہ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مقرر بھی تھے۔ آواز نہایت بلند اور باوقار، مضبوط قویٰ وجیہ چہرہ پہ بھری بھری داڑھی۔ گو آپ حضور حافظ ملت کے استاذ بھائی تھے لیکن ان کی علمی گہرائی وگیرائی اور لافانی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اسے سنیت کا عظیم ومستحکم قلعہ فرماتے تھے۔ (حیات حافظ ملت ص ۱۲۷)

شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمۃ

ولادت:۔ حضرت مولانا محمد یار محمد کے صاحب زادہ اور حضرت مولانا ہدایۃ اللہ رامپوری کا شاگرد رشید حضرت مولانا محمد علیہ الرحمۃ کے گھر قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (حال مئو) میں ۱۹۰۲ء کو آپ نے آنکھیں کھولی۔

تعلیم و تربیت:۔ حاجی ضیاء الدین نے بسملہ خوانی کرائی اور قرآن پاک کا ناظرہ مکمل کرایا، اس کے بعد آپ نے مبارکپور اعظم گڑھ میں اپنے والد ماجد کے شاگرد مولانا عبد السلام سے فارسی کی پہلی، آمد نامہ وغیرہ پڑھی۔ استاذ محترم کی وفات کے بعد قصبہ گو پا گنج گھوسی کے ایک مدرسہ میں مولانا عبد الصمد صاحب سے میزان، پنج گنج تک تعلیم حاصل کی۔ بعدہ بھواڑہ گھوسی کے رئیس عبد الحئی کے مکان پر قائم شدہ مدرسہ میں تقریباً دو سال تعلیم حاصل کر کے منظر اسلام بریلی شریف غالباً ۱۳۳۹ھ میں آئے۔ یہاں مولانا حسن رضا خاں اور مولانا عبد العزیز بجنوری سے منیۃ المصلی، شرح جامی، جلالین شریف، نور الانوار، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، رسالہ میر زاہد، بیضاوی شریف وغیرہ کتوب درسیات پڑھی پھر صدر الشریعہ کے ہمراہ ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں جامعہ معینیہ عثمانیہ دار الخیر اجمیر شریف آئے اور ایک سال بعد مدرسہ نظامیہ میں حاضر ہوئے۔ یہاں مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے خاص شفقت فرمائی اور کھانے کے علاوہ ۹ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا، اس میں آپ نے مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی، مولانا عبد القادر فرنگی محلی اور مولانا قطب میاں سے تفسیر مدارک، مسلم الثبوت، ملا حسن، ملا جلال، میبذی، صدرا، حمد اللہ اور ادبیات کی تحصیل کی امتحان میں نمایاں کامیابی سے خوش ہو کر مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے تکمیل سے قبل مولانا کی سند مرحمت فرمائی اس کے بعد دوبارہ منظر اسلام آئے اور مولانا شاہ رحم الہی منگلوری مظفر نگری اور حجۃ الاسلام سے صحاح ستہ کا درس لیا اور ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء کو جلسۂ عام میں آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی گئی۔

بیعت و خلافت:۔ حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیل مہرہ روی علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تاج العلماء مولانا اولاد رسول محمد میاں قادری مہرہ روی، صدر الشریعہ اور حضرت عزیز الاولیاء سے متعدد سلاسل کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریس:۔ سب سے پہلے منظر اسلام بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دی اس کے بعد مدرسہ محمدیہ امروہہ میں بحیثیت نائب صدر مدرس سات سال، مدرسہ محمد مدراس میں ایک سال، حضور صدر الشریعہ کی ایما پر احسن المدارس کانپور میں ۶/۷ سال، مدرسہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں ایک سال، حضر مفتیٔ اعظم ہند کے حکم پر مظہر اسلام بریلی شریف میں پانچ سال، ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء سے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں ۷ سال، جامعہ عربیہ ناگپور میں، پھر دوبارہ مظہر اسلام بریلی شریف میں پانچ سال اور اخیر میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تا حین حیات علم و فن کے گوہر لٹاتے رہے۔

تلامذہ:۔ چون، پچپن سالہ تدریسی دور میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے اکتساب علم کیا ہے، چند کے نام درج ذیل ہیں۔ مولانا غلام یزدانی، مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی، حافظ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا صغیر احمد کاظمی پاکستان، مولانا حسن میاں

مہرو روی، مولانا تحسین رضا خان بریلی شریف، مولانا ریحان رضا خاں بریلی شریف، مولانا حامد اشرف کچھوچھوی، قاری رضا المصطفیٰ قادری پاکستان، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، سید محمد میاں کچھوچھوی، مفتی قدرۃ اللہ بستوی، مولانا غلام قادر علوی وغیرہم۔

تصنیف:۔ آپ نے تصنیفی میدان میں بھی قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ جن کا مختصر جائزہ اس طرح ہے۔

(۱) مختصر المعانی کی جامع شرح (۲) رسالہ متن الکافی کا اردو ترجمہ وشرح (۳) فصول اکبری کے شروع درج رسالہ لامیہ کی مبسوط شرح (۴) دیوان متنبی پر قیمتی حاشیہ (۵) ملاحسن پر حاشیہ (۶) شرح ہدایت الحکمت پر حاشیہ (۷) متن حکمت العین پر حاشیہ (۸) حمد اللہ کی تحقیقی شرح (۹) العلم ان کان اذ عاناللنسبۃ فتصدیق والا فتصور جیسی پیچیدہ بحث پر رسالہ (۱۰) وجود رابطی (۱۱) حیات شیخ المشائخ (۱۲) سوانح صدر الشریعہ۔

ادبی ذوق وشعر گوئی:۔ آپ نے اپنے دور میں شیخ الادب کی حیثیت سے مشہور تھے آپ کا ادبی ذوق بہت بلند تھا اور شعر گوئی کا اچھا مزاق رکھتے تھے۔ چنانچہ دار العلوم شمس العلوم گھوسی کی تاسیس کے موقع پر آپ نے فصیح عربی زبان میں نظم کہی، جن کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

یا مرجع الانام و یا صاحب الهمم
صلی علیک ربک ذو الفضل والکرم
شمس العلوم قد طلعت فی دیارنا
فارزق بها الهدایۃ والرشد والحکم
انعم علی من اقتبس نور علمکا
واسلک بهم سبیلک یا هادی الامم

پھر ۱۳۶۱ھ میں حضرت صوفی مہدی میاں مہرو روی علیہ الرحمہ کی تاریخ وصال پر بڑی برجستگی سے اس طرح نظم کی:

ہے وصال حضرت مہدی کا چرچا ہو بہو
آنکھ برساتی ہے اشکوں کی جگہ گویا لہو
جب کہ تاریخ وصال پاک کی تھی جستجو
قال قلبی اکتبوا التاریخ مغفور لہ

علاوہ ازیں مدراس کے زمانہ قیام میں شاہ عبد اللطیف دہلوی کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے شعری وفنی خوبیوں سے متاثر ہو کر سجادہ نشیں نے بطور انعام ایک گھڑی دی تھی۔ یہ قصیدہ آج بھی خانقاہ ویلور میں محفوظ ہے۔

وصال:۔ آپ کا وصال پر ملال ۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۷۴ء جمعہ کی صبح سات بج کر ۳۵ منٹ پر ہوا۔

حضرت علامہ ثناء اللہ محدث مئو علیہ الرحمہ

ولادت و تعلیم و تربیت:۔ آپ جماعت اہل سنت کے قابل فخر عالم دین، بلند پایہ مدرس، داعی و مبلغ اور محدث تھے آپ کی ولادت حاجی شریف اللہ صاحب مرحوم کے یہاں ۲؍جولائی ۱۹۱۰ء کو قاضی داموپورہ مئو ناتھ بھنجن میں ہوئی۔ گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؛ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ مئو میں از ابتداء تا انتہا مکمل تعلیم حاصل کر کے ۱۹۳۵ء فارغ التحصیل ہوئے۔ بعدہ دین حق کی تبلیغ واشاعت کے لئے رنگون تشریف لے گئے۔

بیعت و خلافت:۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے دست حق پر آپ کو بیعت وارادت حاصل تھی جب کہ حضور صدر الشریعہ، حضور مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند اور شاہ محمد ایوب تیغی نولی شریف غازی پور علیہم الرحمۃ سے اجازت وخلافت حاصل رہی۔

تدریس:۔ آپ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۹۰ء تا آخر درس و تدریس میں اپنی زندگی صرف کر دی جس کی ابتداء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور سے ہوئی اور مختلف مدارس ہوتے ہوئے مدرسہ بحر العلوم مئو پر ختم ہو گیا۔

تلامذہ:۔ ۵۴؍برس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس دوران جن حضرات نے آپ کی بارگاہ علم وفضل میں رہ کر آسمان علم وفضل کے مہ و نجوم ہوئے ان میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا شفیع اعظمی، استاذ القراء قاری یحیٰ، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، شیر بہار مفتی اسلم رضوی، مفتی ظفر علی نعمانی پاکستان (علیہم الرحمہ) مولانا احمد جید القادری سجادہ نشیں خانقاہ تیغیہ علیمیہ سرکانہی شریف، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، وغیرہ۔

تصنیف:۔ اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں آپ نے ضرور وقف کر دی تھی لیکن جب بھی فرصت کے لمحات میسر ہوتے تو آپ تصنیفی کام بھی انجام دیتے جس کے سبب آج آپ کی درج ذیل چند کتابیں یادگار ہیں:۔

(۱) مصباح الاحناف (۲) تجلی شعبان (۳) محاسن امام اعظم (یہ تین کتابیں مطبوعہ ہیں) (۴) عربی ادب (۵) اصول حدیث و تفسیر (۶) علوم نجوم (غیر مطبوعہ کتابیں)

وفات:۔ ۵۴؍سال دین اسلام کی خدمت میں گزارنے کے بعد ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۵؍اگست ۱۹۹۰ء چہار و پنج شنبہ کی درمیانی شب ۹؍بجے آپ واصل بحق ہوئے۔

شیخ المعقولات مولانا معین الدین اعظمی علیہ الرحمہ

اعظمی علیہ الرحمہ کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں فتح پور تال نرجہ گھوسی

میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم والد مرحوم سے پائی پھر دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا۔وہاں سے دار العلوم سبحانیہ الہ آباد آگئے۔حضور مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن قادرری علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل کیا جہاں علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ آپ کے رفیق درس رہے۔وہاں سے مرکزی دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف گئے۔جہاں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد لائل پوری علیہ الرحمہ،علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ اور دیگر مشائخ سے درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۴۶ء میں سند ودستار فضیلت سے نوازے گئے۔

تدریس:۔ فراغت کے بعد دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں شیخ المعقولات کے عہدے پر فائز ہوئے، وہاں سے دار العلوم غریب نواز الہ آباد خدمت تدریس کے لئے تشریف لے گئے پھر منظر حق ٹانڈہ گئے،اس کے بعد جامعہ عربیہ سلطان پور میں بحیثیت شیخ الحدیث وصدر المدرسین ۱۹۷۶ء میں آپ کا تقرر ہوا۔۱۹۸۷ء میں جب یہاں سے ریٹائرڈ ہوئے تو جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں شیخ الحدیث کی مسند پر متمکن ہوئے پھر مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد آئے مگر صحت کی خرابی کے سبب استعفیٰ دیکر اپنے مسکن فتح پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

تلامذہ:۔ آپ کے تلامذہ کی طویل فہرست ہے چند اہم نام یہ ہیں :۔خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مفتی مجیب اشرف ناگپوری،مولانا عبد الواحد صاحب، مفتی اسلم صاحب، مفتی عبد الوکیل صاحب،مولانا امیر الدین صاحب وغیرہ۔

شعر گوئی:۔ آپ علم وفضل میں اعلی مرتبہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ شعر گوئی میں خاصا درک رکھتے تھے۔حسب موقع ''نعت'' اور نظم لکھا کرتے تھے اور تخلص ''شمیم'' رکھتے تھے۔اس میدان میں آپ طالب علمی کے زمانہ ہی سے طبع آزمائی کرنے لگے تھے۔چنانچہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے مکان قادری منزل پر منعقد ہونے والے ایک نعتیہ مشاعرہ میں یہ نعت پڑھی۔

سر تو وہی سر ہے جو تیرے در پہ جھکا ہو
دل تو وہی دل ہے جو شہا تجھ پہ فدا ہو
یوسف تو بکے مصر کے بازار میں جا کر
ہاں کون ہے جو تیرے لئے خود نہ بکا ہو
اتنی تو شمیم عمر کٹی فعل عبث میں
اب کام وہی کیجئے جن میں کہ بھلا ہو

آپ کی طالب علمانہ زندگی میں آپ کی زبان سے یہ نعت سن کر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کافی محظوظ ہوئے۔

وصال:۔ آسمان علم وفن اور فضل وکمال کا یہ آفتاب ۲۲ / مارچ ۱۹۹۶ء کو غروب ہو گیا۔

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ ال...

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) کے نہایت مشہور و معروف اور مردم خیز خطہ گھوسی کے کریم الدین پور میں ہوئی۔

تحصیل علم:۔ آپ نے ناظرہ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلہ بانچہ قصبہ گھوسی کے مقامی مکتب میں پائی اور برادر صدر الشریعہ حکیم احمد علی صاحب سے گلستاں بوستاں پڑھی۔ ۱۰ر شوال ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء کو حضور صدر الشریعہ کی معیت میں حصول تعلیم کے لئے حافظ ملت کے بارگاہ میں آئے اور آٹھ سال تک دار العلوم اشرفیہ مبار کپور میں حافظ ملت کے زیر سایہ بڑی محنت و لگن کے ساتھ حصول علم کرتے رہے۔ اس دوران آپ نے فارسی کی اعلی تعلیم کے علاوہ ابتدائی عربی سے لے کر صدرا، حمد اللہ، ہدایہ آخرین، ترمذی شریف تک کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں کسی سبب سے مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ گئے اور سات آٹھ ماہ صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے حاشیہ عبد الغفور اور شمس بازغہ وغیرہ اور خیر الاذکیاء علامہ غلام یزدانی سے خیالی اور قاضی مبارک وغیرہ کا درس لیا۔ اس کے بعد ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور بریلی شریف پہنچے جہاں محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری علیہ الرحمہ سے صحاح ستہ سبقاً سبقاً پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۱ر شعبان ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں درس نظامی سے فراغت پائی۔ اور صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان علیہم الرحمہ اور دیگر مشائخ اہل سنت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دستار فضیلت اور جبہ سے نوازا۔ اس موقع پر مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مدرسہ کی عام سند کے علاوہ اپنی خاص سند سے بھی سرفراز فرمایا۔

بیعت و خلافت:۔ ۱۳۵۹ھ میں کسی ترغیب و تحریک کے بغیر آپ حضور صدر الشریعہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ۷ر ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کو پیر و مرشد نے آپ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم ہند نے بھی ۷ر رمضان ۱۳۸۱ھ میں رسالہ ''النور والبہا'' میں مندرج ۲۵ رسلاسل قرآن و حدیث اور سلاسل اولیاء اللہ کی تحریری اجازت کے ساتھ سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت عطا کی اور ۱۳۸۳ھ میں ''الاجازت المتینہ'' میں درج تمام سلاسل کی بھی اجازت دی اور حضور احسن العلماء مارہروی علیہ الرحمہ نے ۱۴۰۴ھ میں عرس قاسمی کے موقع پر بلا طلب اپنے خاندان کے تمام سلاسل جدیدہ کی اجازت عطا کر کے دستار بندی فرمائی۔

تدریسی خدمات:۔ آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے مدرسہ بحر العلوم مئو، مدرسہ خیر الاسلام چپلہ ضلع پلاموں، مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں، ناسک، مدرسہ عین العلوم بیت الانوار، گیا، مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو، مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع گونڈا، مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف، مدرسہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور، مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع امبیڈکر نگر، جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔

تلامذہ:۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مجیب اشرف ناگپوری، قاضی عبدالرحیم بستوی، مولانا رحمت حسین کلیمی پورنوی، مولانا غلام ربانی فائق اعظمی، مفتی ثناء المصطفیٰ امجدی، مفتی شفیق احمد شریفی، مولانا کوثر خان نعیمی، ڈاکٹر شکیل اعظمی، مفتی نظام الدین رضوی، مولانا عبدالحق رضوی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا بدر عالم مصباحی، مولانا معراج القادری، مولانا نسیم مصباحی، مولانا قمرالدین اشرفی اعظمی وغیرہ ہم۔

تصنیف:۔ آپ نے تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں تصنیف کی ہیں جن کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

نزہۃ القاری۔ بخاری شریف کی اردو شرح نو جلدوں، فتاویٰ شارح بخاری، مقالات شارح بخاری، مقالات امجدی، وغیرہ۔

مناظرہ:۔ آپ بے پناہ صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ ایک بے مثل مناظر بھی تھے۔ آپ نے متعدد مقامات پر احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے متعدد مناظرے کیے۔

وفات:۔ ٦ رصفر المظفر ١٤٢١ھ مطابق ١١ رمئی ٢٠٠٠ء بروز جمعرات جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں نماز فجر اور معمولات ووظائف سے فراغت کے بعد آپ کو دل کا دورہ ہوا جس کے سبب ٥ ربج کر ٤٠ رمنٹ پر آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مولانا خواجہ زین الدین پورنوی علیہ الرحمہ

ولادت، تعلیم وتربیت اور تدریس:۔ امام علم وفن کے والد بھی ہیں اور استاذ بھی۔ اپنے معاصرین میں آپ بڑے متبحر عالم تھے، فارسی وعربی میں بے پناہ صلاحیت تھی ساتھ ہی علم ریاضی اور جبر ومقالہ میں کافی مہارت تھی اس لئے اپنے علاقہ میں ''بڑے مولانا'' کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی ولادت صوبہ بہار کے شمالی مشرقی ضلع، پورنیہ'' کے قدیم ومشہور گاؤں ''سنگھیا'' میں ہوئی۔ قرآن پاک ''بنارس'' میں پڑھا، فارسی کی تکمیل ''مدرسہ چشمۂ رحمت'' غازی پور میں کی اور عربی نصاب تعلیم ''مدرسہ شمس الہدیٰ'' پٹنہ میں پورا کیا اور یہیں سے فراغت پائی اور سند فضیلت حاصل کی۔ بعد فراغت ''مدرسہ اسلامیہ رحمت'' محمدیہ اسٹیٹ میں اعلی مدرس کی حیثیت سے مسند تدریس کو رونق بخشی۔ اس میں رہ کر آپ نے کتنے اور کون کون شاگردوں کو علمی فیضان سے مالا مال کیا اس کی تفصیل موجود نہیں، البتہ خود اپنے صاحب زادے کو علم وفضل سے ضرور آراستہ کیا جنہوں نے شرح جامی'' تک کی تعلیم آپ سے حاصل کی اور آج'' امام علم وفن کے خطاب سے مشہور ومعروف ہیں۔

ایک انقلاب:۔ کہتے ہیں کہ بیٹا وہی سعادت مند اور قابل رشک ہوتا ہے جس سے ماں باپ خوش حال ہوں۔ بیٹے کے سبب خوش حالی اگر دینا علاوہ دین میں ہو تو یہ اس سے بھی بڑھ کر قابل رشک ہے۔ ایسا ہی کچھ مولانا زین الدین صاحب کے ساتھ ہوا خوش نصیبی کی لازوال نعمت ملی۔ اس کی روداد یہ ہے کہ آپ ابتداء دیوبندی مکتبہ فکر سے متاثر تھے غالباً اس وقت آپ کے سامنے اسماعیلی کفری عقائد نہ تھے اور نہ ہی علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں پر نظر تھی لیکن جب خواجہ مظفر

حسین پورنوی" جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم" میں زیر تعلیم تھے اور اگر آنے جانیکے دوران علماے دیوبند اور پھر مولوی عبدالمبین جونپوری سے مناظرہ کر کے شکست فاش دی اور آپ کے والد ماجد مولانا زین الدین کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ" کیا مدرسہ میں یہی سب پڑھایا جاتا ہے؟ آپ نے کہا نہیں پھر انہوں نے کہا" تو پھر کیا پڑھایا جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا" بات دراصل یہ ہے کہ جب درس میں عقائد کی کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے تو دوران درس عقیدہ پر بھی کچھ باتیں بتائی جاتی ہیں اور علماے دیوبند کے کتب ورسائل کی کفری عبارتیں بھی موضوع بحث بن جاتی ہیں" اپنے صاحب زادہ کی جواب سن کر ان میں فکری تجسس بڑھا اور ساری کتب علمائے دیوبند طلب کیں جن میں خدا کی شان اور رسول کریم ﷺ شان میں صریح اہانت و گستاخی ہے۔ پھر ان بدنام زمانہ کتابوں کا چشم بصیرت سے مطالعہ کیا تو حقیقت سامنے آگئی اور وہ دیوبندی عقائد ونظریات سے تائب ہو کر مفتی اعظم ہند کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ (۸) یہ ان منتخبات روزگار کے مختصر حالات جن سے حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی صاحب اکتساب علم کر کے" امام علم وفن" کے نام سے مشہور ہوئے اب اس بات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے کہ ان منتخبات روزگار شخصیات میں سے کس کس سے کیا کیا امام علم وفن نے پڑھی۔

امام علم وفن نے حضرت ملک العلماء سے جو کتابیں پڑھیں وہ یہ ہیں :اصول الشاشی ،مشکوۃ شریف ،صحیح البھاری شریف ،طحاوی شریف وغیرہ۔

استاذ المتکلمین مولانا سلیمان بھاگل پوری جن کے شاگرد علامہ ارشد القادری جیسی شخصیت تھے،ان سب سے آپ نے شرح تہذیب، قطبی، ہدیہ سعیدیہ، شرح جامی، وغیرہ کا درس لیا۔

علامہ محمد یوسف جو پٹنہ کے رہنے والے آپ نے ان سے شرح وقایہ، ہدایہ، قلیوبی پڑھی۔

شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب، یہ منوناتھ بھنجن کے رہنے والے تھے۔ ان سے آپ نے دو تین مہینے بخاری شریف کا درس لیا۔

علامۃ العصر مولانا معین الدین خاں، یہ فتح پورتال نرجا گھوسی کے باشی تھے۔ ان سے آپ نے رسالہ میرزاہد پوری پڑھی اور مسلم الثبوت کے چند اسباق بھی۔

شیخ الادب مولانا غلام جیلانی یہ بھی گھوسی کے متوطن تھے ان سب سے آپ نے مقامات حریری کا محض ایک سبق پڑھا۔

مفتی شریف الحق امجدی یہ بھی گھوسی کے باشی تھے۔ ان سے ملاحسن آپ نے پڑھی مگر صرف دو یا تین سبق۔ پھر آپ کے سر پر فضیلت کی دستار سجادی گئی۔ یہ ۱۹۵۶ء کا سن تھا۔

xxxxxxxxxxxx

چوتھا باب

سیرت وسوانح

امام علم وفن عمر رفتہ کے آئینے میں

مفتی حسن منظر قدیری: صدر شعبۂ برکاتی دار الافتاء الجامعۃ الرضویہ کلیان

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

ہندوستان کا جغرافیائی نقشہ سامنے ہے جس میں صوبۂ بہار بڑا وسیع وعریض نظر آتا ہے اگر چہ چند سال قبل اس کا جنوبی حصہ جو ایک طویل وعریض خطہ ہے بہار کے نقشہ سے الگ کر کے ''جھارکھنڈ'' نام رکھا گیا اور ہندوستان کے نقشہ پر ایک نئے صوبہ نے آنکھیں کھولیں اور قطعی طور پر اسے نیا صوبہ کا درجہ ملا۔ تاہم اب بھی صوبہ بہار کے دامن میں بڑی پنہائی وکشادگی ہے کیونکہ مغرب میں اتر پردیش، شمال میں ملک نیپال اور اس کا کوہستانی سلسلہ، جنوب میں جھارکھنڈ اور مغربی بنگال کی سرحد، شمال یا جنوب بہار کی سرحد کو چھو کر گذرتی ہے۔

خاک بہار بڑی زرخیز ہے اس کے علمی چمنستان سے نہ جانے کتنے لالہ وگل نمایاں ہوئے اور ابھی کتنے گل ولالہ اس کی خاک میں پنہاں ہیں جو عالم وجود میں آنے کے لئے بیتاب ہیں چشم مستقبل اس کے انتظار میں ہے البتہ بہار کی مردم خیز دھرتی سے جو لالہ وگل نمایاں ہوئے ان میں اولیائے کرام بھی ہیں جن کی ولایت کی بے پناہ جلوہ ریزی ہے ان کے علم وفن ضوفگن نہ ہوسکا مگر ان کی نگاہ کیمیا اثر سے گم گشتۂ منزل کو سراغ منزل ملا اور گمراہی کے خوگر ہدایت سے شرفیاب ہوئے یہ ان کی روحانی کمالات کا کرشمہ تھا۔

چمنستان بہار کے لالہ وگل علمائے کرام بھی ہیں جو اپنے عہد میں یگانۂ زمانہ اور علمائے روزگار کہلاتے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ یہ بھی اسرار معرفت سے آشنا تھے مگر ان کی علمی وفنی ضوفشانی میں چراغ ولایت کی روشنی ماند پڑ گئی جابجا ان کے نقوش قدم سینۂ ماضی میں محفوظ ہیں اور ان کے علمی کمالات کا تذکرہ، علم وفن کے صحیفہ میں جلی حرفوں سے لکھا ہے۔

جب ہماری نگاہ ماضی کے نہاں خانہ کی طرف جاتی ہے اور آئینۂ خیال کو ہم دیکھتے ہیں تو اصحاب علم وفن کی تصویریں

ابھرتی ہیں ان میں حضرت علامہ محب اللہ بہاری کا عکس تاباں ابھرتا ہے بہار شریف میں سکونت تھا اور حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمہ کے عہد زریں سے تعلق رکھتے تھے یہ ان مستند علمائے زمانہ میں سے تھے جن کا علمی خورشید نصف النہار پر تھا اور نیمروز کی تابانی لئے ہوئے تھے۔

حضرت محب اللہ علیہ الرحمہ کی متاع فکر ونظر کی بہاران کی کتاب ''سلم العلوم،، ہے اور سرمایۂ علم وفن کی بارگاہ ان کی کتاب ''مسلم الثبوت،، ہے ان کی یہ دونوں تصنیف ان کی حاصل مطالعہ ہے اور یہ دو علمی شاہکار علمی وفنی دستاویز ہیں جو معقول واصول کی دنیا میں سنگ میل کی طرح ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ سلم العلوم کی اب تک سو سے زیادہ شرحیں لکھی جاچکی ہیں اور مسلم الثبوت کی شرحوں میں بھی کوئی کمی نہیں آئی مگر عالم یہ ہے کہ ہر شرح تشنۂ بیان اور تشریح مزید تشریح کا احساس دلاتی ہے گویا........ع

مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی ہے

ایک اور علمی شخصیت جو سطح ذہن پر ابھرتی ہے جو افق بہار پر مدتوں درخشاں رہی ''ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین علیہ الرحمہ،، کی ہے۔ ان کی آستانہ امام احمد رضا سے وابستگی اور انہیں سے علم وفن کی اکتساب خود اس بات کی عکاس ہے کہ قطرہ ہوتو سمندر ہوجائے عالم ہوتو ''ملک العلماء،، بن جائے، ذرہ ہوتو وسعت صحرا بن جائے بس اتنا کہ کر گذر جاتا ہوں کہ مرشد نے میخانۂ عشق سے کیا جام پلایا اور ساقی نے میکدہ علم وفن سے کتنے ساغر عطا کئے.........ع

دیتے ہیں بادہ ظرف مدح خوار دیکھ کر

ابھی تازہ ترین تالیف ''جہان ملک العلماء،، ان کی زندگی پر ایک ضخیم دستاویزی حیثیت رکھتی ہے ان کے صحیفۂ حیات پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اس کا مطالعہ کافی ہے۔

صوبۂ بہار کی راجدھانی عظیم آباد (پٹنہ) ہے اور راجدھانی سے صوبہ کے سارے اضلاع جڑے ہوتے ہیں کیونکہ اضلاع کی نمو وبالیدگی کا اصل سرچشمہ راجدھانی ہے۔

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین علیہ الرحمہ کا وطن مالوف راجدھانی میں ہے اسی خاک سے ماہ تابان کی طرح جلوہ گر ہوئے بارگاہ رضا سے علم وفن کا اکتساب کیا بحر ذخار سے قطرے دستیاب کئے لیکن ہر قطرہ خود ایک دریا کی طرح ہے علمائے روزگار ہیں ''ملک العلماء،، سے متعارف ہوکے راجدھانی سے سارے اضلاع کی نشونما ہوتی ہے گو مولانا سید ظفر الدین علمائے عصر کے تاجدار، ملک العلماء اور مرجع العلماء تھے سارے علمائے زمانہ ان سے مستفیض ہوئے اور ان کے علوم وفنون سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

زمیں دے گئی آسماں کیسے کیسے

صوبۂ بہار کے عہد ماضی کو اگر ڈھونڈھا جائے تو گوشہ گوشہ میں علماء، ادباء اور شعراء کے نقوش تاباں کا سراغ ملے گا جن سے بہار کی دھرتی درخشاں ہے۔

خصوصا قدیم پورنیہ کا دامن ماضی ''علم وفن،، فضل وکمال، زہد وتقویٰ اور شعر وسخن کے پھولوں سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ رحمان پور جو اب کٹیہار کے نقشہ میں نظر آتا ہے ایک عظیم علمی شخص کا مولود ومسکن ہے اور اسی خاک کے دامن میں محو خواب ہیں۔ ان کی ذات علم ظاہر وباطن کا سنگم تھی ایک طرف علمی تشنگان کو آب حیات کے ساغر دے رہے تھے تو دوسری طرف بندگان خدا کو جام تصوف بھی پلا رہے تھے، مدتوں علمی وفنی خزانے لٹاتے رہے پھر آخری عمر غریق بحر تصوف ہو گئے اور ارادت مندوں کو راہ سلوک کی رہنمائی اور لذت معرفت سے آشنا کرتے رہے۔

پورنیہ کا عہد ماضی بھی بڑا تابناک ہے اسکی افق سے سیکڑوں اہل علم وفن، ارباب ادب وانشاء اور اصحاب شعر وسخن ماہ ونجوم کی طرح ضوفگن ہوئے تاریک ماحول میں گویا علم وفن کی کرن پھوٹی اور انسانی حیات کا گوشہ گوشہ جلوؤں میں نہاتا چلا گیا اگرشہ یہ قدسی صفات، آغوش ماضی میں ابدی نیند سو رہے ہیں لیکن ان کے نام اور علمی کارنامے کا چرچا ابھی تک فضاؤں میں گونج رہا ہے۔

مولانا شاہ عبد القادر رشیدی بظاہر چادر تصوف میں ملبوس مگر علم وفن کے دھنی، حضرت مولانا یوسف رشیدی ہری پوری بے پناہ علم وفن کے مالک اور اپنے وقت کے مناظر اور یہ بہت ہی مقتدر سی علم وفن میں بے نظیر اور زبان وبیان میں بے مثیل۔

شاہ عبد القادر رشیدی کا اس زمانہ میں دیدار ہوا جب ان پر رنگ تصوف کا غلبہ تھا مولانا یوسف رشیدی ہری پوری اپنے علمی جاہ وجلال کے ساتھ باطل فرقوں کے خلاف سیف زبان وقلم استعمال فرماتے رہے اور حضرت مولانا غلام یٰسین کے علمی تبحر کی طغیانی، فنی رعب اور تصوفانہ رموز واسرار کی ترجمانی کا یہ عالم کہ علمائے عصر ان کے آگے دبے لچے اور ان کے سامنے لب کشا ہونے سے گھبراتے تھے۔ خدائے قدوس ان پاک طینت نفوس کی تربتوں پر رحمتوں کے پھول برسائے آمین۔

افق بہار پر ایک علم وفن کا سورج، ایک عظیم علمی شخصیت، استاذ گرامی بحر العلوم مولانا سید افضل حسین علیہ الرحمہ بھی تھے جن کا تعلق ضلع مونگیر سے تھا تحصیل علوم وفنون کا حال تو معلوم نہیں البتہ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں ایک طویل زمانہ تک علوم وفنون کے لعل وگہر لٹاتے رہے، سورج کی طرح ضوفشانی کرتے رہے یہ ہے وہ علمی ذات جس پر بلاشبہ ''بحر العلوم،، کا اطلاق درست ہے کیونکہ دینی علوم وفنون پر کمال اور عقلی علوم پر عبور ان کے علاوہ علم ریاضی کے سارے شعبے پر مہارت، علم مساحت، علم ہیئت، علم توقیت، لوگارثم جیسے فنون کا درک حاصل تھا اس زمانہ میں جب مسند تدریس پر فائز تھے ان کے معاصرین جو یکتائے روزگار اور نابغۂ زمانہ کہلاتے تھے کوئی ان کا ہم پایہ نہ تھا۔

اس حقیقت کا اعتراف خود امام علم وفن خواجہ مظفر حسین مدظلہ کیا کرتے ہیں کہ جب وہ مظہر اسلام میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے کہ فن کی اونچی کتابوں جیسے صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، شرح چغمنی، مسلم الثبوت وغیرہ کوئی

اشکال ان کے ذہن وفکر میں باعث خلجان ہوتا وہ صرف اور صرف بحر العلوم مولانا مفتی سید افضل حسین کی طرف رجوع کرتے تو وہی اشکال دور فرما کر مطمئن کر دیتے یہ تھے بحر العلوم کی شان! اس دور میں تو کسی بھی عالم دین پر بحر العلوم کے لقب کی مہر لگا دیتے ہیں جو صحیح معنیٰ میں دینیات کو بھی سمجھنے اور سمجھانے کا شعور نہیں رکھتا۔

افسوس کہ اس جامع شخصیت کی پاکستان ہجرت ہوئی، یہ مری فراغت کا آخری سال تھا پھر وہ پاکستان ہی میں رحلت فرما گئے اور اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے.....ع

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ماضی کے دفینہ سے کچھ اہل علم وفن کو ڈھونڈھ کر نکالا جن کی عظمت مسلم ہے اگر بہار کا گوشہ گوشہ گاؤں گاؤں اور شہر شہر تلاش کیا جائے تو ان گنت اہل علم ودانش کا سراغ ملے گا جو ماضی کے دفینے میں محفوظ ہیں۔

آئینۂ حال میں بھی علم وفضل کی سیکڑوں صورتیں ابھرتی ہیں جن میں ایک بہترین، جامع شخصیت کا عکس ہے، جس کا رشتۂ خاک بہار سے ہے، نہ صرف بہار،، ہندوستان، برصغیر بلکہ عالمی شہرت کا مالک ہے۔

فلسفہ ومنطق میں رازی وغزالی کی شان، فقہ وتفسیر میں امام احمد رضا کی علمی صلاحیت اور درس نظامی کے جملہ علوم پر ایسی مہارت کہ ہدایہ کے بعض مغلق مسائل کی توضیح اور فتاویٰ عالمگیری کے کچھ مقامات کی تشریح، ان کی دقت نظر اور باریک بینی کے مرہون منت ہیں، جو علمائے روزگار کی دسترس سے باہر ہیں ان کے علاوہ علم ریاضی کے جملہ شعبہ، مناظر ومرایا، ارثماطیقی، لوگارثم، مثلث کروی وسطحی، علم جفر، علم مساحت، زیجات اور ہیئت وتوقیت نہ صرف ان علوم سے آشنا بلکہ ان کے ان ولم پر گہری نظر رکھتے ہیں ساتھ ہی ساتھ امام احمد رضا کے علوم وفنون کا وارث اور عالمی سطح پر ممتاز ومنفرد نہ کوئی عدیل ہے نہ کوئی ہمسر، یہ ہیں امام علم وفن حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی قبلہ مدظلہ جو عالمی سطح پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔......ع

ایک ذرہ اس قدر جلوؤں کی تابانی کے ساتھ

امام علم وفن کا صوبہ بہار کے شمال مشرقی ضلع ''پورنیہ،، سے تعلق ہے اسی خاک پر ان کا آبائی وطن اور خود ان کا مولود ومسکن ہے۔ یہ ضلع عہد ماضی میں وسیع تر تھا لیکن بہت پہلے اس کی کوکھ سے ایک نیا ضلع نے جنم لیا اور اس کا نام ''کٹیہار،، رکھا پھر چند سال قبل اس کے بطن سے دو اضلاع کشن گنج اور ارریہ پیدا ہوئے اس طرح ضلع پورنیہ کی وسعت وکشادگی تنگ سے تنگ ہوتی گئی پھر بھی ضلع پورنیہ بہت بڑا اور بہت وسیع وعریض ہے۔

ضلع کا صدر مقام جہاں سے ضلع کی پوری آبادی کی نشو نما اور عروج وارتقا کے منصوبے وابستہ ہیں ٹھیک مرکز سے جانب مشرق قومی شاہراہ کے ذریعے تیس کیلومیٹر کی دوری پر بہت معروف قصبہ نما آبادی ''بائسی،، ہے جو قومی شاہراہ ہی پر

واقع ہے۔

یہ پہلے بلاک (Block) تھا مگر لالو پرساد کے دور اقتدار میں اسے سب ڈویژن یا تحصیل کا درجہ ملا یہی وجہ ہے کہ اس کی آبادی بڑھتی چلی گئی اور بائسی رونق افزا ہو گیا، بائسی اس لحاظ سے بھی تاریخ پورنیہ میں اہمیت کا حامل ہے کہ اس کا ماضی علم وفن، فضل وکمال، شعر وسخن۔ زہد وتقویٰ کے خزانوں سے معمور ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ بائسی بڑا مردم خیز خطہ اور مدینۃ العلماء کی حیثیت رکھتا ہے۔

بائسی مسلم اکثریت سرزمین ہے جہاں زیادہ کسان اور ان کی جھونپڑیاں، ان کے افلاس وپریشان حالی کی کہانی سناتی ہیں، کہیں کہیں اہل ثروت کی بلند عمارتیں بھی نگاہوں کو دعوت نظارہ دیتی ہیں، یہاں پر بہار کا موسم بڑا خوشگوار ہوتا ہے عروس بہار سبز لباس میں نظر آتی ہے اور تا حد نظر ہریالی کا منظر ہوتا ہے، اس خوبصورموسم میں بلبل کی نوانجی اور کوئل کی مدھر آواز در گوش کو دعوت سماعت دیتی ہے، پت جھر کے موسم میں ہلاکت خیز ہواؤں کے زمزے اور بے تاب طوفانوں کے گیت در گوش سے اذن سماعت مانگتے ہیں۔

بائسی کا یہ جغرافیائی تعارف اس لئے پیش کیا گیا کہ بائسی سے سمت مغرب تقریباً دس کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بہت قدیم ومشہور گاؤں ''سنگھیا،، ہے اسی گاؤں میں امام علم وفن کا آبائی وطن ہے اور اسی گاؤں کی خاک سے یہ تابدار موتی نمودار ہوا اب تک کی اس زندگی کو عمر کی اسی سے زیادہ بہاریں چھوکر گذری ہیں اور نہ جانے کب اور کہاں اس زندگی کی شام ہو جائے۔

خاندانی پس منظر:۔ سنگھیا'' گاؤں تقریبا مسلم آبادی کا ہے جس میں بہت سے خاندان آباد ہیں ان میں ایک متمول، شریف، خواجہ عماد علی کا خاندان ہے جو امام علم وفن کے جد امجد تھے تاج خواجگی کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء واجداد میں سے ایک شخص ہجرت کر کے ہندوستان آیا تھا جو خواجہ ذوالنورین مصری کی نسل سے تھا اس سبب یہ خاندان نام سے پہلے خواجہ کا لفظ بڑھا دیتا ہے مگر خاندان کے پاس شجرۂ نسب کا کوئی دستایزی ثبوت نہیں ہے۔

خواجہ سراج الدین اور خواجہ نظام الدین دونوں حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین سے شرفیاب تھے خواجہ زین الدین کو اگر چہ یہ سعادت نہ مل سکی لیکن وہ علم دین سے بہرہ ور تھے۔

چنانچہ خواجہ زین الدین نے قرآن پاک ''بنارس،، میں پڑھا، فارسی کی تکمیل ''چشمۂ رحمت،، غازی پور میں کی اور عربی نصاب تعلیم ''شمس الہدیٰ،، پٹنہ میں پورا کیا اور وہیں فراغت ہوئی اور سند فضیلت ملی۔

وہ اپنے معاصرین میں بڑے متبحر عالم تھے، فارسی اور عربی میں انہیں بے پناہ صلاحیت تھی اس کے ساتھ ہی علم ریاضی اور جبر ومقالہ میں انہیں کافی مہارت تھی اس لئے وہ اپنے علاقہ میں بڑے جید عالم شمار کئے جاتے تھے۔

مولانا خواجہ زین الدین نے حصول علم کے بعد شادی کی، رفیقۂ حیات کے گلستان میں بہار آتی رہی اور رنگ برنگ

کے پھول کھلتے رہے، خواجہ عبد القاہر، خواجہ عبد الرؤف اور خواجہ نور الدین یہ تین فرزند اور ایک صاحبزادی طہورا بانو انہیں پھولوں سے ان کا آنگن مہک رہا تھا۔

سورج ایک سیاح کی طرح مدام سفر میں رہتا ہے یہ گردش لیل ونہار اسی کے دم سے ہے اس کی سیاحی سے، روز وشب نور وظلمت لئے پھرتا ہے عروس شب کے گیسو کی سیاحی، عارض بہار کی تازگی اور موسم خزاں کی اداسی اس کی پیہم گردش کا ثمرہ ہے۔

دن کا سیاح اپنی سالانہ گردش میں ہر برج میں قدم رکھتا گذرتا ہے اور کائنات پر اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے، رات کا مسافر چاند بھی اپنے ماہانہ سفر کے دوران ہر برج میں دو دن سے کچھ زیادہ عرصہ قیام کرتا ہے اور اپنی اٹھائیس منزلیں طے کر لیتا ہے اور اس کا اثر بھی زمین پر نمایاں ہوتا ہے۔

نہ جانے سورج کس برج اور چاند کس منزل میں تھا یہ بھی نا معلوم کہ کیا سہانی گھڑی، کونسی ساعت مبارک اور کیسا لمحہ سعید تھا کہ خواجہ زین الدین کے آسمان حیات پر ایک ستارہ نمودار ہوا جس کی درخشانی سے سارا گھر اجالوں سے بھر گیا، فضا میں قوس وقزح کے رنگ ہو گئے یہ ایک فرزند ارجمند کی ولادت کا سماں تھا کہ اہل خانہ سرور کیف سے جھوم رہے تھے۔

مولانا زین الدین نے اس نومولود کا نام ''مظفر حسین،، رکھا۔ یہ نام نیک فال کا غماز بھی تھا کہ اس بچہ کو شہر علم وفن پر فتح وظفر حاصل ہوگی کیونکہ جبین سعادت پر عظمت کے آثار اور ذہانت وفطانت کے انوار جھلک رہے تھے۔

مگر قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ ہے کہ ابھی گلشن زندگی کا یہ نونہال نشو ونما کے مرحلے سے ہی گذر رہا تھا، ایام رضاعت بھی پورے نہیں ہوئے کہ اس کی مادر مہرباں داغ مفارقت دے گئی یہ پہلی رفیقۂ حیات کی آخری اولاد جو سفر زندگی کے آخری پڑاو میں ہے۔

اس کے گذر جانے کے بعد خواجہ زین الدین نے دوسری شادی کی مگر اس خاتون کی گود اولاد سے خالی رہی پھر تیسری شادی کی اس سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، یہی سب بہار چمن کے لالہ وگل تھے۔

امام علم وفن کی بڑی بہن تو تھی مگر اتنی بڑی نہ تھی کہ اسے ماں جیسی پیار دیتی، مولانا خواجہ زین الدین تھے جنہوں نے اپنی شفقت کی گھنی چھاؤں میں نونہال کی پرورش کی اور اتنا پیار دیا اور ناز برداری کی کہ اسے مادر مہربان کی رحلت کا احساس بھی نہ ہونے دیا بہر حال یہ فرزند ارجمند اپنے والد گرامی کی تربیت اور دیکھ ریکھ میں عمر کی منزلیں طے کرتا رہا۔

پورنیہ کی آبادی سے تقریباً ۱۵ ؍کیلو میٹر جانب مشرق اور مولانا زین الدین کے وطن سے دور لگ بھگ ۲۵ ؍کیلو میٹر جانب شمال ومغرب زرداروں، زمینداروں اور کج کلاہوں کا ایک خاندان وسیع خطہ پر آباد ہے جو محمد یہ اسٹیٹ کے نام سے مشہور ہے اس اسٹیٹ میں ایک علمی ادارہ ''اساقت رحمت،، کے نام سے معروف ہے۔ جس میں مولانا خواجہ زین الدین اعلیٰ

تعلیمی درس دیا کرتے تھے۔

مولانا خواجہ زین الدین بائسی کی دھرتی پر اپنی شناخت اور علمی وقار رکھتے تھے اسی وجہ سے سارے علماء میں ممتاز ومنفرد تھے لیکن نظریات کے اعتبار سے دیو بندی مکتبۂ فکر سے متاثر اور اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اگر چہ راسخ الاعتقاد نہ تھے غالباً اس وقت تک ان کے سامنے اسماعیلی خیمہ کے پناہ گزینوں کے کفری عقائد نہ تھے اور نہ ہی علماء دیو بند کی کفری عبارتوں پر ان کی نظر تھی شاید ان کے ماحول میں ڈھلے ہوئے تھے اور اہل اسٹیٹ کا خال بھی اس باطل فرقہ سے ہم آہنگ تھا۔

مولانا خواجہ زین الدین مدرسہ ''اساقت رحمت،، کے معلم تھے، وہ ماں کے آغوش سے محروم اپنے صاحبزادہ کو اسی ادارہ میں لے گئے اور خود ہی اپنی شفقت کی گھنی چھاؤں میں تعلیم وتربیت دی اور تقریباً ۹ رسال کی مدت تھی کی نور نظر نے شفیق باپ سے ابتدا سے شرح جامی تک اکتساب علم وفن کیا۔

باپ بیٹے کا رشتہ نازک ہوتا ہے اسی نزاکت احساس نے مولانا خواجہ زین الدین کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب مزید تعلیم وتربیت کے لئے اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں یا ہی بھی کہ سنا ہے کہ مدرسہ ''اساقت رحمت،، میں مزید تعلیم کا کوئی بندوبست نہ رہا ہو بہر حال ان کے ذہن میں کوئی نہ کوئی وجہ تھی جس کے سبب وہ اپنے فرزند کو عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اس ماحول سے کہیں دور بھیجنا چاہتے تھے۔

خود ان کا طبعی رجحان خیال اور علاقہ کے دیو بندی علماء کے مشوروں کا ملا جلا اثر یہ ہوا کہ دار العلوم دیو بند بھیجا جائے اور اس پر قطعی فیصلہ بھی ہو گیا رخت سفر تیار ہوا کہ اسی اثنا میں خواجہ نور الدین جو لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے گھر پہونچے دیکھا کہ رخت سفر تیار ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خواجہ مظفر حسین کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیو بند بھیجنے کی تیاری ہے اس صغر سنی ان کی نگاہوں میں تھی اس لئے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا کہ یہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے اور دار العلوم دیو بند یہاں سے سیکڑوں میل دور ہے اس کم عمری میں اس جگہ کون اس کی دیکھ بھال کریگا؟

بہتر ہے کہ اپنے ہی علاقہ میں کسی ادارہ کا سراغ لگایا جائے اور وہیں بھیجا جائے تا کہ آسانی سے اپنا گھر آنا جانا کر سکے دار العلوم لطیفی کٹیہار گھر سے زیادہ دور نہیں اسی میں بھیجنا مناسب ہے بات معقول تھی لہٰذا دار العلوم دیو بند بھیجنے کا ارادہ منسوخ ہو گیا۔

دار العلوم لطیفی کٹیہار کا تعارف:۔ دار العلوم لطیفی کٹیہار کی بنیاد مولانا عابد حسین چندی پوری نے ڈالی اور وہی اس کے موسس وبانی تھے حضرت شاہ حفیظ الدین قدس سرہ سے ارادت وخلافت حاصل تھی حسن اعتقاد کی وجہ سے اپنے شیخ طریقت پیر ومرشد حضرت خواجہ سید لطیف علی قدس سرہ متن گھاٹ پٹنہ کی طرف دار العلوم کی منسوب کیا اور لفظ لطیفی کا اضافہ کیا۔

اپنے شیخ طریقت اور مرشد برحق کی حیات ظاہری میں تو انہیں نجدی خیالات ومعتقدات کے اظہار کی ہمت تو نہ

ہوئی البتہ ان کے وصال کے بعد دھرے دھیرے ان کا نجدی رنگ ظاہر ہونے لگا اور دیوبندی نظریات کو فروغ دینے لگا
دارالعلوم لطیفی کی تاسیس جو بریلوی مکتبۂ فکر کے نام پر ہوئی تھی انہوں نے پوری طرح اسے دیوبندی ماحول میں ڈھال دیا
جس کا ثبوت دارالعلوم لطیفی کے اساتذہ تھے جن میں دیوبندیوں کا سرغنہ مولوی منور حسین اور مولوی عبدالرزاق کے ساتھ
''ندوۃ العلماء،، لکھنؤ کا تعلیم یافتہ و پروردہ بھی تھا جن کی دیوبندیت مہر نیمروز کی طرح تاباں و درخشاں تھی گویا مولوی عابد
حسین نے ان اساتذہ کا اپنے دارالعلوم میں تقرر کر کے اپنی دیوبندیت پر مہر لگادی۔

جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کی وجہ تاسیس:۔ ان حالات کے پیش نظر اب سنی مسلمانوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ تھا اور بڑا
ہی نازک موڑ کہ سنی ماحول اور اہل سنت و جماعت کے گھر اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت کے لئے کہاں بھیجیں؟

یہ صبر آزما وقت اور پریشان کن حالات ضرور تھے مگر تاریکیوں کو تراش کر بھی سورج نکالا جا سکتا ہے اس لئے حق کے
چہرے پر مایوسی کی شکن نہ تھی صرف یخ بستہ حالات کو پگھلانے کی ضرورت تھی۔

پردۂ غیب سے کوئی ہوشمند، دانا اور باشعور نکلتا ہے اور تعمیر ذہن و فکر کرتا ہے چنانچہ خواجہ شاہد حسین درگاہی میاں
قدس سرہ جو بارگاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ کے چشم و چراغ تھے پیکر خلوص بن کر نمودار ہوئے ضلع کٹیہار کے شمال مشرقی حلقہ میں
ان کے سیکڑوں، ہزاروں ارادت مند تھے ان کا کافی اثر و رسوخ بھی تھا انہوں نے اپنے حلقہ کے گوشہ گوشہ کا دورہ کیا عمائدین
سے، اہل ثروت سے ملاقات کی، ذہن میں محض ایک تعلیم ادارہ کا تصور تھا بہر حال سعی بلیغ اور پیہم جد و جہد کے بعد ایک خاکہ
تیار ہوا اور اسے سطح زمین پر اتارنے کے لئے علمہ ٹولی کٹیہار کا انتخاب ہوا اور دیکھتے دیکھتے جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کے نام سے
ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

اب اس ادارہ کو ایک ایسی جامع شخصیت کی ضرورت تھی جو اپنے بیگانے سب کے نزدیک مسلم الثبوت اور مرجع ہو
اور وہ ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین قدس سرہ کی ذات تھی مگر وہ تو اہی ضعیفی و کبرسنی کی وجہ سے تعلیمی دنیا سے دور ہو چکے تھے
جامعہ کے لئے یہ مسئلہ بڑا ہی سنگین تھا!

لیکن اس نازک مسئلہ کو بھی خواجہ شاہد حسین درگاہی میاں نے خلوص و محبت سے حل فرمایا، ملک العلماء مولانا سید
ظفر الدین قدس سرہ کی ذات تھی اور دوسری طرف بارگاہ عشق کے دیرینہ تعلق تھے ایک طرف ملک العلماء کی ذات تھی تو
دوسری طرف درگاہی میاں علیہ الرحمہ ذات یہی رشتۂ محبت لئے درگاہی میاں علیہ الرحمہ ملک العلماء کے آستانہ پر حاضر
ہوئے انہیں آشفتہ حالات سے روشناس کیا اہل سنت و جماعت کی بیچارگی سامنے رکھی اور جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کی تاسیس کو
وقت کی اہم ضرورت بتا کر اس میں تشریف ارزانی فرمانے کی درخواست پیش کی۔

حضرت ملک العلمانے اپنی سال خوردگی و طبعی ضعف کے باوجود محض اللہ کی خوشنودی، سنیت کا تحفظ اور مسلک رضا

کی ترویج واشاعت کی خاطر سب غم والم کو گوارا فرما کر جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں نزول اجلال فرمائے۔

چنانچہ ۲۹ رشوال المکرم ۱۳۷۰ھ میں جامعہ بحر العلوم کا افتتاح اور دورۂ حدیث کا آغاز ہوا ملک العلماء کے علاوہ حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری، حضرت مولانا محمد یوسف عظیم آبادی (پٹنہ) اور دیگر اساتذہ روزگار نے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کو ایک معیاری درسگاہ اور فکر وفن کا مرکز بنا دیا جب جامعہ کو ارباب علم وفن اور اہل فکر ونظر ملے تو جامعہ بہت قلیل عرصہ میں شہرت کی اس بلندی پر پہونچا جہاں دوسری درسگاہوں کو اس عروج ورفعت پر پہونچنے میں صدیاں درکار ہوتی ہیں۔

ضلع کٹیہار میں ''دار العلوم لطیفی''، قائم تھا اور یہ ضلع عہد ماضی میں ضلع پورنیہ ہی کے نقشہ میں تھا، پھر ایک نیا ضلع کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا تو یہ پورنیہ کا پڑوسی ضلع ہے اور پورنیہ سے بہت قریب!

خواجہ مظفر حسین کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لئے دار العلوم لطیفی کا انتخاب ہوا تھا چنانچہ ان کے بڑے بھائی خواجہ عبد القادر انہیں ہمراہ لیکر کٹیہار پہونچے جونہی صحن دار العلوم میں قدم رکھے تو عجیب اداسی و وحشت کا احساس ہو، رخ دیوبندیت پر بے رونقی ومردنی دیکھنے میں آتی ہے اداروں میں بھی ویرانی واداسی کا ماحول ہوگا اس پر مستزاد کہ خواجہ مظفر حسین کی طبیعت علیل ہوگئی سخت بخار میں مبتلا ہو گئے طبیعت ذرا سنبھلی اور بخار کی شدت میں کمی ہوئی تو عبد القادر انہیں لیکر واپس لوٹ ہی رہے تھے کہ اثنائے راہ میں ایک شناسا سے ملاقات ہوگئی پوچھے جانے پر عبد القاہر نے بتایا کہ وہ بھائی کا دار العلوم لطیفی میں داخلہ کے لئے آئے تھے مگر اچانک اس کی طبیعت خراب ہوگئی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ادارہ کا ماحول وحشت زدہ ہے داخلہ مناسب نہیں اس لئے گھر واپس جا رہے ہیں۔

اس مخلص شناسا نے بتایا کہ یہاں ایک ادارہ ''جامعہ لطیفیہ بحر العلوم''، کے نام سے قائم ہوا ہے، ماحول بڑا ہی شستہ، پسندیدہ ہے ادارہ میں وقت کے مایہ ناز اساتذہ ہیں اور تعلیم وتربیت کا بڑا شائستہ نظام ہے۔

خواجہ عبد القادر نے یہ ساری باتیں اپنے ذہن میں نقش کر لئے اور بھائی کو لیکر گھر آئے اور اس نیا ادارہ کے سلسلہ میں باپ سے مشورہ کیا اجازت مل جانے پر خواجہ مظفر حسین کو لیکر کٹیہار پہونچے اور جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں داخلہ کے بعد فرحت وانبساط کے ساتھ گھر پہونچے۔

ادارہ میں تعلیمی ماحول بڑا پاکیزہ تھا جس نے ذوق طبیعت کو تازگی اور عمدہ تربیت نے ذہن وفکر کو بالیدگی عطا کی بس اختصار یہ کہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک العلماء جس جس عظیم شخصیت کا علمی فیضان مولانا سلیمان بھاگلپوری جس جامع شخصیت کا فیض نگاہ اور دوسرے اساتذہ کرام کا خوبصورت تعلیمی انداز تھا جو کہ چشمۂ علم وفن سے انہیں سیراب کرتا رہا۔

خواجہ مظفر حسین اپنے دوران تعلیم میں کٹیہار سے گھر آیا جایا کرتے تھے چند گھنٹوں کا سفر تھا ایک بار گھر آئے تو گاؤں کے زمین دار جو نجدی مکتبۂ خیال سے تعلق رکھتا تھا چند دیوبندی علماء کو اپنے گاؤں بلایا اور خواجہ مظفر حسین کو دعوت

مناظرہ دیدی، عہد طالب علمی تھا وہ تو مناظرہ کے نام سے بھی نا آشنا تھے لیکن حضرت ملک العلماء کے تلمذ ہونے کا شرف تھا ، ذہانت بھی بے پناہ تھی اور ٹھوس علمی استعداد پر پورا اعتماد تھا مناظرہ کرنے پر تیار ہو گئے خود اعتمادی کے ساتھ مناظرہ گاہ میں بیٹھے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا اور چند لمحوں میں ان نجدی علماء کو شکست فاش دے دی اور دیوبندی علماء سرنگوں ہوئے۔

مگر ہوتے ہیں یہ شیطان صفت، فتنہ سازی اور شرانگیزی ان کی خشیث طبعیت میں داخل ہے اس شکست خوردگی کے بعد پھر دوسرے گاؤں میں مناظرہ رکھ دیا دراصل اس گاؤں میں جونپور سے ایک پیر جی آیا کرتا تھا جو مولوی عبدالمبین نام سے مشہور تھا گاؤں والے اس کے مرید و پیروکار تھے سوچا بڑا سنہرا موقع ہے پیر جی خود ہی مناظر کی حیثیت سے رہے گا خواجہ مظفر حسین محض ایک طالب علم ہے اسے میدان مناظرہ کا تجربہ ہی نہیں نتیجہ کے طور پر کامیابی ہماری ہوگی اور وہ ذلیل ہو جائے گا۔

مگر اس آشفتہ خیالوں کے تانے بانے اس وقت بکھر گئے جب خواجہ صاحب نے اسے عاجز، حواس باختہ اور شرمناک شکست دیدی اور اس کے علمی وقار کے محل کو زمین کر دیا۔

مولانا خواجہ زین الدین ان مناظروں کی شکل میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر نہ تھے آخر دل کی بات زبان پر آہی گئی '' کیا مدرسہ میں یہی سب پڑھایا جاتا ہے؟،، فرمابردار فرزند نے جواب دیا '' ایسا نہیں،، تو پھر کیا پڑھایا جاتا ہے؟،، والد محترم کا دوسرا سوال تھا '' وہی درسی کتابیں،، تو پھر تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟،، والد بزرگوار حقیقت آشنا ہونا چاہتے تھے۔

'' بات دراصل یہ ہے کہ جب میں درس میں عقائد کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں تو دوران درس عقیدہ پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے اور علمائے دیوبند کے کتب و رسائل کی کفری عبارتیں بھی موضوع بحث بن جاتی ہیں، فرزند ارجمند نے بڑی سنجیدگی سے مسئلہ کی وضاحت کر دی۔

مولانا خواجہ زین الدین اب تک علمائے دیوبند کی ظاہری کردار و گفتار کو دیکھ رہے تھے مگر حقیقت کی وضاحت کے بعد ان کا فکری تجسس بڑھا اور وہ ساری کتابیں انہوں نے طلب کیں جن میں اکابر دیوبند کی کفری تحریریں تھی، توہین آمیز کلمات تھے جس میں خدا کی شان اقدس اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت میں صریح اہانت و گستاخی تھی۔

حسب طلب انہیں ان بدنام زمانہ ساری کتابیں فراہم کی گئیں وہ چشم بصیرت سے مطالعہ کرتے گئے ان پر حقیقت آشکارا ہوتی گئی، آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیوبندیت کی مکروہ صورت اور پراگندہ عقیدہ ان کی چشم بینا سے مخفی نہ رہ سکی توفیق رفیق ہوئی دیوبندی خیال و عقیدہ سے تائب ہو کر مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں خواجہ مظفر حسین کا قیام ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۷۴ھ تک رہا اس چہار سالہ تعلیمی دور میں وہ بات ہے کہ صد سالہ دور چرخ میں نہیں طویل مدت کسب و ریاضت میں وہ بات نہیں جو ساقی کے ایک جام میں ہے، حصول علم و فن کے لئے ایک زندگی صرف ہوتی ہے تو جا کر پتھر ہیرا میں تبدیل ہوتا ہے مگر ملک العلماء کی درس گاہ کا فیضان اور نگاہ کیمیا اثر نے

ایک مختصر مدت میں خواجہ مظفر حسین کو علوم وفنون کی خواجگی عطا کر دی اس سلسلۂ گفتگو میں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی فکروفن کی تجلی سید ظفر الدین پر ڈالی تو وہ ملک العلماء ہو گئے ،شہر علوم وفنون کے تاجدار بن گئے اور جب ملک العلماء نے اپنے تلمیذ رشید کے دل ودماغ پر اپنے علم وفن کی ضوفشانی کی تو مظہر اعلی حضرت اور ان کے علوم وفنون کے تنہا وارث ہو گئے ،ان کی شناخت عالمی سطح پر ہے اور وہ عالم اسلام میں اپنے علم وفن اور فکر ونظر کے لحاظ سے ممتاز ومنفرد ہیں۔

۱۳۷۴ھ ہی میں حضرت ملک العلما کی اجازت سے سنیت کی راجدھانی شہر بریلی شریف میں قائم سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیکھ ریکھ میں چلنے والا ادارہ دارالعلوم مظہر اسلام میں داخلہ لیا

اس وقت دارالعلوم مظہر اسلام میں مولانا محدث ثناء اللہ ،مولانا معین الدین خان اعظمی ،شیخ الادب مولانا غلام جیلانی اعظمی اور مولانا مفتی شریف الحق قدس اسرارہم مسند تدریس پر جلوہ گر تھے جو اپنے وقت کے جید علماء ،ارباب علم وفن اور اصحاب فکر ونظر تھے۔

دارالعلوم مظہر اسلام میں دوران تعلیم ایک روز ان کی طبیعت علیل ہوگئی شہر بریلی میں جگہ جگہ حکیم وطبیب کی فراوانی تھی ،حکمت وطبابت میں مختلف امراض کے لئے یہ اطبا مخصوص الفاظ بولتے تھے جیسے وجع الصدر ،ضیق النفس ،دوران رأس اور مجرالبول یہ الفاظ طب یونانی میں مخصوص معانی کی غمازی کرتے ہیں ان اطبا میں حکیم عبد الرشید بھی تھے چنانچہ خواجہ مظفر حسین انہیں کے مطب پہونچے اگر چہ وہ فکری اعتبار سے دیوبندی مسلک کے ہم خیال تھے مگر اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم کے اسم گرامی بڑے ادب سے لیا کرتے تھے۔

خواجہ مظفر حسین اپنی ناساز طبیعت لے کر حکیم عبد الرشید کے مطب پہونچے اور حال یہ کہ انہیں طب یونانی کی اصطلاحات معلوم نہیں لہٰذا اسی حکیمانہ لب ولہجہ میں لب کشاں ہوئے۔

’’قلب میں خلجان کی شکایت رہتی ہے، مجری البول میں احساس سوز ہے، کتاب پڑھوں یا نہ پڑھوں دوران رأس کی شکایت رہتی ہے،،

حکیم عبدالرشید ان جملوں کو سننے کے بعد ذرا چونکے اور بولے ،انداز گفتگو میں تجسس کا ایک رنگ تھا۔

’’کہاں پڑھتے ہو،،؟

’’مدرسہ مظہر اسلام میں پڑھتا ہوں،، جواب میں بڑی شائستگی تھی بریلی کی آب وہوا نے خواجہ مظفر حسین کو زبان وادب کا شگفتہ وشستہ مزاج عطا کر دیا تھا۔

’’اچھا بڑے مولانا صاحب کے یہاں........وہاں بھی اتنی اچھی زبان کی پڑھائی ہوتی ہے اور زبان وبیان کی اتنی عمدہ تربیت دی جاتی ہے........حکیم عبدالرشید کے لہجہ میں حیرت واستعجاب کا عنصر تھا۔

''وہیں سے تو میں نے یہ زبان سیکھی ہے''...... خواجہ مظفر حسین کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

سلسلۂ گفتگو ختم ہوا حکیم عبدالرشید نے نسخہ لکھا اور کنارہ پر ''مفت'' بھی لکھ دیا اور بولا کہ ''سامنے کی دوکان سے دوائیں لے لو اور دوائیں استعمال کر لینے کے ایک ہفتہ بعد پھر ملاقات کرنا۔

ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد...... جب حکیم عبدالرشید کے مطب میں پہونچے تو مطب میں ایک مولوی بیٹھا ہوا نظر آیا، حکیم عبدالرشید اس کا تعارف کراتے ہوئے بولے

''یہ دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہیں''، اور میرے طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے

''یہ بڑے مولانا صاحب کے مدرسہ میں پڑھتا ہے بڑا ہونہار اور ذہین ہے''،

''کیا ہونہار ہوگا جہاں شرک و بدعت اور گمراہی کی تعلیم دی جاتی ہے''، اس مولوی کے انداز میں حقارت تھی۔

''جیسے''، خواجہ مظفر حسین نے بڑی شوخی و بے باکی سے پوچھا.......... اس مولوی نے جواب دیتے ہوئے کہا ''اللہ کہ ہے کہ کون کہاں مرے گا میں جانتا ہوں اور تمہارے مولوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں''،

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں''، خواجہ مظفر حسین نے بڑی شوخی سے کہا..... اور نظر اٹھائی مطب کی دیوار پر چیونٹیاں چل رہی تھیں فوراً ان میں سے ایک چیونٹی اپنی چٹکیوں میں لی اور بولے اس کی موت ابھی ہے اور چٹکیوں سے مسل دی۔

یہ صورت حال دیکھ کر وہ مولوی ہکا بکا رہ گیا اور اسکی زبان پر خموشی کی مہر لگ گئی۔

خواجہ علم وفن اور بیعت وارادت:۔ سعادت وارجمندی سے انسان کب سرفراز ہو جائے، خوابیدہ نصیبہ کس وقت جاگ جائے اور کس گھڑی نجم سعادت چمک جائے یہ کہنا مشکل ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک فضل الٰہی شامل اور کسی خدا رسیدہ بزرگ کا فیضان نظر حاصل نہ ہو انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی۔

امام علم وفن کا بیعت وارادت کی سعادت سے سرفراز ہونے میں یونہی صورت حال ہے۔

وہ سو رہے تھے کہ خواب میں بڑا خوشنما منظر سامنے آیا کہ وہ کچھوچھہ شریف کی سرزمین پر ہیں آستانہ مخدوم سامنے ہے اور عقیدت مندوں کا بے پناہ ہجوم ہے ان کی نگاہوں میں کسی کا انتظار ہے ایسا لگتا تھا کہ مخدوم اشرف علیہ الرحمہ تشریف لانے والے ہیں اس لئے نظریں بے تاب ہیں۔

دیکھتے ہیں کہ اچانک حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اس بھیڑ میں نمودار ہوئے جیسے چاند بادلوں کے دامن سے نکلا ہے سرکار کی نگاہ کرم امام علم وفن پر پڑتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ حضور انہیں ڈھونڈ رہے ہیں؛ یہ خواب حسین تھا اور اس میں ہلکا سا اشارہ تھا۔

امام علم وفن اشارہ سمجھ گئے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دامن کرم سے وابستہ ہو گئے آپ نے انہیں بیعت

وارادت نیز خلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۳۷۷ھ کا سال حضرت خواجہ صاحب کے لئے برکت وسر بلندی خوش بختی وار جمندی، سعادت و سرفرازی کی حسین بہاریں لے کر آیا۔ گھر واپسی پر رسم مناکحت، پھر ماہ شوال مظہر اسلام میں تقرر اور تدریسی خدمت۔ خلاصہ یہ کہ یہ سال بہر حال دن ہفتہ اور مہینہ گزرنے میں دیر نہیں لگتی ہے شعبان کا مہینہ آیا اور دورۂ حدیث میں پڑھنے والوں کی دستار بندی ہوئی اور انہیں سند فضیلت ملی، تو خواجہ مظفر حسین بھی ان میں شامل تھے۔ انہوں نے کیا پڑھا، کیا علمی استعداد پیدا کی مگر ان کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ یہ شخص علم سے بالکل کوڑا ہے اس نے اپنی عمر گراں کو ضائع کر دیا۔

دستار بندی کے بعد فارغین عموماً سرکار مفتی اعظم کے آستانہ پر حاضری دیا کرتے تھے خواجہ مظفر حسین بھی آستانہ بوسی کی غرض سے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مولانا اسلم مظفر پوری علیہ الرحمہ آستانے پر حاضر ہیں اور سرکار مفتی اعظم انہیں اپنی مخصوص سند عطا کر رہے ہیں خواجہ مظفر حسین نے سوچا کہ دستار بندی سے سرفراز ہو چکے ہیں اور سند فراغت بھی ملی ہے پھر یہ کیسی سند ہے؟

معلوم ہوا کہ سرکار مفتی اعظم اپنی مخصوص سند عطا کرتے ہیں تو انہیں بھی سند کی خواہش ہوئی لیکن ان کے بارے میں تو عام خیال یہی تھا کہ وہ علمی جوہر سے خالی ہیں شاید یہ بات سرکار مفتی اعظم کے گوش مبارک تک پہونچ چکی تھی اس لئے سند کی خواہش پر آپ نے فرمایا ”پڑھنا لکھنا کچھ نہیں اور سند چاہئے“، مگر نثار ان کی کرم فرمائی پر کہ انہیں بھی اپنی مخصوص سند سے سرفراز فرما دیا۔

یہ مدارس اسلامیہ کے فارغین اگر علمی صلاحیت ہے تو کسی درسگاہ میں تعلیمی خدمات پر مامور ہو جاتے ہیں یا کہیں امامت پر تقرر ہو جاتا ہے ورنہ اپنے وطن کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔

خواجہ مظفر حسین اپنے اندر کوئی خاص علمی صلاحیت نہیں پا رہے تھے اس لئے بریلی میں مزید قیام کا خیال انہیں بے سود نظر آیا، اپنے وطن آ گئے اور مستقبل کا خاکہ تیار کرنے لگے۔ وہ سادہ خاکہ جس میں انہیں رنگ بھرنا تھا ذہن میں یہ تھا والد گرامی خواجہ زین الدین ”محمدیہ اسٹیٹ“، مدرسہ اساقت رحمت کے معلم تھے جہاں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ ماہ رمضان گزرنے کے بعد اس ادارہ سے وابستہ ہو جائیں گے اور شیخ شیرازی کی شہرہ آفاق کتاب ”گلستاں و بوستاں“، کا درس دیں گے۔

تعلیم و تربیت سے فراغت کے بعد ہر باپ کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لینے لگتی ہے کہ وہ اپنے لخت جگر کا سہرا دیکھے مولانا خواجہ زین الدین بھی اپنے دل میں شمع آرزو جلائے بیٹھے تھے کہ بیٹا اب رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو جائے۔

خواجہ مظفر حسین خود وجیہ وجمیل شخص، جمالیاتی ذوق بھی تھا، شہر خیال میں بہت سی حسین غزلیں تھیں، شبستان تصور میں شرمیلی چنچل دوشیزائیں بھی تھیں، اعلیٰ سے اعلیٰ گھرانے سے رشتہ ہو سکتا تھا مگر والد ماجد نے اپنے ہی خاندان کی ایک شریف لڑکی کا انتخاب کیا جو قبول صورت تو نہ تھی مگر مال ومتاع رکھتی تھی، سعادت مند بیٹے نے فرمان پدر کے آگے سر جھکا دیا اور یہ رشتۂ نکاح سال فراغت ۱۳۷۷ھ ہی میں انجام پایا۔

شوال کا مہینہ مدارس اسلامیہ کے افتتاح کا سال ہوتا ہے، خواجہ مظفر حسین بعد فراغت یہی تصور کر کے گھر آ گئے
کہ کسی ادارہ سے وابستہ ہو جائیں گے اور گلستاں و بوستاں کا درس دیں گے۔ کہاں تو یہ خیال کہ انہیں دیوبند بھیجا جائے تاکہ
دیوبندی ماحول میں رہ کر تعلیم حاصل کرے اور اسی مکتبۂ فکر کی ترجمانی کرے اور کہاں یہ بات کہ سنی درسگاہ میں تعلیم اور مرکز
سنیت سے فراغت یہ سب کچھ مشیت الٰہی کی دین ہے جسے چاہے ہدایت سے سرفراز کر دے اور جس کو چاہے گمراہی کے
اندھیروں میں چھوڑ دے۔

کون جانے خوابیدہ مقدر کب بیدار ہو جائے؟

خواجہ مظفر حسین پر باران فضل الٰہی ہوا، خوابیدہ مقدر جاگا، استاذ گرامی مولانا ثناء اللہ نے ان کے نام اپنا مکتوب
گرامی ارسال فرما کر انہیں ''دارالعلوم مظہر اسلام،، جیسا معیاری و اعلیٰ تعلیمی ادارہ میں تدریسی خدمات کے لئے طلب
فرمایا۔ کہاں وہ بے علمی کا خیال، احساس خودی کی پستی اور کہاں سربلندی یہ سب مشیت الٰہی اور کرشمۂ قدرت تھا۔

بہر حال ہزاروں کیف و سرور کے جلو میں بریلی شریف پہونچے، استاذ شفیق اور عظیم محسن سے ملاقات کی، بات چیت
ہوئی اور دارالعلو مظہر اسلام میں ان کا تقرر ہو گیا۔

مگر طلبہ جو اکثر بہاری تھے انہیں اور کچھ اساتذہ کو مولانا ثناء اللہ کی یہ بات پسند نہ آئی بلکہ بہاری طلبہ اس تقرری کی
سختی سے مخالفت کرنے لگے کیونکہ سب پر ان کی علمی حیثیت واضح تھی نہ صرف زبانی مخالفت بلکہ مخالفت تحریری شکل میں مولانا
محدث ثناء اللہ کے سامنے پیش کر دی۔

مولانا ثناء اللہ نے بڑی ہوشمندی سے کام لیا، سارے طلبہ کو بلایا اور بڑی متانت سے فرمایا کہ طلبہ ان کی درسگاہ میں
جائیں اور پڑھیں اگر ان کے انداز تعلم اور افہام و تفہیم سے مطمئن نہ ہوں تو انہیں تعلیمی خدمات سے برطرف کر دیا جائیگا۔

مولانا ثناء اللہ کی اس دانائی و حکمت عملی سے طوفان مخالفت تھما پھر خواجہ مظفر حسین سے فرمانے لگے۔

''آپ کون کون سی کتابیں پڑھا سکیں گے،،؟

''جو بھی کتابیں مل جائیں،، لہجہ میں بڑی خود اعتمادی تھی۔ ایک طرف علمی بے مائیگی کا چرچا اور دوسری طرف
حوصلہ کی یہ فراوانی اور خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کا یہ عالم قطرہ ہوتے ہوئے سمندر کی بات کرتے ہیں۔

بہر حال انہیں شرح تہذیب، ہدایۃ النحو اور دوسری کتابیں پڑھانے کو دی گئیں وہ بڑے خوش تھے لیکن مسند تدریس
پر بیٹھنے سے پہلے امام احمد رضا قدس سرہ کے سنگ آستانہ پر پہونچے، مزار اقدس کی حاضری دی، دعائیں کیں اور سرکار مفتی
اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائیں لیں پھر مسند تدریس پر خود اعتمادی سے جلوہ گر ہوئے۔

طلبہ بادل ناخواستہ درس گاہ میں پہونچے اور بیٹھے چونکہ خواجہ مظفر حسین کا علمی جوہر اور تعلیمی صلاحیت کو دیکھنا

تھا، اساتذہ کرام بھی گوش بر آواز ہو کر آس پاس ٹہلنے لگے۔

خواجۂ علم وفن نے ''شرح تہذیب،، میں ''الحمد،، پر ایسی جامع اور پر مغز تقریر کی اور تشریح میں ایسے نکات بیان فرمائے کہ طلبہ حیران وششدر رہ گئے گویا ان کی تشنہ لب زمین پر آب زندگی برس رہا تھا، مدرسین جوان کو دل سے نہیں چاہ رہے تھے کہ ان کا اس ادارہ میں تقرر ہو وہ بھی ان کی تعلیم وتفہیم کے قائل ہو گئے اس طرح امام علم وفن نے دار العلوم مظہر اسلام میں اپنے علمی جواہر کا سکہ بٹھا دیا۔

اس تناظر میں امام علم وفن کی جامع شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جن کو والد محترم نے اپنی مخصوص نگاہ کرم اور بے پناہ شفقت کے ساتھ تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا ہو اور جن کو ملک العلماء کی کیمیائی نظروں کا فیضان ملا ہو اور جن کی ذہانت وفطانت علم کی دنیا میں حیران کن ہو ان کا دامن بھلا گوہر علم سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے۔

آج اسی عمدہ بنیادی تعلیم کا ثمرہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے علوم وفنون ''جواب قصہ پارینہ اور آثار قدیمہ کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں،، ان میں نصف سے بھی زیادہ پر وہ مہارت تامہ رکھتے ہیں جن پر ادراک کسی دانش روزگار کے بغیر خود ان کا ذاتی مطالعہ ہے لہٰذا صرف مظہر اعلیٰ حضرت نہیں بلکہ وہ اس دور کے امام احمد رضا ہیں۔

نخل امام علم وفن:۔ رفیقۂ زندگی سے صرف ایک فرزند تولد ہوا تحمید عالم نام رکھا اور وہی دونوں کی آنکھوں کا نور، دل کا سرور اور جگر کی ٹھنڈک بن کے رہا۔

نشو ونما کے مرحلے طے کرتا ہوا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، زیادہ پڑھ لکھ نہ سکا شاید اس کا کفارہ باپ کا بے پناہ علم ہے۔

ماں باپ نے اپنی پسند سے خاندان ہی کی ایک پیاری لڑکی سے اس کی شادی کرادی غالباً بیٹے نے بھی باپ کی سنت ادا کی۔ رب قدیر نے اسے اولاد سے بھی نوازا ایک لڑکا اور ایک لڑکی سے گویا گھر میں بہار آگئی مگر تحمید عالم جوانی میں ماں باپ کو درد وکرب میں اور بیٹا بیٹی کو روتا بلکتا چھوڑ کر دنیا سے چلا گیا! بیٹے کی وفات پر سارا گھر ماتم کدہ بن گیا مگر تقدیر الٰہی پر صبر وشکر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

اب امام علم وفن اور ان کی رفیقۂ حیات بیٹے کی بیوہ اور یتیم پوتا پوتی کی محبت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

عمر رفتہ کے تعلیمی مرحلے:۔ امام علم وفن کی عمر رفتہ کا آئینہ پیش نظر ہے جس میں عکس ماضی صاف نمایاں ہے، ان کا ایک دور اکتساب علم وفن کا ہے۔ دوسرا طویل عرصہ، شمالی ہند میں علم وفن کی روشنی پھیلانے کا ہمیشہ ان کا نظریۂ حیات یہی رہا کہ حرکت میں برکتوں کا نزول ہوتا ہے، روہوں میں شجر سایہ دار کی چھاؤں ملتی ہے۔

امام علم وفن کی سیمابی طبعیت منزل بہ منزل چلتی رہی اور سیاح سا مزاج خطہ خطہ سیر کرتا رہا اور علم وفن کے پائیدار نقوش قائم ہوتے رہے۔

دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف (۱۳۷۷ھ تا ۱۳۸۱ھ)

مرکز عقیدت اور اہل سنت وجماعت کے ایمان وعقیدہ کی محافظ اس عظیم دانش کدہ سے فراغت ہوئی پھر اسی دانش گاہ میں ایک معلم کی حیثیت سے تقرر ہوا اور پانچ سال تک اپنی علمی آن بان کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور لحاظ سے اپنی انفرادیت قائم رکھی، وہ اساتذۂ کرام جن سے وہ درس علم وفن لے چکے تھے وہ بھی ان کے مداحوں میں شامل تھے۔

دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ (۱۳۸۱ھ تا ۱۳۸۴ھ)

بریلی شریف کی دھرتی سے ایک سیاح کی طرح چلے تو سیدھے دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ پہونچے، یہ ادارہ حضرت مولانا غلام یٰسین علیہ الرحمہ کی نگرانی میں تھا وہ ایک متبحر عالم دین تھے مگر وہ خانقاہی مزاج رکھتے تھے اور ان پر تصوف کا رنگ غالب تھا اس کے باوجود وہ اپنا علمی وقار رکھتے تھے۔ امام علم وفن کے ساتھ مولانا مفتی شریف الحق رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے اس ادارہ میں تین سالہ زندگی گزاری۔ بہار بن کر آئے تھے وہ خزاں رسیدہ چھوڑ گئے۔

دار العلوم مظہر اسلام ومنظر اسلام (۱۳۸۴ھ تا ۱۳۸۷ھ)

شاید پیر ومرشد کی آواز دل کی فضا میں گونجی یہ آواز کشاں کشاں انہیں مرکز عقیدت بریلی شریف لے گئی۔

دل کو سمجھا لائے تھے ہم کوئے جاناں سے حسنؔ

دل ہمیں سمجھا بجھا کر کوئے جاناں لے چلا

چنانچہ دو سال دار العلوم مظہر اسلام کی مسند تدریس پر پھر جلوہ گر ہوئے اور اسی قدیم روایت کے ساتھ ان کا سحاب علم برستا رہا اور سال بھر تک دار العلوم مظہر اسلام کے پیاسے بھی اس دریا سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔

جامعہ عربیہ سلطان پور (۱۳۸۷ھ تا ۱۳۹۵ھ)

اتر پردیس کے جغرافیہ میں سلطان پور خاصی شہرت کا حامل ہے، اسی شہر میں اجمل سلطان پوری جیسے شاعر پیدا ہوئے اور اسی شہر میں ''جامعہ عربیہ،، کی شکل میں ایک دانش کدہ تھا، مولانا سلیم اسکے نگراں ومہتمم تھے لیکن اسے کوئی شہرت حاصل نہ تھی، امام علم وفن کی تشریف ارزانی اس ادارہ میں آمد صد بہار تھی اس بہار علم وفن کی وجہ سے مختلف مقامات سے سیکڑوں طلبہ آ کر گل چینی کرنے لگے اور اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہونے لگے مگر حال یہ تھا۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

دیکھتے ہی دیکھتے آٹھ سالہ زندگی گزر گئی مگر چشمہ علم وحکمت کی طغیانی اپنی جگہ قائم رہی۔

فیضیہ نظامیہ ماچھی پور بھاگلپور (۱۳۹۵ھ تا ۱۴۰۳ھ)

سیمابی طبیعت بے تاب تھی سلطان پور سے چلے تو بھاگل پور پہونچے۔فیضیہ نظامیہ کی کوئی شہرت تھی نہ شناخت، امام علم وفن کی برکت قدم نے اسے شہرت کی بلندی وسرفرازی عطا کی، گویا ایک انجمن علم وفن درخشاں ہوئی اور سینکڑوں علم و فن کی طلب میں پروانے اس پر نثار ہونے لگے اور ایسا معیاری تعلیم کا نظم قائم ہوا کہ ذرہ بھی مہتاب بن کر چمکنے لگا۔

جامعہ اشرف کچھوچھ شریف (۱۴۰۳ھ تا ۱۴۰۴ھ)

جامع اشرف کے سنگ بنیاد میں حضرت مولانا سید اظہار اشرف شیخ اعظم علیہ الرحمہ کا خون جگر شامل تھا جو اپنے ابتدائی مرحلہ میں ایک معیاری درسگاہ کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا۔ کچھوچھ شریف سادات کرام کی نگری اور سیدنا مخدوم اشرف علیہ الرحمہ کی فیض گاہ اسلئے ماحول میں خانقاہی رنگ کا غلبہ تھا، امام علم وفن نے جامع اشرف کو علمی توانائی عطا کی کیونکہ ان کی شخصیت جو علم وفن کی ضمانت تھی درس بھی دیتے رہے اور کچھوچھ شریف کے منظر نامہ کا بھی مطالعہ کرتے رہے، رنگ جلوت بھی بہرہ نواز ہوا اور انجمن خلوت بھی دیکھی، معلومات کا خزانہ دستیاب ہوا، ایک سال کے عرصہ میں کچھوچھ کو سمجھنے کا خاصہ موقع ملا۔

دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف (۱۴۰۴ھ تا ۱۴۰۶ھ)

سیاح مزاج امام علم وفن اتر پردیس کی دھرتی دار العلوم فیض الرسول وارد ہوئے، اس سرزمین پر بڑی معزز ومحترم ہستی شعیب الاولیاء حضرت شاہ یار علی علیہ الرحمہ کی خانقاہ بھی تھی، موصوف جہاں خانقاہی مزاج رکھتے تھے وہیں دینی تعلیم کی اشاعت وفروغ میں بڑے مخلص اور مجاہدانہ جذبہ رکھتے تھے امام علم وفن کا اگرچہ اس ادارہ میں دو سال ہی قیام رہا مگر اپنے علم وفن کا انمٹ نقوش چھوڑ آئے۔

دار العلوم غریب نوز الہ باد (۱۴۰۶ھ تا ۱۴۰۷ھ)

یہ دانش گاہ علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی حاصل زندگی ہے اس ادارہ نے انھیں حیات ابدی بخشی ہے امام علم و فن اس ادارہ میں پہونچے تو گویا علم وفن کی ایک نئی صبح نمودار ہوئی اور علم کی گہرائی وگیرائی مسند تدریس سے ظاہر ہونے لگی لیکن طبع نازک شاید آب وہوا کی گراں باری کی محتمل نہ ہوسکی اور ماحول مزاج کی شائستگی سے ہم آہنگ نہ ہوسکا اسلئے صرف ایک سال قیام رہا۔

جامعہ قادریہ بدایوں (۱۴۰۷ھ تا ۱۴۱۳ھ)

بدایوں، مردم خیز سرزمین، زبان وادب کا شہر اور فکر وفن وعلم وعرفان کا گہوارہ ہے اسکی مردم خیزی کا یہ عالم کہ اس کی خاک سے نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاک وابستہ ہے، اسی سرزمین سے تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر و مولانا فضل رسول علیہما الرحمہ والرضوان کا تعلق اور اسی دھرتی سے شکیل بدایونی جیسا عظیم شاعر منسوب ہے۔

تاج الفحول خاندان کے چشم وچراغ شیخ طریقت مولانا عبد الحمید سالم قادری مدظلہ کی خواہش پر امام علم وفن ''جامعہ

قادریہ،، کی مسند تدریس پر جلوہ گر ہوئے، ان کی شخصیت ہی اعلیٰ تعلیم اور معیاری تدریس کی ضمانت تھی، سمندر کی گہرائی ناپی نہیں جاسکتی اسلئے جو طالب علم جہاں تک گہرائی میں اتر سکا وہی اس کا ساحل مقصود تھا۔

اگر چہ رنگ تصوف وقادری موقف سے ذہنی طور پر ہم آہنگ نہ رہے لیکن اپنا فرض منصبی نبھاتے رہے حضرت سالار میاں مدظلہ کے خلوص ومحبت، عزت واحترام کا جذبہ اور حسن اخلاق کی بات ہی کچھ ایسی تھی کہ چھ سالہ زندگی جامعہ قادریہ کے حصار میں گزاردی بلکہ یہ کہا جائے۔ ع..... بڑے سلیقہ سے مری نبھی محبت میں

دارالعلوم نورحق چرہ فیض آباد (۱۴۱۳ھ سے تادم تحریر

یہ ادارہ فیض آباد ریلوے اسٹیشن سے کچھ دور اور لکھنؤ جانے والی عوامی شاہراہ سے قریب واقع ہے، اسکی تاسیس اگر چہ قدیم ہے مگر گمنامی کے دور سے گزر رہا تھا کوئی شہرت نہ تھی پاس پڑوس کے لوگ اسے جانتے تھے۔

لیکن امام علم وفن کی تشریف آوری نے ادارہ کو شہرت کی بلندی عطا کردی اور یہ شہرت صرف ہندوستان گیر پیمانے پر نہ رہی بلکہ جغرافیائی حدود پار کرگئی اور بہار بے خزاں کی آمد سے جمود وتعطل کی فضا کافور ہوئی اور ایک صحت مند تعلیمی انقلاب پیدا ہوا امام علم وفن کے فیضان تعلیم وتربیت کے ایسی علم وفنی قد آور ہستیاں پیدا ہوئیں جن پر زمانہ کو فخر ہے اور علم وفن کے ایسے آبدار موتی تیار ہوئے جن پر اساتذہ عصر کو رشک ہے۔

اور یہ سب کچھ امام علم وفن کی دین ہے، انہیں کی کاوش ہے اور انہیں کی جگر سوزی ہے وہ جہاں گئے بہار علم لے کر گئے اور جس جگہ ٹھہرے اس خطہ کو علم وفن کا لالہ زار بنادے۔

چرہ کی خاک کو ان سے محبت ہے، ماحول کو پیار ہے اہل چرہ ان پر جان چھڑکتے ہیں اور ہر طرح ان کا ناز اٹھاتے ہیں اہل ثروت مال ومتاع کو ان پر قربان کرتے ہیں کیونکہ امام علم وفن اب بیش قیمت ہیرا ہیں جو صدیوں میں اپنی ضیاپاشی کرتا ہے اب مہر نیم روز ڈھلتا ہوا قریب افق ہے ڈوبا چاہتا ہے اور ہم ان کی حیات علم وفن اور فکر ونظر کو احاطہ کرنے کے لئے سہ ماہی المختار کا ایک خاص تحریر ترتیب دے رہے ہیں.......... خدا کرے وہ اپنی نگاہوں سے اس خاص نمبر کا مشاہدہ کریں اور اپنے دست کرم سے اس کا اجراء فرمائیں۔

اور جینے دے مجھے اور جلانے والے
اور کچھ مدینہ کا نظارہ کرلوں

++++++++++++++++++++++++++++

++++++++++++++++++++++++++++++++++

امام علم وفن: دنیائے علم وآگہی کا ایک درخشندہ ستارہ

ڈاکٹر حسن رضا خان سابق ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات عربی وفارسی، پٹنہ

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین آسمان علم وفضل کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں جس کی چمک سے کئی علم جگمگا اٹھے ریاضیات، فلکیات، اقلیدس، نجوم کا ماہر اقلیم علم وفکر کی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے جدت طبع، تلاش حق ذوق جمال، دینی فوقیت، قلبی بصیرت سے علم ودانش کا ایک بحر بیکراں ابل پڑا ہے وہ آج علمی دنیا کے گراں مایہ سمجھے جانے لگے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فکر کو آگہی اور آگہی کو شمع عطا کیا ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اپنے استاذ کے علمی مظہر پورے شان وشوکت سے بنے رہے اور آج ملک العلماء کی علمی یادگار کا نام علامہ خواجہ مظفر حسین ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اپنے اسلاف کے علم کے وارث اور موجودہ دور میں علم کا نام خواجہ مظفر حسین ہے جنکی بارگاہ میں بولنے سے پہلے اور لکھنے سے پہلے الفاظ کو تولنا پڑتا ہے کہ ان کے شایان شان ہے کہ نہیں حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کی وہ شخصیت ہے کہ جن کے قلم کی گہرائی اور گیرائی سے اسلاف کی علمی بزم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

حضرت خواجہ مظفر حسین اپنی تدریسی خدمات سے ہندوستان کی ایک مقبول ترین شخصیت بن چکے ہیں درسگاہ میں جہاں محدث کی شان نظر آتی ہے، فقیہ اسلام کی پوری جلوہ سامانیا نظر آتی ہے وہیں سب سے بلند مقام ان کی تدریس میں علوم جدیدہ کو حاصل ہے اور اس میں بھی علم کلام ان کا خاص موضوع ہے۔ اسلامی علمی دنیا کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے عالم ہر علم وفن میں مہارت رکھتے ہوئے بھی کسی خاص علم کے ماہر بے نظیر بن جاتے ہیں۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر فلسفہ، منطق، علم ہیئت علم نجوم اور علم کلام کے نابغۂ روزگار شخصیت کا نام ہے۔

فلسفہ کی کلید منطق ہے۔ منطق کہتے ہیں حقیقت کے قیام کو، صداقت کے ابھار کو، سچائی کی تلاش کو، وجودیت کے جستجو کو منطق کی ابتدا فکر ہے جو سوال سے شروع ہوتی ہے اور اسکی نتہا ایک ضابطہ ایک قانون ایک اصول ہے جس پر ختم ہوتی ہے مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ زید، عمر، بکر کل تھے اور آج نہیں سبھی خلقت پہ نظر ڈالی۔ سمجھا، سوچا، یہ کیا ماجرا ہے، تو یہ بات یقین

کے اجالے میں آگئی کہ جو آتا ہے وہ جائے گا مبدا ابتدا ہے اور لحد انتہا ہے وجود کا نتیجہ خاتمہ بقا کے ساتھ فنا، اصول بنا بشر کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے۔ منطق میں مواد فکر اور انہماک کے سبب مسلمانوں نے ایک علم ڈھونڈھ نکالا جو علم کلام سے موسوم ہوا۔

فلسفہ صرف منطق میں نہیں ہے بلکہ ان سب حالات کا علم ہے جو مشاہدہ اور معائنہ کے زد میں نہیں ہے جب مالک کی صفت الوہیت، رحمت جلال و جمال، کمال توحید رسالت، معاد سچائی، خوبصورتی، حق وانصاف، عشق، عزم، استقلال، صبر وغیرہ وغیرہ یہ چیزیں بازار میں نہیں بکتی کہ خرید لائیں اور میز پر رکھ کر معائنہ کریں اس کے لئے تدبر تفکر چاہیے جو فلسفہ کا عین مقصد ہے انسانی سوچ کے اس مقام کو فلسفہ کہتے ہیں جہاں سے دانش روحانی اور دانش برہانی کے چشمے ابلتے ہیں۔

علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب علمی رسوخ کی بے شمار شاخوں میں کمال رکھتے ہیں خصوصیت کے ساتھ علوم جدیدہ، علوم فلکیات اور سائنسی ممارست کا لوہا دنیائے علم مان چکی ہے مگر سارے فنون میں سب سے زیادہ ممارست جس فن پر ہے وہ ہے علم کلام۔

علم کلام کی تعریف:

علامہ ابن خلدون علم کلام کی تعریف اس طرح کی ہے۔

هو علم يتضمن الحجاج عن العقائد الايمانيه با الادلة العقليه و الرد على المبتدعة المومنين فى الاعتقادات من مذاهب السلف و اهل السنه و مر هذه العقائد الايمانيه (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۵۸)

علم کلام کی تعریف یہ ہے وہ عقائد اسلامیہ کو عقلی دلائل سے ثابت کرے اور مذاہب سلف اہل سنت کے مطابق اہل بدعت کے رد میں دلائل پر مشتمل ہو اور ان عقائد ایمانیہ کی اصل واساس توحید ہے۔

مذکورہ تعریف سے علم کلام کا یہ مقصد قرار دیا جاسکتا ہے کہ اسلامی عقائد کا عقلی دلائل کے ذریعہ اس طرح اثبات کیا جائے کہ بدعت اور ضلالت کی بیخ کنی اور شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے علامہ شہرستانی علم کلام کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دین دو حصوں میں منقسم ہے معرفت واطاعت معرفت اصل ہے اور اطاعت اس کی فرع جس نے معرفت اور توحید کے مسائل پر گفتگو کی وہ اصول کہلایا اور جس نے طاعت وشریعت سے بحث کی اسے فروعی کہا گیا اور یہی اصول علم کلام کا موضوع قرار پایا، علامہ موصوف نے اصول کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

قال بعض المتكلمين الاصول معرفت البارى تعالىٰ بوحدانية و صفاته و معرفة المرسل بايا تهم و بيناتهم و با لجملة كل مسئلة يتهين الحق فيها بين المتخا صمين فهى من الاصول (الملل والنحل ج ا ص ۵۱)

ابتدا میں ان مسائل کے مباحث کوعلم الاصول اور علم التوحید کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پھر جب مسائل فقہیہ کے لئے الفقہ فی العلم کی اصطلاح رائج ہوئی تو کلامی سباحب الفقہ فی الدین کے نام سے یاد کیا جانے لگا اسی لئے شہرستانی نے علم کلام کی فضیلت کوان الفاظ میں بیان کیا الفقہ فی الدین افضل من الفقہ فی العلم (دین کی سمجھ علم کی سمجھ سے کہیں بہتر ہے)المنیۃ الامل فی شرح الملل والنحل ص ۳۲/۳۱،تاریخ ادبیات ایران ص ۸۱،انسائکلو پیڈیا آف اسلام ص ۶۷۲۔

علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب اپنے تدریسی خدمات میں ہندوستان کی مقبول ترین ہستیوں میں سے بلند ترین میت کے حامل ہیں اپنے طلبا کوعلم کلام کا درس اس شان سے دیتے ہیں کہ ان کے ہزاروں شاگرد اس فن کے بن چکے ہیں علمی دنیا میں علمی سکہ جما چکے ہیں کچھ لوگوں کی ان کے سلسلہ میں یہ کوتاہ نظری ہے کہ تصنیف کے میدان میں بہت کم سرمایہ رآتا ہے میں کہتا ہوں ک ان تصنیف کو دیکھنے کا سلیقہ ان کوتاہ نظروں کونہیں آیا ان کے ہزاروں شاگرد جوجمع علم وآ گہی بنے ے ہیں وہ سب ان کی تصنیف ہیں جو کاغذ کے محتاج نہیں ہیں کہ گل جائے یا جل جائے بلکہ جسم آ کا بھر پور مظاہرہ کرتے ں۔علامہ موصوف کا یہ سب سے بڑا کمال ہے کہ انہوں نے جس کو پڑھایا علم کا آفتاب وماہتاب بنادیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: علم کا دریا پیار کا ساگر

مفتی عبدالمنان کلیمی مرادآباد

بقیۃ السلف، نعمت الخلف، خاتم لاکابر، امام الفن، خواجہ علم، جامع علوم نقلیہ وعقلیہ، فاضل لوذمی، عالم مفتی علامۃ الدہر، فقیہ العصر، محقق ومدقق، خیرالاذکیا، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار اہل سنت کی ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جن پر اہل علم فخر کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو علم وفضل کے میدان میں ایسی خصوصیات عطا فرمائی تھیں جو ہم اصاغر کے لئے قابل قدر بھی ہے اور لائق افتخار بھی۔ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف، تحقیق وتدقیق ہو یا فقہ وکلام بلاشبہ وہ ہر میدان کے غازی اور ہر فن کے نایاب تھے۔ ان کی تدریسی وتصنیفی اور تحقیقی کارناموں پر علمی انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ فی الوقت اس کے کچھ نقوش جو میرے ذہن میں محفوظ ہیں اس کو صفحہ قرطاس کے ذریعے ان کی بارگاہ علم وفن میں بطور خراج عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے: جب میں ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۵ء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا ان دنوں جماعت اہل سنت کی جن علمی وتدریسی قدآور شخصیتوں کا نام سننے میں آتا تھا ان میں ایک نام علامۃ الدہر فقیۃ العصر حضرت خواجہ صاحب کا بھی ہوتا تھا۔ میرے خیال میں اس عرصہ کی بات ہے جب حضرت خواجہ صاحب جامعہ عربیہ سلطان پور میں فخر الاساتذہ اور امیر التدریس کی حیثیت سے اپنی ہمہ گیر علمی وفکری جولانیت کا مظاہرہ فرمارہے تھے۔

۱۹۷۵ء کے بعد: جب میں الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ ہوکر دارالعلوم شمس العلوم گھوسی پہونچا تو یہ حسین موقع ملا کہ جماعت اہل سنت کے تقریباً تمام ہی ارباب علم ودانش سے رابطہ قائم ہوگئے، انہیں میں ایک علمی شخصیت حضرت خواجہ صاحب کی بھی تھی۔ سلسلہ ایسا قائم ہوکہ کبھی دینی جلسوں میں کبھی بڑی کانفرنسوں میں کبھی عرس کی تقریبات کے موقع پر بریلی شریف میں۔ جب بھی حضرت خواجہ صاحب سے ملاقات ہوتی تو ہر بار ملاقات کا نیا انداز ہوتا۔ علماء ان کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتے اور وہ اپنی خداداد علمی وعملی صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمارہے ہوتے۔ دقیق سے دقیق مسائل اور لاینحل سوالات کو وہ اپنے ناخن

تدبیر سے حل فرماتے نظر آتے اور علماء بڑی بے تکلفی اور بے باکی سے محظوظ ہوتے۔ اور کبھی کبھی اپنی بذلہ سنجی اور ادبی و معلوماتی مو شگافیوں کی ایسی دلکش عطر بیزی فرماتے کہ پورا مجمع قہقہ زار ہو جاتا۔

دارالعلوم قادریہ بدایوں شریف میں: جب حضرت خواجہ صاحب بدایوں شریف میں خانوادہ حضرت سید تاج الفحول رضی اللہ تعالی عنہ کے چشم و چراغ فاضل ازہر مولانا اسید الحق صاحب قادری زیدحبہ وغیرہ کی خصوصی تعلیم و تربیت کیلئے تشریف لائے تو میں ان دنوں جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، قصبہ بھوجپور ضلع مرادآباد پھر اکرم العلوم شہر مرادآباد میں تھا پھر کیا تھا مرادآباد اور بدایوں کی جغرافیائی قربت نے راقم السطور کو حضرت خواجہ صاحب کے احباب خاص میں شامل کر دیا۔ جب بھی میں مارہرہ مطہرہ حاضری کا شرف حاصل کرتا تو راستہ میں حضرت خواجہ صاحب اور سلطان المناظرین آبروئے سنیت ماہر رضویات جامع معقول و منقول حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن صاحب رضوی مدظلہ العالی سے خصوصی ملاقات کے لئے بدایوں شریف ضرور رکتا۔ حضرت خواجہ صاحب کے قیام بدایوں سے لیکر تا وفات حسرت آیات موصوف سے کثرت سے ملاقات ہوتی رہیں۔

حضرت خواجہ صاحب نائب مفتی اعظم ہند کی مجلس میں: حضرت خواجہ صاحب نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شاگرد رشید ہیں لیکن جب بھی وہ اپنے استاذ گرامی سے ملاقات فرماتے تو حضرت نائب مفتی اعظم ہند ان کا زبردست اکرام واحترام فرماتے اور بے شمار حل طلب مسائل پر دونوں استاذ و شاگرد تبادلہ خیال فرماتے اور کسی ایک نکتہ پر متفق ہو جاتے۔

حضرت خواجہ صاحب مجلس شرعی میں: مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا وہ گرانقدر علمی و تحقیقی شعبہ ہے۔ مجھے مجلس شرعی کے کئی سیمیناروں میں بہ نظر غائر مشاہدہ کرنے کا موقع ملا کہ ارباب مجلس شرعی سب سے آخر میں آپ کی رائے جانتے اور جو آپکی رائے ہوتی وہ سند قبول اور حرف آخر کی حیثیت ہوتی۔

حضرت خواجہ صاحب کی عطائی خصوصیات: بہت سارے ایسے علوم قدیمہ و جدیدہ مثلاً علم افلاک و علم جفر و فلسفہ و منطق و علوم جغرافیہ و علم ہیئت و توقیت وغیرہ کے امام علی الاطلاق اس پندرہویں صدی میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ پھر ان کے بعد ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین صاحب فاضل بہاری پھر ممتاز المحققین استاذ گرامی حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہما تھے لیکن ان اکابر علم وفن کے بعد اس خصوص میں کسی شخصیت کا اسم گرامی آتا ہے تو بلاشبہ میری نظر و تحقیق میں حضرت خواجہ کی ذات گرامی ہے، حضرت خواجہ صاحب ان علوم فنون میں اپنے اکابر کے سچے جانشین اور مستند امین تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ کمال بلکہ اں تھا کہ کسی بھی مسئلہ میں جو رائے قائم کرتے بڑے غور و خوض اور انہماک و تجسس کے ساتھ کرتے اور جو رائے قائم فرما لیتے اور وہ اپنی جگہ اٹل رہتے اور آسانی کے ساتھ اس کا رد کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہوتا اور اس نتیجے تک پہونچے بغیر نہیں رہا جاتا کہ یہ خصوصیات کسی نہیں ہے بلکہ بارگاہ خداوندی سے خاص عطائی ہے جودت طبع اور ذہانت

وفطانت اور قوت کسب واستنباط میں تو وہ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت خواجہ صاحب کی خردہ نوازی: حضرت خواجہ صاحب علم وفضل کا بلند وبالا مینار نور ہونے کے ساتھ اخلاق کے پیمانہ اور خوردہ نوازی میں بھی ضرب الامثال اور منفرد العصر تھے۔دعوی کے ثبوت میں راقم السطور خود اپنا دو واقعہ درج تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

غالباً ۲۰۱۱ء کا واقعہ ہے کہ آپ سخت علیل ہوئے اور عذ و دمثانہ کا تازہ آپریشن ہوا تھا میں اس تاجدار علم وفضل اور خواجہ علم وفن کی عیادت کیلئے دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور حاضر ہوا جب میں اس بارگاہ علوم ومعارف میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اپنے بستر استراحت پر فروکش ہیں اور پیشاب کی نلکی لگی ہوئی ہے، سبحان اللہ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے نلکی کو سنبھالا اور ہزار منع کرنے کے باوجود وہ کھڑے ہوئے اور اس ناچیز سے بغلگیر ہوئے اور مختصر ضیافت اور چائے نوشی کے بعد میں رخصت ہونے لگا تو وہ مجھے چھوڑنے کیلئے دارالعلوم، کے گیٹ تک تشریف لائے اور یہ فرماتے ہوئے مجھے رخصت فرمایا کہ آپ علم کا ہمالیہ ہیں۔

دوسرا واقعہ: غالباً اسی سال کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ اس سال مجلس شرعی کا اہم سالانہ اجلاس دارالعلوم نوریہ اندرا میں انعقاد پزیر تھا بڑے اہم مسئلے تھے جو اس سیمینار میں طے ہونے تھے سخت علالت کے باوجود خاص طور پر حضرت خواجہ صاحب کو شرکت کی زحمت دی گئی تھی ابتدائی مراحل کے بعد محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی نے اس ہیچمداں کو اظہار خیال کا حکم دیا میرے بعد سب سے آخر میں خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنی رائے صادر فرنے کی زحمت دی گئی یہ وہ علمی وفقہی سیمینار ہے جس میں پورے ہندوستان کے تقریباً سوا کابر واصاغر مفتیان کرام کا اجتماع تھا، اس اجتماع خاص میں حضرت خواجہ صاحب قبلہ نے جن الفاظ میں اظہار خیال فرمایا وہ اخلاق گراں مایہ اور اصاغر کیلئے کرم خردانہ اور خوردہ نوازی کا ایسا اعلی نمونہ ہے جس پر متاع حیات کو قربان کردینے کو جی چاہتا ہے۔آپ نے فرمایا ابھی ابھی شیر ہندوستان علامہ مفتی عبدلمنان صاحب کلیمی نے جو اپنے رائے پیش کی ہے وہ بے حد معنی خیز ہے اور میری بھی یہی رائے ہے'' کاش ہماری جماعت اہلسنت آپسی چپقلش اور انانیت اور حسد وبغض اور کبر ونخوت کی دبیز چادر کو تارتار کرکے حضرت خواجہ علم وفن کی اس خوردہ نوازی اور اخلاق کریمانہ کو اپنے لئے مشعل راہ بناتی، میری نظر میں حضرت خواجہ صاحب کی ذات گرامی انکی گوناں گوں علمی وعملی خصوصیات کے پیش نظر اس فارسی شعر کے مصداق تھی۔

عمرہا در کعبہ وبتخانہ می نالد حیات :: تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

☆☆☆

امام علم وفن: احوال وکوائف

مولانا عبدالعلیم رضوی

محب گرامی ،امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ سے پہلا تعارف غائبانہ تھا، پھر رفاقت کے ایام جو یادآتے ہیں وہ یہ ہیں کہ موضع مسنگھیا، علاقہ بائسی، ضلع پورنیہ کے مولانا زین الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی علمی صلاحیت کا پورے قدیم پورنیہ (جس میں آج کا ضلع کٹیہار، اررریہ، کشن گنج اور اتر دیناجپور بھی شامل تھا) میں طوطی بول رہا تھا۔ وہ بڑے مولانا کے لقب سے مشہور تھے۔ ابتدائی دور کی بات ہے، میں مدرسہ شرفیہ، چندر گاؤں، بائسی، پورنیہ میں زیر تعلیم تھا۔ تعلیمی سال کے اختتام پر وہ بحیثیت ممتحن تشریف لائے اور ہماری جماعت کا امتحان فارسی کی منتہی کتابوں جیسے: دیوان غنی، دیوان حافظ، قصائد عرفی، دفتر ابوالفضل اور عربی کی ابتدائی کتابوں جیسے: ہدایۃ النحو وغیرہ میں لیا اور دعائیں دیں۔ انہوں نے ایک نجی نشست میں فرمایا کہ میرا لڑکا مظفر حسین ہے، وہ میرے بنائے ہوئے فرائض نقل کرتے کرتے خود بنانا سیکھ گیا ہے، کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ یہ سن کر میرے دل میں بھی خواہش ہوئی کہ بڑے مولانا سے شرف تملمذ حاصل کیا جائے لیکن موقع میسر نہیں ہوا۔ جب کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا قیام عمل میں آیا اور شیخ الاسلام والمسلمین، مجدد مائۃ ماضیہ، سیدنا امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خاص الخاص تلمیذ رشید، خلیفہ ومجاز، امام المناظرین، ملک العلما، حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری، مصنف صحیح البہاری علیہ رحمۃ الباری صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے تو اس کی دھوم پورے ملک میں ہوگئی اور بہار کے علاوہ بریلی، مرادآباد، مبارکپور، بنارس، الہ آباد میں پڑھنے والے اعلیٰ درجات کے طلبہ کشاں کشاں یہاں آگئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت خواجہ صاحب بھی تھے۔

مدرسہ شرفیہ، چندر گاؤں کے بانی ومتولی جناب قاری مشیت اللہ صاحب مرحوم ومغفور کی معیت وقیادت میں اپنے آٹھ ساتھیوں کے مختصر قافلہ کے ساتھ میں بھی کٹیہار پہونچا۔ اور وہیں حضرت خواجہ صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھے۔

دوسرے سال ہماری جماعت میں علم الفرائض کی مشہور کتاب السراجی شامل تھی مگر اساتذہ کی کمی کے باعث یہ کتاب نہیں ہو رہی تھی، احقر نے حضرت ملک العلما سے سراجی کے اسباق نہ ہونے کا تذکرہ کیا تو ایک منٹ کے توقف کے بعد آپ نے خواجہ صاحب کو بلا کر فرمایا کہ: تم اپنی خالی گھنٹی میں سراجی پڑھا دیا کرو۔ اس طرح وہ طالب علم کے ساتھ معاون مدرس بھی ہو گئے۔ مجھ سمیت میری جماعت کے تمام طلبہ کو تردد ہوا کہ مدرس کی بجائے صرف ایک درجہ اوپر کے طالب علم سے پڑھنا، بھلاوہ کیا پڑھائے گا؟ لیکن جب انہوں نے پڑھانا شروع کیا تو ہمارا تردد ختم ہو گیا۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ زبانی بولتے، ضروری چیزیں لکھا دیتے، پھر ہم لوگ ان کے بتائے اور لکھائے ہوئے کو کتاب کی عبارت سے ملا کر دیکھ لیتے۔

ملک العلما بیمار ہو کر پٹنہ چلے گئے تو ہم لوگ آپ کی اجازت سے ۱۹۵۵ء (۱۳۷۴ھ) میں بریلی شریف حاضر ہوئے اور مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ وہاں شیخ المعقولات مولانا معین الدین صاحب نظامی کے زیر درس منطق کی مشہور کتاب "حمد اللہ" میں ہم ان کے ہم درس تھے، ان کے علاوہ قابل ذکر رفقائے درس میں سے مولانا مجیب اشرف ناگپوری بھی تھے۔ 'حمد اللہ' میں سلب نظیر کی بحث اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے دشوار ہے۔ خواجہ صاحب نے اعتراض کیا، دو دنوں تک بحث ہوتی رہی، تیسرے دن سے سبق جاری ہوا۔

ہم تمام ساتھی سبق لینے کے بعد تکرار کرتے۔ خواجہ صاحب اس سے بے نیاز ہوتے، بلکہ سبق ہونے کے بعد دوسرے دن کتاب استاد کے پاس نکالتے۔ اکثر کتاب بھی درس کے لئے درسگاہ نہیں لے جاتے، ہم ساتھیوں کی کتابوں میں ہی عبارت دیکھ لیتے یا پڑھ لیتے۔ تکرار میں ہم لوگوں کو جہاں کوئی دشواری پیش آتی، ہم لوگ حل کے لئے ان سے رجوع کرتے، اور وہ حل فرما دیا کرتے۔

استاد کے پاس اسباق کی عبارت پڑھنے کے لئے باری مقرر تھی، خواجہ صاحب اپنی باری میں پڑھتے، اپنی باری ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ جب کوئی ساتھی کسی دن درس میں شریک نہیں ہوتا تو اس دن دوسرے کی باری میں سبقت کرتے۔ عبارت بالکل صحیح پڑھتے تھے، جب کہ ہم لوگ رات کو مطالعہ کرتے اس کے بعد بھی عبارت پڑھنے میں کہیں نہ کہیں کچھ غلطی کر جاتے۔

میں نے ایک سال قبل عالم کا امتحان الہ آباد بورڈ پاس کر لیا تھا، اس لئے تیاری کا تجربہ تھا۔ خواجہ صاحب کو بھی شوق پیدا ہوا، دیوان متنبی داخل نصاب تھی اور یہ کتاب انہوں نے نہیں پڑھی تھی، اس لئے کبھی کبھار میرے پاس آجاتے اور سوال وجواب کا انداز پوچھتے اسی طرح انہوں نے امتحان دیا، پھر بھی فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے۔

۱۹۵۸ء (۱۳۷۷ھ) میں دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف یوپی سے دستار فضیلت، تعلیمی فراغت انہوں نے کر لی، پھر مادر علمی مظہر اسلام ہی میں وہ مدرس ہو گئے۔ اس زمانہ میں مظہر اسلام میں ایک سے ایک قابل استاد موجود تھے اس لئے کسی نو فارغ کا وہاں مدرس ہو جانا معمولی بات نہیں تھی۔ بہر حال 'ملک العلما، اور 'مفتی اعظم' علیہما الرحمۃ کا فیض تھا اور مستقبل

میں ان کو امام علم وفن ہونا تھا، اس لئے وہاں ان کی تقرری عمل میں آگئی۔

خواجہ صاحب میرے پڑھنے کے زمانہ کے ساتھی اور بعض کتابوں میں ہم سبق بھی رہ چکے تھے اس لئے میں ان کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ میلان طبع سے بھی واقف تھا۔ پھر ان کی منطق وفلسفہ کی شہرت نے بھی توثیق کر دی تھی اس لئے دوسروں کے ساتھ ساتھ میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ حدیث وتفسیر اور فقہ میں ان کا پایہ وہ نہیں ہوگا جو منطق وفلسفہ میں ہے۔ مگر آج سے تقریباً ۱۸، ۱۹ سال پہلے ہمارے علاقہ کی مشہور درسگاہ دار العلوم اہلسنت، جھنا ہاٹ، کنہیا باڑی، ضلع کشن گنج کے اجلاس میں حدیث وتفسیر کے عنوان پر ایسی تقریر فرمائی، ایسی پر معنی خطابت فرمائی جس سے پچاس ہزار سے زائد عام سامعین کے ساتھ ساتھ درجنوں علما اور دانشور حضرات بھی عش عش کر اٹھے اور مجھے اپنے سابق نظریہ میں تبدیلی کرنی پڑی۔

☆☆☆☆

امام علم وفن : ایک ہمہ رنگ شخصیت

مولانا محمد عارف صاحب رضوی

خدائے قدیر کی سنت کریمہ اس عالم رنگ وبو میں یوں جاری ہے کہ عام حالات میں مختلف افراد کو مختلف
موں کی استعداد وصلاحیت عطا ہوتی ہے۔ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک فرد مختلف کارہائے نمایاں انجام دے سکے۔ہاں!خدا
کی ازلی مشیت جب کسی فرد کو چن کر اپنی رحمت خاص سے سرفراز فرماتی ہے،تو وہ فرد تنہا ہوتے ہوئے بھی رشک صد انجمن بن
جاتا ہے؛اور وہ تن تنہا اتنے کارہائے نمایاں انجام دے دیتا ہے کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے،اور دنیا اس کے نام اور
کام کو مدتوں یاد رکھتی ہے۔

ایسی ہی فرد فرید،عہد ساز اور جامع الصفات،میرے فیاض استاذ اور شفیق مربی امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر
حسین مدظلہ کی عظیم ذات ہے۔وہ گوناں گوں خصوصیات کے حامل اور تہ در تہ خوبیوں کے مالک ہیں۔اپنے رنگارنگ
اوصاف کی بنا پر ان کی شخصیت نہ صرف ہفت رنگ بلکہ ہمہ رنگ ہے۔پورے ملک کے علمی وادبی حلقوں میں،درسگاہوں اور
دانشکدوں میں،اہل حل وعقد علما کی مجلسوں میں معروف ومشہور ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ان کی یہ شہرت
ومقبولیت نہ تو خاندانی وجاہت ووراثت کی مرہون منت ہے،نہ ہی مولد ومسکن کی شہرت وعظمت کے نام پر۔نہ کسی عظیم
ادارے سے وابستگی کی بنا پر ہے،نہ ہی ذرائع ابلاغ پر کنٹرول کی وجہ سے۔بلکہ ان کی شہرت وقدردانی خدا کی بخشش اور ذاتی
اکتساب کا ثمرہ ہے۔ان کی فنی ہمہ دانی کا یہ حال ہے کہ درس نظامیہ کے قدیم نصاب اور حال میں کچھ نامور شخصیتوں اور
قد آور اداروں کے ذریعہ ترمیم شدہ جدید نصاب میں رائج منقولات ومعقولات کے جملہ فنون وکتب میں کامل دستگاہ اور
ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ان کے علاوہ نامانوس اور اجنبی فنون میں علم ریاضی،مثلث کروی،مثلث مسطح،علم مساحت،علم ہندسہ،عمل
بالخطین،علم توقیت،علم ہیئت،علم نجوم،علم زیجات،جبر ومقابلہ،اقلیدس،مناظر ومرایا،ارثماطیقی وغیرہ میں استادانہ چابکدستی

اور فنی مہارت رکھتے ہیں۔فن فرائض میں خداداد ملکۂ راسخہ کی بدولت فرائض کے قواعد واحکام کی ایسی شاندار تلخیص اور ایسی نادر تسہیل فرماتے ہیں، گویا اس فن کے جدید موجد ہیں۔فن مناظرہ میں اس قدر عبور حاصل ہے کہ روزمرہ کی عام بات چیت میں مناظرانہ انداز کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔خلقی ذہانت کا یہ عالم ہے کہ بات کرتے ہیں تو لگتا ہے بجلی کوندتی ہے،ظریف اور حاضر جواب ایسے ہیں کہ مخاطب ہکابکا رہ جاتا ہے۔

جب میں سنہ ۱۹۷۰ء میں تحصیل علم کی خاطر برادر اکبر حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر علیہ الرحمۃ کے ہمراہ سلطان پور پہونچا، جب مجھے پہلی بار امام علم وفن کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ان کے لطف وکرم اور شفقت ورافت کی وجہ سے میں ان کا گرویدہ بن گیا؛اور میں نے دل میں عہد کرلیا کہ جب تک مروجہ جملہ علوم کی تکمیل نہیں ہوجاتی ہے اس آستانہ کو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔خدا کا شکر ہے کہ میں اس عہد پر قائم رہا اور اسی وجہ سے مجھے یہ فخریہ امتیاز حاصل ہوا کہ ابتدائی فارسی سے بخاری شریف تک جملہ علوم وفنون کی ساری کتابیں میں نے خود ان سے یا ان کی نگرانی میں پڑھی ہیں۔یہاں تک کہ ۱۹۷۷ء میں امام علم وفن نے اپنے مبارک ہاتھوں سے میرے سر پر دستار فضیلت باندھی اور مجھے سند فضیلت سے نوازا۔میری یہ آٹھ سالہ مدت ان کی خدمت وملازمت میں گذری۔فراغت کے بعد میں مسعود العلوم چھوٹی تکیہ بہرائچ شریف میں دوسال تک مدرس رہا۔وہاں کا معیار تعلیم بہت پست تھا اس لئے ۱۹۸۰ء میں بھاگلپور آگیا اور امام علم وفن کے زیر سایہ دوسال تک تدریسی خدمات انجام دینے کا سنہرا موقع میسر آیا۔اس طرح دس سال تک ان کی صحبت ومعیت میری زندگی کا قیمتی اثاثہ اور یادگار حصہ بن گئی۔ متعلمی اور معلمی کے ان دس سالوں میں، میں نے امام علم وفن کو ہر زاویۂ نظر سے دیکھا۔ان کی صبح وشام، روز وشب کے معمولات دیکھے۔ان کا خاموش تفکر، پر جوش تدبر، فنون پر عبور، ذوق مطالعہ، کلیات کا احاطہ، جزئیات کا استحضار، معلومات کی وسعت، حافظہ کی قوت، طریقۂ تدریس کی ندرت، تعلیم کو عام کرنے کا جذبہ، طلبہ کو مطالعہ پر اکسانے کا طریقہ الغرض ان کے ظاہر وباطن کے متعدد اوصاف کا میں نے مشاہدہ کیا۔ایک طویل عرصہ گذارنے کے بعد آج اپنے مشاہدات کو سپرد قلم کر رہا ہوں، لیکن ہزار گرویدگی اور عقیدت کیشی کے باوجود امام علم وفن کے بارے میں میرے تاثرات پر'پیراں نمی پرند مریداں پرانند' کا لیبل چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ میں جو کچھ رقم کر رہا ہوں، قسم زندگی کی! مبالغہ آمیزی سے پاک صداقتوں پر مبنی ہے۔

سنہ ۱۹۷۰ء تا سنہ ۲۰۰۰ء اس تیس سالہ مدت کو امام علم وفن کی تدریس کا عہد شباب کہا جاسکتا ہے۔بیسویں صدی کے نصف آخر کا یہ زمانہ دینی علوم کے فروغ کا زمانہ تھا۔اس دور میں ذی استعداد باصلاحیت اساتذہ کی کوئی کمی نہ تھی۔ہمارے مسلک کی درسگاہیں ایک سے بڑھ کر ایک عالم وفاضل اور عمدہ سے عمدہ لائق وفائق اساتذہ کی تعلیم وتدریس سے جگمگا رہی تھیں۔مگر امام علم وفن اپنے معاصرین فضلا واساتذہ میں ایک امتیازی شان اور انفرادی آن بان رکھتے تھے۔ذیل میں انکی ان خصوصیات کو بیان کر رہا ہوں جن کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں میں منفرد تھے۔

پہلی انفرادیت:۔ درس وتدریس کا عام دستور یہ ہے کہ اساتذہ کتابیں شروع کرانے کے بعد تدریجاً ان کے اسباق پڑھاتے رہتے ہیں۔ سال پورا ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کسی درسگاہ میں کتاب پوری ہوجاتی اور کہیں نامکمل رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کے لئے کتاب اور فن دونوں ہی ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اس باب میں امام علم وفن کی انفرادیت یہ تھی کہ وہ اپنی زیر تدریس کتابیں پہلے دن شروع کرادیتے تھے، پھر سبق کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ان کتابوں کے مسائل اور ان کے متعلقہ فنون کے قواعد کا ایک اجمالی خاکہ تحریری یا تقریری طلبہ کے سامنے پیش فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ پہلے اس فن کے قواعد واصول اور اس کتاب کے مباحث ومسائل کو اجمالی طور پر پوری توجہ اور جانفشانی کے ساتھ ذہن نشیں کرلو اور اس سے مانوس ہوجاؤ، پھر کتاب پڑھنا تمھارے لئے نہایت آسان اور دلچسپ ہوجائے گا۔ تقریباً ہفتہ عشرہ میں یہ مرحلہ طے ہوتا، پھر اسباق کا سلسلہ شروع فرماتے۔ ماہرین اساتذہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تدریس کا یہ طریقہ وہی مدرس اپنا سکتا ہے جسے فن اور کتاب دونوں پر مکمل عبور حاصل ہو۔

دوسری انفرادیت:۔ مدارس میں نسلاً بعد نسلٍ تدریس کی یہ عام رسم جاری ہے کہ طلبہ عبارت خوانی کرتے ہیں، مدرسین ترجمہ کرکے مطالب کی وضاحت فرمادیتے ہیں۔ کسی مقام پر طلبہ اعتراض واشکال پیش کرتے ہیں تو مدرسین اس کا دفاع کرکے عبارت کو بے غبار ثابت کرتے ہیں۔ امام علم وفن اس موروثی رسم وروش سے الگ تھلگ ایک نئی راہ پر چلتے تھے۔ جن جن جماعتوں میں ذکی وفہیم طلبہ کا تناسب زیادہ ہوتا تھا ان کے لئے وہ بذات خود نہ تو ترجمہ کرتے تھے، نہ ہی مطلب کی وضاحت کرتے تھے۔ بلکہ ان طلبہ کو مامور ومجبور کرتے تھے کہ کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے لئے مجھ پر انحصار کرنے کی بجائے تم لوگ خود اپنے اندر کتاب سمجھنے اور سمجھانے کی لیاقت وصلاحیت پیدا کرو۔ چنانچہ جماعت کے ہر طالب علم کے لئے ایک ایک دن کی باری مقرر کردیتے تھے۔ اپنی اپنی باری کے دن طالب علم عبارت پڑھتا اور ترجمہ کرکے سبق کی مکمل وضاحت کرتا، بقیہ طلبہ کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنے اپنے اعتراض واشکال پیش کریں۔ اشکال کو رفع کرنا اور اعتراض کا جواب دینا باری والے طالب علم کی ذمہ داری ہوتی۔ البتہ جہاں وہ عاجز ہوجاتا، وہاں امام علم وفن وضاحت کردیتے یا نزاع کی صورت میں محاکمہ فرمادیتے تھے۔ اس انوکھی روش اور طرز تدریس ہی کا یہ خوشگوار نتیجہ برآمد ہوتا تھا کہ ان کی درسگاہ کے پروردہ طلبہ فراغت کے فوراً بعد کسی بھی معیاری ادارے کے اعلیٰ درجہ کا مدرس ہونے کی صلاحیت سے مالا مال ہوا کرتے تھے۔

تیسری انفرادیت:۔ عام طور پر ہماری دینی درسگاہوں میں یہ افواہ گشت کررہی ہے کہ امام علم وفن کو معقولات سے زیادہ لگاؤ تھا اس لئے ان ہی فنون میں انہیں مہارت ہے۔ میں آج تک یہ فیصلہ نہیں کرپایا کہ اس افواہ کی شہرت میں حاسدین کی کرشمہ سازی کا دخل زیادہ ہے یا امام علم وفن کی ہمہ رنگ شخصیت سے لاعلمی کا؟ ——— بے نقاب حقیقت یہ ہے کہ امام علم وفن کے بارے میں یہ اندازہ لگانا انتہائی دشوار اور سخت مشکل ہے کہ وہ درسی فنون میں سے کس فن میں زیادہ مہارت

وکمال رکھتے ہیں، اور کس فن سے ان کو دلچسپی کم ہے۔ میں نے دس سال تک ان کا مشاہدہ کیا اور انہیں ایک چشمہ فیض پایا، جو علوم وفنون کے بے شمار میدانوں میں اُبل اُبل کر تشنگان علوم وفنون کو آسودہ وسیراب کیا کرتا تھا۔

جب اساتذہ میں کتابوں کی تقسیم کا مرحلہ آتا تو وہ یہ فرماتے تھے کہ آپ حضرات اپنی اپنی پسند اور مرضی کی کتابیں لے لیں، بقیہ میرے نام لکھ دیں۔ پھر ان کے حصے میں جس فن کی جو کتاب آتی اسے پوری دلجمعی اور رغبت وبشاشت سے پڑھاتے۔ میں نے کسی بھی کتاب کے بارے میں ان سے یہ کبھی نہیں سنا کہ فلاں کتاب پڑھانے میں مجھے لطف نہیں آتا۔ یا فلاں کتاب میرے طبعی ذوق کے خلاف ہے۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک سال ان کی درسگاہ میں مندرجہ ذیل کتابیں ہو رہی تھیں: بیضاوی شریف، مسلم شریف، مسلم الثبوت، ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، شرح جامی، فصول اکبری۔ عقل حیران ہے کہ اس پیکر فضل وکمال کے کس کس نگارخانے کا نظارہ کرے۔

چوتھی انفرادیت۔ ہر لائق استاذ کو اپنے تلامذہ کے بارے میں ایک اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، مگر وہ دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون طالب علم کس فن میں کامیاب ہو جائے گا اور کون ناکام رہے گا؟ مگر امام علم فن ایسے کہنہ مشق، نکتہ رس اور قیافہ شناس استاذ ہیں کہ طالب علم کو چند دن بغور دیکھنے کے بعد اس کی ذہنی لیاقت اور طبعی رجحان کا بالکل صحیح اندازہ لگا لیتے تھے، اور اس کے بارے میں جو پیش گوئی کرتے تھے وہ حرف بحرف درست نکلتی تھی۔

میں ۱۹۷۳ء میں جامعہ عربیہ سلطان پور میں ہدایۃ النحو وغیرہ کا متعلم تھا۔ اس سال ہدایہ اور شرح جامی کی جماعت کے کچھ طلبہ امام علم وفن سے فن فرائض سیکھنے لگے۔ فرائض کی تعلیم اوقات درس کے علاوہ خارجی وقت میں ہوتی تھی اس لئے میں بھی محض خوش طبعی کی خاطر ان بڑے طلبہ کے ساتھ بیٹھنے لگا۔ امام علم وفن نے میرے ذوق وتجسس کو بھانپ لیا اور مجھے بھی فرائض سیکھنے کا حکم دے دیا۔ اتفاقاً ایک دن ان کے استاذ حضرت علامہ معین الدین خاں صاحب اعظمی نے مجھے فرائض سیکھتے دیکھ لیا اور ازراہ مذاح فرمایا: کیوں خواجہ! عارف کو بھی فرائض سکھا رہے ہو؟ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ دورۂ حدیث کی جماعت میں شریک کرا دو، دستار بندی ہو جائے گی۔ امام علم وفن نے پوری متانت سے جواب دیا: حضرت! یہ جتنے طلبہ فرائض سیکھ رہے ہیں، میں کسی کے بارے میں دعویٰ نہیں کرتا کہ کون کون سیکھ لیں گے اور کون کون نہیں سیکھ سکیں گے۔ البتہ عارف کیلئے میں پیش گوئی کر رہا ہوں کہ یہ مکمل طور پر فرائض سیکھ لے گا۔ بحمد اللہ! صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں میری فرائض کی تعلیم مکمل ہو گئی تو امام علم وفن نے مجھے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی: حضرت! عارف آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آپ فن فرائض میں اس کی آزمائش کر لیں اور جو مسئلہ چاہیں اس سے پوچھ لیں۔ حضرت اعظمی صاحب نے حیرت کے ساتھ میری طرف دیکھا اور فرمایا: میاں صاحبزادے! اب وراثت سے متعلق کوئی استفتا آئے گا تو اس کا جواب تم کو ہی دینا پڑے گا۔ میں نے انتہائی مؤدب لہجے میں عرض کیا: حضور! اس حسین وقت کا میں بے صبری سے انتظار کروں گا۔

پانچویں انفرادیت: کوئی بھی استاذ اپنے تلامذہ کو خواہ کیسی ہی محنت ولگن سے تعلیم دے، کتنی ہی فیاضی سے سیراب کرے۔ مگر اس کے باوجود دل کے کسی نہ کسی گوشے میں یہ چور جذبہ ضرور موجود ہوتا ہے کہ دیکھنا! کہیں ان کو یہ دعوکا نہ ہو جائے کہ کسی موہم عبارت کے فہم مطلب میں استاذ بھی ہماری ہی طرح شک وتردد کا شکار ہو جاتا ہے۔ مدرس کے پندار استاذی اور نخوت فکر کے لئے یہ بات قطعی ناقابل برداشت ہوتی ہے، اور عموماً صورت حال انتہائی ناخوشگوار ہو جاتی ہے۔ ایسے کئی واقعات میں نے آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ہیں۔ لیکن امام علم وفن کا نہاں خانہ اس فاسد جذبے سے یکسر خالی رہتا تھا۔ میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ طلبہ کو آگے بڑھنے کے لئے مختلف طریقوں سے اکساتے رہتے تھے۔ اور اگر شاگرد بھی کسی موہم عبارت کی مقصد فہمی میں صحیح رخ اختیار کر لیتا تو وہ انتہائی فراخدلی سے اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل واقعہ کا ذکر بالکل برمحل ہوگا۔

۱۹۸۱ء میں میں فیضیہ نظامیہ بھاگلپور میں امام علم وفن کے زیر سایہ تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا۔ اصول فقہ میں نور الانوار میرے پاس تھی اور امام علم وفن حسامی مع نامی پڑھاتے تھے۔ ان کا طریقہ تعلیم اس جماعت کیلئے وہی تھا جس کا ذکر میں نے دوسری انفرادیت میں کیا ہے۔ اس دن سبق کا خلاصہ بیان کرنے کی باری مولوی نیاز احمد کی تھی اور زیر درس حسامی کا وہ باب تھا جس میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ادلہ میں تعارض ہو جائے تو حکم میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف نے مثال میں مائے مشکوک کو پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ طہارت ونجاست کی احادیث اس باب میں متعارض ہیں اور تعارض کے وجہ سے مائے مشکوک سے وضو وغسل درست ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہاء سے چار اقوال مروی ہیں۔

☆ ایک قول ہے: مائے مشکوک سے وضو وغسل درست ہیں۔

☆ دوسرا قول ہے: وضو وغسل درست نہیں۔ مائے مشکوک کے علاوہ پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرے۔

☆ تیسرا قول ہے وضو اور تیمم دونوں کرے۔

☆ چوتھے قول کی تعبیر یوں کی گئی ہے: **یھرق الماء ثم یتیمم.**

مولوی نیاز احمد نے ترجمہ یوں کیا: پانی بہائے یعنی وضو کرے، پھر تیمم کر لے۔

اس وضاحت پر دوسرے طلبہ نے یہ اشکال وارد کر دیا کہ تیسرے قول میں وضو وتیمم کا حکم ہے اور چوتھے قول میں بھی بعینہ وہی حکم ہے، تو اقوال تین ہی ہوئے نہ کہ چار۔ چوتھا قول تو یہاں مذکور ہی نہیں۔ الغرض سارے طلبہ اس بحث میں الجھ گئے اور سبھوں نے امام علم وفن کی طرف رجوع کیا۔ حالانکہ یہ فقہ کا کوئی دقیق مسئلہ نہیں کہ امام علم وفن جیسے عمیق النظر اس میں الجھ جائیں۔ یہ مسئلہ تو فقہ کی ابتدائی کتابوں میں بھی مسطور ہے۔ عین اسی وقت میں کمر سیدھی کرنے کے لئے اپنی درسگاہ سے باہر نکلا۔ مجھ پر نظر پڑی تو آواز دی۔ میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے: عارف! ذرا اس عبارت کو دیکھو۔ ان لوگوں کو اس

میں یہ خلش ہو رہی ہے۔ میں نے کھڑے کھڑے کتاب کو دیکھا اور خلش کی وجہ فوراً سمجھ گیا۔ میں نے کہا کہ عبارت بے غبار اور مطلب صاف ہے چوتھا قول واقعی چوتھا ہے الجھن کی وجہ یہ ہے کہ اراقۃ الماء اور اھراق الماء میں ان لوگوں نے فرق نہیں کیا۔ پہلے قول کا مطلب جسم پر پانی بہانا، اور دوسرے کا مطلب پانی پھینک دینا ہے۔ یعنی چوتھا قول یہ ہے کہ پانی زمین پر بہا کر ضائع کر دے جب پانی نہ ہوگا تو تیمم متعین ہو جائے گا۔

میری وضاحت سے امام علم وفن کا چہرہ بشاشت سے کھل اٹھا، ان کی پیشانی مسرت سے دمکنے لگی، انتہائی گرم جوشی سے اپنی مسند سے کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھوں سے میرا سر تھام کر میری پیشانی کو بوسہ دیا اور جس طرح کوئی مشفق باپ جوش اور جذبے میں اپنے بیٹے کی فتحیابی کا اعلان کرتا ہے، ٹھیک اسی کیفیت کے ساتھ طلبہ کو مخاطب کر کے بلند آواز سے فرمایا: دیکھ لو! یہ میرا پروردہ عارف ہے، گھنٹوں کا سفر منٹوں میں کرتا ہے، عقابی نگاہ رکھتا ہے اور شاہین کی طرح اونچی اڑان بھرتا ہے۔

اس عزیز نوازی اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے مجھ پر لذت و سرشاری کی ایک کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ حالانکہ میں نے کوئی بڑا تیر نہیں مارا تھا۔ وہ تو بس ایک کودک ناداں کا تیر تھا جو اتفاق سے نشانے پر جا لگا تھا۔

چھٹی انفرادیت:۔ عام مشاہدہ ہے کہ ایک اچھا مدرس زیادہ کامیاب مقرر نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدرس میدان تحقیق میں جادہ پیمائی کرتے رہ جاتا ہے؛ اور خطیب اس کے برعکس محض الفاظ و انداز کی ساحری سے میداں مار لیتا ہے۔ اس میدان میں امام علم وفن کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ بذات خود گرچہ معروف معنی کے اعتبار سے ساحر البیان خطیب نہیں، مگر خطیب سازی اور تربیت تقریر میں انہیں ایک خاص ملکہ حاصل ہے۔ میں جب جامعہ عربیہ سلطان پور میں مبتدی طالب علم تھا، مولانا سید ہاشمی میاں کچھوچھوی بغرض تحصیل علم اشرفیہ مبارک پور چھوڑ کر امام علم وفن کی خدمت میں سلطان پور تھے۔ ان کا طبعی میلان درسی کتابوں سے زیادہ خطابت کی طرف تھا۔ وہ اکثر امام علم وفن سے مختلف آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں خطابت کے نکات معلوم کرتے رہتے تھے۔ تقریباً روزانہ کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز عشاء وہ امام علم وفن کے کمرے میں آتے۔ حضرت ان کی سیادت کے احترام میں انہیں اپنی چارپائی پر بیٹھا لیتے۔ پھر ہاشمی میاں معروف آیتوں میں سے کوئی آیت پڑھتے یا کوئی حدیث پڑھتے اور ان میں خطیبانہ نکات پوچھتے۔ امام علم وفن ایک ایک آیت یا حدیث کے متعدد نکات بیان فرماتے، ساتھ ہی یہ بھی تاکید کرتے کہ نکات کے بیان میں ترتیب یہ ہونی چاہئے؛ اور یہ کہ کس نکتے کو کن الفاظ اور کس انداز میں پیش کرنا چاہئے۔ ہاشمی میاں آج جو کچھ سن کر جاتے دوسری رات میں بالکل خطیبانہ انداز میں آکر سناتے۔ امام علم وفن غلطی کی اصلاح کرتے اور فرماتے: اس جملہ میں یہ سقم رہ گیا۔ یہاں انداز میں یہ خامی رہ گئی۔

امام علم وفن کی تربیت خطابت کا دوسرا شاہکار نمونہ، فخر اماثل، حضرت مفتی محمد ایوب مظہر علیہ الرحمۃ تھے۔ موصوف دور جدید کے خطیبوں میں ایک نرالی شان رکھتے تھے۔ قرآنی آیات سے مزین اور احادیث نبوی سے مرصع، ان کی فکر انگیز

تقریروں نے ملک کے طول وعرض میں دھوم مچادی تھی۔ ان کی ولولہ خیز خطابت کی گونج ملک کی سرحدوں کو پار کرکے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں تک جا پہونچی تھی۔ ان کی پر اثر تقریروں کو اپنوں نے سنا ہے، بیگانوں نے بھی۔ مداحوں نے سنا ہے، نقادوں نے بھی۔ معاصرین نے سنا ہے، معاندین نے بھی۔ درسگاہوں کے اساتذہ نے بھی سنا ہے، خانقاہوں کے سجادہ نشینوں نے بھی۔ بے زبانوں نے سنا ہے اور اہل لسان نے بھی۔ اور سبھوں کو چار و ناچار یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ مفتی محمد ایوب مظہر کی پر مغز تقریریں سیدھے دل و دماغ میں اترتی تھیں، اور ان کی بے لچک زبان کوثر و تسنیم کے تقدس میں دھلی ہوئی تھی۔ ان دونوں بے مثال خطیبوں کی تمام کرشمہ سازیوں کا منبع اور سرچشمہ، وہ عہد ساز و ہمہ جہت شخصیت ہے، جسے دنیائے علم وادب امام علم وفن کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

ساتویں انفرادیت:۔ علما کی جماعت میں ایک عام رجحان یہ ہے کہ ہر شخص تدریس، تصنیف، افتا، مناظرہ، خطابت، نظامت، پیری مریدی اور درویشی میں سے کسی ایک شعبہ کا انتخاب کرکے اسے اپنی زندگی کا مقصد۔ یا۔ اپنی منزل قرار دے دیتا ہے۔ پھر اس کی ساری تگ و دو اسی شعبہ کیلئے ہوتی ہے، اور اس کا سفر اسی منزل کی طرف جاری رہتا ہے۔

امام علم وفن کا تشخص یہ ہے کہ انہوں نے ان شعبوں میں سے کسی کو اپنی منزل نہیں مانا، بلکہ ہر شعبے کو اپنی منزل کا ایک پڑاؤ سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک اعلی درجہ کے مدرس، ایک ماہر خطیب ساز، ایک صاحب طرز قلمکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ مناظر بھی ہیں۔ انہوں نے فن مناظرہ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مناظرہ رشیدیہ وغیرہ کے علاوہ نور الانوار میں وجوہ فاسدہ کی بحث اور مبحث اجتہاد، اسی طرح توضیح تلویح اور مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت کا اتنا غائر مطالعہ کیا تھا کہ اس زمانہ میں اس سے زائد کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اپنا دعوی ثابت کرنے اور مقابل کے استدلال کو توڑنے کے جو طرق ان کتابوں میں مذکور ہیں، امام علم وفن ان اصطلاحوں کے حافظ اور ان کے اجرا کے ماہر ہیں۔ ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین میں مصنف نے فقہ حنفی کی ترجیح کے جو دلائل بیان کئے ہیں اور شافعی، مالکی، حنبلی استدلال پر جو ایرادات کئے ہیں، ان مباحث کی تدریس کے وقت امام علم وفن اصول مناظرہ کی روشنی میں طلبہ کو بتاتے تھے کہ ائمہ ثلاثہ کے اقوال کو منع، نقض، معارضہ، یا قول بموجب العلۃ وغیرہ میں سے کس قاعدہ سے رد کیا گیا ہے۔ یا۔ مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ فن مناظرہ میں ان کی مہارت کا جیتا جاگتا ثبوت مناظر اہلسنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی ہیں۔ موصوف کے دور طالب علمی ہی میں امام علم وفن نے ان کے اندر پوشیدہ اس جوہر نایاب کو تاڑ لیا تھا۔ وہ اپنی بصیرت سے جان گئے تھے کہ چھوٹے قد و قامت کا یہ بچہ کل کا بلند قامت مناظر بننے والا ہے۔ چنانچہ امام علم وفن نے ان کی تربیت اسی نہج پر کی۔ مناظرہ کے اسرار و رموز سکھائے۔ نڈر و بے باک رہتے ہوئے پینترے بدل بدل کر حملہ کرنے کا گر، اور ذہن و دماغ پر مکمل قابو رکھتے ہوئے انتہائی حاضر جوابی کیساتھ اپنا دفاع کرنے کا ہنر سکھایا۔ امام علم وفن کی تربیت اور مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب کی محنت رنگ لائی

اور آج مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب رضوی متفقہ طور پر مناظر اعظم ہندوستان تسلیم کئے جاتے ہیں۔

آٹھویں انفرادیت:۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک درخت کہیں لگادیا جائے تو اسے باغ نہیں کہا جاتا۔ نہ ہی باغ سے ایک پیڑ کاٹ دینے پر وہ باغ اجڑ جاتا ہے۔ ایک شخص سے مجلس آباد نہیں ہوتی۔ نہ ہی ایک فرد کے چلے جانے سے محفل ویران ہوتی ہے۔ لیکن امام علم وفن کی ذات میں جذب وکشش کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھ کر کہنا پڑتا تھا۔

جب ہم چلیں تو اپنا سایہ نہ ساتھ دے :: جب تم چلو زمیں چلے آسماں چلے

ان کی ذات کے ساتھ یہ حیرت انگیز تاریخ وابستہ ہے کہ تدریسی خدمات کے لئے وہ جس ادارے میں پہونچتے ،موسم بہاران کے پیچھے پیچھے آجاتا ،اور ایک قطعی غیر معروف ادارہ ،بزم علم وادب بن جاتا۔ بہت ہی قلیل عرصے میں ان کی تعلیم وتدریس کے غلغلے اطراف واکناف میں گونجنے لگتے ،اور تشنگان علوم وفنون فوج در فوج اس چشمۂ فیض کے گرد اکھٹے ہوجاتے :اور ان تمام باتوں کی وجہ سے وہ ادارہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب وہ اسی آباد ادارہ سے سبکدوش ہوکر رخصت ہوجاتے ،تو وہاں کی ساری چہل پہل یک لخت موقوف ہوجاتی۔ علمی گونج کی جگہ ایک بیکراں سناٹے کا دور دورہ ہوجاتا ،اور ویران ادارے کے سوگوار بام ودر سے یہی پرسوز صدا آنے لگتی......ع

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

میری یہ باتیں نہ تو شاعرانہ تخیل ہیں نہ مناظرانہ تعلی ،نہ ہی بے بنیاد ومن گھڑت داستان ۔ بلکہ یہ ایک ایسی سچی حقیقت ہے جس کی صداقت پر جامعہ عربیہ سلطان پور ،فیضیہ نظامیہ بھاگلپور اور جامعہ قادریہ بدایوں شاہد عدل ہیں۔

نویں انفرادیت:۔ میں نے جتنے غیر درسی فنون کے نام تحریر کئے ہیں ان کے بارے میں امام علم وفن سے میں نے سوال کیا تھا کہ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد علمانے جن فنون کو ناقابل اعتنا سمجھ کر طاق نسیاں میں ڈالدیا تھا ،آپ نے نہ صرف ان کی طرف توجہ کی ،بلکہ ان میں مہارت وکمال بھی حاصل کرلیا۔ اس کے پیچھے کیا عوامل تھے؟ اور ان فنون میں آپ کے اساتذہ کون ہیں؟؟ فرمایا:

> ''اعلیٰ حضرت کے وہ فتاویٰ جن کا تعلق ریاضی اور حساب وغیرہ سے ہے۔ مثلاً سمت قبلہ کا تعین ،اوقات صلوٰۃ کی تحدید ،حرکت زمین کا رد وغیرہ۔ جب میں نے ابتداءً ان کا مطالعہ کیا تو سمجھ نہیں سکا۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میری غیرت کو ٹھیس بھی لگی۔ میں سوچنے لگا کہ کس قدر جانفشانی اور عرق ریزی سے اعلیٰ حضرت نے یہ فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں۔ صد افسوس کہ علماء کی بے اعتنائی کی وجہ سے آج ان فتاویٰ کو سمجھنے والے اکے دکے نظر آتے ہیں اور خدانخواستہ یہی حال رہا تو آئندہ کوئی ان فتاویٰ کو کھول کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کرے گا۔ میں یہ سوچ سوچ کر سخت مضطرب رہنے لگا تھا

۔اضطراب کے ان ہی دنوں میں ایک بار میری نظر سے خدا کا یہ فرمان عالی شان گذرا لیس للانسان الاماسعیٰ اس فرمان کو پڑھتے ہی معاً میرے ذہن میں نور کا ایک جھما کا ہوا اور دل میں شرح صدر کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ اس سے قبل بھی متعدد بار یہ ارشاد ربانی باصرہ نواز ہو چکا تھا، مگر اس بار بات ہی کچھ اور تھی۔ کوئی غیبی طاقت مجھے مہمیز لگا رہی تھی اور یہ یقین دلا رہی تھی کہ تم جس فن کو حاصل کرنے کی جدوجہد اور سعی بلیغ کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راہ آسان فرما دے گا۔ میرے رب کی رہنمائی ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ میں نے ان فنون کی تحصیل کا عزم مصمم کرلیا، اور کسی بھی استاذ کی طرف رجوع کئے بغیر از خود ایک کے بعد ایک فن مستعدی کیساتھ حاصل کرتا چلا گیا ۔اب مجھے کسی بھی فن کو حاصل کرنے کے سلسلے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ منزل کی طرف لگا تار قدم اٹھاتے رہو تو مشکلات دور اور منزل قریب تر ہوتی جائے گی ؛اور حصول مقصد کیلئے بے خطر کود پڑنے کی بجائے صرف دور اندیشی سے محو تماشہ رہو تو کبھی کچھ حاصل نہ کرسکوگے۔ بلکہ دور اندیشی کی دوری ختم ہوجائے گی ،صرف اندیشے ہی اندیشے رہ جائیں گے،،

جو ہچکچا کے رہ گیا سو رہ گیا ادھر :: جس نے لگائی ایڑ وہ خندق کے پار تھا

ایک بار تذکرۂ فنون کے ضمن میں فرمایا:

’’کسی بھی فن میں مہارت اس فن کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ محرر المذہب سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے خالہ زاد بھائی نحوی امام فرا سے فرمایا کہ نحو میں تمہاری اس قدر مشغولیت دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے حالانکہ نحو میں مہارت وکمال کے باوجود تم اس کی مدد سے کسی فقہی مسئلہ کا حل تلاش نہیں کرسکوگے۔ آزمائش کیلئے حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے پوچھا: نماز میں بھولے سے کوئی واجب ترک ہوجائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ اگر یہی غلطی سجدۂ سہو میں ہوجائے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟ ۔نحوی امام فرا نے تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا: تصغیر کی تصغیر نہیں آتی ہے اس لئے نحوی تناظر میں دوبارہ سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مسکرا کر ان کے جواب کی تصدیق فرمائی اور تسلیم کرلیا کہ ایک فن میں مہارت دوسرے فنون میں بھی کام آتی ہے،،

اسی سلسلے میں فرمایا:

’’مجھے خود بھی اس فنی معاونت کا کئی بار ذاتی تجربہ ہوا ہے۔ مثلاً جب یہ حدیث شریف میرے مطالعہ

میں آئی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تنہا نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر ہوئے اور حضور کے بائیں جانب کھڑے ہوکر شریک نماز ہو گئے، صغرسنی کیوجہ سے انہوں نے یہ خیال نہیں رکھا کہ مقتدی کوامام کے بائیں یا دائیں کھڑا ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے شفقت سے ان کا کان پکڑ کر بائیں سے دائیں کرلیا،،

امام علم وفن نے فرمایا کہ:

''یہ حدیث پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا کہ نابالغی کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس مکلف نہیں تھے مگر پھر بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انہیں بائیں سے دائیں کرلیا۔ آخر اس میں کیا حکمت تھی؟ اس وقت وہ حکمت میری سمجھ میں نہیں آسکی اور یہ خلش دل میں باقی رہ گئی۔ جب میں نے علم الحساب کا مطالعہ شروع کیا تو حساب کا یہ بنیادی قاعدہ میرے علم میں آیا کہ ارسے ۹ رتک نو ہندسے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی اپنی قیمت ہے، فن حساب میں ان ۹ رہندسوں کے علاوہ دسویں چیز صفر ہے مگر اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں اور صفر ہندسہ کے بائیں ہوتو وہ محض ایک بے معنی اور فضول شئ ہے البتہ اگر صفر کسی ہندسہ کے دائیں ہوتو صفر گرچہ اب بھی بے قیمت ہے مگر اس کی وجہ سے اس ہندسہ کی قیمت دس گنی بڑھ جاتی ہے۔ فن حساب کے اس بنیادی فارمولہ کو جان لینے کے بعد میرے ذہن و دماغ میں ایک روشنی پیدا ہوئی اور حسابی تناظر میں حدیث عبداللہ بن عباس کی حکمت واضح ہوگئی یعنی نبی کے سامنے امتی کی حیثیت صفر ہوتی ہے، حساب میں صفر کا صحیح مقام دائیں ہے، شریعت میں امتی کا مقام بھی دائیں ہے، حساب میں صفر سے ہندسہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور شریعت میں امتی سے نبی کی شان نمایاں ہوتی چنانچہ بروز قیامت رسول اللہ ﷺ کی امت کی کثرت ان کیلئے باعث افتخار ہوگی۔

دسویں انفرادیت:۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت اور مشاہدے کی بات ہے کہ اصحاب علم وفضل میں جو حضرات علمی تحقیقات بالخصوص معقولات، ریاضی، ہندسہ، ہیئت، توقیت ونجوم وغیرہ سے زیادہ شغف رکھتے ہیں، ان فنون کے خشک اور بےلوچ مضامین، ان کے ذوق لطیف اور ادبی چاشنی پر ایسا اثر انداز ہوتے ہیں کہ عام طور پر ان میں یا تو سرے سے نازک خیالی ہوتی ہی نہیں۔ یا۔ ہوتی بھی ہے، تو مضمحل ہو جاتی ہے۔ ان بے رس مضامین میں سر کھپانے کی وجہ سے ان میں شعرو شاعری کا جذبہ عنقا ہوتا ہے۔ امام علم وفن اس باب میں بھی مسلمہ شکن ہیں۔ اتنے کثیر فنون کے مطالعہ میں گم رہنے کے باوجود ان کا ادبی ذوق ناپید نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر فرماتے تھے کہ کثرت مطالعہ سے میرے دماغ میں جو بخارات جمع ہو جاتے ہیں،

ان کا علاج میں سر پر روغن بادام مل کر، اور کوئی عمدہ شعر گنگنا کر کرتا ہوں۔ وہ خود باقاعدہ شعر گوئی نہیں کرتے تھے مگر شعر فہمی میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ کبھی کبھی ذوجہتین ذومعنیین اور پہلودار شعر کہتے تھے۔ مثلاً حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی مرحوم کے لئے انہوں نے یہ شعر کہا تھا۔

حضرت حر پھر گئے حرمت میں دیکھ :: در پئے ابن علی حضرت حسین

اس شعر کا ایک پہلو تو وہ تاریخی واقعہ ہے کہ میدان کربلا میں حضرت حر پہلے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھے، بعد میں وہ اپنے رویئے سے پھر گئے اور حضرت امام کی حمایت میں جام شہادت نوش فرمالیا۔
دوسرا پہلو یہ ہے کہ لفظ حرمت کا پہلا لفظ 'حر' کو الٹ دیا جائے تو 'رحمت' بن جائے گا اور شعر کا آخری لفظ 'حسین' ہے۔ اس طرح اس شعر میں رحمت حسین کا نام مل جائے گا۔ میرے لئے فی البدیہہ یہ شعر کہا تھا:

متاع پلٹانے میں مارے گئے تم :: رفاہِ عام میں یہ آہ، کیسی

اس شعر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ رفاہ عام کیلئے وقف کردہ چیز پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا۔ یا۔ اسے ملکیت میں لے لینا شرعاً اور اخلاقاً برا ہے، اور اس کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔
دوسرا مفہوم یہ ہے کہ لفظ 'متاع' کو اگر الٹا پڑھا جائے تو 'عاتم' ہوگا۔ اور عاتم سے 'تم' ختم کردو تو 'عا' بچے گا۔ اسی طرح لفظ 'رفاہ' ے 'اہ' ہٹادو تو صرف 'رف' رہے گا۔ اس طرح میرا نام عارف اس شعر میں پوشیدہ ہے۔ خود اپنے لئے امام علم وفن نے یہ شعر کہا تھا۔

الٹ دیں صفیں باطلوں کی تمام :: ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

اس شعر میں ایک جہت کربلا کا تاریخی پس منظر ہے، اور دوسری جہت خود اس منفرد و بے مثل اور میدان علم و فضل کے صف شکن مظفر حسین کا نام ہے۔

جامعہ عربیہ سلطان پور کے جلسۂ دستار فضیلت میں ایک بار مولانا اعجاز حسین کا مٹوی مرحوم تشریف لائے تھے۔ جلسے کے بعد صبح کو امام علم وفن کے کمرے میں شعر و شاعری کی محفل جمی۔ میں اس وقت صغیر السن تھا، مگر اس کے باوجود اس مجلس کا منظر میرے ذہن میں پتھر کے نقش کی طرح ثبت ہے۔ مولانا کا مٹوی نے فرمایا قتیل شفائی نے ایک نظم لکھی ہے جسکا عنوان 'رقاصہ' ہے اس کا مکھڑا ہے: ع......

موہے آئی نہ جگ سے لاج، میں اتنی زور سے ناچی آج......کہ گھنگرو ٹوٹ گئے

اسی زمین پر میں نے بھی ایک نظم لکھی ہے۔ میری نظم کا عنوان ہے 'میخانہ'۔ پھر انہوں نے وہ نظم سنائی اس کا پہلا بند تھا۔

اک مست نظر کی بات چھڑی، کیا میخانے میں رات......کہ ساغر چھوٹ گیا

بن پئے مئے گلفام ، ملا وہ کیف نظر کا جام

کہ ساغر چھوٹ گیا

وہ کیف تھا وہ سرشاری تھی، ماحول میں مستی طاری تھی

پینے کا سلیقہ بھول گئے ، کیا چیز ہے صہبا بھول گئے

برسی وہ شراب ناب، حواس و ہوش تھے محو خواب

کہ ساغر چھوٹ گیا

مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔امام علم وفن ان کے اشعار سے اتنے محظوظ ہوئے کہ ان کے چہرے سے مسرت کی سرخی جھلک نے لگی۔اعجاز صاحب کو خوب خوب داد وتحسین سے نوازا اور فرمایا: مولانا! آپ نے اپنی تیغ نظم سے قتیل شفائی کو قتل کر ڈالا۔

ہندوستان کے مشہور نعت گو شاعر، نغمہ وآواز کے جادوگر، اجمل سلطان پوری کبھی کبھی امام علم وفن سے ملاقات کے لئے جامعہ عربیہ آیا کرتے تھے۔ایک بار آپ نے اجمل صاحب سے فرمایا: نعت کے علاوہ شاعری کی کس کس صنف میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے؟ اجمل صاحب نے کہا: میں نے بہت سی غزلیں اور گیتیں بھی لکھی ہیں۔ پھر امام علم وفن کی فرمائش پر اجمل صاحب نے اپنا مشہور گیت 'تاج محل' دھیمے لہجے میں سنایا۔

جب تک اجمل صاحب گیت سناتے رہے، پورا کمرہ داد وتحسین کے شور سے گونجتا رہا، گیت پورا ہونے کے بعد امام علم وفن نے فرمایا: اجمل صاحب! اگر یہ گیت آپ شاہ جہاں کی زندگی میں اس کے سامنے پڑھتے تو وہ آپ کو ہیرے جواہرات سے تول کر آپ کا صدقہ اتارتا۔

اجمل صاحب کے جانے کے بعد فرمایا: اس میں جو ادبی اور فنی کمال ہے شاید اجمل بھی اس سے بے خبر ہے۔

آج یادوں کا دریچہ کھلا تو یہ چند مناظر میں نے سپرد قرطاس کر دیئے اور ان پر **تلک عشرة كاملة** کی مہر لگا دی۔ مجھے اعتراف ہے کہ امام علم وفن کی انفرادیت وتشخصات کا میدان بہت وسیع ہے۔ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے ما بقیہ انہیں کا حصہ ہے۔دنیائے علم وفن کا وہ مرد آہن اسوقت ضعف وعلالت کا شکار ہے مگر ان کا حوصلہ آج بھی بلند اور عزم اب بھی جواں ہے، انہیں اس حال میں بھی درس وتدریس سے کنارہ کش ہو کر کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھنا گوارہ نہیں ،وہ آج بھی جرہ محمد پور فیض آباد کی درسگاہ سے وابستہ ہیں اور دنیا والوں کو خاموش پیغام دے رہے ہیں کہ........ع

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ

xxxxxxxxxx

امام علم وفن کی سیرت کے گلہائے رنگارنگ

مولانا کلیب الرضا محمد رئیس الدین رضوی راج محلی

امسال عشق رسول کی راجدھانی شہر بریلی عرس رضوی کے پر بہار موقع پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ تو سہ ماہی رسالہ ''المختار کلیان'' کے مدیر حضرت مولانا احمد رضا احمد نے کچھ کاغذات اور لفافے شہزادۂ گرامی حضرت مولانا سید معین الدین قادری راج محلی کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے مجھے سپرد کئے۔ وہ تو میرے لئے نہیں تھے لیکن پھر بھی میرا دل مسرت و شادمانی سے باغ باغ ہوگیا۔ اس لئے کہ یہ ایسے اقدام وکاوش کے مقدمات کے حصے تھے جو اہل سنت و جماعت کیلئے ضرور باعث صد انبساط وافتخار ہونگے۔ اور اس بات پر 'المختار' کے تمام رفقاء کار اہل سنت کی طرف سے قابل صد مبارک بادی وتشکر ہیں کہ انہوں نے امام علم وفن نمبر نکالنے کا عزم فرمایا ہے۔ خوشخبری ملنے پر میری لوح تصورات میں امام علم وفن کی ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کی مختلف جہتیں ابھر آئیں۔ پھر عنوانات کے تعین میں میرے ذہن ودماغ نے کئی پلٹا کھایا۔ آخر کار اس جامع الصفات ذات گرامی کے صفحۂ حیات کے وہ گوشے جو مجھے زیادہ متاثر کئے ہیں ان کے چند نمونے بطور گلہائے رنگارنگ سلک تحریر میں پیروکر اس عظیم بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنیکی سعادت حاصل کرنیکو ٹھان لیا۔ ع گر قبول افتد زہے عز وشرف،

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: تم میں سب سے زیادہ اللہ کا محبوب وہ ہے، جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ ہم جب اس آئینہ میں امام علم وفن کی سیرت وکردار کو دیکھتے ہیں تو ہزار گلہائے رنگارنگ نظر آتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں سب کی تصویر کشی تو ممکن نہیں، نمونے کے طور پر چند ایک زیب قرطاس کرنے کی کوشش کروں گا۔

تواضع:۔ مجھ جیسا پستی کا انسان تواضع وانکساری کا مظاہرہ نہ کرے تو کیا کرے کہ ع: گدا اگر تواضع کند خوئے اوست۔ لیکن! امام علم وفن جیسا فضل وکمال کا بلند آسمان جس کی طرف تکتے ہوئے بڑے بڑے کج کلاہوں کی ٹوپیاں سر سے گر جائے تواضع اختیار کرلے وہ بھی آج کے زمانۂ نام ونمود اور عہد تفاخر میں تو بلاشبہ ان کے محبوب الٰہ ہونے کی دلیل ہے۔

ع..... تواضع زگردن فرازاں نکوست

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہے کہ آپ جب رمضان المبارک کی تعطیل کلاں اپنے دولت کدہ میں گزار کر مدرسہ شریف لے جانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو سفر سے دو تین روز قبل ہی اپنے محلہ کے گھر گھر جا کر چھوٹے بڑے سب کو سلام کرتے ہیں، معافی، تلافی لیتے ہیں۔ عجب سماں ہوتا ہے، آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، بھرآئی آواز میں دعائیں دیتے، لیتے ہیں امام ممدوح کی یہ الوداعی کیفیت ان کے علمی وروحانی مورث اعلیٰ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ المولیٰ کی شب برأت کے موقع پر مجلس عفوودرگذر کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ یہ ان کی وہ ادا ہے جس کی وجہ سے جماعت کے اکابر واصاغر سب ان کی عقیدت کے اسیر بلکہ ان پر جان چھڑکتے ہیں۔ موافق تو موافق ہی ہیں جو لوگ ان سے بعض مسائل میں علمی اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی ان کے مداح دیکھائی دیتے ہیں۔ یوتوں مجھے آپ کی بے شمار زیارتوں کا شرف حاصل ہوا ہے باوجود اس کے کہ میں ان کے پاس غیر متعارف ہی ہوں گا۔ لیکن مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب وہ علی پور ضلع مالدہ ختم بخاری میں تشریف لائے تھے۔ بغرض قدم بوسی میں بھی حاضر بارگاہ ہوا تھا۔ وہ ایک کمرہ میں جلوہ افروز تھے۔ علمائے کرام کی بھیڑ تھی۔ عزیزی القدر مولانا غلام یٰسین سلمہ نے جو ان کی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں بایں الفاظ میرا تعارف کرایا:

حضور! یہ میرے استاذ ہیں مولانا رئیس الدین صاحب۔

بس! اتنا کہنا تھا کہ مجھے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، خیریت پوچھی اور دعاؤں سے نوازا۔

اسی درمیان میں مولانا انوار الحق نے عرض کیا: حضور! ٹھنڈا لاؤں؟ جواب مرحمت فرمایا: آپ کی خواہش ہے تو لایئے! مولانا انوار الحق نے باہر آ کر ایک آدمی کو ٹھنڈا لانے کے لئے بھیج دیا، مگر ایک گھنٹہ گذر گیا نہ تو ٹھنڈا آیا اور نہ ہی ٹھنڈا لانے والا۔ مولانا انوار صاحب سامنے ٹہل رہے ہیں اور حضرت ٹھنڈا کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں فرمارہے ہیں۔ میں سوچ نے لگا کہ یا اللہ! میرا کوئی شاگرد میرے ساتھ ایسا کرتا تو میں اسے ڈانٹے بغیر نہیں رہتا کہ تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو!

اسی سلسلے کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ ابھی گذشتہ سال حضرت شہزادۂ گرامی سید معین الدین صاحب کی دعوت پر آپ کی تشریف آوری ہمارے راج محل میں ہوئی۔ استاذ الکریم حضرت مولانا احسان الحق دانش رضوی مدظلہ کے ساتھ میں بھی شرف زیارت کو حاضر ہوا۔ میں نے قدم بوسی کی حضرت استاذ الکریم نے عرض کیا کہ: حضور! یہ میرا شاگرد مولانا رئیس آپ سے کچھ استفسار کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: بیٹھئے، ہاں بھائی! پوچھو، مگر یاد رہے کہ میں کوئی تحقیقی آدمی نہیں ہوں جس سے تشفی بخش جواب کی امید رکھئے۔ پھر زبان فیض ترجمان سے ایسے علمی جواہر لٹانے لگے کہ سارے حاضرین کے ساتھ میں بھی دم بخود ہو کر اپنا سوال بھلا دینے پر مجبور ہو گیا۔ اب تک وہ پیاری صدا کہ 'میں کوئی تحقیقی آدمی نہیں ہوں جس سے تشفی بخش جواب کی امید رکھئے' میرے کانوں میں رس گھول رہی ہے اور اس کی معنویت ذہن کے پردے پر دستک دے رہی ہے۔

سلام میں پہل:۔ احادیث کے مطابق سلام میں پہل کرنے والوں کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیثیں تو کتابوں میں لکھی ہیں سبھی علما پڑھتے ہیں لیکن عملی تفسیر بلاشبہ امام علم وفن کی ذات ستودہ صفات ہے۔ میری اس رائے سے وہ تمام حضرات متفق ہوں گے جنھوں نے آپ کے جلوۂ زیبا کی زیارت سے اپنے باصرہ کو مشرف کیا ہے۔ ہما شما کو تو ہمیشہ سلام کا انتظار ہوتا ہے۔ اگر کوئی بھولے سے سلام نہ کیا تو ہماری زبانِ شکوہ دراز ہو جاتی ہے۔ مگر یہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے کہ زمانہ سلام کو ترستا ہے مگر آپ خود ہی سلام میں سبقت لے جاتے ہیں۔ استاذی الکریم حضرت العلام احسان الحق مدظلہ بارہا اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ زندگی بھر تمنا دل میں انگڑائیاں لیتی رہ گئی کہ میں خواجہ صاحب کو پہلے سلام کروں۔ حضرت کو سامنے تشریف لاتے دیکھ کر جوں ہی سلام کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، حضرت ہی پہل کر ڈالتے ہیں۔ مدرسہ کے ترانہ سلام میں کمی مدرسین حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن امام علم وفن ہمیشہ اس کا التزام فرماتے ہیں۔ رب کا سلام اپنے حبیب علیہ السلام پر اور آپ کے توسط سے آپ کی امت پر لاکھوں سلام ہو اور ہمارے ممدوح کے سایہ کو ہم پر تادیر سلامت رکھے۔

'آپ' سے تخاطب اور انداز بیان:۔ امام علم وفن چھوٹے بڑے سب کو آپ ہی سے خطاب فرماتے ہیں، جیسے آپ کے لغت میں ،تو، تم جیسے الفاظ ہوں ہی نہیں۔ ان کے دو خطوط شاگردوں کے نام میرے نظر نواز ہوئے ہیں۔ جن سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے انداز تخاطب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک ذی استعداد مدرس کو دیکھا کہ جماعت حفظ کے طلبہ کو کچھ نصیحت فرمار ہے تھے۔ بڑی گاڑھی اردو بول رہے تھے۔ میں نصیحت سے متاثر ہو رہا تھا۔ لیکن طلبہ آپس میں ایک دوسرے کے منہ تکتے تھے۔ درسگاہ سے نکلنے کے بعد ایک طالب علم نے مجھ سے کہا: حضرت کی نصیحت سننے کے بعد ڈکشنری کھولنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ہم حافظ ان الفاظ کو کیسے سمجھیں؟۔ امام علم وفن کو اس چیز کا بہت احساس ہے۔ اس لئے بات چیت کے دوران وہ سادہ اور دلربا انداز اختیار کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ و جملے عام فہم ہوا کرتے ہیں۔ وہ بھینس کے آگے بین بجانے کے قائل نہیں ہیں۔

طلبا پر شفقت اور شخصیت سازی:۔ ماضی قریب وحال کے شخصیت ساز اساتذہ میں امام وعلم وفن کا اسم گرامی بھی ایک نمایاں وممتاز مقام رکھتا ہے۔ جس کی ایک وجہ طلبہ سے آپ کی شفقت ومحبت ہے۔ آپ کی شفقت پدرانہ ہمیشہ بادل بن کر شاگردوں پر چھائی رہتی ہے۔ آپ تلامذہ کو اپنا استاذی رعب دکھا کر دور نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے مشفقانہ انداز سے انھیں مانوس کر لیتے ہیں پھر جیسا چاہتے ہیں ان کی شخصیت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ سید معین الدین صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ اور عطیف میاں صاحبان کسی ضرورت سے دیر رات تک مدرسہ سے باہر رہ گئے تو بعد فجر ہی دونوں حضرات کو طلب فرما کر فرمایا: کہاں چلے گئے تھے؟ میں رات آپ لوگوں کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا؛ اور بار بار اسی جملہ کو دہراتے رہے۔ جس پر وہ حضرات کافی شرمسار ہوئے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کیا۔ سید صاحب بتاتے ہیں کہ اس طرح کی دلنوازیاں

امام علم وفن کی شب وروز کی معمول رہی ہیں۔اپنے زیر تربیت ہر ایک طالب علم کو کھانے کے متعلق روزانہ پوچھتے۔بڑا پیارا انداز ہوتا: بیٹا! کھانا کھالیا؟۔بابو! کھانا کھالیا؟۔

ع..........کوئی اندازہ کرسکتا ہے ان کے موج شفقت کا؟۔

یہی وجہ ہے کہ تلامذہ کے ساتھ ساتھ اساتذہ بھی اس شمع علم وحکمت کے اردگرد پروانہ وار چکر لگاتے ہیں اور فیوض وبرکات کے مزے لوٹتے ہیں۔کبھی کسی تصویر مثلا شیر کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، چھوٹے طلبہ سے پوچھتے ہیں: یہ کیا ہے؟ اگر جواب ہوتا ہے: شیر۔تو مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں: بدھو کہیں کا! اجی! اگر یہ شیر ہوتا، ہمیں کھا نہ لیتا۔یہ شیر نہیں، شیر کی تصویر ہے۔اس کو شیر کہنا مجاز ہے۔کیا پیرائے اور آسان انداز ہے حقیقت ومجاز کی تفہیم کا۔بعض بدیہیات کی طرف سے عام طلبہ کو غفلت ہوتی ہے۔آپ اپنے طلبا کی توجہ اس کی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کرتے ہیں: پچاس روپے زید وبکر میں تقسیم کریں اور زید کو ایک روپیہ کم، بکر کو ایک روپیہ زیادہ دیں تو ہر ایک کے حصے میں کتنے کتنے روپے آئیں گے؟ اکثر طلبہ کا جواب ہوتا ہے: زید کو چوبیس اور بکر کو چھبیس ملیں گے۔آپ ان کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ لوگوں نے سوچے سمجھے بغیر جواب دے دیا، مطلب ایک روپیہ کا فرق تھا جب کہ چوبیس اور چھبیس میں دو روپے کا فرق ہے۔پھر قاعدہ بتا کر صحیح جواب عطا فرماتے ہیں۔اس طرح طلبہ میں غور فکر کی عادت ڈالتے ہیں۔کبھی کوئی چیستاں طلبا کے مابین رکھ کر انہیں حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔مثلا فرماتے ہیں: **من قال قال الله فقد کفر** کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ: دوسرا قال مصدر قیلولۃ سے ہے، جس کے معنی 'سونے' کے ہیں اللہ تعالی اس سے پاک ہے **لا یأخذہ سنۃ ولا نوم**۔اس طرح وہ طلبا کے ذہن وفکر کو جلا بخشنے کی سعی پیہم فرماتے ہیں۔

علم سے شغف:۔ امام علم وفن اپنی حیات کے بیشتر اوقات علمی مذاکروں میں گزارتے ہیں۔ان کی محفل، خوش گپیوں اور بیہودہ گوئیوں کی محفل نہیں ہوتی ہے۔البتہ وہ اپنے علمی لطائف سے اپنے حاشیہ نشینوں کو ضرور محظوظ فرمادیا کرتے ہیں۔

لیٹتے ہیں، آنکھیں بند ہوتی ہیں، مگر وہ محو خواب نہیں، محو فکر ہوتے ہیں۔بقول حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب اس عالم میں بھی وہ لاینحل مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ علم سے ان کی اسی دلچسپی نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے علوم وفنون کا وارث بنا دیا ہے۔**ذلک فضل اللہ یعطیہ من یشا۔**

داشتہ آید بکار:۔ امام علم وفن کبھی کسی چیز کو ضائع نہیں ہونے دیتے ہیں، حقیر شی کی بھی خوب حفاظت فرماتے ہیں، ان کے شاگردوں سے میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی سوئی گم ہوگئی۔بسیار تلاش وجستجو کے باوجود بھی وہ نہ مل سکی۔آپ نے بڑے افسوسناک لہجہ میں اسکا ذکر طلبہ سے کیا۔بار بار فرماتے رہے: میری سوئی گم ہوگئی۔آخر وہ ہوئی کیا؟ سید معین الدین راج محلی ... ضرورت ہے؟ میں لاتا ہوں۔فرمایا: آپ تو لا دیجئے گا، لیکن میری سوئی کیا ہوگئی؟ ایسے بے

شمار واقعات ان محتاط ذات سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔غرض کہ وہ تضیع مال کے قائل نہیں ہیں۔ بعض وہ چیزیں جو بظاہر بے کار نہیں معلوم ہوتی ہیں، آپ ان چیزوں کو بھی حفاظت سے رکھ چھوڑتے ہیں۔ کوئی اس کی وجہ پوچھ لے تو فرماتے ہیں:

داشتہ آید بکار :: گرچہ باشد سر مار

خرد نوازی وحوصلہ افزائی:۔ گلہائے عقیدت کے اس مجموعہ کی تکمیل کرنا چاہتا ہی تھا کہ امام علم وفن کی سیرت کا ایک اور شگفتہ گل میسر آ گیا، اس لئے اس کی خوشبو سے بھی اپنے مشام جاں کو معطر کرلیں۔

ابھی گذشتہ ۱۶ رفروری ۲۰۱۳ء کو حضرت مولانا سید معین الدین قادری صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضور سید شاہ فضل کریم علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر ایک اعزازی محفل کا انعقاد کیا تھا، جس میں ان کے برادر گرامی حضرت مولانا سید عبد السلام قادری نے علاقہ راج محل کے ۵ مقتدر علما کی گلپوشی اور ہر ایک کو ایک ڈائری پیش کر کے عزت افزائی کی۔ امام علم وفن کو جب اس کی خبر ملی تو وہ مسرت سے پھولے نہ سمائے۔ اپنے ان دونوں عزیزوں کو آفریں کہنے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ بڑی کوششوں کے بعد رابطہ ہونے پر ان کو شاباشی دی۔

کوئی آٹھ دس سال پہلے کی بات ہے۔ اہل سنت کے ایک جواں سال عالم حضرت مولانا جمیل احمد قادری مہتمم جامعہ رضا پٹنہ نے 'چاند پر دھول' نام کی ایک کتاب لکھی۔ جس میں انھوں نے کسی منہ پھٹ، دیوبندی مولوی کی آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر کی گئی بکواسیوں کا منہ توڑ اور دندان شکن جواب دیا ہے۔ امام علم وفن کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے انھیں مبارک باد دینے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ ایک طالب علم نے کتاب پر لکھے ہوئے پریس کے فون نمبر پر رابطہ کر کے ان کا موبائل نمبر حاصل کیا اور حضرت سے رابطہ کرایا تو آپ نے موصوف کو مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔ بغیر کسی سابقہ تعارف کے اس حوصلہ افزائی نے مولانا موصوف کا دل جیت لیا۔

غرض کہ امام علم وفن چھوٹی سی چھوٹی دینی خدمت پر بہت خوش ہوتے ہیں اور کام کرنے والے کو سراہتے، دعائیں دیتے ہیں۔ انھیں دعاؤں کی تمنا لئے ہوئے میں اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

امام علم وفن ایک مردم ساز شخصیت

مولانا محمد محبوب رضا نوریؔ بدر القادری پرنسپل دار العلوم رضائے مصطفیٰ کھم تالاب بھنڈارہ مہاراشٹر

امام علم وفن، خیر الاذکیا، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضویؔ مدظلہ الاقدس کی ہشت پہلو، تہ دار، بلند پایہ، نابغۂ
روزگار، عبقری شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ عصر حاضر کے محقق ہیں اور مدقق بھی، معقولی بھی ہیں منقولی بھی۔ مفکر بھی ہیں، مدبر
بھی۔ سلطان المدرسین بھی ہیں، معتمد المصنفین بھی۔ وہ علوم وفنون کے بحر ذخار ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خواجہ صاحب اپنی ذات میں
کیا ہیں اور کیا نہیں؟ یہ کوئی بتانے کی چیز نہیں، حقیقت بیں نگاہ سے ملاحظہ کرنے کی چیز ہے۔ ان کے تعارف کیلئے تو بس ان کا علمی
غلغلہ وفنی طنطنہ ہی کافی ہے۔ بقول کسے .... عطر خود بوید نہ کہ عطار بگوید!
امام علم وفن مدح وذم کی پرواہ کئے بغیر خوش خرامی کے ساتھ اپنی منزل اور نشان راہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ آپ کی
شب وروز کے حسین لمحات۔

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش زطعن	نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم وکنج خمولی کہ نگنجد دروے	جز من وچند کتابی دوات و قلمے

اور نہ ہی تفوق وبرتری کا شوق جنوں۔
کے آئینہ دار ہیں۔ ان کو نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے اور نہ ہی تفوق وبرتری کی ہزاروں رعنائیاں قربان! آپ کی سادگی
بس سادہ سی زندگی ہے اور سادگی ہی ان کا لباس۔ لیکن اس سادگی پر زیب وزینت کی ہزاروں رعنائیاں قربان! آپ کی سادگی
اور بے نفسی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا اعجاز صاحب جو کہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں اور ہم وطن وہم
قریہ بھی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں ایک بار تعطیل کلاں کے موقع پر وطن مالوف پہونچا ہوا تھا، خیر سے امام علم وفن بھی گھر تشریف لائے
ہوئے تھے۔ میں نے موقع کو غنیمت جانا اور خواجہ صاحب کی بارگاہ میں انٹرویو کے لئے نیازمندانہ حاضر ہوگیا تاکہ آپ کی حیات وخدمات
کے تعلق سے چند اہم سوالات کے جوابات حاصل کر کے قلم بند کرلوں۔ کیونکہ اس دور قحط الرجال میں آپ کی ذات ہند وپاک ہی نہیں
پوری دنیائے سنیت کے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہے۔ اس لئے آپ کے احوال وکوائف سے واقفیت اور ان احوال وکوائف سے عبرت
ونصیحت حاصل کر کے اصحاب اہل سنت اپنے لئے شاہراہِ حیات متعین کریں۔ چنانچہ میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھ

ناچیز کے لئے سعادت کی بات ہوگی کہ یہ عظیم کام میرے ذریعہ انجام پزیر ہوجائے۔ ارشاد فرمایا:

میاں اعجاز! میرے ٹھیک حالات تو کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں۔ آپ لکھ کر کیا کریں گے؟ چھاپنا چاہیں گے تو عقیدت ومحبت میں زیب داستاں کے لئے مبالغہ آرائی سے کام لیں گے اور بہت کچھ بڑھادیں گے جیسا کہ عام دستور ہے، حالانکہ میں ایسا نہیں ہوں۔

پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: یا نفرت وعداوت میں، مجھے میری واقعی حیثیت سے گھٹا دیں گے۔ اور اسے میرا نفس گوارا نہیں کرتا۔

اللہ اکبر! کیسی بے نفسی اور کتنی سادگی جھلکتی ہے آپ کے ان جملوں سے۔ بے شک، آپ دین ومذہب اور علم وفن کی جوخدمت بھی انجام دے رہے ہیں نام ونمود اور فخر وتعلّی کے لئے نہیں، بے لوث ہوکر محض خوشنودی رحمٰن کے لئے انجام دے رہے ہیں۔ سچ ہے کہ جوخوش نصیب بندہ رضائے مولیٰ کا طالب رہتا ہے اس کا جینا بھی اعلیٰ ہوجاتا ہے اور مرنا بھی اعلی۔ جولوگ اس جہان فانی میں بے نشاں ہونا چاہتے ہیں، مشیت یزدی انہیں، گم گشتگانِ راہ کے لئے نشان منزل اور مینارۂ نور بنادیتی ہے کیونکہ:

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں   مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

یہی وجہ ہے کہ 'ملک العلما' سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا یہ روحانی سپوت، آپ کی علمی امانتوں کا امین ووارث، خواجہ مظفر حسین کی شکل میں ظاہر ہوا اور انہوں نے تعلیم وتدریس کی بساط بچھائی تو رفتہ رفتہ ان کی شہرت بہار وبنگال، آسام، اڑیسہ، اتر پردیش اور دوسرے صوبہ جات بلکہ بیرون ہند تک پہونچ گئی۔ آپ کی خداداد صلاحیت، تدریسی انداز، طرز تفہیم، دقیق مسائل پر بحث میں جدت طرازی، دل چسپ علمی نکات ولطائف کی سحر انگیزی کا زمانے بھر میں چرچہ ہوا۔ پھر:

ہر کجا کہ بود چشمۂ شیریں   ::   مردم ومرغ ومور گرد آیند

کے مصداق جویان علم کا قافلہ امام علم وفن کے بام ودر کا طواف کرنے لگا اور تشنہ لبوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ ایسے عالم میں خواجہ صاحب ابر بارندہ بن کر برسے اور اتنا برسے، اتنا برسے کہ تشنہ لبوں کو سیرابی وآسودگی کی دولت گراں مایہ مل گئی۔

امام علم وفن کی بارگاہ میں محمود وایاز سب برابر ہیں۔ یہاں نہ تو رنگ ونسل دیکھا جاتا ہے، نہ مکان ودوکان کا خیال کیا جاتا ہے۔ آنجا وانیجا کا فرق رہتا ہے، نہ قرب وبعد کا لحاظ۔ ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق عطا کیا جاتا ہے۔ کہ: ع:

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

سنگ تراش کے ہاتھوں کا کمال ہوتا ہے کہ بظاہر ایک عام سے پتھر کو تراش کر خوشنما اور خوش رنگ بنادے۔ امام علم وفن کوئی سنگ تراش نہیں، مردم ساز ہیں۔ انہوں نے پوری زندگی مردم سازی ہی کا کارنامہ انجام دیا۔ ان کے تلامذہ میں بے شمار مدرسین، معلمین، مصنفین، مؤلفین، مقررین، واعظین، مناظرین، موجود ہیں ان کے شاگردوں میں ایک سے ایک قابل فخر،

ند آور علمی وادبی شخصیات موجود ہیں جو اپنی اپنی جگہ خود علم وادراک کا کوہ ہمالہ ہیں۔

ادیب شہیر، خطیب افریقہ استاذی الکریم حضرت علامہ مفتی **ایوب مظہر** علیہ الرحمہ کو کون نہیں جانتا جن کی فصاحت وبلاغت سے پر علمی وادبی خطابت کی دھوم مچی ہوئی تھی، وہ امام علم وفن ہی کے ساختہ وپرداختہ تھے۔ مناظر اسلام، فقیہ النفس، **مفتی محمد مطیع الرحمن** مضطر رضوی مدظلہ النورانی جن کی ذہانت وفطانت، خداداد قابلیت وصلاحیت، مناظرانہ رنگ وآہنگ کو زمانہ سلام کرتا ہے یہ اسی بحر کی ایک نہر ہے اور اسی جبل آتش فشاں کا ایک شعلۂ جوالہ ہے۔ صوفی باصفا، ماہر الفتاویٰ کامل التقویٰ استاذی حضرت **مفتی محمد صالح** قادری بریلوی دام ظلہ، یہ بھی اسی بارگاہ خواجہ کے خوشہ چین ہیں۔ غازی ملت حضرت علامہ سید **محمد ہاشمی میاں** صاحب قبلہ اشرفی کچھوچھوی جن کی تقاریر سے باطل لرزہ براندام ہے۔ یہ بھی میکدۂ خواجہ کے بادہ نوش ہیں۔ فاضل اجل حضرت مولانا **قاضی شہید عالم** صاحب قبلہ مدظلہ العالی جو معقولات میں آپ کے عصبہ کہے جاتے ہیں۔ یہ بھی اسی در کے دریوزہ گر ہیں۔ استاذ منطق وفلسفہ حضرت علامہ **مشتاق احمد صاحب** قبلہ مدرس دارالعلوم غریب نواز جو معقولات میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں یہ بھی خواجہ صاحب کے تلمیذ ہیں۔

الغرض علمی دنیا میں خواجہ صاحب قبلہ علم وادراک کا ایک روشن چراغ، بلکہ آفتاب وماہتاب ہیں جن کی ضیار بار کرنوں نے ایک جہان کو منور کر دیا ہے۔ خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت مفتی ناظر اشرف قادری، شارح کتب مفتی شبیر احمد پورنوی، حضرت مفتی عارف صاحب قبلہ، حضرت مفتی عابد حسین صاحب قبلہ، حضرت علامہ سراج احمد صاحب قبلہ پرنسپل دارالعلوم وارثیہ اور نہ جانے کتنے اس طرح کے علمائے اہل سنت ہیں جو امام علم وفن کے فیض یافتہ اور پروردہ ہیں۔

امام علم وفن کے تلامذہ کا تفصیلی بیان دفتر کا متقاضی ہے۔ اجمالاً یہ ہے کہ آپ کے شاگردوں کی فہرست میں مدرسین، متکلمین، مصنفین، مؤلفین، مقررین، واعظین، مناظرین، فقہا، صوفیا بھی ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بہترین توشہ آخرت ہیں۔ مردم سازی اور قابل فخر تلامذہ پیدا کرنے میں امام علم وفن کو ایک انفرادی مقام حاصل ہے۔ اس وصف میں دور دور تک آپ کا کوئی عدیل مثیل نظر نہیں آتا۔

قد طلبنا فلم نجد لک فی السوء :: وذو المجد والمکارم مثلا

یہ شعر آپ پر خوب چسپاں ہوتا ہے۔

امام علم وفن جیسی ہمہ گیر شخصیت آج غیروں میں ہوتی تو وہ سونا سے تول کر آپ کا صدقہ اتارتا اور کہتا کہ ع: حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا۔ اور ایک ہم ہیں کہ۔

شب رفت حدیث ما بپایاں نہ رسید :: شب را چہ کند حدیث ما بود دراز

گر چہ شب یلدا نہ یکے صد با :: آخر نہ رسد عتاب محمود وایاز

امام علم وفن: ایک ہمہ جہت شخصیت

مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی: نائب قاضی مرکزی دار القضا ادارۂ شرعیہ گجرات (احمد آباد)

عہد حاضر کی ایک ممتاز اور نابغہ روزگار شخصیت امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی ہے جاہ وحشمت سے بے غرض، نام ونمود اور عزت وشہرت طلبی سے کوسوں دور، اخلاق کریمانہ سے مزین، اخلاص وللہیت کے جذبوں سے سرشار، حلم وحیا کی خوشبوؤں سے معطر، شیریں لب ولہجہ سے لبریز، عفو ودرگذر کا سرچشمہ، حکمت ودانائی کا پیکر جمیل، گفتار وکردار میں یکتائے روزگار، تدبر وتفکر میں بے مثال، خنداں پیشانی اور کشادہ قلبی کے تاجور اور لمبے قد وقامت کے مالک ہیں۔ آپ کی ولادت بیسویں صدی عیسوی کی چوتھی دہائی میں ہوئی۔ والد گرامی مولانا زین الدین نے مظفر نام رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نام کے ساتھ نہ جانے کتنے القابات جڑتے چلے گئے، گویا والد نے مظفر کو ظفر کی ضمانت دے دی اور آج وہی مظفر علی الاطلاق بین الاقوامی طور پر علما ومشائخ کے مابین خواجہ صاحب، خیر الاذکیا، امام علم وفن، اور مظہر اعلیٰ حضرت کے نام سے معروف ہیں۔

جب سے میں نے شعور وآگہی کی آنکھیں کھولیں، احساس وشعور بیدار ہوا، سب سے زیادہ امام علم وفن کا نام سنا جانا، دیکھا، ملاقات کی اور بارہا خدمت گذاری کا شرف حاصل ہوا۔ امام علم وفن کی درسگاہ بافیض سے فقیر راقم الحروف کو باضابطہ اکتساب کا موقع تو نہ مل سکا، الحمد للہ گاہے گاہے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

ایک موقع سے میں نے پوچھا کہ **ہدیہ سعیدیہ** (فلسفہ کی مشہور کتاب) کی ایک عبارت سمجھ میں نہیں آئی ہے۔ حضرت نے فرمایا: کون سی عبارت؟ عرض کیا: عبارت بعینہ یاد نہیں ہے۔ فرمایا: تو مسئلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: مثلث کے تینوں زاویے دو قائمہ کے برابر کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کتاب لانے کی ضرورت نہیں ایک قلم لاؤ۔ میں نے قلم پیش کیا اور صرف دو منٹ میں ایسی تشریح فرما دی کہ آج بھی مجھے یاد ہے۔

میرے والد گرامی مولانا نذیر احمد رضوی اور استاذ گرامی مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی شرف تلمذ حاصل کر چکے ہیں، اس لیے میں بھی اپنے آپ کو صرف ایک واسطے سے امام علم وفن کے تلامذہ میں شمار

کروں تو شاید بے جا نہ ہوگا، ہاں ایک مرتبہ وہ میرے ممتحن ضرور ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں دار العلوم امان الاسلام جنتا باٹ میں ابتدائی درجہ کا متعلم تھا۔ عم مکرم استاذ گرامی عزیز العلما و المشائخ مولانا عبد العزیز رضوی نے سالانہ امتحان لینے کے لیے امام علم وفن اور مناظر اہل سنت مفتی مطیع الرحمن رضوی کو مدعو کیا تھا۔ امتحان تو ایک بہانہ تھا درحقیقت ملاقات مقصود تھی، دونوں حضرات تشریف لائے، امتحان کی کاروائی پوری ہوئی، پھر قبلہ کے گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سارا ماحول امام علم وفن اور فقیہ النفس کی خوشبوؤں سے مشکبار ہو اٹھا۔

امام علم وفن نے اپنی علمی زندگی کے وہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ ان کے بغیر علم وفن کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی آپ کی کتاب زندگی کے مختلف ابواب ہیں اور ہر باب مختلف فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک فصل کا ذکر کما حقہ کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے کیوں کہ امام علم وفن کی پچاس سالہ خدمات کا دائرہ کسی ایک جہت کو محیط نہیں ہے۔

ہر انسان کے روز مرہ کی زندگی میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ نشیب وفراز انسان کا مقدر ہے۔ لیکن امام علم وفن کی رفعت و بلندی اور علمی عظمتوں کا سورج طلوع ہوا تو پھر غروب نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد و ہر زمانہ میں علمی رعب قائم رہا آپ کبھی اس طور سے مدارس کے محتاج نہیں رہے کہ مہتمم یا منیجر کی خوشنودی کا لحاظ وخیال رکھنا پڑا ہو، ہمیشہ مدارس ہی آپ کے محتاج رہے اور مہتمم ومنیجر کو آپ کی خوشنودی کا طلب گار بن کر رہنا پڑا۔ آپ علم وفن کے افلاک پر شمس وقمر بن کر گردش کرتے رہے، علوم وفنون کی روشنی بکھیرتے رہے۔ جہاں رہے شعبہ تعلیم کا مرکز بن کر رہے، شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے منصب جلیل پر فائز ہو کر تشنگان علوم وفنون کو سیراب کرتے رہے۔

امام علم وفن کی فقاہت:۔ سواد اعظم اہل سنت کے اکابر علماء کی صف اول میں شمار ہونے والے امام علم وفن کی عبقری شخصیت کو جس جہت سے دیکھا جائے، اس میں وہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ فقہ پر آپ کی باضابطہ کوئی تصنیف نہیں، لیکن آپ کے قلمی ذخیروں پر گہری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ آپ کی شہرت اگرچہ منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، عمل بالخطائین، اعمال ستنیہ، زیچ، مثلث کروی، مثلث مسطح، جبر ومقابلہ، علم الاسطرلاب، علم الحساب، علم الربع المجیب، علم لوگا رثم، علم جفر، رمل وتکسیر، علم الابعاد، مناظر ومرایا کے ماہر کی حیثیت سے رہی، لیکن فقہ اور اصول فقہ کے جلوے بھی صاف نظر آئیں گے۔ آپ کی تصنیف 'ٹی، وی کی تحقیق'، کا موضوع اگرچہ فقہ اور اصول فقہ نہیں، مگر اس میں ضمناً اصول فقہ اور فقہ کے ایسے مباحث ہیں جو خاص کسی اصولی اور فقیہ کا حصہ ہیں۔

اعضا کی پیوند کاری کے تعلق سے امام علم وفن کے مقالہ کا یہ اقتباس دیکھئے اور آپ کی فقیہانہ شان کا اندازہ کیجئے۔

''جن چیزوں کے اضاع واہلاک پر بندوں کے لیے حکم عقاب ہے، خواہ آخرت میں بطور وعید یا دنیا میں بطور حدود وقصاص یا بطور ضمان، وہ ساری چیزیں واجب الحفظ ہیں، بنفسہ انکا اہلاک کسی صورت

میں جائز نہیں اور چونکہ مقدمة الواجب واجبة اصول فقہ کا ضابطہ ہے، اس لیے ان چیزوں کے حفظ کا موقوف علیہ عند الشرع بمرتبہ ضرورت ہوتا ہے۔ لھذ احفظ نفس واطراف، حفظ نسب وعصمت، حفظ دین وعقل حفظ مال ومتاع واجب اور جن چیزوں پر ان کا موقوف بمرتبہ ضرورت ہے۔ نفس واطراف واجب الحفظ کے ساتھ ساتھ واجب الاحترام بھی ہیں۔ اس لیے باجازت بھی کسی کو ہلاک کرنا اور زندوں اور مردوں کے عضو کو کاٹ کر جدا کرنا جائز نہیں کہ یہاں حفظ نہیں، بلکہ اضاع واہلاک ہے؛ احترام نہیں، بلکہ اہانت وبے حرمتی ہے جو واجب الحفظ اور محترم بالذات کے منافی ہے،، (تحقیقات ۴۴۴)

الغرض امام علم وفن نے ہند وبیرون ہند کے بہتر ے گنجلک اور پیچیدہ مسائل کو آئینہ کی طرح صاف وشفاف کرکے پیش کیا ہے جن کے شواہد سیکڑوں صفحات پر مشتمل رسائل وجرائد ہیں مگر اس کے باوصف انہیں اپنی تحقیق پہ کبھی بھی ہمہ دانی کا زعم نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ: ع ہمیں آئینہ دکھانا ہے دکھا دیتے ہیں

انہوں نے بے شمار پیچیدہ مسائل کا حل نکالا جس کی نظیر کہیں دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ سب کا ذکر تو مجھ جیسے کوتاہ علم سے ممکن نہیں تاہم چند مثالیں پیش ہیں جو امام علم وفن کے وسعت مطالعہ، دقت نظر اور فقہی مہارت کا بین ثبوت ہے۔

☆ جب یہ مسئلہ چھڑا کہ ۲۷، ۲۸، تاریخ کو رویت ہلال ممکن ہے یا نہیں؟ تو آپ نے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا ۲۷، ۲۸، تاریخ کو رویت ہلال ممکن نہیں ہے۔

☆ بے کٹی پٹی ۱۷ اونٹ کی تقسیم کا واقعہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف منسوب ہے، روایت ودرایت کی روشنی میں اس کی تحقیق انیق بیان فرمائی۔

☆ ٹیلی ویژن اور تصویر کا مسئلہ جب عروج پر چڑھا تو آپ نے دلیل عقلی ونقلی سے عوام وخواص سب کو اس کی حقیقت سے روشناش کرایا۔

☆ شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کے تعلق سے جب عالمی پیمانے پر اختلاف ہوا تو آپ نے روز روشن کی طرح سمت قبلہ کی تعیین کی۔

☆ صدقہ فطر کے تعلق سے آپ کی گراں تحقیق بھی قابل مبارکباد ہے۔

☆ ''لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا شرعی حکم،، یہ بحث بھی علما اور فقہا کے مابین کافی گرم رہی اور اب تک ہے، آپ نے سائنسی تحقیقات اور فقہی جزئیات کی روشنی میں یہ تحقیق پیش کی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا درست نہیں ہے۔

☆ عشاء کا وقت کن کن تاریخوں میں اور کہاں کہاں نہیں آتا، آپ نے اپنی تحقیق پیش کی اور ضابطہ بھی بیان فرمایا۔

☆ ماہ فروری اٹھائیس یا انتیس ہی کو کیوں؟ اس پر آپ نے سیر حاصل گفتگو کی۔

اس کے علاوہ بے شمار ایسے مسائل ہیں کہ جس کا حل نکال کر علماے اہل سنت کو فرض کفایہ کے ترک کے الزام سے بچایا۔

امام علم وفن کی شخصیت تحقیق وجستجو کے جس اعلیٰ مقام پر ہے اس اعتبار سے ان کی فقہی خدمات کی مقدار اگر چہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن چونکہ اہل تحقیق اور ارباب فقہ وفتاویٰ کی نظر میں تحقیقی کارنامے کی اہمیت کمیت سے نہیں، کیفیت سے ہے۔ اس لیے عام قارئین امام علم وفن کی فقہی خدمات سے واقف ہوں یا نہ ہوں، لیکن علما وفقہا نہ صرف واقف ہیں بلکہ ان کی تحقیق انیق سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اور امام علم وفن کی تحقیقات سے اپنی قندیل طلب روشن کرتے ہیں۔

ذہانت ذکاوت:۔ تاریخ گواہ ہے کہ عموماً کوئی انسان کسی فن کا ماہر، عالم، فاضل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ شخص اس فن کے ماہر کے سامنے زانوے ادب تہ کرے، لیکن کمال تو جب ہے کہ انسان صرف اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر کسی فن کا ماہر ہو جائے۔ میری ناقص معلومات کے مطابق اس پچاس سال کے طویل عرصے میں یہ شرف امام علم وفن کو حاصل ہے کہ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر تقریباً تیس علوم وفنون سے زائد نہ صرف سیکھے، بلکہ اس فن کے ماہر وامام نظر آئے وہ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر و مقابلہ، ارثماطیقی، مسطح کروی، زیج، اعمال ستیہ، عمل بالخطائین، مثلث کروی، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب علم لوگارثم، علم جفر، رمل و تکسیر، مناظر و مرایا د، علم الابعاد وغیرہ وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا، ان علوم میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں،، (انٹریو جام نور شمارہ جون ۲۰۰۴ء)

تشنگی کبھی نہیں بجھی:۔ میری تحریر کی بنیاد وہ انٹریو ہے جس کو برادرم مولانا تبریز رضا افقر ابن مولانا عبدالعزیز رضوی نے ۵ رشوال المکرم بروز پیر اس موقع سے لیا تھا جب فقیر راقم السطور اپنی کتاب 'میزان عدل کا تحقیقی جائزہ، پر دعائیہ کلمہ لکھوانے کے لیے حاضر خدمت ہوا تھا۔ برادرم مولانا تبریز رضا افقر نے ایک سوال کیا کہ: آپ نے جتنا بھی علم سیکھا اور سکھایا اس سے علم کی تشنگی بجھی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: شیخ الاسلام علامہ مولانا غلام یٰسین رشیدی اور رئیس اعظم اڑیسہ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن اگر باحیات ہوتے تو پیاس بجھ سکتی تھی، کیوں کہ سیدی وسندی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند کے بعد ان دونوں بزرگوں کو میں نے جس میدان میں اور جس زاویے سے دیکھا اس میں یکتائے روز اور فقید المثال پایا۔ میری آنکھوں نے اپنی حیات میں ان جیسا باعمل و بارعب اور ذی استعداد عالم نہیں دیکھا۔

امام علم وفن اور مفتی اعظم ہند: امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی کے جانشین حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری نوری برکاتی جن کی عظمت و رفعت، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، فکر ونظر، اصابت واصالت، عبادت وریاضت، شرافت وکرامت، صبر ورضا، جود وعطا، خشیت الٰہی، عشق مصطفیٰ اور تصور آخرت کی شان یہ ہو کہ۔

ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر :: متقی بن کر دکھائے اس زمانے میں کوئی

اسی میکدۂ شریعت وطریقت کے فیروزمند بادہ کش کا نام امام علم وفن ہے، جس نے اپنی ہنرمندی سے خوب خوب پیا اور ساقی میکدہ عرفان نے اپنی فیاضی سے پلایا۔ ساقی سخی ہو اور بادہ کش مدتوں سے پیاسا تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے کتنا پلایا اور آپ نے کتنا پیا۔ لیکن یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ بادہ کش نے اتنا پیا کہ وہ خود میکدہ بن گئے اور آج اس میکدہ پر جس زاویے سے نظر ڈالیے میکشوں کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ آپ مفتی اعظم ہند کے دامن کرم سے وابستہ کیا ہوئے کہ آسمان علم وفن کے افق پر سورج بن کر طلوع ہوئے اور لمحہ لمحہ بڑھتے ہوئے نصف النہار تک پہونچے۔

امام علم وفن کو مفتی اعظم ہند سے والہانہ محبت تھی، قلبی لگاؤ تھا جو کام کرتے، سوچتے یہ انہیں کا فیضان ہے۔ میں نے بارہا امام علم وفن سے یہ کہتے سنا کہ: میرے پاس جو کچھ ہے مرشد برحق مفتی اعظم ہند کی عنایت کا صدقہ ہے اگر ان کی نظر عنایت نہ ہوتی تو مجھے احساس زندگی ہوتا نہ شعور علم۔ اسی میخانہ کی صبح وشام کے احوال وکوائف جب ایک مرید صادق بیان کرنے لگتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا کہ علم وفضل کا شہنشاہ زبان وبیان کا صدقہ بانٹ رہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ مرشد برحق کا ذکر یوں کرتے نظر آتے ہیں۔

> ''پھر زمانہ کی آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی ذات مصدر الحسنات، منبع الفیضان اور مرجع الخلائق ہوگئی۔ آپ کی ذات سنت نبویہ کی سمٹی ہوئی کتاب اور آپ کی زندگی اس کی پھیلی ہوئی شرح بن گئی۔ آپ کا قول وکردار، رفتار وگفتار اور لیل ونہار مسلم کے لیے مینارۂ رشد وہدایت اور آپ سے حسن عقیدت، دین وایمان کی علامت ہوگئی؛ اور پھر جب ذکر وفکر، صبر وشکر، عشق وعرفان، ضبط وتحمل، ایثار وتوکل، تسلیم ورضا، خدمت وطاعت، عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، عجز وانکساری اور صدق وصفا آپ کی زیست کی خمیر بن گئی تو آپ مقام غوثیت سے مقام محبوبیت پر فائز کر دیئے گئے۔ دنیا کے علمائے کرام اور ذی وجاہت مشائخ عظام آپ کے جلوہ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ آنکھیں تھیں جو آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتیں۔ قلوب تھے جو آپ کی عقیدت سے شکیب نہیں ہو پاتے۔ زائرین کا حال یہ ہوتا کہ 'اے جلوۂ جاناں ناں دل دیتا ہوں نذرانہ، کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے۔

خیالوں کی دنیا میں آؤ! اور سوچو کہ وہ منظر کتنا دیدہ زیب اور نظر نواز ہوگا جب کوئی ہستی رشد وہدایت کا منبع اور علم وآگہی کا پیکر بن کر پھولوں کے مالاؤں سے سج دھج کر ابوحنیفہ کا علم، عراقی کا تصوف، بایزیدی کا کردار، اور جنید کی گفتار لوگوں میں بانٹ رہی ہوگی۔ اور علما صلحا، مشائخ، اساتذہ، طلبہ اور

عوام اپنی اپنی بساط بھر لوٹ رہے ہوں گے۔

یہ کوئی عالم خیال کی منظر کشی نہیں، بلکہ مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے روز شب ہیں۔ یہ کسی عالم خواب کی عکاسی نہیں، بلکہ حضور مفتی اعظم ہند کی سرکار کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔،، (تحقیقات ص ۴۵۸)

امام علم وفن کی مذکورہ تحریر میں جہاں مفتی اعظم کی زندگی کی صبح وشام واضح ہوتی ہے وہیں امام علم وفن کی سوانح نگاری کی شائستگی، برجستگی اور سادگی بھی نمایاں ہوتی ہے۔

امام علم وفن ہی کی کوششوں سے پہلی بار مفتی اعظم ہند ۱۹۶۲ء میں پورنیہ تشریف لائے۔ مفتی اعظم ہند کی آمد کے موقع سے سہ روزہ پروگرام رکھا گیا، جس میں ہندوستان کے مشاہر علما ومشائخ بھی مدعو تھے۔ بہار میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا پروگرام تھا جس میں شب وروز ۲۴ گھنٹے علما کی تقریریں ہوتی رہتیں اور عوام وخواص ٹس سے مس نہ ہوتے۔

امام علم وفن اور نائب مفتی اعظم ہند: ۱۹۹۵ء کی بات ہے جب میں جامعہ امجدیہ رضویہ میں درجۂ ثالثہ کا طالب علم تھا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر 'شارح بخاری سیمینار' منعقد ہونا تھا۔ آپ گھوسی در دولت پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ استاذ گرامی حضرت مفتی آل مصطفیٰ صاحب کی ہمراہی میں میں حاضر خدمت تھا۔ آپ سے سوال ہوا کہ 'نائب مفتی اعظم' کا خطاب آپ کو کب ملا؟ شارح بخاری نے ارشاد فرمایا: ۱۹۶۲ء میں جنتا ہاٹ آسجہ موبیہ، علاقہ بائسی، ضلع پورنیہ بہار میں تین روزہ عظیم الشان کانفرنس ہوئی تھی، جس میں شرکت کے لئے جانشین اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنّت حضور مفتیٔ اعظم پہلی بار پورنیہ تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے جلوؤں میں ملک کے سرخیل علمائے اہل سنت کا عظیم کارواں موجود تھا، مولانا عبدالعزیز رضوی عرف قبلہ اس میں پیش پیش تھے مولانا عبدالعزیز رضوی عرف قبلہ اور خیر الاذکیا مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی نے میرے نام کے ساتھ نائب مفتی اعظم ہند لکھا، اور جلسہ میں نائب مفتی اعظم ہند کے لفظ سے اعلان بھی کیا۔ اسی دن سے میرے معاصر علما بھی مجھے نائب مفتی اعظم ہند کہنے اور لکھنے لگے۔

۱۹۹۸ء میں، میں الجامعۃ الاشرفیہ میں زیر تعلیم تھا۔ حافظ ملت کے عرس کی تیاری چل رہی تھی، جمعہ کا دن تھا میں میرا قیام عزیزی ہاسٹل روم نمبر ۵۷ میں تھا۔ نماز فجر کے بعد ایک طالب علم نے آکر بتایا کہ: حضرت شارح بخاری آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں جلدی سے حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا: تم چرہ محمد پور فیض آباد دیکھے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! حضرت نے فرمایا: جمعہ کے بعد چلے جاؤ، مگر جمعہ سے پہلے مجھ سے مل لینا۔ میں حسب حکم حاضر خدمت ہوا، تو حضرت نے زادراہ کے ساتھ ایک لفافہ دے کر فرمایا کہ: اس لفافہ میں کیا ہے؟ اس کا علم کسی کو نہیں ہونا چاہیے، یہاں تک کہ تم بھی اس کو نہیں کھولو گے۔ اگر خواجہ صاحب دو تین روز رکنے کہیں تو تم جلدی مت کرنا۔ میں جمعہ کے بعد روانہ ہو کر شام کو چرہ

محمد پور پہونچا اور امام علم وفن کی خدمت میں لفافہ پیش کیا۔ آپ نے لفافہ کھول کر پڑھا اور فرمایا کہ: انشاء اللہ! کل دوپہر تک جواب لکھ دوں گا، تم کل دوپہر بعد جانا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد بند لفافہ میں جواب لے کر مبارکپور شارح بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جواب پڑھ کر آپ نے فرمایا: خواجہ صاحب تمہارے علاقے کے ہیں، لیکن تم لوگ خواجہ صاحب کو نہیں پہچانتے ہو، صرف پورنیہ ہی نہیں، پورے ہندوستان میں خواجہ صاحب کی طرح کا کوئی عالم نہیں ہے۔ حضرت شارح بخاری آج بقید حیات نہیں، خواجہ صاحب بقید حیات ہیں انہیں کو معلوم ہے کہ سوال کیا تھا؟ اور اس کا جواب آپ نے کیا تحریر فرمایا تھا؟ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے مجھ سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ سوال و جواب نہیں پڑھنا ہے اس لیے میں نے سوال و جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

امام علم وفن اور فکر رضا: رضویاتی سطح پر پچھلے پچاس سال کی مذہبی، مسلکی اور مشربی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے مسلک اہل سنت معروف بہ مسلک اعلی حضرت کی ترویج واشاعت اور اس کے فروغ واستحکام میں جن علماے اہل سنت نے تحقیقی کارنامے انجام دیے ہیں، ان میں امام علم وفن کا نام نمایاں ہے۔ خصوصا فکر رضا کے حوالے سے امام علم وفن نے جو تحقیقات پیش کی ہیں، ماضی قریب میں اس کی مثال بہت مشکل ہے۔

اس لیے یہ کہنا بے جا نہیں کہ پچھلے پچاس سالہ رضویاتی خدمات کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ امام علم وفن کی خدمات کا احاطہ نہ کیا جائے۔

☆☆☆☆

امام علم وفن: کی حیات کے چند تابندہ نقوش

مولانا نثار احمد مصباحی، پٹنہ

اس بزم گیتی میں انبیائے کرام اور رسولان عظام کی آمد کا عظیم مقصد بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر گامزن کرنا تھا۔ ے کرام کے بعد نبی آخر الزماں، خاتم پیغمبراں ﷺ کی جلوہ گری ہوئی، اور آپ نے اپنی تعلیمات اور کردار کی پاکیزگی سے ی ہوئی انسانیت کو وقار وافتخار بخشا۔ آپ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب کوئی دوسرا نبی نہیں ۔ اس لئے خدائے قدیر نے امت محمدیہ کی علمی وروحانی رہنمائی کے لئے علماء کرام کی مقدس جماعت کو پیدا فرمایا، ان کے ں میں اپنی خشیت، اپنے محبوب کی محبت اور امت محمدیہ کی دینی خدمت کا جذبہ پیدا فرمایا۔ انہیں باکمال شخصیتوں میں آفتاب و ب بن کر چمکنے والی ذات امام علم فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بھی ہے۔ حضرت خواجہ ب قبلہ علم کے بحر ناپیدا کنار، اسلاف کے پاکیزہ کردار کے آئینہ دار، جہان لوح وقلم کے سلطان اور دین وسنیت کے ترجمان ۔ وہ متعدد علوم وفنون کے ماہر تھے۔ کچھ فنون میں تو آپ کو معاصرین پر برتری حاصل تھی، جس کا سبھوں نے اعتراف کیا۔

ان سارے اوصاف کے ساتھ رضویات کی تعبیر وتفہیم اور تبلیغ وترسیل میں جونمایاں کردار آپ نے ادا کیا اس کی نظیر نہیں حقیقت ہیکہ آپ کی ساری زندگی مسلک اعلحضرت کی ترویج واشاعت میں گذری آپ نے اپنے تحقیقی مقالات سے علمائے رگار اور دانشوران زمانہ کو رضویات کے مطالعہ پر آمادہ کیا اس سلسلے میں آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جو رضویات کو سمجھ لیگا وہ سب کو ھ لیگا گویا رضویات ایک ایسا حسین گلدستہ ہے جس میں علوم وفنون کی تمام رعنائیاں سمٹی ہوئی ہیں، فکر رضا اسلام کے بنیادی اور لمہ عقائد وتعلیمات پر مبنی ہے۔ بایں سبب انہوں نے اپنی تحقیق وتصنیف کا مرکز ومحور رضویات کو بنایا اور اس حوالے سے ایسی روال خدمت انجام دی رضویات کی دنیا علمی ذخائر سے مالا مال ہوگئی۔

امام علم وفن کی یہ جلالت شان تھی کہ آپ نے جہاں قدم رکھ دیا وہیں علم کی بہار آگئی، علم کا دریا موجزن ہوگیا۔ جہاں کچھ تھا ان کے دم قدم سے سب کچھ ہوگیا۔ اور جو کچھ نہ تھا وہ ان سے نسبت حاصل کر کے سب کچھ ہوگیا۔ انہوں نے جدھر کا رخ کر طالبان علوم دینیہ کا قافلہ ادھر ہی چل پڑا جہاں بساط علم بچھا دیا وہیں جامعہ قائم ہوگیا۔ اور جس راہ پر چل پڑے وہی شاہراہ علم

حکمت بن گئی۔ آپ علم و عمل دونوں کے بہترین سنگم اور حسین امتزاج تھے۔ آپ کے قول و فعل میں کسی طرح کا تضاد نہیں
۔ ظاہر و باطن میں مکمل یکسانیت تھی۔ کردار میں کوئی جھول نہیں تھا۔ طبیعت کی نفاست، کردار کی پختگی اور مزاج کی پاکیزگی پوری
زندگی سے ہویدا تھی۔ آپ کی سیرت کا یہ پہلو بھی قابل رشک تھا کہ ان کی بارگاہ کا ہر حاضر باش یہی محسوس کرتا رہا کہ حضرت کی
چاہت و شفقت کا زیادہ حصہ مجھے ہی ملا ہے کوئی دوسرا اس میں میرا شریک و سہیم نہیں ہے۔

یوں تو آپ کی پوری زندگی سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز گونجتی رہی۔ لیکن حالات اور تقاضے کے مطابق
گراں قدر تصنیفی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کے رشحات قلم سے ٹپکنے والا ہر قطرہ دریا کی وسعت اور پنہائی لئے ہوئے
تھا۔ ہر جملہ مکمل ایک کتاب کا متقاضی تھا۔ آپ کی تصنیف معلومات کا بیش بہا خزانہ، علوم و فنون کا گنجینہ، فن تحقیق کا اعلیٰ نمونہ
ہے۔ علم توقیت، رمل، جفر، لوگارثم، ہیئت وغیرہ چند ایسے علوم و فنون ہیں جن میں آپ علمائے کرام کے مرجع تھے۔ مقام مسرت
ہے کہ آپ کے بعد علمی جانشیں کی حیثیت سے فقیہ النفس مناظر اہل سنت حضرت مفتی مطیع الرحمن رضوی کو آپ نے اپنا علمی یادگار
نمونہ چھوڑا ہے۔ خدائے تعالیٰ خواجہ صاحب کے درجات کو بلند فرما کر جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ اور ان کے مشن کو آگے
بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن کا تعلیمی دور

مولانا شکیل احمد مصباحی کلیان

اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر باران فضل وکرم فرمانا چاہتا ہے تو اسے نور علم سے منور کردیتا ہے تاکہ وہ اپنے علم کی روشنی سے تاریک گوشوں کو درخشاں کردے اور ہر طرف دین کی روشنی پھیلائے۔

ہندوستان بڑی مردم خیز زمین ہے جس میں بے شمار علماء، فضلاء، مشائخ اور دانشور پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علم و حکمت کی درخشندگی سے سارے خطہ کو تاباں و درخشاں کردیا۔ انہیں پاکیزہ نفوس اور ارباب علم وحکمت میں امام علم وفن کی ذات بھی شامل ہے جس نے اپنی علمی تمکنت اور فنی جاہ وجلال سے اہل علم وشعور کو متحیر کردیا۔ کیوں کہ اپنی بے پناہ خداداد صلاحیت و ذہانت اور گیر مطالعہ سے مظہر اعلیٰ حضرت، ا،وران کے علوم فنون کے تنہا وارث ہو گئے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے وہ نادر علوم فنون جواب 'آثار قدیمہ' بننے کے منتظر ہیں اور قصۂ پارینہ بنتے جارہے ہیں ابھی امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کے سینہ میں درخشاں ہیں۔

امام علم وفن اس عہد کے یکتائے روزگار و دانائے اسرار ہیں بلکہ کائنات علم وفن کے حقیقی تاجدار ہیں، توبرصغیر میں ان کی مثال اور نہ عالم اسلام میں ان کی نظیر۔ وہ ایک جوہر فرد ہیں، عہد حاضر خصوصاً ہندی علماو دانشور، ان کی ذات پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ ایسے نازش روزگار جن کی گفتگو میں علم وحکمت کے ہزاروں گوشے، اور ایسا صاحب قلم جو ماہ ونجوم پر فکر ونظر کی کمندیں ڈالتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ امام احمد رضا قدس سرہ کے روحانی فیض، حضور مفتی اعظم کا بے پناہ کرم اور اساتذہ کرام کی تعلیم و تربیت کا ثمرہ ہے۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین مدظلہ حصول علم و اکتساب فن کی مدت کو تین ادوار میں محصور کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور والد محترم کی آغوش محبت میں:۔ والد گرامی حضرت مولانا خواجہ زین الدین کا اپنے عہد کے جید و ممتاز علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ان کی علمی وفنی شخصیت کی اہل علم وفضل میں شناخت تھی۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ وہ اپنے دور کے علمائے پورنیہ

کے درمیان سالار کارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ دوسرے فنون کے ساتھ انھیں علم ریاضی کا بڑا ذوق تھا۔ امام علم وفن کے علم ریاضی سے شغف میں پدر محترم کے اس ذوق کا بھی اثر رہا۔

امام علم وفن مولانا خواجہ مظفر حسین قبلہ کا بچپن بڑا دردناک ہے کہ وہ ایام طفولیت ہی میں ماں جیسی محبت بھری ہستی کے سایۂ محبت سے محروم ہو چکے تھے پھر جب ان کے ہوش وخرد جاگے تو ان کی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا ہوئی پھر مولانا خواجہ زین الدین انہیں ہمراہ لے کر 'مدرسہ اساقت رحمت' محمدیہ اسٹیٹ، پورنیہ پہونچے اور اسی مدرسہ میں داخلہ کرایا جس میں وہ خود اعلیٰ تعلیمی فرائض انجام دے رہے تھے۔ والد گرامی کے زیر شفقت خوشگوار ماحول ملا اور اسی ماحول میں امام علم وفن کی ذہنی وعلمی نشو ونما کا آغاز ہوا۔

اس ادارہ میں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین قبلہ از ابتدا تا شرح جامی ساری کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، ان عربی درسیات کے ساتھ فارسی زبان وادب کی کتابیں گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، بہار دانش، انوار سہیلی، دیوان حافظ، قصائد عرفی اور غزلیات نظیری زیر درس رہیں۔

مولانا خواجہ زین الدین کے پاس علم فرائض سے متعلق آئے ہوئے سوالوں کے جواب وہ اپنے نور نظر سے نقل کراتے اور یہ سلسلہ نقل اس قدر مفید ثابت ہوا کہ خود خواجہ مظفر حسین علم فرائض کے ماہر ہو گئے۔

غرض کہ بنیادی تعلیم وتربیت اور شعوری ارتقاء یہ والد محترم کی دین اور امام علم وفن کی تعمیر شخصیت انہیں کی رہین منت ہے امام علم وفن کا علمی تجلیوں سے بہرور ہونے کا یہ پہلا دور تھا جو ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک پھیلا ہوا ہے۔

دوسرا دور:۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کی شکل میں کٹیہار کی دھرتی پر ایک عظیم دانش کدہ وتربیت گاہ قائم ہو چکی تھی جس کے وجود سے گویا سنیت کی رگوں میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور پوری آبادی خود اعتمادی کے جلوؤں میں نہا گئی جیسے نمود صبح سے بام و در اور سطح زمیں روشن ہونے لگتی ہے۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں ملک العلما مولانا سید ظفر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وشیخ المعقولات حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری کی تشریف آوری وجہ شہرت بن گئی۔ ان دونوں جلیل القدر علما نے اسے ایسی شہرت کی بلندی عطا کی کہ جہاں دوسرے اداروں کو اس بلندی پر پہونچنے میں برسہا برس درکار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کا خوابیدہ مقدر بیدار ہوا قسمت نے یاوری کی کہ دیوبندی ماحول سے نکل کر بحر العلوم میں داخلہ لیا۔ جامعہ میں علمی ماحول تھا اور پاکیزہ تربیت۔ خوشگوار فضا تھی اور اساتذۂ کرام کا فیضان جاری۔ آپ نے خود کو اس میں ضم کر لیا۔

حضرت خواجہ صاحب جامعہ لطیفیہ کے دیگر اساتذۂ کرام سے بھی فیضیاب ہوئے مگر جن دو معتبر و مستند ہستی نے انہیں علمی کمال کی بلندی تک پہونچا دیا وہ امام احمد رضا قدس سرہ کے تلمیذ رشید ان کے علم وحکمت کے پاسبان، ان کے علوم وفنون

کے ترجمان، ملک العلما مولانا سید ظفر الدین کی ذات پاک تھی اور شیخ المعقولات حضرت مولانا سلیمان بھاگلپوری تھے۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنی چار سالہ زندگی انہیں دونوں مقتدر ہستیوں کی تعلیم و تربیت کی گھنی چھاؤں میں گزاری اس طویل مدت کا ایک ایک لمحہ انہوں نے حصول علم میں صرف کیا۔ ذہانت تھی اور علمی تشنگی لہٰذا چشمۂ علم وحکمت سے جی بھر کے سیراب ہوتے رہے۔

چنانچہ انہیں دونوں فاضل روزگار سے فلسفہ و منطق کی منتہی کتابیں پڑھیں، تفسیر وحدیث اور علم کلام کا درس لیا، بالخصوص ملک العلما سے علم ہیئت و توقیت سیکھے اور وہ نادر فنون جو انہیں امام احمد رضا قدس سرہ سے حاصل ہوئے، امام علم فن حضرت خواجہ مظفر حسین ان سے بھی آشنا ہوئے۔

تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے بس اتنا کہہ کر گزرجانا چاہتا ہوں کہ مولانا خواجہ زین الدین سے اپنے فرزند ارجمند کی علمی وفنی شخصیت کی تعمیر جو نامکمل رہ گئی اسے حضرت ملک العلما نے مکمل کردی، انقلاب ہستی کے لئے ساقی کا ایک جام کافی ہوتا ہے اور یہ مدت ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۷۴ھ تک پھیلی ہوئی۔

تیسرا دور:۔ حضرت خواجہ صاحب 'بحرالعلوم' سے سیراب ہوکر بریلی شریف پہونچے اور دارالعلو مظہر اسلام بریلی شریف کے دورۂ حدیث میں داخل درس ہوئے اس دور میں مظہر اسلام کی بڑی شہرت تھی مشاہیر علمائے کرام جلوہ فگن تھے جو مسند تدریس پر فکر وفن کے گوہر اور علم وحکمت کے خزانے لٹارہے تھے۔

شیخ الادب حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی، شیخ الحدیث حضرت مولانا ثناء اللہ مئو، حضرت مولانا معین الدین خان اعظمی، حضرت مولانا مفتی شریف الحق وغیرھم یہ سارے اس وقت مظہر اسلام کے اساتذہ تھے۔

حضرت خواجہ صاحب نے کم وبیش ان تمام اساتذہ کرام سے اکتساب علم وفن کیا اور یہ ۱۳۷۴ھ تا ۱۳۷۷ھ کا زمانہ ہے۔

xxxxxxxxxxxx

امام علم وفن: اوران کے چند خلفا

مولانا محمد اظہار النبی حسینی مصباحی بیلا ضلع دھنوشا (نیپال)

خیر الاذکیا، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ آپ عہد حاضر میں اکثر علوم رضا کے تنہا وارث وامین تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی دینی وعلمی خدمات انجام دیں خدائے تعالی اسے قبول فرمائے اوراس کا بھرپور صلہ انہیں عطا فرمائے۔ آپ نے شجر اسلام کی آبیاری کیلئے درس وتدریس سے مسلک روز اہلسنت وجماعت کو قابل فخر علما وفضلا عطا فرمائے، وہیں بزم رشد وہدایت کی شمع کو روشن رکھنے اوراس کی روشنی کو دور دور تک پھیلانے کے لئے چند اصحاب علم وفن کو بعض مخصوص حالات کے تحت اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی، اگرچہ آپ نے پیری مریدی کا سلسلہ قائم نہ کیا۔ مگر جو حضرات بھی آپ کے فیضان طریقت سے فیضیاب ہوئے ان میں سے چند شخصیات کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت خواجہ صاحب سے اکتساب کیا اور آج بھی ان کے مشن کی تبلیغ میں مصروف عمل ہیں۔

قاضی مہاراشٹر مفتی محمد اشرف رضا قادری

آپ کی ولادت صوبہ بہار کے مشہور ومعروف مردم خیز خطہ ضلع سیتا مڑھی کے موضع ''باتھ اصلی'' میں حضرت علامہ مفتی رحیم بخش قادری تلمیذ رشید وخلیفۂ اجل امام اہلسنت اعلی حضرت بریلوی کے خاندان میں غالباً ۱۹۶۰ء میں ہوئی اور وہیں آپ نے نشو نما پائی۔ گاؤں سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ دار العلوم اسحاقیہ جودھپور اور الجامعۃ الاشرفیہ مین تعلیم حاصل کی ۱۹۸۴ میں یہیں سے آپ کی فراغت ہوئی۔ مختلف مدارس سے ہوتے ہوئے ادارہ شرعیہ پٹنہ میں افتا وقضا کی خدمت پر مامور ہوئے پھر اس کے بعد پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے مشورے سے ممبئی منتقل ہوگئے۔ مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان سے شرف بیعت حاصل ہے جبکہ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں جانشین مفتی اعظم ہند بریلی شریف، حضرت علامہ الحاج تحسین رضا خاں ہیں، حضرت علامہ مفتی عبد الحلیم صاحب قبلہ اشرفی، حضرت علامہ مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی، حضرت علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی اور امام علم وفن حضرت

خواجہ مظفر حسین رضوی سے خلافت واجازت حاصل ہے۔آپ نے مختلف موضوعات پہ کتابیں اور رسائل بھی تالیف فرمائیں جن میں سے بعض یہ ہیں: القول الاشرف، فتاوی برکات مصطفی، فوائد قادریہ، اشرف الفتاوی (غیر مطبوعہ) معراج مصطفی، مناقب غوث الوری مناقب غریب نواز، ذکر مفتی اعظم، تذکرۃ الاخیار۔آپ ابھی ممبئی میں دین سنیت کی خدمت میں مصروف ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔آمین

مفتی قاضی شهید عالم رضوی

آپ کی ولادت کی تاریخ معلوم نہیں، ابتدائی تعلیم شیتل پور تھانہ بارسوئی میں حاصل کی بعدہ مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر کلبیار میں فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ شمس العلوم گھوسی میں داخلہ لیا اور درجۂ اولی مکمل کیا پھر متوسطات کیلئے فیض العلوم گوہنہ محمد آباد میں داخلہ لیا اور ثانیہ تا سادسہ کی تعلیم مکمل کی، پھر منتہی درجات کیلئے دار العلوم غریب نواز، الہ آباد کا انتخاب کیا جہاں امام علم وفن، علم وفن کے جوہر لٹا رہے تھے۔دار العلوم ہذا میں آپنے فضیلت کی تحصیل، کی اور ۱۹۱۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔آپ کے اساتذہ کرام (۱) مفتی شفیق احمد شریفی (۲) امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی (۳) علامہ محمد احمد مصباحی (۴) علامہ نصر اللہ رضوی (۵) مولانا عارف اللہ فیضی جیسی عظیم شخصیتوں کا نام نامی آتا ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریسی خدمت انجام دی یہیں حضرت خواجہ صاحب سے اکتساب فیض کا بھرپور موقع ملا۔۱۹۹۷ء میں مدرسہ عالیہ قادریہ کو خیر آباد کہہ کر مرکز عشق ومحبت مولانا اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے جامعہ نوریہ رضویہ تشریف لائے اور تادم تحریر اس جامعہ میں استاذ وصدر مفتی کے منصب پر فائز ہیں۔اس کے علاوہ مجلس شرعی فقہی سیمناروں میں شریک ہوتے ہیں۔قطب عالم حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ الرحمٰن سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔صدر العلماء حضرت علامہ تحسین رضا خاں علیہ الرحمۃ الحنان اور حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں ازہری سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی تحریری اجازت وخلافت بھی حاصل ہے۔جب کہ بدایوں کے زمانہ تدریس میں امام علم وفن نے آپکو سلسلہ قادریہ رضویہ اور دیگر سلاسل اور اوراد ووظائف کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ تحقیقی مزاج کے مالک، ہیں، اب تک سینکڑوں فتاوے اور بیس سے زائد تحقیقی مقالات ومضامین تحریر کر چکے ہیں۔امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی مشہور ومعروف تصنیف ''کشف العلہ عن سمت القبلہ'' کی ترتیب اور تحقیق وتحشیہ کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔اسی کتاب کے ساتھ اس فن سے متعلق فنی اصطلاحات پر مشتمل ایک رسالہ بھی تحریر کیا جو کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ابھی اعلیٰ حضرت کا فارسی رسالہ ''المانع المجلی'' کا ترجمہ کر رہے ہیں۔خدائے تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔اور رضویات کا خوب سے خوب تر کام لے۔

ضلع پورنیہ کے پلہاڑی نامی گاؤں میں ۱۹۷۴ء کو آپکی ولادت ہوئی، منشی عبدالمبین بانسباڑی باکسی، علامہ حبیب الرحمٰن ومنشی عبدالمجید، مولانا طاہر حسین، مفتی حسن منظر قدیری، علامہ شمس الدین، علامہ الحاج خلیل، حضرت مولانا رحمت اللہ، مفتی جلال الدین امجدی، مفتی ایوب مظہر، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمان اور مفتی قاضی شہید عالم رضوی سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۹۰ میں فراغت ہوئی۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ میں معین المدرسین کی حیثیت سے تقرری ہوئی پھر مختلف مدارس سے ہوتے ہوئے مدرسہ دینیات تعلیم القرآن تلہر شاہ جہاں پور پہنچے وہاں شعبۂ عالیہ کی تدریس اور ساتھ ہی فتوی نویسی کی ذمہ داری سپرد ہوئی اور غالبا ابھی تک آپ وہیں سے وابستہ ہیں۔

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم العالیہ سے شرف بیعت حاصل ہے اور امام علم وفن نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ اور دیگر سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی اوراد وظائف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

محمد مختار الحسن بغدادی

آپ کی ولادت ۱۳۹۰ھ میں قادری منزل، براؤں شریف، سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی۔ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ رضوی۔ مدظلہ، حضرت علامہ قاری احمد ضیاء صاحب قبلہ ازہری، حضرت علامہ محمد عیسیٰ صاحب قبلہ رضوی مدظلہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ یہاں تکمیل تعلیم کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے وہاں پروفیسر ڈاکٹر رشید العبیدی (الشخصیۃ العلمیۃ فی العراق)، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرسول الدوری، پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد الشحاذ سے خوب استفادہ کیا۔ صدام یونیورسٹی، بغداد شریف، عراق سے آپ کو گولڈ مڈل بھی ملا اس کے علاوہ متعدد ایوارڈ عراق کے مختلف وزراء سے آپ نے پائے۔ فراغت کے بعد آپ وطن واپس آئے دارالعلوم اہلسنت نورالحق، چرہ محمد پور، فیض آباد، دارالعلوم مدینۃ العربیہ، قصبہ دوست پور، سلطانپور، یوپی میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ابھی دارالعلوم نورالحق چرہ سے وابستہ ہیں

آپ کو تحریر وتقریر سے بھی شغف ہے چنانچہ آپ کی قلمی یادگاروں میں (۱) خانقاہی نظام کا شرعی حکم (۲) سیر الانبیاء (۳رجلدیں) (۳) بدعت کا اسلامی مفہوم، تردید اشاعت صلح کلیت بنام تحقیق حدیث افتراق امت۔ الجعل والخلق فی القرآن الکریم، عربی ، ونحوا)،، (۷) البلاغۃ المیسرۃ (۸) شرح المطالب فی مبحث أبی طالب (تعریب وتخریج) ۹) تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ، راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء (۱۱) الاسعاف الی ماجری بین الأشعریۃ والماتریدیۃ من الخلاف خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ نے آپ کو اجازت درسند حدیث، ودر جملہ وظائف ومعمولات رضویہ سے سرفراز فرمایا۔ ساتھ ہی امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ نے بھی اجازت درجملہ علوم عقلیہ ونقلیہ وتمغۂ خلافت عطا فرمایا۔

مولانا احسان دانش رضوی

آپ کی ولادت ۱۹۵۵ء میں ضلع پورنیہ، قصبہ بائسی کے ''بہریہ'' نامی گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض العلوم المسلمین، بائسی میں ہوئی، پھر (۱) محبوب العلماء علامہ محبوب عالم علیہ الرحمۃ الاکرم (۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا معین الدین گھوسی علیہ الرحمۃ القوی (۳) مفتی ایوب مظہر علیہ الرحمۃ الاطہر (۴) امام علم وفن خواجہ مظفر حسین (۵) مفتی زین العابدین گونڈہ (۶) قاری محمد شبیر صاحب بارہ بنکی وغیرہ سے علمی استفادہ کیا۔ خلافت کے بعد آپ نے اپنی پوری زندگی مسلک اہل سنت و جماعت مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کر رکھی ہے چناں چہ آپ فراغت کے بعد سے اب تک تقریر وخطابت اور تدریس کے ذریعے خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ راج محل کے سنیوں کے ایمان وعقائد کی حفاظت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ تقریباً ۳۷ سالوں سے راج محل میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۷۱ء میں سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ المنان کی سلطان پور تشریف آوری ہوئی تو اس وقت آپ ان کے دست حق پرست پر داخل سلسلہ ہوئے اور اسی سال ۲۰۱۳ء میں راج محل میں منعقد عرس قادری کے موقع پر امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ نے آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد یونس ظہور قادری

آپ کی ولادت ۱۳۹۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۷۱ء بروز پیر اندورٹھ کالی کوٹ ضلع راجوری کشمیر میں ہوئی۔ ابتداءً دنیاوی تعلیم حاصل کی، پھر مولانا غلام محی الدین قادری، شیخ القرا قاری احمد جمال اعظمی، مفتی سلیمان صاحب، مفتی ممتاز احمد صاحب، مولانا یامین صاحب، شیخ الحدیث مفتی طریق اللہ رحمۃ اللہ علیہ، جامع معقول ومنقول علامہ ہاشم صاحب، اور مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے اور مدرسہ فیض القرآن، جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور دارالعلوم اشفاقیہ کے علمی فضاؤں میں تکمیل علم کیا۔ مولانا محمد الیاس عطار قادری دام ظلہ العالی بریلی تشریف لائے اس وقت ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور شجرہ حاصل کیا۔ آپ کو متعدد شخصیتوں نے خلافت واجازت دی جن میں امام علم وفن خیرالاذکیاء حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی کا اسم گرامی بھی ہے۔

مولانا محمد محبوب عالم برکاتی

آپ کی ولادت ۱۲/اپریل ۱۹۶۵ء کو صوبہ بہار کے سرسبز وشاداب ضلع کٹیہار کے ایک قصبہ جوراجرا سوناپور میں ہوئی۔ تعلیم کا آغاز گاؤں سے ہی ہوا۔ پھر الجامعۃ الاشرفیہ کنواں چوراسی میں ثالثہ، دارالعلوم تدریس العلوم بسڈیلہ مین رابعہ، جامعہ لطفیہ بحرالعلوم کٹیہار میں خامسہ وسادسہ کی تعلیم حاصل کی اور اپنے اس تعلیمی سفر کا اختتام مدرسہ عالیہ قادریہ، بداویوں شریف میں کیا جہاں آپ نے امام علم وفن اور دیگر ماہر علوم وفنون سے دولت علم حاصل کی اور ۱۹۸۸ء میں سند ودستار فضیلت سے نوازے گئے۔ بعد فراغت دین ومسلک کی خدمت کیلئے میدان تدریس میں قدم رکھا اور مدرسہ عالیہ قادریہ سے

منسلک ہو گئے چوں کہ امام علم وفن کی مقناطیسی شخصیت مدرسہ میں جلوہ افروز تھی تو آپ موقع غنیمت جان کر خصوصی استفادے بھی کئے ۔صوفئی باصفا عارف باللہ حضور احسن العلماء حضرت علامہ سید مصطفی حیدر حسن علیہ الرحمہ سے مارہرہ مطہرہ میں ۱۹۹۴ء شرف بیعت حاصل کیا جب کہ ۲۰۱۲ء میں وارث علوم رضا امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ العالی نے جملہ سلاسل اور اوراد وظائف کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

محمد حبیب الرحمن نعمانی

مولانا محمد مطیع اللہ کی ولادت ۹ رجنوری ر ۱۹۸۷ کو کبرا، بچھوکھری بازار ،ضلع :سنت کبیر نگر، یوپی میں ہوئی ۔والد گرامی حضرت علامہ مولانا محمد مطیع اللہ نوری نائب پرنسپل ، دارالعلوم اشاعت الاسلام ، پرتاول بازار، مہراج گنج، یوپی اور امام علم وفن وارث علوم رضا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی، شیخ الحدیث ، دارالعلوم نور الحق ، چرہ محمد پور، فیض آباد ، یوپی سے خصوصی تعلیم حاصل کی ، پھر حضرت امام علم وفن ہی نے اجازت وخلافت سے نوازا۔آپ باصلاحیت عالم دین ہیں علم ہیئت سے بھی شغف ہے "تحقیق شرح رسالہ قوشجی از علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی آپ کی علمی یادگار ہے۔

مولانا محمد حسان ملک نوری

آپ کی ولادت ممبئ میں جولائی ۱۹۸۴ء کو ہوئی ، ابتدائی تعلیم کے لئے اردو میڈیم اسکول میں آپ کا داخلہ کرایا گیا جہاں آپ نے دو درجہ تک اردو کی تعلیم پائی پھر آپ نے دینی تعلیم کے لئے مدرسہ نوریہ اہل سنت فیض الرسول چھپرا اور مدرسہ رضویہ اہل سنت بدر الاسلام انا پار بہریا حسین آباد ضلع بلرام پور میں رہ کر اپنے مرشد گرامی حضرت علامہ ومولانا مفتی کوثر حسین صاحب قبلہ اور اپنے عم محترم حضرت علامہ ومولانا مفتی اسرار احمد صاحب قبلہ سے ناظرہ تا شرح جامی نیز تہافت الفلاسفہ کے چند اسباق کی تعلیم پائی ، پھر اعلی تعلیم کیلئے دارالعلوم نور الحق ، چرہ محمد پور، فیض آباد کا رخ کیا اور استاذ مطلق امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی بارگاہ پر فیض سے خصوصی استفادہ کیا۔خواجہ علم وفن سے آپ نے صحیح البخاری شریف ،تصریح اور میبذی درسگاہ میں پڑھی اور خصوصی استفادے کے طور پر رسالہ میر زاہد، توقیت ، استخراج سمت قبلہ، علم مساحت اور علم میراث کی تحصیل کی ۔ دارالعلوم چرہ محمد پور میں دو سال جماعت سابعہ وفضیلت کی تعلیم پائی اور ۲۱ ر ربیع الاول شریف ۱۴۳۳ھ بموقع جشن عید میلاد النبی وجشن دستار فضیلت ، علماء ومشائخ کی موجودگی میں آپ کے سر پر دستار فضیلت کی سند عطا کی گئی ۔ دین وسنت کی خدمت مئیں مخلصانہ کوششیں آپ کی زندگی کا مشن ہے خدائے تعالی انہیں سلامت رکھے اور دین کی خدمتیں لیتا رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن چمنی بازار شریف میں

مولانا ابوالمحاسن صبغۃ اللہ رشیدی مدرسہ فیض عام پھر پانی پورنیہ

بقیۃ السلف عمدۃ الخلف، نابغۂ روزگار، منفرد و بے مثال، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ رضوی مدظلہ النورانی کی علمی فنی اور تعلیمی شخصیت عصر حاضر میں علماء کے مابین بہت بلند تھی۔ قدیم علوم کی وراثت حضرت علامہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات اقدس سے مکمل طور پر آپ تک منتقل ہوئی تھی، اس لئے آپ علم وفن کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے۔ تعلیم و تعلم میں اوقات صرف کرنا، شاگردوں میں علوم وفنون کا ملکہ پیدا کرنا آپ کی نمایاں خصوصیت تھی، ہند و بیرونی ہند آپ کے بیشتر نامور شاگرد ہیں جو مختلف درسگاہوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ انہی قابلیت اور لیاقت کی بنیاد پر آپ دینی و دنیاوی علوم کے بیشتر شعبوں میں پورا درک رکھتے تھے۔ جن فقہی سیمناروں میں نو پید مسائل حل کئے جاتے ہیں اور فنی گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں آپ کی شرکت ضروری اور لازمی سمجھی جاتی رہی۔ آپ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ علم کی آبیاری میں صرف فرمایا۔ آپ نے کئی خانقاہی مدارس میں بھی تعلیم دی۔ خانقاہ مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار، خانقاہ علویہ براؤں شریف، خانقاہ رضویہ بریلی شریف، خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف اور خانقاہ قادریہ بدایوں شریف جیسی مقدس جگہوں میں پڑھایا۔ آپ کو اگرچہ حضور مفتی اعظم ہند سے خلافت واجازت حاصل تھی اور طالبان بیعت نے آپ سے بیعت کی خواہش بھی کی مگر اس سے ہمیشہ گریزاں رہے البتہ اس خیال سے کہ سلسلہ منقطع نہ ہوجائے چند حضرات کو خلافت واجازت ضرور عطا فرمادی۔

آپ کو تمام سلاسل کے بزرگوں سے یکساں عقیدت ومحبت تھی۔ جب بھی کسی بزرگ کا تذکرہ ہوتا آپ والہانہ انداز میں تذکرہ فرماتے۔ ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان اور سراپا عشق ومحبت کا پیکر بن کر بولتے۔ مارچ ۲۰۱۳ء کو فقیر نے آپ کے دولت کدہ پر ملاقات کی میرے ساتھ میرے ہم زلف مفتی ایوب مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے جناب روح الامین بھی موجود تھے۔ انہوں نے ہماری گفتگو کو اپنے موبائل میں مقید کرلیا۔ دوران گفتگو فقیر نے زعیم العلماء عارف باللہ واقف اسرار حقیقت حضرت علامہ شاہ غلام محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ درگاہ شریف چمنی بازار کا ذکر کیا تو سراپا مؤدب ومہذب اور عشق ووفا کا پیکر بن کر آپ کی شخصیت پر یوں رطب اللسان ہوئے۔

"جب میں ان کو نہیں جانتا تھا تو ان کا نام سن کر سمجھتا تھا کہ ہوگا کوئی دفالی مولوی جو عوام میں عزت وشہرت کی دفلیاں

درگاہ شریف چمنی بازار میں تین سالہ تدریسی خدمات انجام دیں اور دارالعلوم مصطفائیہ کے قریب سے جانا اور ان کو قریب سے جانا ہے لیکن جب میں ان کو قریب سے جانا بہار و بنگال اور یوپی تو کیا؟ ہندوستان کے بیشار کا موقع ملا تو پہچانا کہ ان کی علمی، عملی، عرفانی شخصیت کس درجہ بلند تھی۔ بہار و بنگال اور یوپی تو کیا؟ ہندوستان کے بیشار علماء وفضلاء صوفیا سے میری ملاقات ہوئی مگر ان کی منفرد حیثیت تھی۔ وہ تمام مروجہ علوم میں ممتاز تھے۔ تصوف میں بڑے باکمال، فقہ میں بے مثال، نحو، صرف، منطق، فلسفہ سب میں یکتائے روزگار، علم بڑا مستحضر تھا۔ جس کتاب کو پڑھے دس سال ہو گئے حرف بہ حرف اس کے مسائل یاد۔ آپ کو خداداد صلاحیت تھی۔ کسی لفظ کی تشریح حسین پیرائے اور دلنشیں انداز میں فرماتے اور اس قدر معانی اور نکات بیان فرماتے کہ علماء ان توضیحات پر دنگ رہ جاتے اور یہ سوچتے کہ یہ کتابی باتیں ہیں یا کچھ اور۔ اور جب وہ باتیں کتابوں اور لغتوں سے ملائی جاتی تو حرف بحرف صحیح ثابت ہوتیں۔ آپ کو جس شخص میں قابلیت نظر آتی تھی ان پر حد درجہ شفقت اور انتہائی پیار فرماتے تھے لیکن جس میں قابلیت نہ ہوتی ان سے بات کر کے وقت ضائع کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ مجھ پر تو بے انتہا شفقت فرماتے۔ ایک بار فرمایا: خواجہ صاحب! ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان کے علماء آپ پر حسد کریں گے مگر افسوس کہ اس وقت ہم نہیں رہیں گے۔ ان کی ذات کیا تھی؟ ہمارے علاقے لوگوں نے پہچانا ہی نہیں بڑے کمال شخص تھے صحیح بات تو یہ ہیکہ آپ پورے ہندوستان میں باکمال تھے۔ آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا مگر یہ گمنام بن کر رہ گئے، بوریائے بے ریائی میں رہے، حد تو یہ ہے کہ سلسلۂ رشیدیہ کے علماء نے بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ وجہ یہ تھی کہ علمی جلال ورعب ایسا تھا کہ ان سے ہم کلامی کی جرأت کسی کو تھی ہی نہیں کیوں کہ چہرے میں شریعت کی جھلک اور باتوں میں طریقت کا وہ اثر تھا کہ وقت کا حاکم بھی سرنگوں ہو جاتا، کیا مجال کہ کوئی آپ کی آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرے۔ آپ جس میں، جہاں، جیسی خامی دیکھتے بروقت اس کی سرزنش فرما دیتے، یہی وجہ ہے کہ علماء مجلس وعظ ونصیحت میں بھی آپ کے قریب بیٹھنے سے گھبراتے۔

فقیر نے عرض کیا: حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب مدظلہ النورانی کے تعلق سے آپکا کیا خیال ہے؟ ارشاد ہوا!۔ الحمد للہ ہمارے بہار میں دو آدمی سے ہم متاثر ہیں ایک مفتی عبید الرحمن صاحب قبلہ دوسرے مفتی مطیع الرحمن پھر اس کے بعد مولانا ایوب مظہر و مولانا مفتی حسن منظر۔

اس پر فقیر نے عرض کیا: مگر مفتی مطیع الرحمن صاحب پر تو اس وقت کچھ لوگ ضرب کاری کرنے لگے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ: سنئے! کہیں تو اس قسم کی باتیں واقعیت پر مبنی ہوتی ہیں اور کہیں حسد و بغض پر مبنی۔ آپ ہمارے مخلص ہیں تو کہیں گے بہت اچھے آدمی ہیں اور کوئی میرا مخالف ہے تو کہے گا بہت خراب آدمی ہے۔ دنیا میں کسی کی شخصیت کے تعلق سے سب کا تاثر اچھا نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دیکھئے، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دیکھئے کہ خود ان کے گھر کے لوگ مخالف تھے، اس لئے ہم کسی کی بات کو سنتے ہیں تو اثر نہیں لیتے ہیں کہ لوگ ویسے ہی بولتے رہتے ہیں

پھر فقیر نے عرض کیا:۔ مفتی ایوب مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپکے شاگرد ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ:

اخص الخاص شاگرد ہیں، جب میں چمنی بازار شریف میں پڑھاتا تھا اچھے پور کے مولانا عبدالرحمن صاحب جو ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھے ہیں، میرے ساتھی اور دوست تھے۔ آپ کے والد مولانا غلام عبدالقادر صاحب بھی تھے مگر وہ مجھ سے عمر میں چھوٹے اور جماعت میں بھی نیچے تھے۔ مولانا ایوب کو میں اس وقت تک نہیں جانتا تھا مگر وہ چمنی بازار شریف میں اپنا داخلہ کے لئے مولانا عبدالرحمن صاحب کا میرے نام شفارشی خط لایا تھا۔ ناظم صاحب نے طلباء کی کثرت کی وجہ سے داخلہ نہیں لیا تو مجھے بڑا دکھ ہوا اور میں نے کہلا دیا کہ اس بچہ کا داخلہ نہیں ہوا تو مجھے مستعفی سمجھئے۔ یہ خبر عارف باللہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچی؛ تو آپ نے مجھے طلب کر کے فرمایا: خواجہ صاحب! وہ کون لڑکا ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں! مولانا ایوب حاضر ہوئے تو آپ نے استفسار فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ہدایۃ النحو ۔اس وقت آپ کے سامنے شرح جامی رکھی تھی ،فرمایا :اسے کھولو۔ ایک جگہ سے عبارت پڑھوائی۔ مولوی ،مولانا عبدالرحمن صاحب سے پڑھ کے آیا تھا، عبارت خوانی اچھی تھی۔ اس لئے عبارت صحیح پڑھ دی۔ اس عبارت میں ایک جگہ لفظ "فا" تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ "فا" کونسا ہے؟ مولوی ایوب نے عرض کیا: یہ "فا" برائے تفریع ہے۔ جواب سن کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خوش ہوگئے اور ارشاد فرمایا: اس بچہ کا داخلہ میں نے لیا، مولانا عبد الرشید سے کہہ دو کہ انتظام نہ ہو سکے تو تمام بچوں کو نکال دے مگر یہ بچہ رہے گا۔ یہ یتیم خانہ نہیں ہے کہ صرف بھیڑ جمع ہو، یہ مدرسہ ہے، پڑھنے والے بچے رہیں گے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ اس بچے کو خاص طور سے پڑھائیں گے۔ بس انہیں کا حکم تھا کہ میں وہاں سے لے کر تمام مدارس جہاں جہاں رہا فراغت تک ساتھ رکھا بلکہ چمنی بازار شریف کے علاوہ ہر جگہ اپنے ہی کمرے میں رکھا حتیٰ کہ شادی بھی میں نے ہی کرائی۔

حضرت امام علم وفن کی بزرگوں سے عقیدت کا یہ حال تھا کہ فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی عبیدالرحمن صاحب قبلہ رشیدی مدظلہ النورانی سجادنشین خانقاہ مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار باوجودے کہ آپ ان کے استاذ تھے مگر ایک بار آپ سخت بیمار ہوگئے تو خانقاہ مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار کا سفر کیا۔ آپ سے ملاقات کی اور صحت کیلئے دعا کرائی پھر حضرت قطب الاولیا شیخ جمال الحق بندگی عثمانی کے مزار شریف پر حاضری دی۔

آپ میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ آپ کا ہر شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ آپ کی شفقت وعنایت میرے ساتھ زیادہ ہے آپ نے جس شخص سے کبھی ملاقات کی ہے عرصۂ دراز کے بعد آپ نے انہیں پہچانا ہے اخلاق کا معیار اتنا اونچا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ اخلاص ومحبت سے پیش آتے۔ الغرض آپکی شخصیت گوناں گوں خوبیوں کی حامل تھی۔ آپ کو جس حیثیت سے دیکھا جائے اور جس زاوئے سے ناپا جائے آپ اس سے اونچے ہی نظر آئیں گے۔ ++++

امام علم وفن

کی دبستان حیات کے چند درخشندہ پہلو

مولانا عبدالحنان رشیدی مصباحی

امام علم وفن کی عظیم شخصیت پر "سہ ماہی المختار" کی طرف سے "امام علم وفن نمبر" نکلنے کی خبر سن کر بے پناہ خوشی ہوئی اور پردۂ ذہن پر خانقاہ رشیدیہ کے بانی حضرت شیخ دیوان جی علیہ الرحمہ کا ایک شعر ابھر آیا:۔

"کن حوصلہ را بلند بگذر ز ہمہ :: پر از ہمہ باش بیش تر از ہمہ"

مگر ہم انصاف کی نظروں سے دیکھیں تو علما ومشائخ بہار نے بھی ہمیشہ اپنی دینی خدمات اور علمی تصنیفات کے ذریعہ نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔ علم کا کوئی ایسا میدان نہیں جس میں علمائے بہار نے اپنی خدمات پیش نہ کی ہو، اور آج بھی ایسے ایسے اہل علم وفن ضرور تشریف فرما ہیں، جنھوں نے دنیا میں انقلاب آفریں کارنامے انجام دیئے ، اور دے رہے ہیں۔

لیکن آج ہم اس مختصر مقالے میں صرف امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی کی دبستان حیات کے چند گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

برصغیر ہند وپاک میں علم وفضل کی جو قد آور، اور باعظمت شخصیتیں مہر وماہ بن کر ضوفگن ہوئیں اور اپنے انوار وتجلیات سے ایک عالم کو منور ومجلی کیا ان میں امام علم وفن حضرت علامہ ومولانا خواجہ مظفر حسین پورنوی کا نام آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ آپ آفاقی فکر ونظر کے حامل، اخلاص ووفا کے پیکر جمیل، علم وحکمت کے بحر بیکراں، گوناں گوں فضائل وکمالات کے جامع ہیں جن کی شہرۂ آفاق شخصیت مختلف جہتوں سے نمایاں ہے۔ ایک مقتدر عالم دین، تجربہ کار مدرس، حاضر ذہن محقق، عظیم مصنف اور منطقی وفلسفی کے علاوہ سخن فہم، سخن سنج، اس کے علاوہ آج کی دینی درسگاہوں سے مفقود ومعدوم شدہ علوم وفنون کے ماہر تھے۔

تدریسی خدمات :: جب امام علم وفن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد، علم وحکمت کے بحر بیکراں ہو کر نمودار ہوئے تو آپ کی بارگاہ میں چند مدارس اسلامیہ کی طرف سے درخواست پہنچی اور آپ جن جن مدارس میں قدم رنجہ ہوئے ، ان مدارس کے نظم ونسق کو اس طرح مرتب کیا گویا موتیوں کو سلک میں پیرو دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ

آپ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ”جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے لیکن اس غرض سے سیکھا کہ اس سے دنیا کی ستائش طلب کرے تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو میسر نہیں ہوگی (ابوداؤد) کے مطابق خالصۃ لوجہ اللہ دنیا والوں کی ستائش سے بے نیاز ہوکر تعلیم دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور صبح وشام بڑی محنت ومشقت شوق ودلچسپی اور لگن کے ساتھ بچوں کو پڑھاتے ہیں اور دوران درس بچوں سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ طالب علم خود اپنے اخلاق وکردار اور اعمال وافکار میں اپنے اسلاف کا نمونہ بنے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر طالب علم کے اندر مسلک اعلیٰ حضرت اور دین ومذہب کی حفاظت وصیانت کا جذبہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر کسی بھی دور میں مسلک اعلیٰ حضرت اور دین ومذہب پر کوئی آنچ آئے تو اس کے خلاف قلم وزبان سے احتجاج کرنا چاہئے اور یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کوئی نیا مسلک نہیں بوحنیفہ کی عطا ہے مسلک احمد رضا اور ملت اسلامیہ کو ہمیشہ یہ پیغام دو کہ میرا دین ومذہب امن وشانتی کا گہوارہ ہے۔

امام علم وفن کی تصنیفی، تحریری اور تبلیغی کارنامے :: امام علم وفن کی ذات گرامی جہاں ایک جید عالم دین، معلم واستاذ، عدیم المثال مناظر، عظیم خطیب ومقرر، مہتمم اور عالی دماغ مفکر ومدبر میں وہیں آپ نے تدریسی خدمات کے علاوہ احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے تصنیفی وتحریری اور تبلیغی خدمات بھی انجام دی ہیں اور قلم کے ایسے شہنشاہ ہیں، جس کا کوئی جواب نہیں آپ کا قلمی سکہ اپنے تو اپنے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں آپ کی جملہ تصنیفات وتحریرات ایمان افروز اور وافر علم ومواد اور حقیقت وواقفیت پر مبنی ہوتی ہیں اور اس قدر پر تاثیر کہ بوقت مطالعہ دل کے پردۂ احساس پر ایک فطری لمس محسوس ہوتا ہے۔ قلب کے جذبات خفتہ رقص میں آجاتے ہیں اور دل افاضۂ علم پر جھومنے لگتا ہے آپ کے مضامین ومقالات کا احاطہ بڑا دشوار ہے۔ نہ جانے کتنے رسائل وجرائد کو آپ اپنے وقیع مقالات وحسین وگراں قدر مضامین سے مزین اور مرصع کیا ہے اگر آج کوئی بدعقیدہ آنکھوں سے تعصب وعناد کی عینک اتار کر آپ کے مقالات ومضامین کا مطالعہ کرے گا تو ضرور بدعقیدگی سے توبہ کرلے گا کیونکہ آپ کے قلم سیال کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا مسلک حق کی سچی ترجمانی فرمائی ہے۔ آپ کی سب سے عظیم تصنیف ”ٹی وی کی تحقیق“ ہے جو عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہے اور تقریباً ۶۰ر۷۰ رمضامین فن توقیت، ہیئت، ہندسہ ریاضی ودیگر فنون پر مشتمل ہیں اور فتاویٰ رضویہ کے اہم اہم مقامات پر پندرہ سے بیس مقالات آپ کے نوک قلم سے منصہ شہود پر آچکے ہیں۔

امام علم وفن جہاں ایک مدرس، محقق، مصنف، مفکر کی حیثیت سے ہیں وہیں ہر ایک سنجیدہ اور سلجھے ہوئے مقرر بھی ہیں آپ ہند وبیرون ہند کے عظیم کانفرنسوں وسمیناروں میں شرکت فرماتے تھے آپ کی تقریر منطقیانہ وفلسفیانہ ہوا کرتی تھی، مناظروں میں اکثر حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور آپ کی تقریر کا عالم یہ ہوتا کہ جب صحت کے اعتبار سے تندرست وتوانا تھے تو خوب خوب تقریریں کیا کرتے تھے، چند دنوں سے طبعت بہت زیادہ ہی ناساز رہنے لگی تھی مگر پھر بھی دو گھنٹے تقریر کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

اس جہاں رنگ و بو میں بہت سے انسانوں نے جنم لیا اور بہت سے وقت کے نابغۂ روزگار شخصیت دنیا میں جلوہ افروز ہیں مگر ان نفوس میں سے چند ایسے ہوئے جنہوں نے اعلیحضرت کی بافیض درسگاہ سے نکلے تو کوئی صدر الشریعہ و مفتی اعظم ہند بن کر چمکے، تو کوئی ملک العلماء، تو کوئی صدر الافاضل بن کر دنیا میں درخشاں ہوئے اور جوان متقدمین کی بافیض درسگاہ سے نکلے تو کوئی حافظ ملت و مجاہد ملت بن کر دنیا کے سامنے روبرو ہوئے۔

ان ہی نفوس قدسیہ میں سے علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی کی ذات بابرکت ہے جو حضور مفتی اعظم ہند کی بافیض درسگاہ سے گوہر آبدار بن کر نکلے تو ''حل المشکلات وخیر الاذکیاء بن کر چمکے۔ اور جب آپ کی ذات پر اعلیحضرت کی نظر کرم ہوئی تو، امام علم وفن و امام المنطق وفلسفہ ہوگئے۔ اس لئے آپ کو علوم کثیرہ پر مہارت تامہ و دسترس حاصل ہے،

فیض رضا کی جھلکیاں۔ امریکہ میں سمت قبلہ کس طرف ہے اس تعلق سے امریکہ میں انگلش، اردو، عربی، ہندی اور دیگر زبانوں میں استفتاء شائع ہوا کہ امریکہ میں سمت قبلہ کس طرف ہے۔ دنیا کے سات ملکوں سے یہ فتویٰ شائع ہوا کہ امریکہ میں سمت قبلہ جنوب میں ہے، لیکن امریکہ کے چند اشخاص وافراد نے یہ کہا کہ ہندوستان میں علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی ایک جید عالم دین ہیں جن کو سمت قبلہ پر مہارت تامہ حاصل ہے، دنیا کے سات ملکوں سے فتویٰ آیا اور سبھوں نے اپنے علم و تجربے کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ امریکہ میں سمت قبلہ جنوب ہے۔ جوں ہی امام علم وفن کی نظر اعلحضرت کی تصنیف کردہ رسالہ ''کشف العلۃ عن سمت القبلۃ'' کی دس قواعد پر پڑی تو سات ملکوں سے ارسال کردہ فتاویٰ کو غلط ثابت کردیا کہ امریکہ میں سمت قبلہ جنوب نہیں بلکہ شمال ہے اور ساتھ ساتھ فتاوی میں یہ رقم کیا کہ جو بریلی مذہب کے علاوہ ہے وہ اس فتاویٰ کو نہیں مانے گا اور جو بریلی مذہب کے ماننے والے ہیں وہ اس فتویٰ کو غلط ثابت کر ہی نہیں سکتا۔ کشف العلہ عن سمت القبلہ کی دس قواعد میں سے جو قواعد سمت قبلہ پر دال ہیں اس کی روشنی میں آپ نے حسی اور مشاہدی طور پر ثابت کردیا کہ امریکہ میں سمت قبلہ جنوب نہیں بلکہ شمال ہے جب یہ فتویٰ امریکہ پہونچا تو سبھوں نے تسلیم کرلیا کہ ہندوستان کے امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی صاحب کا فتویٰ کہ امریکہ میں سمت قبلہ جنوب نہیں بلکہ شمال ہے جو آج تک اسی فتویٰ پر نمازیں ہو رہی ہیں۔

پاکستان کے جنرل سیکریٹری ایوب خان کے دور میں پاکستان میں حکومتی سطح پر ہلال کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا ۲۹ رتاریخ کو مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں اس کمیٹی کے نمائندہ حضرات کا ایک وفد ہوائی جہاز کے ذریعہ بلندی پر جاکر چاند دیکھا کرتا تھا اور واپس آکر رویت ہلال کا اعلان کردیتا تھا اس کمیٹی کے اعلان سے پورے پاکستان میں رمضان عید و بقرعید وغیرہ منائی جاتی اور اس وقت علماء اہلسنت پاکستان نے اس کمیٹی کا پرزور رد کیا نتیجہ کے طور پر دنیا بھر کے دارالافتاؤں سے مذکورہ کمیٹی اور اسکے طریقۂ رویت سے متعلق استفتاء کیا گیا، تمام ممالک اسلامیہ سے جو جوابات حاصل ہوئے وہ اس کمیٹی کی حمایت میں تھے دنیا بھر کے مفتیان کرام نے اس طریقۂ رویت کو جائز اور نافذ قرار دیا تھا لیکن جب ہی استفتاء بریلی شریف وارث علوم مرتضی اور نائب غوث الوریٰ

کی بارگاہ علم وفضل میں حاضر کیا گیا تو علم وفضل کے اس بطل جلیل نے حکومت پاکستان کے پرواہ کئے بغیر جواب عطا فرمایا۔

حضور مفتی اعظم ہنداس (فتویٰ جواز کو) نہیں مانا اور اپنا بے نظیر فتویٰ تحریر فرمایا جس کا لب ولہجہ یہ تھا کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ ۲۸،۲۷ کو چاند دیکھکر نماز عید وبقرعید پڑھنا غلط ہے کیونکہ ۲۸،۲۷ کو چاند ہو ہی نہیں سکتا اور نہ کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔ مگر پاکستان کے وہ علماء جو علم ومناظر ومرایا اور علم ہیئت کے مسلمہ قواعد سے نابلد ونا آشنا ہیں اپنی بات کو تسلیم کرانے کیلئے اپنے فتویٰ کو حضور مفتی اعظم ہند کی طرف نسبت کر کے شائع کر دیا جو در حقیقت نائب غوث الوریٰ کا فتویٰ نہ تھا۔ جوں ہی یہ بات ہندوستان کے علم وحکمت کے بحر بیکراں تک پہنچی تو وہ بات جو ناقابل برداشت تھی اس پر قلم اٹھایا علم ومناظر ومرایا اور علم ہیئت کے مسلمہ قواعد کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا کہ ۲۸،۲۷ کو چاند ہو ہی نہیں سکتا اور جو پاکستان کے میڈیا نے شائع کیا کہ یہ حضور مفتی اعظم ہند کا فتویٰ ہے تو ان کی ذات پر بہتان ہے۔ آگے خود امام علم وفن فرماتے ہیں کہ طالب علمی سے لیکر دور تدریس تک مختلف ادارہ میں لگ بھگ دس سال بریلی شریف میں رہ کر سنیت کی راجدھانی کے تخت نشیں کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد بھی سال میں دو تین بار خدمت میں حاضر ہوتا رہا مجھے اس بات پر فخر ہے کہ سرکار حضور مفتی اعظم ہند از راہ خرد نوازی مجھے اپنے غلاموں میں شمار کرتے تھے اس بات پر قریبی تعلق کی وجہ سے مجھے سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کے اکثر اہم گوشوں سے واقفیت ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں فتاویٰ مصطفویہ اور دیگر تصانیف کا نظر عمیق سے مطالعہ کیا مگر کسی میں نہیں پایا کہ ۲۸،۲۷ کو زمین سے چاند دیکھا جا سکتا ہے۔ لکھکر ارسال کر دیا جب یہ فتویٰ پاکستان پہونچا تو اگلے مہینے میں ۲۸،۲۷ تاریخ کو حکومت کے جانب سے جہاز کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔

آپ کا ایک فرض شناس شاگرد

مرتب ''امام علم وفن نمبر'' حضرت مولانا احمد رضا احمؔد ناظم تعلیمات ''الجامعۃ الرضویہ کلیان'' نے مسعود ملت حضرت علامہ مسعود رضا قادری کی فرمائش وخواہش پر امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی کی حیات، کمالات اور خدمات پر مشتمل ایک ضخیم اور تاریخی نمبر نکال کر اپنی فرض شناسی اور وفاداری کا بین ثبوت فراہم کیا، ان کی اس خدمت پر امام علم وفن کے تمام تلامذہ کو مبارکباد دینی اور دعاؤں سے نوازنا چاہیئے کہ انہوں نے تنہا تمام شاگردوں کے سر سے فرض اتار دیا اور شاگردیت کا حق خوب نبھایا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کی زندگی کے حسین گوشوں، علمی پہلوؤں، قلمی جواہر پاروں کو کتابی شکل میں پیش کر کے نہ صرف اسے ضائع ہونے سے بچایا بلکہ آنے والی نسل کیلئے ایک تحریری اور تاریخی دستاویز پیش کیا اور حضرت کے گراں قدر خدمات تعلیمات، تحقیقات، نگارشات، کمالات سے روشناس کرایا۔ ☆☆☆

پانچواں باب

خصائل وفضائل

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

علامہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کراچی پاکستان

حضرت علامہ ابن عبد البر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تصنیف **جامع بیان العلم وفضلہ** میں جید عالم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جید عالم وہ ہے جو اپنی بہترین مسموعات لکھتا ہے، اپنی بہترین مکتوبات حفظ کرتا ہے، اور اپنی بہترین محفوظات روایت کرتا ہے۔ (العلم والعلماء اردو ترجمہ جامع البیان العلم وفضلہ مترجم عبد الرزاق ملیح آبادی، دسمبر ۱۹۷۷ء ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور، ص ۸۶)

عالم ما کان وما یکون سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ کو جب کسی بندے کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس میں تین وصف پیدا فرما دیتا ہے (۱) دین الٰہی میں فہم (۲) دنیا سے بیزاری (۳) اور عیوب کی پرکھ۔ (مفہوم حدیث ص ۶۴)

جن حضرات نے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی مدظلہ العالی سے کسب فیض کیا ہے، ان کے درس میں شریک ہوئے ہیں، ان کی تقریر سنی ہے۔ یا۔ ان کی تحریرات کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ جید عالم کی یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم آپ کی شخصیت میں موجود ہیں۔

راقم ہیچ مداں حضرت امام علم وفن کی بالمشافہ زیارت سے محروم رہا ہے، لیکن یہ فقیر کی خوش نصیبی ہے کہ ۲۵ رسے زائد ان کے تحریر کردہ مقالے مختلف جرائد ورسائل اور خود معارف رضا میں پڑھ چکا ہوں۔ ان کی تحریر کا نظم وضبط، سائنٹیفک اسلوب تحریر، موضوع پر گرفت، دلائل وبراہین کی بھرمار، سادہ مگر دلکش طرز تحریر، جو قاری کا دل موہ لے، اور مخالفین تک اپنے موقف کا ابلاغ اس طرح کردے کہ وہ لاجواب ہو جائے، یہ ساری خوبیاں اس بات کی غماز ہیں۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہمارے ممدوح دور جدید کے عبقری اور بحر العلوم ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش میں ہمارے اسلاف کرام کی نشانی ہیں۔ دور جدید میں ان جیسا نابغۂ روزگار تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کی عمر شریف میں برکت عطا فرمائے

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور پھر ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرت خواجہ علم وفن، علم نافع کے جس صافی سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں، اس کا منبع العطایا النبویہ ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ وصایا شریف میں نور علم نبوی علیہ التحیۃ والثنا کے حصول کے لئے دعوت (صلائے عام) دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے نور سے منور ہوئے۔ ان سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین روشن ہوئے۔ ان سے تابعین روشن ہوئے اور ان سے ائمہ کرام ان امت، اور ان سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ تم ہم سے یہ روشنی لے لو، اس کی تمہیں حاجت ہے،،۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم ارواح سے حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کی روح بارگاہ رضوی میں اس وقت لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئی، اور اس نے علم کی وہ روشنی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان سے لے لی، جو بعد میں عالم اسباب میں جگر گوشۂ امام احمد رضا، مفتی اعظم، حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری اور تلمیذ رشید، ملک العلما حضرت علامہ مولانا سید ظفر الدین بہاری قادری رضوی کے ذریعہ حضرت امام علم وفن کو بتقریب خاص منتقل ہوئی۔ حضرت بحر العلوم خواجہ صاحب کی کوئی بھی تحریر اٹھا کر دیکھیں، آپ کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ورثۃ العلمی کی جھلک بالخصوص علوم عقلیہ میں جا بجا نظر آئے گی۔ بلا شبہ ان دونوں بزرگوں کا فیضان نظر بھی اس میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے تمام علما، بلا خوف تردید اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ فی زمانہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کا کوئی ہم سر نظر نہیں آتا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے علوم، ان سب کی تبیض وتسوید اور ترتیب وتصحیح اور اشاعت پذیری میں حضرت خواجہ صاحب کی توجہ خصوصی اور سعی وکاوش شامل رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی سمت قبلہ سے متعلق علم ہیئت اور علم ریاضی کے اصولوں سے مزین کتاب **کشف العلہ عن سمت القبلہ**، ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے، جس کی نظیر نہ موجودہ دور میں ہے، اور نہ گذشتہ صدیوں میں ملتی ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اس میں دس قاعدوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن سے سمت قبلہ کا ادراک تحقیقی طور پر ہوتا ہے۔ ان قاعدوں کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کا ارشاد گرامی ہے۔

''یہ دس قاعدے تمام روئے زمین، زیر وبالا، بحر وبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو، نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے، آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردہ اٹھادیئے جائیں تو کعبۂ معظمہ کو خاص روبرو پائیں پائیں،،۔

کتاب کا یہ مخطوطہ جب بریلی شریف میں حضرت علامہ محمد حنیف خاں رضوی زید مجدہ کی بسعی کاوش دریافت ہوا تو اس کی حالت بہت خستہ تھی، حضرت مولانا مفتی قاضی شہید عالم زید مجدہ استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف، خواجہ علم وفن کے پاس مسودہ

لے کر حاضر ہوئے اور آپ کے حکم پر اور آپ کی رہنمائی میں تبیض وتسوید اور ترتیب وتصحیح کی ۔ بالآخر کتابی صورت میں علامہ محمد حنیف خاں رضوی نے بریلی شریف سے اس کی اشاعت فرمائی ۔ اس کی دوسری اشاعت ۲۰۰۵ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل) کراچی سے ہوئی۔

اس کتاب میں درج قاعد کے حوالے سے حضرت امام علم وفن نے ایک معرکۃ الآرا کارنامہ انجام دیا، اور جس کی عالمی سطح پر شہرت اور اہل سنت و جماعت کی سرخروئی ہوئی کہ شمالی امریکہ میں سمت قبلہ کے حوالے سے ایک نزاع پیدا ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ جنوب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور کچھ لوگ شمال مشرق کی طرف قبلہ رخ ہوتے تھے۔ شمالی امریکہ کے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں حضرت علامہ مولانا قمر الحسن بستوی مدظلہ (ہوسٹن، امریکہ) نے استفتا کی شکل میں ایک خط اور مسئلہ دائرہ سے متعلق مصر، جامعہ ازہر، یوکرین، البانیا، لبنان، داغستان کے مفتیان کرام کے فتاویٰ بھی ملفوف کر کے بھیجے تھے، اور حضرت امام علم وفن سے درخواست کی تھی کہ آپ ہی اس مسئلہ کا حل نکال سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کا مدلل، تحقیقی جواب عطا فرما دیں۔

درج بالا ممالک کے تمام مفتیان کرام نے سمت قبلہ جنوب مشرق بتائی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ جو حضرات شمال مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے ان کی نماز نہیں ہوگی۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے علم ہیئت و ریاضی کے اصول، عملی و حسی قاعدوں کی روشنی، نیز "کشف العلۃ عن سمت القبلۃ" میں بیان کردہ دسویں قائدہ کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ شمالی امریکہ سے سمت قبلہ شمال مشرق میں ہے اور جو لوگ جنوب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کے اس فتویٰ کی کاپی مذکورہ ممالک کے ان تمام علما کو بھیجی گئی جنھوں نے سمت قبلہ جنوب مشرق قرار دی تھی۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب کے فتویٰ کے مطالعہ کے بعد انہوں نے اپنے فتاویٰ سے رجوع کر لیا اور اس طرح سے امت کے اندر ایک بہت بڑا انتشار ختم ہوا۔

یہ مکتب کی کرامت بھی تھی اور ان کے اساتذۂ کرام کا فیضان نظر اور دادا استاد اور دادا پیر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا روحانی تصرف تھا، جس نے آپ کے فتویٰ کے مطالعہ کرنے والے مصر و شام و لبنان کے جید علما کو متحیر کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ حضرات امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تبحر علمی اور علوم عقلیہ پر ان کی دسترس کے بھی قائل ہو گئے۔

امام علم وفن خواجہ صاحب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ روایتی علوم اسلامیہ نقلیہ و عقلیہ میں دستگاہ رکھنے کے باوجود، اپنی تحقیق میں تمام عصری علمی وسائل بھی استعمال کرتے ہیں۔ جس کا اندازہ مائیکروفون، ٹی وی، اور ویڈیو پر لکھے گئے ان کے تحقیقی مقالات سے ہوتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر لکھے گئے مقالے میں انہوں نے جدید سائنس کے حوالے سے لکھی گئی کالج اور یونیورسٹی کی نصابی کتب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس کے میکنیزم اور ورکنگ پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور علوم عقلیہ پر لکھی گئی قدیم و جدید کتب سے ایسے نظم و ضبط اور ترتیب کے ساتھ اپنے موقف کو سمجھانے کے لئے سائنٹیفک انداز میں دلائل پیش کئے ہیں کہ وہ مقالہ کے

اختتام پر قاری کو اس مقام پر لے آتے ہیں، جہاں وہ ان کے موقف کو تسلیم کر لیتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے نشر ہونے والی آواز بولنے والے کی اصلی آواز نہیں ہوتی ہے۔

پاکستان میں صدر ایوب خان کے زمانے میں پہلی بار ایک سرکاری رویت ہلال کمیٹی بنی تھی، جس کے سربراہ حضرت علامہ حامد بدایونی علیہ الرحمہ تھے۔ بہت سے علما جن میں اہل سنت کے علما بھی شامل تھے، اس سرکاری رویت ہلال کمیٹی کے خلاف تھے۔ ایوب خان مرحوم نے اس کوشش میں کہ سارے ملک میں ایک ہی دن عید ہو، ایک بدعت ایجاد کی کہ ہوائی جہاز پرواز کر کے دس ہزار فٹ کی بلندی سے عیدین کے ہلال کی رویت کی جائے۔ دو تین بار چاند ماری کا یہ سفر اسی طرح کیا گیا۔ علما نے اس عمل کی بھی مخالفت کی۔ اسی دوران پاکستان میں ایک خبر مشہور ہوگئی کہ لاہور کے کسی عالم نے مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا قادری نوری علیہ الرحمہ سے اس مسئلہ پر استفتا کیا تھا اور انہوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے، اور اپنے فتویٰ میں تحریر کیا ہے کہ اتنی بلندی پر تو ۲۹ ہر کیا ۲۸/ اور ۲۷/ کو بھی چاند کی رویت ہوسکتی ہے۔ جب کہ ہلال کا سطح زمین سے عینی مشاہدہ ضروری ہے۔

احقر نے اس کی بہت تحقیق کی لیکن نہ تو مستفتی کا پتہ چل سکا اور نہ اصل استفتاء کی کاپی میسر آسکی، اور نہ ہی فتویٰ کی اصل کاپی مل سکی۔ پاکستان کے کسی معروف اخبار میں بھی اس کی خبر نہیں دیکھی گئی۔ بعد میں یہ سنا گیا کہ بریلی شریف سے تار کی صورت میں فتویٰ آیا ہے جو رویت ہلال کمیٹی کے پاس محفوظ ہے۔ لیکن فقیر کے علاوہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے بانی و صدر اول حضرت سید ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اور ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مرحوم و مغفور رحمہ اللہ کو بھی بہ کوشش بسیار اصل کاغذات تک رسائی نہ مل سکی۔ حال میں راقم نے مولانا جمیل احمد نعیمی مدظلہ سے جو جمعیت علمائے پاکستان، کے صدر اور حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ کے بہت قریب رہے ہیں، دریافت کیا کہ: اصل حقیقت کیا ہے؟ تو انہوں نے ایسے کسی استفتاء اور فتویٰ کے وجود سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ البتہ انہوں نے اس شبہ کا اظہار فرمایا کہ اہل سنت کے بعض علما اور سنی حضرات علامہ حامد بدایونی علیہ الرحمہ کے صدر ایوب خان کی قربت سے ناخوش تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی اس بدعت کو ختم کرنے اور علامہ بدایونی صاحب سے صدر ایوب خان کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ سیاسی چال چلی ہو۔ عین ممکن ہے کہ ایک جھوٹا تار بھیج کر بدایونی صاحب کی پوزیشن خراب کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ بہر حال دو تین بار کی لاحاصل مشق کے بعد ہوائی جہاز سے رویت ہلال کمیٹی کے ممبران کا چاند دیکھنا بند کر دیا گیا، اور رویت ہلال کمیٹی بھی توڑ دی گئی۔ لہٰذا اس افواہ کو اور تقویت ملی کہ حضور مفتی اعظم کے فتویٰ کے بعد ایوب خان نے جہاز سے چاند دیکھنے کی ممانعت کے احکام جاری کر دیئے اور رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔

یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تذکرۂ مشائخ قادریہ مصنفہ مولانا عبد المجتبیٰ رضوی مرحوم، ص ۵۱۴ پر اور مقالات نعیمی میں درج ہے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ نے اس واقعہ کے رد میں دو مضمون لکھے۔

(۱) حضور مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب ایک فتویٰ کی وضاحت: ۲۷، ۲۸ کی تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ۔

(۲) ۲۸،۲۷ کی رویت ہلال فرمان امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں۔

انہوں نے فتویٰ کی زبان پر بھی اعتراض کیا اور زبان و بیان کی غلطیوں کی نشاندہی کے بعد تحریر کی کہ اس قسم کی مجہول مہمل عبارت کی نسبت کبھی سرکار مفتیٔ اعظم کی طرف وہ لوگ نہیں کر سکتے جنہوں نے حضرت کی نظم و نثر کو دیکھا ہے۔ الموت الاحمر، سامان بخشش وغیرہ کی زبان اور فتویٰ کی زبان میں ایسا فرق معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لکھنؤ اور بلوچستان کے دو آدمیوں کے درمیان گفتگو ہو۔

آپ نے یہ بھی دلیل دی کہ جن دنوں کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے ان دنوں وہ، حضور مفتیٔ اعظم کی کفش برداری میں بریلی شریف میں بنفس نفیس موجود تھے۔ نہ ہی کوئی ایسا اخبار دیکھا نہ ہی کوئی خبر پھیلتی ہوئی نظر آئی۔ لیکن حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد اچانک یہ باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئیں۔ کچھ علمائے کرام کو کھٹکا ضرور ہوا لیکن اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہیں فرما سکے۔

حضرت خواجہ صاحب نے مزید لکھا کہ: ان کی نگاہ میں چونکہ یہ باتیں نہ صرف بے بنیاد تھیں، بلکہ علم و فن کے خلاف بھی تھیں۔ پھر آپ نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فرمودات اور علم زیجات کی روشنی میں فتویٰ پر جرح و قدح کی۔ دائرۃ الرؤیۃ اور دائرۃ النور کی بحث سے ثابت کیا کہ کن صورتوں میں چاند کی کن تاریخوں میں رویت ہلال، زمینی افق سے ممکن ہے۔

آخر میں ثابت کیا کہ ۲۸/۲۷ تاریخوں میں چاند ہرگز امکان رویت کے مطلوبہ درجہ پر نہیں ہوتا اس لئے رویت ہلال ناممکن ہے۔ علم و فن کے تمام دلائل و براہین پیش کرنے کے بعد اختتام میں حد درجہ عاجزی و انکساری کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے ناقدین کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''جو کچھ رویت کے بارے میں عرض کیا ہے وہ سب اپنی ناقص فہم کے مطابق شبہات عرض کئے ہیں۔ اگر میرے ناقدین میں سے کوئی صاحب تحقیق، تلاش و جستجو کر کے ہمارے شبہات کو دور فرما دیں تو میں بے حد ممنون ہونگا۔ البتہ ریاضیات کے بارے میں یہ بھی ثابت کر کے پیش کریں کہ علم ہیئت و علم مناظر و مرایا اور ماڈرن سائنس کی رو سے چاند (ہلال) نظر آ سکتا ہے۔،،

آج آپ کے اس مضمون کی اشاعت کے پندرہ، سولہ سال گذرنے کے بعد بھی حضرت خواجہ علم و فن صاحب کے ناقد ان کے دلائل کے رد میں کوئی تحریر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض ناقدین حضرات نے حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کو حضور مفتیٔ اعظم ہند کی کرامت کا منکر قرار دے کر انہیں خارجی تک کہہ دیا (معاذ اللہ!) لیکن آپ نے اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں صبر و تحمل سے کام لیا اور جواب میں ناقدین پر کوئی فتویٰ صادر نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے جواب میں اپنے مرشد اور ان کے خانوادے کی شان ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

> ''یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے سوا سو سال میں خانوادۂ عالیہ رضویہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں جن

کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے اصلاح ظاہر و باطن کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور انشاء المولی قیامت تک یہ خانوادہ اسی طرح رشد و ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیتا رہے گا، آستانہ عالیہ، رضویہ کی ان ہی بے لوث خدمات کی وجہ سے سواد اعظم اہل سنت نے اس کو اپنا مرکز تسلیم کیا۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں اہم کڑی شاہزادۂ اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت، حضور مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی بھی ہے، جنہوں نے امام احمد رضا کی جانشینی کا حق ادا کر دیا، سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے علمی کمالات اور روحانی مراتب ہمارے فہم و ادراک سے ماوراء ہیں۔ ایک ماہر سوانح نویس دفتر کے دفتر لکھ ڈالے لیکن اس کو بھی قلم رکھ کر یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ: ع... حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا،،

الغرض! حضرت امام علم وفن گلشن علوم و فنون کے وہ گل سر سبد ہیں، جن کی خوشبو صاحب ایمان اہل علم حضرات کے قلوب و اذہان کو تا صبح قیامت معطر کرتی رہے گی؛ اور جب جب، جہاں جہاں علوم رضا کا چرچا ہوگا، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی حفظہ اللہ الرحمان کا بھی چرچا ہوتا رہے گا۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ ان کے محبین مخلصین ان کے حیات و خدمات کے حوالے سے ایک کتاب شائع کر رہے ہیں جن میں ہند و پاک برصغیر کے نامور علما و مشائخ کے مقالات و تاثرات شائع ہوں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اطال اللہ عمرہ کے رہتے ہوئے ان کے مشورے اور انٹرویو کے ساتھ ان کی ایک مخصوص سوانح حیات مرتب کی جائے۔ کیوں کہ ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ دوسری ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم عقلیہ قدیمہ و جدیدہ (اسکول، کالج، یونیورسٹی) کے نصاب کو سامنے رکھ کر ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جس سے مدارس اسلامیہ، اسکول، کالج اور جامعات کے طلبہ استفادہ کر سکیں، حضرت خواجہ صاحب کی موجودگی میں اگر ایسا ہو جائے تو بہت بڑا کام ہوگا، ان کے بعد دور دور تک کوئی ایسا بحر العلوم نظر نہیں آتا جو ان خدمات کو انجام دے سکے۔

راقم الحروف ہیچ مداں کا یہ مقام نہیں کہ حضرت خواجہ صاحب جیسی شخصیت اور ان کی علمی خدمات پر خامہ فرسائی کر سکے۔ لیکن حضرت کے پچیس سے زیادہ مقالات بالخصوص اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے علوم عقلیہ کے حوالے سے لکھے گئے مقالات کا مطالعہ کر کے، چند سطور سپرد قلم کئے ہیں۔ تا کہ اس سلسلۃ الذہب کے آخر میں جس کی ابتدا شیخ الاسلام امام احمد رضا حنفی قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ ہیں، اور آخری کڑی امام علم وفن جناب خواجہ مظفر حسین مدظلہ العالی۔ اس ہیچ مداں کا نام بطور مدح خوان سلسلۃ الذہب شامل ہو کر فقیر کے لئے توشۂ آخرت بن جائے..... آمین!

قاصد حضرت سلمان کے بادا
چہ شود گر بہ سلام دل ماشاد کند

امام علم وفن: عظمت وتواضع کا مادۂ اجتماع

مولانا عبد الاسلام رضوی مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

لائق مبارکباد ہیں سہ ماہی 'المختار' کلیان کے مدیران وکارکنان کہ وہ دنیائے علم وفن کی عظیم القدر اور اہل سنت کی مایۂ صد افتخار شخصیت، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ العالی کی حیات وخدمات پر ایک عظیم وقیع نمبر نکال رہے ہیں۔ جس کے ذریعے انشاء اللہ المولیٰ الکریم حضرت خواجہ صاحب کی حیات، ان کے علم وفضل اور عظیم علمی ودینی خدمات سے واقفیت حاصل ہوگی۔

ایک زمانہ تھا کہ علمی وروحانی عظیم شخصیات کی حیات وخدمات کو ان کے وصال کے بعد باقاعدہ تحریر کا موضوع بنایا جاتا تھا۔ لیکن گذشتہ بیس پچیس برسوں سے اس روش میں تبدیلی آئی ہے اور اس عرصہ میں کئی عظیم شخصیات کی حیات وخدمات کو ان کی حیات ہی میں موضوع نگارش بنایا گیا اور اس تعلق سے کئی قابل ذکر قلمی خدمات منظر عام پر آئیں۔

مولانا محمد اجمل رضا صاحب گوجرانوالہ پاکستان نے نبیرۂ استاذ زمن، صدر العلما حضرت مولانا تحسین رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کی حیات ہی میں ''حیات صدر العلما،، لکھی اور آپ کی حیات وخدمات کا تعارف کرایا۔ فقیہ عصر حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور علمی ودینی کارناموں پر ان کی حیات ہی میں 'معارف شارح بخاری' لکھی گئی۔ مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب مدظلہ العالی کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم کتاب 'معارف مفتی اعظم راجستھان' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ پاکستان کے مولانا عبد الستار صاحب طاہر نے حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب علیہ الرحمہ کی حیات ہی میں 'تذکار شرف' لکھ کر ان کی حیات وخدمات کا تعارف کرایا۔ ماہر رضویات ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کے دینی وعلمی ماثر ومفاخر پر حضرت مولانا اعجاز انجم صاحب نے ایک مبسوط 'مقالہ' ان کی حیات ہی میں لکھا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اسی طرح عصر حاضر کی کچھ اور شخصیات کے تذکرے بھی لکھے گئے۔ اور اب سہ ماہی ''المختار کلیان،، کی مجلس ادارت کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت امام علم وفن کی حیات و

خدمات منظر عالم پر آنے والی ہیں۔ یقیناً یہ تبدیلی بڑی مفید اور خوش آئند ہے۔

امسال عرس رضوی شریف کے موقع پر حضرت مولانا احمد رضا احمد صاحب نائب مدیر سہ ماہی ''المختار کلیان،، نے مجھے شرف ملاقات بخشا اور خصوصی شمارہ کے لئے مضمون لکھنے کی فرمائش کی نیز مواد کے لئے ''تحقیقات امام علم وفن،، کے مطالعہ کا مشورہ دیا، جو امام علم وفن کے مقالات ومضامین پر مشتمل ہے۔

لیکن خواجہ صاحب کے یہ مقالات اس قدر دقیق مباحث پر مشتمل ہیں کہ ان میں سے کسی بھی مضمون کے تعلق سے کچھ لکھنے کے لئے اس کا کامل دلجمعی، حضور دماغ اور دقت نظر کے ساتھ مطالعہ ضروری ہے؛ اور مجھے اس کا موقع میسر نہ آسکا۔ البتہ میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں خواجہ صاحب کی ایک عظیم خوبی کا ذکر کررہا ہوں۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب آدمی کو کوئی ادنیٰ سا بھی مقام ومرتبہ حاصل ہوجاتا ہے تو اس میں کبر ونخوت کے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی بات کو عام لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں:...... ع

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے

اور جب آدمی کے مزاج میں پہلے ہی سے کبر وغرور ہو تب وہ 'کریلا اور نیم چڑھا' کا مصداق ہوجاتا ہے۔ لیکن ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ومرتبہ پانے کے بعد بھی کسی قسم کا کبر وغرور اور فخر وناز پیدا نہیں ہوتا، بلکہ تواضع وخاکساری ہی ان کا شیوہ رہتا ہے؛ اور حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کے بقول حقیقت میں تواضع تو ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ع

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

تواضع ان کی طرف سے خوبی وتعریف کی بات ہے جو بلند رتبہ ہوں، بھکاری اگر تواضع کا مظاہرہ کرے تو یہ اس کی عادت ہے۔

اور آپ کا یہ شعر بھی بہت خوب ہے۔ اس میں آپ نے ایک امر مشاہد کی روشنی میں تواضع کا درس دیا ہے۔ فرماتے ہیں:............ ع

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں

تواضع وہ اختیار کرتا ہے جس کے پاس ہوش وخرد کی دولت ہو، زمین کی طرف وہ شاخ جھکتی ہے جو پھلوں سے لدی ہو۔
امام علم وفن خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ العالی بھی ایسے ہی ہوش وخرد سے مالا مال لوگوں میں سے ہیں۔

آپ بلاشبہ علم وفن کی دنیا میں بلند ہی نہیں، بلکہ بلند ترین مقام پر فائز ہیں؛ اور علوم عقلیہ، منطق وفلسفہ اور ریاضی وغیرہ میں مہارت تامہ تو آپ کی شخصیت کا مابہ الامتیاز ہے۔

آپ کی ذہانت وذکاوت، علمی گہرائی، امعان نظر، تدریسی کمال، یہ امور محتاج بیان نہیں۔ آپ کی غیر معمولی ذہانت اور علمی عظمت وکمال کے پیش نظر آپ کو صاحبان علم وفضل کے درمیان ''خیر الاذکیا،، اور ''امام علم وفن،، کے عظیم وقیع القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے تدریسی کمال کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ آپ جس درسگاہ میں پہونچ جاتے ہیں، وہاں باذوق طلبہ، پروانہ وار جمع ہو جاتے ہیں، درسگاہ غیر معروف ہو تو معروف ہو جاتی ہے، اور اگر عظیم ونامور ہو تو اس کی عظمت وناموری میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ گویا آپ کی شان اس شعر کے مطابق ہے: ع

رند جو جام اٹھالے وہی پیمانہ بنے
اور جہاں بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بنے

حضرت مفتی ایوب مظہر صاحب علیہ الرحمہ ،حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر ،حضرت قاضی شہید عالم صاحب مدرس جامعہ نوریہ بریلی شریف، حضرت مولانا کوثر صاحب گونڈوی ،حضرت مولانا ڈاکٹر سید علیم اشرف صاحب جائسی، حضرت مولانا سید انور صاحب چشتی، حضرت مولانا اسید الحق صاحب بدایونی اور حضرت مولانا مشتاق صاحب مدظلہم العالی جو جید علمائے کرام کی فہرست میں شمار کئے جاتے ہیں اور علمی دنیا میں اپنی شناخت رکھتے ہیں، حضرت امام علم وفن ہی کے خوان علم کے خوشہ چینوں میں ہیں۔

لیکن اس علمی کمال اور عظمت مقام کے باوجود کبر وغرور اور علمی نخوت آپ میں نام کو بھی نہیں ہے۔ بلکہ آپ انتہائی خوش اخلاق اور متواضع ومنکسر المزاج ہیں۔ جو بھی آپ سے ملتا ہے، اس سے خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ میں اس تعلق سے اپنے چند مشاہدات پیش کرتا ہوں۔

میں نے امام علم وفن کو سب سے پہلے ۱۳۹۳ھ میں دیکھا تھا جب آپ دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف میں برائے امتحان تشریف لائے تھے۔ آپ نے ہماری جماعت کی بھی ایک کتاب کا امتحان لیا تھا۔ جب طلبہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بغرض امتحان تشریف لا رہے ہیں تو ان کے دلوں پر ایک رعب سا چھا گیا تھا۔

لیکن خواجہ صاحب نے دوران امتحان اس خوش روئی کے ساتھ گفتگو فرمائی اور ایسے مشفقانہ و پر لطف انداز میں سوالات کئے کہ دل پر جو خوف تھا وہ یک لخت زائل ہو گیا؛ اور سچی بات یہ ہے کہ دل نے چاہا کہ امتحان کا سلسلہ دیر تک چلتا رہے۔ یہ میرا اپنا تاثر تھا دیگر طلبہ کا کیا معاملہ رہا مجھے نہیں معلوم۔

یہاں یہ بات بھی تحریر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ جو حضرات میری تعلیمی زندگی اور فراغت سے واقفیت رکھتے

ہیں وہ الجھن کا شکار نہ ہوں کہ میں نے مدرسہ فاروقیہ عزیز العلوم واقع قصبہ بھوجپور ضلع مراد آباد میں استاذ محترم حضرت مفتی رئیس صاحب قبلہ ڈھکیاوی مدظلہ العالی کے زیر سایہ درس نظامی کی تکمیل کی اور شعبان ۱۳۹۱ھ میں پیر ومرشد استاذ العلما، جلالت العلم حضور حافظ ملت اور بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی۔

اسی سال استاذ محترم نے رضا مسجد بریلی شریف میں نماز تراویح کی امامت فرمائی اور پھر بریلی شریف ہی میں رہ گئے۔ دار العلوم مظہر اسلام میں آپ کا تقرر ہوا اور رضا مسجد میں امامت کی خدمت بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ ہی کے مشورے پر میں اور رفیق محترم حضرت مفتی محمد یامین صاحب مراد آبادی مدرس ومفتی جامعہ حمیدیہ بنارس مشق افتا کی غرض سے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ ہم نے حضرت مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ ٹانڈوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں افتا کی مشق کی۔ نیز بخاری شریف کے درس میں بھی شامل ہوئے۔ اس وقت دار العلوم مظہر اسلام میں نمونۂ اسلاف، پیکر زہد وتقویٰ حضرت علامہ حاجی مبین الدین امروہوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث تھے۔ میں اس کے بعد دوسرے سال بھی چند کتابوں کے درس میں شریک رہا اور امتحان دیا۔

ایک مرتبہ خواجہ صاحب بریلی شریف میں ایک مہمان خانہ میں مقیم تھے۔ حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب، حضرت مفتی قاضی شہید عالم صاحب مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف اور راقم ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ آداب ملاقات ومزاج پرسی کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ خواجہ صاحب نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمایا:

''میں منتظر تھا کہ آپ لوگ سلسلۂ کلام شروع کریں گے لیکن آپ لوگ خاموش ہیں لہٰذا میں ہی آغاز کرتا ہوں۔

اور پھر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ جہاں حضرت خواجہ صاحب کا قیام تھا وہیں پر ایک اگالدان رکھا ہوا تھا جو بہت گندا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''یہاں کی دیکھ ریکھ کرنے والے بہت ہی غیر ذمہ دار ہیں۔ میں اس سے پہلے آیا تھا تب بھی یہ اگالدان اسی صورت میں یہاں رکھا ہوا تھا اور اب بھی یہی حال ہے،،

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب نے اس کو ہٹانے کا ارادہ کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا: ارے آپ نہیں! اور خود اس کو اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت قاضی شہید عالم صاحب نے سبقت کی اور اس کو دوسری جگہ منتقل کر دیا۔

قاضی صاحب خواجہ صاحب کے شاگرد ہیں، خواجہ صاحب ان سے کہہ سکتے تھے کہ اسے اٹھا کر کسی اور جگہ رکھ دو! اور اس میں کوئی خرابی بھی نہیں تھی۔ لیکن یہ آپ کی تواضع وخاکساری ہے کہ آپ نے یہ حکم نہ دیا بلکہ مولانا محمد حنیف صاحب نے اس کو ہٹانا چاہا تو ان کو بھی منع کیا اور خود ہی اس کو اٹھانے کی سعی کی۔

ایک مرتبہ خواجہ صاحب موسم سرما میں بوقت صبح جامعہ نوریہ رضویہ میں تشریف لائے۔شوال کا مہینہ تھا اور ابھی آغاز تعلیم نہیں ہوا تھا، بلکہ داخلے ہو رہے تھے۔جو مدرسین جامعہ آچکے تھے وہ دھوپ حاصل کرنے کی غرض سے آفس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔جیسے ہی خواجہ صاحب تشریف لائے موجود مدرسین نے آپ کا استقبال کیا اور سلام ومصافحہ کے بعد خواجہ صاحب بھی اسی جگہ تشریف فرما ہوئے۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی مدرسین پہونچے۔میں نے دیکھا کہ جو بھی مدرس آیا خواجہ صاحب نے کھڑے ہو کر اس سے ملاقات کی۔حالانکہ یہ مدرسین عمر کے لحاظ سے بھی چھوٹے تھے اور علم کے اعتبار سے بھی چھوٹے تھے۔اگر خواجہ صاحب ان مدرسین کے لئے کھڑے نہ ہوتے بلکہ بیٹھے ہی بیٹھے ملاقات کر لیتے تو اس وجہ سے آپ کے خلق پر کوئی دھبہ نہ آتا اور نہ ان مدرسین کو کوئی ناگواری ہوتی۔لیکن خواجہ صاحب کی تواضع وانکساری تھی کہ آپ نے اپنے چھوٹوں سے بھی کھڑے ہو کر ملاقات کی۔

جو شاگرد لائق وفائق ہوتے ہیں وہ استاذ کے لئے سرمایہ فخر ہوتے ہیں اور استاذ اپنے ساتھ ان کا تعلق ظاہر کرنے کی کوشش میں خوشی محسوس کرتا ہے۔بلکہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض حضرات محض اپنے علمی قد کی بلندی ظاہر کرنے کے لئے ایسے شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں۔ایک صاحب کو میں نے خود دیکھا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں ایک نامور وعظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ میرے شاگرد ہیں۔ان کی یہ بات مبنی برحقیقت تھی، لیکن اس ذکر کا وہاں کوئی داعی نہیں تھا۔لیکن خواجہ صاحب کا معاملہ اس کے برعکس ہے وہ اپنے تلامذہ کے بارے میں جب ضرورتاً ذکر کرتے ہیں تو اس انداز سے کہ اس سے یہ ترشح نہیں ہوتا کہ وہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔میں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

جناب مولانا سراج الدین صاحب شریفی ساکن مغل پورہ شہرام، بہار نے ۲۰۰۵ء میں خواجہ صاحب سے ایک انٹرویو لیا تھا۔اس انٹرویو میں ایک سوال مندرجہ ذیل بھی تھا۔

سوال: عالم اسلام میں آپ کمیاب علوم وفنون قدیمہ کے واحد امین وعلمبردار ہیں آپ نے اپنی علمی و فنی امانت کو کس طرح محفوظ کیا ہے۔

جواب: موجودہ زمانہ میں چونکہ حصول علم برائے معاش ہو گیا ہے اس لئے اس سلسلے میں صعوبات برداشت کرنے اور ان بھاری بھرکم بوجھوں کو اٹھانے والے نہیں ملتے، سب سہل پسند ہو گئے ہیں۔ویسے یہ امانت مولانا قاضی شہید عالم کٹیہاری اور مفتی محمد مطیع الرحمان مضطر پورنوی کی طرف کچھ حد تک منتقل ہو چکی ہے (تحقیقات امام علم وفن ص ۲۲)

خواجہ صاحب نے سوال مذکور کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یہ علوم کسی حد تک ان حضرات کو پڑھائے ہیں یا

یہ کہ اپنی علمی وفنی امانت کسی حد تک ان حضرات کی طرف منتقل کر دی ہے۔ بلکہ فرمایا: یہ امانت ان حضرات کی طرف کچھ حد تک منتقل ہو چکی ہے۔ منتقل کرنے والا کون ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ بھی خواجہ صاحب کی تواضع وانکساری کی ایک صورت ہے۔

صفت تواضع نے خواجہ صاحب کی عزت وعظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے: **من وضع نفسہ دون قدرہ رفعہ الناس فوق قدرہ. ومن رفعها عن حدہ وضعہ الناس دون حدہ.** جو شخص خود کو اپنی قدر ومنزلت سے نیچے رکھتا ہے لوگ اس کو، اس کے رتبہ سے اوپر اٹھاتے ہیں اور جو خود کو اپنی حد سے اونچا رکھتا ہے لوگ اس کو، اس کی حد سے بھی نیچے گرا دیتے ہیں۔

اور ایک عربی شاعر کہتا ہے: ع

متواضع والتنبل یحرس قدرہ

و اخو التواضع بالنباهة ینبل

وہ فروتنی کرتا ہے اور شرافت اس کی قدر ومنزلت کی نگہبانی کرتی ہے اور صاحب تواضع شرافت کی وجہ سے معظم ومکرم ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کا سایہ سلامت رکھے اور آپ کو صحت وتوانائی اور شفائے کامل وعاجل نصیب فرمائے۔ آمین! وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ وآلہ واصحابہ اجمعین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

امام علم وفن: ایک جامع کمالات شخصیت

مولانا نفیس احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ۔ یو۔ پی

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی مدظلہ العالی کا نام سنتے ہی ذہن کے پردے پر ایک ایسی باکمال شخصیت کا نقشہ ابھرتا ہے جو مروجہ علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ ہیئت وتوقیت، مساحت وہندسہ، جبر ومقابلہ ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستینہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، اور علم الابعاد جیسے کم یاب بلکہ نایاب قدیم علوم وفنون پر بھر پور دسترس حاصل ہے۔ خواجہ صاحب ایسے باکمال استاذ ہیں کہ تمام مروجہ علوم وفنون پوری تحقیق کے ساتھ بلاتوقف پڑھاتے ہیں اور معقولات کی تدریس میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں۔ اس وقت آپ دار العلوم نورالحق، چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد، یوپی میں شیخ الحدیث کے منصب کی زینت ہیں۔

علمی جلالت:۔ حضرت کی علمی جلالت کا شہرہ تو بہت پہلے سے سن رکھا تھا لیکن براہ راست اس سے روشناسی اس وقت ہوئی جب آپ سے ملاقات ہوئی اور کچھ علمی استفادے کا موقع نصیب ہوا۔

۱۹۹۷ء کی ابتدا کی بات ہے جب میں دار العلوم علیمیہ جمد اشاہی، ضلع بستی (یو۔ پی) میں شعبۂ عالیہ کا استاذ تھا اور وہاں میری ملازمت پرائیویٹ تھی، اسی وقت محترم گرامی قادری رئیس احمد خان زید کرمہ کی خصوصی دلچسپی سے دار العلوم نورالحق چرہ محمد پور عربی فارسی اتر پردیش بورڈ سے نائب عالیہ کی جگہ پر میری منظوری ہوگئی اس زمانے میں کئی بار چرہ محمد پور کا سفر ہوا، اور حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ دار العلوم میں میرے تقرر سے بہت خوش تھے اسی زمانے میں دار العلوم علیمیہ جمد اشاہی میں علم نحو کی مشہور کتاب ''شرح جامی،، میرے زیر تدریس تھی، ایک مقام پر مجھے سخت الجھن کا سامنا ہوا۔ شرح جامی کے متداول حواشی اور شروح کی جانب رجوع کیا لیکن:

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

اشکال کی گتھیاں سلجھنے کے بجائے اور الجھتی گئیں۔اسی دوران چڑہ محمد پور جانا ہوا تو میں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حضرت کی بارگاہ میں اپنا اشکال پیش کردیا۔آپ نے کتاب منگائی اور اس مقام کو ملاحظہ فرمانے کے فوراً بعد اپنے ناخن علم سے اس کی ایسی گرہ کشائی فرمائی کہ ذہن کے افق پر منڈلانے والے شکوک وشبہات کے تمام بادل چھٹ گئے ،اور اذعان ویقین کا سورج پورے جاہ وجلال کے ساتھ اپنی تابانیاں بکھیرنے لگا،دل ان کی علمی جلالت اور فنی عظمت کا پہلے ہی سے معترف تھا،مگر وہ اعتراف،شہرت اور باوثوق ذرائع پر مبنی پیہم خبروں کا نتیجہ تھا،مگر اب تو ذاتی طور پر اس کا مشاہدہ اور معائنہ ہو چکا تھا،پھر کیا تھا دل ان کی علمی عظمت کے آگے جھکا تو جھکتا ہی چلا گیا۔

۱۹۹۷ء کے آخری ایام میں برصغیر ہندوپاک کی عظیم ترین درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ،مبارک پور میں میرا تقرر ہوگیا ،جب کہ ابھی تک عملی طور پر میں دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی ہی میں تھا،دارالعلوم نورالحق ،چڑہ محمد پور نہیں آیا تھا،صرف کاغذی طور پر وہاں کا استاذ تھا،اس لئے دارالعلوم کے ارباب حل وعقد سے کاغذی طور پر معذرت کرلی۔جامعہ اشرفیہ میں میرا تقرر اگرچہ غیر مستقل جگہ پر ہوا تھا،اور حقیقت کے اعتبار سے میری ملازمت پرائیویٹ تھی۔

لیکن میں نے یہ دیکھا کہ یہاں دینی وعلمی خدمت کے مواقع بہت زیادہ ہیں،اور اس کے لئے اسباب ووسائل کی فراہمی بھی ہے،جامعہ کا ماحول علمی ہے۔اس لئے میں نے معنوی فائدے کو مادی فائدے پر ترجیح دی۔اور ۱۰؍جنوری ۱۹۹۸ کو جامعہ اشرفیہ،مبارک پور آ گیا۔

جامعہ اشرفیہ میں مجلس شرعی کے زیر اہتمام فقہی سیمیناروں کا سلسلہ اکتوبر ۱۹۹۳ء سے ہی جاری تھا،جن میں ہندوستان کے چوٹی کے علماء اور ارباب فقہ وافتاء شریک ہوتے تھے،حضرت خواجہ صاحب بھی پوری پابندی کے ساتھ ان میں شرکت فرماتے تھے۔۱۷؍تا ۲۱؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۲؍تا ۱۷؍جولائی ۱۹۹۸ء کو مجلس شرعی کا چھٹا فقہی سیمینار تھا،اس میں ایک موضوع تھا ''اعضا کی پیوند کاری شرعی نقطہ نظر سے،، جامعہ میں میری آمد کے بعد یہ پہلا سیمینار تھا،جس میں میں نے باضابطہ قلمی طور پر حصہ لیا تھا۔فقیہ اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی مدظلہ العالی نے میرے مقالے کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کی بڑی تعریف فرمائی اور یہ کہتے ہوئے اسے اپنے استاذ گرامی حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ العالی کی خدمت میں پیش کیا کہ زبان وبیان اور مضامین کے حسن ترتیب کے اعتبار سے یہ مقالہ بہت عمدہ ہے اگرچہ مواد کے لحاظ سے اس میں بہت کچھ اضافے کی گنجائش ہے۔حضرت خواجہ صاحب نے بھی سرسری طور پر اس کی ورق گردانی فرمائی اور اس کی ذیلی سرخیاں ملاحظہ فرما کر اس کی تحسین فرمائی جس سے میرے حوصلوں کو توانائی ملی،اور علمی وتحقیقی کاموں میں محنت کرنے کے جذبے کو مہمیز ہوئی۔

اس سیمینار میں حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ العالی نے بھی ''اعضا کی پیوند کاری'' کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا،وہ مقالہ نہایت عالمانہ اور محققانہ تھا جس کی سطر سطر سے آپ کی بے پناہ علمی گہرائی وگیرائی،فنی لیاقت ومہارت اور

ذہانت وفطانت کی خوش بو پھوٹ رہی تھی ،اس مقالے میں آپ نے تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا:
''موجودہ دور میں علاج کے لئے علم الابدان میں دو طریقے ہیں :ایک تداوی ،دوسرا جراحی''۔
پھر آپ نے دونوں طریقوں سے متعلق ضروری تفصیلات پیش کرتے ہوئے یہ موقف اپنایا تھا کہ تداوی اور جراحی کے حکم میں فرق ہے کہ کیوں کہ:

''عمل جراحی میں عضو کا اعادہ **الی سیرتہ الاولی** نہیں ، بلکہ اس میں تجرید (مثلاً ہیڈ روسل ، پتھری ، ٹیومر ، اپینڈس وغیرہ کے آپریشن) یا ترکیب (مثلاً کٹی ہوئی ناک یا کٹے ہوئے ہونٹ کی پیوند کاری) یا تبدیل (مثلاً دل ، گردہ اور پھیپھڑہ وغیرہ کی تبدیل) کا عمل مقصود ہوتا ہے۔اور یہ تینوں باتیں (یعنی تجرید ، ترکیب اور تبدیل) عالم محسوسات کی چیزیں ہیں ، ہم آپنی آنکھ سے یا آلے کی مدد سے دیکھتے ہیں کہ تجرید میں بدگوشت کاٹ کر پھینک دیا گیا ، ترکیب میں ناک ، کان ، ہونٹ بالکل صحیح ہوگئے ، اور تبدیل کی صورت میں دل ، گردے اور پھیپھڑے نے عمل کرنا شروع کردیا ، برخلاف تداوی کے کہ وہاں نہ تو مرض ہی حسی ہوتا ہے اور نہ ازالۂ مرض کی تدبیر ہی حسی ہوتی ہے ، بلکہ نتیجہ برآمد ہونے کے بعد اس کو یقین کا درجہ ملتا ہے۔
الحاصل جراحی کی تشخیص وتجویز اور اس کے مبادی بالعموم حسی ہوتے ہیں اور تداوی میں غیر حسی اور موہوم ہوتے ہیں ، یہ دونوں ہرگز ہم پلہ نہیں ، اس لئے تداوی کے عدم جواز کی صورتوں کو جراحی پر لادا نہیں جاسکتا ، اور نہ تداوی سے متعلق فقہی جزئیات کو کھینچ تان کر جراحی پر محمول کیا جاسکتا ہے''۔(صحیفہ مجلس شرعی ، جامعہ اشرفیہ ، مبارک پور ، جلد دوم ، ص:۴۲۳)(تحقیقات امام علم وفن ، ص:۴۳۴)
پھر موضوع سے متعلق سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے لکھا:
''مسئلۂ مجتہد فیہ میں عرفی یقین احکام شرع جاری کرنے کے لئے کافی سمجھا جاسکتا ہے تو عمل جراحی میں اسے کیوں کافی نہیں سمجھا جائے گا ؟ رخصت اسقاط (رکعات) کو ۹۲ ربانوے کیلو میٹر کی مسافت پر رکھا گیا ہے ، حالانکہ کوئی مسافر صحیح صحیح طور پر ناپ کر سفر نہیں کرتا ، اور نہ ہی کسی کو صحیح صحیح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مسافرت بانوے کیلو میٹر کی ہوتی ہے ، بلکہ یہ عرفی ہے ، پیمائش کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں اور رخصت پر عمل شروع ہو جاتا ہے ، اسی طرح قرآن کریم میں عدت طلاق کے لئے ''**ثلاثۃ قروء**'' آیا ہے ، امام شافعی نے مختلف قرائن سے اس کو طہر (پاکی) پر محمول فرمایا ، اور امام اعظم نے حیض پر ، حالانکہ امام اعظم کے قول پر تین حیض گزارنے میں دو طہر درمیان میں آہی جاتے

ہیں، اگر ایک طہر مزید مان لیتے تو قطعی اور یقینی طور سے "**ثلاثة قروء**" پر عمل ہو جاتا، خواہ وہ بمعنی طہر ہو یا بمعنی حیض۔ لیکن فقط چند قرائن کی بنیاد پر اجتہاد کر کے اس کو حیض کے ساتھ مختص کر کے واجب کر دیا، جب کہ اس قسم کی تاویل میں احتمال خطا ناشی عن الدلیل ضرور ہوتا ہے۔ اسی سے واضح ہوتا ہے کہ عمل جراحی میں جب کسی طرح سے مرتبہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر وہ اگر واجب نہیں تو جائز ضرور ہوگا، تداوی میں چوں کہ شروع سے آخر تک جملہ مراحل موہوم در موہوم ہوتے ہیں، اس لئے وہاں یہ حکم نہیں" (مصدر سابق اول، ص: ۴۲۳، ۴۲۴۔ مصدر سابق دوم، ص: ۴۳۵)

اعضا کی پیوندکاری کی صورت میں ایک شبہہ یہ سامنے آتا ہے کہ اس میں انسانی عضو کا استعمال کرنا لازم آتا ہے، جس میں اس عضو کی توہین اور بے حرمتی ہے جو ناجائز ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کو ساری مخلوق سے افضل واشرف اور معظم ومکرم بنایا ہے، ارشاد ربانی ہے: "**ولقد كرمنا بني آدم**" (اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی) تو اس کے اعضا بھی عزت وحرمت والے ہوئے، اور جنہیں اللہ تعالی نے عزت وکرامت دی ان کی توہین ناجائز ہے۔ حضرت خواجہ صاحب مدظلہ العالی نے اپنے مقالے میں اس شبہے کا بہت معقول اور تسلی بخش جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"عضو کی ترکیب وتبدیل میں چونکہ کارآمد عضو کو اسی کے منصب پر رکھ کر اس سے وہی کام لیا جاتا ہے، جو قدرتی طور پر ان کے ذمے تھا، اس لئے اس میں اس عضو کی نہ کسی طرح اہانت ہے اور نہ بے حرمتی۔ ہاں! اگر منصب عمل سے ہٹا کر اس سے دوسری منفعت مثلاً کھانے پینے اور زینت بنانے کے لئے استعمال کیا جائے تو البتہ اس کی اہانت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی بھی شئ سے عرفی استفادہ کی دو صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ مستفید اس شئ کو اپنا جزء متصل بہ اتصال حقیقی بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو، اور رنج والم اور حساسیت وغیرہ کا اس پر ترتب بھی ہو جیسے اعضا کی پیوندکاری میں ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ مستفید اس سے کوئی دوسرا فائدہ حاصل کرے، لیکن اس شئ کو اپنا جزء متصل بہ اتصال حقیقی نہ بنائے، خواہ اسے جز ہی نہ بنائے اور نہ اس پر جز کی تسمیہ کا اطلاق ہو، جیسے چشمہ وغیرہ، خواہ اسے اپنا جز تو بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو، لیکن اس کا عدم اتصال ظاہر ہو، جیسے مصنوعی ٹانگ وغیرہ، یا اسے جز بنائے اور جز کا تسمیہ بھی جاری ہو اور ساتھ ہی اتصال بھی ظاہر ہو، لیکن فی الحقیقت اتصال حقیقی نہ ہو، جیسے مصنوعی دانت ــــــــ۔ استفادہ کی پہلی صورت نہ انتفاع ہے اور نہ استعمال۔ البتہ دوسری صورت کی تینوں قسمیں انتفاع ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ "**استكمال الشيئ بتحصيل الجز**" جزو تکمیل ہے،

''**استمتاع الشیء بتحصیل المنفع**'' انتفاع ہے، اور ''**تصرف الشیء لتحصیل المنفعة أو المضرہ**'' استعمال ہے۔ اور چوں کہ جز علت مادیہ میں داخل ہے اور علت صوریہ کا معروض ہوتا ہے اور منفعت خارج عن المادہ اور غیر معروض للھیئۃ ہوتی ہے اس لیے جز اور منفعت کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے جبر و تکمیل نہ انتفاع ہے اور نہ استعمال۔ بایں وجہ فقہا کے ان جزئیات کو جو جزء انسانی سے انتفاع کو حرام بتاتے ہیں۔ اعضا کی پیوند کاری سے جوڑنا صحیح نہیں۔

اور جب واضح ہو گیا کہ اعضا کی پیوند کاری منفعت نہیں۔ اس لیے پیوند کاری کی ابتداء سے اس کے کامیاب ہونے تک عضو میں جو کچھ بھی عمل ہو وہ نہ تو انتفاع ہے نہ استعمال۔ نہ جراح کے حق میں، نہ مریض کے حق میں۔ البتہ پیوند کاری کی کامیابی کے بعد عضو کی کارکردگی یا پیوند کاری کا ثمرہ مریض کے حق میں یقیناً انتفاع ہے، لیکن چونکہ اب وہ عضو مریض کا اپنا عضو ہو گیا ہے تو اس سے انتفاع، انتفاع بعضو خویش ہوا، بعضو دیگر نہیں، لہذا جو حرام تھا وہ لازم نہیں آیا، اور جو لازم ہے وہ حرام نہیں،، (صحیفۂ مجلس شرعی، جلد دوم، ص: ۴۲۵)

یہ مقالہ سیمینار کی پہلی نشست سے پہلے ہی میں نے پڑھ لیا تھا، حضرت خواجہ صاحب کی علمی جلالت اور فنی عظمت کے گہرے نقوش میرے صفحۂ ذہن پر پہلے ہی سے ثبت تھے، یہ مقالہ پڑھنے کے بعد وہ اور گہرے اور مستحکم ہو گئے۔ اور دلائل وشواہد کی روشنی میں ان کی علمی عظمت وشوکت اور بے پناہ ذہانت کا قائل اور معترف ہو گیا۔

وسعت نظر اور حقائق کا اعتراف: حضرت امام علم وفن نے بڑی کھلی طبیعت پائی ہے، ان کا فکری اور ذہنی افق بہت وسیع ہے۔ بے جھجک وہ حقائق کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں، ان کی حیات طیبہ میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) جام نور کے ایڈیٹر محب محترم مولانا خوشتر نورانی صاحب نے آپ سے ایک انٹرویو لیا جو جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوا، اس کے دو سوال خواجہ صاحب دام ظلہ کے جواب کے ساتھ حاضر خدمت ہیں:

''سوال: ۔ اشرفی رضوی نزاع میں آپ کی حیثیت ایک فریق کی رہی ہے، مگر اب یہ جنگ سرد خانے میں پہنچ گئی ہے، لیکن دلوں میں جو دوریاں پیدا ہوئیں اس کے نتیجے میں اہل سنت میں ایک انتشار برپا ہوا، کیا مصالحت کی کوئی صورت ہے؟ اگر ہے تو آپ حضرات پیش قدمی کیوں نہیں کرتے؟

جواب: ۔ کچھ علما کے مابین ایک علمی اختلاف پیدا ہوا، لیکن ان علما کے ماننے والوں نے اسے شرعی اختلاف سمجھ کر ایک نزاع کی صورت پیدا کردی، اور پھر جو کچھ ہوا دنیا اس سے اچھی طرح سے

واقف ہے، ہر جنگ اپنی انتہا کو پہنچ کر سرد ہو جاتی ہے، اس جنگ کا بھی یہی حال ہوا۔ اس جنگ کے اثرات اگر چہ آج بھی کچھ دلوں میں موجود ہیں، لیکن ہم ان لوگوں سے کچھ الگ تھلگ مزاج رکھتے ہیں۔ ہم نے اس جنگ کو تا قیامت بھڑکنے کے لئے نہیں چھوڑا، بلکہ ہم نے حالات استوار کرنے کی کوشش کی۔ آج اگر آپ کے جد کریم (علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ) ہوتے تو وہ اس کی گواہی دیتے۔ اسی لئے بغیر سوچے سمجھے، یا اپنے ہم نواؤں سے سمجھے بوجھے میرا کچھوچھہ شریف آنا جانا شروع ہوا۔ اور آج بھی ہم کچھوچھہ شریف پہونچتے رہتے ہیں وہاں کے علما ومشائخ سے ملاقات کرتے رہتے ہیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصالحت کے لئے ہم نہ صرف کوشاں ہیں، بلکہ اس جادہ میں ہم کئی منزل آگے بڑھ گئے ہیں۔

سوال: شہادت رویت ہلال کے بارے میں آلات جدیدہ کے استعمال کے تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اسلاف کے موقف اور ان کے نظریات سے ہٹ کر اس سلسلے میں کچھ فیصلے کیے جاسکتے ہیں؟ کیوں کہ شہادت کے لئے آلات جدیدہ کے استعمال کو لے کر مسلمانان عالم میں ایک انتشار برپا ہے۔

جواب:۔ ثبوت ہلال کے لئے جہاں تک آلات جدیدہ ہمارے مذہب کا ساتھ دے سکتے ہیں اس حد تک اس سے فائدہ ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اس استفادے میں **العیاذ باللہ** ! ہمیں اپنے اسلاف کے موقف سے قطعاً انحراف کی جرأت نہیں۔ جب اسلاف کے بتائے ہوئے اصول پر چل کر بھی ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں تو ہمیں انحراف کی کیا حاجت؟ ہم نے کچھ ایسے مواد فراہم کر لئے ہیں کہ ان کی روشنی میں مسلمانان عالم کے انتشار کو دور کیا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ فرصت ملتے ہی ان مواد سے برآمد نتیجے کو لے کر جلد ہی بصورت مضمون جام نور کے دفتر میں ہم پہنچ رہے ہیں"۔

(تحقیقات امام علم وفن، ص ۳۵، ۳۶ بحوالہ جام نور، دہلی شمارہ جون ۲۰۰۴ء)

(۲) محترم گرامی جناب سراج الدین شریفی، مغل پور، سہسرام نے ۹/اپریل ۲۰۰۵ء کو سہسرام سے دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد (یو۔ پی) جا کر حضرت امام علم وفن سے ایک انٹرویو لیا تھا جو "تحقیقات امام علم وفن" مرتب کردہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے ص: ۲۰ سے ص: ۲۶ تک سات صفحوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس انٹرویو میں انھوں نے حضرت سے کئی اہم سوال کیے ہیں، ان میں سے کچھ سوالات مع جوابات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں، جن سے واضح طور پر میرے مدعا کا ثبوت فراہم ہوتا ہے:۔

سوال:۔ آپ چھ سال تک مدرسہ قادریہ، بدایوں شریف میں رہے ہیں۔ وہاں آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا؟

جواب :۔ بہترین سلوک کیا گیا، بلکہ میری بہت زیادہ قدر دانی کی گئی، یہاں تک کہ وہاں ایک ایک ماروتی کار کے علاوہ میرے وزن بھر چاندی دینے کی پیش کش کی گئی تھی جسے میں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اتنی دولت اور کار لے کر میں کیا کروں گا؟ یہ پیشکش جشن صد سالہ حضرت تاج الفحول کے موقع پر ۱۹۹۸ء میں کی گئی تھی، اس موقع پر مولانا عبد المبین نعمانی بھی موجود تھے۔ (تحقیقات امام علم وفن، ص: ۲۳)

(۳) شریفی صاحب نے اسی موقع پر خواجہ صاحب سے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے بارے میں بھی سوال کیا تو آپ نے بڑی کشادہ ظرفی اور وسعت نظر سے جواب دیا، وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

سوال :۔ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کی خدمات کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب :۔ یہ ادارہ موجودہ دور میں تعلیمی۔ تبلیغی اور تصنیفی میدانوں میں سب سے زیادہ اور اہم ترین خدمات انجام دے رہا ہے، اور اس کا معیار و مقدار تعلیم اپنی جماعت میں سب سے زیادہ بلند و بالا ہے، اور فقیہ اعظم ہند شارح بخاری (علامہ مفتی شریف الحق امجدی) علیہ الرحمہ اس ادارے کے سب سے بڑے خدمت گار تھے"۔ (مصدر سابق)

اس انٹرویو کا آخری سوال یہ تھا:

سوال :۔ مرکزی درسگاہوں سے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں"۔

جواب :۔ عمارت اور معیار تعلیم دونوں کے اعتبار سے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اول نمبر پر ہے، جب کہ عمارت کے اعتبار سے دار العلوم فیض الرسول (براؤں شریف) دوسرے نمبر پر اور معیار تعلیم کے اعتبار سے دار العلوم علیمیہ (جمد اشاہی، ضلع بستی) دوسرے نمبر پر ہے اور عمارتی جدیدیت کے اعتبار سے مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف اول نمبر پر ہے (مصدر سابق، ص: ۲۶)

(۴) حضرت خواجہ صاحب مدظلہ العالی ان مخلص علمائے کرام میں سے ہیں جو اپنے عزیز اوقات علمی کاموں میں صرف کرتے ہیں، اور علمی کام کرنے والے اشخاص اور اداروں کی کارکردگی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مناسب مواقع پر انھیں سراہتے اور ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب نو پید امشکل مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کیلئے جمادی الآخرہ، ۱۴۱۳ھ/دسمبر، ۱۹۹۲ء کو جامعہ اشرفیہ، مبارکپور میں "مجلس شرعی" کا قیام ہوا اور اہل سنت کے ممتاز اور باکمال علماء و فقہاء کو اس کے سیمناروں میں شرکت کی دعوت دی گئی تو خواجہ صاحب دام ظلہ نے تمام سیمناروں میں مخلصانہ شرکت فرمائی، نواں سیمنار ذی قعدہ، ۱۴۲۰ھ/فروری

۲۰۰۰ء کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوا، اس کے بعد کچھ نامناسب حالات کی وجہ سے سیمیناروں کا سلسلہ رک گیا، اور تقریباً چار سال تک یہ سلسلۂ خیر و برکت رکا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے حالات سازگار ہوئے، اور پھر سے ان علمی مذاکروں کا مبارک سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۴/تا ۱۶/ جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۵ھ /۳/تا ۵/ جولائی، ۲۰۰۴ء کو دسواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، آخری نشست میں ممتاز علمائے کرام نے مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ کے تعلق سے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار فرمایا، اس موقع پر حضرت امام علم وفن دام ظلہ سیمینار کے خوش گوار ماحول اور کامیابی پر بے پناہ خوش تھے، جوش مسرت میں آپ نے اپنے خطاب کا آغاز اس شعر سے فرمایا:

طوفان کر رہا تھا مرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

”حضرات! ایک عرصے کے بعد مجلس شرعی کے سیمینار میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اور ہر طرح سے سیمینار کی کامیابی پر دل باغ باغ ہوگیا، ہمارے علماء کی جد و جہد اور انتھک محنت قابل داد ہے، جن کے اخلاص، فقہی عرفان اور حتی الوسع تحقیق اور پوری دلچسپی کے ساتھ مذاکرات میں حصہ لینے کی برکت سے نہ صرف اس سیمینار کے سارے مسائل حل ہو گئے، بلکہ پچھلے تمام سیمیناروں کے طے شدہ معلق امور بھی آپ حضرات کی توثیق کے ساتھ فیصلے کے طور پر نوٹ ہو گئے .... اشرفیہ ہمارا علمی تاج ہے، خدا اسے سلامت رکھے۔ آمین“۔ (خصوصی شمارہ دسواں فقہی سیمینار، ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، ستمبر، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۴)

انکسار اور خورد نوازی:۔ زبردست علمی صلاحیت اور فنی مہارت کے باوجود تواضع، انکساری، خورد نوازی، کرم فرمائی اور سادگی میں اپنی مثال آپ ہیں ۱۹۹۰ء کی بات ہے جب کہ میں دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو (یو۔ پی) میں شعبۂ عربی کا مدرس تھا۔ مصلح قوم وملت حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی مدظلہ العالی صدر المدرسین تھے، اس وقت حضرت نعمانی صاحب کنز الایمان اور خزائن العرفان کی تصحیح اور مشکل الفاظ کی تسہیل و توضیح کا کام کر رہے تھے، بعض مقامات پر انھیں کچھ شبہات تھے حضرت عبد المبین نعمانی صاحب کی دعوت پر تحقیق اور تبادلۂ خیال کے لئے، استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، چریا کوٹ تشریف لائے۔ اسی زمانے میں کچھ پہلے یا بعد میں فقیہ اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی اور حضرت امام علم وفن دام ظلہما بھی اسی مقصد سے چریا کوٹ تشریف لائے۔ کئی گھنٹے تک بحث و تحقیق اور تبادلۂ خیالات کا سلسلہ چلتا رہا، عصر کی نماز سے کچھ پہلے حضرت خواجہ صاحب مدظلہ العالی خود ہی میرے کمرے میں تشریف لائے، میں نے کچھ ضیافت کا شرف حاصل کیا، اس سے پہلے حضرت سے میری کوئی ملاقات نہیں تھی، یہ پہلا تعارف تھا، تعارف کے بعد جب حضرت کو معلوم ہوا کہ میں دار العلوم میں شعبۂ عربی و فارسی کا استاذ ہوں تو

حضرت نے بے تکلفی کے ساتھ اس انداز میں گفتگو شروع فرمائی جیسے میں ان کا معاصر اور ہم پلہ ہوں، میں نے مکمل ادب واحترام کے ساتھ آپ کی عالمانہ حیثیت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے گفتگو میں ہلکا پھلکا حصہ لینا شروع کیا، حضرت نے شفقت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''انسان کو بے تکلف زندگی گزارنا چاہئے'' تکلف، سراسر تکلیف کا باعث ہوتا ہے''۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ''ذہنی اور دماغی کام کرنے والوں کو مناسب غذا کے ساتھ ذہنی اور جسمانی تفریح کا بھی اہتمام کرنا چاہئے جس سے ذہن ودماغ کو راحت وتسکین حاصل ہو''۔ پھر آپ نے مشہور حکیم وفلسفی شیخ بوعلی سینا کا معمول زندگی اوراس کی تفریح وتسکین کیلئے شاہی انتظام کا ذکر فرمایا۔

اس پوری گفتگو میں آپ کی شفقت ومہربانی، سادگی وبے تکلفی اور تواضع وانکساری کے جلوے اس طرح سامنے آئے کہ دل آپ کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اور آپ کی قدر ومنزلت دل کے نہاں خانے میں اتر گئی۔

یہ آپ سے میری پہلی ملاقات تھی، پھراس کے بعد کی ہر ملاقات سے آپ کی عزت واحترام کے نقوش لوح قلب پر اور گہرے ہوتے گئے۔ اور یہ سب آپ کی شفقت ومہربانی اور تواضع وانکساری کی کرشمہ سازی کا نتیجہ تھا۔ یقیناً سچ فرمایا ہے انسانیت کے طبیب حاذق، مخبر صادق سیدنا رسول اللہ علیہ وسلم نے:

ماتواضع احدٌ للّٰہ الا رفعہ اللّٰہ رواہ مسلم [ریاض الصالحین ص: ۱۷۳، باب التواضع وخفض الجناح للمؤمنین) مطبوعہ مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ]

(ترجمہ: جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے)

اور جب تواضع کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے جانب سے بلندی ملتی ہے تو اسے کون پست کرسکتا ہے؟

یہ میرے ممدوح گرامی! حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ العالی کے اوصاف وکمالات کے چند گوشے ہیں جو میرے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں، جن لوگوں کو حضرت سے زیادہ قریب رہنے اور علمی استفادے کے مواقع نصیب ہوئے ہیں وہ اگر تھوڑی توجہ کریں اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں آپ کی زندگی کے مختلف گوشے سپرد قرطاس کردیں تو حضرت کی شخصیت کا ایک مکمل خاکہ سامنے آسکتا ہے، اور مستقبل میں آپ کی شخصیت کو موضوع تحقیق بنانے والے ریسرچ اسکالروں کے لئے بہتر ماخذ بن سکتا ہے، آپ کے تلامذہ اور مستفیدین میں باصلاحیت علما بھی ہیں، اچھے قلم کار بھی ہیں، فکروفن کے شہ سوار بھی ہیں، ادب وتحقیق کے شناور بھی ہیں، صرف اس جانب عنان توجہ موڑنے کی ضرورت ہے۔ کوشش کرنا بندے کا کام ہے اور اسے تکمیل آشنا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے **السعی منا، والا تمام من اللہ، وماذلک علی اللہ بعزیز۔**

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اور فضائل وکمالات

مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری

اس فرش گیتی پر ان گنت وبے شمار عظیم وجلیل صاحبان علم وفن پیدا ہوئے ،جن کی شہرت ومقبولیت کا آفتاب آسمان ہفتم میں جگمگانے لگا۔انھوں نے ایسی نور باری کی کہ عالم کا ذرہ ذرہ ان کے نور علم سے روشن ہوا تھا۔علم کی تشہیر واشاعت میں ایسی محنت وجانفشانی کی کہ ان کے قدموں کی دھول سے تہذیب وثقافت کے ایسے بلند وبالا اور رفیع وتابناک مینار تعمیر ہوئے ،جن کی پرنور شعاعوں سے جہالت ولاعلمی کی ظلمت وتاریکی کافور وزائل ہوئی اور گھر گھر میں علم وادب کا اجالا پھیلا۔ان کی دینی وعلمی خدمات وکارنامے اور قومی قیادت ورہنمائی کی وجہ سے انسانی دنیا میں ان کی عزت وعظمت کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔فیض ربانی سے وہ اکناف عالم پر چھا گئے۔ان کا نام جریدۂ عالم پر نقش فی الحجر ہوگیا۔

عہد حاضر میں جن نامور ہستیوں کو علم وفضل کا تمغۂ افتخار حاصل ہے ان میں ایک ہستی ایسی بھی ہے جو اپنے پیکر زیبا میں بلند پایہ ہے۔یادگار اسلاف واکابر ہے۔اہل سنت کیلئے سرمایۂ افتخار ہے۔مسند تدریس کی زینت وبہار ہے۔مسند افتا کی رونق ہے۔بزم شعر وسخن کا تاجدار ہے۔میدان تصنیف وتالیف کا شہسوار ہے۔محفل علما میں شمع انجمن ہے۔امام علم وفن ہے۔اس کا فیضان نظر یہ ہے کہ ہزاروں طالبان علوم نبویہ نے اس سے علمی سیرابی حاصل کی اور اس کے اشارۂ ابروے منطق وفلسفہ کی پرپیچ گھتیاں سلجھائیں۔ان کی زلف برہم کو سنوارا۔میرا وجدان واحساس کہتا ہے کہ ایسی فقید المثال ہستی دنیا کے پردے پر کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔اس تناظر میں یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ ایسے لوگ اللہ عز وجل کی جانب سے امانت ہوتے ہیں۔ان کا وجود مخلوق کیلئے نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔

استاذ العلما، بقیۃ السلف ،امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی پورنوی شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد کا شمار دور حاضر میں ان ہی علما ومحققین میں ہوتا ہے،جن کے اقوال وآرا، تحقیق وتدقیق اور فکر ونظر کو استاذ کا درجہ حاصل ہے۔بلکہ حضرت امام علم وفن کو کچھ فنون پر ایسا عبور وکمال حاصل ہے جو خاص انھیں کا حصہ ہے۔یہی وجہ

ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر کئی تحقیقی مقالے ایسے اہم موضوعات پر لکھے ہیں جن پر کسی نے آج تک لکھنے کی ہمت ہی نہیں جٹائی۔ جبکہ اعلیٰ حضرت پر لکھنے والوں کا عظیم قافلہ ہے۔ ان مقالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام علم وفن کو ایسے فنون پر دسترس ومہارت ہے جن کا ہم صرف نام سنتے ہیں۔ یا۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف وتحقیقات میں ان کا بیان دیکھنے کو ملتا ہے۔ میں وثوق واعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ آج اگر کوئی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی فنی تحقیقات کو بقدر ضرورت سمجھنے کی صلاحیت ولیاقت رکھتا ہے، تو وہ صرف امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کی ذات عالی ہے۔ ہندوستان کی سرزمین اگر چہ اہل فضل وکمال سے خالی نہیں مگر امام علم وفن کا کوئی ثانی وبدل نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ علمی دنیا میں آج وہ 'امام علم وفن' کے لقب سے مشہور ومتعارف ہیں۔ ان کے زاویۂ نگاہ سے اگر اعلیٰ حضرت کی فنی تحقیقات پر سلیقہ مندی سے عصری اسلوب میں کام کیا جاتا، تو یورپ وایشیا کے محققین وسائنسداں متحیر وانگشت بدنداں رہ جاتے۔ انھیں اس بات کے اعتراف واقرار کے بغیر چارہ نہ ہوتا کہ اعلیٰ حضرت اس علمی قوس قزح کا نام ہے جس میں ہر صنف اور ہر فن کی علمی رنگینیاں موجود ہیں۔

امام علم وفن نے تحقیقات اعلیٰ حضرت کی روشنی میں جو مقالے سپرد قلم کئے ہیں ان کے کچھ عنوانات یہ ہیں (۱) امام احمد رضا اور جبر ومقابلہ (۲) امام احمد رضا اور علم تکسیر (۳) امام احمد رضا اور علم جفر (۴) امام احمد رضا کی علم ہندسہ نقد ونظر (۵) امام احمد رضا اور علم المساحت (۶) امام احمد رضا اور علم لوگارثم (۷) امام احمد رضا اور علم مثلث (۸) امام احمد رضا اور مثلث کروی (۹) امام احمد رضا اور ربع مجیب (۱۰) امام احمد رضا اور اسطرلاب (۱۱) امام احمد رضا اور خلا پیمائی۔

ان مقالات ومضامین سے امام علم وفن نے یہ تاثر ودعوت فکر دی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے بہت سارے ایسے فنون پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن کو لوگ قدیم اور غیر ضروری کہہ کر چھوڑ چکے تھے۔ ان کے جاننے والے بھی عنقا ہورہے تھے۔ جبکہ وہ اپنی جگہ اہم اور قابل استفادہ ہیں۔ گویا انھوں نے کچھ متروکہ فنون کی نشأۃ ثانیہ فرمائی اور اہل علم کو ان کی طرف راغب ومتوجہ کیا۔ مقالات امام علم وفن میں سے ایک مقالے کو دیکھ کر ایک مرتبہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب شرر مصباحی نے ہم سے فرمایا کہ:

> ''خواجہ صاحب کے مقالات اگر انگریزی کے قالب میں ڈھال کر شائع کروائے جائیں تو پوری دنیا میں ان کی خوب پذیرائی ہوگی، انھیں بھی سراہا جائے گا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فیض علمی سے انگریزی داں طبقہ بھی بہرور ومستفیض ہوگا''

حضرت امام علم وفن نے جہاں اپنی علمی تحقیقات پیش کیں، تصنیفی یادگاریں چھوڑیں اور عصری متنازع مسائل کا تصفیہ کیا، وہیں انھوں نے قوم کے لئے اپنے شاگرد وتلامذہ کی شکل میں نامور علما پیدا کئے اور علمی رشتے کو ایسا مربوط واستوار

کیا کہ ان کے دنیا سے جانے کے بعد بھی دنیا کو ان کا فیض پہنچتا رہے گا۔ان کے شاگرد در شاگرد میں اگر ایک فرد بھی زندہ ہو تو یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہے گا۔ جب تک دینی درسگاہوں میں درس نظامی کی آب وتاب باقی رہے گی ان کی یادوں کا چراغ جلتا رہے گا۔ان کے عام تلامذہ کی گنتی دشوار ہے ان کے خصوصی شاگردوں میں اکثر علامۂ کامل ہیں۔ان میں کوئی فقیہ ومفتی ہے،کوئی مناظر ہے،کوئی مصنف ومحقق ہے،کوئی مدرس ومبلغ ہے۔غرض علم وادب کے ہر شعبے اور ہر صنف میں ان کی آئینہ داری اور ان کی مشاطگی کا نمونہ موجود ہے۔

وہ انتہائی خوش اخلاق وخوش گفتار اور خوش وضع ہیں۔حسن سیرت اور کردار کی بلندی میں عالمانہ طرح داری ہے۔ ان میں خورداں نوازی بھی ہے اور اکابر کی عظمت بھی۔ان کا فیض کرم اپنوں کے لئے بھی ہے اور بیگانوں کے لئے بھی۔وہ اپنے تلامذہ پر شفقت فرماتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔وہ جب اپنے مخصوص لب ولہجہ سے اجنبی شخص کو بھی مانوس واسیر کر لیتے ہیں تو پھر اپنوں کا کیا کہنا۔یہی وجہ ہے کہ وہ ایک بافیض استاذ کی حیثیت سے ہماری جماعت میں مشہور ہیں۔اسی وصف خاص سے انھیں شہرت ومقبولیت بھی حاصل ہے۔ایک باکمال استاذ کے اندر جن اوصاف وخصائل اور علمی گہرائیوں کی ضرورت ہے وہ ان کے اندر کامل طور پر موجود ہیں۔

اس دور کے علماء وطلبہ میں مشہور یہ ہے کہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی پورنوی صرف علم منطق وفلسفہ میں ماہر وفائق ہیں۔جبکہ وہ مروجہ علوم وفنون جیسے تفسیر،حدیث،اصول حدیث،فقہ،اصول فقہ،کلام،منطق،فلسفہ،تصوف،تاریخ،سیرت،معانی،بیان،بدیع،عروض وغیرہ میں مہارت ودسترس رکھنے کے ساتھ کچھ ایسے فنون بھی جانتے ہیں جن میں وہ عہد حاضر میں یکتا ومنفرد اور بے نظیر ہیں۔جیسے علم جفر،تکسیر،زیجات،جبر ومقابلہ،لوگارثم،جیومیٹری،مثلث کروی،ہیأت،ہندسہ،مساحۃ،اسطرلاب وغیرہ۔یہ وہ علوم ہیں جن سے آج کے علما تعلق ہی نہیں رکھتے۔مگر امام علم وفن نے انھیں فیض رضا سے حاصل کیا اور ان سے متعلق مقالات ومضامین لکھے ہیں۔

حضرت امام علم وفن نے ہندوستان کی نامور درسگاہوں میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔بلکہ وہ جس ادارہ میں رہے،وہ نامور وشہرت یافتہ ہو گیا۔میں تو یہ کہتا ہوں کہ ادارے سے انھوں نے شہرت نہیں پائی بلکہ ان کی وجہ سے وہ ادارے شہرت وبلندی کا آسمان ہو گئے۔ہوتا یہ ہے کہ جو شخص کسی ادارے سے متعلق ومانوس ہوتا ہے وہ اس ادارے پر فخر وناز کرتا ہے۔مگر حضرت امام علم وفن نے جس ادارے کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی وہ ادارہ ان پر ناز کرتا اور اپنے مقدر پر مسکراتا ہے۔یہ ان کے علمی اثر ورسوخ اور اخلاقی شرف واعزاز کی بات ہے،ورنہ اس میدان میں ہر ایک کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ہر کس وناکس کو یہ رتبہ نہیں ملا کرتا۔

امام علم وفن کی تابناک زندگی کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مرکز اہل سنت اور مرکز عقیدت بریلی شریف سے

وابستہ و متعلق رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی بریلی شریف کے خلاف کسی نے آواز اٹھائی انھوں نے اس کو دبانے کی حتی الوسع کوشش کی اور اس کا جواب دیا۔ تاریخ جاننے والوں پر یہ بات ظاہر وعیاں ہے کہ جب ٹی وی، ویڈیو اور وی، سی، آر کے مسئلہ کو اچھالا گیا تو امام علم وفن خواجہ مظفر حسین صاحب ہی اپنے ایک نامور شاگرد فقیہ النفس مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی کو ساتھ لے کر سامنے آئے، اور 'ٹی۔وی کی تحقیق' نامی کتاب لکھ کر اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا۔ ایسے نازک وقت میں اگر وہ قلم نہ اٹھاتے تو اہل سنت وجماعت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ ہماری اجتماعیت پارہ پارہ ہو جاتی اور ہم ٹکڑوں میں بٹ جاتے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ باور وتسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری جماعت پر ان کا عظیم احسان ہے کہ انھوں نے فیض رضا سے مرکزی کردار ادا کیا اور مرکز سے وابستہ رہنے کا ثبوت دیا۔

آخر میں یہ کہہ کر ہم اپنی بات سمیٹ لیں گے کہ تدریسی خدمات حضرت امام علم وفن کی زندگی کا ایک محبوب وپسندیدہ مشغلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طویل عرصے تک یہ خدمت انجام دینے کے باوجود ابتک آپ اسی میں مصروف ہیں۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس سے علم والوں کی جماعت تیار ہوتی ہے۔ علما پیدا ہوتے ہیں اور علم وفن کی جڑیں مضبوط وپائیدار ہوتی ہیں۔ تدریسی مصروفیات کے ساتھ انہوں نے اپنا قلمی سفر بھی جاری اور تصنیف وتالیف سے رابطہ باقی رکھا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی علمی وفکری تحقیقات کو جدید اسلوب میں اہل علم کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ دنیا جہان کے لوگ ان کے افکار ونظریات سے استفادہ کریں اور نئی نسل ان کی طرف مائل ومتوجہ ہو۔ اسی فکر وداعیہ کی بنا پر امام علم وفن نے اپنا قلم چلایا اور لکھنے والوں کو اس کی دعوت دی۔ جس کے نتیجے میں ان کی یادگار وباقیات کو جمع کرنے اور ان کی خدمات دینیہ کو سراہنے کا ہمیں ان کی زندگی ہی میں خیال آیا۔ اسے غوث وخواجہ ورضا کا فیضان ہی کہا جا سکتا ہے ورنہ ہمارے جمود وتغافل کا عالم تو یہ تھا کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہمیں اپنے ممدوح کا خیال نہیں آتا تھا، نہ ان کیلئے کچھ کرنے اور سوچنے کی توفیق میسر ہوتی تھی۔ آج جبکہ ہماری جماعت کے اصحاب علم وقلم بیدار ہوئے اور اپنے اسلاف واکابر پر لکھنا شروع کیا تو ایسا لکھا کہ چند برسوں ہی میں نشیب وفراز کو بھر دیا اور قلیل مدت میں گویا مافات کی تلافی کردی۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں حضرت امام علم وفن کی علمی، دینی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کو سجا کر پیش کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

÷÷÷÷÷÷÷÷÷

÷÷÷÷

امام علم وفن: رضوی جلووں کے قاسم

مفتی محمد یونس رضا یونس اویسی، جامعۃ الرضا بریلی شریف

خانوادۂ رضویہ کے اکابر تقریباً دوسو سال سے قوم وملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں خانوادے کے افراد اسلام کے مختلف شعبہ جات نشر دین کے ساتھ اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں نمایاں اور اہم مقام رکھتے ہیں۔امام العلماء مجاہد جنگ آزادی حضرت علامہ رضا علی قدس سرہ اپنے دور میں روہیل کھنڈ کے صف اول کے عالم اور مفتی تھے۔امام المتکلمین حضرت علامہ نقی علی قادری قدس سرہ اپنے دور میں زبردست مفتی اور قابل صد افتخار مصنف اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر فن اور تفہیم وافہام اور درس وتدریس کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔امام اہل سنت، مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ اپنے دور میں عرب وعجم مرجع فتاویٰ اور مرکز علم وفن تھے۔استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا قدس سرہ، مفتی وقت، ماہر علم میراث حضرت علامہ مفتی محمد رضا قدس سرہ، حضرت علامہ حسنین میاں قدس سرہ، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قدس سرہ، مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت حضرت علامہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ، مفسر اعظم حضرت علامہ ابراھیم رضا جیلانی میاں قدس سرہ اپنے اپنے دور کے یکتائے روزگار اور اہل سنت وجماعت کے عظیم مقتدا اور پیشوا رہے۔

ہمارے ممدوح گرامی، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی قدس سرہ العزیز کا تعلق مذکورہ بالا شخصیتوں میں براہ راست سرکار سیدنا مفتی اعظم ہند قدس سرہ اور ان کے واسطے سے سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ہے۔نیز آپ کا امام اہلسنت کے فرزند روحانی، فاضل بہار، ملک العلماء، حضرت علامہ سید ظفر الدین رضوی قدس سرہ کے واسطے سے بھی علمی وروحانی نسبت سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔یعنی آپ دو عظیم اور مضبوط واسطے سے سیدنا اعلیٰ حضرت کے دسترخوان علم کے خوشہ چین ہیں۔سیدنا مفتی اعظم اور سیدنا ملک العلماء کی ذات بابرکت میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عظمت وکرامت کا ایسا اثر تھا کہ دونو اعلیٰ حضرت کے علم وعمل کے پرتو اور مظہر تھے۔ممدوح گرامی خواجۂ علم وفن کی ذہانت وفطانت نے اسے پڑھ لیا اور اپنی زندگی کا مقصد بنالیا کہ مجھے اسی ذات بابرکت کے نشان قدم کو مشعل راہ بنانا ہے۔چنانچہ آپ کی پوری زندگی کے شب و

روز گواہ ہیں کہ آپ کے تحریر وتقریر، درس وتدریس میں رضوی جلوے نظر آتے ہیں اور اسی رضوی جلوے نے آپ کی شخصیت کو بہت سی خوبیوں میں مرجعیت ومرکزیت عطا کردی۔ عرب وعجم، ایشیاء وافریقہ بلکہ کئی براعظم میں آپ بہت سی خوبیوں کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ ماضی قریب کے بیشتر اکابر علماء اور موجودہ دور کے اکابر واصاغر علماء علوم نادرہ کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

ممدوح گرامی نے خانوادۂ رضویہ سے اپنا روحانی رشتہ زمانہ طالب علمی سے قائم کیا اور مضبوط سے مضبوط تر بنایا۔ چنانچہ آپ نے بریلی میں پڑھا اور پڑھایا بھی، یہاں سے جانے کے بعد بھی التزاما حاضری کی عادت رکھی، راقم الحروف نے پہلی مرتبہ یہیں بریلی شریف میں خواجہ علم وفن کی زیارت کی غالباً ہر سال سرکار سید مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری دینے کے لئے تشریف لاتے، ازہری مہمان خانے میں قیام فرماتے اور جانشین مفتی اعظم سیدنا واستاذنا تاج الشریعہ مدظلہ العالی سے ملاقات فرماتے، دونوں میں علمی گفتگو ہوتی رہتی ہم لوگ سن کر اپنے علم میں اضافہ کرتے تھے وہ فرماتے تھے کے علامہ ازہری میاں صاحب میرے شیخ کے جانشین ہیں ان سے ملاقات، گفتگو اپنے مرشد سے ملاقات اور گفتگو ہے اور ہم لوگوں کو بزرگوں کی بارگاہ کا ادب بتاتے نیز فرماتے تھے کہ ان کی توجہ کی ایک نظر کافی ہے۔ مجھے میرے مرشد نے ایک بار فرمایا "لیجئے" بس اسی "لیجئے" کی کرامت ہے کہ میں آج "امام علم وفن" ہوں۔ کئی مرتبہ "شرعی کونسل" کے سیمینار میں بھی شرکت فرمائی اس طرح مجھے ان کی مہمان نوازی اور ملاقات اور گفتگو کا موقع میسر آیا۔ خواجہ علم وفن کی ذات میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ ان سے ملنے طالب علم آتا یا عوام الناس آتے، چھوٹے یا بڑے خواجہ صاحب سے ملاقات کے بعد یہ اثر قائم کرتے کہ وہ بڑے ہی منکسر المزاج اور دوستانہ ماحول میں کلام فرمانے والے عالم وفاضل ہیں۔ "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" کا ترجمہ کمپوز ہوگیا اور میں نے تصحیح کا کام شروع کیا تو اسی دور ان امام علم وفن بریلی شریف حاضر ہوئے اور ازہری مہمان خانے کے ۱۳ رنمبر حجرہ میں قیام کیا میں نے انہیں دکھایا تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دینے لگے، میں نے عرض کیا حضرت کچھ کلمات ارشاد فرمادیجئے بولے ارے علامہ اس کے لئے زبانی ارشاد بھی سنئے اور قلمی ارشاد بھی حاضر ہے، بلگرامی بزرگوں کا تذکرہ اور اس میں کس طرح کی شرکت آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ آپ نے بڑی زوردار تقریر لکھ کر عنایت فرمائی جو "مآثر الکرام" کے ترجمہ میں طبع ہو چکا ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ آپ کا بزرگوں سے کتنا زبردست لگاؤ تھا روحانیت سے کس قدر سرشار تھے۔

امام علم وفن کی ذات سے رضوی فیضان جھوم کر برسا جسمیں نہ جانے کتنے نہائے، کئی جہتوں سے آپکی ذات تشنگان علوم وفنون کیلئے مرجع تھی سلسلہ رضویہ کے عقیدت مند آپ سے اپنا تعلق تو رکھتے ہی تھے دیگر سلاسل سے وابستہ حضرات بلکہ دیگر سلاسل کے پیرزادگان بھی آپکو اپنا شیخ بنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ خواجہ علم وفن سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ سب پر جھو

بھی جانتے ہیں میں دو جہت سے م کر برستے ہیں تو سن کر مسکرائے اور جواب دیا جی ہاں میں کتاب نہیں اعلی حضرت پڑھتا ہوں
اعلی حضرت کا پوتا شاگرد ہوں اور اعلی حضرت کے علوم وفنون کا ہی غوطہ خور ہوں ۔ میرے یہاں رضوی دستر خوان بچھا ہوا ہے
بھی اس دستر خوان کا مہمان بنتا ہے، شوق سے بنے اور مقصد یہ کہ اعلی حضرت کی ذات کو سمجھے پھر حقانیت سر چڑھ کر بولے گی اور
میرا تجربہ یہ ہے جو اعلی حضرت کو سمجھ لیتا ہے وہ راہ حق سے نہیں بھٹکتا ہے ۔ اور اعلی حضرت ایک خاص سلسلے کے پیر نہیں یا کسی خاص
فن کے استاذ بھی نہیں بلکہ ایسی خوبیوں کے مالک تھے کہ ہر خوبی ان پر زیب دیتی تھی اور وہ اسلام کے معتبر رہنما تھے وہ ہر سلسلے کیلئے
قابل افتخار نعمت تھے۔

خواجہ علم وفن کی یہ باتیں خوب باور کراتی ہیں کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کو پڑھا بھی اور پڑھایا بھی خوب سمجھا بھی اور سمجھایا
بھی۔ آپ کی ذات اسی حوالے سے بڑی معتبر سمجھی جاتی رہی ہے۔ خواجہ علم وفن نے علوم نادرہ میں ایسا کمال پیدا کیا جس کی مثال نا
ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ خواجہ علم وفن کی بہت سی باتیں یاد ہیں، مشاہدات، خطوط محفوظ ہیں انشاء اللہ تعالی کبھی انہیں سپرد
قرطاس کروں گا۔

عید الاضحیٰ کی تعطیل تھی، جامعہ کے اساتذہ وطلباء عید کی تیاریوں میں تھے عوام وخواص بھی عید قرباں کی تیاریوں میں
لگے ہوئے کہ اچانک مفتی اعظم راجستھان کے رحلت کی ۹ رذی الحجہ کو خبر ملی اور اچانک ماحول سوگوار ہو گیا ابھی یہ غم تازہ ہی تھا کہ
اچانک ایک جانکاہ اور افسوسناک خبر دنیائے سنیت میں پھیلی کہ امام علم وفن بھی داغ مفارقت دے گئے ۔ دونوں بڑی معتبر ذات
تھی اللہ تعالی اہل سنت کو نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے ۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن

معاصرین میں قد آور اور نمایاں شخصیت

مولانا محمد نیاز احمد مصباحی

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی ذات وشخصیت آفتاب نصف النہار کی مانند روشن وتابندہ ہے۔ علم وحکمت، فضل وکمال، شرف وبزرگی، ایثار واخلاص، جود وکرم، زہد وتقویٰ، صبر وحلم، درس وتدریس، تبلیغ وتصنیف، بحث ومناظرہ غرض یہ آپ کے پرشور لمحات زندگی کے کثیر عنوانات ہیں؛ اور لطف یہ کہ ہر وصف میں آپ کی شان امتیازی ہے۔ لیکن علمی اور تحقیقی کام آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ آپ کا اسلوب بیان لچھے دار باتوں اور بے سروپا نکتوں سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ شائستہ انداز میں ترغیب وتشویق اور ترہیب وتخویف کے الفاظ ہوتے ہیں جو عالمانہ نکات اور حکمت کی باتوں سے پر ہوتے ہیں۔ گفتگو کا ہر حصہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالحین کی روشنی میں ہوتا ہے۔ اخلاص و دردمندی کا درس ہر ایک جملہ سے ملتا ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بہت سی زندگیوں کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگتا ہے۔ باتوں میں حیرت ناک اثر انگیزی پائی جاتی ہے، اور ہر بات 'از دل خیزد وبر دل ریزد' کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے مشاہیر علما ودانشوران کی بھیڑ میں آپ کی شخصیت قد آور اور نمایاں نظر آتی ہے۔

خاکساری وانکساری: ۱۹۸۹ء کی بات ہے 'الجامعۃ النظامیہ، فیض العلوم ملک پورھاٹ، ضلع کٹیہار بہار کے زیر اہتمام 'نظام مصطفےٰ کانفرنس' ہو رہی تھی۔ مشاہیر علما ودانشوران بالخصوص مرشد گرامی حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری دام ظلہ اور حضرت امام علم وفن مدعو تھے۔ حضور تاج الشریعہ کی تشریف آوری امام علم وفن ہی کے واسطے سے ہوئی تھی۔ میں اس وقت اس دار العلوم میں جماعت اولیٰ کا ادنیٰ طالب علم تھا۔ بعض ہم سبق طلبہ کے ہمراہ جب امام علم وفن کی قیام گاہ میں قدم بوسی کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ نے سلام کا جواب دے کر فرداً فرداً سبھوں کی خیریت پوچھی اور پیار سے بٹھالیا۔ گھر اور والدین کے حالات پوچھے پھر دیر تک اپنے ناصحانہ کلمات سے نوازتے رہے اور ہم لوگ علم وادب کے گوہر چنتے رہے۔ اس دوران کچھ اور بھی عقیدت مند ملنے آئے۔ ہم نے دیکھا کہ جب کوئی عالم یا بوڑھا آدمی آیا تو آپ نے پرخلوص انداز میں کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا۔ نہایت ہی خندہ

پیشانی سے ملے اور مزاج پرسی فرمائی۔ آپ کے اس اخلاق کریمانہ سے ہم سب متاثر ہوئے کہ اللہ اکبر! اتنے بڑے عالم اور یہ خاکساری وانکساری۔

حیات لے کے چلو کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لیکے چلو

اصاغر نوازی: ۱۹۹۵ء کی بات ہے میں ہندوستان کی عظیم دینی ومرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ میں زیر تعلیم تھا۔ میں اور حضرت مولانا محمد سجاد عالم صاحب مصباحی جو اس وقت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں درجہ فضیلت میں تھے اور اب برلن یونیورسیٹی جرمنی سے پی، ایچ، ڈی کے بعد کلکتہ میں ملازم ہیں) دونوں حضور امام علم وفن کی دعاوفیض لینے کی غرض سے دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد، حاضر ہوئے اور دوستوں کے پاس قیام کیا۔ ہماری آمد کی خبر پا کر حضرت خواجہ صاحب قبلہ از خود تشریف لائے اور فرمائے کہ کل دوپہر آپ دونوں حضرات ہمارے یہاں کھانے پر مدعو ہیں۔ لیکن اسی رات بعد عشا کچھ طلبہ کے ساتھ ہم دونوں بھی خدمت کی غرض سے حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رات دیر تک ہمیں حصول علم کی ترغیب دیتے رہے۔ اور فرمایا کہ: آپ جو پڑھ رہے ہیں کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اسے سمجھ کر پڑھیں، اسے بول کر دوسروں کو سمجھائیں، اور تحریر کی شکل بھی دیں۔ حصول علم میں آپ کی یہ کوشش دائمی رہی تو آپ کو تعلیم، تدریس، تقریر اور تحریر چاروں چیزیں بآسانی حاصل ہو جائیں گی۔ کیونکہ تقریر آسان ہے، تدریس مشکل اور تصنیف مشکل ترین۔

اسے پانے میں کتنے ہی شناور ڈوب جاتے ہیں
صدف کی قید سے یوں ہی کہاں گوہر نکلتا ہے

دوسرے دن ظہر کے وقت ہم دونوں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اسی دن مدرسہ کی ایک خالی پوسٹ پر ایک ٹیچر کی بحالی کے لئے انٹرویو ہونا تھا اور وہ انٹرویو حضرت خواجہ صاحب ہی کو لینا تھا۔ انٹرویو میں زیادہ وقت لگ جانے کی وجہ سے آپ کے ایک چہیتے ومعتمد شاگرد حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی جو اس وقت وہاں بھیا کے نام سے مشہور تھے اور منتہی درجہ کے طالب علم تھے، وہ یہ کہہ کر کہ حضرت کو دیر ہوگی، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر کھانا کھالئے مگر ابھی ہم کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ حضرت تشریف لائے۔ اور یہ دیکھ کر کہ ہم لوگ کھانا کھا چکے، اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ہم نے دعوت دی تھی ساتھ کھانے کے لیے، بہر کیف دعوت تو آپ لوگوں نے ادا کر دی مگر میری دلی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اس کی بھرپائی کے لئے آپ لوگوں کو ایک سزا لینی پڑے گی۔ ہم نے عرض کی: حضور! سر تسلیم خم ہے۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ: آج عشائیہ کی دعوت رہی اور میرے ساتھ کھانا پڑے گا۔ ہم نے سر جھکا دیا اور رات کا کھانا حضرت ہی کے دسترخوان پر آپ کی معیت میں کھانے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ بہت مسرور ہوئے اور ہم نے فخر محسوس کیا۔ یہ ہیں حضرت کے اخلاق عالیہ اور اخلاص بے پایاں کا ایک ادنیٰ نمونہ، جس نے ہمارے دلوں کو دائمی اسیر بنالیا۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ :: مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

سادات کرام سے عقیدت: میری فراغت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ جب سے اب تک

دار العلوم رحمانیہ تیغیہ نگرہ ضلع چھپرا میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں۔اس ادارہ کے زیر اہتمام ہر پانچ سال پر کنزالایمان کا نفرنس، بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ ملکی پیمانے پر منعقد ہوا کرتی ہے۔۳ر۴راپریل ۲۰۱۰ء میں بھی یہ کانفرنس، پیر طریقت، حامی اہل سنت، حضور سید شاہ امین احمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ و پروفیسر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی سرپرستی اور امام علم وفن حضور خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔کانفرنس کی پہلی شب حضور امین ملت صاحب قبلہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں خواجہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، مجھے حضرت کی قیام گاہ پر لے چلو۔میں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ: حضور! آپ چند لمحے یہیں تشریف رکھیں، میں حضرت خواجہ صاحب کو اطلاع دے آتا ہوں۔یہ عرض کر کے میں حضرت امام علم وفن کی بارگاہ میں پہونچا تو دیکھا کہ معتقدین حلقہ بگوش وہمہ تن گوش اور آپ محوارشاد ہیں۔مجھ پر نگاہ پڑتے ہی فرمایا! مولانا نیاز کوئی حکم ہے؟ میں نے اطلاعا عرض کی کہ: حضور امین ملت صاحب قبلہ آپ سے ملنے کی غرض سے یہاں تشریف لانے والے ہیں۔فوراً بول پڑے" اللہ اکبر آلِ رسول کو میں تکلیف دوں؟ ہر گز نہیں۔میں خود قدم بوسی کے لئے جانا چاہوں گا، مجھے جلدی تیار کروتا کہ حضور کو زیادہ انتظار کرنے کی تکلیف نہ ہو۔حالانکہ اس وقت خواجہ صاحب قبلہ ایک بڑے مرض میں مبتلا تھے، سہارے کے بغیر چلنا تو دور اٹھنا بھی دشوار تھا۔ یہ تو خواجہ صاحب قبلہ کے شاگرد رشید حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب قبلہ نوری برکاتی کی بھر پور محبت واصرار کا ثمرہ تھا کہ لمبے سفر کی کلفتوں کو برداشت کرتے ہوئے کانفرنس کے لیے تشریف لائے تھے۔ورنہ خواجہ صاحب قبلہ ان دنوں سفر کے قابل کہاں تھے؟۔اس کے باوجود مجھ سے فرمایا کہ: مولانا! جلدی جاؤ اور حضور سے کہو کہ وہیں تشریف رکھیں، قدم بوسی کے لئے میں خود آرہا ہوں۔میں گیا اور سواری لے کر دوبارہ پہونچا تو امام علم وفن تیار ہو چکے تھے۔فرمایا: مولانا سجاد عالم صاحب مصباحی کہاں ہیں؟ انھیں بھی ساتھ لے لو۔حضرت مولانا سجاد عالم صاحب مصباحی بھی اس کانفرنس میں مدعو تھے اور جرمنی سے شرکت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔الغرض وہ بھی ساتھ ہولیے اور ہم سب حضور امین ملت کی قیام گاہ پر پہونچے۔میں گاڑی سے اتر کر دوڑتا ہوا اوپری منزل پر پہونچا اور خواجہ صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔حضور امین ملت نے حیرت واستعجاب کے عالم میں فرمایا: ارے مولانا! آپ نے کیا غضب کردیا؟ میں تو خود ان کے پاس جانا چاہتا تھا۔انھیں نیچے بیٹھاؤ، اوپر آنے میں پریشانی ہوگی، وہ تو مریض ہیں، میں خود نیچے آرہا ہوں۔پھر حضور امین ملت صاحب نیچے تشریف لے آئے۔خواجہ صاحب قبلہ کی دست بوسی فرمائی اور خواجہ صاحب نے حضور امین ملت کی قدم بوسی کی۔اس روح پرور منظر کو دیکھ کر تمام حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔کیونکہ اس وقت سب کی نگاہوں میں زندہ وجاوید دو تصویریں تھیں۔ایک جانب عظمت آلِ رسول، تو دوسری جانب عظمت علماء۔یعنی علماء، آلِ رسول کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں اور آلِ رسول، علماء سے کیسی محبت رکھتے ہیں۔امام علم وفن اس ذات وشخصیت کا نام ہے جن کی بافیض بارگاہ سے ذوق علم ملتا ہے تو عمل کی توفیق بھی، اخلاق کی تصویر ملتی ہے تو آلِ رسول کی تعظیم بھی۔

جو مثل آسماں جھک کر ذرا خمدار ہوتے ہیں :: اسی کو سر بلندی ہوتی ہے حاصل زمانے میں

☆☆☆☆

امام علم وفن: مفتی اعظم ہند کی نوری کرن

مولانا محمد شاکر اصغر رضوی بائسی، پورنیہ، بہار

کہتے ہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ ہی ایسی ہے کہ کھوٹے کو کھرا اور مٹی کو سونا بنتے دیر نہیں لگتی۔ ہزاروں ہزار افراد اس میکدہ عرفان سے سیراب ہوئے اور چشم زدن میں کیا سے کیا ہو گئے۔ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ ان ہی رندان بلانوش میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مرشد کے عرفانی میکدہ سے جام پہ جام چڑھائے اور امام علم وفن بن کر آسمان علم وفن پر چھا گئے۔

حضرت امام علم وفن کی شخصیت خیر الاذکیا، نابغۂ روزگار، نادر زمانہ، فرید دہر، وحید عصر، فقید المثال، عدیم النظیر، ممتاز العلماء، صدر الصدور، محقق وقت، غزالی دوراں، خواجۂ علم وفن کی حیثیت سے مسلم ہے۔

حضرت خواجہ صاحب قبلہ خوبصورت، خوب سیرت، مناسب جسامت، اونچا لمبا قد، گورا گندمی رنگ، حسین وجمیل چہرہ، نور بھری پیشانی، سرگیں آنکھیں، موزوں ناک، نازک ہونٹ، چمکدار دندان، کشادہ سینہ، گلابی رخسار کے مالک ہیں، آواز میں بلا کا جادو ہے، لبوں پر قیامت خیز مسکراہٹ مچلتی رہتی ہے ایسی سحر انگیز شخصیت جس سے مل کر انسان یقیناً مسرور ہوتا ہے اور ملاقات کا یہ لمحہ زندگی کا یادگار لمحہ بن جاتا ہے۔ جس کی خوشبوئیں انسان کو ہمیشہ مست رکھتی ہیں۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی

یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

یہ میری کم نصیبی ہے کہ بلا واسطہ انکا شاگرد نہ بن سکا اور خوش نصیبی یہ کہ بالواسطہ ہی سہی میں انکا شاگرد ضرور ٹھہرا۔ چونکہ میں شاگرد ہوں فقیہ النفس، مناظر اسلام حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی کا، اور آپ شاگرد رشید ہیں حضرت امام علم وفن کے۔ امام علم وفن کی ذات ایک چلتی پھرتی درسگاہ ہے جہاں پہونچے، جہاں بیٹھے وہیں درس جاری ہے، وہیں علم وفن کی بوچھار ہے۔

غالباً ۱۹۹۵ء کی بات ہے، امام علم وفن موضع موبیہ علاقہ بائسی ضلع پورنیہ بہار میں جلوہ بار ہوئے تھے، علما اور عوام کی بھیڑ تھی، میں نے حضرت آسی غازیپوری علیہ الرحمہ کے متنازعہ شعر:

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

کے تعلق سے عرض کیا کہ: اس شعر کی بہت سی تاویلات میں نے کئی علما سے سنی ہیں۔ درس بخاری لیتے ہوئے منظر اسلام بریلی شریف میں حضرت مفتی محمد احمد جہانگیر خاں صاحب قبلہ سے بھی درخواست کی تھی کہ اس شعر کا صحیح مطلب سمجھا دیں۔ انھوں نے سمجھایا بھی تھا مگر ان کی پوری بات میرے پلے نہیں پڑی تھی اس لئے گذارش ہے کہ اس پہ روشنی ڈالی جائے۔ میری اس گذارش پر آپ کھڑے ہوئے اور مجھے سامنے کنویں کے پاس لے جا کر فرمایا اندر جھانک کر دیکھو کیا نظر آ رہا ہے؟ میں نے کہا: پانی اور اس میں میرا عکس۔ فرمایا: حضور ﷺ عکس خداوندی اور پرتو الٰہی ہی تو تھے۔ حضرت امام علم وفن کے اس انداز تفہیم نے میرے ذہن کے بند دریچے کھول دئے اور مسئلہ میرے لئے بالکل آئینہ ہو گیا۔

علم وفن کا کوہ ہمالہ ہونے کے باوجود امام علم وفن اپنے شاگردوں کے جھرمٹ میں، احباب واقارب کی بزم میں، علما وفضلا کی محفل میں اس خاکساری سے رہتے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔ ہر کسی سے مسکرا کر بات کرنا، ہر سائل کو اطمینان سے جواب دینا ان کی فطرت ثانیہ ہے۔

ترازو کو اٹھا کر دیکھو ناداں
وہی جھکتا ہے جو پلہ گراں ہے

ہندوستان پر قیامت صغریٰ تو اس دن برپا ہو گی جس دن علم وفن کا یہ آفتاب اپنی تمام تر شعاعوں کو سمیٹ کر دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا اور ان کے ساتھ ہی علم جبر ومقابلہ، علم ارثماطیقی، علم اسطرلاب، علم ربع مجیب، علم لوگارثم، علم جفر، علم رمل، علم تکسیر، علم مناظر ومرایا، علم زیج وغیرہ نادر ونایاب علوم وفنون علما کے درمیان سے رخصت ہو جائے گا۔ دل کی گہرائیوں سے ہر وقت، ہر پل، ہر لمحہ، ہر آن یہی دعا نکلتی ہے کہ:

دور ہو جائیں ان کے مصائب بھی
خواجہ علم وحکمت سلامت رہے

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

امام علم وفن : ایک منفرد وممتاز شخصیت

مولانا محمد نور الحق الحبیبی المصباحی ، راج محل ، جھارکھنڈ

خیر الاذکیاء ، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی پورنوی مدظلہ العالی جماعت اہل سنت کی نادر روزگار شخصیت ہیں ، گونا گوں علوم وفنون میں مہارت وانفرادیت کے باعث ایشیا ویورپ ، افریقہ اور امریکہ تک کے علاوہ دانشور آپ کو نہ صرف یہ کہ جانتے ہیں بلکہ دل کی گہری عقیدتوں کے ساتھ آپ کے فضل وکمال کے معترف ہیں۔ حق یہ ہے کہ موجودہ عالم اسلام میں آپ جیسا دوسرا جامع علوم وفنون شخص نظر نہیں آتا۔

یہ میری حرماں نصیبی کہ امام علم وفن سے براہ راست شرف تلمذ حاصل نہ کرسکا۔ ہاں! آپ کے قلم سے نکلے ہوئے تحقیقی وتخلیقی شہ پارے ضرور شرف نگاہ بنے۔ مگر افسوس کہ ان کو کماحقہ سمجھنے کے لئے بھی جن علوم وفنون کی ضرورت ہے، ان سے اپنا دامن خالی ہے۔ پھر بھی سرسری طور پر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں آپ ہی کی وہ ذات ہے جن کو صحیح معنی میں امام احمد رضا کے علوم وفنون کا وارث وامین کہا جاسکتا ہے۔

آج علم معقولات کے خلاف زوروں کی تحریک چلا کر مدرسوں کے نصاب سے اس کی کتابیں خارج کی جارہی ہیں۔ جب کہ اسلاف کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی:

> میں نے مروجہ درس نظامی کی تکمیل کر لی تھی اور احساس ہوا کہ عالم ہو گئے اب گھر واپس ہونا چاہئے۔ اجازت لینے کیلئے علامہ عبد الحق خیر آبادی کی حرم محترم کے پاس گئے ، تو آپ نے پوچھا ، کیوں بیٹا؟ کہاں تک پڑھ لیا؟ ادب سے عرض کی کہ ''تمام نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور میر زاہد امور عامہ تک پڑھ لیا ہے۔ امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا ، '' بھئی امور عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو..... بیٹے امور عامہ تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شدھ بدھ رکھتی ہیں۔
>
> (خیر آبادیات ص ۲۹)

امام علم وفن کو بھی علم معقولات سے بڑی دلچسپی ہے اور آپ بڑے شوق وذوق سے حمد اللہ ، صدرا ، قاضی مبارک ،

ملا جلال، شرح مواقف اور زواہد ثلثہ پڑھایا کرتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ سے علم معقولات کا درس خود لئے ہوئے مولانا اسید الحق صاحب بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

''بارہویں صدی کے نصف آخر، تیرہویں صدی کے نصف اول تک تو کسی عالم کو اس وقت تک ماہر مدرس تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ زواہد ثلاثہ پڑھانے کی استعداد نہ رکھتا ہو۔ اور حضرت امام علم وفن کی پسندیدہ درسی کتابوں میں زواہد ثلاثہ محبوب ترین کتاب ہے۔ جس کو وہ بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھایا کرتے ہیں،،

امام احمد رضا نے جن نادر ونایاب علوم وفنون سے دین کی خدمت لی ہے، دوسرے علما ان سب سے واقف تو کیا ہوتے شاید صحیح ناموں سے بھی آگاہ نہیں تھے جیسا کہ ایک ہی فن کو کسی کے کچھ اور کسی کچھ لکھنے سے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ امام علم وفن ہی ہیں جنہوں نے ان علوم وفنون کی عقدہ کشائی کی اور ثابت فرمایا کہ اعلیٰ حضرت ان کو جانتے ہی نہیں تھے بلکہ امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے... اس ناچیز نے محسوس کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے علوم کا گہری نظر سے مطالعہ شروع کیا اور ایک منظم پلان کے تحت یک بعد دیگرے تحقیقی مضامین کا ایک طویل سلسلہ ارباب علم کی خدمت میں پیش کیا اور یہ ثابت کردکھایا کہ ان علوم پر اعلیٰ حضرت کی کتنی گہری نظر تھی،،

اس سلسلے میں جو مضامین آپ کے رشحات قلم سے نکلے اور شائع ہوئے وہ حسب ذیل ہیں

(۱) امام احمد رضا اور الجبر والمقابلہ (۲) امام احمد رضا اور علم المساحہ (۳) امام احمد رضا اور علم مثلث مسطح (۴) امام احمد رضا اور اسطرلاب (۵) امام احمد رضا اور علم جفر (۶) امام احمد رضا اور علم التکسیر (۷) امام احمد رضا اور علم مثلث کروی (۸) امام احمد رضا کی علم ہندسہ پر نقد ونظر (۹) امام احمد رضا اور لوگارثم (۱۰) امام احمد رضا اور ربع مجیب۔ وغیرہ وغیرہ

ان مضامین کے مطالعہ سے جہاں امام احمد رضا کی ان علوم میں مہارت وامامت کا پتہ چلتا ہے وہیں ان فنون سے امام علم وفن کے شغف کامل کا بھی سراغ ملتا ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ حضرت امام علم وفن کا سایۂ عاطفت ہم خوشہ چینوں پر دراز فرمائے اور انھیں عمر خضر عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

zzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzzz

امام علم وفن: اوراخلاقی قدریں

مولانا محمد مبارک حسین رضوی پورنوی کھپڑا باڑی ضلع پورنیہ، بہار

استاذ الاساتذہ، امام علم وفن، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی ایک عبقری شخصیت کا نام ہے۔ ان کی زندگی کے کسی بھی پہلو پر بھر پور روشنی ڈالنا۔ یا۔ ان کی زندگی کے کسی گوشے کا مکمل احاطہ کرنا مجھ جیسے کم علم، بے بضاعت کی بساط سے باہر کی بات ہے۔ امام علم وفن کے حوالے سے یہ چند جملے لکھ کر بس، یوسف کے خریداروں میں نام لکھا رہا ہوں .....موضوع سخن چونکہ اخلاق ہے اس لئے اخلاقیات پر کچھ روشنی ڈالنا مناسب ہے۔

اخلاق جمع ہے خُلق کی، خُلق کا لغوی معنی ہے وہ طبعی خصلت جس کے ذریعے اچھے افعال صادر ہوتے ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اسکی تشریح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: **الخلق ملكة نفسانية يسهل على المتصف بها الاتيان باالافعال الجميلة** یعنی خُلق، نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے اس کے لئے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر)

پھر فرماتے ہیں: کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا صادر ہونا الگ چیز ہے لیکن اسکو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خلق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کرنے کی نوبت نہ آئے۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے، اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی اور تقوی وغیرہ کسی انسان سے بغیر کسی تردد تو قف کے صادر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو اس انسان کا اخلاق شمار کیا جائے گا۔

اچھا خلق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور صدیقین کا افضل عمل ہے، متقیوں کی کوشش کا نتیجہ اور عابدوں کی ریاضت ہے۔ جبکہ بُرے اخلاق زہر قاتل اور مہلک ہیں۔ اچھے اخلاق وہ دروازے ہیں جو جنت کی نعمتوں اور بارگاہ خداوندی کی طرف کھلتے ہیں۔ جبکہ بُرے اخلاق دلوں کی بیماریاں ہیں جن سے ابدی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے اور آپ پر اپنی نعمتوں کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وانک لعلیٰ خلق عظیم** (سورہ قلم آیت نمبر۴) اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتادیا کہ حضور کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذات اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ شکر نوح، خلت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، صدق اسماعیل، صبر ایوب، تواضع سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔ ع.....

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری :: آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلق مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ مختصر اور جامع جواب دیا۔ **کان خلقه القرآن**. حضور کا خلق قرآن تھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ٦) یعنی جن محاسن اوصاف اور مکارم اخلاق کو قرآن نے اپنانے کا حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے حضور ان سے پوری طرح منزہ ومبرہ تھے۔

شاہ خوباں صلی اللہ علیہ وسلم صرف خود ہی ہر کمال، ہر جمال کے پیکر اور تصور جمیل نہ تھے بلکہ اپنے نیازمندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کردیا تھا اور ان کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ آنے والی نسل انسانی کیلئے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ بے شمار ارشادات اس سلسلے میں وارد ہیں جن میں صحابۂ کرام کو اخلاق حسنہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر میں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ **عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامة احاسنکم اخلاقا**۔ (مجمع الزوائد کتاب الادب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن زیادہ قریب مجلس والے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''اس نے بھی بلندی حاصل کی حسن اخلاق کی وجہ سے حاصل کی اور اس کا کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مخلوق میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو خوش خلقی میں آپ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ خلق نفس کی ہیئت اور اسکی باطنی صورت کا نام ہے ،جس طرح ظاہری صورت کا حسن محض ایک عضو سے پورا نہیں ہوتا مثلاً آنکھیں خوبصورت ہوں، لیکن ناک، منہ رخسار وغیرہ حسین نہ ہوں تو حسین نہ ہوگا، بلکہ ان سب کا ہونا ضروری ہے تاکہ

ظاہری حسن مکمل ہو۔ اسی طرح باطن میں بھی چار ارکان ہیں اور ان سب میں حسن کا پایا جانا ضروری ہے تا کہ حسن خلق مکمل ہو۔ وہ چار ارکان ہیں: قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت، اور ان تینوں کو اعتدال پر رکھنے کی قوت۔ قوت علم کا حسن یہ ہے کہ وہ اس مرتبے پر جس سے اقوال میں سچ اور جھوٹ ،عقائد میں حق اور باطل اور افعال میں اچھے اور برے کی تمیز ہو سکے۔ جب یہ قوت حاصل ہوگی تو اس سے حکمت کے ثمرات حاصل ہوں گے اور حکمت تمام اخلاق حسنہ کی اصل ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ من یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً ۔اور جسے حکمت دی گئی تحقیق کہ بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی ——— قوت غضب کا حسن یہ ہے کہ وہ حکمت کے تحت رہے اور جاری ہو ——— اسی طرح شہوت کا حسن اور عمدگی یہ ہے کہ وہ حکمت کے تحت ہو یعنی جس طرح شریعت اور عقل کا اشارہ ہو اسی کے مطابق چلے ——— اور قوت علم ،قوت شہوت اور قوت غضب ان تینوں کو عقل اور شریعت کے اشارے کے مطابق کنٹرول کرنے کیلئے عقل ایک ناصح مشیر کی طرح ہے۔ تو جس میں یہ خصلتیں اعتدال کے مطابق ہوں اس کو مطلقاً حسن خلق حاصل ہے اور جس میں ان میں سے بعض پائی جائیں تو وہ صرف اس معنی کی نسبت سے حسن خلق کا مالک ہے۔ جیسے ایک شخص کے بعض اعضا خوبصورت ہوں اور بعض خوبصورت نہ ہوں قوت علم کا ثمرہ حکمت ہے، قوت غضب کا نتیجہ شجاعت ہے اور قوت شہوت کا پھل عفت ہے؛ اور ان تینوں کو اعتدال پر رکھنے کی قوت کا نام عدل ہے،،

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ تمام اچھے اخلاق کی بنیاد یہ چار فضائل ہیں، حکمت، شجاعت، عفت، عدل، باقی سب ان کے فروع ہیں، اور ان چاروں میں کمال اعتدال صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اور آپ کے علاوہ لوگ اس سے قرب وبعد میں مختلف ہیں۔ تو جو شخص اخلاق میں جس قدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا۔ وہ اسی قدر اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا۔ اور جو آدمی ان تمام اخلاق کا جامع ہو وہ اس بات کے لائق ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں اور اسکی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں کا پیشوا ہو۔

جب ہم اس تناظر میں دیکھتے ہیں۔ تو امام علم وفن میں بے شمار خوبیاں ہیں امام علم وفن صرف ایک شخصیت کا نام ہی نہیں بلکہ ایک مکمل انجمن کا نام ہے، ایک مکمل درسگاہ کا نام ہے۔ ایک مکمل دانشکدہ کا نام ہے، ایک مکمل مکتبہ فکر کا نام ہے ،ایک مکمل تہذیب وتمدن کا نام ہے ایک مکمل آئینہ اخلاق رسول کا نام ہے۔ امام علم وفن ان صفات کمالیہ کے حامل ہوتے ہوئے صفت خلق سے مزین نظر آتے ہیں ..... جہاں وہ گرم گفتار ہیں وہیں وہ نرم گفتار بھی ہیں۔ نمونۂ اسلاف بھی ہیں

نائب رسول بھی۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی جانشینی کا حق مکمل طور پر ادا کر رہے ہیں..... منکسر المزاجی کا یہ عالم ہے کہ جو ان سے ملتے ہیں انھیں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ شیریں سخن ایسے کہ بات کریں تو علم وفکر کے موتی لٹاتے رہیں اور دامن سماعت میں سامعین بھر بھر کر لے جائیں۔ لب ہلائیں تو گویا اسرار ورموز کے پھول جھڑیں۔ اور مسکرائیں تو ہزاروں کے دلوں پر قبضہ وتسلط جمالیں۔ اتنے بڑے عالم۔ باوقار عالم۔ ذی شان عالم۔ مشہور زمانہ عالم۔ ممتاز زمانہ عالم بحر العلوم، جبل العلوم علم میں قد اتنا لمبا کہ اچھے اچھے پڑھے لکھے بھی سامنے آئیں تو بونے نظر آئیں..... اور اخلاق کا پیکر ایسے کہ چھوٹے چھوٹے کم پڑھے لکھے بھی سامنے آجائیں تو انداز ملنساری پہ قربان انکو سینے سے لگالیں۔ دعا وسلام کے خوشگوار موسم میں مصافحہ ومعانقہ کر کے مزاج پرسی میں اسطرح دلچسپی کا اظہار فرمائیں آپ کے گھر میں سب لوگ بخیر وعافیت تو ہیں اچھا یہ بتائیے آپکے والدین کریمین کیسے ہیں ان کی صحت کیسی ہے زیادہ کمزور تو نہیں ہو گئے ہیں مزاج پرسی کا یہ والہانہ انداز جیسے مدتوں کے دوست کی خبر گیری فرما رہے ہوں یہ اخلاقی فریضہ کا حسین سہرا صرف اور صرف امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کے ہی سر جاتا ہے۔ ع

خلوص و پیار کا وہ جذبۂ ایثار رکھتے ہیں
نگاہوں میں وہ آقا کا حسیں کردار رکھتے ہیں
جواب ان کا کہیں اس دور حاضر میں نہیں کوئی
بباطن ہو تو سکتے ہیں پر ظاہر میں نہیں کوئی

حضرت امام علم وفن کی بے شمار خوبیوں کی ایک جھلک جو میں سپرد قلم کر رہا ہوں یہ نہ کسی کی زبان سے سن کر اور نہ ہی کسی کی تحریر پڑھ کر بلکہ چشم دید مشاہدے ہیں جن میں سے کچھ ضبط تحریر میں لانے کی شاگردانہ جسارت کر رہا ہوں۔

جب میں الجامعۃ الرضویہ منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی شریف میں حصول علم کی تکمیل کر رہا تھا اسوقت حضرت امام علم وفن بدایوں شریف میں علوم مصطفائی کے جواہر پارے بکھیر رہے تھے، تشنگان علوم ان کے درس وتدریس کے بے پایاں سمندر میں غوطہ زن ہو کر سیرابی حاصل کر رہے تھے اسی زمانے کی بات ہے کہ امام علم وفن مرکز عقیدت والفت بارگاہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت میں حاضری کیلئے مہینہ پندرہ دن میں اکثر بریلی شریف تشریف لے آتے بارگاہ اعلیٰ حضرت کی حاضری سے شرفیاب ہو کر اپنے اطراف واکناف وقریب الوطن یعنی پورنیہ، کشن گنج، کٹیہار، دیناجپور، بالخصوص بائسی علاقے کے طالب علموں سے ضرور ملاقاتیں کرتے، انھیں سینے سے لگاتے، ڈھیر ساری نصیحتوں کے ساتھ بے شمار دعائیں دیتے، انھیں خوش نصیب طالب علموں میں ناچیز راقم الحروف بھی شامل تھا... سب سے ملنا... دل کھول کر ملنا۔ والہانہ انداز سے ملنا۔ شفقت بھرے انداز میں تبسم ریز ہو کر گفتگو کرنا، عام طالب علموں کے ساتھ دستر خواں پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمانا، دوران

خورد ونوش علمی اور معیاری سوالات کرنا، باادب بچوں کے سکوت پر خود جواب فراہم کرنا۔ پھر دل کو بہلاتے ہوئے اردو زبان بولتے بولتے اپنی مادری زبان سور جاپوری میں آجانا، اور بچوں میں ہنسی اور مسکراہٹ کا ایک بازار گرم کرنا، یہ سب کچھ امام علم وفن کے اخلاق کریمانہ اور خلق جمیلہ کی بہترین مثالیں ہے۔ ع

لبوں پر مسکراہٹ کے حسیں موتی بکھرتے ہیں
گل نسریں کے جیسے دونوں لب کھل کر نکھرتے ہیں

مکمل حسن کی تصویر کا غماز ہے چہرہ :: گل وبلبل کے نغموں کی حسیں آواز ہے چہرہ

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ امام علم وفن کے گاؤں سنگھیا میں "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" جلسہ تھا جس میں ناچیز راقم الحروف مقرر خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھا۔ حضرت امام علم وفن بھی اس جلسے میں جلوہ افروز تھے ان کی موجودگی میں ناچیز کا خطاب ہوا۔ حضرت امام علم وفن نے ناچیز کے بیان کو سراہتے ہوئے داد وتحسین سے نوازا اور سر پر دست شفقت رکھ کر دعاؤں کے ذخیروں سے مالا مال فرمایا۔ اختتام جلسہ پر آپ بلا تاخیر اپنے دولت کدے پر تشریف لے گئے، رات ڈھل چکی تھی، غالبا ایک بج رہا تھا۔ رات ڈھلے چائے نوشی کا دور چلا؛ پھر گھریلو تذکرے بھی ہوئے، رات کافی ہو چکی تھی، آرام بھی ضروری تھا اس لئے کہ دوسرے دن مجھے کرابشن پور کے جلسہ میں شریک ہونا تھا؛ اور اس جلسے میں شرکت لازمی تھی دراصل کرابشن پور میں اس جلسے سے پہلے ایک جلسہ چند روز قبل ہو چکا تھا اس جلسے میں کسی خطیب نے مولانا اسماعیل دہلوی کے کفر پر سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کف لسان والے مسئلہ کو ہدف تنقید بنایا تھا۔ حضرت امام علم وفن بڑے اچھے موڈ میں تھے گفتگو کا تسلسل جاری تھا، میں نے وہی مسئلہ کف لسان امام علم وفن کی بارگاہ میں چھیڑ دیا۔ اب کیا تھا۔ علم کا سمندر موجیں مارنے حضرت امام علم وفن بغیر تھکاوٹ کا احساس کیے تقریبا ۴۵ منٹ تک اس موضوع پہ روشنی ڈالتے رہے۔ میں نے اسی کو جلسہ میں تقریر کا موضوع بنایا اور اس سے واقعی اسمٰعیل دہلوی کے تعلق سے مسئلہ کف لسان بہت واضح ہو گیا۔ اور یہ ہے امام علم وفن کی وضاحت اور ان کی تقریر کا نتیجہ تھا۔ ع

لدنّی علم سے سینہ خدا نے بھر دیا ان کا :: نبی کی معرفت سے دل نگینہ کر دیا ان کا
یہی تو منفرد پہچان ہے ان کی زمانے میں :: کسر باقی نہیں رکھتے وہ علم دیں سکھانے میں

نشان اوج سے آگے ہمیشہ پاؤں رکھتے ہیں
وہ برگد کی طرح دامن میں اپنے چھاؤں رکھتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت امام علم وفن کو عمر خضر عطا فرمائے اور صحت وعافیت سے نوازے (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اخلاق ومروت کے گلشن بے خار

محمد افضل حسین اویسی بریلی شریف

اللہ رب العزت نے اپنے دین کو وہ جامعیت عطا فرمائی ہے جو دیگر مذاہب میں ناپید ہے۔ اسلام کے جس زاویے اور گوشے پر نظر ڈالی جائے وہ ہر جہت سے کامل و اکمل نظر آتا ہے۔ اسلام نے سماجی و معاشرتی معاملات میں جہاں اور چیزوں کی ہمیں تعلیم دی ہے، وہیں اخلاق و مروّت، اخوت و محبت، صلہ رحمی اور حسن سلوک کا سبق بھی سکھایا ہے۔ چنانچہ خود ہمارے نبی کریم ﷺ اخلاق کے پیکر تھے اور دوسروں کو بھی اخلاق کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا **انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** یعنی میں اخلاق کی خوبیوں کی تکمیل و تتمیم کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا **کان خلقه القرآن** یعنی آپ کا خلق قرآن کریم ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا قول **انک لعلیٰ خلق عظیم** مذکورہ بالا حدیث کا مؤید اور مصداق ہے۔

بایں وجہ ہمارے بزرگان عظام و علمائے کرام میں بھی یہ وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ عہد حاضر کی شہرہ آفاق علمی شخصیت جنہیں دنیا 'امام علم وفن، مخزن علوم وفنون، مرجع علما ومشائخ، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے نام نامی اسم گرامی وقار سے جانتی پہچانتی ہے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت بھی اخلاق و مروّت کی مرقع نظر آتی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں امام علم وفن کے 'اخلاق و مروت، کو ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین حضرات ذہن نشیں کرلیں۔

حضرت موصوف سے اس ناچیز کو صرف ایک ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ چند سال پہلے جب آپ 'مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف تشریف لائے تھے، محبّ گرامی وقار حضرت مولانا خواجہ آصف صاحب جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، جو آپ کے قریبی رشتہ دار اور شاگرد رشید بھی ہیں۔ انہیں کی گزارش پر حضرت تقریباً دو گھنٹے کے لئے جامعہ میں تشریف لائے۔ میں اور میرے محبّ حضرت مولانا احتشام الدین صاحب جو اس وقت جامعۃ الرضا میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے، حضرت سے ملاقات کی غرض سے خواجہ آصف صاحب کے کمرے میں گئے۔

حضرت نے اپنے اخلاق سے پہلی ملاقات میں ہمیں مسحور کرلیا۔ سلام دعا کے بعد مولانا احتشام الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور! میرے ذہن میں کچھ خلجان ہے اسے دور فرمادیا جائے۔ حضرت نے تواضعاوانکساراً فرمایا کہ میرے اندراتنا علم اور اتنی لیاقت کہاں کہ آپ کے ذہنی خلجان کو دور کرسکوں؟ پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی فرمایا: اچھا بتایئے! کیا آپ کے سوالات ہیں؟ مولانا احتشام الدین صاحب نے دوسوالات کئے۔ ایک ارواح سے متعلق اور دوسرا فلسفہ سے متعلق تھا۔ (اس وقت وہ سوالات ذہن میں نہیں ہیں) حضرت نے بہت ہی نفیس اور عمدہ انداز میں ایسا محققانہ اور مدققانہ، تسلی بخش جواب عنایت فرمایا کہ جملہ حاضرین محفل حیران وششدر رہ گئے۔ جب کہ اس وقت آپ کی طبیعت بھی علیل تھی۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت سے یہ پہلی ملاقات تھی مگر اس پہلی ملاقات ہی میں ایسا لگتا تھا جیسے ہمارے دیرینہ تعلقات اور بہت پرانی شناسائی ہو۔

ایک اور وصف کہ حضرت جب طلبہ کو درس دیا کرتے ہیں تو اس وقت بھی بڑے اخلاق ومحبت سے پیش آتے ہیں جیسا کہ حضرت کے تربیت یافتہ خود اس کے شاہد ہیں۔

محلہ قرولان بریلی شریف کے ایک شخص نے راقم الحروف سے بتایا کہ ایک مرتبہ ہمارے محلہ سے حضرت موصوف کے پاس ایک خط روانہ کیا گیا جس میں بابری مسجد کی شہادت سے متعلق سوال کیا گیا تھا کہ حضرت علم جفر سے اپنی رائے پیش فرمائیں کہ شہادت ہوگی یانہیں؟ حضرت نے اس خط کا جواب نہیں دیا، لیکن جب عرس رضوی کے دوران بریلی تشریف لائے تو ان صاحب نے آپ سے مل کر عرض کیا کہ حضرت! میں نے آپ کے پاس ایک خط بھیجا تھا وہ آپ کو موصول ہوا یانہیں؟ ہم ابھی تک جواب کے منتظر ہیں۔ آپ نے بڑی نرمی اور ملاطفت سے یہ ارشاد فرمایا کہ ہاں! آپ نے جو خط ارسال کیا تھا، وہ ہمیں مل گیا تھا، لیکن ہم نے جواب جان بوجھ کر نہیں دیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے بات بات پر جفر کے ذریعہ جواب دینے سے منع فریا ہے۔

اس واقعہ سے جہاں آپ کی علمی لیاقت اجاگر ہورہی ہے وہیں آپ کے اخلاق عظیمہ کا بھی پتہ چل رہا ہے۔

آپ کے منجملہ اوصاف ہی سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ خوش طبع، ہنس مکھ، کم گو، خاموش رہ کر زیادہ کام کرنے والے اور منکسر المزاج ہیں۔ جو بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتا ہے پہلی ہی ملاقات میں آپ کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ ایسی صفات حمیدہ وخصائص جمیلہ سے مزین بہت کم افراد پائے جاتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جن کے اندر یہ صفت من جانب اللہ ودیعت ہوتی ہے وہی اس کے حامل ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اور کرامات مفتی اعظم

مولانا محمد احمد رضا احمد الجامعۃ الرضویہ کلیان

کرامت کی حقانیت وصداقت آفتاب نیم روز کی طرح عیاں، آیات کریمہ، احادیث صحیحہ، آثار مشہورہ اور حکایات کثیرہ سے ثابت ہے۔ کرامات کی تصدیق وتائید میں اسلاف واکابر کی گراں مایہ تحریرات وتصنیفات موجود ہیں، خاص طور سے امام یافعی علیہ الرحمہ نے اپنی شاہکار تصنیف "نشر المحاسن الغالیہ" اور امام ابو القاسم قشیری علیہ الرحمہ نے شہرۂ آفاق رسالہ "رسالہ قشیریہ" میں کافی سیر حاصل بحثیں کی ہیں اور دلائل وبراہین کے ذریعہ کرامت کی حقانیت کو آئینہ کردیا ہے۔ باوجود ایں ہمہ اگر کوئی بداندیش منکر کرامت ہوتو یہ محض اسکی بدبختی، بدعقیدگی اور کوتاہ نظری ہوگی: ع

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

یہ بھی یاد رہے کہ کرامت کا ظہور اپنی بزرگی کے اظہار، اور اپنی قوت روحانی کی نمائش کے لئے نہ ہوتی ہے اور نہ ہونی چاہئے۔ اس کا صدور حق کے اثبات اور منکر حق کی تسکین واطمینان کے لئے ہوتا ہے اور بزرگوں نے اسی ضرورت کے وقت اپنی اس قوت روحانی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اب تک جن اقسام کرامت کا ظہور ہوا ہے ان میں یہ اقسام بہت مشہور ہیں:

☆ مردہ زندہ کرنا ☆ مردہ سے باتیں کرنا ☆ پانی پر چلنا ☆ دریا کا پھٹ جانا ☆ اعیان کو تبدیل کرنا ☆ زمین کا سمٹ جانا ☆ جمادات کا وحیوانات سے باتیں کرنا ☆ امراض کو دور کرنا ☆ کچھ غیب کی خبر دینا ☆ مقام تصوف پر فائز ہونا ☆ مخفیات کا مشاہدہ کرنا اور کرانا وغیرہ۔

ہمارے ممدوح سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان بھی انہیں بزرگوں میں ہیں جن سے اتباع شریعت اور اہتمام سنت کے ساتھ کہ اصل کرامت تو یہی ہے کچھ ایسی کرامتوں کا بھی ظہور ہوا ہے، جن سے واقعی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں جیسے۔

☆ ایک دم میں بصارت لوٹا دینا ☆ لاعلاج بیمار کو ایک ہفتہ میں شفا بخشنا ☆ ٹھوکر سے مریض کو تندرست کردینا ☆ مقبول الدعا ہونا ☆ مطلع علی الغیب ہونا ☆ ایک پل میں گلے کی بیماری کافور کردینا ☆ مظلومہ کے شوہر کو پھانسی سے رہائی دلانا ☆ برسوں

کی بند دکان ایک نظر میں چالو کر دینا ☆ دونوں ہاتھ سے تعویذ لکھ کر شفا دینا ☆ جن رجال الغیب کو مرید کرنا ☆ نماز تہجد میں رجال الغیب کی امامت کرنا ☆ خواب میں تلقین فرما کر وہابیت سے توبہ کرانا ☆ بعد وفات بھی عقیدت مندوں کی فریادرسی کرنا وغیرہ۔

یہ آپ کی شہرۂ آفاق کرامتوں کی ایک جھلک ہے۔ ورنہ دنیا بھر میں آپ کے پھیلے ہوئے مریدین و متعلقین اور حاضر باش افراد کے علم میں سینکڑوں کرامتیں محفوظ ہیں جن سے ایک دنیا غیر آشنا ہے۔ اگر وہ ساری کرامتیں یکجا ہو جائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ اسی طرح کرامتوں کا انمول ذخیرہ امام علم وفن مظہر علوم اعلیٰ حضرت حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کے ذہن میں محفوظ تھا جو ان کے ساتھ ہی منتقل ہو گئیں ہاں چند صحبتوں میں جستہ جستہ کچھ کرامتیں جو میرے کانوں نے ان سے سماعت کیں وہ آج بڑے فخر و اعتماد کے ساتھ ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

پہلی کرامت:

شعبان المعظم کا مہینہ ہے، حضرت خواجہ صاحب کی دستار بندی ہو چکی ہے، مفتی اعظم کا فیض نظر پالیا ہے، گاؤں علاقہ کے لوگ اس واقعہ سے خوش ہیں، پر جوش ہیں، وطن واپسی کا ٹکٹ بن چکا ہے، ساز و سامان بھی تیار کر لیا ہے، امام علم وفن اپنے تمام فارغین کے ساتھ سرکار مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں اجازت کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت نے فرمایا" آج نہ جائیے میرے مہمان رہے، آج شام آپ لوگوں کی میری طرف سے دعوت ہے"۔

ادھر حضرت کا یہ فرمان ادھر بہار کے سارے فارغین اپنے گھروں کو لوٹنے کیلئے بیقرار ٹکٹ بھی لئے جا چکے ہیں سیٹیں بھی ریزرو (Reserve) ہو چکی ہیں۔ لیکن امام علم وفن فرماتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ اس ممانعت میں کوئی نہ کوئی راز و حکمت ضرور ہے، کیونکہ آپ نے دیگر طلبہ کو نہ روکا صرف بہار جانے والے طلبہ کو منع کیا اس کا مطلب " کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے" دعوت تو ایک بہانہ ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں" ہم تمام لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ آج دن کی ٹرین چھوڑ کر رات کی ٹرین سے سفر کریں گے، لکھنؤ سے بہار جانے والی ٹرین بھی مل جائیگی، ہمیں گھر جلد پہنچنا ضروری تھا کیونکہ ہم نے اپنے اپنے اہل خانہ کو تار کے ذریعہ اطلاع دے رکھی تھی، کہ ہم فلاں وقت پہونچ رہے ہیں، عرصۂ دراز کے بعد محنت و مشقت کا ثمرہ برآور ہوا، والدین کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی، خویش و اقارب کی دعائیں رنگ لائیں، اس لئے سب کے گھر استقبال کی بھرپور تیاری تھی اور پورا سماج پرتپاک خیر مقدم کیلئے بے قرار تھا۔

امام علم وفن فرماتے ہیں کہ رات کا کھانا کھا کر بہت سے طلبہ حضرت سے اجازت لیکر روانہ ہو گئے مگر کچھ لوگ میرے ساتھ ٹھہر گئے، رات کی ٹرین سے جو لوگ گئے وہ لکھنؤ اتنی تاخیر سے پہونچے کہ بہار جانے والی ایکسپریس گاڑی نکل گئی اب یہ لوگ اسٹیشن پر دوسری ٹرین کا بیقراری اور افسردہ دلی کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ وہ طلبہ انہیں خیالوں میں محو تھے مگر انہیں کیا خبر کہ ایک عارف باللہ فنافی رسول اللہ اور ولی کامل نے کھانے کی دعوت دیکر کتنے بڑے حادثہ سے بچانے کا حیلہ کر دیا ہے، ادھر لوگ اسٹیشن پر افسردہ بیٹھے

ہوئے گاڑی چھوٹ جانے کا غم کر رہے تھے ادھر وہی ٹرین جب بہار کی اطراف میں پہنچی تو اچانک ایک پل ٹوٹ گرا اور ٹرین کے ڈبے تتر بتر ہو گئے، سخت نقصان پہونچا، سینکڑوں کی تعداد میں مسافرین ہلاک ہوئے، بے شمار لوگ بری طرح گھائل و زخمی ہو گئے۔ خستہ و شکستہ حال لوگوں کی آہ و فغاں سے جائے حادثہ لرز اٹھا، اس حادثہ کی خبر چہار جانب جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی، سرکاری عملہ اور اسباب و ذرائع نے زخمی مسافرین کو ہسپتال پہونچانے کا بیڑہ اٹھایا، شدہ شدہ یہ خبران گاؤں، بستیوں تک جلد پہونچی جہاں کے یہ فارغین تھے، اب کیا تھا ہر گاؤں میں ایک کہرام سا برپا ہو گیا، ان نو فارغ علماء کے گھروں میں صف ماتم بچھ گیا، سب کے والدین خویش و اقارب رنج و غم سے نڈھال اور ان کی زندگیوں سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ لوگ پروگرام کے مطابق اسی ٹرین سے آرہے ہونگے جو پل گرنے سے تباہ و برباد ہو چکی ہے، بالآخر لوگ روتے بلکتے پتہ لگانے کٹیہار اور کچھ متعلقین جائے حادثہ تک جا پہونچے۔ مگر بریلی شریف سے فارغ ہو کر آنے والوں کا کوئی اتہ پتہ نہ ملا پھر تو اور لوگوں کے ہوش اڑ گئے، لیکن اچانک خیال آیا کہ ذرا بریلی شریف فون کر کے معلوم کروں کہ یہ لوگ چلے بھی یا نہیں، جب ان لوگوں نے بریلی شریف فون کر کے حقیقت حال سے واقفیت چاہی تو اطلاع ملی کہ آقائے نعمت سرکار مفتی اعظم کی دعوت کی وجہ سے ان لوگوں نے حادثہ کا شکار ہونے والی ٹرین چھوڑ دی تھی۔ لہذا وہ لوگ اب دوسرے دن اپنے اپنے گھروں کو پہونچیں گے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام علم وفن فرماتے ہیں کہ اس سانحہ کے بعد سرکار مفتی اعظم کی دعوت کا راز کھلا کہ دیگر اطراف کے طلبہ کو آپ نے نہ روکا صرف بہار جانے والے طلبہ کو دعوت دیکر کیوں روک لیا۔ واقعی اللہ کے ولیوں، برگزیدہ بندوں کی باتوں میں بے شمار حکمت و راز ہوتے ہیں (فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ)

دوسری کرامت:

امام علم وفن جب دستار لیکر، مفتی اعظم کی صحبت کیمیا اثر اور فیض نظر پا کر گھر پہونچے تو پرتپاک خیر مقدم اور شایان شان استقبال ہوا، گاؤں پڑوس کے لوگوں نے آپ کے سر تاج علم و فضل سجا دیکھ کر مبارک بادی پیش کی۔

والد گرامی نے تدریسی خدمات کیلئے بہادر گنج علاقہ منتخب فرمایا، وہاں کسی ادارہ میں آپکی تقرری کر لی، رمضان گذار کر مسند تدریس پر جلوہ بار ہونا ہے مگر رمضان کے اسی موسم خیر و برکت میں دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف سے مژدۂ جانفزا آیا، صدر المدرسین علامہ ثناء اللہ مئوی صاحب کا مکتوب گرامی باصرہ نواز ہوا، جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ''تم جلد بریلی شریف آجاؤ یہاں پر تدریسی فرائض انجام دینے ہیں، امام علم وفن نے جوابی خط ارسال کیا حضور!'' والد گرامی نے جگہ منتخب کر لی ہے، اب کیا کروں ''

دوبارہ علامہ ثناء اللہ نے، مفتی اعظم کا اشارہ پا کر پھر خط روانہ کیا اور یہ جملہ درج فرمایا ''سرکار مفتی اعظم کی طرف سے بلاوا ہے'' بس اب کیا تھا پیر و مرشد کی بات تھی، یہاں معذرت کر لی اور اوائل شوال ہی سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ میں باریاب ہوئے

سلام ودست بوسی کی ،رسمی گفتگو ہوئی جب مفتی اعظم نے مظہر اسلام میں مدرسی کی بات کی تو آپ نے بطور عجز وانکساری کہا حضور ابھی اس لائق کہاں" فرمایا تم اسی لائق ہو" خیر پیر ومرشد کا فرمان تھا بصد خلوص مان لیا" آپ کی تقرری کی خبر صدائے بازگشت کی طرح مظہر اسلام کے چہار دیواری کے اندر پھیل گئی ،طلبہ آپکو کوتاہ علم سمجھ کر آپ کی تقرری پر ناراضگی ظاہر کرنے لگے۔ مخالفت اور بائیکاٹ پر آمدہ ہوگئے چند موجودہ مدرسین بھی آپکی عظمت وحشمت برداشت نہ کرسکے اور تنگ نظری وتعصب کے شکار ہوگئے ،اور بچوں کے ساتھ مل کر مخالفت کو ہوا دی ،یہاں تک کہ طلبہ کو اسٹرئک کیلئے اکسایا مگر اختلاف وانتشار کی ان آندھیوں سے واقف ہونے کے باوجود پیکر کشف وکرامت سرکار مفتی اعظم اپنے فیصلہ وانتخاب پر اٹل رہے آپ کے آہنی ارادوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑا نہ کسی مخالفت کی پرواہ کی اور نہ مدرسین وطلبہ کی ناراضگی کو خاطر میں لایا۔

بہر حال مفتی اعظم کے فرمان اور دارالعلوم کے آئین ودستور کے سامنے سارے مخالفین کو گھٹنے ٹیکنے پڑے ،گھنٹی میں جانے کیلئے رضامند ہونا پڑا ،کتابیں تقسیم ہوگئیں امام علم وفن کے حصہ میں شرح تہذیب ،میر قطبی ،اصول الشاشی ،نور الانوار، ملاحسن اور ہدایۃ النحو جیسی فنی کتابیں آئیں ،کل صبح ہوکر حضرت امام علم وفن کو مسند تدریس پر جلوہ فگن ہونا ہے ادھر طلبہ نے پینترا بدل دیا ،عبارت حل کی جارہی ہے ،کوئی نحوی پہلو پر غور کررہا ہے کوئی معنوی حیثیت سمجھ رہا ہے ،اساتذہ سے آنے والے اسباق کا رمز وغمض دریافت کیا جارہا ہے ،سوالات از بر کرائے جارہے ہیں۔ باریکیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے ،المختصر صبح نمودار ہوچکی نماز فجر پڑھ کر آپ نے سرکار اعلیٰ حضرت کے روضۂ اقدس پر حاضری دی ،چوکھٹ بوسی وقدم بوسی کے بعد دعا مانگی پھر چل کر سرکار مفتی اعظم سے دعائیں لیں اور نہایت خود اعتمادی کے ساتھ مسند تدریس پر جلوہ فگن ہوئے۔

پہلی گھنٹی "شرح تہذیب" لیکر طلبہ پہونچے حال یہ ہے کہ درسگاہ کا دامن تنگ ہوگیا کیونکہ میزان سے لیکر بخاری کی جماعت تک کے سارے طلبہ براجمان ہیں ،نو وارد مدرس کی علمی حیثیت ولیاقت دیکھنی ہے ،اسلوب تدریس اور انداز تفہیم جانچنا ہے طرفہ یہ کہ کچھ مدرسین بھی آپکی درسگاہ کے ارد گرد گشت کرتے ہوئے گوش بر آواز ہیں ،گویا پہلی گھنٹی آپ کیلئے آزمائش وامتحان کی گھڑی تھی۔

عبارت خوانی کا حکم دیا پہلے پہل آپ نے عبارت پر جرح وقدح کیا پھر خود شرح وبسط کے ساتھ اسکی نحوی اور ترکیبی حیثیت بیان فرمائی پھر مقصود عبارت اور مفہوم سبق بیان فرمایا اس پر مختلف طلبہ نے حسب لیاقت کئی جہتوں سے سوالات قائم کئے مگر واہ رے مفتی اعظم کی کرامت نہ صرف آپ نے ایک ایک سوال کا جواب مرحمت فرمایا بلکہ خود اپنے ہی جواب پر سوال قائم کئے اور کئی کئی زاویوں سے اس پر تشفی بخش اور خرد افروز جواب پیش فرمائے اس انداز تقریر وتفہیم پر نہ صرف طلبہ عش عش کرنے لگے بلکہ خود مدرسین دقیق اور نکتہ آفریں تقریر سن کر دم بخود اور حیرت زدہ رہ گئے ،کیوں نہ ہو کہ امام علم وفن کی شکل میں مفتی اعظم کی کرامت بول رہی تھی ،زبان امام علم وفن کی تھی اور فیضان مفتی اعظم کا تھا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی :: بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

مظہر اسلام جہاں تھوڑی دیر پہلے آپکی کوتاہ علمی کے شکوے تھے، چشم زدن میں آپ کی دقیقہ سنجی، بالغ نظری اور علمی موشگافی کا شہرہ ہوگیا جو کل گمنام خواجہ تھا اب درسگا کا راجہ بن گیا، وہی طلبہ جو کل آپ کی تقرری پر احتجاج اور اعتراض کر رہے تھے اب صدر مدرس کو درخواست لکھ کر یہ خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ فلاں فلاں کتاب منتقل کر کے حضرت خواجہ صاحب کے زیر تدریس کر دی جائے یہ سب کچھ آپ کے مرشد کی نگاہ کیمیا اثر کا ثمرہ تھا۔

الحاصل یہ آفتاب تدریس وتعلیم مظہر اسلام کے فضاؤں میں نمودار ہوا اور روئے زمین کو منور وتاباں کرگیا، ملک کی تمام بڑی بڑی درسگاہوں، تعلیم گاہوں اور دانش کدوں کو نہ صرف آپنے زینت بخشی بلکہ شہرت کے بام عروج تک پہونچادیا، بے جان بے رونق مدرسوں، خانقاہوں میں علمی روح پھونک دی، کوئی رند بھی اس مئے خانۂ علم سے خالی نہ لوٹا، پیاسا آیا سیراب ہوگیا، ذرہ آیا آفتاب ہوگیا، کمال تو یہ ہے کہ آنے والا خود بھی چمکا اور دوسروں کیلئے چراغ راہ بن گیا۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود چمکیں دیدۂ اغیار کو بینا کردیں

آپنے جہاں جہاں قدم رکھا طلبہ کا میلا لگ گیا، طالبان علوم کی بھیڑ اکٹھا ہوگئی، پروانوں کی مانند طلبہ ٹوٹ پڑے، آپ نے جماعت اور قافلوں کی شکل میں بڑے بڑے دقاق وماہر علماء وفضلا پیدا کئے، جو آج یورپ والیشیا کی نامور درسگاہوں، کالجوں اور تعلیم گاہوں میں اعلی مراتب ودرجات پر فائز ہیں، دین وملت کی تبلیغ، سنت ومسلک کی ترویج کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آپنے اپنی تحقیق انیق اور علمی بصیرت سے ایسے ایسے خرد افروز چراغ روشن کئے کہ رہتی دنیا تک اہل نظر اسکی روشنی محسوس کریں گے، خصوصا اپنی فنی مہارت اور خداداد صلاحیت کے ذریعہ رضویات کے مغلق گوشوں کو خوب اجاگر کیا، فنون رضا سے دنیا کو واقف کرایا، فتاوی رضویہ کے لاینحل مباحث ومسائل کی تشریح فرمائی، جن پیچیدہ مباحث میں بڑی بڑی علمی ہستیاں عاجز وقاصر نظر آئیں آپ نے اپنے ناخن علم اور نوک قلم سے منٹوں میں گتھیاں سلجھادیں، ملک العلما کی صحبت کیمیا اثر اور مفتی اعظم کے فیضان نے آپ کو ایسا باکمال اور فقید المثال بنادیا کہ جس کی نظیر آج کے دور میں عنقا ہے، اسلئے علماء، فضلا، فقہا، محققین اور مفکرین کی جماعت میں آپ کئی جہتوں سے ممتاز ومنفرد نظر آتے ہیں۔

تیسری کرامت:

امام علم وفن بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں سو رہا تھا اور میرا نصیب جاگ رہا تھا اچانک عالم خواب میں دیکھا کہ میں کچھوچھہ مقدسہ میں ہوں باوجودیکہ ازیں قبل میں کبھی کچھوچھہ نہیں گیا تھا، مخدوم پاک نے اس ناچیز کو اپنی زیارت سے نوازا یہ انکی کرم نوازی بندہ پروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسی خواب میں ہم نے دیکھا کہ آستانۂ مخدوم ہے اور ہزاروں زائرین معتقدین آپ کی آمد کا بے صبری سے منتظر ہیں، گویا زبان حال سے سب یہ کہہ رہے ہیں:

منتظر گشتہ نشستم سوئے تو :: آمدہ بارے نمایم روئے تو

جدھر سب کی نگاہیں مرکوز تھیں میں نے بھی ادھر ہی مشتاق نگاہوں سے دیکھا فوراً میری نظر نے مخدوم پاک کو تشریف لاتے دیکھا۔ ان کے آگے آگے جیسے آتشی گولے داغے جارہے تھے۔اور جدھر آپ پر جلال نظروں سے دیکھتے آگ کے شعلے ادھر ہی لوٹے اور نہ جانے کتنے آسیب جل کر راکھ ہو جاتے، ہر جانب چیخ و پکار تھی، ہر شخص گھبراہٹ میں مبتلا تھا،لوگ گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے۔

اسی درمیان میں بھی مخدوم پاک کے آستانے کی سیڑھی چڑھنے لگا،یکایک اسی سیڑھی پر میں نے دیکھا کہ سرکار مفتی اعظم کھڑے ہیں اور میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا" خواجہ مظفر حسین تم کہاں تھے؟ میں تمہیں تلاش رہا تھا،لو یہ تمکو میرے مخدوم صاحب نے عطا فرمایا ہے" یہ کہکر سرکار مفتی اعظم نے میرے سر پر ایک ٹوپی رکھ دی۔

اسی وقت فوراً میری آنکھ کھل گئی اور بے چینی کے عالم میں اس حسین خواب کی تعبیر سوچنے لگا، بزرگوں کی کرم وعطا اور ذرہ نوازی دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ حضرت امام علم وفن فرماتے ہیں میں نے کسی کے پاس بھی یہ خواب بیان نہ کیا۔

اسی سال بریلی شریف عرس رضوی کے موقع پر حاضر ہوا،سرکار مفتی اعظم کی بارگاہ عالیہ میں حاضری دی اور سلام کیا،دیکھا عقیدتمندوں کی محفل بجی ہے آپ شمع انجمن کیطرح چمک دمک رہے ہیں۔آپکے سادہ چہرے پر ایسی دلکشی اور بانکپن ہے جس پر بناؤ سنگار کی ہزار ہا رعنائیاں قربان۔

حضرت نے جوں ہی مجھے دیکھا فرمایا" آپ یہیں بیٹھئے میں ابھی آیا" یہ کہکر آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو دست مبارک میں ایک پگڑی تھی ،فرمایا" کہ میں آپ کو خلافت سے نوازتا ہوں" پھر اپنے ہی دست کرم سے میرے سر پر پگڑی باندھ دی۔

یقیناً اس کرم نوازی پہ میں خوش بھی تھا اور حیران بھی کیونکہ بزرگوں کی اس عظیم عنایت کے میں لائق نہ تھا مگر میرے پیر ومرشد کا کرم تھا جسے چاہا نواز دیا۔

اس وقت میرے ذہن وفکر کے دریچے کھلے اور عقل نے جھنجھوڑ کر کہا اے خواجہ مظفر حسین! کئی ماہ قبل جو خواب تم نے دیکھا تھا اسکی یہ حسین وخوبصورت تعبیر ہے۔

اللہ اللہ! یہ کیسے راز طریقت ہیں جو ہم جیسے کم عقلوں کم فہموں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔وہ اپنے عقیدت مندوں کو کس طرح نوازتے ہیں۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا ، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اور معلومات کے چند نقوش

مولانا محمد منصور عالم مصباحی دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف

جب میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا تو بار ہا دل میں امنگ اور جذبہ پیدا ہوتا رہتا تھا کہ ان شاء اللہ بعد فراغت حضرت امام علم وفن کی بارگاہ کا خوشہ چین بنوں گا اور آپ سے علم ہیئت، توقیت، علم منطق فلسفہ، اور علم ریاضی وہندسہ وغیرہ جیسے اہم نادر فنون حاصل کروں گا اور اپنے آپ کو بارگاہ امام علم وفن کی شاگردیت سے مشرف کروں گا۔ تاکہ آپ کے علمی فیضان کا کچھ چھینٹا کم علم وبے بضاعت پر بھی پڑ جائے، مگر حضرت امام علم وفن کی بار ہا علالت آڑے آرہی تھی اور کچھ نامساعد حالات بھی پیدا ہو گئے کہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور خواجۂ علم وفن کی بارگاہ میں زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع نہ مل پایا۔ جس کا قلق آج تک مجھے ہے اور تاحیات باقی رہے گا۔

یہ میری کم نصیبی کہ میں ابتک حضرت امام علم وفن کی زیارت سے میں مشرف نہیں ہو پایا ہوں۔ بس ایک نادیدہ عاشق ہوں جو ان کی بارگاہ میں لفظوں کا خراج لے کر حاضر ہوں۔

میں نے علمائے کرام سے سن رکھا ہے کہ حضرت امام علم وفن خوش اخلاق، نرم مزاج، ملنسار، علم دوست اور صاحب حسن و جمال سے متعارف ہیں۔ آپ کی علمی دھمک پورے برصغیر بالخصوص ہند و پاک میں گونج رہی ہے۔ آپ ایسے نادر نایاب علوم وفنون پر مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے ہیں کہ آج شاید ہی کسی دوسرے کی رسائی وہاں تک ہے۔ انہیں علوم وفنون یکتائی اور احوال وکوائف میں انفرادیت کی وجہ سے اللہ رب العزت۔ نے آپ کی ذات گرامی میں ایسی خصوصیت اور جاذبیت وکشش پیدا فرمائی ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے ہر حلقے میں یکساں قدر ومنزلت کی سے دیکھے جاتے ہیں۔

آپ نے ملک العلما اور مفتی اعظم کے واسطے سے امام اہل سنت اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے علمی خزانہ سے نہ صرف علم وفن اخذ کیا ہے بلکہ عشق و وفا، حسن ادب، اخلاق ومحبت مروت، سب کچھ حاصل کیا ہے اس لئے جہاں آپ علم وفن کے امام مانے جاتے ہیں وہیں اخلاص ومحبت کے پیکر جمیل بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا ماہ زماں نوری استاذ دارالعلوم حضرت بلال بنگلور نے مجھے بتایا کہ میں جس وقت خواجہ صاحب کی بارگاہ

سے اکتساب فیض کر رہا تھا ایک دن اچانک ایک اجنبی شخص آیا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے آہستہ جواب عنایت فرمایا پھر دونوں نے گفت وشنید شروع کر دی اور آپ نے مجھے مہمان نوازی کے لئے حکم دیا، میں نے ناشتہ پانی حاضر کر دیا پھر دوران ناشتہ علمی گفتگو اور مزاحیہ باتیں بھی ہوئیں۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے پوچھا حضرت یہ کون صاحب تھے جن سے آپ اس طرح گھل مل کر باتیں فرما رہے تھے؟ تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہ کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟ اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ تو ان سے اس طرح بے تکلفانہ گفتگو فرما رہے تھے جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔ حضرت نے جواب دیا: لوگ مجھے امام علم وفن، اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے اور کہتے ہیں اگر میں ان کے ساتھ اخلاق سے پیش نہ آؤں تو کہیں گے کہ یہ مغرور ہے اور علم پر گھمنڈ کرتا ہے۔

حضرت مولانا صوفی غلام نبی نوری صاحب بانی ومہتمم دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف نے بتایا کہ: میں تو حضرت خواجہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل نہ کر سکا لیکن کئی مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پہلی بار زیارت کا شرف عرس رضوی کے موقع پر بریلی میں ملا۔ حضرت مولانا قاضی شہید عالم رضوی استاذ جامعہ نوریہ بریلی شریف ساتھ تھے، سلام ومصافحہ کے بعد تعارف ہوا تو بہت مسرور ہوئے۔ میں ان کی شخصیت اور علم وفن کی شہرت کے سبب نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ جھجک جھجک کر بات کر رہا تھا کہ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: چلئے چائے پی آتے ہیں۔ پھر فرمایا: مولانا! آپ بہت تکلف برت رہے ہیں۔ تکلف اپنوں سے نہیں، بے گانوں سے برتا جاتا ہے۔ پھر تو ساری جھجک جاتی رہی اور میں آپ سے اس طرح بے تکلف ہو کر باتیں کرنے لگا جیسے بہت پرانی جان پہچان ہو۔

☆☆☆☆☆

چھٹا باب

تدریس و تفہیم

امام علم وفن: ایک عظیم استاذ

مولانا محمد ارشاد القادری دار العلوم اہل سنت حشمت العلوم، رامپور کٹرہ، بارہ بنکی، یو۔پی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پورے گلشن ہستی کا خالق ومبدع خدائے وحدہ لاشریک ہے، مگر اس میں بھی اہل علم ودانش کو کوئی شبہ نہیں کہ اس چمنستان کائنات کی آرائش وزیبائش میں بندگان خدا کی قدرت واختیار اور قوت علم وعمل بھی دخیل وکارفرما ہے۔ بزم انجمن اور ماہ وخور کی تابشوں پر انحصار کا طلسم انسان اپنی اسی قوت علم وعمل سے صدیوں پہلے توڑ چکا ہے۔ عالم نور کی طلسم شکنی کا یہ سفر انسان نے شبستانوں کو منور کرنے والی شمع سے شروع کیا تھا اور آج آنکھوں کو خیرہ کرنے والی بائی لوجن اور ٹیوب لائٹ تک پہونچ چکا ہے۔ سمندروں کے شکم میں شگاف ڈالنے سے لے کر خلاؤں کا سینہ چیرنے تک ،برق رفتار ارضی گاڑیوں سے لیکر مریخ وقمر پر کمند ڈالنے تک، کائنات کی وسعتوں کو سمیٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل کرنے سے لے کر سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے تک، ہزاروں لاکھوں موجودات واقعیہ ہیں: جن کا وجود انسان کی بے پناہ قدرتوں کا رہین منت ہے۔ لیکن ارباب دانش ہماری اس بات کی سوفی صد تائید کریں گے کہ اگرچہ یہ قوت ایجاد نسل انسانی کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے اور ہر انسان حسب استطاعت وصلاحیت کسی نہ کسی چیز کو کتم عدم سے معرض وجود میں لاتا ہے، مگر دنیا اسی انسان کو اپنا محسن وہمدرد اور خیر خواہ جانتی ہے جو وقت اور ماحول کے لحاظ سے کسی قابل اعتنا اور معتد بہ شے کو عالم وجود میں لاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں کاشت، کپڑے کی صنعت وحرفت، پکوان اور سلائی کڑھائی وغیرہ روزمرہ کے کاموں سے وابستہ حضرات کو مورد الطاف وعنایت سمجھا گیا ہو۔

لیکن آج ضرورت کے باوجود یہ سارے کام اپنی کشش کھو چکے ہیں۔ آج گرافون اور ریڈیو سے چل کر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی دنیا میں انسان قدم رکھ چکا ہے اور ان چیزوں کی سحر آفرینی نے پچھلی تمام دستکاریوں کی جاذبیت کو کالمعدوم کر دیا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ملک وقوم کی طرف سے انعامات واکرامات، الطاف ونوازشات اور اعزازات وعنایات کی جو

بارش متوخر الذکر اشیاسے وابستہ حضرات پر ہوتی ہے اس کا عشرعشیر بھی اول الذکر کے نصیبے میں نہیں آتا۔ المختصر تاریخ نے ہمیشہ ان لوگوں کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا ہے جنہوں نے عوام ہی نہیں خواص کے درمیان بھی اپنے کردار وعمل سے اپنے آپ کو نمایاں ثابت کیا اور دنیا کو وہ دیا جس سے خواص کا اکثر طبقہ اپنے آپ کو عاجز وقاصر پاتا رہا۔

استاذ الاساتذہ، مرجع التلامذہ، فخر الاماثل، خیر الافاضل، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، غواص بحر متون ،امام علوم وفنون حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ وفیوضہم العالیہ، شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد، یو۔ پی بھی انہیں شخصیات میں سے ہیں جنہیں رب کریم نے خصوصی صلاحیتوں سے نوازہ اور انہوں نے ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا کو وہ دیا جس سے خواص کا اکثر طبقہ خود کو عاجز وقاصر سمجھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور آپ کی صلاحیتوں کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس ضمن میں بطور ثبوت دو چیزوں کو پیش کیا جا سکتا ہے (۱) آپ کی گرانقدر تحریریں جو مقالات وکتب کی شکل میں موجود ہیں (۲) آپ کے بے نظیر تلامذہ جو بجائے خود ماہ ونجوم بن کر علم وفن کی دنیا کو نور کی خیرات بانٹ رہے ہیں۔ بحیثیت اول آپ ایک عظیم مصنف ہیں اور بحیثیت دوم ایک عظیم استاذ۔ زیر نظر مضمون میں ہم بحیثیت استاذ آپ کا تعارف پیش کریں گے اور صرف وہی احوال وکوائف بیان کریں گے جو بچشم خود ہم نے دیکھے اور محسوس کئے ہیں۔

ایک اچھے استاذ کیلئے چار چیزیں از حد ضروری ہیں (۱) رسوخ فی العلم (۲) شوق تدریس (۳) حسن تدریس (۴) حسن اخلاق بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب قبلہ کی ذات بابرکات میں یہ چاروں چیزیں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

رسوخ فی العلم کا یہ حال ہے کہ درس نظامی کے انتہائی سخت سمجھے جانے والے فنون مثلاً تفسیر، اصول فقہ، علم معانی، بیان، بدیع، منطق، فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ، ہیئت، توقیت، جفر، مساحت، مثلث، اور لوگارثم وغیرہ کی منتہی کتابیں جنہیں پڑھانے سے اصحاب درس نہ صرف گھبراتے ہیں بلکہ ان میں بہت سی کتابیں پڑھانے سے تو عاجز وقاصر ہیں۔ انہیں حضرت خواجہ صاحب اس طرح پڑھاتے ہیں جیسے کوئی پختہ کار مدرس میزان ونحو میر پڑھاتا ہو۔ یہ ایک شاگرد کی ایک استاذ کے لئے مبالغہ آمیز قصیدہ خوانی نہیں بلکہ حقیقت بیانی ہے جس کا بچشم خود میں نے مشاہدہ کیا ہے۔

میں تقریباً تین سال حضرت کی خدمت میں رہا، پہلے سال میری چار کتابیں حضرت سے متعلق تھیں۔ ملا حسن، میبذی، تصریح اور رسالہ فی المساحۃ۔ اس پہلے میں دو جگہ ملا حسن پڑھ چکا تھا۔ بلا مبالغہ میرے وہ دونوں اساتذہ بھی منجھے ہوئے مدرس تھے اور انتہائی خلوص ومحنت سے اسباق سمجھاتے تھے، کبھی کبھی ان کی محنت، پیشانی سے ٹپکتے ہوئے پسینے اور بولتے بولتے سانسوں کے زیر وبم کو دیکھ کر ان پر ترس اور مصنف پر بجائے غصہ آتا تھا کہ آخر کتاب کو اتنا سخت بنانے کی کیا ضرورت تھی، یہی باتیں سیدھے سادھے اور صاف ستھرے انداز میں بھی لکھی جا سکتی تھی: مگر یہی کتاب جب حضرت خواجہ صاحب قبلہ سے پڑھی تو یقین کیجئے کبھی آپ کے چہرے پر الجھن، گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار نظر نہیں آئے اور ہر سبق سے ہم یہ تاثر لے کر اٹھے کہ آج کا

کی نوبت نہ آئی۔ بالکل سیدھا سادھا اور زم و نازک سبق بہت آسان ہے حتی کہ پوری کتاب ختم اور کہیں آپ کو زور بیان دکھانے کی نوبت نہ آئی۔ بالکل سیدھا سادھا اور نرم و نازک لہجہ شروع سے آخر تک آپ اختیار فرمائے رہے۔ اور ایسا صرف اسی کتاب میں نہیں بلکہ ساری کتابوں میں تھا۔ بعد کے سالوں میں ہم نے مسلم الثبوت پڑھی، مناظرہ رشیدیہ پڑھی، صدرا پڑھی، میر زاہد، ملا جلال پڑھی، میر زاہد رسالۂ قطبیہ پڑھی، غلام یحییٰ پڑھی، اس پر حاشیہ عبدالحق اور حواشی عبدالحی، ہدایۃ الوری الی الهدی اور مصبا الدجی پڑھی۔ مگر ہر کتاب سے یہی تاثر ملا کہ شاید حضرت آج تک مسلسل یہی کتاب پڑھاتے رہے ہیں۔ اسے رسوخ فی العلم اور ملکۂ تامہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟

شوق تدریس:۔ کوئی بھی ذمہ داری کام اسی وقت بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے جبکہ اس سے قلبی لگاؤ اور اس کا شوق ہو۔ اگر شوق نہ ہو تو آدمی صرف خانہ پری اور وقت گزاری کرتا ہے، اسے اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ اس میں کیا کیا خامیاں در آئیں اور کیا کیا خوبیاں، لیکن اگر دل میں آتش شوق لگی ہو تو کام چاہے چھوٹا ہو یا بڑا انسان پوری لگن، دلجمعی، تندہی اور توجہ سے کرتا ہے اور کسی خامی آجانے پر اس کی پیشانی پر تشویش کی سلوٹیں ابھر آتی ہیں۔

تدریس کے تعلق سے یہی لگن، یہی جذبہ، یہی آتش اشتیاق ہم نے حضرت خواجہ صاحب کی ذات میں دیکھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ مشکل مباحث و مسائل میں پیچیدگیوں سے صرف نظر کر کے وہ سطحی اور سرسری انداز میں پڑھا کر کبھی نہیں گزرے، حالانکہ وہ اگر چاہتے تو یہ کر سکتے تھے اور طلبہ کو اس مقام کی دقت کا احساس بھی نہ ہوتا مگر ایسے جملہ مقامات پر وہ از خود طلبہ کو ان کی وقت پر متنبہ کرتے اور اعتراضات کی وادی پر خار میں قدم رکھ کر طلبہ کو ان کی پیچیدگی کا احساس دلاتے، پھر اپنے صاف اور شستہ انداز میں ان مقامات کی تقریر کر کے سارے اعتراضات کے تار و پود بکھیر دیتے۔ اسے آپکا شوق تدریس ہی تو کہا جائے گا کہ درس نظامی کی وہ منتہی اور اعلیٰ کتابیں جو برسوں ہوئے مدارس عربیہ کے نصاب سے غائب کی جا چکی ہیں، جن کے نام تک سے بہت سے علماء واقف نہیں اور جو واقف ہیں یا تو ان کی زیارت بھی نہیں کر سکے یا پڑھانا تو در کنار مطالعہ کے لئے بھی ہاتھ لگاتے ڈرتے ہیں، حضرت خواجہ صاحب ان کتابوں کی طرف طلبہ کو خود متوجہ کرتے، پڑھنے کی ترغیب دیتے اور پھر بصد جوش و خروش پڑھاتے۔ یہی سوچئے کہ آج میر زاہد، ملا جلال، میر زاہد رسالۂ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ، لواء الهدیٰ فی اللیل والدجیٰ، ہدایۃ الوریٰ، مصباح الدجیٰ، خیالی، تصریح، شرح چغمینی اور صدرا جیسی کتابیں پڑھانے والے لوگ کہاں ہیں؟ آج ہماری سہل پسندی کا عالم تو یہ ہے کہ کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی اور ملاحسن جیسی کتابیں بھی ہمیں زہر لگتی ہیں اور توا ور مجانی، ازھار، تعلیم المتعلم اور قلیوبی جیسی ادب کے ساتھ اخلاقیات سکھانے والی کتابیں ہمیں پسند نہیں آتیں، ہماری پسند کا محور سہولت اور جدت ہے، جہاں دقت ہے ہمیں قطعا پسند نہیں اگر چہ علم کا بحر ذخار ہی کیوں نہ ہو اور جہاں سہولت ہے ہم کلیجہ سے لگانے کو تیار ہیں خواہ ضیاع وقت ہی پر منتج کیوں نہ ہو۔ چودہ سو سال پرانے مذہب اور تہذیب کے علمبرداروں پر جدت کا ایسا رنگ چڑھا ہے کہ انہیں قدامت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چاہے چوہے، بلی، قطب مینار

دار العلوم دیو بند اور ابن تیمیہ ہی کی تاریخیں ہی کیوں نہ پڑھانا پڑے مگر جدت ہونا چاہئے۔لیکن بایں ہمہ خواجہ صاحب قبلہ
نے عمر کے آخری پڑاؤ میں بھی اپنی طبیعت کو سہل پسندی کی طرف مائل نہیں کیا۔اس سے بڑا شوق تدریس اور کیا ہوگا؟

حسن تدریس:۔ آدمی کتنا بھی قابل ہو اور پڑھنے پڑھانے کا کتنا ہی شوق اور جذبہ رکھتا ہو لیکن اگر اس کا طریقۂ تعلیم وتدریس درست نہ ہو، تفہیمی صلاحیت اچھی نہ ہو اور طلبہ کو مطمئن کرنے کی لیاقت اس کے پاس نہ ہو تو وہ ایک اچھا استاذ اور اچھا مدرس نہیں ہوسکتا، نہ طلبہ کے دل و دماغ پر کوئی خوشگوار تاثر چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہونہار علماء کی کوئی جماعت وہ تیار کرسکتا ہے۔

اس تعلق سے حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کا اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو آپ کی شخصیت ہمیں منفرد المثال نظر آتی ہے۔دقیق سے دقیق مسائل اور سخت سے سخت مباحث کو ہنستے مسکراتے سمجھا دینا آپ کا طرۂ امتیاز ہے، کبھی کسی پھڑکتی مثال کے ذریعہ، کبھی کسی قصہ اور کہانی کے سہارے اور کبھی مقاصد کو فہم سے قریب کرنے والے مقدمات کی مدد سے۔اپنی درسگاہ کے ہونہار طلبہ کی ہر ممکن طریقہ سے حوصلہ افزائی کرنا، انہیں حسب حیثیت عزت دینا، ان کی صلاحیتوں کو بے دار کرنے کے لئے پیش آنے والے مشکل مسائل کے حل میں انہیں شریک کرنا، قابل قبول اور معقول ہونے کی صورت میں بلا دریغ ان کی رائے کو ترجیح دینا، آنے والے مشکل اسباق کی قبل از وقت نشاندہی کرکے اپنے ہونہار طلبہ کو ان کے از خود حل پر برانگیختہ کرنا اور ان اسباق کو خود انہیں سے پڑھوانا، صحیح حل پر داد وتحسین سے نوازنا حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی یہ وہ خصوصیات ہیں جو حسن تدریس کے ساتھ ساتھ آپ کی اعلیٰ ظرفی کا بھی بین ثبوت ہیں۔

بہت اچھا پڑھانے والے اساتذہ کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی طالب علم ان کی درسگاہ میں کوئی اعتراض کردے تو وہ چیں بہ جبیں ہوجاتے ہیں، طالب علم کو بجائے طالب علم کے ایک مقابل کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں اور کڑے لہجے میں ہتک آمیز مزاحیہ انداز میں جواب دیتے ہیں، بار بار اسی طرح پیش آنے سے طالب علم کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کے باوجود زبان کھولنے سے اجتناب کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی تنقیدی صلاحیتیں مردہ ہوجاتی ہیں اور بہادر مدرس خوش فہمی میں مونچھوں پر تاؤ دینے لگتا ہے۔لیکن حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی درسگاہ میں ایسا نہیں ہوتا ۔آپ کے یہاں ہر طالب علم کو سوال کرنے کی مکمل چھوٹ ہوتی ہے، جب بھی کوئی طالب علم سوال کرتا ہے تو پورے تحمل اور بردباری کے ساتھ اسے سنتے ہیں اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہیں۔اسے حسن تدریس ہی تو کہا جائے گا۔

حسن اخلاق:۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جو ہر انسان کے لئے لازم ہے اور مدرس کیلئے بدرجۂ اولیٰ کہ وہ مربی اور طلبہ کے لئے نمونہ ہوتا ہے۔طلبہ شعوری یا بلاشعوری طور پر اپنے استاد کی نقل کرتے ہیں۔شاید ''نمونۂ اسلاف،، کا لفظ اسی لئے وضع کیا گیا ہے۔حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت اس پہلو سے اتنی معروف ومسلم ہے کہ شواہد پیش کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے۔بڑے بڑے علمائے کرام اور ان کے رفقائے درس کو تو جانے دیجئے اپنے تلامذہ کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا عالم یہ

ہے کہ کبھی کبھی شرمندگی ہوتی ہے کہ ہم جیسے ناکاروں کے لئے حضرات اتنی تواضع فرمارہے ہیں۔علماء تو علماء کسی عام آدمی کو بھی ایک باران کی ہمنشینی کا موقع میسر ہوجائے تو وہ زندگی بھراسے بیان کر کے محظوظ ہوتا ہے۔

فراغت کے بعد ایک سال حضرت کے ساتھ بدایوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کا شرف حاصل ہوا۔بعدہ حضرت،نورالحق،چرہ محمد پورتشریف لے گئے اور ہم ناثباتی زمانہ کی تصویر بنے دربدر پھرتے رہے۔تقریباًبیس سال کے بعد جب فیض آباد کے متصل بارہ بنکی میں تقرر ہوا تو موقع غنیمت جان کراس تصور کے ساتھ شرف ملاقات وزیارت کیلئے حاضر ہوا کہ شاید حضرت پہچان نہیں پائیں گے،لیکن یقین کیجئے کہ ان کی بارگاہ میں پہونچنے کے بعد گردش زمانہ کی بے رحمی دیکھ کر کچھ لمحوں کیلئے میں تو تصویر حیرت بنا کھڑا رہا اور وہ بیساختہ مسکرا کر بول اٹھے آہا!مولانا ارشاد ہیں۔معاف کیجئے گا میں ضعیفی کی وجہ سے کھڑا نہیں ہوسکتا،،اتنا سنتے ہی جلدی میں حیرتوں کے گرداب سے باہر آیا اور قدم بوسی کے لئے آگے بڑھا لیکن یہ کیا؟کوشش کے باوجود حضرت نے اتنا موقع نہیں دیا،میرا سر پکڑ لیا،اپنے قدم پیچھے ہٹالئے اور مجھے دست بوسی پر اکتفا کرنا پڑا۔ایک یہ ہیں اور ایک وہ بھی ہیں جو ہاتھ چومنے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔میں ''الفیض الرضوی فی شرح القطبی،،کا مسودہ ساتھ لے کر گیا تھا کئی مقامات سے حضرت کو سنایا،بہت خوش ہوئے،دعاؤں سے نوازا اور ایک مدرس کو تقریظ املا فرما کر کانپتے ہاتھوں سے اپنے دستخط سے مزین فرما کے عنایت فرمائی جو میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔

دورطالب علمی کے کئی واقعات ایسے ہیں جنہیں بیان کرنے سے میں محض اس لئے پرہیز کرتا ہوں کہ ان سے خودستائی یا دوسروں کی تنقیص کا شبہ ہوتا ہے،لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ بیس سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی میں نے جانا کہ وہ سارے واقعات حضرت کے ذہن میں محفوظ ہیں،کیونکہ ان میں سے کئی واقعات کا حضرت نے یہ کہہ کہہ کے اعادہ فرمایا''ہمیں آج بھی یاد ہے،ہمیں آج بھی یاد ہے،،اور جس طرح ایک کاشتکار اپنی کھیتی کی سرسبزی وشادابی کا تصور اور پکی ہوئی فصل کا مشاہدہ کر کے خوش وخرم ہوتا ہے وہی مسرت وشادمانی آپ کے چہرہ سے عیاں تھی۔ورنہ ایسے بھی اساتذہ ہیں جن کے پاس ان کے تلامذہ صرف اس لئے جانے سے گھبراتے ہیں اور بچتے ہیں کہ کہیں حضرت کے جلال وعتاب کا شکار نہ ہونا پڑ جائے۔

الحاصل ایک اچھے اور معیاری استاد کی جو لازمی صفات ہیں قدرت نے انتہائی فیاضی کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کو ان صفات سے نوازا ہے۔اس لئے آپ محض ایک استاد نہیں بلکہ عظیم استاد ہیں۔رب کریم ہزار صحت وعافیت کے ساتھ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اور درس وتدریس

مفتی شبیر احمد پورنوی

اس دور میں سرزمین ہند سے نئی قدروں اور عہد ساز صلاحیتوں کے ساتھ ان گنت ہستیاں وجود میں آئیں جن کا علم وعمل، شرافت و پاکیزہ نفسی اور اولوالعزمی کے واقعات آج بھی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ان ہی ہمہ گیر اور عہد ساز ہستیوں میں جنھوں نے تصور کی شاہراہوں پر اپنا اثر اور نقش حیات چھوڑا ہے ان میں خیر الاذکیا، استاذ الاساتذہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ پورنوی زید مجدہ القوی کی ذات ستودہ صفات ہے جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک تشنگان علم وفن کو اپنے میکدہ حرف وآگہی سے سیرابی بخشتی رہی۔قدرت کی کرم فرمائیوں نے درس وتدریس، تحریر وقلم، معقول ومنقول، فن وادب، معانی وبلاغت اور منطق وفلسفہ، حکمت وتفقہ فی الدین کی اتنی صلاحیتیں ان میں مرکوز کردی ہیں کہ انہیں مجمع الاوصاف کہنا بے جا و نامناسب نہ ہوگا۔اور ہر وصف میں ان کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔گویا ایک زندگی نے مختلف زندگیوں کو اپنے اندر سمیٹ کر رکھدی ہے۔اور ان کا تبحر علمی اور اعلیٰ ترین ذہن ودماغ کے نقش ونگار کو ان کے معاصرین نے بھی احترام کی نظروں سے دیکھا اور عزت بخشا ہے۔ان کی ناقابل تسخیر ذہانت، خداداد صلاحیت اور متاع فکر کی دہلیز پر ارباب علم ودانش کی گردنیں ہمیشہ خم رہیں۔ان کی شعوری زندگی اور عالمانہ چمک دمک ان کی تحقیقی جولانگی اور علمی بصیرت کا پرتو ان کی نگارشات وتحریرات پر چھایا ہوا ہے۔وہ ایسی قد آور شخصیت ہے جس کے فکر وفن کی شعاعیں آج بھی شہر علم ودانش کی فصیل پر اپنے پورے رنگ وآگہی کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ان کی ذات انواع علم کے ہر گوشہ پر بے پناہ ذہنی استحضار کے ساتھ ہر لمحہ محیط نظر آتی ہے۔

امام علم وفن ایک بلند پایہ عالم دین، تحقیق وتدقیق میں یگانۂ روزگار اور تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے ایک شہنشاہ کا نام ہے جو ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان اور شیخ الادب والمعقولات حضرت

علامہ مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ جیسی ہستیوں کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔آپ دنیائے علم وفضل کی ایک بڑی قد آور اور عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔

آپ کا علمی تبحر، دقت نظر، وسعت نظر آپ کی گفتگو سے ظاہر وباہر ہے۔ جملہ علوم وفنون میں رسوخ ومہارت تامہ رکھتے ہیں اور منطق وفلسفی کے عظیم الشان خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آپ کی پوری حیات درس وتدریس کیلئے وقف رہی۔ ہندوستان کی بڑی بڑی درسگاہوں میں مسند تدریس کو آپ نے زینت بخشی اور عمر کے اس آخری لمحہ تک اس مسند پر متمکن رہ کر علم ودانش کے گوہر لٹاتے رہتے ہیں۔

آپ ان مردان جلیل کے زمرے میں آتے ہیں جنہوں نے خدمات دینیہ اور اہل سنت کی تبلیغ کے کام اس انہماک وتوجہ سے سرانجام دیئے کہ اپنے مشن میں گردوپیش کی تمام دنیا سے بے پرواہ ہوگئے۔

امام علم وفن کے رفقائے درس میں اگرچہ بڑی بڑی ہستیاں گزریں ہیں جو مسند تدریس وتصنیف پر علم وفضل کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکیں۔ان کے افکار کی بلندیوں اور فنون کی عظمتوں میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں لیکن آپکی وسعتوں میں کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن کے باعث آپ کے ہم عصروں میں کوئی آپ کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔علمی انفرادیت کے علاوہ آپ کے تشخص کی جاذبیت کا عالم بھی عجب ہے۔ اگر کہیں کثیر التعداد علما ومشائخ کے مجمع میں آپ تشریف فرما ہوتے تو دیکھنے والوں کی نگاہیں ہر طرف سے ہٹ کر آپ ہی کے چہرۂ زیبا پر مرکوز ہوجاتیں۔

مجھے مختلف علوم وفنون میں آپ سے اکتساب فیض کا شرف حاصل ہوا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ صرف منطقی وفلسفی نہیں، تمام علوم وفنون میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔۔

آیئے مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے آپ کی ہمہ جہتی کا اندازہ لگائیں۔مفتی صاحب نے فرمایا کہ——"امام علم وفن کو جب نہایت جدوجہد اور منت وسماجت سے دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تدریسی خدمات کیلئے لایا گیا تو ان سے فیض الرسول کے اکثر اساتذہ اعتراضات وسوالات کرتے رہتے جو منطق کے علاوہ فقہ وحدیث وبلاغت وبیان وغیرہ متعدد فنون سے متعلق تھے۔اور آپ ہر ایک کا تشفی بخش اور سیر حاصل جواب دیتے رہتے اور میں ان دنوں فقہی پہیلیاں نام سے ایک کتاب لکھ رہا تھا جس کے اکثر مقامات میں الجھاؤ پیدا ہوتا رہتا تھا اور ان کا حل سمجھ میں نہیں آتا تو میں امام علم وفن سے دریافت کرلیتا اور وہ جو جواب دیتے اس کو جب میں غور سے دیکھتا اور حوالہ جات کے ساتھ تطبیق دیتا تو بعینہ درست پاتا۔اس طرح اکثر مقامات میں ان سے استفسار کرکے میں نے کتاب مذکور کی تکمیل کی——"۔اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صرف علم منطق وفلسفہ ہی میں نہیں بلکہ تمام علوم وفنون پر مہارت تامہ اور علمی بصیرت رکھتے ہیں جب ہی تو ہر ایک سوال کا جواب فی البدیہہ دیتے۔

امام علم وفن درس وتدریس سے خاص دلچسپی رکھتے اور وہ اس کو عین سعادت اور توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔ وہ گھنٹوں اور منٹوں کی قیدوں سے بالاتر ہوکر اوقات مقررہ کے علاوہ دوسرے اوقات اور دن کے علاوہ رات میں بھی طلبہ کو درس دیا کرتے۔ ان کے درس کا نرالا انداز رہا کہ طلبہ خود مطالعہ کر کے آتے اور ان کے سامنے ساتھیوں کو درس دیتے اور ساتھی اگر اس سے اعتراضات وسوالات کرتے تو وہ ان کا جواب دیتے۔ اگر جواب نہ دے پاتے تو آپ اس کو حل فرمادیتے۔ اس طرح طلبہ کے اندر درسگاہ ہی میں معلم ومناظر ومترجم وشارح بننے کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔

دوران درس آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ طلبہ فراغت سے پہلے ہی تقریر۔ تدریس، تحریر ان تینوں میں سے کسی ایک کی صلاحیت کا حامل ہونا ضروری ہے اور اگر یہ نہ ہو تو سمجھ لے کہ دور طالب علمی اسکایوں ہی ضائع ہو گیا۔

امام علم وفن کی سوانح حیات ہماری ملت کا سرمایہ ہے، ضرورت تھی کہ اس کو قلمبند کیا جائے، ان کی حفاظت کی جائے اور ان کی پر مشقت اور قابل تقلید زندگی آنے والی نسلوں کیلئے باوقار انداز میں پیش کی جائے ورنہ امتداد زمانہ کے ساتھ وہ قیمتی افراد جنکے سینے ایسے بزرگوں کے امین ہوتے ہیں رفتہ رفتہ رخصت ہو جاتے ہیں اور پھر روایات کا جمع کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

نہایت لائق تحسین وآفریں اور مبارک باد کے مستحق ہیں مولانا احمد رضا سلمہ جنہوں نے امام علم وفن کے کارناموں کو ایک عظیم کتاب کی شکل دینے کے لئے کوشاں ہیں۔

میری دعاء ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبولیت سے نوازے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور اس کام میں جو لوگ بھی ان کے معاون ہیں ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علی خیر خلقہ وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم و فن: اور ان کا سفر درس و تدریس

ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اس کارخانۂ قدرت اور خاکدان گیتی میں ہر روز نہ معلوم کتنے لوگ پردۂ عدم سے منصۂ شہود پر آتے ہیں اور اس دنیائے رنگ و بو میں خوشگوار اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ پھر آنے والے ایام میں ان کی کارگزاریاں صفحات قرطاس پر مرتسم ہوتی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر مورخ کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان پیدا ہونے والوں میں بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی محنت و مشقت اور تائید غیبی سے اپنا فکری نشیمن خود تعمیر کرتے اور لائحۂ عمل مرتب فرماتے ہیں۔ بزرگوں کی نگاہ ولایت ان کی نگہبان ہوتی ہے۔ قدرت کو ان سے کسی خاص مطلب کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کا لمحہ لمحہ اسی مقصد کے گرد محو سفر ہوتا ہے۔ رات دن دین و ملت کی خدمت کے لئے وہ سرگرداں رہتا ہے۔ نونہالان قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے گھر بار کو خیر آباد کہتا ہے۔ اس لئے قوم بھی انہیں قیمتی سرمایہ سمجھ کر سرمۂ بصیرت کی طرح آنکھوں سے لگاتی ہے اور طرۂ افتخار کی طرح سر پر سجاتی ہے، اور مرکز امید بنا کر مسند دل پر بٹھاتی ہے۔ ایسے نادر، نافع، نایاب اشخاص میں ایک عظیم شخصیت امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی ذات ستودہ صفات ہے جو کسی بھی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں۔ پھر بھی ایک صاحب قلم رقمطراز ہے:

امام احمد رضا کے علوم و فنون کے مظہر و معارف، ملک العلما کے پرتو، بذات خود خداداد صلاحیتوں کے مالک، کسبی اور وہبی علوم و اسرار کے حامل، جن فنون کے جاننے والے آج دنیا میں تقریباً ناپید ہیں ان پر کامل مہارت رکھنے والے، ملک کے علمی منظرنامے کو ریزہ ریزہ کرنے والے خواجہ صاحب۔ (کاملان

پورنیہ ص ۸۱)

مذکورہ بالا پیراگراف کی روشنی میں مجھے یہ لکھنے میں کوئی دریغ نہیں کہ اس وقت ہندو بیرون ہند کہیں بھی امام علم وفن کے لئے اگر یہ شعر کہا جائے تو میرے خیال سے کوئی مبالغہ نہیں ہوگا بلکہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسی ذات بابرکات کا سوانحی خاکہ انہیں سے دریافت شدہ فرمودات کی روشنی میں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

پیدائش:۔ پورنیہ صوبہ بہار کا وہ قدیم ضلع ہے، جس کو معدن العلم والعلما کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ عرصۂ دراز سے وہاں ایسے لعل وگہر پیدا ہوتے رہے اور اب بھی ہو رہے ہیں جس کی قیمت بازار علم وعمل میں نہ اس وقت کم تھی اور نہ اب کم ہے۔ اسی ضلع کا ایک مشہور ومعروف علاقہ بائسی ہے جسے اب حکومت نے سب ڈویزن قرار دے دیا ہے۔ اس سے کچھ دوری کے فاصلے پر ایک گاؤں 'سنگھیا ٹھاٹول' کے نام سے موسوم ہے۔ اسی گاؤں میں ایک صاحب ثروت، جاہ وحشم والے خاندان کے عالم دین حضرت مولانا خواجہ زین الدین علیہ الرحمہ کے گھر آپ کی ولادت ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت: جب آپ سخن آموزی کی منزل سے گزرنے لگے تو گھر پر ہی رسم بسم اللہ خوانی ہوئی۔ اس کے بعد سے ہی آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کر دیا۔ قاعدۂ بغدادی سے لے کر علم نحو کی مشہور ومعروف کتاب شرح جامی تک درسیات کی ساری کتابیں آپ نے اپنے مشفق والد گرامی سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ جب آپ کو لکھنے پڑھنے کی اچھی خاصی مہارت حاصل ہوگئی تو آپ کے والد گرامی نے آپ کو ایک ایسے استاذ کے سپرد کیا کہ جنہیں دنیا ملک العلما کے نام سے پکارتی ہے۔ حضرت ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اس وقت بحر العلوم کے منصب صدارت پر فائز تھے۔ آپ نے ملک العلما اور دیگر قابل قدر نابغۂ روزگار مشفق اساتذہ کے زیر سایۂ چار سال تک رہ کر علم وفن کی تشنگی دور کی۔ دستار فضیلت اور سند فراغت کے حصول کے لئے آپ مرکز اہل سنت بریلی شریف حاضر ہوئے۔ ان ایام میں حضور مفتی اعظم ہند سے منسوب ہونے کی وجہ سے دار العلوم مظہر اسلام کی کافی شہرت تھی۔ طرز تعلیم، نظم ونسق، اساتذۂ کرام کا جمگھٹا ہر اعتبار سے مظہر اسلام عروج وارتقا کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اس لئے آپ نے مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں اپنا داخلہ لے لیا اور پوری دلجمعی کیساتھ درجۂ حدیث کا کورس مکمل کیا ۔۱۵ ارشعبان المعظم ۱۳۷۶ھ کو آپ نے مشاہیر علماء کی موجودگی میں دستار فضیلت حاصل کی، اور سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔

تدریس: یہ آپ کی اعلیٰ قابلیت وصلاحیت نیز بارگاہ مفتی اعظم ہند میں مقبولیت ہی کی بات تھی کہ فراغت کے بعد ہی دار العلوم کے ذمہ داران نے آپ کو بحیثیت مدرس منتخب کر لیا۔ دار العلوم مظہر اسلام میں مسلسل پانچ سال تک مشفق اساتذۂ کرام کے سایۂ عاطفت میں رہ کر آپ نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ان ایام میں بہار کا مشہور ومعروف ضلع پورنیہ

بھی علمی شہرت کا حامل تھا۔ پورنیہ سیٹی موضع چمنی بازار میں حضرت شیخ جمال الحق بندگی علیہ الرحمہ کے مزار پرانوار سے متصل دارالعلوم مصطفائیہ کے نام سے ایک ادارہ چل رہا تھا۔ وہاں کے اراکین نے آپ کی قابلیت وصلاحیت کے پیش نظر آپ کو یاد کیا ۔ وطن مالوف سے قریب ہونے کی وجہ سے آپ وہاں تشریف لے گئے ۔ کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے استاذ حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ بھی بحیثیت مدرس وہاں پہونچ گئے ۔ استاد شاگرد دونوں نے وہاں درس وتدریس کا سکہ جمایا اور اپنا اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو آپ سے محبت تھی اور آپ کو ان سے بے پناہ عقیدت تھی ۔ دونوں کی محبت کو ایک دوسرے کی مفارقت برداشت نہیں ہوئی۔ عقیدت ومحبت کی مقناطیسی قوت نے پھر ایک دوسرے کو آپس میں ملا دیا۔

صورت یہ ہوئی کہ حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے دارالافتاء کے لئے آپ کو بحیثیت مفتی بریلی شریف بلالیا۔ ایک سال آپ نے رضوی دارالافتا میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ فطرۃً آپ کی طبیعت درس وتدریس سے زیادہ مانوس تھی ۔ اس لئے وہاں سے منتقل ہو گئے اور جامعہ رضویہ منظر اسلام میں مسند تدریس سنبھالی ۔ ایک سال وہاں رہ کر جامعہ عربیہ سلطان پور تشریف چلے گئے حسن اتفاق کہئے کہ وہاں پر آپ کے استاذ حضرت علامہ معین الدین خان صاحب اعظمی پہلے سے جلوہ بار تھے ۔ وہاں آپ سے مستفیض ومستنیر ہونے والوں میں حضرت مفتی محمد ایوب مظہر پورنوی علیہ الرحمۃ ، حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ اور حضرت سید محمد ہاشمی کچھوچھی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔

سلطان پور سے آپ بھاگل پور دارالعلوم فیضیہ ایسی پور باڑاہاٹ تشریف لے گئے تو وہاں کا غیر معروف مدرسہ شہرت کے آسمان پر پہونچ گیا۔ دور دراز سے طالبان علوم نبوت آپ کے پاس کشاں کشاں چلے آئے اور آپ کے بحر فیض سے سیراب ہوئے ۔ وہاں کے فیض یافتوں میں حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب مدرس دارالعلوم غیب نواز الہ آباد، حضرت مفتی عبدالحکیم نوری بستوی، حضرت مولانا کوثر حسن سیوانی ۔ حضرت مولانا ناظر اشرف اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب برادر خورد حضرت مفتی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہیں۔

اس وقت آپ کی تدریس کی شہرت کا عالم یہ تھا کہ مختلف مدارس کے اراکین آپ کو اپنے مدرسے میں مدرس بنانے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے تھے ۔ شہرت ، نیک نامی اور طلبہ کی کثرت کے لئے آپ کو بہزار منت وسماجت مجبور کر دیتے تھے کہ خواہ ایک سال ہی کے لئے سہی، آپ ان کے ہاں ضرور تشریف لے جائیں۔ اس لئے ان دنوں کسی بھی ایک مدرسہ میں زیادہ دنوں قیام نہیں فرما سکے اور ابر کرم بن کر مختلف مدارس میں علم وفن کی برسات کیا کئے ۔ چنانچہ ایک سال کے لئے آپ جامع اشرف کچھوچھہ شریف گئے ۔ وہاں سے فیض الرسول براؤں شریف تشریف لے آئے ۔ پھر براؤں شریف سے الہ آباد دارالعلوم غریب نواز چلے گئے ۔ مگر براؤں شریف والوں نے پھر مجبور کر کے دوبارہ بلالیا۔ اس طرح اور ایک سال آپ نے وہاں علم وفن کی روشنی بکھیری۔

مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی ٹولہ بدایوں جو کسی زمانے میں شہرت کی بلندی پر تھا۔ لیکن زمانے کے الٹ پھیر کی وجہ سے گمنامی کی وادی میں ایسا گم ہو گیا تھا کہ طلبہ تو طلبہ عام علما نہیں جانتے تھے کہ بدایوں میں اس نام کا کوئی مدرسہ ہے۔ مدرسہ عالیہ کے منتظمین بہزار عزت و وقار آپ کو بدایوں لے آئے۔ امام علم وفن کے بدایوں پہنچتے ہی تشنگان علوم کا سیلاب امنڈ پڑا۔ ملک کے مختلف صوبہ سے طلبہ کی آمد ہوئی۔ چند ہی برسوں میں مدرسہ بام عروج پر پہونچ گیا۔ یہاں دوسرے بہت سے طلبہ کے ساتھ براؤں شریف کے حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مرحوم جو چرہ محمد پور ضلع فیض آباد کے مدرسہ نور الحق کے سرپرست تھے، ان کے صاحب زادے مولانا مختار احمد صاحب زیر تعلیم تھے۔ اس لئے موصوف کا برابر آنا جانا تھا انہوں نے، قانونی طور پر حضرت امام علم وفن کا ٹرانسفر وہاں کرالیا۔ حالانکہ وہ مدرسہ کسی بھی اعتبار سے امام علم وفن کے شایان شان نہ تھا۔ ابتدائی درجات کے کچھ مقامی طلبہ زیر تعلیم تھے، مگر امام علم وفن کے پہونچتے ہی وہ صرف ملک گیر نہیں، عالم گیر شہرت کا حامل ہو گیا۔ ایشیاء ویورپ چھوڑ افریقہ وامریکہ کے ارباب علم ودانش اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور وہ روایتی درسگاہ میں محدود نہ رہ کر آفاقی درسگاہ بھی ہو گیا۔

قسام ازل نے امام علم وفن کے اندر ایسی صفت اور کشش پیدا کی ہے اور انہیں ایسے علم وفن سے نوازا ہے کہ آپ جس صحرا میں پہنچ جاتے ہیں وہ گلزار ہو جاتا ہے۔ جس کھنڈر میں قیام کرتے ہیں وہ تاج محل بن جاتا ہے۔ یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ جب سے آپ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور پہونچے ہیں، تب سے ابتک صرف مدرسہ ہی نہیں بلکہ گاؤں بھی شہرت کی بلندی کو چھو رہا ہے۔ آئے دن لوگ ملک کے طول وعرض سے وہاں پہنچتے ہیں اور آپ سے ذوق طلب کی تشنگی دور کرتے ہیں ۔یہی نہیں بلکہ بیرون ملک کے علما جب کسی مسئلے میں الجھ جاتے ہیں تو بذریعہ فون اور موبائل آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں اور بعض حضرات فون کا اسپیکر آن کر کے بطور درس کتاب پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔ مندرجہ بالا حالات وواقعات کی تائید درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

> (خواجہ صاحب) بریلی، سلطان پور، براؤں شریف، الہ آباد، بدایوں ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچ گئے جہاں کوئی پندرہ برس سے اپنا فیض لٹا رہے ہیں۔ علم کا موجزن سمندر جہاں چاہتا ہے بہتا رہتا ہے ۔برستا بادل جہاں تہاں برس کر جل تھل کر دیتا ہے۔ انگلینڈ، امریکہ جا کر دعوت کا کام تو ہو سکتا ہے مگر وہاں کی سمت قبلہ درست نہیں کی جاسکتی۔ یہ خواجہ صاحب ہی ہیں جو ہند میں رہ کر امریکہ کا قبلہ درست کرتے ہیں۔ (کاملان پورنیہ ص ۸۱)

تلامذہ:۔ خواجہ صاحب نے ۱۳۷۶ھ سے ۱۴۳۳ھ تک تقریباً ۵۸ سال درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور یہ سلسلہ ابتک جاری وساری ہے۔ اس طویل عرصے میں ہزاروں شاگردوں نے آپ سے علم وفن کی تشنگی دور کی ہے۔ فرداً فرداً ہر ایک کا نام احاطۂ تحریر میں لانا بہت امر مشکل ہے۔

آپ نے کوئی دار العلوم نہیں بنایا مگر دنیا جانتی ہے کہ ان کا ہر شاگرد اپنی جگہ دار العلوم ہے ذروں کو چمکا کر مہر وماہ کی طرح رشک مہر وماہ بنادیا ہے، انہیں درخشندہ ستاروں کے کچھ نام اس طرح سے ہیں۔

حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ادری اعظم گڑھ۔ حضرت مولانا رحمت حسین صاحب کلیمی بائسی پورنیہ۔ حضرت مولانا خواجہ مقبول حسین صاحب سنگھیا پورنیہ۔ حضرت مولانا مفتی عبید الرحمن صاحب سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور۔ حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب مضطر پورنیہ۔ حضرت مولانا مفتی ایوب مظہر صاحب گانگی پورنیہ۔ حضرت مولانا مفتی قاضی شہید عالم صاحب مدرس ومفتی جامعہ نوریہ باقر گنج بریلی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عارف صاحب کشن گنج۔ حضرت مولانا مفتی ناظر اشرف صاحب ناظم اعلیٰ دار العلوم اعلیٰ حضرت ناگپور۔ حضرت مولانا مفتی کوثر حسن صاحب۔ حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب بستی۔ حضرت مولانا اسید الحق صاحب ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف۔ حضرت مولانا عطیف صاحب بدایوں شریف۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب تنظیم المسلمین بائسی پورنیہ۔ حضرت مولانا مختار الحسن صاحب مدرس دار العلوم نور الحق چرا محمد پور فیض آباد وغیرہ۔

تصنیف وتالیف: امام علم وفن نے اپنی پوری توجہ پڑھنے پڑھانے میں صرف کی۔ تصنیف وتالیف کی جانب آپ کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ البتہ گاہ بگاہ وقت ضرورت آپ نے قلم فیض رقم کو جنبش دی۔ جس کے نتیجے میں مختلف عنوانات پر مضامین ملک کے طول وعرض سے جاری ہونے والے ماہناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔ مضامین کے علاوہ کچھ کتابیں بھی ہیں جن میں ''ٹی، وی کی تحقیق،، سرفہرست ہے۔

نکاح: خواجہ صاحب کا نکاح الحاج سراج الدین صاحب کی دختر نیک اختر چچازاد بہن سے ۴ رشوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں ہوا۔ خدا کے فضل سے آپ کو بیوی بہت وفا شعار، نیک طبیعت، خدمت گار، اطاعت گزار ملی۔ ان سے چار بچے پیدا ہوئے، اتفاق کہئے کہ چار میں سے ایک بچہ ماں کے پیٹ ہی سے مردہ پیدا ہوا۔ دو بچے پیدائش کے بعد انتقال کر گئے۔ صرف ایک لڑکا تمحید رضا ۳۰ رسال کی عمر تک باحیات رہا۔ ان سے ایک پوتا جناب وقار احمد رومی اور دو پوتیاں باحیات ہیں۔

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیان ہوا وہ آغاز باب تھا

مضمون کے اختتام پر حضرت امام علم وفن کے لئے یہ شعر بہت موزوں اور مناسب ہے کہ:

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
چراغ کا اپنا کوئی مکاں نہیں ہوتا

×××××

امام علم وفن: دنیائے تدریس کے بے تاج بادشاہ

مفتی نظام الدین احمد نوری دار العلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف یو پی

ہندوپاک میں جہاں بھی دینی درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے اور جہاں بھی اہل علم بستے ہیں یا جن لوگوں کو تعلیم وتعلم سے مناسبت ہے وہ امام علم وفن کی شخصیت کو ضرور جانتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ جانتے ہیں بلکہ ان کی علمی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ دوسرے شعبوں کے علاوہ صرف درس وتدریس سے متعلق پچاس سے زیادہ افراد ایسے ضرور ملیں گے جنہوں نے امام علم وفن سے اکتساب فیض کیا ہے۔ درس وتدریس کی مملکت کا ایسا بے تاج بادشاہ جس نے سب سے اپنی درسگاہ کی عظمت تسلیم کروائی ہو آپ کے سوا دیکھنے میں نہیں آتا۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت نے درس وتدریس سے متعلق ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔

تدریس کی چاشنی سے تلامذہ کو ایسا شاد کام کر دیا کہ شاگرد پڑھنے کے بعد بھی درسگاہ سے اٹھنا نہ چاہے، یہ عظیم ہنر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف امام علم وفن کو بخشا ہے۔ آپ کی درسگاہ کے ہر گوشہ عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے البتہ وہ گوشہ جو آپ کی شخصیت کو نہایت ممتاز اور قد آور بناتا ہے، وہ ہے تلامذہ میں خود اعتمادی کی دولت پیدا کر دینا، آپ کا یہ وصف آپ کی درسگاہ کے فیض یافتہ بخوبی جانتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جن ایام میں مادر علمی دار العلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف میں منتہی طالب علم کی حیثیت سے حصول تعلیم میں مصروف تھا، ان ہی ایام میں آپ کی براؤں شریف میں تقرری عمل میں آئی۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ میں نے مسلم الثبوت میں شکل عروسی اور شکل حماری کی بحث سے آپ سے اکتساب فیض کا سلسلہ شروع کیا تھا اور میر زاہد و ملا جلال کو ابتدا ہی سے حضرت کے پاس پڑھنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ دور حاضر میں اس طرح کی معیاری کتابیں استاذ سے

پڑھ کر قاعدے سے سمجھ لینا ہی آسان نہیں ہے چہ جائے کہ دوران تعلیم اگلا درس محض قوت مطالعہ سے اور وہ بھی اپنے ساتھیوں کو دیدینا! مگر امام علم وفن کی درسگاہ میں یہ رواج عام تھا کہ وہ ہر جماعت کے زیرک وذہین طلبہ سے اپنی درسگاہ میں درس دلوا کر طلبہ کو خود اعتماد بنادیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دن میری جماعت کے طلبہ سے حضرت نے فرمایا کہ: تم میں کون کون ایسا ہے جو اگلے سبق کا مطالعہ کر کے میرے سامنے اپنے ساتھیوں کو پڑھانے کی ہمت رکھتا ہے؟ جو ہاں کرے گا، اسے کل سے باری باری استاذ کی طرح پڑھا کر ساتھیوں کو مطمئن کرنا ہوگا، دوسروں پر لازم ہوگا کہ وہ پڑھانے والے سے ایسے ہی سوالات کریں گے جیسے مجھ سے کرتے ہیں۔ سمجھئے کہ کس قدر مشکل معاملہ تھا مگر ہمت کر کے جن طلبہ نے اس مشکل کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا بحمدہ تعالیٰ راقم الحروف بھی ان ہی خوش نصیبوں میں شامل تھا۔ شروع شروع میں تو کافی دشواری ہوئی مگر تدریجاً کچھ ہی دنوں کے بعد ہم سب اس کے عادی ہو گئے اور بحمدہ تعالیٰ میر زاہد جیسی کتاب کا اگلا سبق اپنی باری میں قوت مطالعہ سے حاصل کر کے خواجہ صاحب کے سامنے پڑھانے لگے۔ درس کے ساتھی اعتراضات کرتے، پڑھانے والے جوابات دیتے، اور امام علم وفن اپنے تلامذہ کو کامیاب دیکھ کر مسرور وشادماں ہو کر زبان حال سے کہتے:

یہ مہر تاباں سے کوئی کہہ دے کہ چن کے رکھ لے وہ اپنی کرنیں
میں اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

☆☆☆

امام علم وفن: تدریس وتفہیم کے بادشاہ

مفتی شہاب الدین احمد نوری براؤں شریف

اللہ رب العزت نے اس دارفانی میں بہت سارے افراد کو بطفیل سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا اور رہتی دنیا تک مبعوث فرماتا رہے گا لیکن کچھ افراد اس فرش گیتی پر اس طرح آئے کہ انھیں دنیا یاد رکھتی ہے اور ان کے فیضان علم سے عوام وخواص مستفید و مستنیز ہوتے ہیں انھیں افراد میں سے دنیائے سنیت کی وہ عبقری شخصیت، علم وفن کا وہ بے تاج بادشاہ جسے ساری دنیائے علم ''امام علم وفن،، کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے، جس نے اپنے علم وفن سے اپنے کیا اغیار کو بھی مرعوب کر ڈالا اور اپنی علمی سطوت کا ایسا لوہا منوایا کہ اس کے سامنے علمی گفتگو کرنے کی جسارت نہیں ہوتی اور جب وہ کسی فن میں بالخصوص منطق اور فلسفہ میں گفتگو کرتا ہے تو وقت کا غزالی اور ارسطو، محقق دوانی اور رازی معلوم ہوتا ہے، معقولات ہو کہ منقولات، تفسیر ہو یا اصول تفسیر، حدیث ہو یا اصول حدیث، فقہ ہو یا اصول فقہ، مناظرہ ہو یا اصول مناظرہ، اسلامیات ہو یا غیر اسلامیات، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفاہم ومقاصد، مباحت اپنا دامن خود ہی سمیٹے ہوئے تیار بیٹھتے ہیں ہم اس مباحث کے ماحصل اور لب لباب ہیں اور ہم میں کوئی اہم اور دقیق وقابل التفات بات نہیں ہے

راقم الحروف جن دنوں دنیائے سنیت کی عظیم دینی دانش گاہ مادر علمی دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف میں زیر تعلیم تھا اسی دوران خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالیہ والنورانی بحیثیت ممتحن فیض الرسول براؤں شریف مدعو ہوئے اور تشریف لائے، طلبہ فیض الرسول کا امتحان لیا اور راقم نے ھدایہ آخرین کا امتحان دیا، دوران امتحان کچھ نحوی مسائل عبارت خوانی کے درمیان موصوف نے پوچھا تو راقم نے جواب دیا اور کافی دیر تک گفتگو طول پکڑ گئی اور آخر میں فرمایا کہ یہ کرم حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ کا ہے اور امتحان کے دوران طلبہ دارالعلوم فیض الرسول

سے بہت خوش ہوئے اور اساتذۂ فیض الرسول کو بہت سراہا اور فرمانے لگے کہ براؤں شریف کا تعلیمی معیار بہت بلند ہے۔ معاندین جو بھی پروپیگنڈا کریں چنانچہ اسی امتحان کے موقع پر دار العلوم فیض الرسول کے ایک نہایت لائق وفائق تجربہ کار ومدبر منیجر حضرت مولوی فاروق احمد قدس سرہ العزیز، شہزادۂ سیدنا شیخ المشائخ حضور شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے موصوف کو بغرض تدریس رکھنا چاہا تو شہزادگان حضور شعیب الاولیا علیہ الرحمہ حضرت مولانا صدیق احمد عرف خلیفہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اور مفکر ملت شیخ المعقولات والمنقولات حضور غلام عبد القادر علوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی (جو امانت حضور شعیب الاولیاء کے امین ومحافظ اور خانقاہ فیض الرسول کے سجادہ نشین وناظم اعلیٰ ادارہ ہذا ہیں) سے مشورہ فرمایا تو مفکر ملت حضور علوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے حضرت خلیفہ صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ یار علویہ اور منیجر محمد فاروق احمد صاحب قبلہ علیہما الرحمہ سے فرمایا بھیا آپ حضرات ضرور انھیں دار العلوم کا استاذ رکھیں چنانچہ حضرت خواجہ علم وفن کی اس طرح دار العلوم میں آمد ہوئی اور راقم الحروف کو موصوف مدظلہ العالی سے ملا حسن، میر زاہد، ملا جلال، مسلم الثبوت وغیرہ پڑھنے کا موقع میسر ہوا اور موصوف مدظلہ العالی والنورانی اہم سے اہم مباحث کو اتنے سہل انداز میں سمجھا دیتے کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ ان مباحث میں کوئی مشکل مقام ہے یہ افہام وتفہیم سب بارگاہ رب العزت سے بطفیل احمد مختار سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم عطا ہوا تھا مناظرہ گاہ میں جب بھی تشریف لاتے تو اغیار میں ایک دم کھلبلی مچ جاتی اور ان پر ایسا سناٹا طاری ہوتا گویا شیر ببر کے روبرو بکری کی ایک چھوٹی ریوڑ ہے اور بولنے، لکھنے کیلئے بہت کچھ سوچ سمجھ کر ہمت کر پاتے لیکن پھر بھی انکے ہوش اڑے رہتے تھے۔ بارگاہ ایزدی سے اس عبقری شخصیت کو بہت ساری خوبیاں ملی ہوئی ہیں۔

بہر حال براؤں شریف مادر علمی میں اس وقت تشریف لائے جب مادر علمی میں علم وفضل کے آسمان راہ حق کے پاسبان، دین مصطفوی علیہ السلام کے نگہبان، تقوی وطہارت کی شان، دنیائے سنیت کی ایک پہچان، وہ لائق وفائق اساتذۂ ذیشان موجود تھے جن کے علمی وعملی فیوض وبرکات سے ایک زمانہ مستفیض ہو رہا تھا وہ اساتذۂ کرام جن کی مثال نہیں ملتی ہے۔ جامع علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ عبد المصطفی صاحب علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دار العلوم ہذا نائب شیخ الحدیث۔ بحر العلوم شمس الکملاء حضرت علامہ مفتی شاہ محمد نعیم الدین صدیقی علیہ الرحمہ۔ عارف باللہ جامع العلوم حضرت علامہ مولانا محمد یونس نعیمی شیخ الحدیث دار العلوم ہذا۔ کتب فقہ احناف فی الفتاوی پر ایک گہری اور عمیق ودقیق نظر رکھنے والا شاندار، بے مثال فقیہ، فقہ وعمل کا وہ بادشاہ، قلعہ نجدیت میں آگ لگا دینے والا، دشمن دین کے چھاتی پر چڑھ کر حق کہنے والا، استاذ الفقہاء والعلماء حضور سیدنا شاہ الحاج حافظ وقاری پیر طریقت رہبر شریعت مرشدی فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی خلیفہ حضور سیدنا الشاہ سید حضور حسن میاں صاحب مارہرہ مطہرہ علیہ الرحمۃ الرضوان۔ مفکر ملت شیخ معقولات ومنقولات حضرت علامہ سیدنا شاہ مفتی غلام عبد القادر علوی صاحب قبلہ۔ علم وعمل کا تاجور حضور سیدنا شاہ حجۃ العلم مفتی محمد قدرت اللہ صاحب رضوی علیہ الرحمہ، شیخ التفسیر والنحو حضرت

علامہ سید محمد احمد انجم عثمانی صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ مولانا غلام عبد القادر چشتی ۔ شیخ التجوید ماہر فن قرآت وتجوید حضرت قاری عبد الحکیم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا وہ انوکھا اور سہانا دور تھا جنکے تقوی و پرہیز گاری کی دھمک اندرون وبیرونی ملک پہونچ چکی تھی جنھیں علم وعمل کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا تو بجاتھا، اس دور میں خواجہ علم وفن مادر علمی میں اپنے علم کا خزانہ لٹاتے رہے جس کو رہتی دنیا یادر کھے گی ۔ موصوف میں بہت ساری خوبیاں تھیں اور مختصر یہ کہ وہ جامع العلوم ہیں اور آپ کی زیادہ تر شہرت معقولات میں ہوئی ورنہ حال یہ ہیکہ آپ بہت سارے ایسے فنون کے مالک ہیں جنکے جانکار بہت کم بلکہ نایاب ہیں مثلاً علم ہیت وتوقیت و ریاضیات وغیرہ وغیرہ موصوف جب درسگاہ میں اپنے علمی جاہ وجلال کے ساتھ تشریف فرما ہو تے اور علمی گفتگو کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی سمندر جس طرف رخ کرتے تو سیلاب نہیں بلکہ سونامی لہر پیدا کر دیتے یونہی موصوف جب کسی فن کے اہم مباحث کی توضیح کرنے لگتے تو معلوم ہوتا تھا کہ مضامین سج دھج کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوکر کھڑے ہوتے ہیں کہ اب استعمال کا موقع آگیا ہے وہ استعمال ہو جاتے تھے اور علم کا یہ سمندر اپنے علمی جواہر پاروں کو لٹاتا جارہا ھے ۔ جب آپ سے کوئی سوال متعلق درسگاہ یا غیر درسگاہ کیا جاتا تو آپ نہایت فراخدلی سے نفیس طور پر اسے سمجھا دیتے کہ ذہن میں عجیب طرح کا ایک انخلاء پیدا ہوتا اور طبیعت باغ باغ ہو جاتی اور راقم الحروف سے تو کئی بار ایسا ہوا ہے کہ دوران درسگاہ کوئی سوال ہوا تو عمدہ سے عمدہ قابل اطمینان جواب ملا اور جواب سے بہت مسرت ہوئی اور قلبی سکون واطمنان حاصل ہوا اور کئی بار جزیات نحو وغیرہ کے تعلق سے راقم سے گفتگو ہوئی تو حضرت موصوف کو راقم کے جواب سے بہت سرور ہوتا رہا بسا اوقات فرماتے رہے تو ملاً ہے ملاً ؛ حضرت کے اس فرمان سے توحش ہوتا تو آپ فرماتے میاں! ملا حسن، ملا مبین وغیرہ بھی تو ملا ہی تھے اور موصوف اخلاق کے بہت دھنی، اور نہایت مشفق کرم فرما استاذ ہیں اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولی کریم اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل موصوف کے روحانی سایۂ کرم کو ہم اہل سنت وجماعت پر قائم ودائم رکھے......آمین۔

٭٭٭

امام علم وفن: اور اسلوب تدریس

مفتی جیش احمد رضوی

خیر الاذکیا، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کا تدریسی اسلوب اس قدر حسین وآسان ہوتا ہے کہ اس کی مثال ہند و بیرون ہند وقت کی عظیم درسگاہوں میں نہیں نظر آتا۔ خاص کر عقلی علوم وفنون میں ان کے درس کا کوئی جواب نہیں ۔ جب آپ حکمت وریاضی میں صدرا و شمس بازغہ جیسی کتابوں کا درس دیتے ہیں تو دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث کا اشکال اس طرح حل فرمادیتے ہیں کہ ذہین وذکی طلبہ کے ساتھ غبی سے غبی طلبہ بھی انداز تفہیم سے مطمئن ہو جاتے۔

ہم طلبہ میر زاہد مع غلام یحییٰ، میر زاہد امور عامہ اور شرح مواقف پڑھنے کے زمانہ میں متعدد حواشی مطالعہ کر کے ان کے ایرادات واشکالات ذہن میں لے کر درس میں حاضر ہوتے مگر امام علم وفن عبارت کی ایسی تشریح فرماتے کہ سرے سے وہ ایرادات واشکالات وارد ہی نہیں ہوتے۔ پھر بھی کوئی طالب علم اشکال پیش کر ہی دیتا تو فرمادیتے کہ فلاں حاشیہ میں جواب موجود ہے وہاں دیکھ لینا۔

یہی صورت حال مجدد وقت حضرت محب اللہ بہاری علیہ الرحمۃ کی معرکۃ الآرا کتاب "مسلم الثبوت" کے درس میں بھی ہوتی۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی آج کا درسگاہی مدرس درس نہیں دے رہا ہو، بلکہ خود صاحب کتاب۔ یا۔ شارح علام حضرت بحر العلوم اصول کے جواہر لٹا رہے ہیں۔

فن بلاغت کی مشہور کتاب "مختصر المعانی" کے درس کا بھی یہی حال تھا۔ ایسی سیر حاصل تقریر وتوضیح فرماتے اور کتابی مثالوں کے ساتھ ساتھ اردو کی مثالیں دیتے جاتے جیسے کسی اردو زبان کی کتاب پڑھا رہے ہوں۔

امام علم وفن کی تدریس صرف درسگاہ ہی میں جاری نہیں رہتی۔ وہ شام کی تفریح میں چلتے پھرتے بھی بہت سے علمی نکات کی تشریح فرماتے، نیز رات کے وقت بھی ان کا علمی فیضان جاری رہتا۔ جب طلبہ بعد عشا حاضر خدمت ہوتے اس وقت بھی پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل پیش فرماتے۔ گویا خدمت بھی مفت نہیں لیتے تھے، اس کے صلہ میں علم وحکمت کے لعل وگہر سے نوازتے۔ یہ کسی مخصوص جماعت کی بات نہ تھی، سبھی کے لئے صلائے عام تھا۔

اور کبھی کبھی تو یہ منظر بھی دیکھنے میں آتا کہ پوری جماعت ایک زبان ہو کر عرض کرتی کہ آج کتاب کھولے بغیر درس دینا ہے ت۔ ارشاد فرماتے کہ کس کتاب کی کون سی بحث میں سبق ہے؟ بخاری شریف پڑھنے والے طلبہ باب حدیث اور فصل کی

تعین کرتے اور امام علم وفن کا زبانی درس شروع ہو جاتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا کہ شروح بخاری: فتح الباری، ارشاد الساری، عمدۃ القاری، مرقات اور اشعۃ اللمعات ساری کتابیں پیش نظر ہوں۔

اسی طرح کوئی جماعت رسالہ میرزاہد، یاملا جلال۔یا۔ شرح چغمنی لے کر حاضر ہوتی اور آپ سے کتاب دیکھے بغیر پڑھانے کی گذارش کرتی تو آپ سامنے کتاب رکھے بغیر شرح وبسط کے ساتھ تقریر فرماتے۔

امام علم وفن کا یہ انداز درس اساتذۂ زمانہ کی درسگاہوں میں نظر نہیں آتا، وہ اس میں منفرد و یکتائے زمانہ ہیں۔اس سلسلہ میں آپ کی شہرت آفتاب نیم روز کی طرح تھی اور ہے۔

آپ کی بارگاہ سے بڑے بڑے جلیل القدر علما، فضلا، محدثین، فقہا اور مناظرین مستفید ہوئے ہیں۔غالباً ۱۹۷۶ء ماہ رمضان اور برسات کا موسم تھا، میں امام علم وفن کے شرف ملاقات کے ارادہ سے گھر سے چل کر بانسی سے پچھم بیل پچھی، جہاں امام علم وفن کے گاؤں دسنگھیا، جانے کے لئے اترنا پڑتا ہے، بس سے اُترا، تو ایک مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ موصوف 'الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ضلع فیض آباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شبیر حسن ہیں اور آپ بھی حضرت امام علم وفن سے ملنے دسنگھیا، ہی تشریف لے جارہے ہیں۔ دسنگھیا، وہاں سے کوئی پانچ، چھ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور اُن دنوں وہاں جانے کے لئے کوئی سواری نہیں ملتی تھی، پیدل ہی جانا پڑتا تھا۔اس لئے ہم دونوں پیدل ہی روانہ ہوئے اور امام علم وفن کے دولت کدہ حاضر ہو کر عصر کی نماز پڑھی۔رات کو تراویح اور کھانے سے فراغت کے بعد امام علم وفن نے حضرت مولانا شبیر حسن صاحب سے ان کی آمد کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: مولانا! آپ کی تشریف آوری نے مجھے افتخار بخشا، جس کا شکریہ جس قدر بھی ادا کروں کم ہے مگر پھر بھی یہ پوچھے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اس موسم برسات میں اتنی دور کے سفر کی زحمت کیسے گوارا فرمائی؟ حضرت مولانا شبیر حسن صاحب نے اپنی آمد کے کئی اغراض بیان کئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ:

فلسفہ کی کتاب 'صدرا، کا درس تو مسلسل دیتا آرہا ہوں مگر ایک مسئلہ میں خود مطمئن نہ ہو پا رہا ہوں، کئی علمائے کرام سے تبادلۂ خیالات کیا، مگر بات نہیں بنی: کتاب میں شئی بالکر یر کی دلیل سے جزء الذی لایتجزیٰ کا بطلان ثابت کیا گیا ہے مگر اشکال یہ ہے کہ...... ابھی حضرت مولانا شبیر حسن صاحب اتنا ہی کہ سکے تھے کہ امام علم فن نے فرمایا: میں پہلے دلیل کی وضاحت کردوں اس کے بعد آپ اپنے اشکال کا اظہار فرمائیں۔

پھر آپ نے اس کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ حضرت مولانا شبیر حسن صاحب نے واہ واہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ماشاءاللہ! اس وضاحت کے بعد تو اب کوئی اشکال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔اس کے بعد مولانا موصوف نے دوسرے فنون جیسے اصول فقہ، مساحت، توقیت و ہیئت وغیرہ پر بھی کچھ سوالات کئے اور امام علم وفن نے ان کے جوابات دئے۔

☆☆☆☆

امام علم وفن: جامع اشرف میں

مفتی نذر الباری اشرفی جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ مقدسہ شریف

ہندوستان کے شمالی زون میں صوبہ بہار کا علاقہ سیمانچل ہمیشہ مردم خیز رہا ہے۔ یہاں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی عبقری شخصیت، دین وملت، سماج ومعاشرت اور دین وسیاست کی قیادت کرتی رہی ہے۔ اور موجودہ صورت حال کی بات کریں تو پورے ہندوستان میں دینی ومذہبی فکر وفن کا لوہا منوانے والی شخصیت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین مدظلہ کی ہے۔ جو اپنے تلامذہ اور مضامین ومقالات کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور دین وملت کی آبیاری کرنے میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ کتنے علوم وفنون تو ہماری درسگاہوں میں صرف اور صرف آپ کی بدولت باقی ہیں۔ اسی وجہ سے آج لوگ انہیں 'خیر الاذکیا'، 'امام علم وفن'، 'حل مشکلات' اور شارح تحقیقات رضا وغیرہ کے بہترین القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ملک العلما سید ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری سے تلمذ اور حضور مفتی اعظم کی بیعت سے مشرف ہو کر جب آپ نے جہان تدریس میں قدم رکھا اور مادر علمی 'دار العلوم مظہر اسلام' بریلی شریف میں تدریس کی بساط بچھائی تو درسگاہوں کی دنیا میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ چھوٹی بڑی تمام درس گاہوں کے منتظمین آپ کو اپنی اپنی درسگاہ کے لئے دعوت دینے لگے۔ اس لئے کچھ عرصہ وہاں رہ کر دوسری درس گاہوں کو بھی نوازا۔ اس طرح مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دی۔ جو نصف صدی سے زائد عرصہ کو محیط ہے۔ آپ کے تدریسی سفر میں ایک پڑاؤ ہندوستان کی مشہور ومعروف خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ کی درسگاہ 'جامع اشرف' بھی رہا ہے۔

۱۹۸۱ء میں شیخ اعظم مخدوم العلما بانی جامع اشرف حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ النورانی امام علم وفن کو بحیثیت صدر المدرسین 'جامع اشرف' میں لے آئے۔ جہاں آپ نے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیا۔ آپ کے ساتھ چونکہ طالبان علوم اسلامیہ کی ایک بڑی جماعت تھی جن میں کچھ تو منتہی جماعت کے تھے، کچھ متوسط جماعت کے بعض کے اسمایہ ہیں:

(۱) محمد منظور عالم ابن مولانا غلام یاسین صاحب ہرنتوڑ پورنیہ۔

(۲) محمد حماد عالم ابن مولانا غلام یاسین صاحب ہرنتوڑ پورنیہ۔

(۳) محمد اشفاق عالم ابن منشی تصنیف ہرنتور پورنیہ،

(۴) محمد مسعود عالم ابن غلا محمد ہرنتور پورنیہ،

(۵) محمد انوار الحق ابن شیخ اسیر الدین سنگھیا پورنیہ،

(۶) خواجہ محبوب عالم ابن منشی عبد القاہر سنگھیا پورنیہ،

(۷) خواجہ جاوید انور ابن مولانا زین الدین سنگھیا پورنیہ،

(۸) محمد افتخار عالم ابن منشی نصیر الدین چکلہ پورنیہ،

(۹) محمد شمس الضحیٰ ابن ناصر الدین گورامنی کشن گنج،

(۱۰) محمد جمیل الرشید ابن زعیم العلما حضرت مولانا غلام محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تارا باڑی پورنیہ، سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور۔

یہاں مزید جن حضرات نے آپ سے اکتساب علم کیا، ان کے اسما یہ ہیں:

(۱) قائد ملت حضرت علامہ و مولانا سید شاہ محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی موجودہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ سربراہ اعلیٰ جامع اشرف، کچھوچھہ مقدسہ۔

(۲) حضرت علامہ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی۔

(۳) مولانا عبد الخالق صاحب اشرفی راج محل۔

(۴) مولانا غلام غوث صاحب اشرفی پورنیہ۔

(۵) مولانا ممنون حسین صاحب اشرفی پونیہ۔

(۶) مولانا غلام وارث صاحب بھاگل پوری۔

(۷) مولانا جمال الرافع صاحب بھاگلپوری۔

(۸) محمد ہارون رشید ٹیپا گچھ بنگال۔

(۹) نظیر اختر علی گنج بنگال۔

(۱۰) محمد شہاب الدین مونگیر علی اصغر سکھاری۔

(۱۱) محمد اسرار بھاگلپور۔

(۱۲) محمد سعید انور نوادہ۔

(۱۳) سید شاکر حسین بھلائی۔

(۱۴) محمد معصوم اکرم کٹیہار۔ وغیرہ۔

حضرت امام علم وفن کے قیام جامع اشرف کے دوران تدریسی عملہ کے دیگر ارکان میں جن حضرات کا نام آتا ہے ان میں خصوصیت کے ساتھ مفتی اعظم بہار، حافظ جزئیات کثیرہ، استاذ الاساتذہ حضرت مفتی محمد عبدالجلیل صاحب قبلہ اشرفی نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان پورنیہ بہار کا نام سرفہرست ہے موصوف بحیثیت شیخ الحدیث تھے۔

حضور شیخ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے امام علم وفن کی قدردانی اور ان کے آرام وآسائش میں کبھی کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی تھی۔ ہرادارہ میں مدرسین کو کبھی نہ کبھی کچھ مطالبات کرنے پڑتے ہیں مگر آپ کو یہاں کبھی کسی مطالبہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ حضور شیخ اعظم خود ہی یہ دیکھتے تھے کہ آپ کی مرضی کیا ہے؟ اور فوراً اس کا انتظام فرمادیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ وہاں کی قدردانی اور محبت کو فراموش نہیں کرسکے ہیں۔ جس کا اظہار خود آپ نے اس موقع پر فرمایا جب ۲۳ فروری ۲۰۱۳ء کو بانی جامع اشرف حضور شیخ اعظم کا وصال ہوا۔ آپ نے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: شیخ اعظم ایک انقلاب آفریں شخصیت تھے۔ اُن کے 'جامع اشرف' میں اس فقیر کو بھی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں آج کیا بتاؤں کہ انہیں کتنی محبت مجھ سے تھی، اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

خدا آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے آمین۔

xxxx

امام علم وفن: اور تدریسی خدمات

مولانا احمد حسن رضوی قادری مدیر اعلیٰ ''ماہنامہ بطحا'' حیدر آباد

درس و تدریس کا آغاز اسلام کے پہلے دن سے ہی ہوا ہے۔ **اقرأ باسم ربک الذی خلق** سے اس کی اہمیت واضح ہے۔ پھر پیغمبر اعظم ﷺ نے، جن کو اللہ تعالیٰ نے معلم کائنات اور مکارم اخلاق کا نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا، درس و تدریس کا باضابطہ آغاز صُفّہ کے اس چبوترے سے فرمایا، جس کی روشنی آج دنیا کی تمام درسگاہوں سے پھوٹتی ہے۔ فتح مکہ کے دن آزادی کے لئے فدیہ کی طاقت نہ رکھنے والوں کے لئے دس بے پڑھے لکھے آدمیوں کو پڑھا کر آزادی حاصل کرنے کا اعلان بھی درس و تدریس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

اسلام کی ترقی کے ساتھ تعلیم و تعلم کا بھی فروغ ہوا، دینی درسگاہیں قائم ہوئیں، یہاں سے لاکھوں علمائے کرام پیدا ہوئے اور پھر ان کے ذریعہ مزید درسگاہیں وجود میں آئیں۔ عالمی اعتبار سے مدارس پر تعصب کی نگاہیں بھی پیوست ہوئیں، دہشت گردی کا بدنما دھبہ بھی لگا؛ مگر یہ کسی کی پرواہ کئے بغیر ارتقا کی جانب سفر کرتی رہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز سے ہندوستان میں کچھ زیادہ ہی دینی مدارس قائم ہوئے؛ مگر جس تیزی کے ساتھ مدارس کا اضافہ ہوا اسی رفتار سے تعلیمی نظام بھی انحطاط کا شکار ہوا۔ ان مدارس اسلامیہ سے ہر سال ہزاروں طلبہ کو دستار عالمیت و فضیلت دے کر علماء و فضلاء کی فہرست میں اضافہ کیا جا رہا ہے؛ مگر صحیح معنوں میں کتنے علماء و فضلاء ہوتے ہیں؟ کہا نہیں جا سکتا۔ آج مدارس اسلامیہ میں تدریسی خدمات پر فائز اساتذہ عموماً جس انداز سے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں ان کی وجہ سے ۹۰ رفیصد مدارس اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج درسگاہیں خالی ہو رہی ہیں؛ مگر ان درسگاہوں کو سنبھالنے والے اساتذہ کا قحط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اکثر مدارس میں تعلیمی نصاب پورا ہی نہیں ہو پاتا ہے۔ ہاں! انگلیوں پر گنے جانے والے کچھ اساتذہ ہیں جن کا حال استثنائی ہے۔ اس سلسلۃ الذہب کی سب سے مضبوط کڑی کا نام امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی ہے، جو ایک شمع کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ہمیشہ پروانے ان کے اطراف

تدریسی آفتاب ہیں جس کی ضیاباری کرنوں کے حصار میں آکر ہزاروں تشنگان علوم علم کی خیرات پاتے اوراپنے ظلمت کدوں کومنور کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک ایسے میلہ لگائے رہتے ہیں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے بلکہ یہ میری حرماں نصیبی وبے مائیگی ہے کہ میں جس عظیم تدریسی شاہکار پر گفتگو کررہا ہوں آج تک نہ میں نے انہیں دیکھا ہے؛ اور نہ ہی ان سے اکتساب فیض کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جس کا افسوس مجھے تاحیات رہے گا۔

حضرت امام علم وفن نے ایسے وقت تدریسی علم کوسرنگوں ہونے سے بچایا جب اکثر درسگاہیں تدریس کے اہداف کو فراموش کرچکی ہیں۔ ایک ذمہ دار مدرس میں جو جواوصاف ہونے چاہئیں وہ تمام اوصاف آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ طلبہ کے لئے وہ طبیب حاذق ہیں۔ غبی الذہن طلبہ کا وہ ایسا علاج کرتے ہیں کہ وہ تعلیم کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ وہ ایک تدریسی انجینئر ہیں جوطلبہ میں تعمیری فکریں پیوست کردیتے ہیں۔

یادرہے کہ اچھی سے اچھی تعلیمی اسکیمات ناکام ہوجاتی ہیں اگراساتذہ کے دل میں ان پرعمل کرنے کا جذبہ نہ پایا جائے۔ لیکن ناقص سے ناقص اسکیمات بھی کامیاب ہوجائیں گی اگر معلم اچھے ہوں، اوران اسکیموں پرعمل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پایا جائے۔ حضرت امام علم وفن موجودہ دور میں ایک تجربہ کار استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے جہاں بھی اپنا تعلیمی خیمہ سجایا اس جگہ کی تقدیر سنور گئی۔ ان کی درسگاہ سے تربیت یافتوں نے معتبر کتب خانوں اور کلیدی درسگاہوں میں جگہ بنائی۔ ان کے رشحات قلم سے بیسیوں اخبارات ورسائل کے صفحات اور علوم وفنون سے مزین کتابیں پورے عالم سے خراج وصول کررہی ہیں۔ آپ اخلاق کی خوشبو میں گل تازہ کی طرح جس راستے سے گزرجاتے ہیں وہ راستہ مشک بار ہوجاتا ہے، اورکوہ وبیابان رشک ارم میں بدل جاتا ہے۔

وہ دیکھو! درسگاہ میں کون برس رہا ہے؟ یہ اسٹیج پرکون گرج رہا ہے؟ منطق وفلسفہ کی باریکیوں کواشاروں کی زبان کون عطا کررہا ہے؟ مروجہ علوم وفنون کے علاوہ قدیم علوم وفنون پرکمندکون ڈال رہا ہے؟ آج کے دور میں علوم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا تنہا مالک کون ہے؟ فتاوی رضویہ کوتفہیم کی زبان کون عطا کررہا ہے؟ ہاں! وہ امام علم وفن ہے اوران کی درسگاہ ہے جہاں سے پڑھا ہوا، زمانے کی ضرورتوں کوپوری کررہا ہے۔

درسگاہ کا ایک اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جوطالب علم کی پوشیدہ صلاحیت کواجاگر کرکے اس کومنصف مزاج، راست گو، دیانت دار انسانیت دوست بنائے۔ امام علم وفن ہراعتبار سے منتہائے کمال پر نظر آتے ہیں۔

آپ بچپن سے ہی مختلف علمی درسگاہوں سے علمی پھول کوسونگھتے ہوئے، خوشبوؤں کواپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے مرکز اہل سنت بریلی شریف پہونچے، جس کا اس دور میں درس وتدریس اور علم وفضل کا شہرہ تھا۔ آپ نے، اصحاب صفہ کا نمونہ مسجد بی بی جی میں قطب الاقطاب، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا قائم کردہ جامعہ مظہر اسلام میں

داخلہ لیا۔ ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کے بعد جو وقت میسر ہوتا بارگاہ اعلیٰ حضرت میں روحانی علوم کے لئے گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ نمازیں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ ادا کرتے اور چہرہ تکتے رہتے۔ کتابوں کے ساتھ نگاہوں سے بھی پیتے رہے پھر وہ وقت آیا کہ علماء ومشائخ کے ہاتھوں سے ۱۹۵۶ء میں آپ کے سر پر فضیلت کا تاج زریں رکھا گیا۔ آپ **العلماء ورثة الانبياء** کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ **فالحمدلله رب العالمين**.

یہاں سے آپ کا تدریسی سفر شروع ہوتا ہے، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس ۵۷ رسالہ تدریسی سفر میں لاکھوں تشنگان علوم وفنون کو سیراب کیا۔ ذروں کو آفتاب بنایا۔ بے زبانوں کو زبان عطا فرمائی۔ ان کی درسگاہ کے خوشہ چیں طلبہ روایت کرتے ہیں کہ کسی بھی فن کی کتاب ان سے ایک مرتبہ پڑھ لی جائے تو اس فن سے متعلق ذہن کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ ان کی درسگاہ کا غبی الذہن طالب علم بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے یہ فن سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ اتنے وسیع النظر اور مزاج شناس ہیں کہ طالب علم کے چہرے کا جغرافیہ آپ پر آشکارا ہو جاتا ہے کہ اس پر کتاب کا مفہوم واضح ہوا یا نہیں۔ پھر آسان الفاظ میں مثالوں کے ذریعہ تفہیم کراتے ہیں۔

آپ کے ہزاروں تلامذہ میں ایک مخصوص تلمیذ، فقیہ النفس، مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر فرماتے ہیں کہ:

”ہندوستان کی تمام درسگاہیں میری نظر میں ہیں، سارے علماء ومفتیان کرام سے ملاقات ہے۔ لیکن جب کبھی کسی مسئلہ میں الجھن درپیش ہوتی ہے تو صرف ایک ہی درسگاہ ہے، جہاں وہ الجھن ختم ہوتی ہے، وہ ہے امام علم وفن کی درس گاہ“

ماہنامہ بطحا کے مشیر اعلیٰ، علامہ محمد ابوالحسن علی رضوی ناظم اعلیٰ جامعہ غوثیہ رضویہ نظام آباد کے بقول وہ فتاویٰ رضویہ میں شائع شدہ کچھ پیچیدہ مسائل میں الجھ گئے تو استفتاء قائم کر کے ہندوستان کے تمام دارالافتاؤں کی طرف رجوع کیا مگر مدت گذر گئی اور صدائے برنخاست۔ ایک ملاقات میں رئیس التحریر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ:

”اس وقت ایسے پیچیدہ اور لاینحل مسائل کے حل کے لئے ہماری جماعت میں ایک ہی شخصیت ہے حضرت خواجہ مظفر حسین کی، آپ ان سے رابطہ کریں۔“

مولانا ڈاکٹر غلام جابر صاحب شمس مصباحی، امام علم وفن کی تبحر علمی پر رقمطراز ہیں:

”مضمون نگاری، کتاب نویسی بہر حال ایک کام ہے۔ اس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں، لیکن فنی اصول کی روشنی میں فنی نکات پر زبان کھولنا یا قلم اٹھانا جگر گردے کا کام ہے، یہ ’امام علم وفن‘ کا ہی جگر

ہے، جہاں علمائے عصر، فقہائے دہر، دانشوران دیار پھنس چکے ہوتے ہیں وہاں حل المشکلات بن کر 'امام علم وفن' ہی کام آتے ہیں، شواہد بہت ہیں۔ یہاں ایک مثال بس ہے۔ کتنے فقیہان حرم تھے لیکن جب ان کی 'ٹی وی کی تحقیق' سامنے آئی تو اپنے موقف سے رجوع کر گئے یوں ہی شمالی امریکہ کے سمت قبلہ کا مسئلہ، بلغار یہ وغیرہ میں نماز عشاء و فجر کا مسئلہ۔»(جہان ملک العلماء، ص1054)

بین الاقوامی انفرادیت کے حامل امام علم وفن؛ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے علوم وفنون کو حیات جاوداں دینے والی اس عظیم شخصیت کے سلسلے میں ایک نادر تحریر اور ملاحظہ کریں۔

«علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب 'سنگھیا' علاقہ بائسی پورنیہ بہار کے متوطن ہیں۔ حضرت ملک العلما اور حضور مفتی اعظم ہند کے اخص الخاص فیض یافتہ ہیں۔ سینکڑوں شہرت یافتہ متبحر علما کے استاذ اور درجنوں علمی وفنی مقالات وکتب کے مصنف ہیں۔ علمائے عصر انہیں 'خیر الاذکیا' اور 'امام علم وفن' جیسے پر شکوہ لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ علوم مذہبی کے علاوہ سائنس وحکمت میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا نے ملک العلما کو علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ فرمایا تھا۔ یہی جملہ اگر خواجہ صاحب کے لئے کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب کے ساتھ مئی ۱۹۹۶ء کی ایک نشست ہوئی تو پروفیسر مسعود احمد صاحب نے فرمایا کہ: وہ فنون جن کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یا تو مٹنے سے بچالیا یا ایجاد کیا، ان کو سامنے لایا جائے تو علمی دنیا پر احسان ہوگا اور سائنسی دنیا ششدر رہ جائے گی۔ علمائے مجلس نے کہا: ان افکار کی توضیح وتشریح کرنے والی شخصیتیں پاک وہند میں دو ہی نظر آتی ہیں۔ پروفیسر شبیر احمد خاں غوری علی گڑھ اور علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی»۔(ایضاً ص379)

ایک عظیم قائد کی نگاہ پوری قوم پر ہوتی ہے اور وہ ایک خطہ میں بیٹھ کر اپنے خلفاء وتلامذہ کو مختلف علاقوں میں روانہ کرتے ہیں۔ اس کی جھلک ہمیں حضور خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بھی ملتی ہے۔ آپ ایک مسیحا ایک قائد ومرشد برحق کی حیثیت سے اجمیر شریف میں جلوہ بار ہیں اور آپ کے خلفاء دہلی، ناگور، گلبرگہ، لاہور وغیرہ میں تبلیغی خدمات انجام دے کر اسلامی حدود کو وسعت دے رہے ہیں۔ اگر اسی مثال کو امام علم وفن پر چسپاں کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ نے بہار اور اتر پردیش کی سرزمین پر بیٹھ کر اتنے تلامذہ پیدا کئے جنہوں نے ملک و بیرون ملک میں پھیل کر آپ کے کام کو آگے بڑھایا۔ آپ کے تلامذہ نے ملک میں مدارس ومکاتب، دار العلوم وجامعات کا جال بچھا دیا ہے، جہاں وہ درس وتدریس میں مصروف

ہیں۔آپ کے تدریسی سفر کا ایک خاکہ اور خصوصیات اس اقتباس میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

"اب ایک اجمالی جائزہ ان اداروں کا جہاں وہ رہے۔مظہر اسلام بریلی شریف میں پانچ سال، دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ میں تین سال، مظہر اسلام میں دو سال، منظر اسلام میں ایک سال، جامعہ عربیہ سلطانپور میں آٹھ سال، دارالعلوم فیضیہ ایشی پور بھاگلپور میں آٹھ سال، جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں ایک سال، دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی میں دو سال، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں ایک سال، مدرسہ قادریہ بدایوں میں چھ سال اور اب دارالعلوم نور الحق چرہ محمد پور میں یہ سولہواں یا سترہواں سال ہے۔ابھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری وساری ہے۔وہ بہتے دریا ہیں، برستے بادل ہیں، جہاں ضرورت پڑتی ہے بہتے رہتے ہیں، برستے رہتے ہیں، علم وفن ،فکر ونظر کے کھیتوں کو جل تھل کرتے رہتے ہیں"(جہان ملک العلماء، ص1053)

حضرت امام علم وفن ایک منکسر المزاج، عقابی نگاہ رکھنے والے، خوددار، بارعب، استاذ الاساتذہ کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔تملق اور خوش آمد پسندی سے آپ کو نفرت ہے۔مزاج کے خلاف جب بھی کوئی بات ناگوار گزری استعفیٰ وقت سے پہلے حاضر کر دیا۔آپ جہاں بھی گئے اور جہاں بھی رہے ہمیشہ ایک درسگاہ ساتھ رہی۔حضر ہو یا سفر ہر جگہ تدریسی خدمات جاری رہیں۔ٹرین میں سفر کر رہے ہیں اور طلبہ سے علمی مکالمہ جاری ہے۔سیکڑوں مدارس کے انتظامیہ آپ کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھا کر اس انتظار میں ہیں کہ ایک سال ہمارے یہاں خدمت انجام دے کر مدرسے کو اوج ثریا تک پہونچادیں۔آج بھی جس دارالعلوم میں آپ خدمت انجام دے رہے ہیں وہاں کے منتظمین آپ کے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔

آپ کی نشو ونما ایک رئیس خاندان کے ماحول میں ہوئی ہے۔آپ کے والد حضرت علامہ مولانا خواجہ زین الدین رضوی دولت علم اور دولت دنیا دونوں سے مالا مال تھے۔اسی علمی متمول گھرانے کے آپ چشم وچراغ ہیں۔ظاہر ہے دماغ میں خودداری ہوگی ہی۔آپ جہاں بھی تدریسی خدمات انجام دیئے بڑے شاہی کروفر اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ۔کچھ متعصب، حاسد اور حریص علماء کی جماعت آپ پر یہ الزام لگاتی ہے کہ آپ زر طلب ہیں۔جو مدرسے والے آپ کو اچھی تنخواہ کا سبز باغ دکھاتے ہیں۔، آپ کا دل ادھر مائل ہو جاتا ہے۔اس قسم کا ایک سوال مولانا خوشتر نورانی صاحب مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کیا تھا جو جام نور میں شائع بھی ہوا ہے۔ایسے موہوم خیالات پر خود امام علم وفن کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

سوال:۔(مولانا خوشتر نورانی) عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ آپ بہت دنوں تک کسی ایک ادارے سے وابستہ نہیں رہ سکتے، ایسا کیوں؟

جواب:۔(مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی) علمائے کرام خواہ وہ کسی ادارہ کے استاذ ہوں یا کسی دارالافتاء کے مفتی، کبھی انہیں انتقال مکانی ناگزیر ہوجاتا ہے۔اس کا دراصل سبب یہ ہے کہ زرق انسان کو وہیں کھینچ کرلے جاتا ہے جہاں کارزق اس کے مقدر میں ہوتا ہے۔لیکن ظاہراً بھی اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً کہیں کا ماحول موافق نہیں، کہیں کی آب وہوا مساعد نہیں، کہیں شریک کار مناسب نہیں اور کہیں عزت نفس کا مسئلہ بھی پیدا ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔میرے لئے بھی ایسے حالات واسباب پیدا ہوتے رہے جن کی وجہ سے مجھے بھی انتقال مکانی کرنا پڑا۔یہ تو میرے احباب واعزہ کی کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے ان حالات کا جائزہ لئے بغیر مجھے تنک تابی اور سیماب پائی کی صفت سے مشہور کردیا۔لیکن اگر تھوڑی دیر میرے انتقال مکانی کے ڈاٹا کو دیکھا جائے تو وہ ایسا نہیں مثلاً ۵ رسال مظہر اسلام بریلی شریف، ۳ رسال دارالعلوم پورنیہ بہار اور پھر ۳ رسال منظر اسلام بریلی شریف، ۸ رسال سلطان پور اور پھر ۸ رسال بھاگلپور اور ۶ رسال بدایوں شریف اور آج ۱۱ رسال سے فیض آباد میں زندگی گزار رہا ہوں۔البتہ درمیان میں ایسا بھی ہوا کہ ایک سال کچھوچھہ شریف، ایک سال دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، اور ۲، ۳ رسال براؤں شریف میں بھی رہنا ہوا۔اس ڈاٹا پر اگر گہری نگاہ ڈالی جائے تو میری طرف منسوب تنک تابی اور سیماب پائی کوئی ایسی خبر نہیں کہ جس سے منھ میں بھونپو لگا کر پورے جگ کو بیدار کیا جائے۔(روبرو، حصہ اول، ص 84۔جام نور شمارہ جون 4200)

مدارس عربیہ اسلامیہ کا نصاب تعلیم جس کو برسہا برس پہلے ماہرین علوم وفنون نے ترتیب دیا تھا، جن میں ان تمام علوم وفنون کو شامل نصاب کیا ہے جن سے قرآن وحدیث کی تفہیم آسان ہو، موجودہ دور میں علماء و ماہرین تعلیم (بشمول کالج و یونیورسٹیز) مدارس اسلامیہ میں شامل منطق وفلسفہ اور علوم قدیمہ کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان علوم کو پڑھا کر طلبہ کا تضیع اوقات کیا جاتا ہے۔یہ علوم آج کی ضرورت نہیں نتیجۃً اکثر درسگاہوں نے ان علوم کی معیاری کتابیں اپنے نصاب سے خارج کردی ہیں۔تدریسی تجربہ میں ید طولیٰ رکھنے والے ماہر علوم وفنون امام علم وفن اس سلسلے میں کیا تاثر دیتے ہیں، ان کے خیال کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

”آپ کا یہ سوال، وقت کا اہم سوال ہے۔اس انداز فکر میں نہ صرف یونیورسٹیوں کے ماہرین تعلیمات منفرد ہیں بلکہ علماء کا وہ طبقہ جس کا فلسفہ قدیمہ سے تعلق نہیں رہا وہ بھی ان لوگوں کے ہم خیال ہیں۔مگر دراصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات اس امر سے ناواقف ہوتے ہیں کہ مدارس میں منطق و

فلسفہ اور ہیئت وہندسہ کا کونسا باب اور چیپٹر (Chapter) پڑھایا جاتا ہے اور اس کے پڑھانے کی غرض وغایت کیا ہے؟ یہ حضرات تو یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم فلسفے کی نظریات کو سمجھا کر طلبہ کو وقت کا سقراط اور بقراط بنایا جاتا ہے جس کی اس دور میں قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لئے یہ حضرات منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ کاش! اگر یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ مدارس میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں قدیم فلسفہ کے کسی خاص نظریہ کو سامنے رکھ کر اس کی توضیح کی جاتی ہے،،

مدارس اسلامیہ میں عرصہ دراز سے ایک جامع ومانع نصاب چلتا آرہا ہے جس کی تکمیل پر طلبہ کے ذہن کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ اس کے بغیر طالب علم کے تفکرات میں جولانیت پیدا نہیں ہوتی اور افہام وتفہیم کا مادہ محدود ہوجاتا ہے۔ نتیجۂ پیچیدہ مسائل کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ مدارس کے نصاب پر تبدیلی کا جھنڈا اٹھانے والوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور وہ کیوں اور کس مفاد پر بار بار یہ سوال اٹھاتے ہیں؟ امام علم وفن مدارس کے نصاب پر یوں گویا ہیں:

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے مدارس کا بنیادی مقصد مذہبی تعلیم اور اس کا عروج وفروغ ہے اس غرض وغایت کی تکمیل کے لئے وہ نصاب تعلیم جو صدیوں پیشتر ترتیب دیا گیا ہے وہ نہایت ہی محکم جامع اور ٹھوس ہے۔ ہمارے مذہب میں نہ تو کوئی نیا نظریہ جنم لیتا ہے اور نہ کوئی جدید خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس کے لئے نئے نصاب اور نئی تصنیف کو وجود میں لانے کی ضرورت ہو۔ ہمارے اسلاف کا عطا کردہ اثاثہ ہمارے لئے کافی ہے،، (ایضاً ص 81)

واضح ہو کہ مدارس اسلامیہ کے نصاب میں شامل تمام علوم وفنون سے ناواقفیت کے بنا پر قرآن مقدس کے اکثر تراجم نگار نے منشائے الٰہی سے انحراف کیا ہے۔ یونہی احادیث کریمہ کے مفاہیم میں بھی من مانی کرکے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ نئی ایجادات وانکشافات زندگی میں داخل ہورہی ہیں۔ روزمرہ نت نئے مسائل بھی جنم لے رہے ہیں، جیسے سمت قبلہ کا تعین، رویت ہلال، ویڈیو، ٹی وی، لاؤڈ اسپیکر پر نماز وغیرہ اور مستقبل میں بہت سے مسائل ہوں گے۔ ان کا حل ان علوم کے بغیر ناممکنات میں سے ہیں۔ اس لئے ہر دور کا تقاضہ یہ ہے کہ ان علوم وفنون کو شامل نصاب رہنے دیا جائے۔ امام علم وفن ایک جگہ فرماتے ہیں:

"ان علوم وفنون کی افادیت کا تعلق کسی بھی دور یا کسی بھی عصر سے مربوط نہیں بلکہ ہر زمانہ خواہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل خواہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں یہ علوم یکساں نافع، البتہ وہ حضرات جو ان علوم و فنون سے ناواقف ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اب ان علوم کا زمانہ نہ رہا۔ لیکن فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ

کرنے والوں پر قطعاً یہ مخفی نہیں کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر علوم دینی امور میں نافع ومعاون اور بہت سے مسائل میں ان کے بغیر مفتیان کرام کو چارہ کار نہیں‘‘ (ایضاً ص 83)

امام علم وفن کی شخصیت ہر معاملے میں رہنما و رہبر نظر آتی ہے۔ تدریس کا مسئلہ ہو، نصاب کی تبدیلی کا قضیہ ہو، علماء و دانشوران کو مشورہ سے نوازنا ہو یا دیگر الجھنیں، اپنے اساتذہ ومرشد گرامی وقار کی تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اہل زمانہ کے اطوار و عادات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں اور حل بھی کررہے ہیں۔ امام علم وفن کی ذات میں مختلف اوصاف ہیں جیسا کہ آپ نے مطالعہ کیا۔ وہ یکتائے روزگار ہیں۔ جیسا کہ علماء نے پہچانا۔ دانشوروں کی فہرست میں وہ ایک امیر کی شان رکھتے ہیں جیسا کہ مدبروں نے اشارہ کیا۔ علوم وفنون کی اس ممتاز شخصیت، فیضان علم کے اس چشمۂ سیال، عالم اسلام کے اس عظیم مفکر اور ممتاز نقاد کے بارے میں ایک تاثر ملاحظہ کریں۔

’’امام احمد رضا کے علوم وفنون کے مظہر و معارف، ملک العلما کے پرتو، بذات خود خداداد صلاحیتوں کے مالک۔ کسبی اور وہبی علوم واسرار کے حامل، جن فنون کے جاننے والے آج دنیا میں تقریباً ناپید ہیں ان پر کامل مہارت رکھنے والے، ملک کی علمی منظرنامے کو زیروزبر کرنے والے خواجہ صاحب، انہوں نے کوئی دارالعلوم نہیں بنایا مگر دنیا جانتی ہے کہ ان کا ہر شاگرد اپنی جگہ دارالعلوم ہے۔ ذروں کو چمکا کر مہر و ماہ ہی نہیں رشک مہر و ماہ بنا دیا ہے۔ اپنی ابتدائی جوانی میں دو چار سال اپنے پورینہ میں اور کچھ سال بھاگلپور میں پڑھائے۔ پھر جو صوبہ سے باہر ہوئے اب تک باہر ہیں۔ بریلی، سلطان پور، براؤں شریف، الہ آباد، بدایوں ہوتے ہوئے فیض آباد پہونچ گئے جہاں کوئی پندرہ برس سے فیض لٹا رہے ہیں۔ علم کا موجزن سمندر جہاں چاہتا ہے بہتا رہتا ہے۔ برستا بادل جہاں تہاں برس کر جل تھل کر دیتا ہے۔ انگلینڈ، امریکہ جا کر دعوت کا کام تو ہوسکتا ہے، وہاں کی سمت قبلہ درست نہیں کی جاسکتی۔ یہ خواجہ صاحب ہی ہیں جو ہند میں رہ کر امریکہ کا قبلہ درست کرتے ہیں۔ پہلے یہ کام امام احمد رضا کرتے تھے، پھر ملک العلما کرتے تھے اب خواجہ صاحب کرتے ہیں۔ حقیقت میں وہ مظہر اعلیٰ حضرت اور ملک العلما کے عکس جمیل ہیں‘‘ (کاملان پورنیہ اول، ص 81)

آخر میں ہم سب اراکین دارالعلوم غریب نواز حیدرآباد و ماہنامہ بطحا ان کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے ہیں، آپ کا علمی سایہ تادیر مدارس اسلامیہ پر چھایا رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ سید المرسلین

☆.....☆.....

امام علم وفن : بحیثیت شیخ الحدیث

مولانا محمد شمشاد عالم رضوی الجامعۃ الرضویہ کلیان

حدیث کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وافعال کو اور جو کام کسی اور نے کیا ہو اور سرکار نے منع نہ فرمایا ہو اسے بھی حدیث پاک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں حدیث پاک کی کتابت ممنوع تھی۔ خدشہ یہ تھا کہ قرآن کے درمیان التباس نہ ہو جائے۔ جب یہ خدشات ختم ہو گئے تو کتابت حدیث کی عام اجازت دے دی گئی۔ صحابۂ کرام وتابعین عظام کے دور میں اگرچہ مجموعہ احادیث کا سراغ ملتا ہے مگر کسی کتاب کے وجود کا پتہ نہیں ملتا۔ تبع تابعین کے زمانہ میں "موطا امام مالک" مرتب ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حدیث کی پچاسوں کتابیں مرتب ہوئیں۔ ویسے تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں باقاعدہ درس حدیث کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ سیدنا امام مالک بن انس (متولد ۱۱۸ھ وفات ۱۸۱ھ) سیدنا محمد بن حسن شیبانی (متولد ۱۳۱ھ) سیدنا وقیع ابن جراح (متولد ۱۲۸ھ وفات ۱۸۳ھ) جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں نے تدریس حدیث کا اہتمام کیا۔

ویسے یہ کام اس دور کی اہم ضرورت تھی اس لئے کہ قرآن مقدس کے بعد اسلامی ماخذ میں حدیث پاک کا درجہ ہے۔ اگرچہ اصول شرعیہ چار ہیں مگر اصل الاصول قرآن وسنت ہی ہیں۔ رہے اجماع وقیاس! تو وہ اس لئے معتبر ہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ حدیث پاک کی درسگاہیں جس طرح عرب میں تھیں اسی طرح ہمارے ملک ہندوستان میں قائم ہوئیں۔ سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ حدیث پاک کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدارس عربیہ میں باقاعدہ طور پر درس حدیث کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چودہویں صدی ہجری میں جن درسگاہوں کو حدیث پاک کی اشاعت کے سلسلے میں شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی وہ محدث سورتی، علامہ وصی احمد کی درسگاہ تھی اور ملک العلما سیدنا ظفر الدین بہاری اور محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد وحافظ ملت علامہ عبدالعزیز کی حدیث پاک کی اشاعت میں اہم کردار ہے۔ انہیں مقدس بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین تدریس حدیث میں مصروف ہوئے۔ جبکہ آپ کی شہرت علوم عقلیہ کے شناور کے طور پر زیادہ ہے۔ بلاشبہ آپ علم ہیئت، علم ہندسہ، لوگارثم، توقیت، جفر، ریاضی، جیسے علوم کے امام کامل ہیں۔

مگر علم حدیث میں بھی آپ کا مقام بلند و بالا ہے۔تقریبا ۳۰ سال سے حدیث پاک کی سب سے معتبر کتاب جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ "صحیح البخاری،، کہا جاتا ہے،اس کی تدریس میں مصروف ہیں۔اورفن حدیث کی اہم نکات کو بیان کرنے میں یکتائے روز گار سمجھے جاتے ہیں۔ جب آپ بخاری شریف کا درس دیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نکتہ آفرینی،علامہ سورتی کی سحر بیانی،علامہ بہاری کے تفقہ کی برسات ہورہی ہے۔جب اسماء الرجال پر گفتگو کرتے ہیں تو حضرت ابن حجر عسقلانی کی جلوہ فرما ئیاں نظر آتی ہیں اس وقت یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ آپ کی مجلس علوم عقلیہ کی درسگاہ ہے یا محدث جلیل کی نورانی بارگاہ۔گویا کہ آپ علوم عقلیہ کے امام ہی نہیں بلکہ دور حاضر کے عظیم المرتبت محدث ہیں آپ کی تدریس حدیث کا دور تین دہائیوں میں پھیلا ہوا ہے۔

دارالعلوم فیضیہ نظامیہ بھاگلپور میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے تو وہیں سے آپ کی تربیت یافتہ تلامذہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو کر ہندوستان کی مؤقر درسگاہوں کی زینت ہوئے اور جب آپ دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد میں قدم رنجہ فرمایا تو طالبان علوم نبویہ کشاں کشاں وارد ہوتے رہے اور درجنوں حدیث پاک کی تعلیم میں منہمک ہوئے اور خدمت حدیث انجام دینے کے لئے مختلف صوبوں میں تشریف لے جانے لگے۔

آپ کی بارگاہ عالی میں فیوض وبرکات حاصل کرنے والوں کی تعداد کا انحصار مشکل ہے۔اس لئے کہ بطور ملازمت خدمت تدریس آپ کا شیوہ نہیں،اپنی معمولات سے فراغت کے بعد روز وشب افراد سازی میں مصروف رہتے ہیں۔جو بھی علمی تشنگی بجھانا چاہتا ہے اسے سیراب کردیتے ہیں۔ہاں! آپ کے ان شاگردوں کا تذکرہ "مشت نمونہ ازخروارے،، کے طور پر کردینا ضروری ہے۔جو شیخ الحدیث کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔شیخ الحدیث علامہ سلطان احمد ادروی آپ کے شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں جو گلشن رضا چھپرہ مہاراج گنج میں درس حدیث دیتے رہے بعد میں دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ میں بھی شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہو کر خدمت حدیث میں نمایاں کردار ادا کیا۔امام علم وفن کے شاگردوں میں اہمیت کے حامل حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر ہیں جنہوں نے متعدد علوم وفنون خصوصا علم حدیث کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے اور دور وسطیٰ کے شاگردوں میں مفتی عبدالحکیم نوری کا نام لیا جاتا ہے۔جنہوں نے ۲۱ رسال تک تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد مدرسوں سے علحیدگی اختیار کرلی مگر تصنیف وتالیف،وعظ وتقریر اور ردومناظرہ کو اپنی خدمات کا دائرہ متعین کرلیا ہے،وہ تدریسی میدان میں تھے تو دارالعلوم لطیفیہ ویلور مدراس میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہتے ہوئے افراد سازی میں مصروف رہے۔

اسی دور کے امام علم وفن کے شاگرد رشید حضرت علامہ منظور احمد صاحب ہیں جو مغربی یوپی کے نیوریہ مدرسہ میں رہ کر شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں آج بھی حدیث پاک کی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

صرف امام علم وفن کے ۴ چار شاگردوں کا ذکر جمیل اس لئے کردیا ہے تاکہ خدمت حدیث کی ضوفشانیاں طشت از بام ہوجائے بفضلہ تعالیٰ آج بھی مختلف صوبوں سے وارد ہونے والے تہی دامن آپ کی کرم فرمائیوں سے خادم الحدیث وشیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوجاتے ہیں۔امام علم وفن علالت ونقاہت کے باوجود خدمت حدیث میں مصروف ہیں۔خداوند قدوس انہیں بہتر صلہ عطا فرمائے اور صحت وسلامی کے ساتھ خدمت دین ومتین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆

ساتواں باب

فقہ وافتاء

امام علم وفن: ایک باکمال اور وسیع النظر فقیہ

مفتی محمد رفیق عالم رضوی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ اپنے جلال علمی اور کمال فنی کی وجہ سے پورے ہندو پاک میں مشہور ہیں۔ بلکہ سات سمندر پار بھی ان کی علمی جلالت کا شہرہ اور فنی کمال کا چرچہ ہے۔ شخصیتیں عموماً یا تو خانقاہوں سے مشہور ہوتی ہیں یا اداروں سے یا پھر اپنے آبا واجداد کے کارناموں سے۔ لیکن امام علم وفن کی عالمی شہرت کسی خانقاہ وادارے کی دین نہیں، اس کی بنیاد خود ان کی ذاتی اور خداداد صلاحیتیں ہیں۔ وہ اپنی علمی قابلیت اور فنی صلاحیت کی وجہ سے ملکی اور عالمی سطح پر مشہور ہوئے۔ کیوں نہ ہو کہ ان کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ان پر خاص نگاہ کرم تھی اور ان کے فلک پیما استاذ ملک العلما، کا بھی فیضان نظر تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو قدرت نے علم وفضل ، ذکاوت وذہانت، افہام وتفہیم، تدبر ودانشمندی سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ وہ علم وفن کے ایسے تاجدار ہیں کہ جہاں جلوہ بار ہوتے ہیں علم وحکمت کا گلشن آباد کر دیتے ہیں۔ وہ جس ادارے کی زینت بنتے ہیں وہ ادارہ ملک گیر شہرت کا مالک بن جاتا ہے اور دور دراز سے تشنگان علوم اس کی جانب شدّ رحال کرتے ہیں اور پھر وہ ادارہ انوار علم وحکمت سے جگمگا اٹھتا ہے۔ امام علم وفن جہان تدریس کے ایسے تاجور ہیں جن کے دربار میں علم وحکمت کے طلبگاروں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، فن وادب کے شائقین ان کے خرمن علم وادب سے حصہ پانے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں، اور وہ اپنے علم وحکمت کے چشمۂ شیریں سے ہر ایک کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع، علم مستحکم، تحقیق پائیدار، افہام لاجواب اور تفہیم بے مثال ہے۔ ان کی فقہی نگارشات فقہی اصول کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ وہ جب کسی مسئلے پر قلم اٹھاتے ہیں تو اسے تحقیق کے عرش کمال تک پہونچا دیتے ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون میں کوئی ایسا علم وفن نہیں جس میں انہیں مہارت حاصل نہ ہو۔ بلکہ ان کے علاوہ کچھ ایسے علوم وفنون بھی ہیں جن کے میدان میں صرف وہ تنہا شہسوار نظر آتے ہیں۔ ہیئت وتوقیت، ہندسہ ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، لوگارثم، علم جفر، علم

مناظر ومرایا، رمل وتکسیر اور علم الابعاد جیسے نادر ونایاب علوم کے میدان میں دور دور تک ان کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔اسی لئے ارباب علم وحکمت انہیں 'امام علم وفن' کہتے اور لکھتے ہیں۔آج یہ لقب ان کے لئے علم کا درجہ بن گیا ہے۔یقیناً وہ علم وفن کے امام ہیں۔ان کی بارگاہ علم وادب کے فیض یافتہ آج ملک وبیرون ملک دین وملت کی بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں اور علم وحکمت کے ہر میدان میں اپنا مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ان کے گلستان علم وفن کے خوشہ چینوں میں علم وحکمت کے موتی لٹانے والے قابل ترین اساتذہ بھی ہیں تو میدان خطابت میں دھوم مچا دینے والے مقررین وواعظین بھی۔تصنیف وتالیف کے ماہرین بھی ہیں تو قوم وملت کے پیچیدہ مسائل سلجھانے والے ارباب فکر ودانش بھی۔علوم وفنون پر مہارت رکھنے والے علما بھی ہیں تو میدان صحافت میں لوہا منوانے والے صاحبان قلم وقرطاس بھی۔تطہیر قلوب اور تزکیۂ نفس کرنے والے صوفیا بھی ہیں تو ملکی سیاست کے تجربہ کار زعما بھی۔شعر وسخن کی زلفیں سنوارنے والے اصحاب شعر وادب ہیں تو فقہی بصیرت رکھنے والے ارباب فقہ وافتا بھی۔اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ریگ زاروں اور صحراؤں میں بھی علم وادب کا گلشن آباد کر رکھا ہے۔

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب صرف علوم عقلیہ ہی میں مہارت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ وہ علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔وہ جہاں زبردست منطقی وفلسفی ہیں وہیں ماہر فقیہ ومفتی بھی۔اچھے فنکار ہیں تو عمدہ قلم کار بھی۔وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس میں تحقیق کا اس طرح حق ادا کرتے ہیں کہ پھر کسی کو اس پر قلم رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ان کی جانب سے اٹھائے ہوئے ہر مسئلے کی بنیاد ایسے مستحکم دلائل ہوتے ہیں کہ مدمقابل کو ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا ہے۔محققین وناقدین کو تصویب وتائید کے سوا کوئی راہ نہیں ملتی ہے۔ان کے قلم زرنگار سے نکلے ہوئے مقالہ جات جیسے: ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی، صاع اور کلوگرام کے معادلے پر اتمام حجت، ۲۷/۲۸ تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ، ۷ا۱ر اونٹوں کی بے کٹی پٹی تقسیم وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

میں اگر چہ اپنے آپ کو اس لائق نہیں پاتا کہ علم وحکمت کے اس کوہ ہمالہ پر کما حقہ لکھ سکوں پھر بھی ان کی فقہی بصیرت کی چند جھلکیاں دکھانے کی جرأت کر رہا ہوں تاکہ جو لوگ قریب سے انہیں نہیں پائے ہیں وہ بھی کچھ اندازہ کر سکیں:

فتاویٰ عالم گیری جلد اول ص ۲۰۴ مکتبۂ زکریا میں اس عورت کے روزے کی قضا کے تعلق سے جسے طہر وحیض میں اشتباہ ہو حکم شرعی کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔"ولا تفطر فی شئ من شھر رمضان وعلیھا قضاء ایام الحیض بعد مضی الشھر فان علمت ان حیضھا کان یبتدئ باللیل فعلیھا قضاء عشرین وان علمت انہ بالنھار فقضاء اثنین وعشرین احتیاطا وان لم تدرانہ باللیل أو النھار فاکثر مشائخنا یقول یلزمھا قضاء عشرین، وکان فقیہ ابو جعفر یقول تقضی اثنین وعشرین احتیاطا قضتھا موصولا بالشھر أو مفصولا عنہ ھذا اذا علمت ان دورھا کان یکون فی کل شھر مرۃ وان لم تعلم فان علمت ان حیضھا کان یبتدء باللیل تقضی خمسۃ وعشرین احتیاطا قضتھا

موصولا اومفصولا، وان علمت انه كان بالنهار تقضي اثنين وثلاثين احتياطا لوقضتها موصولا وان قضتها مفصولا فثمانية وثلاثين، وان لم تدر فان قضت موصولا فعليها قضاء اثنين وثلاثين، وان قضت مفصولا فثمانية وثلاثين هذا اذا كان رمضان كاملا وان كان ناقصا فسبعة وثلاثين ،هكذا في المبسوط للامام السرخسي،،

کسی نے اس کے تعلق سے آپ کو لکھا:

''اس مسئلہ کی نوعیت دیکھ کر عقل ورطۂ حیرت میں جا پھنسی ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پورا مہینہ روزہ رکھنے کے باوجود اس قدر روزوں کی قضا اس عورت کے ذمہ واجب ہوگی جبکہ اکثر مدت حیض دس ہی دن ہیں اور صرف انھیں ایام کی قضا کا حکم ہے، پھر حیض دن سے شروع ہو تو حکم کچھ اور، رات سے شروع ہو تو کچھ اور، اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وصل وفصل میں اس قدر بین تفاوت کہ وصل میں چھ روزے گھٹ جائیں اور فصل میں چھ روزے بڑھ جائیں، نیز وصل وفصل سے کیا مراد ہے؟ براہ کرم اس بھنور سے نجات عطا فرمائیں''

جواب میں آپ نے ایسی عالمانہ وفقیہانہ تشریح فرمائی جس سے ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں اور مسئلہ کا ہر ہر گوشہ روشن ہو جاتا ہے: تحریر فرمایا:

''عورت بذات خود کائنات کے ہزاروں الجھے مسائل میں سے ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے پیچ وخم سلجھانے سے عقل وخرد عاجز اور جس کی عقدہ کشائی سے فہم وفراست قاصر ہے۔ ع:

یہ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

پھر ایسے الجھے مسئلہ کا معاملہ سلجھا ہوا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بہر حال..... پہلے چند مقدمات ملاحظہ کیجئے کہ فہم جواب میں آسانی ہو، **فبتوفيقه تعالى اقول وفي ساحة التحقيق اجول.**

''**مقدمۂ اولی**: عادت سابقہ معلوم نہ ہو اور خون مسلسل جاری ہو جائے تو ہر دن میں یہ احتمال ہوگا کہ یوم طہر ہے یا یوم حیض؟ اور یہ احتمال اسوقت تک رہے گا جب تک خون بند نہ ہو جائے۔

مقدمۂ ثانیہ: رمضان کے جن ایام میں طہر کا یقین یا احتمال ہو ان میں روزہ رکھنا لازم ہوگا اور جن ایام میں حیض کا یقین یا احتمال ہو ان دنوں کے روزوں کی قضا لازم ہوگی۔

مقدمۂ ثالثہ: پورے دس دن حیض آنے کی صورت میں رات سے حیض شروع ہو تو رات میں اور دن سے حیض شروع ہو تو دن میں ختم ہوگا، اور چونکہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کسی بھی جز میں حیض آجائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے رات سے حیض شروع ہونے کی صورت میں دس

،اور دن سے شروع ہونے کی صورت میں گیارہ روزے فاسد ہوں گے۔

مقدمۂ رابعہ: دو حیضوں کے درمیان کم ازکم پندرہ دن کا فاصلہ ضرور ہوگا، کیونکہ طہر کی اقل میعاد یہی ہے۔

مقدمۂ خامسہ: عبارت مذکورہ میں وصل کا معنی یہ ہے کہ رمضان اور ایام حیض کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ نہ ہو، یعنی شوال ہی میں قضا کرے اور شوال کے بعد قضا کرے تو فصل کہلائے گا۔

ان مقدمات خمسہ کو ذہن میں رکھئے اور بنظر تأمل دیکھئے کہ مسائل مذکورہ پر ان کی تطبیق سے اور ان مقدمات خمسہ پر مسائل مذکورہ کی تفریع سے سارے اشکالات کس طرح کافور ہوجاتے ہیں۔

مسئلے کی پہلی صورت میں بحکم مقدمۂ اولی رمضان کے ہر دن میں احتمال ہے کہ حیض کا دن ہے یا طہر کا، پس مقدمہ ثانیہ کے بموجب رمضان کے کسی دن میں روزہ نہیں چھوڑسکتی۔ اور چونکہ یہ معلوم ہے کہ پورے مہینے میں ایک ہی بار حیض آتا تھا اور اکثر مدت حیض دس دن ہیں لہذا مقدمۂ ثالثہ کے مطابق رات سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر رمضان کے دس روزے اور دن سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر گیارہ روزے فاسد ہوں گے اور ان کی قضا واجب ہوگی۔

جب دوسرے ماہ میں عورت قضا کرے گی تو اس ماہ کے ہر دن میں بھی یہ احتمال ہوگا کہ یوم حیض ہے یا طہر؟ مگر جب بیس دن کی قضا کرے گی تو ان میں دس یوم کی قضا قطعی صحیح ہوگی، اور دس بر بنائے احتمال مشکوک ہوں گے۔ اور دن سے حیض آنے کی صورت میں جب بائیس دن کی قضا کرے گی تو گیارہ روزے احتمال حیض کی وجہ سے درست نہیں مانے جائیں گے۔ اور گیارہ قطعی طور پر درست ہوں گے اس لئے رمضان کے گیارہ فاسد روزوں کی قضا ہوجائے گی۔

اور جب دن یا رات کی خبر ہو تو چونکہ دس دن کے حیض کا احتمال قوی ہے، اس لئے اکثر مشائخ نے بیس کی قضا پر اکتفا فرمایا، مگر گیارہ کا بھی احتمال ہے اس لئے بر بنائے احتیاط امام ابوجعفر نے بائیس کا حکم دیا۔ اس صورت میں وصل اور فصل سے کچھ فرق نہ آئے گا کہ ہر مہینے میں ایک بار حیض ہوگا۔ اور اگر دور یاد نہ ہو تو احتمال ہے کہ ہر ماہ میں دو بار حیض آتا ہو، مگر بایں ہمہ مقدمۂ رابعہ کی بنیاد پر دونوں حیضوں کے درمیان پورے پندرہ دنوں کا طہر فاصل ہونا ضروری ہوگا۔

اور اگر اسے یہ یاد ہو کہ حیض رات سے آتا تھا تو رمضان کے شروع کے دس دنوں میں اور اخیر کے پانچ دنوں میں حیض کا احتمال ہوگا، اور گیارہ تاریخ سے پچیس تاریخ تک طہر کا یقین ہوگا۔ پس ان پندرہ دنوں کے روزے تو قطعی درست ہوں گے اور پہلے کے دس روزے اور اخیر کے پانچ روزوں کی قضا

اس پر واجب ہوگی۔ اور جب قضا کرے گی تو اس وقت بھی یہ احتمالات رہیں گے مگر بایں ہمہ پچیس کی قضا میں پندرہ قطعی صحیح ہوں گے۔ کیونکہ شروع کے دس دن محتمل حیض ہیں اور اس کے بعد پندرہ دن طہر کے یقینی۔ اسی لئے صورت ثانیہ میں پچیس روزوں کی قضا کا حکم ہے کہ پچیس کے بغیر پندرہ صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں اور یہاں بھی وصل وفصل میں ایک ہی حکم ہے۔

اور اگر دن سے حیض آنا یاد ہو تو رمضان کی پہلی تاریخ سے گیارہ تک اور پچیس سے تیس تک کے سولہ روزے فاسد ہوں گے۔ پس ان سولہ روزوں کی قضا موصولاً کرے تو بتیس روزوں کا حکم اس لئے ہے کہ یقینی طور پر سولہ کی قضا بتیس کے بغیر ممکن نہیں۔ مثلاً پہلی رمضان کو ۱۰ ربجے دن سے حیض آیا، گیارہ تاریخ کو ۱۰ ربجے ختم ہوا۔ پھر طہر کا زمانہ چلا ۲۶ رکو ۱۰ ربجے پندرہ دن طہر کے پورے ہوئے پھر ۲۶ رسے حیض شروع ہوا، اور چھ شوال کو اسی وقت ختم ہوا، پھر ۶ ر سے طہر شروع ہوا، ۲۱ رکو ختم ہوا، پھر ۲۱ ر سے حیض شروع ہوا، پہلی ذیقعدہ کو ختم ہوا، پھر پہلی ذیقعدہ سے طہر شروع ہوا جبکہ خون مسلسل جاری ہے تو ان مہینوں کے ہر دن میں یہ احتمال ہے کہ حیض کا ہو، مگر اکثر مدت حیض اور اور اقل مدت طہر کا اعتبار کر کے یہ یقین کیا گیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ موصولاً قضا کرنا چاہے تو یوم عید چھوڑ کر کے ہی روزے رکھنا ہوگا، کہ اس دن روزہ رکھنا ممنوع ہے لہٰذا دوسرے دن سے رکھے گی مگر احتمال حیض کی بناء پر ۶ رتک کے روزے درست نہ ہوں گے۔ ۷ ر سے ۲۰ ر چودہ دنوں کے صحیح ہوں گے۔ ۲۱ ر سے پہلی ذیقعدہ تک درست نہ ہوں گے اور دوسری اور تیسری کے درست۔ اس طرح کل ۳۲ ر روزے ہوں گے، جن میں ۱۶ ر درست ہوں گے، بقیہ فاسد ہوں گے۔

اور مفصولاً قضا کرے تو ۳۸ ر کا حکم ہوگا اس لئے کہ فصل کی صورت میں قبلِ ایام کا کوئی لحاظ نہ ہوگا، بلکہ جب سے قضا کرے گی تبھی کا لحاظ ہوگا۔ مثلاً پہلی ذیقعدہ سے رکھے تو پہلی سے گیارہ فاسد، ۱۲ ر سے ۲۵ رتک چودہ درست، پھر ۲۶ ر سے ۶ ر ذی الحجہ تک فاسد، اور ۸ کے درست، اس طرح کل ۳۸ ر روزے ہوئے، جن میں ۱۶ ر درست اور باقی فاسد، اور اگر دن ورات کی خبر نہ ہو تو بنظر احتیاط یہی حکم ہوگا۔

اور اگر رمضان ۲۹ ر کا ہو تو چونکہ رمضان میں چودہ صحیح ہو چکے ہیں، اس لئے اب پندرہ کی قضا کرنی ہوگی۔ اسی لئے ۳۸ ر کے بجائے ۳۷ ر ہی کی قضا واجب ہوگی۔ کہ ۳۷ ر میں پندرہ بہر حال درست ہوں گے،،

امام علم وفن نے مسئلۂ مذکورہ کے ان گوشوں کو بھی واضح کر دیا ہے جو عالمگیری کی عبارت میں صراحۃً مذکور نہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''البتہ دو باتیں عالمگیری میں مذکور نہیں ۔ایک یہ کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت میں ۳۲ر ہی رکھنے ہوں گے ، دوسری یہ کہ صورت ثانیہ میں رات سے حیض آنا معلوم ہوا اور رمضان کامل ہو تو وصل وفصل میں ۲۵ر کا حکم ہے لیکن اگر رمضان کامل ۳۰ر دن نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

فاقول وباللہ التوفیق: رمضان کامل نہ ہو تو بھی وصل کی صورت میں ۳۲ر کا حکم ہے اگر چہ قضا پندرہ ہی کی کرنی ہے ، کیونکہ رمضان کامل نہ ہونے کی صورت میں حیض کی انتہا ۶ر شوال کو نہ ہوگی ، بلکہ ۷ر کو ہوگی ۔ پھر ۸ر سے ۲۱ر تک چودہ روزے درست ہوں گے ، پھر ۲۲ر سے ۲ر ذیقعدہ تک درست نہ ہوں گے ، پھر حیض کا رات سے آنا معلوم نہ ہو تو حکم مختلف ہوگا۔

وہ یہ کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت میں بیس اور فصل کی صورت میں ۲۴ر کا حکم ہے ، وصل کی صورت میں ۲۰ر کی وجہ یہ ہے کہ اسے دراصل چودہ کی قضا کرنا ہے ، کیونکہ ۲۶ر رمضان سے حیض شروع ہوا تو ۷ر شوال کی رات کو ختم ہو جائے گا ، تو جب وہ یوم عید چھوڑ کر قضا شروع کرے گی اور ۲۱ر تک ۲۰ر روزے رکھے گی تو اس میں ۷ر سے ۲۱ر تک ۱۴ر روزے درست ہوں گے ، لہٰذا اس صورت میں ۲۰ دنوں ہی کی قضا کا حکم ہوگا۔

اور فصل کی صورت میں ۲۴ر کی قضا کا حکم اس لئے ہے کہ مثلاً جب پہلی ذیقعدہ سے روزہ رکھے تو چودہ یقینی درست ہوں گے ، فافهم فانه من مطارح الاذكياء ، البتہ صورت اولیٰ میں جبکہ پورے مہینہ میں حیض کا ایک ہی بار آنا معلوم ہو تو رمضان کے کامل وناقص سے کچھ فرق نہ پڑے گا ،،

جس کو علم وفن خصوصاً فقہ سے کچھ بھی تعلق ہوگا اس کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ جس طرح دوسرے علوم وفنون میں امام علم وفن کا کوئی جواب نہیں ہے ، اسی طرح فقہی مسائل کی گہرائی و گیرائی تک پہونچ جانا بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔

ٹی وی کی تصویریں اور آئینہ کے عکوس:

ایک فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ فقہی اصول وقواعد پر ان کی نگاہ ہو ، کتابوں کی عبارتیں پیش نظر ہوں اور جزئیات کے ساتھ کلیات کا بھی ادراک ہو ۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ میں یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں ، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ والقدسیہ نے جب آئینوں کے عکوس پر ٹی وی میں نظر آنے والی صورتوں کو قیاس کر کے ان صورتوں پر عکوس کا اطلاق فرمایا تو امام علم وفن نے اس کی تردید فرمائی اور اسے فقہی عبارتوں کی تائید سے مزین کیا ، آپ فرماتے ہیں۔

... صحیح ... کے لئے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس سے حکم شرعی

اباحت ووجوب یا کراہت وحرمت ثابت کیا جائے، حکم لغوی نہیں، چنانچہ منار میں ہے۔

فشرطه...ان یتعدی الحکم الشرعی .نورالانوار میں ھے. کون الحکم شرعیالالغویا.حاشیہ میں ھے.فانه لو کان الحکم لغویافلایجوزالقیاس اذوجودمناسبة العلة لایجب وضع اللفظ لغة.منار میں فرمایا.فلایستقیم التعلیل لاثبات اسم الزنا للواطة لانه لیس بحکم شرعی. حسامی میں ھے .ان یتعدی الحکم الشرعی الثابت بالنص فلایستقیم التعلیل لاثبات الخمر لسائرالاشربة لانه لیس بحکم شرعی،،

اسی طرح آئینوں کے عکوس کو مقیس علیہ اور ٹی وی کی صورتوں کو مقیس اور دونوں کے درمیان علت جامعہ ’حرکت وعدم قرار، قرار دیا گیا، تو امام علم وفن نے فقہی اصول کی روشنی میں اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ قیاس کے لئے علت جامعہ مشترکہ کا وجود وتحقق دونوں یعنی مقیس علیہ ومقیس میں ہونا ضروری ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

’’ضروری تھا کہ وہ پہلے یہ ثابت فرماتے کہ علت مشترکہ کا وجود وتحقق مقیس علیہ اور مقیس دونوں میں ہے۔یعنی آئینوں کی صورتوں میں جو حرکت وعدم قرار ہے وہی حرکت وعدم قرار ٹی وی کی تصویروں میں بھی ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے۔**ثم التحقیق ان الموجود فی الفرع عین العلة التی للاصول**. اور یہاں دونوں جگہ حرکت وعدم قرار یکساں تو کیا ہوگا؟ مقیس علیہ میں سرے سے حرکت وعدم قرار ہی نہیں، اور مقیس میں حرکت وعدم قرار موجود۔....پس جب مقیس علیہ اور مقیس میں علت جامعہ موجود نہیں تو قیاس بھی لغو وباطل،،

قیاس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ علت جامعہ وصف ملائم ومناسب ہو اور شرعی طور پر مؤثر بھی ہو اور یہاں علت جامعہ ’حرکت وعدم قرار، وصف ملائم ومناسب اور شرعی طور پر مؤثر نہیں۔ چنانچہ امام علم وفن ارشاد فرماتے ہیں۔

’’پھر بطور تنزل یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آئینوں کی صورتیں بھی حقیقۃً متحرک وغیر قار ہیں، تو حضرت محقق کے لئے ضروری تھا کہ وہ پہلے دلیل سے یہ ثابت فرماتے کہ حرکت وعدم قرار وصف ملائم ومناسب ہے، پھر اس حرکت وعدم قرار کا شرعی طور پر مؤثر ہونا بھی ثابت فرماتے کہ فلاں فلاں محل میں یہ جواز واباحت کے لئے مؤثر ہو چکا ہے۔اسکے بغیر محض من مانی طور پر جسے چاہا علت قرار دیکر بذریعہ قیاس حکم شرعی نافذ کردینا اور حرام کو حلال کہہ دینا نہ صرف یہ کہ اصول شرع کے خلاف ہے بلکہ بہت بڑی جسارت بھی،،

امام علم وفن نے اپنی اس بات کی تائید میں متعدد فقہی کتابوں کی عبارتیں پیش فرمائی، وہ رقمطراز ہیں۔

’’منار میں ہے۔**دلالة کون الوصف علة صلاح**

المعلل به ونعنى بصلاح الوصف ملائمتة وهى ان يكون على موافقة العلل المنقولة عن رسول الله ﷺ وعن السلف، قمرالاقمار میں ہے۔ والمراد بظهور الاثر فى جنس الحكم المعلل به ان يثبت عليتة شرعا بالنص اوالاجماع. توضیح تلویح میں ہے۔ان جمهور العلماء على ان الوصف لايصير علة بمجرد الاطرادبل لابدلذلک من معنى يعقل بان يكون صالحا ثم يكون معدلا (الى ان قال) لابد لجعل الوصف علة من صلاحه للحكم لوجود الملائمة ومن عدالتة لوجود التاثير بالتعليل لايقبل مالم يقم الدليل على كون الوصف ملائمة بعد الملائمة لايجب العمل الابعد كونه مؤثرا،،

علمائے اصول نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ قیاس کورد کرنے کے لئے اس پر ممانعہ ،مناقضہ ،قلب ،فساد وضع ، معارضہ ،عکس اورقول بموجب العلۃ ودیگر ایرادات وارد کئے جاتے ہیں ۔امام علم وفن نے بھی فقہ کے اصول کی روشنی میں مذکورہ قیاس پر ممانعہ ،مناقضہ ،فساد وضع اور قلب جیسے ایرادات وارد کر کے اس کا فاسد ہونا ثابت کیا ہے۔تفصیل کے لئے آپ کی کتاب ٹی وی کی تحقیق ،کا مطالعہ فرمائیں۔

بلاشبہ امام علم وفن ایک ایسے ماہر اور وسیع النظر فقیہ ومفتی ہیں جن کی فقہی تحریریں فقہ کے اصول وضوابط کے آئینہ دار ہیں، فقہی اصول کی روشنی میں قیاس مذکور کا ایک اور انداز سے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس صورت میں بھی اگر مقیس علیہ اور مقیس میں کوئی مناسب فرق ہو تو قیاس لغو و باطل ہوجاتا ہے۔ اصول الشاشی میں ہے: بيان القسم الثالث وهو القياس المستنبط بالراى والاجتهاد وتحقيق ذلك اذاوجدنا وصفا مناسباللحكم هو بحال يوجب ثبوت الحكم يتقاضاه بالنظر اليه وقد اقترن به الحكم فى موضع الاجماع يضاف الحكم اليه للمناسبة لالشهادة الشرع بكونه علة....وحكم هذاالقياس ان يبطل بالفرق المناسب لان عنده يوجدمناسب سواه فى صورة الحكم فلا يبقى الظن باضافة الحكم اليه فلايثبت الحكم به لانه كان بناء على غلبة الظن وقد بطل ذلك بالفرق. یہاں اگرعلت مشترکہ کا وجود تسلیم بھی کرلیں تو بھی حضرت محقق کے بقول بھی فرق مناسب موجود ہے کہ ٹی وی میں نظر آنے والی تصویریں وقوع شعاع کا ثمرہ ہیں اور آئینہ سے نظر آنے والی صورتیں انعکاس شعاع کا ثمرہ۔فافترقا،،

بلاشبہ وہ عصر حاضر کے امام علم وفن اور باکمال فقیہ ومفتی ہیں ۔اللہ تبارک وتعالی اہل سنت وجماعت پر ان کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے اور انہیں صحت وسلامتی عطا فرمائے۔آمین

امام علم وفن : کار افتا

مفتی حکیم محمد مظفر حسین رضوی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف یوپی

امام علم وفن ،حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد زین الدین صاحب نیک سیرت، نیک طبیعت عالم دین تھے۔ یہ بات ہماری طرف مشہور ومعروف ہے کہ جب مولانا زین الدین صاحب یوسف زلیخا،سکندر نامہ، فارسی نامہ، بوستاں، فارسی کی کتابیں پڑھاتے تھے تو راہ گیر رک کر سنتے تے۔انداز اور آواز بہت والہانہ ہوتی تھی۔ جو راہ گیر اس کو ایک بار سن لیتا تو وہ ان کا شیدائی اور فدائی ہو جاتا تھا۔امام علم وفن نے شرح جامی تک کی تعلیم مدرسہ اساقت رحمت محمد یہ اسٹیٹ ضلع پورنیہ میں اپنے والد ماجد پائی۔ یہ مدرسہ قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمۃ کا قائم کردہ ہے۔ زمین محمد یہ اسٹیٹ کے مالک مرحوم محمود الہی بخش نے دی تھی۔ مصارف مدرسہ کا بار بھی انہیں کے بازوے ہمت پر تھا۔ وہ قطب الارشاد شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمان پوری کے نیاز مندوں میں تھے۔

امام علم وفن مدرسہ اساقت رحمت میں والد گرامی سے شرح جامی تک تعلیم پڑھ لینے کے بعد جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں داخل ہوئے جہاں ملک العلما حضرت سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ امام احمد رضا کے علوم وفنون کا میکدہ کھولے ہوئے تھے۔ پیاسوں کا جمگھٹا تھا: حضرت مولانا عبد الرحمٰن ،حضرت مولانا عبد اللہ اچھے پوری ،حضرت مولانا شہاب الدین بھینس بندھا ،حضرت مولانا بلال احمد نوری، شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی وغیرہ سب اپنے اپنے ظرف کے مطابق جام پہ جام لنڈھا رہے تھے۔امام علم وفن کی باری آئی تو آپ نے صاف کہا:

> ایک دو جام پی کے کیا ہوگا
> میکدہ میرے نام ہو ساقی

اور واقعی ملک العلما نے میکدہ ہی آپ کے نام کر دیا۔آپ وہاں تقریبا چار سال سے زائد رہے۔ پھر دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف پہونچے۔ وہیں سے فراغت حاصل کی اور حضور مفتی اعظم سے حدیث کی خصوصی سند لے کر دہیں مدرس

ہوئے، ساتھ ہی فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی۔ اس کے بعد ملک کے متعدد اداروں کو نوازا اور وہاں علم وفن کا دریا بہایا۔

جب راقم الحروف جانشین مفتیٔ اعظم، تاج الشریعہ حضرت ازہری صاحب مدظلہ کے مرکزی دارالافتا میں فتویٰ نویسی کی خدمت پر مامور ہوا تو ملاقات پر مبارکباد دی، حوصلہ افزائی فرمائی اور مفید ہدایات سے نوازا۔ آپ نے فرمایا:

سب سے پہلے سوال کو بہت ہی اطمینان اور غور پڑھیے، پھر جس باب سے متعلق سوال ہو اس باب سے متعلق کتب فقہ کا مطالعہ کیجیے۔ مثلاً سوال نماز سے متعلق ہو تو دیکھئے کہ نماز کے کس باب، کس فصل اور کس بحث سے متعلق ہے؟ جیسے شرائط، ارکان، واجبات، سنن، مفسدات، مکروہات، جماعت، امامت، قرأت، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ سہو وغیرہ۔ اب اس کے مطابق فقہ کی کتابوں میں متعلقہ باب، فصل اور بحث کے تحت جزیہ کی تلاش کیجے۔ جزیہ مل جائے تو ایک ہی حوالہ پر اکتفا نہ ہو۔ کیا پتہ کہ جو حوالہ ملا ہے وہ غیر مفتیٰ بہ ہو؟ عجلت میں جواب کبھی نہیں دینا چاہئے، جب تک شرح صدر اور پورا اطمینان نہ ہو فتویٰ نہیں لکھ دینا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور میں نے آپ کے ارشادات ہی کے مطابق کام کرنا شروع کیا تو آج برسوں تجربہ کے بعد بھی آپ کی وہ مختصری ہدایت رہنمائی کا کام دے رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امام علم وفن کی عمر میں برکت عطا فرمائے (آمین) بجاہ سید المرسلین ﷺ

×××××××××××××

امام علم وفن کی فقہی بصیرت

بعنوان

امام علم وفن اور فتاوی عالمگیری کے ایک پیچیدہ مسئلہ کی انفرادی عقدہ کشائی

مفتی محمد افتخار احمد رضوی مصباحی پورنوی

خیر الاذکیاء امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند اپنے عہد کی سب سے ممتاز منفرد اور نادر ونایاب علمی شخصیت ہیں، اس لیے کہ وہ علوم جن کے سمجھنے والے ناپید ہیں ایسے کثیر علوم کے وہ تنہا مالک ہیں، ایسے نادر ونایاب علوم اتنی کثرت میں ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں، برصغیر میں کم سے کم علما طلبہ کے لیے ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ان کی علمی انفرادیت نے خود ان کے تعارف کا اچھا کام کر دیا ہے، ان کی اسی انفرادیت کو آئندہ کی خاطر صفحۂ قرطاس میں محفوظ کرنے کے لیے امام علم وفن نمبر شائع ہونے جا رہا ہے، امام علم وفن نمبر میں مختلف حضرات امام علم وفن کے نادر ونایاب علوم وفنون پر ان کی عبقری شخصیت اور خدمات جلیلہ پر خامہ فرسائی فرمائیں گے جو یقیناً قابل مطالعہ ہوگا، جس کے لیے ''المختار'' کے کار کنان بے انتہا مبارک بادیوں کے مستحق ہیں۔

مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی صدر المدرسین دار العلوم شیخ احمد کھٹو سرخیز احمد آباد نے مجھ سے فرمایا: کہ آپ بھی امام علم وفن نمبر کے لیے کچھ لکھیے اور امام علم وفن پر لکھنے کے لیے ایک دن انہوں نے کتاب ''تحقیقات امام علم وفن،، میرے پاس بھیج دی، پھر مفتی مبشر رضا کے توسط سے مولانا احمد رضا صاحب نائب مدیر ''المختار'' نے بھی فون پر اسی خواہش کا اظہار فرمایا۔ میں ہیچ مداں امام علم وفن نمبر کے لیے کیا لکھ سکوں؟ اور میری تحریر کو امام علم وفن نمبر میں کیا جگہ ملے؟ لیکن اس لیے تا کہ امام علم وفن کے بارے میں کچھ لکھنے کا شرف حاصل ہو جائے اور ان پر لکھنے والوں میں اپنا بھی شمار ہو جائے لکھنے کے لیے بیٹھا ہوں۔

مجھ سے امام علم وفن کی فقہی بصیرت پر لکھنے کے لیے کہا گیا تھا افسوس کی بات یہ ہے کہ میں امام علم وفن سے شرف تلمذ حاصل نہیں کر سکا ہوں اور نہ ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

بہر حال جب میں نے کتاب ''تحقیقات امام علم وفن'' کی فہرست دیکھنی شروع کی تو کئی معرکۃ الآراء فقہی بحثیں نظر آئیں جن میں امام علم وفن نے فقہ کے کسی سادہ مسئلہ سے بحث نہیں کی ہے بلکہ ان میں ارباب فقہ وفتاوی کی گتھیاں سلجھائی ہیں، انہیں میں ایک عنوان یہ بھی نظر آیا ''عالمگیری میں مندرج ایک مسئلہ کا حل'' اس کا مطالعہ کیا اور پھر میں نے اسی کو اپنا عنوان بنالیا، عالمگیری کے اس مسئلہ کے حل اور اس کی توضیح وتوجیح میں امام علم وفن کی کیا فقہی بصیرت نظر آتی ہے یہ اس بات کو جاننے کے بعد کہ فقہ کا یہ مسئلہ کتنا مشکل کتنا الجھا ہوا اور کتنا پیچیدہ ہے خود معلوم ہو سکے گا اور یہ مسئلہ کتنا مشکل اور کتنا پیچیدہ ہے اس سے متعلق امام علم وفن کی خود اپنی رائے اور اس کے حل کے لیے ضروری مقدے تحقیقات امام علم وفن سے نقل کرر ہا ہوں، اور پھر اصل مسئلہ جس کو امام علم وفن نے اختصار اور مکمل جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے میں اپنی سمجھ کے حساب سے اس کو کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

تحقیقات امام علم وفن میں ہے:

''**عقدہ** :عالمگیری جلد اول:۲۰ میں ہے ولا تفطر في شيء........ الی قوله هكذا في المبسوط: ترجمہ۔اور رمضان میں کسی روز روزہ کا افطار نہ کرے لیکن اس مہینے کے گذرنے کے بعد حیض کے دنوں کی قضا اس پر واجب ہوگی پس اگر یہ بات معلوم ہو کہ حیض اس کا رات کو شروع ہوتا تھا تو اس پر بیس روز کی قضا آئے گی اور اگر یہ معلوم ہو کہ دن میں حیض شروع ہوتا تھا تو احتیاطا بائیس روز کی قضا آئے گی اور اگر دن رات کے شروع ہونے میں بھی شبہہ ہو تو اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ بیس دن کی قضا آئے گی اور فقیہ ابو جعفر کا یہ قول ہے کہ بائیس دن کے روزے احتیاطا قضا کرے خواہ روزے ملا کر رکھے یا جدا جدا رکھے یہ اس وقت ہے جب دورہ اس کا معلوم ہو مثلا یہ بات کہ ہر مہینے میں حیض آتا ہے اور اگر دورہ بھی معلوم نہیں تو اگر یہ بات معلوم ہے کہ حیض اس کا رات سے شروع ہوتا تھا تو احتیاطا پچیس روز کی قضا کرے خواہ ملا کر رکھے یا جدا جدا اور اگر یہ بات معلوم ہے کہ حیض دن میں شروع ہوتا تھا تو اگر ملا کر روزہ رکھے تو احتیاطا بتیس دن کی قضا کرے اور اگر جدا جدا رکھے تو اڑتیس دن کی قضا کرے یہ اس صورت میں ہے کہ جب رمضان پورے تیس دن کا ہو اور کم کا ہو تو سینتیس دن کی قضا کرے یہ مبسوط میں لکھا ہے جو امام سرخسی کی تصنیف ہے۔

اس مسئلہ کی نوعیت دیکھ کر عقل ورطۂ حیرت میں جا پھنسی ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پورا مہینہ روزہ رکھنے کے باوجود اس قدر روزوں کی قضا اس عورت کے ذمہ واجب ہوگی جبکہ اکثر مدت حیض دس ہی دن ہیں اور صرف انہیں ایام کی قضا کا حکم ہے، پھر حیض دن سے شروع ہو تو کچھ حکم اور رات سے شروع ہو تو کچھ اور، اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وصل وفصل میں اس قدر بین تفاوت کہ وصل میں چھ روزے گھٹ جائیں، نیز وصل اور فصل

سے کیا مراد ہے براہ کرم اس بھنور سے نجات عطا فرمائیں۔

حل: عورت بذات خود کائنات کے ہزاروں الجھے مسائل میں سے ایک پیچیدہ مسئلہ ہے، جس کے پیچ وخم سلجھانے سے عقل وخرد عاجز، جس کی عقدہ کشائی سے فہم وفراست قاصر ہیں، یہ معمہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا پھر ایسے مسئلہ کا مسئلہ سلجھا ہوا کیونکر ہو سکتا ہے، بایں ہمہ ہم بعونہ تعالیٰ وبعون رسولہ الاعلیٰ ﷺ اس مسئلہ کی ایسی عقدہ کشائی کریں گے اگ بھڑک اٹھے اور سوال مع مالہ وماعلیہ شمس کی طرح روشن اور واضح ہو جائے گا وباللہ التوفیق پہلے چند مقدمات ملاحظہ کیجئے کہ فہم جواب میں آسانی ہو۔ فاقول بتوفیقہ تعالیٰ فی میدان التحقیق احوال۔

مقدمہ اولیٰ۔ عادت سابقہ معلوم نہ ہو اور خون مسلسل جاری ہو جائے تو ہر دن میں یہ احتمال ہوگا کہ یوم طہر ہے یا یوم حیض ہے اور یہ احتمال اس وقت تک رہے گا جب تک خون بند نہ ہو جائے۔

مقدمہ ثانیہ۔ رمضان کے جن ایام میں طہر کا یقین یا احتمال ہو ان میں روزہ رکھنا لازم ہوگا اور جن ایام میں حیض کا یقین یا احتمال ہو ان دونوں کے روزوں کی قضا لازم ہوگی۔

مقدمہ ثالثہ۔ پورے دس دن حیض آنے کی صورت میں رات سے حیض شروع ہو تو رات میں اور دن سے حیض شروع ہو تو دن میں ختم ہوگا اور چونکہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کسی بھی جز میں حیض آجائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس لئے رات سے حیض شروع ہونے کی صورت میں دس اور دن سے شروع ہونے کی صورت میں گیارہ روزے فاسد ہونگے۔

مقدمہ رابعہ۔ دو حیضوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا فاصلہ ضرور ہوگا کیونکہ طہر کی اول میعاد یہی ہے۔

مقدمہ خامسہ۔ عبارت مذکورہ میں وصل کا معنیٰ یہ ہے کہ رمضان اور ایام حیض کے (قضا روزوں کے) درمیان ایک ماہ کا فاصلہ نہ ہو یعنی شوال ہی میں قضا کرے اور شوال کے بعد قضا کرے تو فصل کہلائے گا ان مقدمات خمسہ کو ذہن میں رکھیئے اور بنظر تامل دیکھئے کہ مسائل مذکورہ پر ان کی تطبیق سے اور ان مقدمات پر مسائل مذکورہ کی تفریع سے سارے اشکالات کس طرح کافور ہو جاتے ہیں۔

☆ مسئلے کی پہلی صورت میں بحکم مقدمہ اولیٰ رمضان کے ہر دن میں احتمال ہے کہ حیض کا دن ہے یا طہر کا پس مقدمہ ثانیہ کے بموجب رمضان کے کسی دن میں روزہ نہیں چھوڑ سکتی اور چونکہ یہ معلوم ہے کہ پورے (ماہ) میں ایک ہی بار حیض آتا تھا اور اکثر مدت حیض دس دن ہیں لہٰذا مقدمہ ثالثہ کے مطابق رات سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر رمضان کے دس روزے اور دن سے حیض شروع ہونے کی تقدیر پر گیارہ روزے فاسد ہونگے اور ان کی قضا واجب ہوگی (تحقیقات امام علم وفن ص ۳۵۳)

اصل مسئلہ: وہ عورت جس کا خون مسلسل جاری ہو جائے اور عادت سابقہ معلوم نہ ہو اسکے خون سے متعلق رمضان کے ہر دن میں طہر وحیض دونوں میں سے ہونے کا احتمال ہے، تو طہر وحیض کی عدم تعیین اور ہر دن میں طہر کے احتمال کی وجہ سے احتیاطاً وہ پورا رمضان روزہ رکھے گی۔ لیکن انہیں میں حیض کے بھی ایام ہیں جن کے روزے صحیح نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہیں دوسرے ماہ میں پھر سے رکھنا ضروری ہے۔ اور حیض کے اکثر ایام دس ہیں تو دس روزے فاسد ہو سکتے ہیں۔ اور جب حیض اور طہر دونوں کا احتمال ہو تو قضاء کرنے کے حکم میں احتیاطاً حیض کے احتمال کو مانا جائیگا اسلئے حیض وطہر میں سے حیض کو مقدم کیا جائیگا اور اسکو رمضان کی پہلی تاریخ سے جوڑا جائیگا پھر اس کے بعد طہر کو۔ تو اگر شروع رمضان کے دس دن حیض کے مان لیتے ہیں اس کے بعد پندرہ دن طہر کے تو ہو سکتا ہے کہ پھر آخر میں پانچ دن حیض کے ہوں یعنی پورے رمضان میں دو مرتبہ حیض آ سکتا ہے یا ہو سکتا ہے ایک ہی مرتبہ آتا ہو، تو اس طرح فاسد روزں کی تعداد میں فرق ہو جائیگا، اور پھر حیض دن سے شروع ہوتا ہے یا رات سے، اگر دن سے شروع ہوتا ہے تو گیارہ روزے اور رات سے شروع ہوتا ہے تو دس روزے فاسد ہوں گے، اس طرح بھی فاسد روزوں کی تعداد میں فرق آئیگا۔ اور جب دوسرے ماہ میں قضا کرے گی تو اس ماہ کے ہر دن میں بھی احتمال ہوگا کہ یوم حیض ہے یا یوم طہر۔ تو اگر گیارہ یا دس روزوں کی قضا دوسرے ماہ میں صرف گیارہ یا دس کریگی تو قضا قطعی طور پر صحیح اور پوری نہیں ہوگی۔ تو اس طرح قضا روزوں کی تعداد میں بھی فرق آئیگا اور پھر وصلا قضا کر رہی ہے یعنی رمضان کے بعد عید کا دن چھوڑ کر دوسرے ہی دن سے روزہ رکھ رہی ہے یا فصلا قضا کر رہی ہے یعنی عید کے بعد دوسرے دن سے روزہ نہیں رکھ رہی ہے۔ تو اس طرح بھی قضا روزں کی تعداد میں فرق آئیگا حاصل یہ ہے کہ قضا روزں کی تعداد کا یہ فرق نو قسموں تک پہنچ جائیگا۔

اس لئے کہ اگر مہینہ میں ایک بار حیض آنا معلوم ہے خواہ مہینہ کامل تیس دن کا ہو یا ناقص، تو قضا روزوں کی تعداد کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہونگی، ایک یہ کہ بیس دن قضا کرے اگر رات سے حیض کا آنا معلوم ہو۔ دوسری یہ کہ بائیس دن قضا کرے اگر حیض کا دن سے آنا معلوم ہو۔ اور اگر مہینہ میں ایک بار حیض آنا معلوم نہ ہو بلکہ دو بار حیض آنے کا احتمال ہو اور مہینہ کامل تیس دن کا ہو تو اسکی تین قسمیں ہونگی، ایک یہ کہ پچیس دن قضا کرے اگر حیض کا رات سے شروع ہونا معلوم ہو۔ دوسری یہ کہ بتیس دن قضا کرے اگر حیض کا دن سے شروع ہونا معلوم ہو اور وصلا قضا کرے۔ تیسری یہ کہ اڑتیس دن قضا کرے اگر دن سے حیض کا شروع ہونا معلوم ہو اور فصلا قضا کرے۔ اور اگر مہینہ میں دو بار حیض آنے کا احتمال ہو لیکن مہینہ انتیس دن کا ہو تو اسکی چار قسمیں ہونگی، ایک یہ کہ سینتیس کی قضا کرے اگر حیض کا دن سے شروع ہونا معلوم ہو اور فصلا قضا کرے، یعنی کامل مہینہ میں اس صورت میں اڑتیس کی قضا کا حکم تھا اور ناقص مہینہ میں اڑتیس کی بجائے سینتیس کا حکم ہے۔ دوسری یہ کہ بتیس کی قضا کرے اگر حیض کا دن سے شروع ہونا معلوم ہو اور وصلا قضا کرے، یعنی کامل مہینہ میں اس صورت میں بتیس کا حکم تھا اور ناقص میں بھی وہی حکم ہے تیسری یہ کہ انیس کی قضا کرے اگر حیض کا رات سے آنا معلوم ہو اور وصلا قضا کرے کامل مہینہ میں اس صورت میں پچیس کا حکم تھا

چوتھی یہ کہ چوبیس کی قضا کرے اگر حیض کا رات سے آنا معلوم ہو اور فصلا قضا کرے۔ کامل مہینہ میں اس صورت میں بھی پچیس کا
حکم تھا۔ اب آگے انہیں قسموں کی کچھ توضیح اور تسہیل کر رہا ہوں۔

مہینہ کامل ہو یا ناقص ایک بار حیض آنا معلوم ہو اسکی صورتوں کی وضاحت

جب یہ معلوم ہو کہ مہینہ میں ایک ہی مرتبہ حیض آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ رات سے حیض شروع ہوتا ہے تو بحالت
حیض رمضان کے دس دن گذریں گے، اور اگر دن سے حیض آنا معلوم ہو تو بحالت حیض رمضان کے گیارہ دن گذریں گے، اور
انہیں دس یا گیارہ دنوں کے روزوں کی قضا کرنی ہے۔ اور جب دوسرے ماہ میں قضا کرے گی تو اس ماہ کے ہر دن میں بھی یہ
احتمال ہوگا کہ یوم حیض ہے یا یوم طہر، تو اگر دس یا گیارہ روزوں کی قضا دوسرے ماہ میں صرف دس یا گیارہ کرے گی تو قضا قطعی
طور پر صحیح اور پوری نہیں ہوگی۔ لیکن اگر رات سے حیض آنے کی صورت میں بیس دن قضا کرے اور دن سے حیض آنے کی صورت
میں بائیس دن قضا کرے تو بیس کے ضمن میں دس اور بائیس کے ضمن میں گیارہ قطعی صحیح ہونگے، کیونکہ حیض کے اکثر ایام دس ہیں
اور جب لگاتار بیس یا بائیس دن روزہ رکھے گی تو بیس یا بائیس میں سے دس یا گیارہ روزے ہی فاسد ہوں گے باقی طہر کے
اندر ہونے کی وجہ سے قطعی صحیح ہوں گے۔ اسی لئے جب ایک ماہ میں ایک مرتبہ حیض آنا معلوم ہو تو رات سے حیض آنے کی صورت
میں بیس دن کی قضا کا اور دن سے حیض آنے کی صورت میں بائیس دن کی قضا کا حکم ہے۔ اور اس صورت میں رمضان کے کامل
وناقص ہونے سے اور وصلا خواہ فصلا روزہ رکھنے سے کچھ فرق نہیں آئے گا۔

کامل مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو اس کی صورتوں کی وضاحت

جب کامل مہینہ میں ایک بار حیض آنا معلوم نہ ہو تو احتمال ہے کہ ہر ماہ دوبار حیض آتا ہو، اگر اس صورت میں یہ بات
معلوم ہے کہ اس کا حیض رات سے شروع ہوتا تھا تو احتیاطا پچیس دن کی قضا کرے، وصلا کرے خواہ فصلا۔ اور اگر یہ بات معلوم
ہے کہ حیض دن سے شروع ہوتا تھا تو اس صورت میں وصل وفصل کی وجہ سے قضا کی تعداد میں فرق ہو جائیگا، کہ اگر وصلا روزہ رکھے
تو احتیاطا بتیس دن کی قضا کرے، اور اگر فصلا روزہ رکھے تو اڑتیس دن کی قضا کرے۔

پچیس روزوں کی قضا کی وضاحت:

جب کامل مہینہ میں دوبار حیض کا احتمال ہو، حیض رات سے شروع ہوتا ہو تو پچیس کی قضا کا حکم ہے، وصلا قضا کرے خواہ فصلا
، وہ اس لئے کہ جب حیض رات سے آتا تھا تو رمضان کے شروع کے دس دنوں میں اور اخیر کے پانچ دنوں میں حیض کا احتمال ہوگا، اور
گیارہ تاریخ سے پچیس تاریخ تک طہر کا یقین ہوگا، پس ان پندرہ دنوں کے روزے تو قطعی درست ہوں گے، اور پہلے کے دس روزوں
اور اخیر کے پانچ روزوں کی قضا اس پر واجب ہوگی۔ اور جب وہ قضا کرے گی تو اس وقت بھی یہ احتمالات رہیں گے، مگر بایں ہمہ
پچیس کی قضا میں پندرہ قطعی صحیح ہوں گے، کیونکہ حیض کے اکثر ایام دس ہیں، اور جب لگاتار پچیس دن کی قضا کرے گی تو ان میں سے

دس دن کے روزے ہی حیض میں ہونے کی وجہ سے فاسد ہو سکتے ہیں باقی خواہی نہ خواہی طہر میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہوں گے، اسی لئے پچیس روزوں کی قضا کا حکم ہے کہ پچیس کے بغیر پندرہ کے قطعی طور پر صحیح ہونے کی اور کوئی صورت نہیں۔ ورنہ جب قضا کرے گی تو شروع کے دس دن جو محتمل حیض ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ واقع میں حیض کے نہ ہوں طہر کے ہوں اور شروع کے پندرہ دن طہر کے ہی ہوں، تو پندرہ میں ہی پندرہ کی قضا صحیح ہو جائیگی، لیکن قضا کی یہ صحت قطعی نہ ہوگی۔ اسی طرح شروع رمضان کے دس دن جو محتمل حیض ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے نو ہی دن، یا آٹھ ہی دن، یا سات ہی دن، حیض کے ہوں، یعنی حیض کے ان دس دنوں میں سے جتنے دن گھٹ جائیں گے قضا کے پچیس دنوں میں سے اتنے ہی دن گھٹ سکتے ہیں، لیکن ان صورتوں میں قضا کی صحت قطعی نہیں ہوگی۔

بتیس روزوں کی قضا کی وضاحت:

جب کامل مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو، اور یہ بات معلوم ہو کہ حیض دن سے شروع ہوتا تھا تو وصلا قضا کرنے کی صوررت میں بتیس روزوں کی قضا کا حکم ہے، وہ اس لئے کہ جب دن سے حیض آنا یاد ہے، تو رمضان کی پہلی تاریخ سے گیارہ تاریخ تک حیض کے دن ہوں گے تو شروع رمضان میں گیارہ روزے فاسد ہوئے۔ اور گیارہ سے چھبیس تک جو طہر کے دن ہیں اس کے روزے خاص چھبیسویں کو چھوڑ کر تو صحیح ہوں گے، لیکن پھر چھبیس سے شروع ہو کر آگے دس دنوں تک حیض کے دن رہیں گے، تو چھبیس رمضان سے تیس تک بشمول چھبیس کے پانچ روزے پھر فاسد ہوں گے، یعنی پورے رمضان میں سولہ روزے فاسد ہوں گے۔ پس اگر ان سولہ روزوں کی قضا موصولا کرے تو بتیس روزوں کی قضا کا حکم اس لئے ہے کہ یقینی طور پر سولہ کی قضا بتیس کے بغیر ممکن نہیں۔ وضاحت کیلئے اس سلسلے کو رمضان کی پہلی تاریخ سے جوڑیے، مثلا پہلے رمضان کو دس بجے دن سے حیض آیا گیارہ تاریخ کو دس بجے دن ختم ہوا۔ پھر طہر کا زمانہ چلا چھبیس کو دس بجے دن طہر کے پندرہ دن پورے ہوئے۔ پھر چھبیس سے حیض شروع ہوا اور چھ شوال کو دس بجے ختم ہوا۔ پھر چھ شوال سے طہر شروع ہوا اکیس کو ختم ہوا پھر اکیس شوال سے حیض شروع ہوا اور پہلے ذی قعدہ کو ختم ہوا۔ پھر پہلے ذی قعدہ سے پندرہ دنوں تک کیلئے طہر شروع ہوا جبکہ خون مسلسل جاری ہے۔ تو ان مہینوں کے ہر دن میں یہ احتمال ہے کہ حیض کا ہو، مگر اکثر مدت حیض اور اقل مدت طہر کا اعتبار کر کے یہ یقین کیا گیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ موصولا قضا کرنا چاہے تو یوم عید چھوڑ کر ہی قضا رکھنا ہوگا کہ عید کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے، الہٰذا دوسری تاریخ سے رکھے گی مگر احتمال حیض کی بنا پر چھ شوال تک کے روزے درست نہیں ہوں گے۔ سات سے بیس تک چودہ صحیح ہوں گے، اکیس سے پہلی ذیقعدہ تک درست نہیں ہوں گے، اور دوسری، تیسری تاریخ کے درست، اس طرح دو شوال سے تین ذیقعدہ تک کل بتیس روزے جن میں سولہ درست ہوں گے بقیہ سولہ فاسد۔

اڑتیس روزوں کی قضا کی وضاحت:

جب کامل مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ حیض دن سے شروع ہوتا تھا تو یہ بات گذر گئی کہ اس صورت میں پورے رمضان میں سولہ روزے فاسد ہوں گے۔ اس کی قضا وصلا کرنے کی صورت میں بتیس روزے قضا کرنے ہوں

گے۔لیکن انہیں سولہ روزوں کی قضا اگر فصلا کرے تو اڑتیس کا حکم ہے، یہ اس لئے کہ فصل کی صورت میں قضا سے قبل کے ایام کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا، بلکہ جب سے قضا کرے انہیں ایام کا لحاظ ہوگا۔مثلا پہلے ذی قعدہ سے رکھے، تو پہلے ذی قعدہ سے گیارہ تک احتمال حیض کی بنا پر گیارہ روزے فاسد، اور بارہ ذی قعدہ سے پچیس ذی قعدہ تک طہر ماننے کی وجہ سے چودہ روزے درست، پھر چھبیس ذی قعدہ سے چھ ذی الحجہ تک گیارہ روزے احتمال حیض کی بنا پر فاسد، اور سات اور آٹھ ذی الحجہ کے دو روزے طہر میں ہونے کی وجہ سے درست۔اس طرح پہلے ذی قعدہ سے آٹھ ذی الحجہ تک کل اڑتیس روزے ہوئے، جن میں سے صرف سولہ روزے یعنی بارہ ذی قعدہ سے پچیس ذی قعدہ تک کے چودہ اور سات اور آٹھ ذی الحجہ کے دو روزے درست ہوئے، باقی دونوں حیض کے گیارہ دونی بائیس روزے فاسد۔

اور اگر حیض کے دن اور رات سے شروع ہونے کی خبر نہ ہو تو بنظر احتیاط یہی اڑتیس روزوں کی قضا کا حکم ہے۔

ناقص مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو اس کی صورتوں کی وضاحت

اس سے اوپر کی تین صورتوں کا بیان اس طور پر ہوا کہ کامل مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو، لیکن اگر مہینہ کامل نہ ہو تو کیا وصل وفصل کے اعتبار سے اور حیض کے دن اور رات سے شروع ہونے کے اعتبار سے مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں کچھ فرق آئے گا؟ عالمگیری میں ان تینوں میں سے صرف تیسری صورت میں فرق کا بیان ہے، وہ یہ کہ جب دوبار حیض آنے کا احتمال ہو، حیض دن سے شروع ہوتا ہو اور فصلا قضا کرے تو مہینہ کامل نہ ہونے کی صورت میں اڑتیس کی بجائے سینتیس دن قضا کرے گی۔اور مہینہ کے کامل نہ ہونے کی وجہ سے پچیس اور بتیس والی صورتوں میں کچھ فرق آئے گا یا نہیں؟ عالمگیری میں اسکا ذکر نہیں ہے۔لیکن امام علم وفن نے ان دونوں صورتوں کی وضاحت فرمائی ہے وہ یہ کہ رمضان کامل نہ ہو تو بھی وصل کی صورت میں بتیس کا حکم ہے اگرچہ قضا پندرہ ہی کی کرنی ہے یعنی بتیس والی صورت میں فرق نہیں ہوگا۔البتہ پچیس والی صورت میں فرق ہوگا، وہ یہ کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت میں انیس اور فصل کی صورت میں چوبیس کا حکم ہے۔عالمگیری میں جو صورت مذکور ہے میں پہلے اس کی وضاحت کرتا ہوں پھر امام علم وفن کی ذکر کردہ صورتوں کی وضاحت کروں گا۔

مہینہ کامل نہ ہو تو اڑتیس کی بجائے سینتیس کی قضا کی وضاحت:

جب مہینہ میں دوبار حیض آنے کا احتمال ہو اور یہ معلوم ہو کہ حیض دن سے شروع ہوتا تھا، لیکن مہینہ کامل نہ ہو اور فصلا قضا کرے، تو اڑتیس کی بجائے سینتیس روزوں کی قضا کا حکم ہے، وہ اس لئے کہ جب رمضان میں دن سے حیض آتا تھا تو شروع رمضان کے گیارہ روزے احتمال حیض کی وجہ سے فاسد ہوئے، پھر پندرہ دن طہر کے رہے، جن میں صرف چودہ روزے صحیح ہوئے کہ طہر کا آخری دن جس میں دس بجے سے پھر حیض شروع ہو گیا اسکا روزہ بھی فاسد ہے، یعنی پھر چھبیس رمضان سے انتیس تک کے چار روزے فاسد ہوئے، اس طرح کل پندرہ روزے فاسد ہوئے، اس لئے اب پندرہ کی قضا کرنی ہوگی۔اور سینتیس میں پندرہ بہرحال

درست ہوں گے، وہ اس لئے کہ جب فصلا قضا کرے گی تو پہلے کے ایام کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا، تو سینتیس میں سے پہلے کے گیارہ روزے احتمال حیض کی وجہ سے فاسد ہوں گے، پھر پندرہ دن طہر کے رہیں گے جن میں صرف چودہ روزے درست ہوں گے، پھر گیارہ دن حیض کے رہیں گے جن کے روزے فاسد ہوں گے، پھر طہر آئے گا جس میں ایک روزہ صحیح ہوگا۔ تو کل سینتیس روزے ہوئے جن میں سے بیچ کے چودہ روزے اور ایک روزہ آخر میں درست ہوئے، باقی فاسد۔

مہینہ کامل نہ ہو تو بھی بتیس والی صورت میں فرق نہیں ہوگا:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جب دوبارہ حیض آنے کا احتمال ہو، حیض دن سے شروع ہوتا ہو، وصلا روزہ رکھے اور مہینہ کامل تیس دن کا ہو تو احتیاطا بتیس دن کی قضا کرے۔ لیکن انہیں صورتوں میں اگر مہینہ کامل نہ ہو بلکہ انتیس دن کا ہو تو کیا مہینہ کے ناقص ہونے کی صورت میں بھی بتیس روزے رکھنے ہوں گے؟ یا کچھ فرق ہوگا؟ عالمگیری میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس کو امام علم وفن نے ذکر فرمایا ہے، امام علم وفن فرماتے ہیں کہ رمضان کامل نہ ہو تو بھی وصل کی صورت میں بتیس کا حکم ہے اگرچہ قضا پندرہ ہی کی کرنی ہے، کیونکہ رمضان کامل نہ ہونے کی صورت میں حیض کی انتہا چھ شوال کی نہ ہوگی بلکہ سات کی ہوگی جن دنوں کے روزے درست نہیں ہوں گے، پھر آٹھ شوال سے بائیس تک پندرہ دن طہر کے رہیں گے، لیکن ان میں آٹھ سے اکیس تک کے صرف چودہ روزے درست ہوں گے، پھر تیئس شوال سے دو ذی قعدہ تک دس دن حیض کے دن رہیں گے جن کے روزے درست نہیں ہوں گے پھر تین ذی قعدہ سے جب طہر شروع ہوگا تو تین ذی قعدہ کو ایک روزہ رکھنا ہوگا، تو اس طرح دو شوال سے تین ذی قعدہ تک کل بتیس روزے ہوئے لیکن ان میں صرف پندرہ روزے درست ہوئے۔ یعنی کامل رمضان میں سولہ روزے فاسد ہوئے تھے انکی قضا کے لیے بتیس روزے رکھنے پڑے تھے، اور رمضان انتیس دن کا ہو تو پندرہ روزے فاسد ہوں گے، لیکن ان کی قضا کے لیے بھی بتیس روزے رکھنے پڑیں گے۔

پچیس والی صورت میں فرق کا بیان:

عالمگیری میں یہ ہے کہ اگر دوبارہ حیض کا احتمال ہو، اور یہ بات معلوم ہو کہ حیض رات سے شروع ہوتا ہے اور مہینہ تیس دن کا ہو تو احتیاطا پچیس دن کی قضا کرے خواہ ملا کر روزہ رکھے یا جدا جدا، لیکن اگر رمضان کامل تیس دن کا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ عالمگیری میں اس صورت کا بھی ذکر نہیں ہے اس کو بھی امام علم وفن نے بیان فرمایا ہے۔

امام علم وفن فرماتے ہیں:

"پھر حیض کا رات سے آنا معلوم ہو تو حکم مختلف ہوگا، وہ یہ ہے کہ رمضان کامل نہ ہو تو وصل کی صورت میں بیس اور فصل کی صورت چوبیس کا حکم ہے، لیکن جب میں نے جوڑا تو مجھے سمجھ میں آیا کہ وصل کی صورت میں انیس اور فصل کی صورت میں چوبیس کا حکم ہونا چاہیے"

ہوسکتا ہے جو تحقیقات امام علم وفن میں مذکور ہے وہی ٹھیک ہو یا ہوسکتا ہے کہ کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے انیس کی بجائے بیس

درج ہو گیا ہو، لیکن مجھ کو انیس کا حکم سمجھ میں آیا اس لیے انیس کی وضاحت کر رہا ہوں۔

رمضان کامل نہ ہو اور وصلا قضا کرے تو پچیس کی بجائے انیس کی قضا کی وضاحت:

حیض کا رات سے آنا معلوم ہو، رمضان کامل نہ ہو اور وصلا قضا کرے تو پچیس کی بجائے انیس کی قضا کا حکم اس لیے ہے کہ اسے دراصل چودہ روزوں یعنی شروع رمضان کے دس اور چھبیس سے انتیس تک کے چار روزوں کی احتمال حیض کی بنا پر قضا کرنی ہے۔ اور جب وہ عید کا دن چھوڑ کر چودہ روزوں کی قضا کرے گی تو قطعی طور پر چودہ کی قضا کے لیے انیس روزے رکھنے ہوں گے یعنی دو شوال سے بیس شوال تک، کیوں کہ چھبیس رمضان سے سات شوال کی رات تک حیض کے دن ہیں اس لئے دو شوال سے چھ شوال تک کے پانچ روزے درست نہیں ہوں گے ہاں سات سے بیس تک کے چودہ درست ہوں گے، تو اس طرح دو شوال سے بیس شوال تک کل انیس روزے ہوئے جن میں سے چودہ درست ہوئے باقی پانچ فاسد۔

رمضان کامل نہ ہو اور فصلا قضاء کرے تو پچیس کی بجائے چوبیس کی قضاء کی وضاحت:

حیض کا رات سے آنا معلوم ہو، رمضان کامل نہ ہو اور فصلا قضا کرے تو پچیس کی بجائے چوبیس کی قضا کا حکم اس لئے ہے کہ دراصل اسے چودہ کی قضا کرنی ہے، اور چوبیس میں چودہ قطعی طور پر درست ہوں گے وہ اس طرح کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں تو چوبیس میں اگر دس دن نکال دیتے ہیں جب بھی چودہ تو یقینی بچتے ہیں اور یہاں چودہ ہی کی قضا کرنی ہے۔ یہاں تک امام علم وفن کے حل کی وضاحت پوری ہوئی، اس میں صرف اتنا فرق ہوا کہ تحقیقات امام علم وفن میں حیض کے رات سے آنے اور ناقص مہینہ میں وصلا قضا کرنے کی صورت میں بیس کی قضا کا حکم درج ہے لیکن میں نے بیس کی بجائے انیس کی قضا کی وضاحت کی ہے۔

اب امام علم وفن کی اقتداء کرتے ہوئے انہیں کے مضمون کی روشنی میں میں بھی ایک بات پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جس کی عالمگیری میں صراحت نہیں ہے وہ یہ کہ جب دوسرے ماہ میں قضا کرے گی تو بیسوں، بائیسوں، پچیسوں وغیرہ کی ایک ساتھ یعنی پے در پے قضا کرے گی، ورنہ قضا روزوں کی ادائیگی قطعی طور پر صحیح اور پوری نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اگر مثلا دس دن روزہ رکھ کر چھوڑ دیا تو ہوسکتا ہے کہ یہ دسوں دن حیض کے رہے ہوں تو یہ روزے صحیح نہیں ہوئے اور پھر جب کچھ دنوں بعد دس دن روزہ رکھے گی تو ان دنوں کے بارے میں بھی یہ احتمال ہوگا کہ یہ بھی حیض کے ہوں اگر واقعی حیض کے رہے تو یہ روزے بھی صحیح نہیں ہوں گے، تو اس طرح فصل یعنی ناغہ کر کے قضا کرنے سے قضا قطعی طور پر صحیح نہیں ہوگی، برخلاف اس کے کہ جب بیسوں، بائیسوں وغیرہ وغیرہ قضا روزے ایک ساتھ رکھے جائیں۔ میں نے اس وصل وفصل کی بھی صراحت کر دی یہ الگ بات ہے کہ جو وصل وفصل عالمگیری میں مذکور ہے اس کو سمجھ لینے سے ضمنا اس وصل وفصل کا حکم بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔

صدر مفتی وشیخ الحدیث دار العلوم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرخیز احمد آباد گجرات

xxxxxxxxxxxxxxx

امام علم وفن: جدید مسائل کی روشنی میں

مولانا محمد طفیل احمد مصباحی سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور)

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی دام ظلہ العالی کا شمار جماعت اہلسنت کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔آپ بیک وقت عالم وفاضل، مفکر ومحقق، فقیہ ومفتی اور منطقی وفلسفی ہیں۔آپ کی تہدار شخصیت میں بہت ساری علمی خصوصیات پنہاں ہیں۔عہد حاضر میں آپ منطق وفلسفہ کے مسلم الثبوت امام اور اور مسند اجتہاد تحقیق کے صدر نشیں ہیں۔فکر غزالی اور شان رازی کی چلتی پھرتی تصویر کا نام ''خواجہ مظفر حسین'' ہے۔منطقیانہ رنگ اور فلسفیانہ آہنگ نے آپ کے دیگر علمی اوصاف وخصوصیات پر پردہ ڈال دیا ہے۔ورنہ حقیقت تو یہ کہ آپ جتنے بڑے منطقی وفلسفی ہیں، اتنے ہی بڑے فقیہ ومفتی اور اسلامیات کے اسکالر بھی ہیں۔

آپ کی گراں قدر علمی تحقیقات اور فکری نگارشات ہمارے دعوی کی بین دلیل ہیں۔''جدید مسائل'' پر آپ نے جو عالمانہ اور محققانہ کلام فرمایا ہے، اس سے آپ کی فقہی بصیرت اور عظمت فتوی نویسی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔اہل علم نے آپ کی چمکتی پیشانی پر ''خواجہ علم وفن'' کا جو طغرائے امتیاز سجایا ہے، وہ بالکل بجا ہے۔آپ صحیح معنوں میں ''علم وفن کے خواجہ وسردار'' اور ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے علمی جانشین ہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ ملک العلماء حضرت ظفر الدین بہای کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''عام درسیات میں عاجز نہیں، مناظرہ بعونہ تعالی کر سکتے ہیں اور علمائے عصر میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''

اگر یہی جملہ حضرت خواہ مظفر حسین صاحب قبلہ کے بارے میں اس طرح کہا جائے کہ ''خواجہ مظفر حسین علمائے عصر میں علم توقیت وہیئت، جفر وتکسیر، جبر ومقابلہ، اور منطق وفلسفہ سے تنہا آگاہ ہیں'' تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔

اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ان علوم وفنون پر جو قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے، آج کے اس دور قحط الرجال میں امام

احمد رضا کی ان علمی نگارشات کو بہتر طریقے سے سمجھنے والی تنہا خواجہ مظفر حسین کی ذات ہے۔

یہ تاثیر علم ہے کہ اعلی حضرت کی تحریروں کو کما حقہ سمجھنا، سب کے بس کی بات نہیں۔ آج یہی حالت خواجہ مظفر حسین کی تحریرات ونگارشات کی ہے۔ خواجہ صاحب کی تحریر بھی اچھے اچھے قابل اور روشن دماغ افراد کے سر سے گزر جاتی ہے اور انہیں ہوا تک نہیں لگتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو وفارابی کے علمی قافلے کا کوئی بھٹکا ہوا مسافر خواجہ مظفر حسین کی شکل میں ہمارے عہد میں آ گیا ہو

الغرض خواجہ صاحب محض ایک زبردست فلسفی اور منطقی ہی نہیں، بلکہ ایک باکمال فقیہ اور لاجواب مفتی بھی تھے۔ جدید مسائل کے تناظر میں، خواجہ کی علمی وفقہی نگارشات کا آپ بغور مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ ایک منطقی وفلسفی کس درجہ علمی وجاہت اور فقہی مہارت کا حامل ہے۔

اعضا کی پیوندکاری:۔ سائنس کی موجودہ ترقی نے انسانی بیماریوں کے علاج کے نت نئے طریقے دریافت کر لئے ہیں۔ اعضاء کی پیوندکاری ایک جدید طریقۂ علاج ہے، اب یہ طریقہ علاج کافی عام ہو چکا ہے اور اہل علم کے درمیان موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ ''اعضا کی پیوندکاری کے جواز وعدم جواز'' پر سیمینار بھی ہو چکا ہے اور آج بھی بہت سے علمائے کرام کو اس کے جواز میں تامل ہے، آیئے! اس موضوع پر خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی ''تحقیقات نادرہ'' اور ''لچک دار موقف'' کا پتہ لگائیں۔

خواجہ صاحب نے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے طب اور میڈیکل سائنس سے متعلق جو قیمتی باتیں لکھی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منطقی وفلسفی، فقیہ ومفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ''طبیب وحکیم'' بھی تھے۔

خواجہ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ''دور حاضر میں جو آپریشن کیا جاتا ہے، جس میں کسی کے خراب عضو کو دوسرے کے صحیح عضو سے بدل دیا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں:۔

''آپریشن کی صورت (اعضا کی پیوندکاری) جو سوال میں درج ہے، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، امیر وغریب، پیر ومرشد، علماء وصلحاء اور عوام وخواص سبھی میں رائج اور اس میں ابتلائے عام ہے اور روز بروز اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے بوجہ تامل وعموم بلوی اس کے جواز میں کلام نہیں''
(تحقیقات علم وفن، ص:۴۴۵) آگے چل کر اپنی تحقیق کا جلوہ یوں بکھیرتے ہیں:

اعضاء کی پیوندکاری کی مثال ایسی ہے جیسے (العیاذ باللہ)

مراحل ثلثہ: اعضاء کی پیوندکاری میں تین مرحلے ہوتے ہیں: اول قطع عضو، دوم اس کا اتصال، سوم

بعد اتصال انتفاع۔اس لئے تینوں مرحلوں کا جائزہ ضروری ہے۔

مرحلہ اولی :۔انسان اوراس کے جملہ اعضاء واجب الحفظ کے ساتھ ساتھ واجب الاحترام بھی ہیں اس لئے کسی کو ہلاک کرنا ، زندوں یا مردوں کے اعضو کو کاٹ کر ضائع کرنا چونکہ حفظ کا منافی ہے اس لئے حرام ہے۔اسی طرح کسی کے اعضو کو کاٹ کراس سے انتفاع مثلاً کھالینا، چونکہ یہ بھی ہلاک کرنا ہے،اس لئے یہ بھی حرام ہے یا اس سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنا چونکہ من **ینتفع** کو **ما ینتفع به** بنانا ہے جو اہانت ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔الغرض اعضاء انسانی کا اہلاک واضاعت یا اس کی اہانت و بے حرمتی قطعاً جائز نہیں ،اعضاء کی پیوند کاری میں یہ سب کچھ بھی لازم نہیں آتا ، یا تو انتفاع کیلئے حالت مخمصہ میں، یا محض اتلاف واہلاک کیلئے جیسے حالت اکراہ میں، یا اتصال کیلئے جیسے اعضاء کی پیوند کاری میں۔اگر قطع عضو انتفاع واہلاک کیلئے ہو تو چونکہ اعضائے انسانی واجب الحفظ کے ساتھ ساتھ واجب الاحترام بھی ہیں،اس لئے حالت ضرورت میں قطع عضو جائز نہیں کہ دونوں صورتوں میں حفظ واحترام دونوں باطل ہو جاتے ہیں اور اگر قطع عضو برائے اتصال ہو تو چونکہ یہاں نہ اس سے انتفاع ہے اور اس کا اتلاف کہ حفظ واحترام باطل ہو جائے بلکہ اس کو اس کے منصب پر رکھ کراس سے وہی کام لینا ہے جس کیلئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، یہاں صرف مقام بدل گیا ہے، باقی ساری باتیں برقرار ہیں،اس لئے حالت ضرورت میں برائے اتصال قطع عضو جائز ہے بشرطیکہ ازالہ ضرر بمثلہ لازم نہ آئے۔

مرحلۂ ثانیہ :۔ ماسبق میں گزرا ہے کہ اعضا کی پیوند کاری بوجہ اتصال جبر وتکمیل ہے، یہ نہ تو عضو انسانی کا ستعمال ہے اور نہ اس سے انتفاع،اس لئے اتصال بھی جائز ہے۔

مرحلۂ ثالثہ :۔ رہا بعد تکمیل اس عضو سے انتفاع، چونکہ یہ انتفاع اس وقت ہوتا ہے جب یہ عضو مریض کا اپنا عضو بن جاتا ہے،اس لئے اب یہ انتفاع بعضو خویش ہے بعضو دیگر نہیں اس لئے یہ انتفاع بھی جائز ہے۔یا یوں کہہ لیجئے کہ اس عضو سے وہی انتفاع ہوتا ہے جس کیلئے اس کی خلقت ہوئی ہے،خلاف خلقت انتفاع نہیں، جیسے کہ چمڑے کا بیگ بنالینا،اس لئے یہ انتفاع جائز ہے۔

خلاصہ :۔ (۱) اگر تلف عضو یا اضاعت ہو تو کسی صورت میں اس کا قطع جائز نہیں ، خواہ وہاں ضرورت ہی کیوں نہ ہو، (۲) ایک انسان کے خراب عضو کو دوسرے کے صحیح عضو سے بدل لینا بوجہ تامل وعموم بلوی جائز ہے، کہ یہ اتصال عضو ہے نہ کہ استعمال عضو (۳) انسان کے کسی عضو کو کاٹ کراس کا استعمال کرنا مثلاً کھالینا یا اس سے کوئی چیز بنا کر استعما کرنا ناجائز ہے کہ اس میں اس کی توہین ہے۔

سچ پوچھئے تو ''اعضاء کی پیوند کاری'' پر خواجہ صاحب کی یہ علمی وفقہی تحقیق نقطۂ عروج پر دکھائی دیتی ہے اور خواجہ کو ایک باکمال مفتی وفقیہ کی حیثیت سے متعارف کراتی ہے۔ غرض کہ خواجہ صاحب نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے، اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

حج اور غیر ملکی سفر کیلئے تصویر کشی:۔ آج کیمرہ اور ملٹی میڈیا موبائل کے عام ہو جانے کی وجہ سے تصویر کشی عام ہو گئی ہے۔ لیکن یہ عمومیت حرمت کو اباحت میں تبدیل نہیں کر سکتی۔ آج فریضہ حج کی ادائیگی اور غیر ملکی سفر کے لئے فوٹو کھینچوانا ضروری ہو گیا ہے۔ اب سوال پیداہ ہوتا ہے کہ فریضہ حج کی ادائیگی اور غیر ملکی تبلیغی اسفار کے لئے تصویر اور فوٹو کھینچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں خواجہ صاحب رقم طراز ہیں:

''ایسی عورت جس پر حج فرض ہو لیکن اس کا اگر شوہر یا محرم نہیں تو ادائیگی حج کیلئے نکاح جیسی مباح شے اس پر واجب اور ضروری نہیں۔ تو بھلا حج کی ادائیگی کیلئے تصویر جیسی حرام شے کیسے واجب اور ضروری ہو سکتی ہے اور جب تصویر کشی ضروری ہی نہیں تو یہاں حظر تو ہے لیکن ضرورت متحقق ہی نہیں، اس لئے ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کا کلیہ بھی یہاں نہیں........ غیر ملکی سفر کیلئے فوٹو کی شرط ہونے کی وجہ سے حج واجب الادا نہیں رہتا۔ غیر ملکی تبلیغی اور تجارتی سفر تو سرے سے ہی ضروری نہیں۔

اس لئے ان ساری صورتوں مین ضرورت ثابت نہیں اور جب ضرورت ہی نہیں تو تصویر کی حرمت کیونکر اباحت میں بدل سکتی ہے۔ لہذا ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کا استعمال یہاں بے جا ہے۔

(تحقیقات امام علم وفن، ص:۱۱۹) یہ لکھنے کے بعد خواجہ صاحب آخر میں دوٹوک فیصلہ اس طرح سناتے ہیں:

''حج کیلئے خواہ وہ حج فرض ہی کیوں نہ ہو یا معاشی واقتصادی خوشگواری اور علمی وفنی برتری کے لئے۔ اسی طرح تبلیغی یا تجارتی غیر ملکی سفر کیلئے یا پاسپورٹ یا ویزے یا پرمنٹ اور لائسنس کے لئے کامل یا ناقص چہرے دار تصویریں کھینچوانے کے جواز کا فتوی دینا اور جو لوگ ان اغراض کیلئے فوٹو نکلواتے ہیں اس کا حکم اور عام طور پر برائے تفریح فوٹو کھینچوانے والے کا حکم ایک ہی ہے'' (تحقیقات امام علم وفن، ص:۱۲۱)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ:۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کا شرعی حکم کیا ہے؟ دور جدید کے علماء کا اس مسئلے میں شدید اختلاف ہے۔ بعض حضرات جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کا قول کرتے ہیں۔ اس مختلف فقہ مسئلے پر خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ نے بھی قلم اٹھایا ہے اور نفس مسئلہ کے تمام امکانی گوشوں کو زیر بحث لاتے ہوئے بڑی نفیس تحقیق فرمائی ہے اور آخر میں یہ ثابت کیا ہے کہ ''لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے، اس لیئے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا درست نہیں'' اس

مسئلہ میں بھی خواجہ صاحب کی علمی وفقہی تحقیق قابل دید ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کسی منطقی وفلسفی کی تحقیق ہے یا فقہ شریعت کے رمز شناس فقیہ ومفتی کی!

زیر بحث کو مبرہن اور منقح کرنے کیلئے سب سے پہلے خواجہ صاحب نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق کچھ سائنسی نظریات اور کچھ عصری ایجادات کی تکنیکی اصول وتشریحات پر روشنی ڈالی ہے اور بڑے مدلل انداز میں اپنے موقف کو واضح کیا ہے۔ گراموفون، ٹیپ ریکارڈ اور لاؤڈ اسپیکر کے تکنیکی اصول پر بڑی گراں قدر تحقیقات جمع کی گئی ہیں۔ خواجہ صاحب کی یہ تحقیقات بڑی عمدہ، بصیرت افروز، مدلل اور معلومات سے پر ہیں۔ ذہنی تموج اور فکری گہرائی اسی کا نام ہے۔

بھلا ایسا کیوں نہ ہو کہ حضور مفتی اعظم ہند کی فقاہت اور ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری کی علمی صلابت آپ کو وراثت میں ملی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر سے متعلق خواجہ صاحب رقم طراز ہیں:

مصلی کی آواز پر اقتدا درست اور غیر مصلی کی آواز پر اقتداء فاسد ایک اجماعی اور منصوص علیہ مسئلہ ہے۔ البتہ یہ بات کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے یا اسی کے مثل دوسری آواز ہے تو چونکہ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے اس لئے اس کی اجماعی یا منصوص علیہ ہونے کا سوال ہی نہیں۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے تو اس پر اقتدا کے درست ہونے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

اور اگر یہ بات ثابت نہ ہو تو اس پر اقتدا کے جواز کا حکم صحیح نہیں۔ عصر جدید کے علماء کے مابین لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ اس بنیاد پر مختلف فیہ ہو گیا کہ اس سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے یا نہیں۔ جن جن عالموں نے اس کو بعینہ متکلم کی آواز سمجھا انہوں نے اقتدا کے درست ہونے کو حکم دیا اور جن علماء کے نزدیک بعینہ متکلم کی آواز ہونا ثابت نہ ہوا اقتدا کے نادرست ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔

اعلیٰ حضرت نے فوٹوگراف کے ریکارڈ سے سنی جانے والی آواز کو بعینہ متکلم کی آواز ثابت فرمایا جس سے بعض علماء کو یہ دھوکہ ہو گیا کہ ہر قسم کے آلہ سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے اس لئے لاؤڈ اسپیکر کی آواز بھی بعینہ متکلم کی آواز ہو گی۔ ان علماء کو یہ التباس اس لئے ہو گیا کہ وہ فوٹوگراف کے اصول ایجاد اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد کے درمیان واضح طور پر تفریق نہ کر سکے اور دونوں کو ایک ہی طرح کا آلہ سمجھ لیا۔

جو حضرات نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز اور درست مانتے ہیں، انہوں نے ''تلقن من الخارج'' کی کچھ ایسی نظیریں پیش کی ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ تو نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

اگرچہ ''تلقن من الخارج'' ہے مگر یہ مفسد صلوۃ نہیں۔ یہ قائلین جواز کی دلیل ہے۔

خواجہ صاحب قائلین جواز کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان حضرات کو ان جزئیات سے اپنے مدعا پر استدلال کرنے سے پہلے اقتدا کے صحیح ہونے کیلئے کیا کیا شرطیں ہے (ان پر غور کر لینا چاہئے) جب کہ انہیں شرطوں میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اقتدا اور انتقالات صلوتیہ میں مقتدی اپنے امام یا مکبر کی آواز سن کر یا ان کو دیکھ کر انتقالات صلوتیہ کرے۔ کسی دوسرے شخص کی آواز پر انتقالات کرنا، مفسد اقتدا ہے۔ ان پیش کردہ نظیروں میں اگر ''تلق ن من الخارج'' تسلیم بھی کر لیا جائے، لیکن چونکہ ان میں کسی بھی مقتدی کیلئے غیر کی آواز پر انتقالات صلوتیہ کرنا لازم نہیں کرتا۔ برخلاف لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے اگر اس کو متکلم کی آواز کے علاوہ دوسری آواز مانی جائے تو مقتدیوں کیلئے غیر کی آواز پر انتقالات صلوتیہ کرنا لازم آتا ہے جو اقتدا کے شرط کے منافی ہے'' (تحقیقات امام علم وفن، ص:۳۵۱)

لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا ماننے والے علمائے کرام نے ''اسباب ستہ'' (جو تبدیل احکام میں موثر ہیں) کا سہارا لیتے ہوئے کہا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر میں تامل، دفع حرج اور ازالۂ فساد دونو باتیں موجود ہیں، اس لئے نماز میں بلاشبہ اس کا استعمال جائز ہے''۔

اس پر خواجہ صاحب نے یوں محاکمہ فرمایا:

''یہاں بھی ان حضرات نے یہ غور نہیں کیا کہ تامل جس کی وجہ سے تبدیل احکام ہوتی ہے وہ معاملات سے متعلق ہے۔ لیکن ان حضرات نے اسے عبادات میں نافذ کر دیا...... پھر اگر تامل کا یہی مطلب ہے تو تصویر کشی، سنیما بینی وغیرہ بھی بر بنائے تامل جائز و مباح ہو جائیں گے۔ دفع حرج والی بات تو یہ ایک عجیب طرز استدلال ہے کہ دفع حرج جو ابتلائے عام کی صورت میں موثر ہے، اسے انہوں نے اس صورت میں بھی جاری فرما دیا جس میں اختیار تام ہے امام احمد رضا یا دوسرے فقہا نے دفع حرج کو جہاں جہاں موثر قرار دیا ہے، وہ ایسے ہیں جہاں ابتلائے عام ہو۔

لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ جو زیر بحث ہے، اس میں ابتلائے عام نہیں بلکہ اختیار تام ہے۔ تنہا ایک آدمی مسجد سے لاؤڈ اسپیکر ہٹا دے (تو) وہ ساری باتیں جنہیں آپ دفع حرج سمجھ رہے ہیں خود ہی ایک پل میں دور ہو جائیں گے۔ لیکن دفع حرج کی وہ صورتیں جہاں وہ تبدیل احکام کیلئے موثر ہیں وہاں آپ کو قطعاً اختیار تام نہیں کہ آپ پل بھر میں حرج دفع کر سکیں'' (تحقیقات امام علم وفن، ص:۳۵۱۔۳۵۲)

اس مسئلے پر اپنی علمی تحقیق کا دریا بہاتے ہوئے آخر میں خواجہ لکھتے ہیں:

''الحاصل سائنسی نظریات سے واضح ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے اور فقہی
جزئیات اور تلقن من الخارج کی نظیروں سے واضح ہوا کہ ان سے بھی لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر صحت اقتدا کیلئے
استناد درست نہیں۔

تبدیل احکام کے اسباب پر بھی غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اس کے اجرا کا محل نہیں۔ اس
لئے اب تک کہ شواہد اور دلائل سے لاؤڈ اسپیکر کے جواز کا ثبوت نہ ہو سکا'' (تحقیقات امام علم
وفن، ص:۳۵۲)

ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے رویت ہلال کا ثبوت:۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے رویت ہلال کا ثبوت یہ عصر حاضر کا ایک
پیچیدہ مسئلہ اور سلگتا ہوا موضوع ہے۔ بالعموم عید کے موقع پر اس مسئلے کو لیکر عوام کافی ہنگامہ برپا کرتے ہیں اور علمائے کرام کو
برا بھلا کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں:
''فقہائے کرام علمائے عظام نے چاند کے ثبوت کیلئے سات طریقے بیان فرماتے ہیں۔

(۱) شہادۃ علی الرویۃ

(۲) شہادۃ علی الشہادۃ

(۳) شہادۃ علی حکم لقاضی

(۴) شہادۃ علی کتاب القاضی

(۵) استفاضہ

(۶) اکمال عدت

(۷) اعلان۔

رویت ہلال میں بھی علان کی یہی حیثیت ہے کہ علان کرنے والے حاکم قاضی یا قائم مقام اس سے روئیت
ہلال کا ثبوت مانا جائیگا۔ خواہ یہ علان بذریعہ روشنی یا نقارہ یا توپ یا لاؤڈ اسپیکر یا ریڈیو سے ہو۔ جو لوگ اعلان
کرنے والے کے حدود وقضا سے خارج ہیں ان کیلئے اس علان سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ از کی
الھلال میں ہے کہ'' ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آکر بیان
کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں۔ ہرگز نہیں سنیں گے۔
جب شریعت مطہرہ کا یہ مزاج ہے کہ جس قاضی کے اعلان پر اس کے شہر میں صوم وافطار کا حکم نافذ ہوتا ہو اگر

وہی قاضی یا اس کا فرستادہ آدمی دوسرے شہر میں جا کر بیان کرے تو شرعاً معتبر نہیں۔ تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ بذریعہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اس کے اعلان سے دوسرے شہر میں صوم وافطار روا ہو اور جب ریڈیو ٹیلی ویژن کی نا اعتباری کا یہ حال ہے تو تار، ٹیلیفون، خط اور اخبار کیسے قابل اعتماد ہوسکتے ہیں اور ان سے کیونکر رویت ہلال کا ثبوت ہوسکتا ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اعلان کی چار ہی صورتیں ہیں:۔

۱۔ خود قاضی مقام نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔

۲۔ اس کی ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔

۳۔ قاضی کے علاوہ کوئی آدمی نشریات میں پہنچ کر اعلان کرے۔

۴۔ قاضی کے علاوہ کسی آدمی کی ٹیپ شدہ آواز سے اعلان ہو۔

بہر تقدیر ان تمام صورتوں میں خود قاضی یا اس کے علاوہ کسی کی آواز ریڈیائی لہروں کے توسط سے لوگوں تک پہنچتی ہے۔ البتہ ٹیلی ویژن میں آواز کے ساتھ ساتھ اس کی تصویر بھی بن گئی۔ اور اعلان کنندہ شاخت میں آگیا۔ لیکن ابھی ابھی از کی الہلال کے حوالہ سے گزرا کہ ''ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں۔ ہرگز نہیں سنیں گے''۔

ذرا ٹھنڈے دل سے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اس شرعی معاملہ اور دینی مسئلہ کو سوچیے کہ جب قاضی یا اس کا آدمی سراپا مجسم براہ راست بیان دے۔ جب بھی دوسرے شہروں میں ان لوگوں کا بیان ثبوت ہلال میں معتبر نہیں تو ریڈیائی لہروں کے توسط سے ان لوگوں کی آنیوالی آواز یا اسکرین پر بننے والی تصویر کی وجہ سے ان لوگوں کا اعلان ثبوت ہلال کیوں کر معتبر ہوگا۔ وہاں دو بدو بالمشافہ سراپا مجسم کا بیان اور یہاں پس پردہ بالواسطہ یا تصویر کا اعلان۔ ایمانی فراست بھی شاہد ہے کہ جب وہی معتبر نہیں تو یہ کیوں کر معتبر ہوسکتا ہے۔

الغرض فقہ وشریعت کے جدید اور نو پیدا مسائل میں خواجہ صاحب کے موقف حد درجہ جزم واحتیاط پر مبنی ہیں۔ آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں تقریباً پچاس سال تک تدریسی خدامات انجام دی ہیں اور باضابطہ کسی بھی مدرسے میں مفتی کی حیثیت سے دارالافتا میں نہیں بیٹھے۔ لیکن پھر بھی شریعت کے جس مسئلے پر اپنے موقف کا اظہار فرمایا ہے وہ حد درجہ عالمانہ، محققانہ اور فقیہانہ ہے۔ آپ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ منطقی فلسفی، اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ اور مفتی بھی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: امام اعظم کے نقش قدم پر

مولانا عبید الرضا قادری استاذ الجامعۃ السبحانیہ مہراج گنج یوپی

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ۸۰ ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ ہجری بغداد شریف میں دائمی اجل کو لبیک کہا ولادت سے وفات تک کا عرصہ ستر سال (۷۰) ہوا آپ نے اس مدت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیا جسے دیکھنے کے بعد سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ''علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل،، کے آپ صحیح مصداق نظر آرہے ہیں آپ نے محدثین کرام کی بارگاہوں میں زانوئے ادب تہ کیا اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی بارگاہوں میں جاکر فیوض وبرکات حاصل کئے مگر آپ کے خصوصی استاذ کی حیثیت سے حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کا نام لیا جاتا ہے علوم وفنون کی تحصیل کے بعد روحانیت حاصل کرنے کی غرض سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالی مرتبت میں حاضری دی اور مکمل دوسال تک فیض صحبت سے انوار وتجلیات سے قلب ونظر کو منور فرماتے رہے آپ خود فرماتے ہیں۔

''لولا الشتان لهلک النعمان،، علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے ساتھ علوم طریقت وحقیقت ومعرفت سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے بعد وہ کارہائے نمایا انجام دئے جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اس لئے کہ فقہ اسلامی کی ضرورت واہمیت ہر دور میں ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے یہ عظیم کارنامہ انجام دینے کیلئے حکومت کے تعاون کے بغیر افراد سازی کے لئے انتھک کوششوں وجانفشانیوں کے ساتھ سالہا سال اپنے قیمتی اوقات کو صرف کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر افراد سازی نہ کرتے تو فقہ اسلامی کی تدوین واشاعت کا اہم فریضہ انجام دینا مشکل ترین ہوتا۔ حضرت امام اعظم کی دوررس نگاہوں کا یہ فیضان ہے کہ آپ نے ایسے ایسے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو تیار کیا جو اپنے علم میں یکتائے روزگار رہے جن کی امامت وقیادت کو دنیائے علم وفضل نے تسلیم کیا تقریبا چالیس افراد آپ کے ساتھ فقہ اسلامی کی تدوین واشاعت میں بھرپور آپ کے شریک کار رہے، امام اعظم نے جس ہمہ گیری اور اعلی پیمانے پر فقہ اسلامی کی تدوین کا عزم کیا تھا وہ انتہائی وسیع اور پرخطر کام تھا چنانچہ مصادر شرعیہ پر کامل عبور اور اجتہادی بصیرت اور قانون کی باریک بینی کے باوجود آپ نے اپنے ذاتی علم اور رائے واجتہاد پر اسے منحصر نہ رکھا بلکہ اپنے باصلاحیت شاگردوں کی ایک جماعت کو مجلس کا رکن مقرر فرمایا جن میں حضرت امام زفر آپ کے شاگرد رشید ہیں جو محدث وقت ہونے کے

ساتھ ساتھ قیاس واستنباط مسائل میں یکتائے روزگار تھے یونہی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی امام الحدیث ہونے کے ساتھ تفقہ میں یکتائے روزگار تھے۔ یونہی امام عبداللہ بن مبارک فقیہ المشرق والمغرب ہونے کے ساتھ امیر المومنین فی الحدیث تھے اور حضرت یحیٰ بن سید القطان فقہ اسلامی میں کامل و مکمل ہونے کے ساتھ فن اسماء الرجال کے امام تھے۔

لغت وادب کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود جیسے حضرات شامل تھے، حضرت وکیع بن جراح فقیہ العصر ہونے کے ساتھ امام الحدیث تھے صحیحین میں ان کی روایتیں کثیر ترین ہیں، یونہی حضرت یحیٰ بن زکریا بن ابی مائدہ ایسے امام الحدیث ہیں کہ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ یونہی حضرت داؤد طائی علوم وفنون کے جامع ہونے کے ساتھ امام الاؤلیاء سے مشہور ومعروف ہیں گویا کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے افراد سازی میں وہ کمال حاصل کیا کہ آپ کے شاگردوں میں جملہ علوم وفنون، تقویٰ وطہارت وخداترسی پورے طور پر پائی جاتی ہے انہیں شاگردوں کے ساتھ تیس ۳۰ سالہ ایام میں (۶۳۰۰۰) ترسٹھ ہزار سے زائد مسائل شرعیہ کا استخراج واستنباط کیا۔

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین نے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ویسے تلمیذ صدر الشریعہ شیخ الادب حضرت علامہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ گھوسوی اور ماہر علوم وفنون حضرت علامہ معین الدین اعظمی اور شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ جیسی شخصیتوں کی بارگاہوں میں حاضر ہوکر جملہ علوم وفنون کی تحصیل میں برسہابرس مصروف رہے، اس کے بعد روحانیت کی تکمیل کے لئے نائب غوث الوریٰ، امام الاولیاء، سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ عالی مرتبت میں حاضر ہوکر روحانیت کی تکمیل کی، اب آپ کو دنیائے علم وفضل امام علم وفن کی حیثیت سے جانتی پہچانتی ہے۔ آپ نے ظاہر وباطن کو مزین ومرصع کرنے کے بعد امام اعظم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے افراد سازی کا فریضہ انجام دیا۔ ایسی ایسی یگانہ روزگار شخصیتوں کو تیار کیا جن کی امامت وقیادت کو تسلیم کرنے پر دنیائے علم وفضل مجبور ہے، حضرت امام علم وفن یوں تو تقریباً نصف صدی سے افراد سازی میں مصروف ہیں ان کے لائق وفائق تمام شاگردوں کی طویل فہرست پیش کرنا مشکل ہے مگر ہم آپ کے افراد سازی کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں جن کا مجموعی ذکر کر کے دنیا کے سامنے ان حقائق کو پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ان ادوار میں آپ کے شاگردوں کی تعداد کتنی رہی ہوگی اور آپ کی بارگاہ فیض سے کتنوں نے اپنی علمی تشنگی بجھائی ہوگی۔

پہلا دور:- مظہر اسلام بریلی شریف جامعہ عربیہ سلطان پور کا ہے جن میں عظیم المرتبت شخصیتوں میں علامہ محمد سلطان صاحب اوروی مئو جو جملہ علوم وفنون میں ماہر وکامل ہیں۔ برسہابرس شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، اسی طرح حضرت مفتی ایوب مظہر تدریس وافتاء میں مہارت کے ساتھ ساتھ زبان وبیان کے ماہر کامل ہونے کی بنیاد پر خطیب العصر رہے، غازیٔ ملت حضرت مولانا سید محمد ہاشمی جن کی خطابت کی دھوم دیار غیر میں بھی مچی ہوئی ہے۔ ماہر علوم وفنون مولانا مشتاق پورنوی جنہیں دیکھ کر خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی نے اول ملاقات میں گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ لگتا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی بارگاہ سے نکل کر میرے سامنے جلوہ گر ہوئے ہیں

اسی دور کی پیداوار مناظر اہلسنت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمان مضطر ہیں جو اہل علم کے نزدیک محتاج تعارف نہیں۔

دوسرا دور:۔ دار العلوم فیضیہ نظامیہ بھاگل پور بہار میں ایسے ایسے افراد تیار ہوئے جو کئی جہتوں سے منفرد و بے مثال نظر آتے ہیں۔ مفتی کوثر حسن رضوی جو خلیفۂ بدر ملت ہیں علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت کے ساتھ اشداء علی الکفّار و رحماء بینھم کے مصداق نظر آتے ہیں یونہی تقویٰ و طہارت میں یگانۂ روزگار ہیں۔ خلیفۂ حضور تاج الشریعہ، حضرت علامہ مفتی عبد الحکیم نوری دام ظلہ ہیں جنھوں نے مختلف مدارس میں تدریس و افتاء کی خدمات انجام دیں اور اسی دور میں مفتی شبیر صاحب پورنوی پیدا ہوئے جنھوں نے درس نظامیہ کے مشکل ترین کتابوں پر اردو زبان میں حاشیہ تحریر فرمایا اور ذہین و فطین مولانا مظفر صاحب درس نظامیہ کے کامیاب ترین استاذ ہونے کے ساتھ بہار و بنگال کے عظیم المرتبت خطیب کی حیثیت سے متعارف ہیں، یونہی مولانا نیاز و مولانا اخلاق علوم عربیہ میں مہارت کے ساتھ علوم عقلیہ میں کامل ہیں اور حسن ظاہری کے ساتھ باطنی حسن و جمال سے مرصّع مولانا منظور صاحب منتہی کتابوں کی تدریس میں مشہور ہونے کے ساتھ قرطاس وقلم کے شہنشاہ ہیں جن کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

تیسرا دور:۔ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر، مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف اور دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد۔ جس میں مفتی قاضی شہید عالم، مفتی ارشاد احمد، مفتی ظہور حسن درس نظامیہ کے ماہر ترین اساتذہ کی حیثیت سے متعارف ہونے کے ساتھ فقہی تحقیقات اور فتویٰ نویسی میں مشہور و معروف ہیں۔ یونہی مولانا مختار الحسن صاحب جو تدریسی مہارت کے ساتھ تقریر و تحریر دونوں میں ملکۂ تامہ رکھتے ہیں اور ڈاکٹر علیم اشرف جائسی اور مولانا اسید الحق قادری ہند و پاک ہی نہیں بلکہ دنیائے عرب کی یونیورسٹیوں میں اسلامک اسکالر اور عظیم المرتبت محقق کی حیثیت سے متعارف ہیں اور عربی میں یکساں مہارت کے باعث ان کی تصنیفات و تحقیقات کو عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ جہاں امام اعظم کی تصنیفات میں فقہ اکبر اور العالم والمتعلم دونوں کتابیں بنیادی اور مشہور ہیں وہیں حضرت خواجہ صاحب کی بھی دو کتابیں ہیں۔ دیوبندیت کے تابوت میں آخری کیل اور ٹی وی کی تحقیق دونوں کتابیں علوم وفنون کا خزانہ اور اصولی و بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

یہ ہے امام علم وفن کی افراد سازی کا سرسری جائزہ ورنہ اگر تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا بلاشبہ امام علم وفن حنفی ہیں اور حنفی مذہب کے پیروکار ہیں اور تقلید امام اعظم میں اس قدر منہمک ہیں کہ ان کی عادات و اطوار اور طریقۂ کار کو اپنے لیے باعث نجات سمجھتے ہیں تدوین فقہ، امام اعظم نے اپنے لائق و فائق شاگردوں کے ساتھ کیا اور امام علم وفن نے اپنے لائق و فائق شاگردوں کو مذہب حنفی کی ترویج و اشاعت کیلئے تیار کیا نہ وہاں حکومت کا کوئی تعاون اور نہ یہاں حکومت وقت سے کسی طور پر تعاون کی امید ہے گویا کہ امام علم وفن کے شاگردوں کو دیکھا جائے تو مختلف علوم وفنون کے جامع زہد و تقویٰ اور اخلاص و للہیت کی چمکتی دمکتی صورتیں نظر آتی ہیں رب کائنات امام علم وفن کے سائیہ رحمت و برکت کو دراز فرمائے۔

☆☆☆☆☆

آٹھواں باب

مظہر علوم اعلیٰ حضرت

امام علم وفن اور فتاویٰ رضویہ کی تفہیم

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

ترا ہر کام سُنّت ، ہر سُخن تیرا، شریعت ہے
اطاعت اے رضا تیری شہِ دیں کی اطاعت ہے

امام احمد رضا بریلوی ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور زمانۂ طالب علمی ہی میں **ھدایۃ النحو** پڑھنے کے دوران آٹھ سال کی عمر میں اس پر بزبان عربی حاشیہ لکھا۔ دس سال کی عمر میں اصول فقہ کی معرکۃ الآرا کتاب **مسلم الثبوت** اور اس کی شرح **فواتح الرحموت** پر ایسا مبسوط حاشیہ تحریر فرمایا کہ ضخامت کے لحاظ سے بھی اصل پہ بھاری ہوگیا۔ (۱) گویا: ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا''۔ ۱۹۲۱ء میں اس دار فانی سے کوچ فرمایا تو اصول کا لحاظ کیجے تو پچاس سے زائد اور فروع کے اعتبار سے دیکھئے تو سو سے زائد قدیم وجدید علوم وفنون پر چھوٹی، بڑی ایک ہزار کے قریب تالیفات وتصنیفات کے علاوہ ہزاروں صفحات پر مشتمل فتاویٰ کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ (۲) ان سب کے باوجود ان کا اصل طرۂ امتیاز عشق رسالت ہے، جس کے اعتراف واقرار پر اپنے ہی نہیں بے گانے بھی، اور نہ صرف بے گانے، بلکہ مخالفین بھی مجبور ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور عمل کا ہر زاویہ عشق رسالت ہی سے عبارت ہے۔ عشق رسالت میں وہ فناء الفنا کے مقام پر فائز تھے۔ خود فرماتے ہیں:

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہِ الْحَمْد میں دنیا سے مسلمان گیا

یہ عشق ہی کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے فتاویٰ کے مجموعہ کا نام **العطایاالنبویہ فی الفتاوی الرضویہ** تجویز فرمایا۔ یعنی رضا کے فتاوے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطائیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **کلموا الناس علی قدر عقولھم** لوگوں سے بات ان کی

عقلوں کے معیار کے مطابق کیا کرو۔ اسی لئے امام احمد رضا نے بعض فتاوے بہت مختصر اور بعض بہت مطول ،بعض سادہ اور عام فہم ،اور بعض خالص علمی ودقیق لکھے ہیں۔ یہی نہیں مستفتی نے استفتا اردو، فارسی ،عربی ،انگلش جس زبان میں کیا ہے، فتویٰ بھی اسی زبان میں قلمبند فرمایا ہے، پھر سائل نے استفتا جس اسلوب وپیرایہ میں کیا ہے ،اسے جواب بھی اسی اسلوب وپیرایہ میں عطا ہوا ہے۔ سائل نے سوال نثر میں کیا ہے تو جواب بھی نثر میں دیا ہے۔ سائل نے سوال نظم میں کیا ہے تو جواب بھی نظم ہی میں قلم بند فرمایا ہے۔ پھر نظم کی بھی جس صنف میں سائل نے سوال کیا ہے، امام احمد رضا نے جواب بھی اسی صنف میں عطا فرمایا ہے۔ مستزاد یہ کہ سائل نے استفسار میں جس بحر و وزن کو اختیار کیا ہے، آپ جواب میں بھی اسی بحر و وزن کو استعمال میں لائے ہیں۔ سائل غیر مقلد ہے اور اہل حدیث کہلاتا ہے تو جواب میں علم حدیث اور اس کے متعلقات اسماء الرجال ،اصول حدیث ،طبقات مدارج الحدیث ،وغیرہ سے کام لیا ہے۔ سائل سائنس زدہ ہے اور سوال کا تعلق اس کے کسی خاص شعبہ سے ہے تو جواب میں بھی سائنس اور اس کے اسی شعبۂ خاص کے اصول ونظریات سے استدلال فرمایا ہے۔ غرض کہ فتاوی رضویہ میں امام احمد رضا نے قدیم علوم وفنون کی طرح جدید علوم وفنون کے بھی جملہ شعبوں کو دین کا خادم بنادیا ہے اور ان سے فقہ اسلامی کی خدمت لی ہے۔

آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ چوں کہ قدیم علوم فنون سے واقف نہیں اس لئے وہ حضرات فتاویٰ رضویہ کے ان حصوں کو سمجھ نہیں پاتے ہیں، جن حصوں میں ان قدیم علوم وفنون کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ یونہی علمائے کرام چونکہ جدید علوم وفنون سے نا آشنا ہیں اس لئے یہ حضرات فتاوے رضویہ کے ان حصون کو سمجھنے سے قاصر ہیں، جن حصوں میں جدید علوم وفنون سے کام لیا گیا ہے، اس لئے ہم کہ سکتے ہیں کہ آج پورے فتاوی رضویہ کا سمجھنے والا تنہا کوئی نہیں۔

ہاں !امام احمد رضا ہی کے شاگرد وخلیفہ اور علوم وفنون کے وارث حضرت ملک العلما سید ظفرالدین احمد بہاری علیہ الرحمۃ کے شاگرد امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی مدظلہ کی تنہا شخصیت ہے، جو پورے فتاویٰ رضویہ کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کا حق رکھتی ہے۔ یعنی

هزار مجمع خوبانِ ماہ رو ہوگا
نگاہ جس پہ ٹھہر جائے گی وہ تو ہوگا

یہی نہیں دل چسپی رکھنے والے اپنے بعض مخصوص تلامذہ کو آپ نے بقدر ظرف عطا بھی فرمایا؛ اور دوسرے حضرات تک اس کا فیضان عام کرنے کے لئے سلسلہ وار مقالات بھی تحریر فرما کر شائع کرانے شروع کئے۔ چنانچہ:

(۱) فتاوی رضویہ ج ۴ص ۱۹ میں امام احمد رضا نے فرمایا ہے:

''نصاریٰ جنہوں نے سال وماہ سب شمسی لئے اگر چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری

انتیس کا نہ کرتے توان کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے۔ تو پہلے سال شمسی دورہ یافتہ سے چھ گھنٹے پہلے ختم ہوا۔ دوسرے سال بارہ گھنٹے پہلے، تیسرے سال ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً ۲۴ گھنٹے اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے۔ لیکن دورۂ آفتاب پورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ تقریبا پونے چھ گھنٹے، تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے کا، اور بڑھا لیا ایک دن کہ ۲۴ گھنٹے ہے۔ تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا ، سو برس بعد تقریبا ایک دن۔ لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کر لیا اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے''

اس کی تفہیم کے لئے امام علم وفن نے جو مقالہ قلمبند فرمایا وہ **''ماہ فروری میں ایام اٹھائیس یا انتیس کیوں؟''** کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کی تعبیر آسان لفظوں میں یہ ہے کہ:

سورج چونکہ اپنے سالانہ محور پر ایک سکنڈ میں تقریباً ۰،۰۰۰۰۱۱۴ ڈگری ــــــــ ایک منٹ میں ۰،۰۰۰۶۸۴۴ ڈگری ــــ ایک گھنٹے میں ۰،۰۴۱۰۶۸۶ ڈگری ــــ اور ایک دن میں ۰،۹۸۵۶۴۷۱ ڈگری حرکت کرتا ہے، اس لئے اس کو اپنے سالانہ محور کا ایک ڈگری طے کرنے میں تقریباً ۱،۰۱۴۵۶۱۸ دن لگ جاتا ہے ــــ اور ایک مکمل دورہ (۳۶۰ ڈگری) پورا کرنے میں ۳۶۵،۲۴۲۲۵ دن لگتے ہیں۔ جو اعشاریات کو چھوڑ دینے کے باوجود بھی بارہ مہینوں پر برابر منقسم نہیں ہوتے۔ اس لئے فروری اٹھائیس دن کی کر دی جاتی ہے، اور عمومی سال ۳۶۵ دن کا مان لیا جاتا ہے۔

لیکن، چوں کہ، ہر سال ۰،۲۴۲۲۵ دن زیادہ ہو جاتا ہے ــــ اس لئے چوتھے سال ۰،۹۶۹ (تقریبا ایک) دن بڑھ جاتا ہے۔ تو فروری اٹھائیس دن کی بجائے ۲۹ دن کی کر دی جاتی ہے۔ اور سال ۳۶۶ دن کا مانا جاتا ہے۔ اس طرح چار برسوں کے ۱۴۶۱ دن کر دئے جاتے ہیں۔

مگر چوں کہ چوتھے سال پورا ایک دن زیادہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں ۰،۰۳۱ دن کم رہ جاتا ہے، تو سو سال پر ۰،۷۵ دن کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے پھر فروری ۲۹ دن کی بجائے ۲۸ دن کی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح سو برسوں میں ۳۶۵۲۵ دنوں کی بجائے ۳۶۵۲۴ دن مانے جاتے ہیں۔

لیکن چوں کہ سو سال پر پورا ایک دن کم نہیں ہوتا ہے اس لئے فروری ۲۸ دنوں کی کر دینے کے بعد بھی ۲۲۵،۰ دن بچ جاتا ہے، تو چار سو سال میں ۹۰۰،۰ دن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں پھر فروری ۲۸ دنوں کی بجائے ۲۹ دنوں کی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح چار سو برسوں میں ۱۴۶۰۹۶ دنوں کی بجائے ۱۴۶۰۹۷ دن کر دیے جاتے ہیں۔

مگر چوں کہ، چار سو سال پر بھی پورا ایک دن زیادہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں ۰۰۱،۰ دن کم رہ جاتا ہے۔ اس لئے چار ہزار سال پر پھر فروری ۲۹ دنوں کی بجائے ۲۸ دنوں کی کر دی جاتی ہے، اس طرح چار ہزار برسوں میں جاکر ۱۴۶۰۹۶۹ دن پورے کر لئے جاتے ہیں۔

(۲) امام احمد رضا نے ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' میں فرمایا ہے:

> ''اصول علم ہیأت میں مادۂ قمر مادۂ زمین کا ۷۵واں حصہ لیا اور زمین سے بعد قمر قطرِ زمین کا ۳۰ مثل۔ اور ہیأت جدیدہ میں مقرر ہے کہ جاذبیت بحسب مادہ بالاستقامت بدلتی ہے اور بحسب مربع بعد بالقلب۔ تو جسم پر جذبِ قمر وارض مساوی ہونے کے لئے زمین سے ایسے بعد پر ہونے چاہیے کہ اس کا مربع، قمر سے بعد جسم کے مربع کے ۷۵ مثل ہو۔ الخ

اس کو سمجھانے کے لئے آپ نے جو مقالہ لکھا وہ **''فضائے بسیط میں رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان''** کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اُس وقت کے سائنس دانوں کے بقول:

(۱) ہر جسم میں دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت ہوتی ہے۔

(۲) جس جسم میں مادہ زیادہ ہوتا ہے اس جسم میں کھینچنے کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر

(۳) جاذبیت مادّہ کے اعتبار سے سیدھی بدلتی ہے اور دوری کے مربع کے اعتبار سے اُلٹی۔

یعنی جس جسم میں جتنا زیادہ مادّہ ہوتا ہے اس جسم میں کھینچنے کی قوت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سیدھی نسبت ہوئی۔ اور زیادہ مادّہ والے جسم سے کم مادہ والے جسم کی دوری کا مربع جتنا زیادہ ہوتا ہے اس میں کھینچنے کی قوت بھی اتنی ہی کم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک میٹر دوری پر کھینچنے کی جو قوت ہوتی ہے، وہ دو میٹر دوری پر چوتھائی اور دس میٹر دوری پر سواں حصہ رہ جاتی ہے۔ یہ اُلٹی نسبت ہوئی

(۴) زمین میں چاند کے اعتبار سے پچھتر گونا زیادہ مادّہ ہے، اس لئے اس میں کشش بھی پچھتر گونا زیادہ ہے۔

(۵) زمین کا قطر ۷۹۱۳،۰۸۶ میل = ۱۲۷۳۴،۸۷۷۴۸ کیلومیٹر ہے۔

(۶) زمین سے چاند کی دوری زمین کے قطر سے ۳۰ گونا ہے۔ اس لئے

(۷) زمین سے چاند کی دوری ۲۳۷۳۹۲،۵۸ میل = ۳۸۲۰۴۶،۳۲۴ کیلومیٹر ہوئی۔

لہٰذا جس مقام پر زمین کی قوت کشش ختم ہو جاتی ہے وہ مقام زمین سے ۲۶،۸۹۴ حصہ دور، اور چاند سے ۳،۱۰۶ حصہ دور ہوگا۔

۲۶،۸۹۴ حصہ چوں کہ ۲۱۲۸۱۴،۵۳۴۹ میل =۳۴۲۴۹۱،۷۹۴۹ کیلومیٹر، اور ۳،۱۰۶، حصہ چوں کہ ۲۴۵۷۸،۰۴۵۱۲ میل = ۳۹۵۵۴،۵۲۹۴۴ کیلومیٹر ہوتا ہے۔

اس لئے وہ مقام جہاں رائی کا دانہ اور پہاڑ دونوں بے وزن ہو کر رہ جائیں گے زمین سے ۲۱۲۸۱۴،۵۳۴۹ میل =۳۴۲۴۹۱،۷۹۴۹ کیلومیٹر دور، اور چاند سے ۲۴۵۷۸،۰۴۵۱۲ میل = ۳۹۵۵۴،۵۲۹۴۴ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۳) فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ مسئلہ ۲۷۵ میں ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب اور وقت مکروہ کیا ہے بینوا توجروا؟

الجواب:۔ نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے، اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا۔ لانہا تعصر یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔مگر ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جب کہ غبار کثیر یا ابر رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ افق کے قریب نگاہ کو اس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قریب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہیں جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق ومغرب دونوں میں

یکساں ہے۔جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے۔

ا ب۔ کرۂ زمین ہے۔

ا ۔موضع ناظر ہے یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے۔

ج ء۔زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالم نسیم و عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں۔ اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے،تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا۔اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی'

ھ۔مرکزِ شمس ہے۔

ا ھ۔ہر طرف وہ خط ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے

پہلے نمبر پر آفتاب افق شرقی سے طلوع میں ہے۔

اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا چوتھے نمبر پر ٹھیک نصف النہار پر آیا۔

پھر پانچویں چھٹے نمبر پر ڈھلکتا ہوا ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا۔

ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خط ا ھ کا حصہ ا د کرۂ بخار میں گزرا؛اور دوسرے ا ح۔تیسرے پر ا ط۔چوتھے پر

ا ح۔

اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں ا د سب سے بڑا ہے،اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے ا ح،ا ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ نصف النہار پر خط ا ح سب سے چھوٹا رہجاتا ہے۔ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط ا ح یعنی دوپہر کے وقت کا خط اگر ۴۵ ہی میل ہے جب بھی خط ا د یعنی وقت طلوع کا خط،پانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے۔پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے،وہ خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں ای،برابر ا ط کے پڑتا ہے،اور ا ک برابر ا ح کے،اور ا ل برابر ا د کے ہے۔یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے؛اور اس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے

اس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے، یہاں تک کہ شرق غرب میں ایک حد کے قریب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی الخ

فتاوٰی رضویہ کی اس عبارت کو سمجھانے کے لئے امام علم وفن نے جو مقالہ قلمبند کیا وہ **''کلک رضا کی خلا پیائی''** کے نام سے شائع ہوا۔ اس مقالہ میں آپ نے پہلے بطور اصول مندرجہ ذیل مبادی بیان کئے :

۱:۔

AF = ۴۵ میل عالم نسیم یعنی کرۂ بخار کا ثخن۔

AB = ۲۹۵۶،۵۴۳ میل نصف قطر ارض۔

BC = ۹۲۹۰۰۰۰۰ نو کروڑ اور انتیس لاکھ میل مرکز عالم تا مرکز شمس

BD = ۴۰۰،۵۴۳ مرکز عالم تا سطح کرۂ بخار

AD = کرۂ بخار میں نظر کی وہ مسافت جسے معلوم کرنا ہے۔

یعنی یہی خط ''ار'' ہے جسے امام احمد رضا نے پانچ سو اٹھانوے میل سے زائد بتایا ہے۔

۲:۔ مثلث قائم الزاویہ کے دو ضلعے معلوم ہوں تو تیسرا ضلع معلوم کرنے کی دو صورتیں ہیں

(الف) وتر اور ایک ضلع معلوم ہو تو وتر کے مربع سے ضلع معلوم کریں اور مربع کو تفریق کر کے باقی کا جذر لیں۔ یہی جذر مجہول ضلع کی مقدار ہے۔

(ب) دونوں ضلعے معلوم ہوں تو ان دونوں کے مربعوں کو جوڑ کر مجموعہ کا جذر لیں۔ یہی جذر وتر مجہول کی مقدار ہے۔

۳:۔ کسی مثلث کے عمود کو بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں یعنی اس اضافی قدر کو جسے عربی میں جیب کہتے ہیں اسی کو انگریزی میں عمود کے بالمقابل زاویہ کا سائن کہتے ہیں۔

۴:۔ علم مثلث کے ذریعہ ہر زاویہ کا سائن ثابت کر کے ایک سائن ٹیبل مرتب کیا گیا ہے جس سے کسی بھی زاویہ کا سائن معلوم کر کے اس زاویہ کی مقدار معلوم کی جاتی ہے۔ اس ٹیبل میں درج ہے کہ اگر سائن ایک ہو تو زاویہ کی مقدار نوے ڈگری ہوگی یعنی وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔

۵:۔ علم مثلث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک نقطہ پر چھوٹا سا زاویہ بناتے ہوئے ایک ہی سمت میں جب دو طویل خطوط ایسے نکلیں کہ انتہا پر ان دونوں کے درمیان معمولی دوری رہ جائے تو حسابیات میں اس نقطہ کے زاویہ کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے؛ اور ان دونوں خطوں کو نفس الامر میں غیر متوازی ہونے کے باوجود بھی حسابیات میں متوازی تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ان دونوں خطوط کے مابین کی معمولی دوری پر جو دو زاویئے بنتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو قائمہ تسلیم کر لیا جاتا ہے

، جب کہ فی الواقع کسی بھی مثلث کے دو زاوے قائمہ نہیں ہو سکتے۔

۶:۔ اقلیدس میں ثابت ہے کہ مثلث متساوی الساقین کے قاعدے پر واقع دو زاویے باہم برابر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے درج بالا مبادی سے فتاویٰ رضویہ کے ارشاد ''خط''ار'' یعنی وقت طلوع کا خط پانسو اٹھانوے

میل سے بھی زائد ہے'' کی تفہیم کے لئے ایک نقشہ بنایا ہے اور اس کے ذریعہ یوں وضاحت فرمائی ہے:

مندرجہ بالا شکل میں ABC مثلث، B زاویہ قائمہ ہے۔ اس لئے اس مثلث قائم الزاویہ کا وتر یعنی AC کو قاعدہ۲ کے مطابق ہم اس طرح معلوم کرتے ہیں۔

AC=۹۲۹۰۰۰۰۰(۴)۔

اس لئے مبادی ۳ کے مطابق (sine A) یعنی زاویہ A کا سائن

۹۲۹۰۰۰۰۰ BC

=

=

۹۲۹۰۰۰۰۰ AC

لہٰذا مبادی ۴ کے مطابق زاویہ A کی مقدار = ۹۰ یعنی نوے ڈگری ہے۔

مبادی ۵ کے ذریعہ بھی اس نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

خط AC اور BC دونوں ہی چوں کہ مرکز شمس یعنی نقطۂ C کے پاس ایک چھوٹا سا زاویہ بناتے ہوئے نو کروڑ انتیس لاکھ میل دور زمینی قطر کے ایک کنارے پر ایک اور دوسرے کنارے پر دوسرا ملا ہے، اس لئے یہ دونوں خط غیر متوازی

ہونے کے باوجود متوازی مان لئے گئے اور نقطہ C کے پاس کے زاویہ کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ لہذا A اور B پر ایک زاویہ قائمہ ہو گیا۔

بلکہ مبادی ۶ کے ذریعہ بھی اسی نتیجہ تک رسائی ہو سکتی ہے

اعشاریات کو ساقط کرنے کے بعد چونکہ خط AC اور BC دونوں باہم برابر ہیں اس لئے نصف قطر ارض پر دونوں زاویے باہم برابر ہی ہیں۔ اور چونکہ زاویہ قائمہ ہے اس لئے دوسرا زاویہ بھی قائمہ ہے۔

بہر حال ماسبق بیانات سے یہ ثابت ہو گیا کہ A زاویہ قائمہ ہے۔

مندرجہ بالا شکل میں ABD ایک دوسرا مثلث ہے جس کے دو ضلعے یعنی AB اور BD کی مقدار معلوم ہو گئی اور اس مثلث کا زاویہ A کا قائمہ ہونا بھی معلوم ہو گیا تو اس مثلث کا قائمۃ الزاویہ کے AD ضلع کو ہم مبادی ۲ سے معلوم کر لیں گے:

الغرض مندرجہ بالا قاعدہ سے معلوم ہو گیا کہ خط AD جو کرۂ بخار میں نظر کی مسافت ہے اس کی مقدار پانچ سو اٹھانوے میل سے لگ بھگ آدھا میل زائد ہے۔

(۴) فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۱۵۹ تا ص ۲۶۰ مترجم ج ۱۱ ص ۲۲۱ میں ہے:

> قطب شمالی میں چھ مہینے نو دن کا دن اور نو دن سے کم چھ مہینے کی رات اور قطب جنوبی میں بالعکس۔ اس لئے کہ اوج آفتابی شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے الخ

امام علم وفن نے اس کی تفہیم کے لئے جو مقالہ سپرد قرطاس فرمایا، وہ ''قطب شمالی کے شب و روز'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کی تلخیص یہ ہے کہ:

۱:۔ قطب شمالی و جنوبی کے بیچوں بیچ جہاں دونوں سے ۹۰، ۹۰ ڈگری کا فاصلہ ہو، وہیں فلک الافلاک کی اوپری سطح پر پورب، پچھم ایک دائرہ مان لیجے تو ہیأت کی اصطلاح میں اسے ''معدل النہار'' کہیں گے۔

۲:۔ پھر اس معدل النہار کو ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ پر کاٹتے ہوئے پورب پچھم ہی ایک دوسرا دائرہ فرض کیجیے تو یقیناً اس دائرہ کا آدھا حصہ (۱۸۰ درجہ) معدل النہار سے اتر اور آدھا حصہ (۱۸۰) دکھن ہو گا۔ اس دائرہ کو علم ہیأت کی اصطلاح میں دائرۃ البروج کہیں گے۔

۳:۔ دائرۃ البروج معدل النہار کو جس نقطہ پر کاٹتے ہوئے اتر جانب جائے اس نقطہ کو علم ہیأت کی اصطلاح میں نقطۂ اعتدال ربیعی کہتے ہیں۔

۴:۔ دائرۃ البروج کو نقطہ اعتدال ربیعی سے آغاز کرتے ہوئے ۳۰، ۳۰ درجہ کے حساب سے برابر برابر بارہ

حصوں میں تقسیم کر دیجئے تو چھ حصے معدل النہار سے اتر اور چھ حصے دکھن ہوں گے ۔ یہی بارہ حصے بارہ بروج کہلاتے ہیں ۔ اتری چھ برجوں کے نام حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد اور سنبلہ ہیں؛ اور دکھنی چھ برجوں کے نام میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہیں ۔

۵:۔ سورج اپنی روزانہ کی ذاتی چال لگ بھگ ۵۹ درجہ ۸ ثانیہ ۱۹ ثالثہ ۴۷ رابعہ کے ذریعہ ایک برج سے دوسرا برج ہوتا ہوا تقریبا تین سو پینسٹھ دنوں میں سالانہ گردش پورا کرتا ہے ۔ جس سے ظاہری طور پر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چھ مہینے معدل النہار سے اتر کے برجوں میں رہتا ہوگا اور چھ مہینے معدل النہار سے دکھن کے برجوں میں، اس لئے اتری، دکھنی دونوں قطبوں میں رات بھی برابر ہوگی اور دن بھی برابر ہوگا ۔ مگر علم ہیأت میں ہے کہ سورج ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک جب اوج میں ہوتا ہے تقریبا ۱۸۷ دنوں میں اتری برجوں کو طے کرتا ہے؛ اور ۲۳ ستمبر سے ۲۰ مارچ تک جب سورج حضیض میں ہوتا ہے تقریبا ۱۷۸ دنوں میں دکھنی برجوں کو طے کرتا ہے ۔ یعنی سورج کو اتری برجوں کو طے کرنے میں نو دن زیادہ لگتے ہیں اور دکھنی برجوں کو طے کرنے میں ۹ دن کم ۔ جس کی وجہ علم ہیأت کی کتابوں میں مذکور ہے اور امام علم وفن نے اسی مقالہ میں تفصیل سے بیان فرمائی ہے ۔

۶:۔ فلک الافلاک کی اوپری سطح پر ہی ایک تیسرا دائرہ ایسا مانائے جس سے فلک اوپر نیچے دو حصوں میں تقسیم ہو جائے تو اس دائرہ کو علم ہیأت کی اصطلاح میں دائرۃ الافق کہیں گے ۔ سورج جب دائرۃ الافق سے اوپر رہتا ہے، دن ہوتا ہے؛ اور جب دائرۃ الافق سے نیچے رہتا ہے رات ہوتی ہے ۔

اب اگر کوئی شخص قطب شمالی میں ہو تو اس کے حق میں جو دائرہ ایسا ہو جس سے فلک الافلاک اوپر نیچے دو حصوں میں تقسیم ہو جائے، وہ دائرہ اس شخص کے حق میں دائرۃ الافق ہوگا ۔ اور چوں کہ وہ دائرہ ٹھیک معدل النہار پر منطبق ہو جائے گا س لئے معدل النہار ہی اس کا دائرۃ الافق ہوگا ۔

چوں کہ فلک الافلاک کا جو حصہ معدل النہار سے اتر طرف ہے، اس کے حق میں اوپری حصہ ہے، جو اس کے افق کے اوپر ہے؛ اور فلک الافلاک کا وہ حصہ جو معدل النہار سے دکھن طرف، ہے اس کے حق میں نچلا حصہ ہے، جو اس کے افق کے نیچے ہے ۔ اس لئے سورج جب تک اتری برجوں میں ہوگا اس کے افق کے اوپر ہوگا اور دن ہوگا؛ اور جب تک دکھنی برجوں میں رہے گا اس کے افق کے نیچے ہوگا اور رات ہوگی ۔

(۵) علم ہندسہ کے مقالۂ دوم کی گیارہویں شکل میں ہے کہ: ہر خط کی ایسے دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے کہ جزء اکبر کا مربع اس کے جز اصغر اور کل کے حاصل ضرب کے برابر ہو" اس کو ثابت کرنے کے لئے کئی دلیلیں دی گئی ہیں ۔ امام احمد رضا نے پہلے تو ان دلیلوں پر اعتراضات کئے ہیں ۔ پھر فرمایا ہے کہ" **ولہ جواب ترکناہ للاختبا ر** ۔ ہم ان اعتراضات کا حل

پیش کر سکتے ہیں مگر علم ہندسہ پر مہارت رکھنے کے دعوے دار حضرت کی آزمائش کے لئے پیش نہیں کر رہے ہیں۔
امام علم وفن، اس کی تفہیم کے لئے جو مقالہ زیر تحریر لائے وہ **علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر** کے نام سے شائع ہوا۔

(۶) فتاویٰ رضویہ میں ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے **کشف شافیا**، اس رسالہ میں امام احمد رضا نے آواز کیسے پیدا ہوتی ہے، اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے، وہ ہمارے کانوں تک کیسے پہونچتی ہے اور ایک ہی آواز مختلف افراد کیسے سنتے ہیں؟ آواز کب تک باقی رہتی ہے اور کب فنا ہو جاتی ہے، کیا وہ کسی طرح دیکھی بھی جا سکتی ہے؟ آواز کی عینیت اور غیریت کے معنیٰ کیا ہیں؟ اس طرح کے مباحث پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔

حضرت امام علم وفن نے اس کی تفہیم کے لئے کئی مقالے تحریر فرمائے جو یکے بعد دیگر مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔

(۷) فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۱۷ میں بتایا گیا ہے کہ ربع اور اسطرلاب کے ذریعہ نماز کے اوقات اور سمت قبلہ کا علم ہوتا ہے۔ مگر یہ دونوں چیزیں کیا ہیں، اور ان سے کام کس طرح لیا جاتا ہے؟ اس کو سمجھانے کے لئے امام علم وفن نے **ربع مجیب اور اسطرلاب کی دریافت** کے نام سے مقالہ قلمبند فرمایا جس میں آپ نے ان کی بناوٹ، اجزا، اشکال، ایک ایک پرزہ کی تفصیل، استعمال کے طریقے اور یہ کہ ان سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے؟ تفصیل کے ساتھ بتائے ہیں۔ اہل ذوق مقالہ کا مطالعہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف اتنا ہی حصہ نقل کر رہا ہوں کہ ان سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے؟

ربع مجیب کے کام

آفتاب یا کسی بھی ستارہ کا ارتفاع ـــ آفتاب کا میل شمالی اور جنوبی کی مقدار ـــ بعد قطر ـــ اصل مطلق ـــ اصل معدل ـــ نصف فضل ـــ، نصف القوس ـــ قوس نہاری ـــ قوس لیلی ـــ دائرہ ماضی ـــ دائرہ مستقبل ـــ فضل دائر ـــ ظل مبسوط ومنکوس ـــ دائر بین الظہر والعصر ـــ دائر بین العصر والمغرب ـــ حصۃ الشفق ـــ حصۃ الفجر ـــ سعۃ المشرق ـــ سعۃ المغرب ـــ حصۃ السمت ـــ معدلۃ السمت ـــ معرفت السمت ـــ جہات اربع کا صحیح تعین فلکیہ مطالع فلکیہ ـــ مطالع بلدیہ ـــ مطالع الوقت ـــ وغیرہ وغیرہ۔

اسطرلاب کے کام

الربع المجیب کے ذریعہ جتنے کام لئے جاتے ہیں وہ سارے کام اسطرلاب سے بھی لئے جاتے ہیں ۔ مزید برآں اسطرلاب سے معرفت مطالع سال ـــ معرفت ارتفاع قطب البروج ـــ معرفت تقویم ـــ وغیرہ وغیرہ۔

(۸) فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۳ ص ۶۹۷ میں ہے: جفر بے شک نہایت نفیس جائز فن ہے۔ حضرات اہل بیت

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا علم ہے۔امیر المؤمنین مولیٰ علی **کرم اللہ وجہہ الکریم** نے اپنے خواص پر اس کا اظہار فرمایا اور سیدنا امام جعفر صادق **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** اسے معرض کتابت میں لے آئے، کتاب مستطاب جفر جامع تصنیف فرمائی۔علامہ سید شریف **رحمۃ اللہ علیہ** شرح مواقف میں فرماتے ہیں:امام جعفر صادق نے **جامع میں ماکان و مایکون** تحریر فرمادیا۔

الملفوظ حصہ دوم میں ہے:یہ علم تمام علوم سے مشکل تر اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کمال اخفا مقصود...... جفر سے جواب جو کچھ نکلے گا ضرور حق ہوگا کہ علم اولیائے کرام کا ہے، اہل بیت عظام کا ہے، امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کا ہے **رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔**

اس کی تفہیم کے لئے امام علم وفن نے **امام احمد رضا اور علم جفر** کے عنوان سے مقالہ لکھ کر شائع کرایا۔

(۹) فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۵۰ میں ہے:پانچ ہزار پانچ سو پچاس فٹ بلندی پر میں نے حساب کیا تو افق ایک درجہ ۱۹ دقیقہ ۱۰ ثانیہ گرا۔

اس کی تفہیم کے لئے امام علم فن نے **نزول افق کا گم شدہ فارمولہ** قلم بند فرما کر شائع کرایا۔

اس طرح مختلف عناوین کے تحت پچاس سے زائد مقالات تحریر فرما کر شائع کرائے۔

اسی دوران،شاہزادۂ اعلیٰ حضرت،تاجدار اہل سنت،حضور مفتی اعظم ہند کے ایک فتوی کی طرف ،۲۷ رتاریخ کو ہوائی جہاز کے ذریعہ رویت ہلال کی غلط نسبت کی جانے لگی ،تو آپ نے یکے بعد دیگرے کئی نہایت ہی قیمتی مقالات لکھ کر اس کی تردید فرمائی اور اس غلط نسبت کا غلط ہونا واضح فرمایا،جن کو علمی حلقوں نے سرآنکھوں پر رکھا،مگر علم وفن سے ناآشنا جن لوگوں کی سمجھ میں وہ مقالے نہیں آئے ،انہوں نے حضور مفتی اعظم کے نادان دوست (عقیدت مند) کا فریضہ انجام دیتے ہوئے آپ کو مطعون کرنا اور اپنے ہی پیر و مرشد کی بارگاہ کا باغی ہونے کا الزام دینا شروع کیا۔جس سے دل برداشتہ ہو کر امام علم وفن نے یہ سلسلہ ہی موقوف کر دیا۔کاش! کچھ دنوں اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو امام احمد رضا کے ایسے تمام رشحات قلم کی تفہیم ہو جاتی۔

(۱۰) امام احمد رضا کے علمی جانشین حضرت ملک العلما کی تالیف **حیات اعلیٰ حضرت** کی ترتیب نو، تصحیح وتہذیب اور تحشیہ کے دوران علم توقیت اور زائچہ سے متعلق عبارتیں، ناقل وکاتب حضرات کی مہربانیوں کی بنا پر اس فقیر کی ناقص سمجھ سے ماوراء ثابت ہوئیں تو فتاویٰ رضویہ کے ان مقامات کی طرف مراجعت کی، جہاں سے یہ منقول ہوئی ہیں۔مگر حیف! کہ جتنے ایڈیشنوں کا مطالعہ کیا، اتنی ہی مزید الجھنوں کا شکار ہونا پڑا!اور واضح ہوا کہ یہ تو ماوراء ہی نہیں، وراء الوراء ہیں۔مگر ہم کن لفظوں میں امام علم وفن کا شکریہ ادا کریں!جن کی مہربانیوں سے نہ صرف **حیات اعلیٰ حضرت** بلکہ **فتاویٰ رضویہ** کے بھی ان حصوں کی تصحیح کی خدمت انجام پا سکی۔جن کو دیکھ کر جانشین مفتی اعظم حضرت ازہری صاحب دامت معالیہم نے تحریر فرمایا:

حضرت مولانا موصوف (فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ) نے چند مقامات مجھے دکھائے جہاں توقیت کے حساب میں ہندسے غلط چھپ گئے تھے اور ترتیب میں بہت اُلٹ پھیر کاتب کی غلطی سے ہوگیا تھا۔ الحمد للہ! انہوں نے حیات اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ فتاویٰ رضویہ میں بھی مطبوعہ ان غلطیوں کی تصحیح کردی۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو بہتر جزا اس عمل خیر کی عطا فرمائے اور اس میں جو بھی ان کے مدد معاون ہوئے ان سب کو برکات دارین سے نوازے۔

(۱۱) آج کئی سال ہوئے کہ جد الممتار ج اول کتاب الصلاۃ کا ایک مقام، اور فتاوی رضویہ ج ۴ ہی میں ثبوت ہلال کے تعلق سے دو فتاوے میں بظاہر تعارض، الجھن کا باعث بنے، تو اس شدید بیماری کے باوجود امام علم و فن نے جد الممتار کے اس مقام کو حل فرمادیا۔ مگر فتاوی رضویہ کا معاملہ تاہنوز جوں کا توں ہے۔ **لعل اللہ یحدث لی بعد ذلک امرا۔**

(۱۲) فتاوی عالمگیری مطبوعہ مکتبۂ زکریا ج اص ۴۰ میں ہے:

ولاتفطر فی شیٔ من شهر رمضان وعليها قضاء ايام الحيض بعد مضى الشهر فان علمت ان حيضها كان يبتدی بالليل فعليها قضاء عشرين وان علمت انه بالنهار فقضاء اثنين وعشرين احتياطا وان لم تدرانه بالليل او النهار فاكثر مشائخنا يقول يلزمها قضاء عشرين وكان الفقيه ابوجعفر يقول تقضی اثنين وعشرين احتياطا قضتها موصولا بالشهر او مفصولا عنه هذا اذا علمت ان دورها كان يكون فی كل شهر مرة وان لم تعلم فان علمت ان حيضها كان يبتدء بالليل تقضی خمسة وعشرين احتياطا قضتها موصولا او مفصولا وان علمت انه كان بالنهار تقضی اثنين وثلاثين احتياطا لو قضتها موصولا وان قضتها مفصولا فثمانية وثلاثين وان لم تدر فان قضت موصولا فعليها قضاء اثنين

وثلاثين وان قضت مضصو لافثمانية وثلاثين هذااذا كان رمضان كاملاوان كان ناقصافسبعة وثلاثين هكذافي المبسوط۔

اس عبارت کی وضاحت سے متعلق برسوں پہلے اپنے بیگانے سارے دارالافتاؤں میں استفتے بھیجے گئے تھے مگر حیف! کہ آج تک کسی ایک دارالافتا سے بھی جواب موصول نہیں ہوا۔ بالآخر اپنے زمانے میں امام احمد رضا کے علوم وفنون کا تنہاوارث امام علم وفن ہی نے اسے حل فرمایا۔ اس لئے یہ کہنے میں قطعی کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ آج امام علم وفن کے علاوہ پورے فتاوی رضویہ کا سمجھنے والا تنہا کوئی نہیں ہے۔

حواشی

(۱) قلمی نسخہ کا عکس فقیر کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

(۲) جو، اب پاکستان سے ترجمہ وتخریج کے ساتھ تیس جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ مگر ۶ رمارچ ۲۲ء کے دبدبہ سکندری ص ۷ پر ایوب علی صاحب رضوی نائب ناظم جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے جمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ کے ایک جلسہ کی رپوٹ شائع ہوئی ہے جس میں مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمن خاں صاحب قادری رضوی واعظ ومبلغ جماعت رضائے مصطفیٰ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ **فتاوی رضویہ کی پندرہ جلدیں ھیں۔**

(۳) یہ نظریہ امام احمد رضا کا اپنا نظریہ نہیں، اس وقت کے سائنس دانوں کے بقول ہے، جب وہ زمین اور چاند کے درمیان ایک اور ستر کا تناسب بتاتے تھے۔ پھر تین اور بیس بتانے لگے، اور اب ایک اور چھ مانتے ہیں تو حساب اس کے مطابق ہوگا۔ امام احمد رضا کے نزدیک جذب وکشش ہی کی بات قابل قبول نہیں چنانچہ **فوزمبین** میں آپ نے پُرزور دلائل سے اس کا رد فرمایا ہے۔

(۴) یہاں اعشاریہ کا حصہ چونکہ ایک ہزار حصوں میں سے صرف ۸۴ حصے ہیں اس لئے اسے کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اسقاط اعشاریہ کے بعد AC=۹۲۹۰۰۰۰۰۔ ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اور عرفان رضا

مولانا ملک الظفر سہسرامی دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

پورنیہ کی ایک معروف تحصیل بائسی کے ایک معمولی گاؤں کو اپنی غیر معمولی خداداد علمی وفکری صلاحیتوں کی بنیاد پر حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب نے شہرت دوام وبلند مقام تک پہنچا دیا۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب لازوال علمی، فکری اور تحقیقی خدمات نے یقیناً اس علاقے کو ہم دوش ثریا کر دیا۔ سنگھیا بظاہر ایک معمولی سا گاؤں ہے جغرافیائی اعتبار سے جس کی کوئی ایسی حیثیت نہیں تاہم یہ زمیندار شرفا کی بستی ہے۔ اس بستی میں آباد ایک خاندان ہے جس سے وابستہ افراد خود کو خواجہ کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس لفظ کا تاریخی پس منظر تو نہیں معلوم لیکن لفظ خواجہ کی حرمت اور اس کا تقدس اس بات کا کھلا اشاریہ ہے کہ جس خاندان کے لوگ اپنے نام سے قبل یہ باعظمت لفظ استعمال کرتے چلے آرہے ہیں یقیناً ان کا خود اپنا ایک تاریخی پس منظر ہوگا جن کی عظمت ورفعت کی گواہیاں یہ لفظ پیش کر رہا ہے۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین اسی خاندان کے ایک علم دوست سپوت ہیں۔ علامہ خواجہ مظفر حسین نے جس باعظمت شخصیت کی آغوش شفقت میں آنکھیں کھولیں وہ خود بھی اپنے وقت میں علم وفکر کا ایسا آبشار تھا جس پہ علمی پیاس بجھانے والوں کا قافلہ اترتا اور سیراب ہو کر لوٹتا۔ پورنیہ اور اس کے اطراف وجوانب میں علامہ خواجہ مظفر حسین کے والد گرامی حضرت مولانا خواجہ زین الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے مولانا کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ علامہ خواجہ مظفر حسین نے جس علاقے میں اپنے شعور کی آنکھیں کھولیں وہ علاقہ اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بادیدہ عقیدت مند ونیاز مند رہا۔ گو اس علاقے کو سید اعلیٰ حضرت کے قدوم میمنت لزوم کا شرف حاصل نہ ہوا۔ لیکن ان کا علمی غلغلہ، فکری سطوت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تن، من، دھن سے جذبہ جاں نثاری پیش کرنے کی لازوال تاریخی صداؤں سے یہاں کے مسلمانوں کے کان ناآشنا نہیں رہے۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ اعلیٰ حضرت کے چہیتے شاگرد اور دل عزیز خلیفہ ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین

بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے سرزمین کٹیہار کو اپنے علمی فیضان کی برکھا، برسات برسانے کے لئے منتخب فرمایا اور کٹیہار میں اہل سنت وجماعت کی ایک درسگاہ بنام جامعہ بحر العلوم انہوں نے اپنے خاص محب شاہ حمید الدین لطیفی سجادہ نشین خانقاہ عشق پٹنہ کے تعاون سے قائم فرمائی۔ حضرت ملک العلماء نے جب جامعہ بحر العلوم میں اپنی خداداد فکر و علم کی بساط بچھائی تو پھر اس علاقے کا رنگ وروپ ہی بدل گیا علم و فکر کی ایک ایسی سپیدۂ سحر نمودار ہوئی کہ اس کی روشنی دور دور تک پھیل گئی۔ تشنگان علوم قافلہ در قافلہ کٹیہار کی اس دینی درسگاہ کی جانب پروانہ وار انداز میں رخ کرنے لگے اور حضرت ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ محترم اعلیٰ حضرت سید امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے ہوئے علوم و افکار کا فیضان قافلہ در قافلہ اترنے والے ان خوش بختیوں کے درمیان فیاضی کے ساتھ تقسیم فرمانے لگے اس طرح اس کی زمین پر بالواسطہ اعلیٰ حضرت فیضان علمی کی برکھا برسات ساون بھادو کی طرح برسنے لگی۔

یہی وہ دور تھا جب علامہ خواجہ مظفر حسین عربی درجات کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے بعد ایک معیاری درسگاہ کے تلاش میں نگاہیں دوڑا رہے تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحب بھی اس علمی پنگھٹ پہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے حضرت ملک العلماء کی علمی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اور مکمل پانچ سال حضرت ملک العلماء کے علمی فیضان کی موسلا دھار بارش میں نہاتے رہے۔ حضرت ملک العلماء کی بارگاہ سے اجازت لیکر صوبۂ بہار کا یہ عظیم سپوت بریلی شریف کی مرکزی درسگاہ مظہر اسلام پہنچ گیا۔ جس زمانے میں علامہ خواجہ مظفر حسین مظہر اسلام پہنچے تو اس وقت مظہر اسلام میں علمی تو نقوں کا جو انداز تھا وہ لائق دید تھا۔ حضرت علامہ ثناء اللہ، حضرت علامہ معین الدین خان، حضرت علامہ غلام جیلانی، حضرت مفتی شریف الحق امجدی بریلی شریف کی اس مرکزی درسگاہ کے زیب وزینت اور رونق بختیوں کا اہتمام فرمارہے تھے۔ ان اساتذہ کرام کی بارگاہ سے اکتساب علم کا مرحلہ طے کرنے کے بعد علامہ خواجہ مظفر حسین کے دل میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ الرضوان سے سند حدیث حاصل کرنے کی آرزو دل میں جاگی۔ چنانچہ اسی جذبے کی تکمیل کے لئے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ ناز میں حاضری دیتے ہیں اور سند حدیث پانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے سند نکالی دست خاص سے سند پر لکھا دستخط ثبت فرماتے اور "یہ لیجئے" کہہ کر سند عطا فرما دی۔ حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ" آج میرے پاس علم و فکر کی جو بہاریں نظر آ رہی ہیں وہ سب اسی دست خاص، نظر کرم اور توجہ کی مرہون منت ہیں۔"

علامہ خواجہ مظفر حسین کا علمی شجرہ صرف ایک واسطے سے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے جاملتا ہے اس لئے اعلیٰ حضرت کے علمی و فکری فیضان سے بہرہ ور ہونے کے موقع خوب میسر آئے۔ علامہ خواجہ مظفر حسین سید اعلیٰ حضرت کے علوم و افکار اور ان کی خداداد لیاقتوں وصلاحیتوں سے بے پناہ متاثر ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت کا علمی و فکری خطہ اس نداز میں پڑھتے ہیں۔ "امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جو اپنی صدی کے مجدد اعظم تھے۔ جب ہم انہیں دیکھتے تو

وہ ہر زاویہ دید سے ایک بے نظیر شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں ۔ ہیئت ، ہندسہ ، توقیت ومساحت ، جبر ومقابلہ ، مثلث کروی ، مثلث سطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ نہ صرف یکتائے روزگار بلکہ فقید المثال نظر آرہے ہیں ۔ امریکی منجم نے جب تمام سیارگان کے اجتماع کی بنیاد پر قیامت کی پیش گوئی کی تو اسی بطل جلیل امام احمد رضا نے علم ہیئت کی رو سے اس کی بنیاد اجتماع سیارگان کو منتشر کرکے رکھ دیا اور جب دنیا کے آباد اور غیر آباد حصوں کی بات آئی تو سمت قبلہ کے تعلق سے بذریعہ مثلث کروی ایسے ایسے ضابطے وضع فرمائے کہ ہر خشک وتر ، دشت وجبل اور صحرا وجنگل کے لیے "کشف العلۃ عن سمت القبلۃ" لکھ ڈالی ۔ یہی نہیں بلکہ بذریعہ زیچ علوین (زحل ومشتری) کے چار قرانوں میں سے یعنی قران اعظم کی بنیاد پر قرب قیامت کی پیش گوئی فرمادی ۔ یہی وہ کمالات تھے جن کی وجہ سے آپ کی صدی کے بڑے بڑے جابر گردن کشاں آپ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے ۔ علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کے حوالے سے اپنی بے پناہ خداداد اصلاحیتوں ولیاقتوں کی بنیاد پہ سید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو علمی وفکری نوادرات بطور یادگار چھوڑتے ہیں ۔ یقیناً وہ اہل علم کی نگاہوں کا سرمہ ہیں ۔ لیکن یہ بھی ایک ناقبل انکار حقیقت ہے کہ بالخصوص علوم عقلیہ کے حوالے سے سید اعلیٰ حضرت کی علمی یادگاروں کی تفہیم وتشریح کے لئے جس علمی بساط کی ضرورت ہے ہمارے علماء کی صف میں جو اہل علم اس علمی معیار کے ہیں انگلیوں پہ گنے چنے چند نام ہی لئے جاسکتے ہیں ۔ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی انہی گنے چنے چند علماء میں اب ایک آخری نام رہ گیا ہے ۔

کسی بڑے صاحب فضل وکمال اور علامۃ الدہر کے علمی مقام ومراتب کے صحیح عرفان وادراک کے لئے ضروری ہے کہ علوم وفنون پر مضبوط گرفت ہو جب ہی اس کے علمی وفنی مقام ومراتب کے صحیح عرفان وادراک ہوسکے گا ۔ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین یقیناً اپنے علمی مقام ومراتب کے اعتبار سے اس اونچے منصب پر فائز ہیں جہاں سے سیدی اعلیٰ حضرت کے علمی وفنی قد وقامت اور ان کی علمی شخصیت کے خد وخال تک نظر پہنچ سکتی ہے ۔ چنانچہ علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحریروں میں اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جو شیفتگی وخود سپردگی کی مثالیں نظر آتی ہیں وہ دوسرے علماء کے یہاں کم نظر آتی ہیں ۔ حضرت خواجہ صاحب کے علمی و تحقیقی مقالات میں جابجا اعلیٰ حضرت کا ذکر جمیل ملتا ہے تو وہیں ان کے بیانکردہ علمی وفنی نکات کو اساس وبنیاد بناکر جدید مسائل کے مدلل ومسکت جواب دینے کا انداز بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے ۔

۲۰۰۰ء میں جب اہل علم کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ماہ فروری ۲۹ ر دنوں کا ہوگا یا ۳۰ ر دنوں کا جب تین آدمیوں کے درمیان سترہ اونٹوں کی تقسیم بطور قسمت صحیح کے مفوضہ واقعہ کی بنسبت لی کی جحت پر مباحثے کا بازار گرم ہوا ۔ جب رویت ہلال کے تعلق سے سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی جانب ایک فتویٰ کی نسبت کے تعلق سے اہل علم کے درمیان علمی مباحثہ شروع ہوا ۔ جب قمری ماہ کی ۲۷ ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق کے نیچے (جہاں چاند ہوتا ہے) نگاہ پہنچنے کے لئے دیکھنے والے کو زمین کی سطح سے کسی قدر بلند ہونا چاہیے یہ مسئلہ زیر بحث آیا ۔ جب قمری ماہ کی ۱۰ ر تاریخ کو سورج گہن کا مسئلہ علماء کے

درمیان زیر تحقیق آیا۔ جب ہیوسٹن (امریکہ) میں سمت قبلہ کے تعلق سے علامہ خواجہ مظفر حسین نے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی افادات ونوادرات کی روشنی میں اپنی خداداد علمی صلاحیتوں کے ذریعے تسلی بخش ٹھوس اور مدلل جواب تحریر فرما کر اپنی علمی و تحقیقی برتری کا لوہا منوالیا۔ علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحقیق انیق اس طرح کے علمی وفکری مسائل میں یقینا حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ جب بھی کسی متنازع فیہ مسئلہ پر اپنی تحقیق پیش فرماتے ہیں تو علوم نقلیہ وعقلیہ کے دلائل وبراہین کے کچھ اس طرح مدلل ومبرہن کر کے اپنا مدعا پیش کرتے ہیں کہ کسی مقام پہ انگلی رکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

علمی تفوق، فکری بلندی اور اعلیٰ تحقیقی مزاج کے باوصف دور دور تک پندار علم کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ علامہ خواجہ مظفر حسین اپنے اس وصف میں یقینا ایک بہتر مثال ہیں۔ وقت اور حالات کے بطن سے پیدا ہونے والے نت نئے اور عصری مسائل کے استخراج میں علامہ خواجہ مظفر حسین نے جو علمی وفنی تحقیق پیش فرمائی ہے اس سے ان کی خداداد صلاحیتوں و لیاقتوں کا برملا اظہار ہوتا ہے تاہم انہوں نے اپنی تحقیقات کو اپنی صلاحیتوں کا شاہکار قرار نہیں دیا بلکہ اسے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی افادات وفکری نوادرات کا صدقہ بتایا۔

علامہ خواجہ مظفر حسین سیدی اعلیٰ حضرت کے بالواسطہ تلمیذ رشید ہیں اعلیٰ حضرت کے محبوب شاگرد ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست علامہ خواجہ مظفر حسین نے علمی وفکری استفادہ کیا اور اس کا اظہار بھی وہ بہت فراخ دلانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ آج ان کے پاس علم وفکر اور فنون کا جو لازوال سرمایہ ہے وہ انہی عظمت مآب حضرات کے علمی افادات ونوادرات کا صدقہ ہے۔

نہ جانے کیوں آج اہل علم کا طبقہ احسان فراموش ہو گیا ہے۔ کہیں ذاتی عصبیت کہیں علاقائی عصبیت اور کہیں مشربی عصبیت کے سبب حقیقت کا برملا اعتراف کرنے میں زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

علامہ خواجہ مظفر حسین کی جو تحقیقات راقم الحروف کی نظر سے گزریں ان میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی افادات ونوادرات سے اکتساب واستفادے کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ علامہ خواجہ مظفر حسین اعلیٰ حضرت کی تحقیقات پہ آنکھ بند کر کے اعتماد وبھروسہ فرمائیں گے۔ جس طرح ایک مقلد کے لئے امام کا قول قول فیصل ہوتا ہے کچھ یہی انداز ہمیں علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحریروں نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ میں مندرجہ ایک مسئلہ یہ علم الہندسہ کے تعلق سے ایک معترض نے اعتراض کیا، اعتراض کے بعد اس نے سید اعلیٰ حضرت کے غیر معمولی علمی مقام ومراتب پر طنز کرتے ہوئے کہا:

''معاف کیجئے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے محض ایک دھونس جمائی ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کیا آپ بات کی صداقت پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟''

چونکہ اس وقت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی صوبہ بہار کے معروف شہر بھاگلپور میں اہل سنت وجماعت کی جانب سے

منعقد عظیم ''تعلیمی کانفرنس'' میں وقت کے مایہ ناز علماء وخطباء کے ساتھ شریک تھے۔ لہذا اس علمی مسئلے پہ گفتگو کا وہاں موقع نہ تھا۔ لہذا انہوں نے سائل سے فرمایا۔

''آپ تو اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ میں اس وقت ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آیا ہوں۔ اس لئے اس دقیق مسئلے کی تحقیق کے لئے آپ میرے دار العلوم فیضیہ نظامیہ ایشی پور تشریف لائیے اور مہربانی کر کے اپنے ساتھ کسی ماہر ہندسہ داں کو لیتے آئیے۔ ان شاء اللہ المولیٰ وہاں آپ کو تسلی بخش جواب سے مطمئن کر دیا جائے گا کہ یہ ڈھونس نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ علم ہندسہ سے ناواقفی کی وجہ سے آپ کی عقل میں یہ بات نہیں آئی۔ اگر علم ہندسہ سے آپ واقف ہوتے تو آپ کو احساس ہوتا کہ مجدد مائۃ حاضرہ نے جو بات لکھی ہے وہ پتھر کی لکیر ہے۔ اور یہ بات لکھ کر ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔''

اس جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت کی علمی وفنی تحقیقات پر کس قدر اعتماد و بھروسہ ہے۔ کس قدر پیارا انداز ہے ملاحظہ فرمائیے: ''اگر علم ہندسہ سے آپ واقف ہوتے تو آپ کو احساس ہوتا کہ مجدد مائۃ حاضرہ نے جو بات لکھی ہے وہ پتھر کی لکیر ہے۔''

چنانچہ جب وہ مسائل متعین تاریخ پر علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی خدمت میں ایک ماہر علم ہندسہ کے ساتھ پہنچا تو ان کے سامنے وہ تمام محاسبات پیش کر کے سید اعلیٰ حضرت کے فرمودات کی صحت وصداقت کا پہلو دو اور دو چار کی طرح واضح فرمادیا اور مسائل خواجہ علم وفن کے پیش کردہ مبادیات ومقررات دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

اس تحقیقی و علمی مقالے کے آخر میں خواجہ علم وفن نے جو جملے تحریر فرمائے ہیں ان سے ایک عقیدت مند و نیاز مند کی بھر پور نیاز مندیوں کے جلوے بکھیر ہوئے ہیں۔

''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے محاسبات کو میں اپنے الفاظ میں پیش کر رہا تھا اور گاہ بگاہ نظر اٹھا کر اپنے دونوں مکاطب کو بھی دیکھ رہا تھا۔ انجینیر صاحب کے چہرے پر طمانت اور لبوں پر تبسم تھا۔ لیکن مولوی صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میری فراست یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ یہ ہوائیاں ان کی خود اپنی جہالت کی وجہ سے تھیں یا امام احمد رجا کی عبقری شخصیت کے رعب کا اثر تھا،،

[سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز علم وحکمت کے ایسے دانائے روزگار تھے کہ جس فن کو چھوا اسے مالا مال کر دیا۔ علوم وفنون اپنے ایک مقالے احمد رضا اور علم تکسیر میں سیدی اعلیٰ حضرت کی عبقری شخصیت کا خطہ پڑھتے ہوئے بایں انداز رقمطراز ہیں:

''رب کریم اپنے فضل وکرم سے جب کسی بندے کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنی رحمت سے ان کو اتنا بخشتا ہے کہ بندے کو تنگی داماں کی شکایت ہو جاتی ہے۔ امام احمد رضا انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں۔

امام احمد رضا کو قدرت الٰہیہ نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتے ہیں ۔وہ کون سا علم ہے کہ رب کریم نے انہیں نہیں بخشا اور وہ کون سا فن ہے کہ جس میں امام احمد رضا کے قلم نے اسرار پنہاں کی عقیدہ کشائی نہیں کی؟ ہم جہاں کہیں بھی دیکھتے ہیں ہر بساط پر ان کا کھنکتا ہوا سکہ چلتا نظر آرہا ہے۔مگر افسوس کہ حوادث زمانہ نے ان کے بیشتر کارناموں کو اپنے دامن میں چھپا کر ہم لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا''

سیدی اعلیٰ حضرت کا علمی خطبہ پڑھنے کے بعد امام علم وفن علم تکسیر کی افادیت واہمیت پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا کو اس فن (تکسیر) میں بھی کافی مہارت حاصل تھی جیسا کہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے۔ یہاں اخبار ''انقلاب'' میں ایک مخصوص نقش مثلث سے متعلق عکس تحریر موجود ہے اس لئے میں یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔''

''امام احمد رضا اور علم جفر'' میں سید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد علمی وفکری صلاحیتوں کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''جب ہم بنی نوع انسان کی اس زریں تاریخ کے چند مزید اوراق الٹتے ہیں تو عہد قریب میں ہمیں ایک ایسی شخصیت جلوہ ساماں نظر آتی ہے جو ایک طرف ائمہ اسلام کی ہمدم وہم راز ان کی دینی بصیرت و مذہبی شعور سے آگاہ اور غزالی ورازی کے اسرار سے باخبر ہے تو دوسری طرف ابن سینا، فارابی اور بطلیموس کی تدقیقات سے کھیلتی، ابن قیم، ارشمیدش اور ثاؤذوسیوس کی ریاضیات سے مسکرا کر باتیں کرتیں۔ آئن اسٹائن اور گلیلیو کے نظریات کا تعاقب کرتی۔ ٹوری سیلی اور نیوٹن کی کلیات کے پرخچے اڑاتی اور پرسٹلے، لیواز بلے کے کیمیائی اکتشافات کی تشریح کرتی نظر آتی ہے۔

جب ہم اس ہم جہت ہستی کو عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عناصر اربعہ سے مرکب نہیں سراسر حکمت ودانائی کا پیکر ہے۔ سراپا علم وفن کا مجسمہ ہے اور یہ شخصیت ہے۔ مجدد قرن رابع عشر امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی۔ اس یگانہ روزگار نے تقریباً پچاس ساٹھ علوم وفنون میں اپنی بیش بہا تصانیف بطور میراث چھوڑی۔ قدرت نے ان تصنیفات کو اپنی حمایت وحفاظت کا ایسا قفل عطا فرمایا، کہ دست بغض عناد کی گرفت میں آج تک کچھ نہ آسکا۔ یہ فاضل بریلوی کے خلوص وللّٰہیت کا انعام ہی ہے، کہ قدرت نے انہیں صیانت قلم سے نوازا،،

علم وفن کے حوالے سے سیدی اعلیٰ حضرت کے منفرد مقام علمی پہ گفتگو فرمانے کے بعد آپ کی وجاہت علمی پہ مزید روشنی

ڈالتے ہوئے امام علم وفن رقمطراز ہیں:

''امام احمد رضا نے جہاں کہیں تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، مساحت و توقیت، نوگارثم وجر اثقال، جبر ومقابلہ، اجرام وابعاد، مثلثات واکر، متناسبہ متعددہ، مناظر مرایا، ارثماطیقی ونجوم اور دیگر مبادیات مثلاً صرف ونحو، معانی وبلاغت اور بدیع وبیان میں کمال حاصل کیئے وہیں انہیں ایسے علوم سے بھی وافر حصہ ملا جن کا شمار علمی اسرار میں ہوتا ہے۔ انہیں علوم میں سے علم جفر بھی ہے۔''

امام احمد رضا کو خزانہ قدرت سے جہاں دولت گراں مایہ حاصل ہوئی اس پہ روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہے:

''امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر تھی جو نہ ''پدرم سلطان بود'' کی دھن میں مخمور تھی نہ ''تاج سلطانی زیب فرق کے نشے میں چور تھی، بلکہ مست مئے الٰہیت اور بادۂ عرفان کے کیف ونشاط سے مخمور اور تجلیات الٰہی سے معمور تھی۔ امام احمد رضا کی طرف اس مرد خدا آگاہ کی نگاہ اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہوگئی۔ خانقاہ مارہرہ مطہرہ کی قابل صد تکریم شخصیت حضرت نوری میاں قدس سرہ العزیز نے امام احمد رضا کو علم جفر کا ایک قاعدہ بدوح ملن کی تلقین ان جملوں کے ساتھ فرمائی۔ آپ اس میں محنت وریاضت کریں تو ان شاء اللہ المولیٰ حقائق ومعارف کے خزائن اب؛ نے لگ جائیں گے۔ چنانچہ حسب ارشاد ایسا ہی ہوا،،

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علم جفر میں سیدی اعلیٰ حضرت کی فتوحات کا ذکر جمیل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''امام احمد درضا نے حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کے فرمان کے مطابق اس علم کے حصول میں کوشش شروع کی تو رازہائے سربستہ کے پردے واہونے لگے اور یکے بعد دیگرے پیچ وخم سمجھتے گئے مزید دستگاہ حاصل کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے اس فن کی بہت ساری کتابیں جمع کیں۔''

چند سطروں کے بعد رقمطراز ہیں:

''حضرت نوری میاں کی چشم عنایت، دونوں مذکورہ کتابوں کی اعانت اور خود امام احمد رضا کی خداداد ذہانت نے مل کر پیچیدگیوں کے تمام قلعوں کو مفتوح کرلیا۔ حتیٰ کہ فن کی تسہیل کے لیے از خود بہت سی جدولیں تیار فرمائیں تاکہ بوقت عمل زیادہ زحمت ودشواری نہ ہو۔''

حضرت نوری میاں کے لطف وکرم اور خود اعلیٰ حضرت کی خداداد بصیرت نے مل کر علم جفر میں جو فتوحات کے پرچم لہرائے اس کی مثالیں کم نظر آتی ہیں۔ اس تعلق سے خواجہ علم وفن تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا نے نہ صرف ان قواعد سے استفادہ فرمایا ہے بلکہ جن دوسری کتابوں میں ان

قواعد کے بیانمیں خامیاں تھیں انہیں واضح بھی کیا ہے اور ان میں سے بعض کتابوں کے بارےمیں دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صاحب کتاب کو نہ اس فن شریف سے دلچسپی تھی اور نہ ہی آگاہی تھی بلکہ حصول جاہ و حشم اور نگاہ غیر میں "معتبرہ" بننے کی سعی نا کام کے سوا کچھ نہیں۔"

آپ نے اپنی اس گفتگو کو مزید باوزن بناتے ہوئے درج ذیل واقعہ نقل فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا کے ایک دوست فاضل بخاری جناب عبد الغفار صاحب نے آپ سے اس فن کے متعلق ایک ایسے قاعدے کا ذکر کیا جس کے بارے میں مابین الجفار واضح انداز میں "ناطق" ہونے کی شہرت تھی۔ آپ نے سنتے ہی اس قاعدے کی صداقت سے انکار فرمایا۔ نیز جن کتابوں میں وہ قاعدہ مندرج تھا۔ فاضل بخاری کی نشاندہی پر ان ساری کتابوں کو منگویا اور ان سب پر جرح ونقص فرمایا۔"

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فن فتویٰ نویسی کی انفرادیت وخصوصیات پہ روشنی ڈالتے ہوئے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رقمطراز ہیں:

"امام احمد رضا "کلمواالناس علیٰ قدر عقولہم" کے پیش نظر جس طرح مجالس ومذاکرہ کی محفل میں معروضات کے جوابات علمی اعتبار سے ارشاد فرماتے تھے۔ اسی طرح استفتاء کے جواب میں بھی مقتضائے حال کے مطابق مستفتی اور اس کے ماحول کا خیال رکھ کر ہی جواب تحریر فرماتے تھے۔ کہیں لاونعم پر اکتفا فرماتے اور کہیں تحقیق وتدقیق کا طوفان برپا کر دیتے۔ مثلاً استاذنا الکریم سیدی وسندی فاضل بہور حضرت ملک العلماء نے وضو کے متعلق ایک مختصر سا سوال کیا تو اس کے جواب میں ایسی تحقیق انیق فرمائی کہ موجودہ دور کے بڑے بڑے علامہ فہامہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس طرح حضرت علامہ فضل حق علیہ الرحمہ اور علامہ عبد الحق علیہ الرحمہ کے وطن مالوف سیتاپور سے سمت قبلہ کے بارےمیں سوال آیا۔ امام احمد رضا نے جواب میں ایسی فنکاریاں قلمبند فرمائیں کہ دیکھنے کے لائق ہیں،،

اس تمہید کے بعد شہر علی گڈھ سے سمت قبلہ کے تعلق سے آئے ہوئے ایک استفتاء کے جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم وفنون کے جو دریا بہائے ہیں اس حوالے سے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے ہیں:

"علی گڈھ سے آئے ہوئے سوال کے جواب میں اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ مہندس صاحب کا کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہاں نمازیں درست ہیں، لیکن امام احمد رضا نے ایسا مسائل ہی کو نہیں، بلکہ وہاں کے ماحول اور سوال میں ذکر کردہ مہندس کے کارنامے کو دیکھ کر جواب دیا۔ جواب کیا دیا، اسے جواب نہیں بلکہ علم وفن

کے سندر کا دھارا بہانا کہتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو تو، آیئے امام اہل سنت کی تحقیق کی اٹھتی ہوئی موجوں کا نظارہ کرنے کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد سول کے صفحہ ۱۵ تا ۱۴۱ شروع سے آخر تک ایک بار ضرور مطالعہ کر لیں اور ہمارے قول کی صداقت پر ایمان لے آئیں۔''

مذکورہ استفتاء کے جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت نے علم فقہ، ہیئت، ہندسہ، اور لوگارثم کے حوالے سے جو تحقیقی و تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ یقیناً اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی اور فنی مہارت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

''علی گڑھ کے جواب میں سب سے پہلے امام احمد رضا نے سمت قبلہ کے تعلق سے فقہ و ہیئت کی مختلف کتابوں سے یہ عطر نچوڑ کر پیش فرمایا کہ یہاں سمت قبلہ کی تحقیق میں کن کن باتوں کا جاننا ضروری ہے اور افادۂ رابعہ کے عنوان سے ذیل میں بذریعہ دائرۂ ہندیہ علی گڑھ کے تقریبی سمت قبلہ کا استخراج فرمایا ہے اور پھر آخر میں بعنوان علی گڈھ کے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث فرمائی ہے۔''

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یقیناً ایک عبقری شخصیت کا اسم مسعود ہے جن کے علوم کا دائرہ ہمہ جہت ہے۔ کسی بھی زیر بحث مسئلے میں آپ کا قول قول فصل ہوتا ہے۔ لاریب وہ اپنے دور میں علم وفکر کا دستخط تھے۔ علم ہیئت و ہندسہ، جبر و مقابلہ، مناظرہ و مرایا، لوگارثم، مثلث کروی مثلث کروی وغیرہ علوم وفنون میں آپ کو جو ید طولیٰ حاصل تھا اس کی نظیر و مثال ان کے دور میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ علوم وفنون پہ اعلیٰ حضرت کی علمی وفکری گرفت پہ روشنی ڈالتے ہوئے امام علم وفن تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جو اپنی صدی کے مجدد اعظم تھے۔ جب ہم انہیں دیکھتے ہیں تو وہ ہر زاویۂ دید سے ایک بے نظیر شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں۔ ہیئت، ہندسہ، توقیت، مساحت، جبر مقابلہ، مثلث کولی، مثلث سطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ نہ صرف یکتائے روزگار بلکہ فقید المثال نظر آ رہے ہیں۔''

امام علم وفن اعلیٰ حضرت کی سطوت علمی و بلندی فکر یہ حقیقت پسند خطہ تحریر فرمانے کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے اس بطل جلیل نے کس طرح عصری دانشگاہوں کے عظیم اور بڑے اسکالرس کی تحقیقات کو آنکھیں دکھائیں اور ان کا پیش گوئیوں کی توسط فرمائی نیز اپنی بے پناہ فنی و علمی لیاقتوں کے حوالے سے وقت و حالات کے بطن سے پیدا ہونے والے جدید مسائل کی تفہیم میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ جب امریکہ کے ایک منجم نے قیامت کی پیش گوئی کی تو اس کے پیش کردہ دلائل کا رد فرما کر اس کی پیش گوئی کو باطل قرار دے دیا۔ دن کے آباد و غیر آباد حصوں میں سمت قبلہ کے تعین و تقرر کے سلسلے میں انہیں فنون کے ذریعے ایسے ایسے ضابطے وضع فرماتے جن کی روشنی میں ہر خشک و تر دشت و جبل میں سمت قبلہ کا پیچیدہ

مسئلہ حل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ علوم وفنون کی روشنی میں قرب قیامت کی تعین فرمادیا۔

امام علم وفن اعلیٰ حضرت کے تفرد علمی پہ گفتگو فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قرآن کریم میں بارہ برجوں کا بیان آیا ہے، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہر ہر برج کے تین تین درجے ہوتے ہیں۔ بعض عملیات وتسخیرات ہمزاد اور جنات کو قابو کرنے میں ان برجوں کے طالع، غائب عاشر اور ان برجوں کے درجات میں سے کسی درجۂ خاص کے طلوع وغروب کی حاجت پڑتی ہے۔

"امام احمد رضا کے ایک شاگرد رشید علی جناب نواب سلطان احمد خان بریلوی نے ۱۸ر جولائی ۱۹۱۸ء کو یہ سوال خدمت میں بیان کیا کہ دنوں برج سنبلہ کے درجہ سوم کا طلوع کب ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے تھوڑی سی توجہ فرمائی اور پھر بذریعہ تو مرہ اس کا عطا فرمادیا۔"

امام علم فن نے اپنی فنی معلومات کی بنیاد پر سیدی اعلیٰ حضرت کی اعلیٰ علمی لیاقتوں کے جلوے کا نظارہ لے کر اہل ذوق کی خدمت میں حاضر ہوگئے، آپ رقمطراز ہیں:

"وہاں استخراج وقت کے ضابطے اور مولدہ مذکورہ نہیں اس لیے اہل ذوق کے لئے مور مرہ اور اس کے میادی ومقدمات ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ اس سے امام احمد رضا کی فنی کارکردگی کی ایک جھلک سامنے آجائے۔"

علامہ مظفر حسین رضوی نے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی عبقری شخصیت کے تعلق سے جو بھی مقالے تحریر فرمائے ہیں وہ ان علوم وفنون میں آپ کی بے پناہ خداداد صلاحیتوں ولیاقتوں کے حوالے سے ہیں جن کے جاننے والے اب نہیں ہیں۔ اس لئے ایک مقالے "علم الابعاد والاجرام" میں امام احمد رضا کا تفرد میں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

"امام احمد رضا اس شخصیت کا نام ہے جو سن شعور میں پہنچتے ہی بلند پرواز شاہین کی طرح اونچی اڑان بھر کر علوم وفنون کے آفاق پر چھا گیا۔ اس چودہویں صدی کے امام نے چودہویں کے چاند کی طرح چمک کر پورے کرۂ ارض کو منور فرمادیا۔ دور حاضر کا وہ کون سا فن ہے کہ جس میں انہیں ملکۂ راسخہ، دسترس کامل اور مہارت تامہ نہیں؟"

علم الابعاد والاجرام میں سیدی اعلیٰ حضرت کے تفرد پہ گفتگو کرنے سے قبل امام علم وفن نے اس علم پہ مختصر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

''اس علم کے ذریعے کسی بھی متصل یعنی مقدار کی عددی قیمت معلوم کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی سطح کا رقبہ کتنا ہے؟ کسی جسم کی کمیت کتنی ہے؟ دو کم متصل میں کون سا تناسب ہے وغیرہ وغیرہ''

زیر بحث مسئلہ میں گفتگو یہ ہے کہ زمین کے مقابلے میں سورج کتنا بڑا ہے؟

اس حوالے سے امام علم وفن رقمطراز ہیں:

''علم الابعاد والاجرام کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ آفتاب زمین سے ۱۶۶اور ربع وثمن یعنی ۱۶۶:۸/۳ گنا بڑا ہے''

اس کے بعد انہوں نے اس کی دلیل پہ روشنی ڈالی ہے۔ جس سے صرف نظر کیا جاتا اس کے بعد رقمطراز ہیں:

''افضل المہندسین علامہ غیاث الدین جمشید کاشی کے حساب پر آفتاب زمین سے ۳۵۶ راور تحقیقات جدید کی رو سے ۱۲۴۵۱۲۳ گنا بڑا ہے۔''

لیکن ان تحقیقات کے برخلاف سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اصل کروی کے مقررات تازہ کی بنیاد پر جناب لگایا تو ان سے زائد آیا۔

اس حوالے سے علامہ مظفر حسین رضوی رقمطراز ہیں:

''امام احمد رضا نے بر بنائے مقررات تازہ اصل کروی بر حساب لگایا تو اس سے زائد آیا، یعنی آفتاب زمین سے ۱۳۱۳۲۵۶ گنا ثابت ہوا۔''

جن مقررات تازہ کی اساس پہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ حساب لگایا ہے وہ مقررات تازہ اور عمل استخراج وضاحتوں کے ساتھ خواجہ علم وفن نے زینت قرطاس فرمایا۔ جس سے صرف نظر کیا جارہا ہے۔

علامہ مظفر حسین رضوی نے ایک مقالہ بعنوان ''علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر'' تحریر فرمایا۔ جس کی اشاعت ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء میں ہوئی۔ اس تحقیقی مقالے کی ابتدا میں علم ہندسہ کی قرار واقعی حیثیت اور غیر متزلزلہ صفت کا اظہار رماتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:

''علم ریاضی اور بالخصوص علم ہندسہ ایسا علم ہے کہ جس کے شبستان میں وثوق ویقین کا جلتا ہوا چراغ کبھی بجھتا نہیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے علوم عقلیہ خواہ طبیعات ہو یا الٰہیات اپنے فلسفیانہ استدلال کی وجہ سے کتنے ہی ٹھوس کیوں نہ محسوس ہوں لیکن کبھی کبھی وقت کی عبقری شخصیت اسے متزلزل کر ہی دیتی ہے اور پھر دل پکار اٹھتا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

لیکن علم ریاضی کا تومند شعبہ ہندسہ وحساب ہر دور میں چٹان کی طرح ایک چیلنج بن کر بڑی بڑی شخصیات سے اپنی لوہا منواتا رہا، وقت کی عظیم شخصیتیں آنکھیں بھر کران دونوں کے جمال جہاں آراء کا نظارہ تو کرسکیں لیکن کبھی بھی انہیں آنکھیں نہ دکھا سکیں۔

علم ریاضی کے شعبہ ہندسہ وحساب کی غیر متزلزل دیوروں پہ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اس عالمانہ وفاضلانہ جرأت کا ذکر فرماتے ہیں جس نے علم ہندسہ کی غیر متزلزل دیواریں ہلا کر رکھ دیں۔اس حوالے سے وہ رقمطراز ہیں:

''لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے بھی بعض مسائل پر ایسی جرح وتنقید فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ بھی کہیں کہیں دم توڑتا نظر آتا ہے۔اور اپنے عقیدت کیش سے تعاون کی فریاد کرتا ہے۔ کاش کوئی ان کی فریادرسی کا بیڑا اٹھالے۔''

اس تحقیقی مقالے میں امام علم فن سیدی اعلیٰ حضرت کی اس عالمانہ جرأت کا اظہار تفصیل کے ساتھ پیش فرماتے ہیں جس نے علم ریاضی کی اس برانچ میں اپنی تحقیق سے شگاف پیدا کردیا۔علم ہیئت وتوقیت میں تو سیدی اعلیٰ حضرت درجہ مند پر فائز ہیں اپنی خداداد لیاقتوں کے ذریعے اس فن کے گم شدہ اصولوں کو حیات تازہ عطا فرمادی۔اپنے تو اپنے اغیار کی محفلوں میں بھی اس حوالے سے سیدی اعلیٰ حضرت کا علمی غلغلہ بلند ہے۔اس حوالے سے امام علم وفن رقمطراز ہیں:

''علم توقیت منطق وفلسفہ کی طرح کوئی مستقل فن نہیں ہے بلکہ یہ چند فنون مثلاً ہیئت و ہندسہ، علم الحساب، مثلث کروی اور لوگارثم کے چند قاعدوں کا ایک مجموعہ مرکب ہے جس سے اوقات کے استخراج میں مدد لی جاتی ہے۔ یہ علم مسلمانوں کے لئے حکمت ضالہ ہوگیا تھا۔امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان کے گم شدہ اصولوں کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے دوسری زندگی بخشی ۔ حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے امام موصوف کے ارشادات کو اپنی تالیف ''توضیح التوقیت'' میں جمع فرمادیا ہے۔یہ کتاب ''زبدۃ التوقیت'' دراصل اسی ''توضیح التوقیت'' کا نچوڑ ہے۔

اس کتاب میں چونکہ اصطلاحات کی کوئی تشریح نہیں ہے۔امام علم وفن نے اس کی تشریح فرما کر لاریب طبقہ علم وفن پر ایک بڑا احسان فرمایا۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی اہل سنت وجماعت کی ایسی نابغہ شخصیت کا نام ہے جسے مبدفیاض سے علم حکمت کے وافر خدا نے عطا کئے گئے ہیں۔ان کی تحقیقات میں اگر ایک طرف مروجہ علوم وفنون کی بہاریں اپنے نقطۂ شباب پر ہیں تو وہیں عصری علوم کا اچھا خاصا شعور وادراک بھی۔

وہ آلاف کیا بالخصوص مجدد مائۃ ماضیہ ماہر علوم فنون سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے موقف و مسلک پہ سختی کے ساتھ کاربند رہ کر مسائل جدیدہ میں تحقیق وتفحص کی شمع روشن کے قائل نظر آتے ہیں۔ماہنامہ ''جام نور'' دہلی کے

مدیر اعلیٰ مولانا خوشتر نورانی انٹرویو لیتے ہوئے ثبوت رویت ہلال کے تعلق سے یہ سوال کیا تھا۔

مدیر جام نور کے اس سوال کے جواب میں جو جملے خواجہ علم وفن نے ارشاد فرمائے ان سے اگر ان کی بے پناہ وسعت علمی، گہری تحقیق اور کشادہ فکری کا اظہار ہوتا ہے وہیں اسلاف کرام کے نقش قدم کو نشان منزل تصور کرنے کا اعلیٰ احساس بھی۔ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رقمطراز ہیں:

> ''ثبوت ہلال کے لئے جہاں تک آلات جدیدہ ہمارے مذہب کا ساتھ دے سکتے ہیں اس حد تک اس سے ضرور فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ اس استفادے میں العیاذ باللہ ہمیں اپنے اسلاف کے موقف سے قطعاً انحراف کی جرأت نہیں۔ جب اسلاف کے بتائے ہوئے اصول پر چل کر بھی ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں تو ہمیں انحراف کی کیا حاجت؟ ہم نے کچھ مواد فراہم کر لئے ہیں ان کی روشنی میں مسلمانان عالم کے انتشار کو دور کیا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ فرصت ملتے ہی ان مواد سے برآمد نتیجہ لے کر جلد ہی بصورت قرطاس ''جام نور'' کے دفتر میں ہم پہنچ رہے ہیں۔''

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اس جواب میں اگر ایک طرف مدیر ''جام نور'' کے اس خیال کی تردید جر مادی کہ اسلاف کے موقف اور ان کے نظریات سے ہٹ کر کچھ فیصلے کیے جانے کی ضرورت نہیں۔ وہیں یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہم حالات زمانہ کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ و تیار رہیں۔ لیکن یہ شرط بھی عائد فرمادی کہ جہاں تک آلات جدیدہ ہمارے مذہب کا ساتھ دے سکتے ہیں اس حد تک ہم ان سے استفادے کے قائل ہیں۔ مزید اسلاف کرام کی عظمت و رفعت کے پرچم لہراتے ہوئے ان کی آبرو کی قسم کھائی اور فرمادیا کہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر ہم مسائل جدیدہ کا آبرومندانہ حل پیش کر سکتے ہیں۔ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی اپنی خداداد علمی وفنی لیاقتوں کی بنا پہ ایوان علم وفن کے وہ تاجدار ہیں جو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے نایاب و کم یاب علوم و فنون پر پھیلے ہوئے علمی نوادرات کی تشریح و توضیح پر خامہ فرسائی کر سکتے ہیں ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے دوران قیام دہلی علماء کی ایک نشست میں یہ طے فرمایا تھا کہ سیدی اعلیٰ حضرت علمی فنی مشکل تشریح تحریروں پر خواجہ علم وفن کی خدمات حاصل کر کے ان پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: علوم رضا کے ترجمان

پروفیسر ڈاکٹر محمد شرف عالم:
سابق وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسیٹی، پٹنہ

ایک حساس انسان جب علوم ومعارف کی تاریخ کے اوراق پاستان پر عہد حاضر کے تناظر میں غور کرتا ہے تو اسے بڑی مایوسی ہوتی ہے اور بلا تامل پکار اٹھتا ہے کہ علم وعرفان کا دور انحطاط اپنی آخری حدود تک پہنچ چکا ہے، اگر چہ سائنسی تحقیقات اور ایجادات نے دنیائے جدید کو عالم حیرت واستعجاب میں لا کھڑا کر دیا ہے، ایسا کہ انسان بے قابو ہو کر صدا بلند کرتا ہے۔ ع

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی؟

جہاں تک علوم کی گہرائی وگیرائی کا تعلق ہے، علوم جدیدہ کو محدود اور مخصوص مان لینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ انسانوں کے جسمانی آرام وتلذذ کی فکر تو کرتا ہے لیکن ان میں ذہنی وروحانی اور قلبی سکون وطمانیت اور ابدی راحت کے سامان کا کاملاً فقدان ہے اور اخلاقی قدریں تو یکسر پامال ہو رہی ہیں۔ حق یہ ہے کہ انسانی تاریخ کے تمام ادوار میں انسانوں کے مقام ومرتبہ کی رفعت وسربلندی کے پیش نظر عرفانی تعلیمات کو فروغ اور اخلاقی اقدار کو استحکام عطا کرنے کی ہمہ جہت نظریاتی وعملی سعی وکاوش اور کاملاً مثبت اقدام ہوتے رہے ہیں اور پوری قوت صرف کی جاتی رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ عہد گذشتہ میں علماء وحکماء اور دانش وران ومفکرین عام طور پر مجمع العلوم ہوا کرتے تھے اور بحر العلوم بھی، فن واحد میں تخصص ان کے عزائم ناپیدا کنار کو مکمل راحت فراہم نہیں کر پاتا تھا۔ تاریخ عالم کے تاریک دور سے لیکر گذشتہ صدی تک ایسی عبقری شخصیتوں کی معتد بہ مثالیں دستیاب ہیں۔ ان ہی عظیم اور باکمال ہستیوں میں حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا نام نامی شامل ہے جو سن شعور تک پہنچتے ہی بلند پرواز شاہین کی طرح اونچی اڑانیں بھر کر علوم وفنون کے آفاق

پر چھا گئے اور جناب خواجہ مظفر حسین رضوی کے الفاظ میں:

''اس چودھویں صدی کے امام چودھویں کے چاند کی طرح چمک کر پورے کرۂ ارض کو منور فرما دیا، دور حاضر کا کون سا فن ہے جس میں انہیں ملکۂ راسخہ، دسترس کامل اور مہارت تامہ نہیں''

ان کی شان والا مرتبت میں شعر ذیل بہر صورت موزوں ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دنیا جانتی ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے تقریباً تمام عقلیہ ونقلیہ علوم میں تخصص و امتیاز عطا فرمایا تھا اور یہ بھی کہ ان تمام علوم وفنون میں بہت تھوڑے کسبی تھے بقیہ بھی لدنی۔ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا جاتا ہے امام عالی مرتب کے حیطۂ علوم و دانش وری اور نابغہ پر تحقیقات وتتبعات کے دروازے منکشف ہوتے جاتے ہیں اور زمانہ ان کی علمی ہمہ گیری کا قائل ہوتا جا رہا ہے۔ خواجہ مظفر حسین رضوی، امام موصوف کے بالواسطہ شاگرد ہیں لیکن ان کے ارشادات وعلوم سے وافر اور کافی اکتساب فیض کیا ہے اور قابل احترام یادگار سلف ہیں۔ علمی تنزل کے اس دور ہلاکت آفریں میں خواجہ صاحب جیسی شخصیتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں جو مختلف النوع علوم نافع کی دولت سے مالا مال ہیں اور فیضان علم ومعرفت کو عام کرنے کی سمت ہمہ تن آمادہ ومتحرک، اور اس روشنی آگہی کو دور دور تک پہنچانے کے آرزومند بھی ہیں ان کی شان میں یہ شعر موزوں آتا ہے۔

علم کی شمع کو روشن جو کیا کرتے ہیں — زندہ رہتے ہیں ہمیشہ وہ کہاں مرتے ہیں

ایسی بلند مرتبہ با کمال اور علوم مختلفہ سے مزین شخصیت کے مضامین پر راقم السطور سے رائے زنی کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ عزیز گرامی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے کل گیارہ مضامین میرے حوالے کئے اور ان کی روشنی میں میرے تاثرات معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ مضامین پر ناقدانہ نظر ڈالنا تو کجا تبصرہ کرنے کا سزاوار بھی وہی شخص ہوسکتا ہے جو ان علوم کا ماہر یا کم از کم قدرے دسترس کا حامل ہو جبکہ خاکسار کی علمی اور بے بضاعتی اپنی جگہ مسلم ہے وہ تو دریائے علوم کے جلوۂ دور کو ہی اپنا مقدر تصور کرتا ہے۔ ع: من آنم کہ من دانم۔

لیکن تعمیل حکم کے طور پر کوشش کی گئی ہے کہ مضامین کے مطالعے کے بعد ذہن نارسا میں جو چند ژولیدہ و ناتراشیدہ تاثرات ابھرے ہیں انہیں مبتدی نقاش کی مانند صفحہ قرطاس پر ثبت کر دیا جائے۔ اظہار خیال میں مضامین کے ساتھ کماحقہٗ انصاف تو راقم کی بساط فہم سے بعید ہے لیکن اس سعی نا مکمل پر علم دوستوں کی توجہ یقیناً باعث امتنان ومسرت ہوگی۔

جناب خواجہ مظفر حسین رضوی، امام عالی مرتبت کے نوشتہ جات گرامی اور ارشادات عالیہ کے جملہ کنہیات ورموز سے بطور احسن واقف اور ان کی تشریح وتوضیح پر کامل قدرت رکھتے ہیں مزید برآں ان زریں تحریروں کو عام فہم زبان میں پیش کرنے میں بھی خواجہ صاحب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

پیش نظر مضمون کا عنوان ہے ''قطب شمالی کے شب و روز'' جونئی دہلی کے ماہنامہ'' جام نور'' ماہ ستمبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہاں علم ھیئت کے ایک اصول پر سیر حاصل بحث پیش ہوئی ہے۔ لیکن پیچیدہ اصطلاحات علمی اور دشوار مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے عام فہم انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ کرۂ ارض کے قطب شمالی میں چھ مہینے اور نودن کا دن اور نودن کم چھ مہینے کی رات ہوا کرتی ہے اور قطب شمالی میں اس کے برعکس دن اور رات طوالت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ علم ہیئت کے تسلیم شدہ اصولوں کی بنیاد پر اسے ثابت کیا گیا ہے۔ گفتگو میں قدیم عرب جغرافیہ و ہیئت کے ماہرین کی اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں اور روز وشب کا واقع ہونا زمین کے گرد آفتاب کی گردش کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ عہد حاضر کی تسلیم شدہ حقیقت یہ ہے کہ زمین کی دو مختلف گردشیں ہیں ایک روزانہ کی گردش اور دوسری سالانہ گردش، جو بیس گھنٹوں اور چند منٹ میں زمین اپنے محور (axis) پر ایک بار مکمل گردش کر جاتی ہے جس سے دن اور رات کا ظہور ہوا کرتا ہے اسے زمین کی روزانہ چال (daily rotation) کہتے ہیں۔ زمین اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے روزانہ اپنے اپنے مقام سے کچھ آگے بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے اور کچھ منٹ کی مدت میں اپنے نظام شمسی کے آفتاب کے گرد اگرد اپنے مسیر یا مدار (orbik) پر ایک چکر پورا کر لیتی ہے اسے زمین کی سالانہ چال کہتے ہیں۔

گرچہ فاضل مضمون نگار نے گردش زمین کی بجائے گردش آفتاب کی بات کی ہے لیکن عام قیاس کے مطابق روز وشب کے برپا ہونے اور قطبین پر روز وشب کی طوالت پر اس مفروضے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ علم ہیئت وعلم ریاضی کے اصولوں کی مدد سے حضرت امام رضا کے فتویٰ کی وضاحت اور تشریح عام فہم ہوگئی ہے۔

اگلا مضمون ماہنامہ اشرفیہ کے شمارہ مارچ ۱۹۹۷ء کے صفحات کی زینت بنا تھا اس کا عنوان ہے'' کلک رضا کی خلائی پیائش'' یہاں بھی فاضل مضمون نگار کی ہیئت دانی کا وافر ثبوت ملتا ہے۔ یہاں نماز عصر کے مستحب اور مکروہ وقت سے متعلق حضرت امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے اعتراض کا شافی وکافی جواب تحریر فرمایا گیا ہے۔ یہاں بھی حضرت امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد واصدق تلمیذ ہونے کا ثبوت ملتا ہے دلائل کی بنا پر معترض کو قائل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی ہے۔

اسی طرح ایک مضمون کا عنوان ہے: ''علم ھندسہ پر امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نقد ونظر'' علم ریاضی کے شعبہ ہندسہ و حساب کو ہر دور میں قبول عام حاصل رہا ہے ان اصولوں کو کبھی چیلنج نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے اصول وقواعد کی صداقت وصفائی اتنی واضح (fool proof) ہیں کہ مبتدی بھی ان کی فہمائش پر قادر ہو جاتا ہے لیکن ماہر ریاضی داں حضرت امام عالی مرتبت نے اس علم واضح کے بعض اصول پر جرح وتنقید فرمائی اور ایسی مستحکم تنقید کہ ماہرین ریاضی داں بھی ان اعتراضات کے تشفی بخش جواب سے قاصر رہے۔ امام موصوف کے اعتراضات کو جناب خواجہ نے صراحت وترتیب کے ساتھ پیش کر کے اس علم خاص میں اپنی گرفت کا ثبوت دیا ہے۔

''اجسام میں قوت کشش کا کرشمہ'' ان کے اگلے مضمون کا عنوان ہے۔ یہاں پر معروف سائنس داں سر آئزک نیوٹن کے اصول کشش یا قوت جاذبہ (gravitation theory) کی بحث آئی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے قوت جاذبہ سے متعلق جدید تسلیم شدہ سائنسی نظریات کی ترمیم اور اضافے میں حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ کشش کی قابل قبول اور تشفی بخش تائید قلم بند کی ہے۔

مذکورہ بالا مضمون کو وسعت دیتے ہوئے دوسرا مضمون تحریر فرما کر عنوان قائم کیا: ''فضائے بسیط میں رائی کا دانہ اور پہاڑ کی چٹان'' یہاں فضائے بسیط میں موجود اجرام سماوی (Heavenly Bodies) کے مابین قوت کشش یا قوت جاذبہ (Power of attraction) اور قوت نافرہ (Power of pepulsin) کے اصول و ضوابط اور ان کی کارفرمائیوں کا محاسبہ پیش کیا گیا ہے۔ مضمون میں ''امام احمد رضا اور الجبرا'' نامی رسالے کے مخطوطات کو عام فہم زبان میں تحریر ہوئے ہیں۔ علم فلکیات اور میدان علم ہیئت میں ابتدائیاً غورث کے بنیادی اصولوں پر گفتگو کرتے ہوئے ان اصولی کشش اور اس کے ہم نوا کوپرنیکس اور گیلی لیو وغیرہ کے پیش کردہ اصولوں کا ذکر ہوا ہے۔ پھر حضرت امام رضا کے قوت جاذبہ اور قوت نافرہ کے اصولوں پر ارشادات گرامی کی معقول و متناسب وضاحت پیش کی گئی ہے جو عوام الناس کیلئے قابل فہمائش ہو گئے ہیں۔

سمت قبلہ سے متعلق فاضل بریلوی کے فتاوے کی قلم کاریاں اور بے مثل منطقی دلائل پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ جلد سوم باب القبلہ میں درج ہیں۔ فقہ و ہیئت کی مختلف کتابوں کے حوالے سے ان امور و نکات کو پیش کیا گیا ہے اور پھر افادہ رابعہ کے عنوان سے دائرۂ ہندیہ علی گڑھ کے تقریبی سمت قبلہ کا استخراج فرما کر علی گڑھ کے عنوان سے تحقیقی سمت قبلہ کی بحث پیش ہوئی ہے۔ کوشش کی ہے اور یہ عنوان ''ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال'' اسے منظر عام پر لایا ہے۔

حضرت فاضل بریلوی نے غروب آفتاب پر افق کی بلندی و پستی کے اثرات کو علم ہندسہ و ہیئت کے ذریعے سائنسی انداز میں پیش کیا تھا جو فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں ص ۶۴۸ تا ص ۶۵۰ درج ہے۔ سطح سمندر سے بلندی و پستی کے تناسب میں غروب آفتاب کے اوقات میں فرق پڑتا ہے۔ فتویٰ مذکور کو خواجہ صاحب نے سہل زبان میں پیش کیا اور اس کا عنوان رکھا ''نزول افق کا گم شدہ فارمولا'' جدید تحقیقات فاضل بریلوی کے اس فتوے کی درستگی کا اقرار کرتے ہیں۔

ایک مضمون کا عنوان خواجہ صاحب نے ''علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد'' مقرر کیا اس مضمون میں سطح زمین کے رقبہ اور جسم کی کمیت وغیرہ کے باریک طبیعاتی نکات کی وضاحت کی گئی ہے اور علم الابعاد والاجرام میں فاضل بریلوی کی دسترس و مہارت کاملہ کو روشن کیا گیا ہے۔ فاضل مضمون نگار کو بھی اس فن خاص میں ید طولیٰ حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ فن مذکور میں امام بریلوی کے تفرد اور تخصص کی تعیین میں کامیاب ہوئے ہیں۔

''لوگارثم کی حقیقت و معرفت، ایک تحقیقی مطالعہ'' عنوان کے تحت جو مضمون خواجہ صاحب نے قلم بند کیا ہے وہ موضوع

کے اعتبار سے نہایت اہم تو ہے ہی لیکن خواجہ صاحب کے ادیبانہ وشاعرانہ انداز بیان نے اسے دوآتشہ بنادیا ہے۔ مضمون کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم لیکن زبان وبیان کی لطافت وشیرینی دامان قلب وذہن کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ابتدائی جملے ملاحظہ فرمائیں:

علم ریاضی جو مدارج علوم میں مابعد الطبیعات اور قبل الالٰہیات کا درجہ رکھتا ہے حکمت وفلسفہ کا وہ حصہ ہے، جس کے بغیر انسانی حیات کا ہر گوشہ تاریک اور ہر پہلو ناتمام رہتا ہے۔''

اس مضمون میں موصوف نے علم ریاضی کے ایک نہایت اہم اصول ''لوگارثم'' کی حقیقت ومعنویت اور افادیت پر ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ فن حساب میں لوگارثم (لوگارِقم) کی دریافت سولہویں صدی کے معروف سائنس داں نیوٹن نے کی تھی۔ اس نے اصول کشش (Theory of gravitation) پیش کر کے تسلیم ومروجہ اصول کی دھجیاں اڑادیں اور دنیائے علوم میں تہلکہ مچادیا تھا منطق فلسفہ پر تجربہ شدہ اس اصول کو دانش وران عصر نے بہ سروچشم تسلیم کرلیا تھا۔ بعدۂ انگریزی زبان میں جدولہائے ریاضیہ چیمبرس (Chamber's Mathemetis Tables) کی اشاعت ہوئی۔ اس جداولہائے ریاضیہ کا انگریزی سے اردو زبان میں فاضل بریلوی نے ترجمہ کرایا اور اس پر جابجا حاشیوں کے اضافے فرمائے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان سے یہ ترجمہ بہ عنوان ''رسالہ درعلم لوگارثم'' شایع ہو چکا ہے۔ امام رضا نے فتاویٰ رضویہ میں بہت سارے مقامات پر لوگارثم کے اصول کا استعمال کیا ہے۔ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کے اس مضمون نے علم خاص لوگارثم سے دلچسپی رکھنے والوں کی بہت ساری الجھنوں کو دور کردیا ہے اور ذہنوں کو جلا بخشی ہے۔

اپنے مضمون بہ عنوان ''زبدۃ التوقیت مسمیٰ بہ فوائد التوقیت'' میں خواجہ صاحب نے مقامی ملکی اور بین الاقوامی اوقات کی تعیین کے اصول کی صراحت و وضاحت پیش کی ہے۔ راقم السطور کو ۵۶-۵۷ سال قبل اپنے دور طالب علمی کے دسویں وگیارہویں جماعتوں (۵۹-۱۹۵۷ء) میں ایک جغرافیہ داں ماہر استاد کی مشفقانہ رہبری حاصل ہوئی تھی۔ موضوع زیر بحث کے چند اسباق ماضی کی دھندلی یادوں کی بنا پر مضمون حاضر کو سمجھنے میں یک گونہ روشنی وآسانی میسر ہوئی ہے۔ ایسا ہے کہ کرۂ ارض کے قطبین یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی کو ملانے والی مفروضہ لکیروں کو طول البلد (Longitude) کہا جاتا ہے۔ انگلینڈ کے مقام گرین وچ (Greenwich) سے گذرنے والی شمالی وجنوبی قطبین کو ملانے والی فرضی لکیر کو صفر ڈگری (0^0) تسلیم کیا جاتا ہے اسے ہی نصف النہار اعظم یا (Frime Meridian) کہتے ہیں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے ٹھیک نصف حصہ پر پورب سے پچھم ایک فرضی لکیر ہے جسے خط استوا (Equntor) کہا جاتا ہے۔ خط استوا کو ۳۶۰ (تین سو ساٹھ ڈگری) میں تقسیم کیا گیا ہے اور نصف النہار اعظم کے مساوی ۱۸۰ (ایک سو اسی ڈگری) مغرب کی جانب اور ۱۸۰ (ایک سو اسی ڈگری) مشرق کی جانب فرضی لکیریں ہیں گویا کل 360^0 (380^0) ڈگری طے کرنے میں زمین کو چوبیس گھنٹے لگتے ہیں یعنی ایک گھنٹہ میں

۱۵(15^0)اور ۴ رمنٹ میں ۱°(1^0) کا فاصلہ طے ہوتا ہے۔ان کی مدد سے مقامی وقت کا تعین ہوتا ہے اس طرح کہ صفر ڈگری طول البلد (Longitude) سے ایک ڈگری کے فاصلے کو طے کرنے میں زمین کو چار منٹ کا وقت لگتا ہے اور پندرہ ڈگری کی دوری طے کرنے میں ایک گھنٹہ کا فرق ثابت ہے۔

فاضل مضمون نگار نے عالمی وقت اوسط (Greenwich Mean Tine=GMT) پھر کسی ملک کے خاص معیاری وقت (Standard Time) اور پھر مقام مخصوص کے وقت یا لوکل ٹائم (Local Time) کے تعین کے اصول و طریقہ کے ساتھ دن اور رات کی تنگی وفراخی کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں اور بڑی سادگی کے ساتھ اپنی بات پیش کردی ہے۔

آخری مضمون کا عنوان ہے ''امام احمد رضا قدس سرہٗ کے غیر مطبوعہ رسالہ جبر ومقابلہ کا ایک صفحہ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی پاکستان کے نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں امام احمد رضا کے غیر مطبوعہ رسالہ جبر ومقابلہ کے ایک صفحے کا قلمی عکس شائع ہوا تھا۔فاضل مضمون نگار نے اس شکستہ خط و بوسیدہ صفحہ کے عکس کو صاف کر کے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

علم ریاضی کائنات کے جملہ شعبوں پر حاوی ہے اور تمام علوم پر علم ریاضی کا راج ہے اسی علم ریاضی کی ایک مضبوط شاخ جبر ومقابلہ (Algebra) ہے۔فن ارثماطیقی (Arithmetics) کی بالادستی مسلم ہے لیکن بعض مقامات پر ایسے مسائل آجاتے ہیں جہاں اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور وہ مجبور و بے بس نظر آتا ہے جبکہ جبر ومقابلہ اس مسئلہ کو آسان بنادیتا ہے۔ جبر ومقابلہ کے واقف کار خواجہ صاحب نے بجا فرمایا ہے یہ فن (جبر ومقابلہ) اپنی اصابت فکری اور وسعت علمی کی وجہ سے مہندسین (Engineers) کی حیات کا ایک لاینفک جزو ہے مضمون نگار نے صفحہ مذکورہ کے بعض پیچیدہ مقامات ونکات کی تشریح کر کے نہ صرف ناآشنایان فن کی واقفیت کا سامان فراہم کیا ہے بلکہ رہ نوردان میدان علم جبر ومقابلہ کی دل چسپی کے مواد کی فراہمی کے ساتھ مسئلہ کی پیچیدگی کے پیش نظر امام رضا کے فرمودہ اصول جبر ومقابلہ کی پیروی کے اشارے بھی ہیں تا کہ ان کے حاصل معلوم کرنے میں آسانی ہو جائے۔راقم کی رائے میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرنا زیادہ سومند ہوگا۔فقط

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: علوم اعلیٰ حضرت کے اکلوتے وارث

مفتی محمد ممتاز احمد مصباحی پرنسپل شمس العلوم گھوسی

دور حاضر میں محقق عصر، یگانہ روزگار حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ پورنوی زیدت مکارمہم شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد اپنی علمی سطوت، فنی مہارت علوم متداولہ پر کنٹرول کی بنا پر خواجہ علم وفن اور جودت ذہن، جولانی طبع، اصابت فکر، عمدہ قوت استخراج اور ندرت استدلال کی بنا پر خیر الاذکیاء کہلاتے ہیں۔

آج کے زمانہ میں القاب وآداب کا بازار گرم ہے، لوگ اپنے اپنے ناموں کے ساتھ بڑے بڑے القاب جوڑ رہے ہیں اور ارادتمندوں اور تملق بازوں کی تو پوچھئے مت! وہ اپنے مرکز عقیدت وارادت یا ممدوح کو صرف جوش عقیدت یا بغرض جلب منفعت بھاری بھرکم القاب دینے میں ایسی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ القاب وآداب کی حرمت اپنی پامالی پر آنسو بہاتی ہے۔ مگر حضرت خواجہ صاحب پر خواجہ علم وفن اور خیر الاذکیا کا لقب پورے طور پر فٹ ہے۔ وہ واقعی ان القاب کے حقدار ہیں۔ نابغۂ روزگار علما ومشائخ، ارباب نقد ونظر اور صاحبان فہم وفراست بلا تکلف وبلا تامل خواجہ صاحب کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شمار ہند وپاک میں چوٹی کے علمائے اہل سنت میں ہوتا ہے۔ وہ دور حاضر کے مایہ ناز محقق، عبقری صفت معقولی اور بعض علوم اعلیٰ حضرت کے اکلوتے وارث ہیں۔

عمومی طور پر افادی ذرائع ابلاغ تین ہیں۔

(۱) تقریر (۲) تحریر (۳) تدریس

خواجہ صاحب کو تقریر سے کوئی خاص دلچسپی نہیں البتہ تحریر، مقالہ نگاری اور خطوط نویسی سے خاصا شغف ہے۔ آپ کی تحریریں نہایت علمی وقعت کی حامل ہوتی ہیں۔ آپ کے مقالات ومضامین نہ یہ کہ صرف مدلل ہوتے ہیں بلکہ اپنی گہرائی وگیرا

ئی کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتے ہیں۔

افادی ذرائع میں سب سے مشکل اور معتبر ترین ذریعہ درس وتدریس ہے۔یہی وجہ ہے کی حضرت خواجہ صاحب نے اپنی تو جہات اور ترجیحات کا مرکز درس وتدریس ہی کو بنایا۔موصوف درس وتدریس کے بادشاہ ہیں۔ایک فرض شناس اور درس نظامیہ پر اعلیٰ درجہ کا استحضار رکھنے والے غیر معمولی مدرس ہیں۔آپ کو تدریسی عمل کا زبردست تجربہ ہے اوران کا یہ تجربہ بہت وسیع اور کشادہ ہے۔تقریباً ساٹھ سال سے درس وتدریس کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔دقیق سے دقیق تر مسائل علمیہ کو طالبان علوم نبو ت کے اذہان میں اتار دیتے ہیں۔آپ کو مطالب علمیہ کی تفہیم میں جو کامل دستگاہ حاصل ہے،وہ شاید وباید کہیں اور نظر آئے۔آپ کی تدریس کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے والے نامور علما واساتذہ کی ایک طویل قطار ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ہم اہل سنت کے سروں پر حضرت خواجہ صاحب کا سایۂ عاطفت بصحت وسلامتی تادیر قائم رکھے۔آمین

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

اعلان

قارئین کرام! یہ بات قابل ذکر معلوم ہو رہی ہے کہ امام علم وفن نمبر کا کام حضرت خواجہ علم وفن کی حیات ہی سے جاری تھا اس لئے ان کی حیات ہی سے مضامین ومقالات موصول ہونے شروع ہو گئے تھے۔اسی درمیان حضرت امام علم وفن کا وصال ہو گیا تو کچھ مضامین وصال کے بعد بھی موصول ہوئے حیات اور بعد وصال کی تحریروں میں جو فرق ہونا چاہئے وہ اس مضمون میں آپ کو پڑھنے کو ملیں گے۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے بعض مجبوریوں کے تحت کچھ مضامین اس نمبر میں شامل نہیں ہو سکے انشاء اللہ انہیں قارئین المختار کے مختلف شماروں میں ملاحظہ کریں گے۔

ادارہ

امام علم وفن: بحیثیت مظہر اعلیٰ حضرت

مولانا انیس عالم سیوانی لکھنؤ

یوں تو ہر زمانے میں علما ہوئے ہیں ایک سے بڑھ کر ایک عالم وفاضل، منطقی وفلسفی۔ لیکن بعض کو اللہ نے جامعیت اور تمامیت سے نوازا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی کو رب العزت نے ہمہ جہت بنایا۔ دینی، عصری، پچاسوں فنون پر اعلیٰ حضرت کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ بظاہر وہ ایک مولانا، مفتی اور صوفی تھے، لیکن حقیقت میں مولانا و مفتی کے ساتھ ساتھ وہ ریاضی داں بھی تھے۔ ماہر ارضیات بھی تھے۔ ماہر اقتصادیات بھی تھے۔ معقولی بھی تھے۔ منقولی بھی تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سوانح نگاروں نے متفقہ طور پر پچاس سے زائد علوم وفنون پر مہارت تامہ کی بات کہی ہے۔ مشہور ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں

"فاضل بریلوی نے علوم درسیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی تحصیل کی اور بعض علوم کی تو خود آپ کی طبع سلیم نے رہنمائی کی ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد ۴۵ ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) علم القرآن (۲) علم الحدیث، (۳) اصول حدیث (۴) فقہ (جملہ مذاہب)، (۵) اصول فقہ (۶) تفسیر (۷) عقائد (۸) کلام (۹) جدل (۱۰) معانی (۱۱) بیان (۱۲) بدیع (۱۳) منطق (۱۴) مناظرہ (۱۵) فلسفہ (۱۶) تکسیر (۱۷) ہیئت (۱۸) حساب (۱۹) توقیت (۲۰) مثلث کروی (۲۱) مثلث مسطح (۲۲) مربعات (۲۳) جفر وغیرہا،

ان علوم وفنون میں بعض خالص دینی موضوعات سے متعلق ہیں۔ ان کے جاننے والے آج بھی بہت سے علما مدارس میں پائے جارہے ہیں لیکن فاضل بریلوی کی شخصیت جن فنون کو محیط تھی وہ فقط دینی اور مذہبی علوم نہ تھے بلکہ ان علوم پر بھی اعلیٰ حضرت کو کامل دستگاہ حاصل تھی جن کا براہ راست دین سے تعلق نہیں ہے۔ ان علوم کے جاننے والے اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی نا کے

برابر تھے۔ اعلیٰ حضرت نے خود جناب خلیفہ تاج الدین کے نام ایک مکتوب میں ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری سے متعلق تحریر فرمایا "علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں" ملک العلما اعلیٰ حضرت کے ان مخصوص شاگردوں میں سے تھے جن کو بارگاہ رضا سے خصوصی فیضان ملا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے کئی علوم کے وہ تن تنہا وارث وامین تھے؛ اور رضویات کے باب میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ امام احمد رضا کے اس سچے روحانی فرزند کے کئی علمی کارنامے ہیں، ان میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلک امام اعظم ابوحنیفہ کی تائید وحمایت میں احادیث مبارکہ کا مجموعہ تیار کیا جو جامع الرضوی صحیح البہاری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اسکے علاوہ ملک العلما نے رضویات پر کام کرنے والوں کو سب سے پہلے راستہ دکھایا۔ حیات اعلیٰ حضرت چار جلدوں میں لکھ کر فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت کو اجاگر کیا۔ اعلیٰ حضرت کے تمام تلامذہ میں ملک العلما کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ ملک العلما اعلیٰ حضرت کو صرف استاذ ہی نہیں اپنا ماویٰ و ملجیٰ مانتے تھے اور اعلیٰ حضرت اپنے اس چہیتے شاگرد پر بے پناہ اعتماد فرماتے تھے۔ بعض جن عصری علوم وفنون کی نسبت اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی ہے، اعلیٰ حضرت کے بعد ان علوم کے جاننے والے ملک العلما ہی تھے۔ ملک العلما کی تصنیفات جس طرح لاجواب ہیں اسی طرح جن لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا وہ بھی بے مثال ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے عصری علوم کو اعلیٰ حضرت کے بعد ملک العلما اور موجودہ دور میں ملک العلما کے نامور شاگرد، اہلسنت کے مایہ ناز عالم، علوم عقلیہ کی زلفیں سنوارنے والے، بڑے بڑے مناطقہ وفلاسفہ کی غلطیاں درست کرنے والے، عقل وخرد کو نئی جہتیں عطا کرنے والے، باریکیوں اور گہرائیوں کی پرتوں میں جھانکنے والے، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی کی شخصیت ہے۔ اہل علم کا کوئی بھی فرد خواجہ صاحب کی علمی صلاحیت، فنی حذاقت کا انکار نہیں کرے گا۔ جماعت علما میں یہ ایک ایسا نام ہے کہ جب لوگ سنتے ہیں تو اس کی علمی شان وشوکت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اور اس کی فنی وتحقیقی عظمت کے آگے جبین عقیدت جھکا دیتے ہیں۔ لاینحل مسائل اس کے یہاں پلک جھپکتے حل ہو جاتے ہیں۔ اس کے نوک قلم کا ہر جملہ تحقیق وجستجو کا ایک نیا باب قائم کرتا ہے، اور عقل وخرد اور دانش وبینش کو مہمیز لگاتا ہے۔ اس کی زبان وقلم کی گوہر افشانیاں علمائے تحقیق کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

خواجہ صاحب کا نام علمی دنیا میں جس عظمت اور احترام کیساتھ لیا جاتا ہے وہ ان کا حق ہے۔ اُن کا علمی مقام ومنصب اتنا بلند ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ایک بہت بڑا طبقہ خواجۂ علم وفن کی تحقیق اور رائے کو آخری فیصلہ تصور کرتا ہے۔ ان کی رائے جدھر ہوتی ہے اسے صحیح تسلیم کرلیا جاتا ہے اور جس بات کی وہ تردید کرتے ہیں اس کے لئے اپنے حق میں مُسکت دلائل رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں بریلوی کے بہت سے عصری علوم کی محافظت اور تشہیر خواجۂ علم وفن ہی کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ اس کا اندازہ ان لوگوں کو ہوگا جنہوں نے خواجۂ علم وفن کے مضامین اور مقالات کا مطالعہ کیا ہوگا۔

خواجہ صاحب کی کوئی مستقل تصنیف تو راقم کی معلومات میں نہیں ہے، لیکن آپ کے دسیوں مقالات کے مطالعہ کا اتفاق

ہوا۔ اُن مضامین کو پڑھتا جاتا اور یہ سوچتا کہ آخر ان علوم سے ایک مولوی کا کیا لینا، دینا؟ ایک مذہبی عالم، مدرسے کے پروردہ نے ان علوم کو کیسے جان لیا کہ زمین میں کشش ہے یا سورج میں؟ زمین اور چاند و سورج کا فاصلہ کیا ہے؟ خلا میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں پہاڑ اور رائی کے دانہ کا وزن یکساں ہو جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ سب کچھ فیضان اعلیٰ حضرت کی کرامات ہیں جن کا ظہور امام علم وفن کے ذریعہ بواسطۂ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کے ہو رہا ہے۔

علما کے لئے حفظ آیات واحادیث کا مرحلہ کسی حد تک آسان ہے۔ آیات کی شان نزول اور تفسیر و تاویل، احادیث پیمبر کی لفظی اور معنوی حقیقت، احکام ومسائل، عقائد وکلام کا جاننا بایں طور قدرے سہل ہے کہ ان کے یہی موضوعات ہیں جن کی روزانہ تلاوت ہوتی رہتی ہے لیکن ایک مولوی کا ریاضی، حساب، الجبرا اور جومیٹری، ہیئت اور توقیت، جفر اور مقابلہ سے کیا تعلق ہے؟ یہ تمام علوم آج کے دور میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اہم موضوعات ہیں، وہ تمام علوم جن کو دانشور حضرات اپنی جاگیر سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ علمائے دین کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ ایسے وقت میں ایک بوریہ نشین، احکام شرعیہ سنانے والا عالم باعمل شخص نے اس طرح قلم اٹھایا کہ بڑی بڑی عقلوں والے دنگ رہ گئے۔ چرب زبانوں کی زبان پر تعطل کے تالے پڑ گئے۔ وہ بوریہ نشیں، عالم ربانی کون؟ عاشق شہہ ابرار امام احمد رضا خان!

آج امام احمد رضا کی علمیت، معنویت اور ان کی شخصیت کی معرفت کے حصول کے لیے ایک اور امام، امام علم وفن کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت نجوم ورمل، تکسیر وجفر کے رازداں تھے تو اس کو دلائل وبراہین سے ثابت کرنے کے لئے امام علم وفن کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت کو ریاضیات، ہیئت، توقیت، جبر ومقابلہ اور مناظر ومرایا میں مہارت تامہ تھی تو آپ کی اس تہ دار شخصیت کے افہام وتفہیم کے لئے ہم مجبور ہیں کہ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی طرف رجوع کریں۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امام علم وفن نے اپنی علمی صلاحیت اور زمانے کے اعتبار سے بہت کم لکھا۔ اتنے بڑے ماہر فن کی قلمی کاوشوں کو جمع کیا جائے تو چند سو صفحات کے متفرق مضامین حاصل ہوں! جب کے آج کا دور عجلت پسندی اور برق رفتاری کا دور ہے۔ آج قلت وکثرت کے تفاوت کو بھی وجہ امتیاز مانا جا رہا ہے، اسی لئے بہت سارے جاہ پرست دولت کی بدولت کثیر التصانیف سمجھے جانے لگے ہیں۔ آج لایعنی باتوں اور رطب ویابس کو اس طرح سجا دھجا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ صحیح اور غلط کی پہچان مشتبہ ہوگئی ہے۔ کوئی قصے اور کرامات لکھ کر مصنف بن رہا ہے۔ کوئی کتابوں کے ترجمے نقل کر کے مترجم زمانہ کہلا رہا ہے۔ کوئی اپنے شیخ کی سچی، جھوٹی کرامتیں قلمبند کر کے ٹائٹل پیج پر اپنا نام دیکھ کر خوش ہو رہا ہے، تو کوئی تقدیم اور چند سطور کی حواشی تحریر کرنے کو ہی دلیل عبقریت گمان کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ سب باتیں عام سی ہیں۔ ان کے لئے بہت زیادہ قابلیت درکار نہیں جب کہ جن موضوعات پر امام علم وفن نے قلم اٹھایا ہے، ان موضوعات پر ایک مختصر مضمون تحریر کرنے کے لئے بھی کوہ کنی درکار ہوتا ہے۔ امام علم وفن کے یہاں قلت وکثرت کا اعتبار نہیں ہے، کوالٹی ہے۔ آپ کا ایک مضمون دوسروں کی درجنوں کتابوں پر بھاری اور اہم ہے۔ ان

مضامین کی قدر وقیمت کا اندازہ اس وقت ہوگا جبکہ کوئی بڑے سے بڑا بقراطِ زمانہ اس وادیٔ پُرخطر کی سیر کو نکلے گا۔

امام علم وفن کا جو علمی منصب ہے مذہبی دنیا اور اہل مدارس اس کے معیار اور قدر کا صحیح تعین نہیں کر سکتے۔ خواجہ صاحب کے مضامین اگر انگریزی زبان میں ہوتے تو ان کا ہر مضمون عصری دانشگاہوں میں مطالعہ اور تحقیق کی زینت بنتا۔ یونیورسٹیاں ڈاکٹریٹ کی اعزازی سندیں تفویض کرنے پر فخر محسوس کرتیں۔ محققین زمانہ آپ کے اقوال کو ذریعہ تحقیق بناتے۔

دراصل امام علم وفن حقیقت نگاری اور تعقل پسندی کا دوسرا نام ہے۔ آپ جن مضامین پر قلم اٹھاتے ہیں ان کا پورا حق ادا کر دیتے ہیں۔ آپ کے مضامین میں آپ کی پوری شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ آپ اپنی زندگی اور عبقریت کا احساس دلاتے ہیں۔ صرف دوسروں کے بیان پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ شعور وآگہی کی منزلوں کو عبور کرتے ہیں۔ عصری علوم میں تقلید واتباع کے بجائے تحقیقی وتفتیشی عمل کو بروئے کار لاتے ہیں۔ آپ کے مضامین خالص تحقیقی ہونے کے باوجود زبان وادب سے لبریز ہوتے ہیں۔ مشکل ترین مسائل پر قلم چلتا ہے پھر بھی شگفتگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ زبان کی چاشنی اور بیان کی لطافت قاری کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور مجبور کرتی ہے کہ میلان طبع اُدھر ہو۔

امام علم وفن کے تحریر کردہ مضامین ومقالات میں ایک مقالہ، امام احمد رضا اور علم جفر ہے، اس مضمون کے آغاز میں آپ تحریر کرتے ہیں:

> ”علم کے نام پر زلف گیتی کے پیچ وخم درست کرنے والوں سے قطع نظر پہلے طبقہ کے حضرات، علم وآگہی کے جہان نو پیدا کرتے رہے۔ نفع وضرر سے بے نیاز، حکمت ودانائی کے چراغ روشن کرنے اور فکر وفن کے گیسو سنوارنے میں مصروف رہے۔ آج بھی ان کے افکار کی نکہتیں علمی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں۔ ان کی نکتہ رسی کی کہکشاؤں سے آسمان علم وادب تابندہ ہے۔ ان کی دیدہ روی کے فیضان سے فکر وفن کی انجمن آباد ہے“۔

اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

> ”جب ہم بنی نوع انسان کی اس ذریں تاریخ کے مزید چند اوراق الٹتے ہیں تو عہد قریب میں ہمیں ایک ایسی شخصیت جلوہ ساماں نظر آتی ہے، جو ایک طرف ائمۂ اسلام کی ہمدم وہمراز، ان کی ذہنی بصیرت ومذہبی شعور سے آگاہ؛ اور غزالی ورازی کے اسرار سے باخبر ہے، تو دوسری طرف ابن سینا، فارابی اور بطلیموس کی تحقیقات سے کھیلتی، ابن ہیثم، ارشمیدس اور ثاوذوسیوس کی ریاضیات سے مسکرا کر باتیں کرتی، آئن اسٹائن اور گلیلیو کے نظریات کا تعاقب کرتی، ٹوری سیلی اور نیوٹن کے کلیات کے پرخچے اُڑاتی، ساتھ ہی لیوازیلے کے کیمیائی اکتشافات کی تشریح کرتی نظر آتی ہے“۔

ان جملوں کی شفافیت، اتار چڑھاؤ، حسن ترتیب، سلاست وروانی، اور خوش گفتاری یہ بتارہی ہے کہ امام علم وفن، فنون کی

باریکیوں کو بھی خوبصورت انداز بیان اور دلچسپ انداز تحریر سے پُرکشش بنا سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ علوم اسرار میں بھی پوری مہارت وقدرت حاصل تھی۔اس سلسلہ میں امام علم وفن حضرت خواجہ صاحب اپنے تمہیدی کلمات میں علوم کی تعداد پر مختلف آرا نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ظہور وخفا کے اعتبار سے علوم کی چند قسمیں ہیں (۱) علوم جلیہ (۲) علوم خفیہ

پھر علوم خفیہ کی دو قسمیں ہیں (ا) مستحب الکتمان (ب) واجب الکتمان۔

وہ علوم متداولہ جو مدارس ومجالس سے اکتساب کیے جاتے ہیں اور شائع وذائع ہیں، وہ علوم جلیہ ہیں۔ اور وہ علوم جنہیں علما وعرفا عامیوں سے مستور رکھتے ہیں، وہ علوم خفیہ ہیں۔ ان میں علم جفر واجب الکتمان ہے۔ علم جفر کے بارے میں عالم علوم الاسرار شیخ محی الدین بن عربی فرماتے ہیں: جو اس گوہر نایاب کو حاصل کرلے اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہئے اور لوگوں سے اسے پوشیدہ رکھنا چاہئے ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار اور ایمان سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔" پھر لکھتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ علم جفر علم لدنی میں سے ہے جس کا اکتساب نہ مکاتیب ومجالس سے ہوسکتا ہے نہ مدارس و محافل سے ممکن ہے۔ البتہ اگر کوئی صاحب نظر التفات فرمائے یا براہ راست رحمتِ الٰہی مائل بہ کرم ہوجائے تو اس علم شریف کا حصول ہوسکتا ہے۔: آگے لکھتے ہیں:

"علم جفر دراصل سائل کے سوال کے حروف کو ایک خاص انداز میں ترتیب وتقلیب کرنے کا نام ہے۔ اس مخصوص تقلیب اور اُلٹ پھیر میں کہیں مخض، ترقی، ترفع، مد، کی مساوات طرح وصفی، اور کہیں بسط، بسط الممخض، طرح البسط، طرح الطبع نیز کہیں زبر وبینات، مداخل، مدات اور کہیں بطون سبعہ کا عمل کرنا پڑتا ہے۔"

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

علم جفر میں حروف کی ابجد میں اٹھائیس عدد ہیں اور پھر صفات کے اعتبار سے اس کی متعدد اصناف ہیں۔

پھر آگے تحریر کرتے ہیں:

اس علم شریف کے بارے میں مابین جفار یہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو یہ علم بخشا پھر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ آخر میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے مولیٰ علی کو ملا۔ ان کے توسط سے ائمہ اہل بیت کو عطا ہوا اور سیدنا امام جعفر کے ذریعہ اولیائے عظام، علمائے کرام اور مخصوصین کو یہ علم حاصل ہوا۔ شیخ الاسرار علامہ ابن عربی کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ شیخ کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحہ، شاہ کرمانی اور شیخ سلیم واعظ مصری اس فن کے استاذ مانے جاتے ہیں۔ بعض کتابوں میں امام الاشراقین

افلاطون کو بھی اس فن کا ماہر بتایا گیا ہے.........علم جفر کے باوثوق تین قاعدے ہیں:
(۱) بدوح بلین (۲) الجفر الجامع (۳) قاعدہ تولید۔

امام علم وفن کے مضمون کے اقتباسات سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ خواجہ صاحب کو جن علوم وفنون پر قدرت حاصل ہے وہ ایسے علوم ہیں کہ علمائے زمانہ کو زیادہ سے زیادہ ان کے نام معلوم ہیں اور بس۔ ان کی حقیقتیں کیا ہیں اس سے لوگ بے خبر ہیں۔ بلاشبہ آپ کے مقالات ومضامین آپ کی جلالت علمی کا گن گا رہے ہیں۔ آپ کی شان عبقریت کا خطبہ پڑھ رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کے مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہونے پر آپ کے مقالات روشن ثبوت ہیں۔ باوجودے کہ خواجہ صاحب ایک مولوی ہیں لیکن ریاضیات میں آپ کی مہارت اس قدر ہے کہ کالجوں کی خاک چھاننے والے بڑی بڑی ڈگریاں لے کر بھی بہت سے حضرات اس مقام تک رسائی نہیں پاتے۔

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کا ایک مقالہ ''اجسام میں قوت کشش کا کرشمہ'' ہے۔ اس مقالے میں آپ لکھتے ہیں:
''فلسفۂ قدیم میں بلا انکار نکیر یہ امر مسلم تھا کہ فلک الافلاک کا مرکز 'مرکز عالم' ہے۔ دنیا کی ساری ثقیل چیزیں بالطبع اسی مرکز کی جانب مائل ہیں۔ یہی طبعی میلان، ثقیل چیزوں کا وزن ہے۔ لیکن آج فلسفۂ جدید نے اس قدیم نظریہ کے خلاف ایک نیا نظریہ پیش کیا کہ: ہر جسم میں دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت طبعی ہے جسے قوت جاذبہ کہتے ہیں۔ مجذوب پر جاذب کی قوتِ جاذبہ جس قوت سے اثر انداز ہوتی ہے وہی مجذوب کا وزن ہے۔ یعنی کسی بھی چیز میں بالطبع مرکز کی طرف میلان نہیں ہوتا جسے ہم وزن کہہ سکیں۔ بلکہ زمین کی قوت جاذبہ کے اثر کا نام وزن ہے۔: اسی مقالے میں آگے لکھتے ہیں

''جو جسم ایسی جگہ ہو کہ اس پر زمین کے جذب اور قمر کے جذب کا اثر مساوی ہو تو وہ نہ زمین کی طرف جائے گی اور نہ قمر کی طرف بھاگ سکے گی۔ اس جسم پر زمین وقمر کا جذب برابر ہونے کی وجہ سے وہاں کشش کا اثر صفر ہو جائے گا اور وہ جسم، زمین وقمر کے مابین معلق ہو کر رہ جائے گا۔ اس مسئلہ کی تفہیم کے لئے سائنس دانوں نے تین باتوں کو مقررات کی فہرست میں درج کیا ہے۔

(۱) چاند اور زمین کا فاصلہ قطر ارض کا ۳۰ گنا زائد ہے۔

(۲) زمین میں چاند کی بہ نسبت مادہ اور اسی لحاظ سے کشش ۷۵ گنا زائد ہے۔

(۳) جاذبیت بحسب مادہ سیدھی بدلتی ہے (جسے نسبت راست کہتے ہیں) اور بہ نسبت مربع بعد بالعکس (جسے نسبت معکوس کہتے ہیں) یعنی جاذب کا جتنا مادہ زائد ہوگا اتنا ہی اس کا جذب قوی ہوگا۔ یہ نسبت راست ہے الخ۔

امام علم وفن نے اس خالص فلسفیانہ بحث کو جیسا عام فہم بنا دیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہ مسئلہ اہل سائنس اور فلسفہ کا تھا

لیکن بارگاہ اعلیٰ حضرت کا فیضان ہے کہ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری کے شاگرد، ٹوٹی چٹائی پر بیٹھنے والے مولوی نے اس بلند مقام کو سر کرلیا۔ پھر آپ نے ان فنون میں تقلید اور اتباع پر ہی اعتماد نہیں کیا، بلکہ خود بھی اجتہاد کیا اور اپنے نظریات وضوابط بیان کئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام علم وفن ان فنون کے جانکار ہی نہیں، ان کی تہوں اور بنیادوں تک سے آگاہ ہیں۔ یہ چیز آپ کو اپنے معاصر علما ہی پر نہیں، بہت سے ان حضرات پر بھی فوقیت دیتی ہے، جنھوں نے اسی دشت کی سیاحی میں عمریں گزار دی ہیں۔

خود تحریر کرتے ہیں:

"بندۂ ناچیز نے بھی اس نظری مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خود ہی دو طریقہ ایجاد کیا ہے جس میں نہ الجبرا کے اصول کے استعمال کی ضرورت اور نہ اس میں طویل الذیل اعمال کی حاجت، بلکہ نہایت ہی سہولت سے نتیجہ تک پہنچا جاسکتا ہے"۔

اس طرح کے اور نہ جانے کتنے علوم وفنون ہیں جن میں آپ کو درک ومہارت ہے۔

امام علم وفن ذاتی طور پر نہایت درجہ خوش اخلاق وزم گفتار ہیں۔ مسکراتا چہرہ، ہونٹوں پر تبسم، منحنی بدن، لمبا قد، صاف رنگ، کھان پان کے شوقین، بات چیت سے بظاہر ایک عام آدمی، لیکن علم وفن کا کوہ گراں۔ زبان کھلے تو بڑے بڑے گوش برآواز ہوجائیں۔ رائے ظاہر کردیں تو مخالف کو زبان کھولنے کا یارا نہ ہو۔ جس مسئلے میں اپنا موقف واضح کردیں اسے فیصلے کی میز پر اعتبار وسند کا درجہ حاصل ہوجائے۔

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین، صرف ایک عالم ومولانا اور مدرس کا نام نہیں، ایک منطقی وفلسفی کا نام نہیں، بلکہ ان سب کے ساتھ ہیئت وتوقیت، جبر ومقابلہ، ہندسہ ومربعات کے اسکول اور مکتب کا نام ہے، ایک مستقل نظریہ فکر کا نام ہے۔

امام علم وفن کی زندگی اور تدریس وتعلیمات کا ایک اہم پہلو رضا شناسی ہے۔ آپ نے اپنی قابلیت وعلمی صلاحیت کے ذریعہ امام احمد رضا کی عبقریت اور ہمہ جہتی کو ثابت کرنے میں بڑی کوششیں صرف کی ہیں۔ اس کوشش میں کوتاہ بینوں نے آپ پر بغاوت کا الزام بھی لگایا۔ مگر سب کچھ برداشت کرکے بھی اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنھوں نے امام علم وفن جیسی باکمال شخصیت کی حیات وخدمات اور کارناموں سے نسل جدید کو آگاہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمات اور علمی کاوشوں کے مقابلہ میں یہ ایک ادنیٰ چیز ہے لیکن یہ بھی ناشکری کے دور میں بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ اکابرین ملت کا سایہ دراز فرمائے اور اس دور پرُ فتن میں ہم سب کو مسلک اعلیٰ حضرت کا وفادار رکھے۔ آج ٹی وی، ٹیلی ویژن کی چمک اور دولت دنیا کی ہوس نے علما کی عظمت اور مدارس وخانقاہ کے تقدس کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ پھر بھی کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں جو اپنے اساتذہ، خانقاہوں اور پیران کرام سے وابستہ ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اعلیٰ حضرت کے علمی جانشین

مولانا محمد فیضان رضا سرور: جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی دامت فیوضہم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی مدح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"رب کریم اپنے فضل وکرم سے جب کسی بندہ کو عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنی رحمت سے اس کو اتنا بخشتا ہے کہ بندے کو تنگئی داماں کی شکایت ہو جاتی ہے۔ امام احمد رضا انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں۔ امام احمد رضا کو قدرت نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتا ہے۔" (تحقیقات علم وفن، ص ۱۰۶)

اور بلا شبہ حق لکھا ہے۔ لیکن! آج ہم انہیں کلمات کو ممدوح (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ) کی بجائے مداح (امام علم وفن) کے لئے استعمال کریں اور 'امام احمد رضا' کی جگہ 'امام علم وفن' کو رکھ دیں تو مبالغہ نہیں، حقیقت کی سچی ترجمانی ہوگی۔ علم وفن کی وہ کونسی شاخ ہے جس پر آپ کی طوطی نہ بولتی ہو؟ ۔ درس نظامی کا میدان ہو یا غیر درس نظامی کا، آج جس طرف بھی نگاہ کیجئے آپ ہی کے جلوے ہیں۔ مدارس میں متداول علوم کے علاوہ ہیئت وہندسہ ہو۔ یا۔ توقیت ومساحت، ارثماطیقی ہو۔ یا۔ جبر ومقابلہ، تکسیر ورمل ہو۔ یا۔ جومیٹری، علم الابعاد ہو۔ یا۔ علم زیج، مثلث کروی ہو۔ یا۔ مثلث مسطح، علم لوگارثم ہو۔ یا۔ مناظر ومرایا، علم الاسطرلاب ہو۔ یا۔ علم الربع المجیب، تقریباً تمام نایاب وکم یاب علوم وفنون پر تنہا آپ دسترس رکھتے ہیں۔

اور یہ سب فیض ہے امام احمد رضا کا جن کے تعلیمی وتحقیقی خوش منظر فضا میں آپ کی پرورش ہوئی۔ یہ سب عطیہ ہے مرشد برحق مفتی اعظم ہند کا جن کے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستار فضیلت سجائی گئی۔ یہ سب کرم ہے کتب رضا کا جن کے باعث آپ نادر ونایاب علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو پھر آپ کو نادر زمن کیوں نہ کہا جائے! جب کہ مروجہ اور غیر

مروجہ ہر طرح کے فنون میں تنہا درک رکھتے ہیں۔ حل المشکلات سے کیوں نہ یاد کیا جائے؟ جب کہ ہر طرح کے اشکالات کا حل آپ ہی کے زیر دست ہے۔ غواص بحر رضویات کا معتبر لفظ آپ پر کیسے منطبق نہ ہو؟ جب کہ کتب اعلیٰ حضرت کے نایاب فنون پر مشتمل قیمتی جواہرات کو آپ ہی کے دست رسا نے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

محققین رضویات کے حق میں ایک امید کی کرن بن کر نمودار ہوئے

رضویات کے حوالے سے بڑے بڑے محققین علم وفن نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کام کرنے والے سبھی حضرات اپنی اپنی جگہ پر علم کے کوہ ہمالہ ہیں، مگر ان صاحبان علم وفضل کو جہاں کہیں اس پر پیچ وادی میں دقت محسوس ہوئی، امام احمد رضا کی تحریروں کو سمجھنے میں جہاں کہیں کوئی پریشانی لاحق ہوئی، جب کوئی **مسئلہ لاینحل** نظر آیا! تو حل المشکلات کے طور پر تنہا آپ نظر آئے۔ امام احمد رضا کی کسی گتھی کو سلجھانے سے سارے علما مایوس ہو گئے تو امید کی آخری کرن بن کر آپ ہی نمودار ہوئے۔ سارے کتب اعلیٰ حضرت کو جانے دیجئے ایک فتویٰ رضویہ کا حال یوں تھا کہ کئی کئی نابغۂ روزگار ہستیوں نے اس کی تخریج وتحقیق میں دن رات ایک کر کے، اپنا سارا اساسۂ فن کی بازی لگا کر بھی جب حصول مقصد میں ناکامی پائی تو امام علم وفن کے سوا کوئی نہیں ملا، جو فکر رضا کے نادر ونایاب تحقیقی جلووں سے دنیا کو منور ومجلی فرمائے۔ ثبوت کے طور پر بس یہ مثال دیکھئے۔ امام علم وفن فرماتے ہیں:

''بندۂ ناچیز بہ سلسلہ علاج بمبئی گیا ہوا تھا، ایک طویل عرصہ گزار کر نا تمام رسائل وجرائد اور خطوں کے جھرمٹ میں ایک رسالہ کا نام 'امام احمد رضا اور الجبرا' بھی ملا۔ اس رسالے کا ناشر، نوری مشن مالیگاؤں، ناسک ہے، اور مؤلف ماہر رضویات عالی جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ہیں۔ اس رسالے کے اندر ایک خط بھی تھا جس میں مرسل نے لکھا تھا کہ رسالہ میں 'فوز مبین' کا ایک مضمون درج ہے۔ آپ اس کی قابل فہم تشریح کر کے کسی ماہنامے میں شائع فرمادیں۔ میں چونکہ قلیل البضاعۃ کے ساتھ ساتھ علیل الطبع بھی تھا، اس لئے اس کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ اور آج جب کہ میں دار العلوم کے ایک کمرے سے منتقل ہو کر دوسرے کمرے میں شفٹ ہونے جا رہا تھا، تو بکھرے ہوئے سامانوں میں پھر وہ رسالہ سامنے آگیا۔ ہم نے اسے نیک شگون سمجھ کر اس کی قابل فہم شرح کرنے کیلئے اپنے آپ کو تیار کر لیا،، (ماہنامہ جام نور، جنوری ۲۰۰۸ء)

اس طرح کی ایک ہی نہیں کئی مثالیں ہیں جنہیں ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

رضویات کے وہ گوشے جو کمیاب ونایاب علوم وفنون پر مشتمل تھے، اور سب کی سمجھ سے باہر، ان کو آپ ہی نے اجاگر کیا ہے۔ یہ سنی دنیا پر آپ کا عظیم احسان ہے۔ اہل علم بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی اس طرح کی تحریروں کو پڑھنا، پھر اس کی قابل فہم شرح لکھ دینا جوئے شیر نکال لانے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مگر حضرت امام علم وفن ہیں جو بہر حال کوہ کنی کر کے جوئے شیر نکال ہی لائے۔ اس لئے ہم یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پارہے ہیں کہ آپ اگر چہ اعلیٰ حضرت نہیں ہیں مگر مظہر اعلیٰ حضرت ضرور ہیں! جن کو ہماری یہ تحریریں حق وصداقت سے دور لگے وہ' تحقیقات امام علم وفن' ہی کو حل کر کے دیکھ لیں۔

لہٰذا اب یوں کہہ لینے دیا جائے کہ فروغ رضویات کی کتاب سے اگر آپ کی تشریحات وتوضیحات اور حل تدقیقات کو نکال دیا جائے تو وہ نامکمل ہی کہلائے گی اور یہ ایسا خلا ہوگا جس کا پر کرنا محال نہیں تو قریب بہ محال ضرور ہے۔

فروغ رضویات میں آپ کے روشن وتابناک اور قابل قدر خدمات آب زریں سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ آپ نے امام احمد رضا کے جس نظریہ کو اپنی تحریر کا عنوان بنایا، اسے علم وفن کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ شاگرد کن کے ہیں؟ حضرت ملک العلما سید ظفر الدین بہاری کے۔ وہ ملک العلما جو امام احمد رضا کے ساختہ وپرداختہ تھے، جان پدر بلکہ از جان بہتر کے لقب سے ملقب تھے۔ اور مرید وخلیفہ ہیں کن کے؟ تاجدار اہل سنت ،غوث زماں، حضور مفتی اعظم ہند کے۔ جو امام احمد رضا کے جگر گوشہ اور جانشین تھے ۔سند حدیث بھی آپ ہی سے حاصل ہے ۔اس طرح امام علم وفن صرف ایک واسطہ سے برکات رضا کے امین ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے یوں تو علما کے مابین متداول وغیر متداول ہر طرح کے علوم وفنون سے اسلام کی خدمت لی۔ مگر جن مٹتے علوم کو مٹنے سے بچایا، جن بے نام ونشان فنون کو ایجاد کیا۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی نے فروغ دے کر بام اوج پر پہونچایا۔ حالاں کہ اس سلسلہ میں بظاہر آپ کا کوئی استاذ نہیں۔ ہاں! امام احمد رضا کی روحانیت کارفرما ضرور رہی۔ چنانچہ کتابوں کا مطالعہ کرتے جاتے اور فیض رضا سے سرشاری ہوتی جاتی۔ خود فرماتے ہیں!

> ہم سنتے آرہے تھے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایسے ایسے فلاں فلاں علوم کے ماہر تھے۔ ان علوم میں ان کی ایسی ایسی فلاں فلاں تصنیفات ہیں۔ اور جب میں مدرس ہوا تو اچانک میرے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ان علوم وفنون کو جس زبان میں مدون کیا گیا ہے، اس زبان کو قدر معتد بہ ہم بھی جانتے ہیں۔ تو کیا سچ مچ ہم اتنے نادان ہیں کہ محنت کرنے کے باوجود بھی ہم نہیں سمجھ سکتے؟ نہیں، نہیں، ہرگز ایسا نہیں۔ یہ خیال آتے ہی ان فنون سے تعلق رکھنے والی کتابوں کی ہم نے تلاش جاری رکھی۔ بالخصوص امام احمد رضا کی تصنیفات کی جستجو کامل رہی۔ بحمدہ تعالیٰ مجھے کتابیں

ملتی گئیں اور ہم محنت کرتے رہے۔ نتیجے میں ہم نے بہت کچھ پایا اور اسے موقع بہ موقع استعمال کرتا رہا۔ اس طرح میری ہمت بڑھتی رہی اور ہم آگے بڑھ کر دوسرے فن کی طرف مائل ہوتے رہے۔ اس طرح بحمدہ تعالیٰ مجھے رب قدیر نے امام احمد رضا اور مرشد برحق غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتیٔ اعظم ہند کے وسیلے سے غوث پاک کا صدقہ عطا فرمایا۔ اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ہیچمداں درس گاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر و مقابلہ، ارثماطیقی، مثلث و مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستیہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظرہ ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد وغیرہ وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا۔ ان علوم فنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں'' (روبرض !اول، ص:۸۲)

''ٹی وی کی تحقیق کی تالیف کے دوران فتاویٰ رضویہ مطالعہ کرتے ہوئے جب میری نگاہ اس عبارت پر پڑی تو: **فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلوة وفی القبلة علیٰ ماذکر العلماالثقات فی کتاب المواقیت وعلیٰ ماوضعولها من ۲الا لات کالربع والاسطرلاب فانها ان لم یفد الیقین تفید غلبة الظن للعالم بها و کافیة فی ذالک** ۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۳ص:۱۷) تو دل میں ایک اشتیاق پیدا ہوا کہ الربع المجیب اور الاسطرلاب کے متعلق جانکاری حاصل کروں۔ اور پھر میں ان دونوں کے تجسس میں لگ گیا۔ بحمدہ تعالیٰ 'جوئندہ یابندہ' کی زندہ مثال کے طور پر مجھے دوایسی کتابوں کا حصول ہوا جن میں سے ایک الربع المجیب اور دوسری الاسطرلاب کے حل کیلئے کافی تھی (ماہنامہ اشرفیہ، مئی ۱۹۹۴ء، ص:۱۲)

آپ کو بریلی، مادر علمی مظہر اسلام اور خانوادۂ رضویہ سے بے حد عشق ہے۔ ایسا ہونا فطری بات بھی ہے کہ انسان کا بچپن جہاں گزرتا ہے اس جگہ سے محبت فطری طور پر عمر بھر قائم رہتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند کی آماجگاہ اور استاذ روحانی امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی جلوہ گاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مضامین محبت رضا سے لبریز ہوا کرتے ہیں۔ مگر آپ محض عقیدت کی رو میں بہہ کر نہیں لکھتے، بلکہ جو لکھتے ہیں وہ حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے۔ بریلی شریف کی علمی وتاریخی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے سوا سو سال میں خانوادۂ عالیہ رضویہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جن کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ اصلاح ظاہر وباطن کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور انشاء اللہ المولیٰ قیامت تک یہ خانوادہ اسی طرح رشد وہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

اصلاح عقائد ہوں۔ یا۔ روحانی پیشوائی، معقولات ہوں۔ یا۔ منقولات، مذہبی میدان ہو۔ یا۔ میدان سیاست ہر جگہ اس خانوادے کے افراد جہاد باللسانی اور جہاد بالقلم کا عظیم فریضہ انجام دیتے نظر آرہے ہیں۔ جب جب اسلام وسنیت پر داخلی یا خارجی کسی قسم کا حملہ ہوا تو ان نفوس قدسیہ نے اپنے خداداد صلاحیتوں کے بل پر دین مصطفی ﷺ کا دفاع کر کے سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثنا کے سچے عاشق اور وفادار ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ آستانہ عالیہ رضویہ کی انہی بے لوث خدمات کی وجہ سے سواد اعظم اہل سنت نے اس کو اپنا مرکز تسلیم کیا ہے" (ماہنامہ اشرفیہ، ستمبر، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۳۱۲)

یوں تو آپ نے اپنے تمام مقالات میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تعریف میں قصیدہ پڑھا ہے، مگر کہیں اس طرح عقیدت ومحبت بھرے انداز میں آپ کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے کہ پڑھنے والے مزید امام احمد رضا کی ذات پر فخر کرنے میں اپنی سعادت مندی سمجھتے ہیں؛ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اتنی عظیم شخصیت کو ہمارے درمیان جلوہ گر فرمایا ہے۔ مگر افسوس! کما حقہ ہم نے آپ کی قدر نہ کی اور آپ کی ذات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ آپ امام احمد رضا کی مدح سرائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

امام احمد رضا کو قدرت الٰہی نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتا ہے وہ کون سا علم ہے کہ رب کریم نے انہیں نہیں بخشا اور وہ کون سا فن ہے جس میں امام احمد رضا کے قلم نے اسرار پنہاں کہ عقد کشائی نہیں کی؟۔ ہم جہاں کہیں بھی دیکھتے ہیں ہر بساط پر ان کا کھنکتا ہوا سکہ نظر آرہا ہے۔ مگر افسوس کہ حوادث زمانہ نے ان کی بیشتر کارناموں کو اپنے دامن میں چھپا کر ہم لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ (تحقیقات امام علم وفن، ص: ۱۰۶)

ایک دوسری جگہ آپ کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان جو اپنی صدی کے مجدد اعظم تھے۔ جب ہم انہیں دیکھتے ہیں تو وہ ہر زاویۂ دید سے ایک بے نظیر شخصیت بن کر سامنے آتے ہیں۔ ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، مثلث کروی، مثلث مسطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ صرف یکتائے روزگار نہیں بلکہ فقید المثال نظر آرہے ہیں۔ امریکی منجم نے جب تمام سیارگان کے اجتماع کے بنیاد پر قیامت کی پیشین گوئی کی، تو اسی بطل جلیل امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے اس کی بنیاد اجتماع سیارگان کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ اور جب دنیا کے آباد اور غیر آباد حصوں کی بات آئی تو سمت قبلہ کے تعلق سے بذریعہ مثلث کروی ایسے ایسے ضابطے وضع فرمائے کہ ہر خشک وتر، دشت وجبل اور صحرا وجنگل

کے لئے 'کشف العلہ عن سمت القبلہ' لکھ ڈالی ۔ یہی نہیں بلکہ بذریعہ زیج علوبین (زحل ومشتری) کے چار قرانوں میں سے یعنی قران اعظم کی بنیاد پر قرب قیامت کی پیشن گوئی فرمادی۔ یہی وہ کمالات تھے جن کی وجہ سے آپ کی صدی کے بڑے بڑے جابر گردن کشاں آپ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے (سالنامہ تجلیات رضا ۲۰۰۲ء)

علما و مشائخ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ دن رات کی ساعتوں میں سے ایک ساعت ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس کو خدائے پاک نے اجابت دعا کے لئے خاص فرمالیا ہے۔ البتہ وہ مبارک گھڑی مقامات اور اوقات کے لحاظ سے جداگانہ ہوتی ہے۔ ستارہ شناس حکمائے اسلام نے بڑی تحقیق وجستجو کے بعد یہ پتہ لگالیا ہے کہ دعا کی قبولیت کا وقت اس گھڑی ہوتا ہے جب 'ستارۂ کف الخضیب' کسی مقام کے دائرے نصف النہار پر پہونچتا ہے۔ مگر یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ 'ستارۂ کف الخضیب' کسی مقام کے دائرے نصف النہار پر کب پہونچتا ہے؟ دن میں۔ یا۔ رات میں، صبح میں۔ یا۔ شام میں۔ پھر یہ کہ جس وقت یہ ستارہ دائرۂ نصف النہار تک پہونچتا ہے اس وقت مروجہ ٹائم کیا ہوتا ہے؟۔ حکمائے اسلام نے اس کا اجمالی طریقہ بتایا ہے اور امام احمد رضا نے نفیس انداز میں اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ پھر بھی یہ کسی معمولی حساب داں کے بس کا روگ نہیں کہ قلم وقرطاس لے کر بیٹھے اور مدعا حاصل کرلے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے روحانی فیض سے بہرہ مند امام علم وفن نے اسے بھی اپنے قلم رو سے باہر نہیں رہنے دیا۔ فرماتے ہیں:

"عرس رضوی کے موقع پر ملک کے طول وعرض سے لاکھوں لاکھ کی تعداد میں لوگ کھینچ کر بریلی شریف کی مقدس سرزمین پر حاضر ہوتے ہیں اور اپنی اپنی مراد کو پانے کیلئے آستانۂ اعلیٰ حضرت کے واسطے سے بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہیں۔ اگر زائرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ عرس رضوی ۱۴۲۱ء میں 'کف الخضیب'، بریلی شریف کے دائرۂ نصف النہار پر کس وقت پہنچے گا؟ تو زائرین جہاں کہیں اعلیٰ حضرت اور غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں وہاں اگر اس وقت خاص کا بھی خیال رکھیں تو سونے پر سہاگہ کا عمل کرے گا۔ اس لئے ہم نے مناسب جانا کہ ۲۵ ر صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰ ر مئی پورے ۲۰۰۰ء روز سہ شنبہ کو بریلی شریف کے دائرۂ نصف النہار پر 'کف الخضیب'، کو پہونچنے کا وقت نکال کر شائع کردیا جائے، تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوسکیں۔ زائرین کو چاہئے کہ نہادھوکر، پاک وصاف کپڑے پہن کر، عطر وخوشبو مل کر وقت معہودہ سے ۲۰/۱۰ منٹ پیشتر دو رکعت نفل ادا کریں، اور پھر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ غوث

الاعظم، اعلیٰ حضرت، اور حضور مفتی اعظم ہند کو وسیلہ بنا کر بارگاہ خداوندی میں دعا میں لگ جائیں اور وقت معہودہ کے ۱۵/۲۰ منٹ بعد اپنی دعا کو درود وسلام کے ساتھ ختم کریں۔

پھر زیج کے ذریعہ تقویم شمس وغیرہ کا حساب لگا کر نتیجہ برآمد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بتاریخ ۲۵/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ بروز سہ شنبہ، بوقت صبح، ۸/بجکر ۸/منٹ، ۶/سکنڈ. ۲۵/تھرڈ ستارہ 'کف الخضیب، بریلی شریف کے دائرۂ نصف النہار پر آئے گا۔ اور یہی وقت حسب فرمان حکمائے اسلام افق بریلی میں دعا کی قبولیت کا ہوگا (ماہنامہ اشرفیہ ۲۰۰۰ء، مارچ/اپریل، ص:۵۶)

امام علم وفن نے روایتی ڈگر سے ہٹ کر رضویات پر جو کام کیا ہے، وہ تنہا آپ ہی کا حصہ ہے۔ خود فرماتے ہیں:

''ان مضامین میں فقط ہم نے یہ نہیں لکھا کہ امام احمد رضا علوم وفنون میں ماہر تھے۔ بلکہ ان کی مہارت کی مثال پیش کر کے نہایت ہی واضح انداز میں اس کی تشریح کی ہے۔ اہل علم جان سکتے ہیں کہ اس میں مجھے کتنی محنت اٹھانی وعرق ریزی کرنی پڑی ہوگی''۔ (ماہنامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۹۹ء/ص:۲۰)

تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ، امام علم وفن کے پیر ومرشد بھی ہیں اور جز وقتی استاذ بھی۔ پھر خلافت بھی اسی ذات اقدس سے حاصل ہے۔ اس لئے ان کی بارگاہ میں حقیقت بھری خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رضوی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں اور اہم کڑی شہزادۂ اعلیٰ حضرت، آقائے نعمت حضور مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی بھی ہے، جنہوں نے امام احمد رضا کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ سرکار مفتی اعظم ہند کے علمی کمالات اور روحانی مراتب ہمارے فہم وادراک سے ماوراہیں۔ ایک ماہر سوانح نویس دفتر کے دفتر لکھ ڈالے، لیکن اس کو بھی قلم رکھ کر یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ.....ع:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

بلا شبہ سرکار مفتی اعظم ہند عشق رسالت میں فنائیت کے اس درجے پر فائز تھے، جہاں پہونچ کر آدمی کو مرتبہ بقا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سرکار مفتی اعظم ہند کے کارنامے اور روحانی مراتب ہماری تقریر وتحریر کے رہین منت نہیں ہیں بلکہ وہ خود تاریخ کا ایک زریں باب ہیں۔ ہماری مدح سرائی سے آپ کے درجات میں ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کی ہرزہ سرائی سے آپ کے مدارج میں کمی آسکتی ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، ستمبر ۱۹۹۸ء/ص:۱۳)

☆☆☆

نواں باب

سائنسی و عصری علوم

امام علم وفن: عصری علوم میں انفرادیت

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں یوپی

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی ،ہماری جماعت کی ایک معتبر، منفرد، اور پُر بہار شخصیت کا نام ہے۔ان کی شخصیت کوئی سادہ شخصیت نہیں، بلکہ اس میں زبردست معنویت، جذب وکشش، گہرائی اور بے پناہ پہنائیاں پائی جاتی ہیں۔انہیں دیکھئے تو سراپا علم وفن اور فکر ونظر کا' پیکر جمیل' دکھائی دیتا ہے۔جس طرح ظاہر میں ان کی لبوں پر مسکراہٹیں، تبسم ریزیاں پائی جاتی ہیں، ٹھیک اسی طرح ان کے باطن میں بھی علم وفن، شعور وادراک اور تخئیل کا مسکان دکھائی دیتا ہے۔انہیں دونوں مسکراہٹوں کے حسن امتزاج نے ان کی زندگی اور شخصیت کو انتہائے کمال تک پہونچا دیا ہے۔ہمارے خواجہ جہاں ہوتے ہیں، فکر وفن، شعور وادراک کے گلاب کھلتے ہیں اور شعور واحساس کی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں۔آپ وہ مشک عنبریں ہیں کہ جسے چھو لیتے ہیں، وہ بھی خوشبوؤں میں بس جاتا ہے اور اس کی حیات مستعار میں بھی اجالوں کی برسات ہونے لگتی ہے۔یہ صرف میرا تخیل ہی نہیں بلکہ مشاہدہ ہے۔ایک حسین تجربہ ہے۔یہ تجربہ بھی صرف میرا نہیں ہے، بلکہ مجھ جیسے اور مجھ سے بہت زیادہ بہتر افراد کا ہے اور افراد بھی ایسے، جو دور حاضر میں ماہ ونجوم اور شمس وقمر کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام علم وفن کی ذات وشخصیت میں جو خوبیاں، جو کمالات اور جو رعنائیاں پائی جاتی ہیں، وہ حقائق وبصائر کی صورت میں ہیں، جنھیں تسلیم کرنا ہی ہے۔انہیں ہم شکوک وشبہات کے پردوں میں نہیں رکھ سکتے۔کیوں کہ اس قسم کی کاروائی صرف اور صرف کورچشمی ہوتی ہے۔یا پھر ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی اجالوں کو اندھے بوتلوں میں بند کرے اور اس کے لئے سعی لا حاصل امر کو انجام دے۔جو نہ صرف تنگ نظری کا واضح ثبوت ہے بلکہ خود اپنی شخصیت کو مجروح کرنے کے مترادف بھی۔ایسی معتبر شخصیت پر' خواجہ' علم وفن' ہی نہیں' امام علم وفن' کا اطلاق یقینی طور پر درست ہے۔اس لئے کہ جو وسعت ومعنویت لفظ' خواجہ' میں پائی جاتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ وسعت ومعنویت ان کی ذات وشخصیت اور ان کے علم وفن میں دکھائی پڑتی ہے۔ان کا علم وفن اور فکر وشعور کوئی منجمد شئی نہیں، بلکہ ایک سیال کیفیت کا نام ہے جو ہر وقت ارتقا پذیر ہوتی رہتی ہے اور صعودی کیفیت سے برابر دوچار رہتی ہے۔بنجر زمینوں اور خزاں رسیدہ گلشنوں میں بھی لالہ وگل کی کاشت ان کا ادنیٰ کمال ہے۔

امام علم وفن کا علم وفن کسی ایک جہت میں محصور نہیں رہتا، بلکہ زندگی، سماج، معاشرہ، ملکی اور غیر ملکی حالات ان کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت کہیں بھی ہو مگر، ان کے فکر وفن اور شعور وادراک نہ جانے کہاں کہاں سفر کرتے ہیں اور ان کی اڑانیں کہاں کہاں ہوتی ہیں؟ عام لوگ اگر چہ اس بات کو نہ سمجھ سکتے ہوں، لیکن جو افراد فکر وفن سے آشنا اور علم ادراک سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپ کیا ہیں؟ اور آپ کی شخصیت میں کس قدر گہرائی ہے؟ ایسی شخصیت کو 'خواجہ' علم وفن، سے تعبیر کرنا یہ صرف عمومی تعبیر ہے جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اس شخصیت میں پائے جانے والے علوم وفنون اور وسیع فکر ونظر اور گہرے شعور و ادراک، نیز عمدہ تحقیق وتدقیق کے لئے اس کے حسب منشاء 'خصوصی تعبیر' کے لئے لفظوں کا ذخیرہ کھنگالنا چاہئے، خلوص ومحبت کو بروئے کار لاتے ہوئے جو اس وادی میں قدم رکھے گا انہیں کہیں نہ کہیں اس خصوصی تعبیر کے لئے کوئی نہ کوئی لفظ ولقب مل ہی جائے گا۔ دور حاضر کے انسانی افراد کے دلوں کی مانند لفظوں کا ذخیرہ تنگ نظری کا شکار نہیں۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ ہم لوگ القاب وآداب کے لئے اس طرف کا رخ نہیں کرتے اور دوسروں کے القاب پر اپنی نگاہیں دزدیدہ کر لیتے ہیں اور اسے اچکنے کے لئے تگ ودو شروع کر دیتے ہیں۔ اس رویہ کو ہم کیا کہیں؟ اسے ہم دور انحطاط پذیری کی علامت ہی کہیں گے، اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ممکن ہے اس جرأت کا اظہار کسی کے لئے ناگوار خاطر ہو، مگر مجھے اس کا کوئی خوف نہیں۔ کیوں کہ ہم ایک ایسی دلکش فضا میں کھڑے ہیں جس فضا میں کھڑے ہونے سے 'جرأت اظہار، حوصلہ، بے باکی اور بے خوفی نصیب ہوتی ہے۔ یہ فضا امام علم وفن کی ہے۔ وقت کے نباض مفکر کی ہے اور دور حاضر کے بے مثال محقق ومدقق کی ہے۔ حضرت خواجہ کی شخصیت کے قریب آنا تو بڑی بات ہے، جو ان کی اس فضا میں بھی آجاتا ہے، اسے بھی، قوت گفتار، نصیب ہو جاتی ہے۔ ایسی خوش گوار فضا اور علمی، ادبی اور فکری شخصیت پر کوئی بھی سنجیدہ دماغ اپنے آپ کو نثار کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

امام علم وفن کی شخصیت میں جہاں اہم خصوصیات اور خوبیاں پائی جاتی ہیں وہیں ان کی ہر خوبی میں انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہی وہ خوبی ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ انفرادیت صرف انہیں کی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ اس انفرادیت کا سبب لازم نہ ان کا علم ہے نہ ان کا فن ہے اور نہ ہی ان کے شعور وادراک ہیں۔ بلکہ ان کی نفسیات اور ان کی ذہانت وفطانت اور ان کی ذات وشخصیت نے اسے انجام دیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت وہ پارس پتھر ہے جسے اس نے چھولیا اسے سونا بنا دیا، اور جسے مس کر دیا اس کی قسمت بدل ڈالی۔ اگر وہ خاک تھا تو اسے کندن بنا دیا، اور ذرہ تھا تو اسے آفتاب کر دیا۔

امام علم وفن ہماری جماعت کا سرمایہ ہیں ان پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے ——— یہ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے یہاں جماعتی طور پر تنقید برداشت کرنے کا مادہ نہیں ہے۔ لیکن اس اعتبار سے بھی حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت منفرد نظر آتی ہے کہ وہ تنقید سے خوش ہوتے ہیں، ناراض نہیں ہوتے۔ اور نہ اس بنیاد پر کسی کی گوشمالی کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس تنقید پر تنقید نگار کا حوصلہ بڑھاتے ہیں، اور پہلے سے زیادہ اپنی محبت کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے اور آنکھوں دیکھا حال بھی۔

ہماری جماعت کے بہت سے اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ صدقۂ فطر، کا وزن ۲ کیلو ۴۵ گرام گیہوں مشہور ہے، یہی عام طور پر ہمارے علما بتاتے ہیں اور عام طور پر یہی وزن ادا بھی کرتے ہیں۔ مگر حضرت خواجہ صاحب کی تحقیق اس کے برخلاف ہے کہ وہ اس کا وزن ا رکیلو ۹۰۰ گرام یا اس سے کچھ کم وبیش بتاتے ہیں۔ حضرت کی اس رائے کے خلاف میں نے بھی اپنی ناقص رائے پیش کی جو ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت، بریلی شریف اور ماہنامہ' کنز الایمان، دہلی میں شائع ہوئی۔ جماعتی مزاج سے آشنا ہونے کے سبب میں ڈرر ہاتھا کہ کہیں حضرت خواجہ صاحب ناراض نہ ہو جائیں۔ لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب آپ بدایوں تشریف لائے تو اس ناچیز کی جھونپڑی کو بھی اپنے قدوم میمنت کے شرف سے مشرف کیا۔ بغل گیر ہوئے، پیٹھ تھپ تھپائی اور فرمایا: مولانا! آپ کی تحریر مجھے بہت پسند آئی۔ جس طرح آپ نے 'صدقۂ فطر، کے تعلق سے اپنی رائے پیش کی ہے اسی طرح نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کے اوزان کا بھی کیلوگرام سے معادلہ کریں۔ میں نے حضرت ہی کی ہدایت پر یہ معادلہ بھی پیش کر دیا جو مختلف رسالوں میں شائع ہوا۔

کسی چھوٹے کی مؤدبانہ تنقید برداشت کرنے اور حوصلہ دینے کی روایت اگر ہماری جماعت کا عمومی مزاج بن جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آج جس قدر دوریاں اور فاصلے ہیں وہ خود بخود سمٹ جائیں گے۔ جماعتی دوریاں کم ہو جائیں گی۔ اس اعتبار سے بھی حضرت امام علم وفن کی شخصیت منفرد اور آئیڈیل دکھائی پڑتی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ صاحب جیسی منفرد شخصیت کسی اور جماعت کسی اور مکتبہ فکر میں نہیں ہے۔ چراغ ہاتھوں میں لے لیجئے اور دل وجاں سے خوب ڈھونڈھیے۔ ایسا باکمال شخص کہیں اور نہیں ملے گا۔ یہ انفرادیت ان ہی کے توسط سے آج ہماری جماعتی انفرادیت ہے۔

جو فرد ایسا باکمال ہوتا ہے اور جس میں اس طرح کی خوبیاں ہوتی ہیں وہ بڑی حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ ان کی ذہانت وفطانت بلا کی ہوتی ہے وہ ہر طرح کی آہٹوں کو محسوس کر لیتا ہے۔ زمانہ کیا چال چلتا ہے؟ اس سے کیا تبدیلی آئے گی اور کس طرح کے تغیرات ہوں گے؟ یہ تمام باتیں ایک مفکر کی نگاہ میں ہوتی ہیں۔ پھر اسی کے تناظر میں وہ اپنی فکر کی تشکیل کرتا ہے اور قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔ اس وصف خاص میں بھی امام علم وفن کی شخصیت جامع اور مانع نظر آتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ شمع ہے جو ہر رنگ میں جلتی ہے اور قوم وملت کو پورا پورا فائدہ دیتی ہے۔ مذہبیات پر ان کی نظر، ادبیات پر ان کی نگاہ، لسانیات ان کا اپنا موضوع، فکریات ان کی فطرت اور جدیدیات سے ان کو عشق کی حد تک دلچسپی ہے۔

عصری علوم میں انفرادیت:

حضرت امام علم وفن نے اپنی 'انفرادیت، کو ہر مقام اور ہر علم میں برقرار رکھا ہے۔ جس علم کو وہ جانتے ہیں اسی خوبی کے پیش نظر جانتے ہیں۔ ایسا، ایجادات عصریہ ہو یا نتائج فکریہ، سبھی اس کے اسیر ہیں۔ اس کی

حکمرانی ایک فقیر کی جھوپڑی سے لے کر محل شاہی تک محیط ہے۔ سوئی کے ناکہ سے لے کر راکٹ کی پرواز تک، ہر شئی میں اسی کا ضابطہ کارفرما ہے۔ الغرض جملہ ایجادات وانکشافات اس کے محتاج ودست نگر ہیں۔ اس کی نوع بہ نوع خوبیوں سے متاثر ہوکر دانشوروں کا ایک طبقہ اسے اپنا دل دے بیٹھا اور اس کے زلف پُرخم میں صدیوں اپنے کو اُلجھائے رکھا۔ حسن کی دلکشی کسی ایک زاویہ میں محصور نہیں ہوتی بلکہ کوئی اس کا جلوہ، محبوب کے چشم مخمور میں محسوس کرتا ہے۔ کسی کو اس کی تجلی، لبہائے شگفتہ میں معلوم ہوتی ہے۔ کوئی اس کا بانکپن، گیسوئے تابدار میں محسوس کرتا ہے تو کسی کو اس کا بچپن، ابروئے خمدار میں نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں کوئی دندان آبدار اور کوئی گیسوئے مشکبار پر فدا ہو جاتا ہے۔ کوئی رشاقت قد اور کوئی صباحت خد میں اپنے کو گم کر دیتا ہے۔

غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

کچھ اسی طرح کا حال علم ریاضی کا بھی ہے۔ اس کے دامن میں سیکڑوں گل بوٹے اپنی الگ الگ خوبیوں سے اہل بصیرت کو دعوت نظر وفکر دیتے ہیں۔ حساب وموسیقی، ہیت وہندسہ، جبر ومقابلہ، توقیت ومساحت، مناظر ومرایا، ابعاد واجرام، مثلث کروی وسطحی، فصل مخروط، فن اُکر، جر الاثقال وغیرہ اپنی اپنی نزاکتوں سے دل عاشقاں کو پامال کر رہے ہیں۔ اس طرح دنیا میں ایک سے ایک ریاضی کے مختلف فنون کے رمز آشنا اور دانائے راز جنم لیتے ہیں۔ (ماہنامہ کنزالایمان دہلی نومبر ص ۴۸)

اوپر ذکر کردہ عبارت کا نہایت ہی گہرائی سے مطالعہ کریں۔ میرے خیال میں یہ عبارت حضرت امام علم وفن کی عصری علوم میں زبردست انفرادیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس پر فکر کیجے اور لطف اٹھائیے! مگر اس بات کا ضرور دھیان رکھئے کہ اس مقام پر انفرادیت سے مراد دُرک تام اور کامل دستگاہ، ہے۔ ایسی دستگاہ جو من کل الوجوہ ہو۔ اور یہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب اس کے تعلق سے کسی کو جزئیات کی بھی خبر ہو اور کلیات کی بھی، فلسفیانہ تجزیہ بھی اسے آتا ہو اور انطباق عمل بھی۔ یہ تمام چیزیں اس عبارت میں پائی جاتی ہیں۔

اول: یہ کہ اس عبارت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کائناتِ ارض وسما میں پھیلے سائنسی اختراعات واکتشافات میں سے ہر ایک کا حضرت خواجہ صاحب نے نہایت ہی گہرائی سے جائزہ لیا۔ یہ سائنسی اختراعات' ثابتے، ہیں یا پھر جزئیات۔

دوم: ظاہر ہے یہ ثابتے خصوصیات سے معریٰ نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ہر ایک ثابتہ اپنی اپنی خصوصیات کا حامل ہوگا۔ کچھ حضرات تو انہیں خصوصیات میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کیونکہ وہ انفرادیت کے حامل نہیں

ہوتے۔ اور جو حضرات انفرد یت کے حامل ہوتے ہیں وہ ان ثابتوں کا ان کے ساختیاتی اعتبار سے مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی مطالعہ مذکور بالا عبارت میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت امام علم وفن کے اس عمل کو' سائنسی تجزیاتی عمل، سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل بھی انفرادیت کے مدارج میں آتا ہے۔ جسے ہم کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔

سوم: کسی بھی شئی کا ساختیاتی مطالعہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ مطالعہ ارتقا پذیر ہوتا ہے اور اس سے ارتقا کے بہت سے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ یہ عمل سادہ وسلیس نہیں ہوتا ہے ، بلکہ انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔

چہارم: حضرت امام علم وفن کا یہ مطالعہ اسی حد تک محدود نہ رہا، بلکہ انہوں نے ان ثابتوں سے ایک ایسی شئی اور معنی کا استنباط کیا جو ان ثابتوں میں مشترک اور فی نفسہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ نظریہ کلیات ہے جسے افلاطون نے کسی دور میں تلاش کیا تھا۔ اسی نظریۂ کلیات کو ہم' ریاضی، سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت امام علم وفن نے اسی علم ریاضی کے جلوؤں کو مذکورہ بالا عبارت میں پیش کرنے کوشش کی ہے۔ ذرا سوچئے! یہ دانشورانہ کام ہر کوئی انجام دے سکتا ہے؟ نہیں! بلکہ وہی دے سکتا ہے جسے' علم ریاضی، میں انفرادیت کا درجہ حاصل ہو۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس علم میں انہیں کس قدر انفرادیت حاصل ہے؟ بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ، یہ تو ابتدائے عشق ہے ۔اب آگے کی منزل میں ان کی عروس انفرادیت کے جلوؤں کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے۔

پنجم: اس عبارت سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس تجزیاتی عمل میں جن عصری علوم سے حضرت خواجہ صاحب کو سابقہ پڑا وہ علوم یہ ہیں ۔حساب وموسیقی، ہیت وہندسہ، جبر ومقابلہ، توقیت ومساحت، مناظر ومرایا، ابعاد واجرام، مثلث کروی وسطحی، فن اُکر، جر الاثقال وغیرہ یہ سب کے سب عصری علوم ہیں، اور ان علوم میں انہیں کافی مہارت حاصل ہے۔ اس بات کے علاوہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان علوم کا علم ریاضی سے کس حد تک تعلق ہے اور اس تعلق کی کیا نوعیت ہے؟ یہ باتیں اسی وقت معلوم ہو سکتی ہیں جب ان علوم کی واقفیت درجۂ انفرادیت میں ہو۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت امام علم وفن کو ان عصری علوم میں انفرادیت حاصل تھی۔

ششم: علم ریاضی سے ان علوم کا تعلق کس حد تک ہے؟ اس کی وضاحت آپ نے یوں فرمائی ہے:

''جس طرح کسی عاشق کو..... اپنے محبوب سے ہوتا ہے کہ کوئی اس کے لب ورخسار پر عاشق ہوتا ہے اور کوئی چشم مخمور پر، کوئی گیسوئے آبدار پر فدا ہوتا ہے اور کوئی رشاقت خد پر،،

میں کہتا ہوں کوئی اس طرح کی باتیں جبھی کرتا ہے جب وہ خود وادیٔ عشق کا مسافر ہوتا ہے۔ اس وضاحت کے بعد یہ سمجھنا کوئی امر مشکل نہیں ہے کہ خود امام علم وفن علم ریاضی پر فدا ہیں اور یہ لگاؤ عشق کی حد تک ہے۔ آپ نے ان عصری علوم کو صرف فن کی حیثیت سے نہیں دیکھا ہے بلکہ انہیں دین و مذہب کا اسیر بنا کر دیکھا ہے۔ اور یہ ان کی اپنی انفرادیت ہے جو ان علوم کے

دوسرے ماہرین سے انہیں ممتاز کرتی ہے۔ بلاشبہ ان کی یہ انفرادیت کسبی نہیں ہے بلکہ کسی کے فیضان عشق کا نتیجہ ہے۔

ہفتم: کسی بھی علم وفن میں کامل انفرادیت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس انفرادیت کا حامل کوئی بھی فرد اس علم کو جس لب ولہجہ میں چاہے اور جس اسلوب نگارش میں چاہے بیان کر سکے۔ علم ریاضی ایک خشک مضمون ہے، غزل کی طرح اس میں تروتازگی اور شگفتگی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے لوگوں کو اس میں دلچسپی کم ہوتی ہے۔ اس بات کا احساس امام علم وفن حضرت خواجہ صاحب کو بھی تھا اسی لئے انہوں نے اس کی توضیح کیلئے شاعری کا لب ولہجہ اور غزل کے بانکپن کا سہارا لیا۔ ایسے خشک مضامین کو بیان کرنے کے لئے آپ نے جس طرح کی ترکیبوں کا استعمال کیا ہے، ذرا ملاحظہ کیجئے:

''زلف پرخم، چشم مخمور، لبہائے شگفتہ، ابروئے خمدار، دندان آبدار، گیسوئے مشکبار، رشاقت قد، غمزے اور عشوے'' وغیرہ،،

یہ وہ الفاظ ہیں جن سے آپ کے دل نازک میں پائے جانے والے حسین اور خوبصورت جذبوں، تمناؤں اور چاہتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی چاہتیں ان کے اور عصری علوم کے مابین رشتوں کا تعین کرتی اور اس رشتہ کی انفرادیت ثابت کرتی ہیں۔

یہ اور اس طرح کی تمام باتیں جو اوپر ذکر کی گئیں ان سے امام علم وفن کی عصری علوم میں عمومی انفرادیت ثابت ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ انفرادیت عمومیت ہی کی حد تک محدود ہے، بلکہ عصری علوم میں انہیں خصوصی انفردیت بھی حاصل تھی۔ جن لوگوں نے ان کے مضامین پڑھے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔

خصوصی انفرادیت میں کسی خاص علم کا تاریخی پس منظر، آغاز وارتقا، اس کے اصول وکلیات، اس کی توضیح وتفہیم آتی ہے۔ ذیل میں حضرت خواجہ علم وفن کے حوالہ سے یہی خصوصی انفرادیت، ملاحظہ کیجے۔

(۱) لوگارثم کا تاریخی پس منظر:۔ سائنس کی دنیا میں کسی بھی علم کا تاریخی پسِ منظر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے اس علم کی افادیت ثابت ہوتی ہے اور طالبین کو اس میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ معلومات میں ربط وتسلسل بھی نمایاں ہوتا ہے۔ تدریس میں اس سے کافی مدد ملتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی ایسا ہی کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں لوگارثم کا جو تاریخی پس منظر بیان کیا ہے، ملاحظہ کیجئے:

''سولہویں صدی میں ایسا ہی ایک فکر وفن کا دلدادہ بکریاں چراتے چراتے آفاق عالم پر چھا گیا اور دنیا اسے 'سرآئزک نیوٹن'، کے نام سے یاد کرنے لگی۔ نیوٹن نے جہاں کہیں ریاضیات میں بہت سے کلیات کا اضافہ کیا وہیں انہوں نے 'لوگارثم'، کو دریافت کر کے فن حساب میں چار چاند لگایا ہے۔ باب حساب میں ضرب وتقسیم کے ذریعہ حل پذیر وہ عملیات جو بڑے پیمانے ہی سے حل کیا جا سکتا تھا، ان عملیات کے لئے انہوں نے ایک چھوٹا سا پیمانہ دریافت کرلیا۔ اسی پیمانے کو 'لوگارثم'، کہتے ہیں۔ جسے رومن زبان میں

’لوگارتھم‚کانام دیا گیا۔ (لوگارثم حقیقت ومعرفت۔ایک تحقیقی مطالعہ)

(۲) لوگارثم کی حقیقت :اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے بہت سے قلم کارحضرات کسی شئی کی حقیقت کو براہ راست پیش کردیتے ہیں۔لیکن حضرت خواجہ صاحب نے عام قلم کاروں کے برعکس اپنی ایک الگ روش اپنائی اور براہ راست لوگارثم کی حقیقت پیش نہیں کی۔بلکہ سب سے پہلے قارئین کے ذہنوں کولوگارثم کی حقیقت سے قریب کرنے کی کوشش کی۔ان کے اس رویہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک ماہر نفسیات کی مانند قارئین کی نفسیات اوراس کے ذہنوں کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور پیشکش کے طور طریقوں سے بھی واقف ہیں۔وہ اس راز سے بھی آشنا ہیں کہ علوم وفنون کوکس طرح ذہنوں میں پیوست کیا جاسکتا ہے۔ جس شخصیت میں اس طرح کی خوبیاں ہوں اس کے تعلق سے یہی نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے علم وفن میں انفرادیت رکھتا ہے۔ذیل میں حضرت خواجہ صاحب کی تحریر پیش کی جارہی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں اورآپ کی انفرادیت کا اندازہ لگائیں۔

’’لوگارثم کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بطورتمہید اولاً چند باتوں کودھیان میں رکھنا ضروری ہے

(۱) کسی عدد کوخود اسی عدد میں ضرب دیتے چلے جائیں تو ہر ضرب سے ایک نیا حاصل ضرب پیدا ہوتا چلا جائے گا۔پہلی بار کی ضرب سے اس کا مربع (مال) دوسری بار کی ضرب سے اس کا مکعب، اسی طرح تیسری اور چوتھی بار کی ضرب سے الگ الگ حاصل ضرب مثلاً بالترتیب مال مال، مال مکعب آتے جائیں گے۔مثلاً ۳×۳=۹ پھر ۳×۳×۳=۲۷ یا پھر ۳×۳×۳×۳=۸۱

پہلی صورت میں ۹ رتین کی دوسری قوت دوسری صورت میں ۲۷ رتین کی تیسری قوت اور تیسری صورت میں ۸۱ رتین کی چوتھی قوت کہلاتی ہے۔یہ سب تین کی صعودی قوتیں ہیں۔رہا خود تین !تو چونکہ ہر عدد اپنے اندر فی نفسہ ایک کی قوت رکھتا ہے اس لئے تین بذات خود اپنے اندر پہلی قوت رکھتا ہے۔اسی طرح ہم اگر چار میں یہی عمل جاری کریں تو یہ صورت ہوجائے گی:

۴×۴=۱۶۔۴×۴×۴=۶۴۔۴×۴×۴×۴=۲۵۶

یعنی چار کی دوسری قوت ۱۶ تیسری قوت ۶۴ اور چوتھی قوت ۲۵۶ ہے۔یہاں پر یہ قوتیں صعودی ہیں جسے ’مثبت قوت، کہتے ہیں۔لیکن اگر ہم تین والے سلسلے میں بجائے تین گنا بڑھانے کے اسی تناسب سے گھٹاتے چلے جائیں تو اس کی صورت یوں ہوگی ’’۸۱ رکا ثلث ۲۷،،۲۷ کا ثلث ۹،،۹ کا ثلث ۳،اگر چار والے سلسلے میں یہی عمل کریں تو نوعیت یہ ہوجائے گی ۲۵۶ کا ربع ۶۴ ،۶۴ کا ربع ۱۶،اور،۱۶ کا ربع ۴ ہوجائے گا۔پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر عدد اپنی ذاتی قیمت کیا ظہار کے وقت پہلی قوت رکھتا ہے۔اب اگر ہم اس تین اور چار کو اسی، تناسب سے ایک درجہ کم کرکے تین کا ثلث ایک اور چار کا ایک تک

پہونچادیں تو دونوں عددوں میں قوت صفر ہوجائے گی مذکور بالا مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بھی عدد کو'قوت، کے ذریعے بڑھاتے بڑھاتے کسی بھی عدد تک پہنچا سکتے ہیں، اور قوت کے ذریعے گھٹاتے گھٹاتے ،صفر تک اتار سکتے ہیں؛اور صفر کے درجہ میں ہر عدد خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ایک بن جاتا ہے۔ درجہ صفر میں ۵،۹،۸،۷، سب ہی ایک کے برابر ہوجاتے ہیں۔

لیکن ہم اگر اسی تین اور چار، جو صفر قوت میں ایک کے برابر ہوگئے ہیں، اسے پھر اسی تناسب سے کم کرتے چلے جائیں تو اب تین والے سلسلے میں ۱/۳، ۱/۹، ۱/۲۷، ۱/۸۱ اور چار والے سلسلے میں ۱/۴، ۱/۱۶، ۱/۶۴ اور ۱/۲۵۶ ہوجائے گا۔ اس سلسلے میں تین اور چار کی یہ قوت نزولی ہے، جسے منفی قوت کہتے ہیں۔ الغرض کسی بھی عدد کو اسی عدد سے برابر ضرب دیتے چلے جائیں تو قوت صعودی حاصل ہوجائے گی اور اگر اسی تناسب سے گھٹاتے جائیں تو قوت نزولی ہوجائے گی۔ ان دونوں قوت کے درمیان صفر کا درجہ جہاں تمام اعداد ایک کے برابر ہوجاتے ہیں، وہ صعودی نزولی کے درمیان مثل برزخ ہے۔ ماسبق سے یہ نتیجہ بآسانی حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام اعداد اپنے صفر قوت میں ایک کے برابر ہوجاتے ہیں اور پہلی قوت میں ہر عدد اپنی ذاتی قیمت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اپنی صعودی نزولی قوتوں میں اس کی قیمت الگ الگ ہوجاتی ہے۔

یہ پہلی تمہید ہے جسے لوگارثم کی حقیقت بیان کرنے کے سلسلے میں امام علم وفن نے سپرد قلم وقرطاس کی ہے۔ اس تمہید کے ذریعہ انہوں نے قارئین کے ذہنوں کو لوگارثم کی حقیقت سے قریب کرنے کوشش کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلم کار کوئی مولانا نہیں، ماہر حساب داں ہے جو اپنی باتوں کی وضاحت کررہا ہے۔ یہ تمہید علم ریاضی اور اس کی شاخوں میں حضرت خواجہ صاحب کی انفرادیت کو ثابت کررہی ہے۔ کیونکہ تحریر وہ خاموش زباں ہوتی ہے جو کسی شخصیت کے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نمایاں کردیتی ہے، اور اس میں پائی جانے والی صلاحیتوں کا پتہ بتادیتی ہے۔ یہی معاملہ امام علم وفن کے ساتھ ہوا کہ ان کی تحریر نے خود ان کی شخصیت کے اسرار ورموز کھول دیئے۔ اب چلئے ذرا دوسری تمہید کے جلوؤں کا بھی مشاہدہ کریں، جس میں حضرت خواجہ صاحب نے'جبر ومقابلہ، کے حوالہ سے بات کی ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہورہا ہے کہ خواجہ صاحب نے مختلف علوم و فنون سے عطر کشید کرکے لوگارثم کی حقیقت بیانی میں بسادی ہے، جس سے وہ خود بھی مہک رہے ہیں اور اوروں کو بھی مہکا رہے ہیں۔

حضرت امام علم وفن تحریر کرتے ہیں:

(۲) الجبر والمقابلہ میں کبھی اعداد اور کبھی اس کے بدلے غیر معلوم القیمۃ حروف ہجا استعمال کئے جاتے ہیں۔ اعداد کی صورت میں ان کی صعودی ونزولی قوت عدد ہی کی شکل میں ظاہر کی جاتی ہے لیکن حروف ہجا کی صورت میں اس کا اظہار ممکن نہیں مثلاً ی × ی۔ یا۔ ی × ی × ی۔ یا۔ × ی × ی × ی × ی وغیرہ۔ ان

مثالوں میں پہلی صورت کی دوسری قوت یعنی مربع اور مال کی ہے دوسری صورت میں اسی 'ی، کی۔تیسری قوت مکعب کی ہے۔تیسری صورت اسی 'ی، کی چوتھی قوت 'مال المال، کی ہے لیکن جس طرح ہم ۳×۳ کے حاصل ضرب کو ۹ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح ،ی×ی، کے حاصل ضرب کو کسی عدد سے تعبیر نہیں کرسکتے۔اس لئے ریاضی دانوں نے صعودی قوت کے اظہار کے لئے 'مثبت قوت نما، اور نزولی قوت کے اظہار کے لئے 'منفی قوت نما، اور صفر قوت کے اظہار کے لئے 'صفر، استعمال کیا ہے۔رہی پہلی قوت تو چونکہ ہر عدد فی نفسہ اپنے اندر پہلی قوت رکھتا ہے، اس لئے اس صورت کے لئے کسی 'قوت نما، کے اظہار کی ضرورت نہیں، بلکہ اسے طبعی حال پر چھوڑ دیتے ہیں، اس پر کوئی 'قوت نما نہیں لگاتے ہیں۔لہٰذا 'ی ۲، کا مطلب ی کا مربع ہے اور ی ۳ کا مطلب 'ی، کا مکعب ہے 'ی ۴، کا مطلب 'ی، کا مال المال ہے۔حاصل یہ ہے کہ ریاضی دانوں نے حروف ہجا کی مختلف قوتوں کو ظاہر کرنے کے لئے اس کے اوپر ایک نشان اور علامت متعین کردی جو ان حروف ہجا کی قیمت پر دال ہو۔اور یہ طے ہوگیا کہ جس مقدار کے اوپر ۲ کا ،قوت نما، ہوگا یہ مقدار کی دوسری قوت اور جس مقدار پر ۳ کا ،قوت نما، ہوگا وہ تیسری قوت کی نشان دہی کرے گا۔

(۳) یہ علامت جس طرح حروف ہجا میں مختلف قوتوں کا اظہار کرتی ہے اسی طرح اعداد میں بھی مختلف قوتوں کا اظہار کرتی ہے ۳^۲ کا مطلب ۳×۳=۹، ۳^۳ کا مطلب ۳×۳×۳=۲۷ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) کسی عدد پر 'مثبت قوت نما، کا استعمال سادے ڈھنگ سے کیا جاتا ہے۔یعنی قوت نما کے مثبت کی علامت نہیں لگائی جاتی ہے۔لیکن 'منفی قوت نما، کے استعمال کے وقت اس کے پہلو میں منفی کی علامت لگادی جاتی ہے۔لہٰذا ۳^۲ کا مطلب ۳×۳=۹ اور ۳^-۲ کا مطلب $\frac{1}{3\times3}=\frac{1}{9}$ ہے۔اس لئے یہ بات واضح ہے کہ منفی قوت نما سے ہمیشہ کسی مخصوص کسر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔یہاں عدد صحیح کا سوال ہی نہیں۔اور مثبت قوت نما سے خواہ وہ عدد صحیح ہو یا کسر مرکب یا کسر مجرد ہر حال میں اس سے کسی خاص عدد صحیح کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

یہ امام علم وفن کی تحریر کردہ چار تمہیدات آپ کے سامنے پیش کی گئیں، جن کے مطالعہ سے علم ریاضی کی چند اصطلاحات آپ کی معلومات میں آگئیں ہوں گی ——— ''مثبت قوت نما، منفی قوت نما، کسر مجرد، کسر مرکب، ساتھ ہی اس کی تفہیم کے لئے آسان توضیحات بھی۔یہ تمام باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رازہائے سربستہ جس شخصیت کے فکری پرواز کا آئینہ دار ہیں، وہ یقیناً غیر معمولی شخصیت ہے، جو اس فن میں انفرادیت کا حامل ہے۔امام علم وفن نے صرف تمہیدی کلمات سے کام نہیں لیا ہے بلکہ تمہید

۵،۶،۷، میں،، انطباقی عمل سے قوت نما کو ذہنوں میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کوشش میں وہ کامیاب وکامراں ہوئے ہیں۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں۔ ——— ''ان ہی قوت نماؤوں کا نام،، لوگارثم،، ہے،،

حضرت خواجہ صاحب لوگارثم کی حقیقت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان تمہیدات کے بعد اب لوگارثم کی حقیقت اس طرح واضح کی جاتی ہے کہ دس کے اوپر لگا ہوا وہ قوت نما جو دس کو کسی مخصوص عدد کے برابر کر دیتا ہے وہ قوت نما دس کے لیے قوت اور مخصوص عدد کے لیے لوگارثم ہے مثلاً 10^2 = ۱۰۰، اس مثال میں دس کے اوپر ۲ قوت نما جو دس کو ۱۰۰ کے برابر کرتا ہے دس کی قوت ہے اور ۱۰۰ کا لوگارثم ہے۔ اسے ریاضی کی زبان میں اس طرح بولیں گے کہ ۱۰ کے قاعدہ پر ۱۰۰ کا لوگارثم ۲ ہے۔ یوں تو عددوں کے لوگارثم بنانے کے لیے کسی بھی عدد کو قاعدہ مانا جا سکتا ہے مثلاً ہم چار کے قاعدہ پر ۳۲ کا لوگارثم نکالنا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر چار کو $\frac{5}{2}$ تک صاعد کرتے ہیں تو ۳۲ حاصل ہو جاتا ہے اس لیے چار کے قاعدہ پر ۳۲ کا لوگارثم $\frac{5}{2}$ یعنی ۲،۵۰۰۰۰۰ ہے اور اگر اس چار کے قاعدہ پر ہم ۸ کا لوگارثم چاہیں تو چونکہ ۴ کو $\frac{3}{2}$ تک صاعد کرنے سے ۸ کے برابر ہو جاتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چار کے قاعدہ پر ۸ کا لوگارثم $\frac{3}{2}$ = ۱،۵۰۰۰۰۰ ہے۔ اسی طرح کسی بھی دوسرے عدد کو قاعدہ مان کر لوگارثم نکال سکتے ہیں لیکن بعض ریاضی دان نے لوگارثم کے لیے ۱۰ ہی کو قاعدہ تسلیم کر لیا ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح.

اس اقتباس کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام علم وفن علم لوگارثم میں اس قدر درک تام رکھتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف لوگارثم کی حقیقت سے ہمیں آشنا کیا، بلکہ اس کے قواعد کی عمومیت بھی بتا دی اور صرف ۱۰ ہی کو قاعدہ تسلیم کرنے پر ریاضی دانوں پر تنقید بھی فرمائی۔

بہر حال میرے اس مقالہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت امام علم وفن عصری علوم میں انفرادیت کی حد تک مہارت رکھتے ہیں۔

ٹیلی ویژن:

ٹیلی ویژن خالص سائنسی ایجاد ہے جس کے ذریعہ کہیں اور کسی بھی گوشہ میں بیٹھ کر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دنیا کے کسی بھی حصہ کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آج پوری دنیا کو ایک گاؤں کی مانند کہا جاتا ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اس کی حقیقت کیا ہے، اور اس کا استعمال کیسا ہے؟ اس تعلق سے ہمارے علما کے مابین اختلاف ہوا اور بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ اس سلسلے میں حضرت امام علم وفن نے کئی ایک مضامین قلمبند کئے۔ چونکہ اس بحث کا مرکزی کردار عکس وتصویر ہے۔ اس لئے امام علم وفن نے عکس کیا ہے، تصویر کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ ٹیلی ویژن کے اسکرین پر عکس نظر آتا ہے یا تصویر؟؟ یہ کیسے دکھائی

دیتی ہیں اور متحرک نظر آتی ہیں؟؟؟اس پر آپ نے جس علمی وفنی مہارت کے ساتھ بحث فرمائی ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔
بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ——— کسی بھی سطح پر تکنیکی یا عملی دستکاری کے ذریعہ ابھرنے والی وہ شبیہ جو کسی کی حکایت صوری کرے تصویر کہلاتی ہے اور آنے والی روشنی کے راستہ میں کسی غیر شفاف مادے کے آنے سے جو سایہ بنتا ہے اسے پرچھائیں کہتے ہیں۔ تصویر کی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی (۲) فرضی۔ اصلی وہ تصویر ہے جو کسی پردے پر بنے، فرضی وہ تصویر ہے جو کسی پردے پر نہ بنے۔ پھر اصلی تصویر کی تین قسمیں ہیں (۱) ترسیمی (۲) انطباعی (۳) ارتسامی۔

ترسیمی: جیسے قلم برش کے ذریعہ بنی ہوئی تصویریں یا کسی چیز سے کندہ کی ہوئی تصویریں۔

انطباعی: جیسے مہر یا پریس سے بنی ہوئی تصویریں۔

ارتسامی: جیسے فلمی ریل یا بذریعہ کیمرہ سے اتاری ہوئی تصویریں اسی طرح پردۂ فلم یا ویڈیو کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں۔

فرضی: جیسے آئینہ یا پانی میں نظر آنے والی تصویریں۔

۱۹۸۶ء میں، میں نے اس موضوع پر حضرت خواجہ صاحب کے ایک مضمون کے تعلق سے اپنا ایک تاثر پیش کیا تھا جسے موقع ومحل کے اعتبار سے یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ میں نے لکھا تھا:

..........مثلاً اسی بات کو لے لیجئے۔ تصویر ہونے کے لئے غیر متحرک ہونے کی قید لگائی گئی ہے، یعنی تصویر وہی ہے جو غیر متحرک ہو، تصویر کے مفہوم میں غیر متحرک کا اضافہ کہاں سے آیا؟ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ٹی وی کی اسکرین پر نظر آنے والی تصویر کو تصویر ثابت نہ کرنے کے لئے غیر متحرک کی قید ایجاد کی گئی۔ حالانکہ متحرک اور غیر متحرک ہونے سے تصویر کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور فرق پڑنے کا کوئی سوال بھی نہیں اٹھتا ہے اس لئے کہ متحرک ہونا یا غیر متحرک ہونا نہ تو تصویر کی جنس ہے اور نہ ہی فصل ہے۔ اس موضوع پر نہایت ہی فکر انگیز اور معقولانہ بحث فرمائی ہے مفکر ملت، رازئ زماں حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب نے جون ۱۹۸۵ء کے ماہنامہ 'فیض الرسول' میں 'ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی' کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔ فلسفیانہ اور منطقی طرز تحریر سے مضمون کا معیار نہایت اعلی ہو گیا ہے جو صرف آپ کا حصہ ہے۔ تصویر کی جامع اور مانع تعریف کرتے ہوئے اور اس کی تمام محتملہ قسمیں بتاتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ویڈیو کی تصویر اصلی اور حقیقی ہے اور نصوص حرمت کی عمومیت میں داخل ہے۔ اسکرین پر وہ صرف متحرک نظر آتی ہے حقیقۃً وہ متحرک نہیں جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ اصلی تصویر قطعاً متحرک نہیں ہوتی بلکہ تعدد امثال کے طور پر متحرک نظر آتی ہے (فیض الرسول ۔مئی ۱۹۸۵ء)

کیوں اور کیسے متحر نظر آتی ہے اس کا بھی ایک فلسفہ ہے وہ یہ ہے کہ آنکھ کے پردہ پر کوئی بھی تصویر ۱/۴ سکنڈ ٹھہرتی ہے اور ٹی وی نظام کے تحت ہمارے ملک میں پوری تصویر لائن لائن کر کے ۱/۲۵ سکنڈ میں دکھائی جاتی ہے اور ۱/۲۵ سکنڈ ۱/۴ سکنڈ سے کم ہوتا ہے اس تیزی کے ساتھ تصویر کی لہروں کو دکھانے کی وجہ سے وہ لائن لائن نظر نہ آکر پوری تصویر نظر آتی ہے۔ جیسے کسی ٹارچ کو تیزی کے ساتھ گھمائی جائے تو وہ ٹارچ نظر نہ آکر ایک دائرہ دکھائی دیتا ہے. (سنی دنیا جون ۱۹۸۶ء)

یہ شواہد اس لئے پیش کئے گئے تاکہ آپ ان شواہد کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ حضرت امام علم وفن عصری علوم میں نہ صرف مہارت رکھتے ہیں بلکہ اس خصوص میں انہیں انفرادیت حاصل ہے۔ ہم اسی انفرادیت کی بنیاد پر حضرت امام علم و فن کو اپنی جماعت کے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ ہم جس قدر بھی ان کی شخصیت پر فخر وناز کریں کم ہے۔

یہ تو عصری علوم میں ان کی انفرادیت کا صرف ایک پہلو سے مطالعہ ہوا۔ اس طرح ان کی شخصیت کے اور بھی پہلو اور جہتیں ہیں، جن کے مطالعہ کے لئے وقت بھی چاہئے اور صفحات بھی۔ افراد بھی چاہئے اور اس مطالعہ کے اعتبار سے ذہانت و فطانت بھی۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری جماعت میں افراد کی کمی ہے۔ بس کمی ہے امداد باہمی کی، جذبۂ ایثار وقربانی کی، اور بارگاہ علم وفن میں مؤدبانہ انداز میں سرنگوں ہونے کی۔ اس طرف کوئی دھیان نہیں دیتا، اپنی توجہ مبذول نہیں کرتا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ آج ایک طبقہ ذاتی مفادات کی خاطر خارجی اسباب وعوامل کے سہارے پوری جماعت پر اپنی ہی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے اور شب وروز اسی تگ ودو میں لگا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے شخصیت پرستی کے مضر اثرات جماعت کے رگ وپے میں پیوست ہوتے جا رہے ہیں اور ہماری سالمیت دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ نتیجے میں جماعتی انتشار، ملی افتراق وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ کام سوچی سمجھی اسکیم اور منصوبہ بند طریقہ پر ان خفیہ ہاتھوں سے ہو رہے ہیں جن ہاتھوں کو ملت کی شیرازہ بندی کے لئے وقف رہنا چاہئے تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے اور ہماری جماعت میں اتحاد واتفاق پیدا ہو۔ حضرت امام علم وفن کا سایہ ہمارے سروں پر دراز رہے اور ان کے امثال زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں۔

++++++++++++++++

امام علم وفن اور شمالی امریکہ کے قبلہ کی تحقیق

مولانا محمد قمر الحسن قادری ہوسٹن امریکہ

بعض شخصیتیں اپنی ذات میں انجمن اور اکاڈمی ہوتی ہیں۔ ان کی تحریک حیات اتنی متنوع ہوتی ہے کہ جس میں صدیوں کے فاصلے سمٹے ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر علم کا وثوق اور اس کا استحکام محسوس ہونے لگتا ہے حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی مد ظلہ اللہ انھیں میں سے ایک ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب مدظلہ العالی سے میری دو یا تین ملاقات ہے۔ ایک بار بریلی شریف میں اور دوبارہ چرہ محمد پور ضلع فیض آباد میں۔ یہ ملاقاتیں ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۷ء میں ہوئی ہیں۔ مگر ان کی شہرت بہر حال عرصہ دراز سے مسموع تھی۔ چونکہ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور میں میں بحیثیت صدر مدرس پہلے کام کر چکا تھا اور مدرسہ کی ترقی میں ایک کلیدی کردار ادا کر چکا تھا اس لئے حضرت موصوف جب چرہ تشریف لے گئے تو یقیناً میرے بارے میں ان کو گوش گذار کیا گیا ہوگا۔

میں ۱۹۹۲ء میں جب امریکہ آیا تو یہ ایک اجنبی زمین تھی اور اہل سنت وجماعت کی آواز بڑی کمزور سی تھی برخلاف دوسرے لوگوں کے کہ وہ عرصہ دراز سے یہاں اپنی تحریکات منضبط کر کے کام کر رہے تھے۔ یہاں آنے کے بعد جہاں معتقداتی اور نظریاتی اختلافات تھے وہیں بعض علمی امور میں بھی اختلافات کھل کر سامنے آئے۔ انھیں میں سے ایک مسئلہ جہت قبلہ کا بھی تھا۔

ہوا یوں کہ عرب حضرات میں سے لبنان کے خوش عقیدہ سنی حضرات کی بڑی متحرک اور منظم تنظیم **جمعة المشاريع الخيرية الاسلامية** کی ہوسٹن شاخ کے کچھ افراد کو معلوم ہوا کہ یہاں اہل سنت وجماعت کا بھی ایک ادارہ 'النور سوسائٹی آف گریٹر ہیوسٹن' ہے جسکی قائم کردہ مسجد کا نام 'النور مسجد' ہے اور یہاں ایک ہندی عالم دین کام کر رہے ہیں جو مسلکی طور پر بہت سخت اور محتاط ہیں، تو ان لوگوں نے ملاقات کا ارادہ کیا اور ایک گروپ کے ساتھ مسجد میں ملنے آئے، یہ ان حضرات سے پہلی ملاقات تھی۔ پھر روابط بڑھتے رہے۔ امریکہ میں ان کی متعدد شاخیں قائم ہیں جو **الشيخ رياض الناشف** کے زیر نگرانی کام کر رہی ہیں۔ شیخ ریاض الناشف ایک انجینئر ہیں مگر علوم دینیہ میں اچھا مطالعہ رکھتے ہیں۔ انھیں دنوں لبنان سے ایک نہایت فاضل عالم دین.... کو ان حضرات نے امریکہ میں

دعوت وارشاد کے لئے بلایا تھا۔ موصوف کو عربی ادب پر اس قدر عبور حاصل ہے کہ جب وہ تقریر کرتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ بولتے رہیں۔ بڑی متانت اور سنجیدگی سے ان کی گفتگو دلوں میں اتر جاتی ہے۔ انتہائی تقویٰ شعار اور عالمانہ وقار ولباس میں رہتے ہیں۔

انھیں دنوں **جمعة المشاريع** نے ۷، اگست ۱۹۹۳ء بروز سنیچر ایک عمومی پروگرام 'النور' میں منعقد کیا جس میں اناؤنسری میری تھی اور خطاب شیخ سمیر القاضی کا تھا۔ شیخ سمیر حفظہ اللہ نے اتحاد مسلمین پر خطاب کیا اور جہت قبلہ پر بحث نکل پڑی۔ پھر اس کی تحقیق وتدقیق میں ان حضرات نے بہت کوشش کی۔ اور شمالی امریکہ وکنیڈا میں اس کو متحرک کیا کہ ولایت متحدہ امریکہ وکنیڈا کا قبلہ جنوب مشرق ہے۔ چنانچہ اس پر ان لوگوں نے دنیا کے بڑے بڑے اداروں سے استفتا کیا۔ حتی کہ جامع ازہر مصر سے بھی استفتا کیا گیا، اور یہاں امریکہ وکنیڈا کی بعض جامعات کے ماہرین فلکیات سے بھی رائے لی گئی۔ بعض حضرات نے جنوب مشرق بتایا مگر بعض نے شمال مشرق کہا۔ الجھاؤ یہ پیدا ہوا کہ آلہ قبلہ نما جو عام طور پر دستیاب ہوتا ہے اس میں ایسی پیچیدگی ہوئی کہ بعض شمال مشرق۔ بعض مشرق بتاتے۔ اب جہت قبلہ کے تعلق سے تین نظریہ ابھرے ایک جنوب مشرق، دوسرا مشرق اور تیسرا شمال مشرق۔ اور لوگ تینوں کی طرف اپنے اپنے اعتبار سے قبلہ متعین کر کے نمازیں ادا کرتے رہے۔ چنانچہ ان لبنانی حضرات نے جنوب مشرق ہی کو جہت قبلہ مان کر لوگوں کو اسی کی طرف راغب کرنا شروع کر دیا۔ اور اس پر ایک کتاب بھی شیخ سمیر القاضی اور شیخ ریاض الناشف نے مرتب کر ڈالی۔ جس کا نام **تثبيت اهل الحق فی ان القبلة الی الجنوب المشرقی فی الولايات المتحدة الامريكيه و كندا** ہے۔

اور اس میں مشاہیر کے فتاویٰ، جامعات کے اہل علم کی آرا ونظریات جمع کر دیا۔ اگر کوئی غیر اہم مسئلہ ہوتا تو شاید لوگ اتنا غور نہ کرتے مگر بات نماز کی تھی اس لئے عوام میں اضطراب پیدا ہوگیا اور ہر ایک یہی سوال کرتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

'النور سوسائٹی' کو امریکہ میں چونکہ مرکزیت حاصل ہے اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو حالت یہ ہوئی کہ فونوں کی جھڑی لگ گئی اور لوگ اس مسئلہ پر اب فقہی دلیل کے علاوہ عقلی استدلال طلب کرنے لگے۔ مسئلہ الجھتا چلا گیا۔ جنوب مشرق کا قول کرنے والے حضرات نے علامہ زیلعی علیہ الرحمہ کی عبارت جو تبیین الحقائق میں مذکور ہے اور اسی طرح کا قول فتاویٰ خیریہ میں بھی نقل کیا گیا ہے کو مستدل بنایا۔ چنانچہ **تثبيت اهل الحق** میں مذکور ہے:

قال الامام ابوحنيفة رضی الله عنه :المشرق قبلة اهل المغرب، والمغرب قبلة اهل المشرق ،والشمال قبلة اهل الجنوب ، والجنوب قبلة اهل الشمال ترجمہ:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرق، مغرب والوں کا قبلہ ہے۔ اور مغرب، مشرق والوں کا قبلہ ہے۔ شمال، جنوب والوں کا قبلہ ہے اور جنوب، شمال والوں کا قبلہ ہے۔

یہ قول اپنی جگہ مسلمات میں سے ہے۔ مگر جب یہ مقامات خط مستقیم پر واقع ہوں اور کرۂ ارض کے زوایا قائمہ کے اعتبار سے ہوں۔ لیکن اگر یہ مقامات خط مستقیم پر واقع نہ ہو کر نوے (۹۰) درجہ سے کم یا زائد ہو جائیں یعنی مقامات خط مستقیم سے حادہ یا

منفرجہ پر واقع ہوں، تو اس وقت یہ مسلمہ وہاں اپلائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پھر وہ مقامات ۹۰ درجہ سے کم یا زیادہ پر واقع ہوں گے ۔اور یہ ریاضی کے مسلمہ اصول کے خلاف ہوگا۔ جب حالات مزید الجھتے چلے گئے تو پھر جستجو شروع کی۔ معلوم ہوا کہ امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے **کشف العلۃ عن سمت القبلۃ** میں پوری دنیا کی جہت قبلہ استخراج کر کے رقم فرمادیا ہے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ کتاب کہاں ملے؟ پھر یہ بھی پتہ چل گیا کہ گجرات میں مولانا عبدالستار ہمدانی کے پاس ہے۔ ان سے رابطہ کیا مگر بات نہ بن سکی۔ پھر خواجہ علم وفن کو فون کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ مطبوعہ کتابچہ اور سوال نامہ بھیج دیجئے پھر ان کو روانہ کیا اور ایک تحقیقی جواب حضرت موصوف نے ارسال فرمادیا۔ یہ سارا قضیہ ۱۹۹۶ء کا ہے۔ خواجہ صاحب نے مسئلے کی تحقیق میں عقلی وحسی دونوں طریقے استعمال کئے ہیں۔ عقلی جواب میں ریاضی کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر ایک تحقیقی جواب رقم کیا۔ پھر بعد میں عملی اور حسی جواب بھی رقم فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے جواب کے بعد سب سے پہلے شمال مشرق کی جانب 'النور' مسجد کا قبلہ درست کیا گیا۔ بعد میں اس کی کاپیاں امریکہ کے مختلف اداروں کو روانہ کی گئیں۔ تاکہ لوگوں کا اضطراب ختم ہو۔

ص ۱

استفتاء

برائے سمت قبلہ شمالی امریکہ

۷۸۶
۹۲

[illegible]

امام علم وفن اور علم ریاضی

مفتی محمد یاد علی رضوی (ایم۔اے) مدرسہ دینیات تعلیم القرآن تلہر، شاہ جہانپور (یو۔پی)

میرے استاذ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی جو علمی دنیا میں امام علم وفن کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور اپنے وقت کے جید و متبحر علمائے دین اور ماہرین فنون کے مابین امتیازی شان رکھتے ہیں، وہ دینیات کے ساتھ عصری علوم ہیئت، ھندسہ، زیج، توقیت، لوگارثم، مساحت، اسطرلاب، رمل، جبر و مقابلہ، مثلث سطحی، مثلث کروی، تکسیر، علم الابعاد، اور مناظر ومرایا وغیرہ پر بھی مہارت تمامہ رکھتے ہیں۔

موجودہ دور میں یہ کوشش جاری ہے کہ اسلامی مدارس میں سائنس، ریاضی وغیرہ عصری علوم کی تعلیم کا بھی نظام ہو تا کہ اسلامی مدارس کے فارغین اس صدی کے بدلتے منظر نامہ میں الگ تھلگ نہ رہ جائیں۔اس ضرورت کے پیش نظر بہت سے دار العلوم نے ابتدائی سائنس و ریاضی کو اپنے مدارس کے نصاب میں شامل بھی کرلیا ہے۔

امام علم وفن نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے اس میدان میں کام کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون سے بھی خاص شغف رکھتے ہیں اور ان سے ایک حد تک بہرہ ور ہیں۔مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی جنہیں امام علم وفن سے شرف تلمذ حاصل ہے، فیضان امام علم وفن سے نمایاں کارنامہ انجام دیئے ہیں اور دے رہے ہیں۔

چنانچہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جو ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری کی تالیف ہے اس میں ریاضیات سے متعلق بہت سے مقامات پر نقل کرنے میں جو غلطی واقع ہوئی تھی آپ نے ان کی تصحیح فرمائی اور لاؤڈ اسپیکر سے نماز کی صحت وفساد سے متعلق بنام ''قول فیصل'' ایک نہایت معرکۃ الآرا کتاب تصنیف فرما کر علمی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ فرمایا۔

اسی طرح برطانیہ سے حضرت مولانا نظام الدین صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ صبح وشفق سے متعلق وہاں رہنے والے کسی صاحب نے امام احمد رضا کی تحقیق ۱۰۸ ڈگری سے متعلق اختلاف کیا ہے تو آپ نے ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ

بنام ''صبح وشفق'' لکھ کر ارسال فرمایا، جس میں علمی، فنی اور فقہی شواہد ودلائل سے ۱۰۸ ڈگری کو اس طرح مبرہن ومزین فرمادیا کہ پھر کسی کو بھی کبھی یارائے دم زدن نہ ہو، اس طرح امام علم وفن کی شاگردی کا حق ادا کر دیا۔

امام علم وفن علم ریاضی میں نہ صرف پوری دسترس رکھتے ہیں بلکہ ریاضی کے مختلف فنون میں آپ کے کثیر مقالات و مضامین موجود ہیں جن میں آپ کی تصنیف ''لوگارثم کی حقیقت ومعرفت'' علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد، کلک رضا کی خلا پیمائی، رویت ہلال وغیرہ علم ریاضی کے شاہکار مقالات ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے شاگردوں کے پاس ریاضی کی بہت سی تحریریں موجود ہیں، یہ ساری تحریریں جمع کردی جائیں تو ریاضی کے مختلف فنون الجبرا، جیومیٹری، مساحت اور توقیت پر مشتمل ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

ناچیز جب مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں امام علم وفن سے مختلف علوم وفنون کے ساتھ ساتھ علم مساحت کا درس حاصل کر رہا تھا تو علم ریاضی خصوصاً علم مساحت کی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالنے کے دوران فرمایا تھا کہ دنیا کی رنگارنگی اور اس کا حسن ونکھار، ان ہی علوم وفنون کی دلکشی اور بہار سے قائم ہے۔ گویا یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم** میں علم سے مراد علم دین ہے اور علم دین حقیقۃً قرآن وحدیث اور فقہ ہے جس کا جاننا بقدر ضرورت ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ اس کے ذریعہ انسان حلال وحرام، جائز وناجائز کے درمیان امتیاز کر سکے، اور حق وناحق کو پہچانے۔ ان ہی علوم کے جاننے والوں کو حدیث میں **ورثۃ الانبیا**۔ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے کیونکہ یہی وہ علوم ہیں جن کی وجہ سے آدمی کو معرفت الہیہ حاصل ہوتی ہے اور آدمی نیابت رسول کے فرائض انجام دینے کے قابل ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ جتنے علوم ہیں وہ اگرچہ براہ راست معرفت الہیہ کے حصول اور حلال وحرام کی تمیز کا ذریعہ نہیں بلکہ اس سے صرف دنیاوی زندگی میں حسن وجمال پیدا ہوتا ہے اور معاشی زندگی سرسبز وشاداب ہوتی ہے مگر ان میں سے بعض علوم ایسے بھی ہیں کہ جن کے جانے بغیر بآسانی ان احکام سے واقف ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ جن کی واقفیت کے بغیر ہم احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں راہ راست پر صحیح معنی میں گامزن نہیں رہ سکتے۔ مثلاً ائمہ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ وہ حوض جس کی لمبائی چوڑائی دس دس ہاتھ ہو اس کا پانی مائے جاری کے حکم میں ہے کہ جس طرح مائے جاری میں قلیل نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، اسی طرح اس حوض میں بھی تھوڑی سی ناپاک چیز گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کہیں کوئی ایسا حوض ملے جس کی لمبائی چوڑائی دس دس ہاتھ نہ ہو بلکہ وہ دائرہ نما، مثلث، مخمس، مسدس، مستطیل، ذوذنقہ، ذوذنقتین وغیرہ کی شکلوں میں ہو، تو اس وقت ہم کو جاننے کے لئے کہ یہ دہ دردہ ہے یا نہیں؟ علم مساحت کا سہارا لینا ہوگا؛ کیونکہ علم مساحت ہی کے ذریعہ اس بات کا علم ہو سکتا ہے کہ اس کا ہر ضلع کتنے کتنے ہاتھ کا ہونا چاہئے جو دہ دردہ ہو جائے۔

علم مساحت پڑھنے کے دوران امام علم وفن نے بہت سے اصول وقواعد بیان فرمائے تھے جن میں سے چند بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین ہیں تاکہ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان اصول وقواعد سے فائدہ اٹھا کر مختلف اشکال کے حوض کی مساحت معلوم

کرسکیں۔ پہلے چند اصطلاحات ملاحظہ فرمائیں:

علم مساحت کے درمیان حدود میں بتایا گیا ہے کہ جو شکل خط مستدیر سے اس طور پر گھری ہوئی ہو کہ اس کے مرکز سے جتنے خطوط مستقیمہ محیط تک نکالے جاسکیں سب برابر ہوں تو وہ دائرہ ہے۔ جو شکل تین خطوں سے گھری ہوئی ہو اس کو مثلث کہتے ہیں اور مثلث کی دو طرح سے تقسیم کی جاتی ہے۔

باعتبار زاویہ و باعتبار ضلع، زاویہ کے اعتبار سے مثلث کی تین قسمیں ہیں، قائم الزاویہ، منفرج الزاویہ، اور حاد الزاویہ۔

(۱) قائم الزاویہ۔ وہ مثلث ہے جسکا ایک زاویہ قائمہ ہو یعنی نوے ڈگری کا ہو۔

(۲) منفرج الزاویہ۔ وہ مثلث ہے جس کا ایک زاویہ منفرجہ ہو یعنی نوے ڈگری سے زیادہ ہو۔

(۳) حاد الزاویہ۔ وہ مثلث ہے جس کے تینوں زاویے حادہ ہوں یعنی نوے نوے ڈگری سے کم ہوں۔

اضلاع کے اعتبار سے بھی مثلث کی تین قسمیں ہیں، متساوی الاضلاع، متساوی الساقین، اور مختلف الاضلاع

(۱) متساوی الاضلاع۔ وہ مثلث ہے جس کے تینوں ضلع برابر ہوں۔

(۲) متساوی الساقین۔ وہ مثلث ہے جس کے صرف دو ضلع برابر ہوں۔

(۳) مختلف الاضلاع۔ وہ مثلث ہے جس کے تینوں ضلع مختلف ہوں۔

یونہی جو شکل چار خطوں سے گھری ہوئی ہو اس کو ذوار بعۃ الاضلاع کہتے ہیں، اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ مربع، معین، مستطیل، شبہ بالمعین، ذوذنقہ اور ذوذنقتین۔

(۱) مربع۔ وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے چاروں اضلاع برابر اور چاروں زاویے قائمہ ہوں۔

(۲) معین: وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے چاروں ضلعے تو برابر ہوں مگر زاوئے قائمہ نہ ہوں ہوں لکہ دو حادے اور دو منفرجہ ہوں یعنی دو نوے ڈگری سے کم ہوں اور دو نوے ڈگری سے زیادہ ہوں۔

(۳) مستطیل۔ وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے چاروں زاوئے قائمہ ہوں یعنی نوے نوے ڈگری ہوں اور ہر ضلع اپنے اپنے مقابل کے برابر ہو۔

(۴) شبہ بالمعین۔ وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے مقابل کے ضلعے تو برابر ہوں مگر زاوئے قائمہ یعنی نوے نوے ڈگری نہ ہوں، بلکہ دو منفرجہ اور دو حادے ہوں۔

(۵) ذوذنقہ۔ وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے چاروں ضلعے مختلف ہوں مگر دو زاوے قائمہ ہوں اور ایک منفرجہ ایک حادہ۔

(۶) ذوذنقتین۔ وہ چار خطوں سے گھری ہوئی شکل ہے جس کے چاروں ضلعے تو مختلف ہوں مگر کوئی زاویہ قائمہ نہ ہو بلکہ دو

زاوے حادہ اور دو منفرجہ ہوں۔

جو شکل چار سے زیادہ خطوں سے گھری ہوئی ہو اس کو کثیر الاضلاع کہتے ہیں اور اسکی غیر متناہی شکلیں ہیں ان میں سے بعض شکلیں یہ ہیں مخمس، مسدس، مسبع، ذو خمسۃ الاضلاع اور ذو ستۃ الاضلاع۔

(۱) مخمس: وہ شکل ہے جو پانچ خطوں سے گھری ہوئی ہو اور اس کے پانچوں ضلعے اور زاوے برابر ہوں۔

(۲) مسدس: وہ شکل ہے جو چھ خطوں سے گھری ہوئی ہو اور اس کے چھوں ضلعے اور زاوے برابر ہوں۔

(۳) مسبع: وہ شکل ہے جو سات خطوں سے گھری ہوئی ہو اور اس کے ساتوں ضلعے برابر ہوں۔

(۴) ذو خمسۃ الاضلاع: وہ شکل ہے جو پانچ خطوں سے گھری ہوئی ہو مگر سارے ضلعے اور زاوے برابر ہوں۔

(۵) ذو ستۃ الاضلاع: وہ شکل ہے جو چھ خطوں سے گھری ہوئی ہو مگر سارے ضلعے اور زاوے برابر نہ ہوں۔

عام طور پر دائرہ کا رقبہ معلوم کرنے کے لئے علم مساحت میں تین قاعدے بتائے گئے ہیں۔

پہلا قاعدہ۔ دائرہ کے نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیں تو حاصل ضرب دائرہ کا رقبہ ہوگا۔ جیسے:

دائرہ کا قطر = ۷ محیط = ۲۲

$$\frac{7}{2} \times \frac{22}{2} = \frac{154}{4} = 38\frac{1}{2}$$ رقبہ

دوسرا قاعدہ۔ قطر کے مربع سے قطر کے مربع کے ساتویں اور چودھویں کے مجموعہ کو تفریق کریں تو حاصل اس کا رقبہ ہوگا

جیسے: دائرہ کا قطر = ۷ محیط = ۲۲

$$7^2 - \left(\frac{7^2}{7} + \frac{7^2}{14}\right) = \frac{49}{1} - \left(\frac{49}{7} + \frac{49}{14}\right) = \frac{686 - (98 + 49)}{14} = 38\frac{1}{2}$$ رقبہ

تیسرا قاعدہ: قطر کے مربع کو گیارہ سے ضرب دیں اور حاصل ضرب کو چودہ سے تقسیم کریں تو خارج قسمت اس کا رقبہ ہوگا جیسے:

دائرہ کا قطر = ۷ محیط = ۲۲

$$(7^2 \times 11) \div 14 = (49 \times 11) \div 14 = 539 \div 14 = 38\frac{1}{2}$$ رقبہ

فائدہ۔ دائرے کے محیط اور قطر میں ۲۲/اور ۷/کا تناسب مان لیا گیا ہے یعنی اگر محیط ۲۲/ہو تو قطر ۷/ہوگا۔ محیط سے قطر اور قطر سے محیط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائرہ کے محیط کو ۷/سے ضرب دیں اور حاصل ضرب کو ۲۲/سے تقسیم کریں تو خارج قسمت اس دائرہ کا قطر ہوگا اور دائرہ کے قطر کو ۲۲/سے ضرب دیں اور حاصل ضرب کو ۷/سے تقسیم کریں تو خارج قسمت اس دائرے کا محیط ہوگا۔

مثلث کا رقبہ معلوم کرنے کے لئے دو قاعدے مشہور ہیں۔

پہلا قاعدہ: مثلث کے کسی زاوے سے اس کے بالمقابل وتر تک ایک عمود نکال کر نصف عمود کو وتر میں یا نصف وتر کو عمود میں ضرب دیں، اب جو حاصل ضرب ہوگا وہی اس مثلث کا رقبہ ہوگا۔ مثلث قائم الزاویہ میں چونکہ محیطین میں سے ہر ایک عمود کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے اس میں عمود بنانے کی ضرورت نہیں جیسے: مثلث قائم الزاویہ کا ایک ضلع =۳ دوسرا =۴ تیسرا =۵

$$\frac{۳}{۲}\times۴ = \frac{۱۲}{۲} = ۶ \text{ رقبہ یا } \frac{۴}{۲}\times۳ = \frac{۱۲}{۲} = ۶ \text{ رقبہ}$$

دوسرا قاعدہ: تینوں ضلعوں کے مجموعہ کو دو سے تقسیم کریں اب ہر ضلع کو اس حاصل تقسیم سے تفریق کریں اور حاصل تفریق کو حاصل تقسیم میں ضرب دیں تو حاصل ضرب کا جذر اس مثلث کا رقبہ ہوگا۔ جیسے: مثلث قائم الزاویہ کا ایک ضلع =۳ دوسرا =۴ تیسرا =۵

$$\frac{۳+۴+۵}{۲} = \frac{۱۲}{۲} = ۶ \text{ نصف مجموع الاضلاع}$$

$$۶\times(۶-۳)\times(۶-۴)\times(۶-۵) = ۶\times۳\times۲\times۱ = \sqrt{۳۶} = ۶ \text{ رقبہ}$$

فائدہ: مثلث قائم الزاویہ میں پہلا قاعدہ اور غیر قائم الزویہ میں دوسرا قاعدہ کے مطابق رقبہ کا استخراج سہل اور آسان ہے۔

مربع اور مستطیل کا رقبہ معلوم کرنے کیلئے قاعدہ یہ ہے کہ مربع یا مستطیل کے کسی ایک ضلع کو اس کے قریبی ضلع میں ضرب دیں تو حاصل ضرب ہی رقبہ ہوگا جیسے: مستطیل کے دو ضلعے ۴، ۴ اور دو ضلعے ۸، ۸ ہوں۔

$$۸\times۴ = ۳۲ \text{ رقبہ}$$

ذو ذنقہ، ذو ذنقتین، مخمس، مسدس، مسبع، ذو خمسۃ الاضلاع، ذو ستۃ الاضلاع وغیرہ کا رقبہ معلوم کرنے کے لئے مختلف قاعدے ہیں۔ آسان تر قاعدہ یہ ہے کہ ان میں جتنے مثلثات ممکن ہوں ان تمام مثلثات کے رقبوں کا مجموعہ اس شکل کا رقبہ ہوگا۔

مذکورہ اصول کی روشنی میں دہ دردہ (۱۰×۱۰=۱۰۰) ہاتھ رقبہ ہوتا ہے اس لئے حوض کی شکل کچھ بھی ہو اگر اس کا رقبہ سو مربع ہاتھ ہے تو وہ دہ دردہ کے حکم میں ہے۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد یہ مسئلہ خود بخود حل ہوگیا کہ اگر حوض بنانے کے لئے مربع شکل میں جگہ دستیاب نہیں ہو پاتی ہے بلکہ دوسری شکل میں دستیاب ہوتی ہے تو پہلے علم مساحت کے اصول کے مطابق اس کا رقبہ معلوم کرلیں کہ سو مربع ہاتھ سے کم ہے یا زیادہ اگر سو مربع ہاتھ یا اس سے زیادہ ہے تو اس پر جو حوض بنایا جائیگا وہ دہ دردہ ہوگا اور اگر سو مربع ہاتھ سے کم ہے تو اس پر جو حوض بنایا جائے گا وہ دہ دردہ نہیں ہوگا۔

امام علم وفن جب کسی مسئلہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں گہرائی تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی خداداد ذہانت وفطانت کا یہ عالم ہے کہ بہت ہی جلد اس کی حقیقت تک رسائی ہو جاتی ہے، تقریباً ۲۰/۲۲ سال پہلے جب ٹی، وی اور ویڈیو کا مسئلہ زیر بحث آیا اس وقت امام علم وفن نے ٹی وی کی ایسی تحقیق پیش کی کہ اس وقت بڑے بڑے ماہرین انگشت بہ دندان تھے

دیکھئے ''ٹی وی کی تحقیق اور اسکا شرعی حکم''، مصنفہ امام علم وفن''۔

خلیفۂ رابع باب العلم حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے ۴۰ھ میں اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا ہے۔ آج تقریبا چودہ سو سال ہو گئے۔ مقررین اپنی تقریروں میں، مدرسین اپنی درسگاہوں میں، مصنفین اپنی تصنیفات میں آپ کا علمی کمال کو ظاہر کرنے کے لئے سترہ اونٹوں کی تقسیم کا واقعہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسا کہ ایک مجموعہ تقاریر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کی خدمت میں تین شخص آئے ان کے پاس سترہ اونٹ تھے ان لوگو ں نے آپ سے عرض کیا کہ اونٹوں کو آپ ہمارے درمیان تقسیم کر دیں ہم میں سے ایک شخص آدھے کا حصہ دار دوسرا تہائی کا اور تیسرا نویں حصہ کا، مگر شرط یہ ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ پیسہ دلائیں، بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس بیٹھے تھے انھوں نے آپس میں کہا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پورے پورے ہر شخص کو ملیں وہ کاٹے نہ جائیں نہ کسے سے کچھ پیسے دلائے جائیں.......... مگر قربان جائے حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کی عقل ودانائی اور انکی قوت فیصلہ پر کہ آپ نے بلا تامل فوراً ان کے اونٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کروا دیا اور اپنے خادم سے فرمائے کہ ہمارا ایک اونٹ اسی لائن کے آخر میں کھڑا کر دو جب آپ کے اونٹ کو ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہو گئے تو جو شخص آدھے کا حصہ دار تھا اپنے اسے اٹھارہ میں سے نو دیا اور تہائی حصہ والے کو اٹھارہ میں سے چھ پھر نویں حصہ دار کو اٹھارہ میں سے دو دیا اور اپنے اونٹ کو پھر اپنے جگہ بھجوا دیا، (خطبات محرم)

امام علم وفن نے اس واقعہ کو سرسری نگاہ سے نہیں بلکہ تحقیقی نگاہ سے دیکھا اور علم ریاضی کی روشنی میں فرمایا:

بعض خوش عقیدہ لوگ نتائج سے بے خبر ہو کر اکابر کی طرف ایسے بے سروپا واقعات منسوب کرتے ہیں جو بظاہر مدح خانے میں فٹ ہوتے دکھائی دیتے ہیں، ان واقعات کو تسلیم کرنے کی صورت میں ان اکابر کی علمی نقاہت پر ایک سولیہ نشان لگا جاتا ہے۔

اور مذکورہ واقعہ کے بارے میں فرمایا:

یقیناً کسی زیرک آدمی نے اس واقعہ کو گڑھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کی طرف منسوب کر دیا ہے، ہر حساب داں یہ جانتا ہے کہ یہ شرکت سرے سے ممکن نہیں اس لئے کہ شرکت کا قاعدہ ہے کہ شرکاء کے جملہ اجزاء باہم مل کر ایک کامل بن جائیں۔

یہاں $\frac{1}{2}$ $\frac{1}{3}$ $\frac{1}{9}$ کا مجموعہ $\frac{17}{18}$ ہوتا ہے۔ اور کامل ہونے میں $\frac{1}{18}$ کی کمی رہ جاتی ہے اس لئے جب تک ایک آدمی $\frac{1}{18}$ کا حصہ دار نہیں پیدا ہوتا شرکت درست نہیں اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ایسی شرکت

تسلیم فرماتے جو عقیدت کیش آپ کی فراست اور دانائی کے لئے ذکر کرتے ہیں، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ ذمہ دار مورخ اور سوانح نگار کا فرض ہے کہ واقعہ نویسی کے وقت کے روایت ودرایت دونوں کے اصول پیش نظر رکھے تاکہ اہل علم اور اغیار کی نظر میں مضحکہ خیز بن کر نہ رہ جائے ،(رویت ہلال مصنفہ امام علم وفن)

اسی طرح چند برسوں میں سرکار مفتی اعظم ہند سے متعلق ایک واقعہ بہت مشہور ہو گیا قلم کار حضرات نے اپنی تحریروں میں اس کو نمایاں طور سے پیش کیا ہے اور خطبا بھی بڑے فخر کے ساتھ تقریروں کے ذریعہ عوام تک پہونچا رہے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ جنرل ایوب خان کے دور میں پاکستان میں حکومتی سطح پر ہلال کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ۲۹ر تاریخ کو مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں اس کمیٹی کے نمائندہ حضرات کا ایک وفد ہوائی جہاز کے ذریعہ بلندی پر جا کر چاند دیکھا کرتا تھا اور واپس آکر رویت ہلال کا اعلان کر دیا کرتا تھا ،اس کمیٹی کے اعلان سے پورے پاکستان میں رمضان ،عید اور بقر عید وغیرہ منائی جاتی تھی ،اس وقت کے علمائے اہل سنت پاکستان نے اس کمیٹی کا پرزور رد کیا نتیجہ کے طور پر دنیا بھر کے دار الافتاؤں سے مذکورہ کمیٹی اور اس کے طریقہ رویت سے متعلق استفتا کیا گیا ،تمام ممالک اسلامیہ سے جو جوابات حاصل ہوئے وہ اس کمیٹی کی حمایت میں تھے۔ دنیا بھر کے مفتیان کرام نے اس طریقہ رویت کو جائز ونافذ قرار دیا تھا۔ جب یہی استفتاء بریلی شریف وارث علی مرتضی اور نائب غوث الوریٰ کی بارگاہ علم وفضل میں حاضر کیا گیا تو علم وفضل کے اس بطل جلیل نے حکومت پاکستان کی پرواہ کئے بغیر کیا جواب عطا فرمایا ''مقالات نعمی'' کی زبانی سنئے ''حضور مفتی اعظم ہند نے اس فتویٰ جواز کو نہیں مانا اور اپنا بے نظیر فتویٰ تحریر فرمایا جس کا اصل مضمون اس طرح ہے۔

''چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دیگا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں دیکھنا چاہئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے ،اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/ ۲۸ر کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷/ ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائیگا۔ اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کریگا ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ر کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔ (مقالات نعمی)''

یہ فتویٰ جب پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو شائع کیا گیا اس کے بعد کیا ہوا تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ کی زبانی سنئے۔

''اگلے مہینے میں ۲۷/اور ۲۸/تاریخ کو حکومت کی جانب سے جہاز کے ذریعہ اس بات کی تصدیق کرائی گئی اور بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی (تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ)''

امام علم وفن فرماتے ہیں:

بلاشبہ سرکار مفتی اعظم ہند عشق رسالت میں فنائیت کے اس درجہ پر فائز تھے جہاں پہونچ کر آدمی کو مرتبہ بقا حاصل ہو جاتا ہے یہاں پہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سرکار مفتی اعظم ہند کے علمی کارنامے اور روحانی مراتب ہماری تقریر وتحریر کے رہین منت نہیں ہیں بلکہ وہ خود تاریخ کا زریں باب ہے ہماری مدح سرائی سے آپ کے درجات میں نہ ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی ہرزہ سرائی سے آپکے مدارج میں کمی آسکتی ہے۔ مفتی اعظم ہند کی جانب منسوب اس واقعہ کے بارے میں فرمایا کہ آقائے نعمت سیدنا فرکار مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت وقوت اخذ اور روحانی مراتب کے تمام تر اعتراف کے باوجود فقیر راقم الحروف (امام علم وفن) کو بچند وجوہ اس واقعہ کی صحت میں کلام ہے'' اور اپنے اس دعویٰ کو علم ہیئت، زیچ، علم مثلث کروی اور علم مناظر ومرایا کے مختلف دلائل وبراہین سے مبرہن کرنے کے بعد فرمایا'' کہ زیر بحث فتویٰ کی یہ عبارت'' کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹/اور کہیں ۳۰/کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷/۲۸/کو بھی نظر آسکتا ہے قطعاً غلط اور بے بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے امام علم وفن کی تصنیف رویت ہلال)

درس نظامی کی مختلف کتابوں میں کچھ اسباق مشکل اور سخت مانے جاتے ہیں مثلاً کافیہ میں ''دشش منھا'' شرح وقایہ میں ''طہر متخلل'' شرح جامی میں ''حاصل ومحصول'' ملاحسن میں ''جعل مولف وجعل بسیط'' ھدایۃ الحکمیہ کی شرح صدرا میں ''جزء الذی لا یتجزئ کے بطلان پر وہ چھ دلیلیں جو اصول ھندسیہ پر مبنی ہیں۔ جب فقیر راقم الحروف امام علم وفن سے صدرا کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور جزء الذی لا یتجزیٔ کے بطلان کی ان چھ دلیلوں تک درس پہونچا جو اصول ھندسیہ پر مبنی ہیں تو امام علم وفن نے علم ریاضی کے ذریعہ ان مباحث کو سہل انداز میں ایسا واضح فرمادیا جیسے معلوم ہوتا تھا کہ حکمت وفلسفہ کی ابتدائی کتاب کا درس حاصل کر رہا ہوں۔ جب یہ بحث پڑھ رہا تھا عرس رضوی کا موقع تھا امام علم وفن سے ملاقات کے لئے براؤں شریف کے علما کی ایک ٹیم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف پہونچی تھی۔ وہ لوگ تختۂ سیاہ پر یہ مباحث لکھے ہوئے دیکھ کر حضرت سے یہ ذکر کرنے لگے کہ یہاں کے طلبہ ایسی سخت کتاب اور دشوار مباحث بھی سمجھ لیتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا سمجھتے ہی نہیں بلکہ سمجھانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ جزء الذی لا یتجزیٔ کے بطلان کے دلائل جو اصول ھندسیہ پر مبنی ہیں حضرت نے درس کے دوران جو تختۂ سیاہ پر تحریر

فرمادیا تھا ان میں سے صرف ایک دلیل کی تقریر بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔اس بحث کا اجمالی تعارف اس طرح ہے: جسم مفرد کے اجزائے تحلیلیہ کے بارے میں چار مذاہب ہیں۔جن میں سے دو مذہب بہت مشہور ہیں (۱) مذہب جمہور متکلمین (۲) مذہب حکمائے اشراقین ومشائین۔

(۱) جمہور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ جسم مفرد کے سارے اجزائے تحلیلیہ مقداریہ ممکنہ متناہی موجود بالفعل اور لا یتجزیٰ ہیں اس مذہب پر جسم طبعی جزء الذی لا یتجزیٰ سے مرکب ہے۔

(۲) حکمائے اشراقین ومشائین کا مذہب یہ ہے کہ جسم مفرد کے سارے اجزائے تحلیلیہ مقداریہ ممکنہ غیر متناہی اور موجود بالقوہ ہیں۔اس مذہب پر جسم طبعی متصل واحد ہے جس میں بالفعل کوئی جزء تحلیلی مقداری نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ جمہور متکلمین کے نزدیک جسم مفرد جزء الذی لا یتجزیٰ سے مرکب ہے اور حکمائے اشراقین ومشائین کے نزدیک جسم مفرد جزء الذی لا یتجزی سے مرکب نہیں ہے۔اس لئے حکمائے متکلمین کے مذہب کو رد کرنے اور اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے جزء الذی لا یتجزی کے بطلان پر دلیل قائم کرتے ہیں۔جزء الذی لای تجزیٰ کے بطلان کے لئے اصول ھندسیہ پر مبنی دلیل اول کی تقریر یہ ہے۔

جب ہم ایک ایسا مثلث قائم الزویہ فرض کریں جس کے دونوں ضلعے محیطیہ دس دس جز کے ہوں تو وتر دوسو کا جذر ہوگا اس لئے کہ بشکل عروس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مثلث قائم الزویہ کے وتر کا مربع اس کے دونوں ضلعوں کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے اور چونکہ دونوں ضلعوں کا مربع دوسو ہوتا ہے۔اس لئے وتر کا مربع بھی دوسو ہوگا اور دوسو کا جذر صحیح نہیں ہوسکتا ہے بلکہ جذر ،کسر مرکب ہوگا اور یہ جز کی تقسیم کو واجب کرتا ہے،شکل عروس یہ ہے۔

(مقالہ اولی کی سینتالیسویں شکل)

مثلث قائم الزاویہ کے وتر کا مربع دوضلعوں کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے۔کیونکہ دومتوازی خطوط کے درمیان ایک ہی قاعدہ پر ایک ہی جانب جتنے سطوح متوازی الاضلاع ہوں گے وہ سب باہم برابر ہوں گے۔

جیسے ا ب ح د، = س ا ح د

ب ا س
د ح

پھر اگر اس ذو اربعۃ الاضلاع کو دو مثلث میں تقسیم کریں تو ایک مثلث ذو اربعۃ الاضلاع کا آدھا ہوگا۔جیسے:

س ح ا د

س ا ح د کا آدھا ہے

س ح د کا آدھا ہے

اور ا ب ح د کا بھی آدھا ہے

یعنی ا ب د کے برابر ہے

مذکورہ باتوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے وتر کا مربع دونوں ضلعوں کے مربع کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے جیسے:

نقشہ

بلکہ تحقیق یہ کہ کسر مجرد ہو یا مرکب اسکا مربع عدد صحیح نہیں ہوتا ہے تو عدد جذر اصم کے لئے واقع میں کوئی جذر ہی نہیں ہوگا، پس جز ما ننے کی صورت میں لازم آئے گا کہ مفروضہ مثلث کے وتر کا نفس الامر میں وجو ہی نہ ہو۔

دلیل یہ کہ ہر عدد کا مربع اس کے دونوں جز کے مربع اور ایک جز کو دوسرے جز میں ضرب دے کر اس کے حاصل ضرب کے دوگنا کے برابر ہوتا ہے جیسے

۸		(یا)	۸	
۳	۵		۴	۴

$$۸^۲ = (۳^۲ + ۵^۲) + (۲ \times ۵ \times ۳) \qquad ۸^۲ = (۴^۲ + ۴^۲) + (۲ \times ۴ \times ۴)$$

$$۶۴ = (۹ + ۲۵) + ۳۰ \qquad ۶۴ = (۱۶ + ۱۶) + ۳۲$$

$$۶۴ = ۳۴ + ۳۰ \qquad ۶۴ = ۳۲ + ۳۲$$

$$۶۴ = ۶۴ \qquad ۶۴ = ۶۴$$

اس تمہید کے بعد ہم تین اور کسر فرض کرلیں مثلاً $۳\frac{۱}{۲}$ تو ۳/ کا مربع صحیح ۹/ اور کسر $\frac{۱}{۲}$ کا مربع کسر ہی ہوگا اس لئے کہ کسر کو کسر میں ضرب دینے سے کسر ہی حاصل ہوگا جو ضرب ومضروب سے کم ہو یعنی $\frac{۱}{۴}$۔ پھر جب مذکورہ قاعدہ کے تحت ۳ کو دوگنا کریں تو ۶ ہوگا اور اس ۶ کو $\frac{۱}{۲}$ سے گنا کریں تو ۶ کا آدھا ہوگا، پھر جب ہم ان کسور ستہ کو کسر کے مربع $\frac{۱}{۴}$ اور ۹ کے ساتھ جمع کریں تو اس سے عدد صحیح کا حاصل ہونا ممتنع ہے جیسے:

$$۳\frac{۱}{۲}$$

۱/۲ ۳

۳ + (۱ + ۹) = ۱ ۱۲ = (۲ × ۱ ×۳) + (۲۱ + ۲۳) = ۲۱ ۳

۴ ۴ ۲ ۲ ۲

=۱۲ ۱ = ۹ ۱ + ۳ = ۱۲ ۱ = ۱۲ ۱

۴ ۴ ۴ ۴ ہر ذی کسر عدد کو اسی پر قیاس کیا جائے

نوٹ:۔ حکمائے جزء الذی لا یتجزیٰ کے بطلان پر جو دلیلیں پیش کی ہیں اعلحضرت نے نہایت ہی نفیس انداز میں ان کو ردفرمایا ہے دیکھئے اعلیٰ حضرت کی تصنیف الکلمۃ الملھمہ۔

علم فرائض میں حساب کے بغیر مفر نہیں ہے ہمارے مدارس اسلامیہ کے اکثر فارغین طلبا حساب میں پختہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ناقص رہ جاتے ہیں۔ امام علم وفن کو حساب میں کمال مہارت ہے اس لئے علم فرائض کا اس طرح سے درس دیتے ہیں کہ اپنے شاگردوں کو علم فرائض میں بھی ماہر بنا دیتے ہیں۔ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کے باکمال عالم دین حضرت علامہ ومولانا سید انور چشتی صاحب جب علم فرائض کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دار العلوم براؤن شریف پہونچے تو امام علم وفن نے اس طرح درس دیا کہ صرف ایک ہفتہ میں ان کو علم فرائض کا ماہر بنا دیا، ناچیز نے بھی اس درس میں شرکت کی تو ناچیز کو بھی اس قابل بنا دیا کہ فرائض سے متعلق درپیش مسائل یہ ناچیز بھی آسانی سے حل کر دیتا ہے، غرض کہ حضرت کے علم ریاضی کا یہ کمال ہے کہ جو فن دوسرے اساتذہ مہینوں میں پڑھاتے ہیں امام علم وفن صرف ایک ہفتہ میں اس فن کا ماہر بنا دیتے ہیں۔

علم فرائض میں تصحیح بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تقسیم ترکہ میں بسا اوقات کئی قسم کے ورثاء جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی ایک ہی فریق کے کئی افراد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اصل مسئلہ سے حاصل شدہ سہام ان افراد پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتے۔ اس لئے ایسے عدد سے مسئلہ بنانا پڑتا ہے جس سے ہر وارث کا حصہ بلا کسر نکل آئے، مسائل کی تصحیح کیلئے سراجی میں سات قاعدے ہیں تین قاعدے سہام اور رؤس کے درمیان اور چار قاعدے رؤس اور رؤس کے درمیان جاری ہوتے ہیں۔

پہلا قاعدہ...... اگر ہر فریق کے سہام ان کے روس پر بلا کسر تقسیم ہو جائیں تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں۔

المسئلہ ۶

ب	ام	بنت		بنت
۱	۱	۲	(۴)	۲

دوسرا قاعدہ...... اگرایک فریق پر کسر واقع ہواوراس کے سہام ورؤس کے درمیان توافق کی نسبت ہوتو رؤس کے عدد وفق سے اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائیگا۔۔مثال......

المسئلہ ۶×۳ تصحیح ۱۸

۶ بنات	ام	اب
۴	۱	۱
۱۲	۳	۳

تیسرا قاعدہ...... اگرایک فریق پر کسر واقع ہواوراس کے سہام ورؤس کے درمیان تبائن کی نسبت ہوتو پورے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائیگا ۔۔مثال......

المسئلہ ۶×۵ تصحیح ۳۰

۵ بنات	ام	اب
۴	۱	۱
۲۰	۵	۵

چوتھا قاعدہ...... اگر ورثا کی کئی جماعتوں پر کسر واقع ہواور ہر جماعت کے محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تماثل کی نسبت ہوتو ان میں سے کسی بھی ایک جماعت کے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا۔مثال...

المسئلہ ۶×۳ تصحیح ۱۸

۳ اعمام	۳ جدات	۶ بنات
۱	۱	۴
۳	۳	۱۲

پانچواں قاعدہ...... اگر جماعتوں پر کسر واقع ہواور ہر جماعت کے محفوظ کردہ اعداد کے درمیان تداخل کی نسبت ہوتو ان میں سے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائیگا۔

مثال......

المسئلہ ۱۲×۱۲ تصحیح ۱۴۴

۱۲ اعمام	۳ جدات	۴ زوجہ
۷	۲	۳
۸۴	۲۴	۳۶

چھٹا قاعدہ...... اگر کئی جماعتوں پر کسر واقع ہو اور ان کے محفوظ کردہ عدد رؤس کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو ایک کے عدد وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں گے پھر حاصل ضرب اور تیسری جماعت کے عدد رؤس کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو حاصل ضرب کو تیسری جماعت کے وفق میں اور تبائن ہو تو پورے عدد رؤس میں ضرب دیں گے پھر آخری حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔ مثال......

المسئلہ ۲۴×۱۸۰ تصحیح ۴۳۲۰

۶ اعمام	۱۵ جدات	۱۸ بنات	۴ زوجات
۱	۴	۱۶	۳
۱۸۰	۷۲۰	۲۸۸۰	۵۴۰

ساتواں قاعدہ...... اگر کئی جماعتوں پر کسر واقع ہو اور ہر ایک کے عدد رؤس میں تبائن کی نسبت ہو تو ایک دوسرے میں پھر حاصل ضرب کو تیسرے میں علی ھذا القیاس پھر آخری حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔ مثال......

المسئلہ ۲۴×۲۱۰ تصحیح ۵۰۴۰

۷ اعمام	۱۰ بنات	۶ جدات	۲ زوجہ
۱	۱۶	۴	۳
۲۱۰	۳۳۶۰	۴۸۰	۶۳۰

مگر علم ریاضی میں کمال رکھنے کی وجہ سے امام علم وفن تصحیح کے ان ساتوں قاعدے کو ایک ہی قاعدہ میں سمیٹ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس فریق کے سہام اس کے افراد پر بلا کسر منقسم نہ ہوں اس فریق کے افراد وسہام میں نسبت دیکھی جائے اگر دونوں میں تبائن ہو تو افراد کا پورا پورا عدد محفوظ کر لیا جائے ورنہ افراد کے عدد کا وفق، پھر دیکھا جائے کہ چند اعداد محفوظ ہوتے ہیں یا صرف ایک عدد، اگر ایک عدد محفوظ ہو تو اس کو مخرج میں ضرب دیا جائے اور اگر چند اعداد محفوظ ہوں تو اعداد محفوظہ کا اصغر اضعاف مشترک نکال کر اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے۔ حضرت کا یہ ایک قاعدہ ساتوں قاعدوں کو جامع ہے۔

علم ریاضی کے یہ مباحث جو آپ کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں وہ علم وفن کے اس بحر بے کراں کی چھینٹوں میں سے چند چھینٹے ہیں، جن سے بہ حسن وخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بلا شبہ اپنے دور کے امام علم وفن ہیں، اور دیگر علمی کمالات کے ساتھ ساتھ امام علم وفن کا علم ریاضی میں بڑا ہی عظیم مقام ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حضرت کی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیجئے۔

×××××××××××××

×××××××××××××

حضرت امام علم وفن حکمت ودانائی کے تناظر میں

از۔ڈاکٹر محمد قائم الاعظمی ایڈیٹر سہ ماہی امام احمد رضا میگزین

اس خاکدان گیتی پر یوں تو ہر وقت انسان پیدا ہوتے ہیں اور اپنی مستعار زندگی کے ایام پورے کر کے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ان میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو دینی ودنیاوی اعتبار سے اپنے منفرد کارناموں کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔لیکن جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان پیدا ہونے والی شخصیتوں میں بعض مذہبی شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنے علم وعمل، حکمت ودانائی فہم وفراست فکر وتدبر اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے دوسروں پر فوقیت وبرتریت وامتیاز حاصل کئے ہوئے ہیں۔اگر چہ وہ تنہا ہوتی ہے، لیکن اس کے ارد گرد انسانوں کا ایک ہجوم رہتا ہے اور اس کے علمی فیضان سے مستفید ومستنیز ہونے کیلئے مدتوں اس کی خدمت عالیہ میں رہنا اپنے لئے سرمایہ افتخار محسوس کرتے ہیں۔اہل علم کی قدر ومنزلت ہر دور میں رہی ہے لیکن جب اہل علم کوئی معمولی آدمی نہ ہو بلکہ مقصد ابن آدم کا مکلف ہو اور مختلف علوم وفنون کا ماہر وکامل ہو تو اس کی عبقریت ومعنویت،شہرت وعزت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکت محتاج تعارف نہیں۔آپ کے پایہ کا مجدد،مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار زمانے نے ابتک دیکھا نہیں۔ماہرین رضویات نے آپ سے تقریباً ۵۵ علوم کو منسوب کیا ہے جن پر آپ کو ملکۂ تام حاصل تھا۔موجودہ دور میں جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو جامعہ مظہر اسلام بی،بی جی بریلی شریف کے فارغ التحصیل ایک عظیم المرتبت،فقید المثال شخصیت خلیفہ حضور مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمہ حضرت امام علم وفن پر جا کر ٹھہر جاتی ہے۔

حضرت امام علم وفن کی شہرت ومقبولیت ومعتبریت درس نظامیہ کی اعلیٰ تدریس اور وہ علوم وفنون جن میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی عبقریت ثابت ہے،حضرت امام علم وفن فقط اس کے محافظ وامین ہی نہیں بلکہ دور حاضر میں علوم اعلیٰ حضرت کے ماہر وکامل بھی ہیں۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد آپ کے جیسا درجنوں علوم وفنون پر کامل درک حاصل کرنے والا نظر نہیں آتا۔جن میں علم توقیت،علم جفر،ہیئت وہندسہ،جبر ومقابلہ،ارثماطیقی،مثلث مسطح،مثلث کروی،زیج،اعمال ستینہ و

مساحت، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع والمجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد والاجرام وغیرہم میں ماہر وکامل ہونے میں (بقول آپ کے) ظاہراً آپ کا کوئی استاذ، ثانی نہیں۔ اپنی خداداد فطری صلاحیتوں واستعداد ولیاقت کی بنیاد پر مذکورہ علوم کی کتابوں کا مطالعہ ومشاہدہ کر کے ان فنون میں مہارت تامہ حاصل کی ہے۔

میرے مضمون کا عنوان ہے 'امام علم وفن حکمت ودانائی کے تناظر میں۔

یقیناً میرے مضمون کو پڑھنے کے بعد آپ کو یقین کامل ہو جائے گا کہ امام علم وفن فقہ وحدیث اور علوم عقلیہ کے جہاں امام کامل ہیں وہیں پر علم طب پر بھی غایت درجہ کمال حاصل ہے۔

فقہی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے علم طب کا استعمال امام احمد رضا کے بعد صرف امام علم وفن کے ہاں ملتا ہے، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے ذات کے لئے 'امام علم وفن' کا لقب مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت نفس الامریہ ہے۔ 'اعضا کی پیوند کاری' کے فقہی حکم جواز وعدم جواز سے متعلق آپ کی معرکۃ الآرا گرانقدر تحریر اس پر شاہد عدل ہے۔

علم طب میں علاج ومعالجہ کی نوعیت دو طریقوں پر ہے: (۱) امراض کے تدارک کے لئے دواؤں کا سہارا لیا جانا۔ (۲) عمل جراحی یعنی اعضا میں کوئی نقص یا خرابی پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اعضا کی جراحت وپیوند کاری کر کے اس کو درست کیا جانا۔ حضرت امام علم وفن اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> (۱) اعضاء کی پیوند کاری یا خون چڑھانے کا مسئلہ پیش کرنے سے پہلے چند باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے تاکہ مسئلہ دائرہ کی نوعیت واضح ہو جائے، موجودہ دور میں علاج کیلئے علم الابدان کے دو طریقے ہیں ایک تداوی دوسرا جراحی اس لئے ان دونوں طریقوں کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔
>
> تداوی:۔ ایک صحت مند جسم کے لئے باعتبار کم وکیف اخلاط اربعہ (خون، صفرا، سودا، بلغم) کا باہمی طبعی تناسب وتوازن ہونا ضروری ہے۔ اور جب یہی اخلاط باعتبار کم وکیف اپنی طبعی نسبت کھو دیتے ہیں اور نئے مختلف تناسب پیدا ہو جاتے ہیں تو مزاج اعتدال سے ہٹ جاتا ہے جس سے جسمانی قوام متاثر ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً جسم میں طرح طرح کے ایسے امراض رونما ہونے لگتے جن میں بعض خود جسم کی طبیعت سے ٹھیک ہو جاتے ہیں اور بعض میں تداوی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور بعض میں جراحی کی ضرورت پڑتی ہے۔ رہی یہ بات کہ اختلاط اربعہ کی باہمی طبعی نسبت میں فرق کیوں پڑتا ہے؟ تو علم طب میں ان کے بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسم خارجی عوامل مثلاً چوٹ، آتش زدگی یا زخم خوردنی کی وجہ سے متاثر ہو جاتا ہے جس کے اندمال کے لئے تداوی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔
>
> الحاصل یہ کہ تداوی (دواؤں) کے ذریعے جسم کو قسری صورت سے طبعی سیرت کی طرف اعادہ مقصود ہوتا ہے جن کے لئے کئی مراحل ہوتے ہیں اول تشخیص، دوم تجویز، سوم ادویہ کی قوت، چہارم

دواسازی کا اصول، پنجم دوا کے طریقہ استعمال وغیرہ وغیرہ یہ سارے مراحل موہومی ہوتے ہیں جو درج ذیل باتوں سے واضح ہیں۔

تشخیص کیلئے اطبا نے مرض وعرض کی پہچان کی خاطر کچھ علامتوں کو اپنے ظن وتخمین اور تجربات کے ذریعہ متعین کرلیا ہے مثلاً نباضی، قارورہ کا معائنہ، چہرے مہرے کا اتار چڑھاؤ، جلد کالون، (رنگ) آنکھوں کی رنگت، منہ کا مزہ وغیرہ وغیرہ۔ ان علامتوں سے وہ اخلاط اربعہ کے غیر متناسب ہونے کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مریض میں، صفرا، سودا، بلغم، دم وخون) کس کی کمی یا کس کی زیادتی ہے اور پھر اس کو متوازن کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور چونکہ ایک مسبب کے لئے الگ الگ کئی سبب ہوسکتے ہیں اس لئے یہ علامتیں محض علامتیں ہیں۔ اس سے صحیح طور پر کسی ایک سبب کا یقین نہیں ہوپاتا اس لئے اطبا تشخیص کے دوران الگ الگ مرض کا تعین کرتے ہیں۔ علامتوں سے مرض کے تعین میں خطا عام ہے جس کی ایک مثال وہ ہے جو ڈاکٹروں نے امام احمد رضا کے متعلق طاعون کا حکم صادر فرمایا تھا۔

(۲) خود ان علامتوں میں اتنی باریکیاں ہیں کہ ان کا التزام اگر چہ محال عادی نہیں مگر متعذر ضرور ہے۔ مثلاً علم النبض میں یہ بتایا گیا ہے کہ نباض کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کو زیادہ گرم زیادہ سرد اور اسی طرح کھردری چیزوں کے لمس سے ہمیشہ بچائے رکھے بلکہ ایسے سخت کام سے محفوظ رکھے جن میں انگلیوں کو شدید گرفت سے عمل کرنا پڑتا ہے اور نباض کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کی نبض شناسی کرلی ہو اس سے پہلے حالت تندرستی میں اس کی نبض کی رفتار اور چال اور نبض کی قوت اور ارتعاش سے باخبر ہو ساتھ ہی ساتھ مریض کے مزاج سے پہلے سے باخبر ہو وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی کچھ شرطیں قارورہ بینی کیلئے بھی ملحوظ ہیں کہ حالت صحت میں پیشاب کی مقدار اور اس کی رقت وغلاظت اور اس کی رنگت کی شدت وخفت سے بھی باخبر ہو۔ اگر یہ شرطیں نہ ہوں تو نبض شناسی اور قارورہ بینی فقط ایک رسمی چیز ہے، جس سے اسباب کا علم تو درکنار ظن بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے طب جدید یعنی ڈاکٹری میں ان علامتوں سے گزر کر کے دوسرا طریقہ کار اختیار کرنے کی پیش کش کی گئی ہے۔

ان باتوں سے واضح ہے کہ تشخیص محض تخمینی چیز ہے.

۳. تجویز کا مرحلہ بھی اسی طرح ہے یعنی اخلاط اربعہ کو معتدل حال پر لانے کے لئے فن طب میں الگ الگ دواؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جو قرابادین اور مجربات حکما کے نسخوں سے واضح ہے۔ اس لئے اطبا بوقت تجویز اپنی فکر سے اپنے اپنے طور پر دواؤں کی تجویز کرتے ہیں اور اس کا وزن اور طریقہ استعمال بتاتے ہیں۔ بعض دواؤں کے مزاج میں بھی اطبا مختلف الخیال ہوتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر

تجویز میں بھی اطبا مختلف الرائے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی طبیب کو یہ احساس ہوتا ہے کہ موجودہ تجویز سے اخلاط معتدل نہیں ہوتے ہیں تو نسخہ کے اجزا اور مقدار بدل نے پر مجبور ہو جاتا ہے اس سے واضح ہے کہ تجویز بھی محض تخمینی امر ہے۔

۵۔ ادویہ کی قوت کا مسئلہ تو اس سے بھی نازک تر ہے۔ اس لئے گا ہے اتفاق سے تشخیص و تجویز صحیح بھی ہو جاتی ہے تو دوا مناسب نہ ہونے کی وجہ سے علاج غیر مفید ہو جاتا ہے۔ اس کی قدرے توضیح یہ ہے کہ یونانی، آیورویدک، ہومیو پیتھی، ایلو پیتھی غرض بھی دوائیں عموماً نباتاتی اجزا سے کبھی جماداتی اور بہت کم صورت میں حیوانی اجزا سے مختلف اصول پر بنائی جاتی ہیں۔ نباتاتی اجزا میں پھل، پھول، بیج، پتی، ٹہنی، تنا، جڑ اور کبھی جڑ کے باریک ریشے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق رہنمائے عقاقیر اور دوسری کتابوں میں ہے کہ ان اجزا کے حصول کے لئے الگ الگ موسم اور فصل متعین ہے۔ کیونکہ نباتات کی قوتِ مئوثرہ مختلف موسم میں سمٹ کر مختلف حصوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اگر بے موسم اجزا حاصل کئے جائیں تو بظاہر اگر چہ دوا حاصل کر لی گئی، لیکن اس کی قوتِ مئوثرہ اس میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ اجزا بے کار ہیں۔ اسی طرح یہ بھی تحریر ہے کہ ان اجزا کے حاصل کرنے میں جڑی بوٹی کی عمر کا خیال بھی ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اگر عمر کا لحاظ نہ رکھا گیا اور اجزا حاصل کر لئے گئے تو وہ بھی بیکار ہیں کہ عمر کے اعتبار سے دوائیں مئوثر اور غیر مئوثر ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح جڑی بوٹی کی کاشت کا بھی خیال رکھنا بھی ضروری ہے مثلاً ریتلی زمین، پتھریلی زمین، چکنی مٹی والی زمین، برابر والی زمین، نرم رہنے والی زمین، برابر خشک رہنے والی زمین، سطح الجبال، سطح الارض وغیرہ وغیرہ اگر ان شرائط کے علاوہ دوائیں حاصل کی گئیں تو وہ دوائیں بھی بے کار ہیں۔ دواؤں میں شامل ہونے والے مصلحات مثلاً شہد، زعفران، روغن بادام، روغن زیتون وغیرہ وغیرہ میں بھی مدت اور کہیں خالص ہونے کی شرط ہے۔ ورنہ دوائیں پیٹ میں پہنچ کر ہضم ہو جائیں گی۔ ان کا اثر جن اعضا تک پہونچنا مقصود تھا نہیں پہونچ پائے گا۔ اسی قسم کی کچھ شرطیں حیوانی اور جماداتی اجزا میں بھی ہیں۔ مثلاً فلاں حشرات الارض قبرستان کا ہونا چاہئے، فلاں حشرات الارض فلاں قسم کے اناج کی کیفیت کا ہونا چاہئے، جانوروں کی عمر کا بھی پاس وخیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان تمام شرائط کے پورے ہونے کے بعد اہم شرط یہ بھی ہے کہ دوائیں صحیح طور پر حاصل ہوگئیں تو انہیں مخصوص مدت کے اندر اندر ہی استعمال میں آجانی چاہئے ورنہ وہ دوائیں اپنا اثر کھو کر غیر مئوثر ہو جائیں گی۔ اسی طرح دواؤں کو سایہ میں خشک کرنا، نمناک جگہوں میں نہ رکھنا، چاندنی سے سے محفوظ رکھنا وغیرہ۔

۷: اطبا نہ تو نباتات کی کاشت کرتے ہیں اور نہ اپنی نگرانی میں یقین کراتے ہیں بلکہ جنگلی لوگ اور پہاڑی باشندے بے لحاظ موسم و مقام و عمران اجزا کو جنگل سے لا کر عطار کے وہاں فروخت کر دیتے ہیں اور عطار نسخہ دیکھ کر دوا مریض کے حوالے کر دیتے ہیں۔ نتیجۃً تشخیص و تجویز درست بھی ہو تو دوا سود مند نہ ہونے کی صورت میں ازالہ مرض نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہاں پر بھی دواؤں کی قوت موہوم ہے۔

دوا سازی میں جو شرطیں ہیں مثلاً کس حد تک ان کو کوٹا جائے پیسا جائے، گھیسا جائے نیم کوب یا سرمہ کی شکل کیا جائے اس کو کتنی دیر تک آرہ پر پکایا جائے درجۂ حرارت کتنی ہو، زیر زمین دفن کتنے دنوں تک کیا جائے ان باتوں کا اہتمام خود مریض نہیں کر پاتا۔ دوا ساز کمپنیاں بھی اس کا خاطر خواہ لحاظ نہیں رکھ پاتیں۔ اسی وجہ سے ہمدرد، طبیہ کالج، بیدناتھ، ڈابر کی تیار شدہ ایک ہی دوا مختلف اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبیب خود کہتا ہے کہ فلاں معجون، فلاں خمیرہ، فلاں اطریفل، فلاں سفوف، فلاں فلاں کمپنی کا استعمال کیا جائے۔ کیمیا کا نسخہ آج بھی سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہے لیکن اس کی کیمیائی ترکیب و تحلیل اور اصول و ضوابط زیر عمل نہ لا پانے کی وجہ سے کیمیا گر اپنے مقصد میں شاذ و نادر ہی کامیاب ہو پاتے ہیں۔ انسانی بدن کا قوام تو کیمیا سے بھی لطیف و نازک تر ہے، بھلا یہاں نسخہ جات اور اس میں اس قسم کا شامل کیا کارآمد ہو سکتا ہے اس لئے دوا سازی کا کام بھی امر موہوم ہے۔

۸۔ اسی طرح دوائیں کے استعمال کے لئے جو شرائط ہیں وہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے مثلاً خلوئے معدہ سے کیا مراد ہے؟ کیا غذائی اجزا کے کیلوس بننے کا وقت مراد ہے یا ہضم ثانی کا وقت مراد ہے۔ نہار منھ سے کیا مراد ہے کیا اس سے آسودگی معدہ کا ختم ہونا ہے یا صبح سویرے مراد ہے جو وہ رات کے کھانے کی آسودگی برقرار ہو بہر حال جو بھی مراد ہو مریض ان باتوں کو نہ تو جانتے ہیں اور نہ ہی اس کا لحاظ رکھتے ہیں اس لئے یہ اعتبار بھی عملی اعتبار سے موہوم ہے۔

الغرض تداوی کے جملہ مراحل ایسے امر موہوم ہیں کہ علما یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ فن طب محض تخمین وظن پر موقوف ہے اس لئے اگر کوئی بلا علاج مر جائے تو اس کو اس بنیاد پر گناہ گار قرار نہیں دیا جائے گا کہ جان بچانا فرض تھا بذریعے علاج جان بچانے کی کوشش نہیں کی اور حرام چیزوں سے علاج کرنے کی رخصت کا حکم نہیں دیا کہ امر موہوم کی بنیاد پر حرام چیزوں سے رخصت نہیں دی جا سکتی۔

حذاقت:۔ طبیب میں منجانب اللہ عطا کردہ ایسا وصف ہے جیسے کی دل میں ایسا ہی کیفیت طبیب اپنی حذاقت سے چونکہ صحیح تشخیص و تجویز کے قریب پہونچ جاتا ہے اور تناسب دونوں کی قوت و ضعف کی شناخت بھی کر لیتا ہے ساتھ ہی صفت اسلام کی وجہ سے اس کی فراست مومنہ بوجہ تدین حذاقت کی مؤید

ہوتی ہے اس لئے فقہاء نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان اوصاف کی موجودگی میں شفاء مظنون بظن غالب ملحق بالیقین العرفی ہوتی ہے اس لئے طبیب حاذق وہ مسلم کی رائے سے تداوی بالحرام جائز ہے، الغرض حذاقت کی قیداس لئے ہے تاکہ تجویز وتشخیص اور شفاء مظنون بظن غالب ملحق بالیقین العرفی ہوجائے۔

جراحی:۔رہی جراحی کی بات تو اس کا طریقۂ کار تداوی کے طریقۂ کار سے بالکل الگ تھلگ ہے گودونوں کو علاج کی نوعیت کہہ سکتے ہیں لیکن دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جیسے حیوان دونوع انسان وحمار میں ہے حمار کبھی بھی انسان کی منزل نہیں پاسکتا اسی طرح تداوی کبھی بھی جراحی کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتی اس کی تفصیل سے پیشتر ایک تمہید ضروری ہے۔

موجودہ صدی کے اندر اندر دنیا ایجادات واکتسافات میں ایسی حیرت ناک ترقی کرگئی ہے کہ آج اگر بوعلی سینادم عیسیٰ سے جی اٹھے تو موٹر کار، ٹرین ہوائی جہاز، ٹیلی گرام، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، انٹرکام، موبائل لاؤڈ اسپیکر، ٹرانزسٹر، راکیٹ، میزائل، ٹینک، کمپیوٹر، ایکسرے کارڈیوگرام، الٹرا ساؤنڈ اور اٹیمی اسلحہ، چاند اور مریخ کا سفر اور دیگر محیر ول العقول چیزوں کو دیکھ کر وہ رہنے پر مجبور ہوجائے گا کہ قیامت کا حساب ہوگیا اور ہم لوگ عالم برزخ سے دوسری دنیا میں آگئے ہیں آج کمپیوٹر کے ذریعے جملہ امور درجۂ یقین تک پہونچ گئے ہیں ساری دنیا کے عقلا اور دانشوران اس کی کاروائی کی صحت پر ایمان لاچکے ہیں۔

۶۔ اسی ترقی کا نتیجہ ہے کہ عمل جراحی سے پیشتر جملہ وہ امور جو جراحی کو ناگریز ہوتا ہے بتاتے ہیں طرح طرح کے کامیاب آلوں سے معلوم کر لیتے ہیں اس کی تصویر سامنے آجاتی ہے پھر اسے اسکرین کے ذریعے واضح انداز میں مشاہدہ کر لیتے ہیں اور پھر عمل جراحی کو کامیاب بنانے کیلئے جو بنیادی امور درکار ہوتے ہیں نہایت ٹوس انداز میں بروئے کار لائے جاتے ہیں اور جو ناکامی کی طرف لے جاتے ہیں ان کا بالکلیہ خاتمہ اور یکسر سد باب کر دیا جاتا ہے جراحی میں استعمال ہونے والے آلات اور ادویات کو اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جاتی ہے مثلاً تاریخ صحت کا علم، سارے اعضاء کا تفصیلی جائزہ، نفسیاتی محاسبہ اعضاء کے رئیسہ کا خصوصیت کے ساتھ معائنہ، پیشاب کا تجزیہ، ذیابطس کی تحقیق، خون کا گروپ یعنی جملہ وہ امور جو جراحی کیلئے ضروری ہیں پہلے پوری تفتیش کر ساتھ عالم محسوسات میں لاکر کامیابی کا یقین حاصل کرلیا جاتا ہے اور جب طرفین یعنی معالج و مستعلج کو شفاء کا یقین ہوجاتا ہے تو پھر کام آگے بڑھایا جاتا ہے یعنی تداوی میں حذاقت سے یوں مقصود ہوتا ہے اس کو بدرجہ اتم واکمل طرح طرح کے آلوں سے چھان پھٹک کرلقیار پر اتارلیا جاتا ہے۔ جس طرح دل ودماغ پر اعلیٰ صلاحیت پر اور علمی قابلیت کے ذریعے جو حساب وکتاب اور دیگر امور حاصل کئے جاتے تھے آج انہیں کمپیوٹر سے

حاصل کر لیا جاتا ہے اور ان کی صحت پر پوری دنیا کو یقین حاصل ہو جاتا ہے آج فلکیاتی اعمال طرح طرح کے آلوں کئے جاتے ہیں اور ان اعمال پر عقل وشرح کا اعتماد بحال رہتا ہے اسلئے جراحی کی تشخیص وتجویز اور طریقہ علاج تداوی کی یہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مظنون بظن غالب ملحق بالیقین کے درجہ پر پہونچ جاتا ہے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی سارے انتظامات معقول ہونے کے باوجود عمل جراحی ناکام ہو جاتا ہے، انسان کیلئے جان بچانے کی کوشش اور عمل ضروری ہے رہا جان کا سوال تو یہ رب العزت کے علم میں ہے کہ یہ جان بچے گی یا نہیں اور کوشش کامیاب ہوگی یا نہیں مثلاً صورت اکراہ میں مکرہ پر ضروری ہے کہ جس بات پر اکراہ ہوا ہے وہ اس پر عمل کرے، رہی یہ بات کہ اس عمل کے بعد بھی میری جان بچے گی یا نہیں یہ رب تعالیٰ کے علم میں ہے ہوسکتا ہے کہ جابر نے جس بات پر مجبور کیا ہو اس بات پر عمل کرنے کے بعد بھی مجبور کو قتل کردے، نوالہ حلق سے اتارنے کیلئے جو شراب کی گھونٹ لی ہے خود وہ گھونٹ پیٹ میں پہونچ کر ایسا فساد پیدا کردے کہ آدمی فوراً مر جائے اس لئے جان بچانے کی تدبیر پر اطمنان کافی ہے خواہ جان بچے یا نہ بچے بہر حال جراحی میں مکمل طور پر بطور شاہدہ اطمنان ویقین ہو جاتا ہے کہ یہ طریقہ کار ہماری جان الاعضاء کے حفظ کیلئے ضروری ہے اور سارے انتظامات عمل جراحی کو کامیاب بنانے کیلئے صحیح طور پر ضامن ہیں اس کے باوجود بھی اگر عمل جراحی ناکام ہو جاتا ہے تو وہ شاذ و نادر ہے اس لئے اسے الشاذ کالمعدوم کے خانہ میں ڈال دینا چاہیئے ورنہ پھر ٹرینوں بسوں، ہوائی جہازوں پر سفر کرنا بھی حرام ہو جائے گا کہ ان کے حادثے میں ایکسیڈینٹ اور کریش میں سینکڑوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں یہاں بھی کوئی مسافر کی جان کا ضامن نہیں ہوتا۔

ہاں یہاں یہ بات قابل لحاظ ضرور ہیکہ پوری تفتیش کے بعد اگر جراح کا یہ فیصلہ ہو کہ عمل جراحی کے بعد بھی گمان غالب ناکافی ہے اور کامیابی صفر کے برابر ہے تو عمل جراحی کی اجازت نہ ہوگی۔

آگے چل کر امام علم وفن فرماتے ہیں کہ:

الحاصل یہ کہ عمل جراحی میں عضوء کا اعادہ الی سیرت الاولیٰ نہیں بلکہ اس میں تجرید، مثلاً ہائیڈروسل پتھری، ٹومر اینڈیس وغیرہ کے آپریشن) یا ترکیب. مثلاً کٹی ناک یا کٹی ہونٹ وتالوگل پیوند کاری) یا تبدیلی (مثلاً دل گردہ پھیپھڑا وغیرہ کی تبدیلی) کا عمل مقصود ہوتا ہے اور یہ تینوں باتیں یعنی تجرید، ترکیب، اور تبدیل، عالم محسوسات کی چیزیں ہیں ہم اپنی آنکھ سے یا آلہ کی مدد سے دیکھتے ہیں کہ تجرید میں بد گوشت کو کاٹ کر پھینک دیا گیا، ترکیب میں ناک کان، ہونٹ، تالو بالکل صحیح ہو گئے اور تبدیل میں

دل گردہ پھیپھڑا عمل کرنا شروع کر دیا برخلاف تداوی کے کہ وہاں نہ تو مرض ہی حسی ہوتا اور نہ ازالہ مرض کی تدبیر ہی حسی ہوتی بلکہ نتیجہ برآمد ہونے کے بعد اس کو یقین کا درجہ ملتا ہے۔
الحاصل جراحی کی تشخیص وتجویز اور اس کے مبادی بالعموم حسی ہوتے اور تداوی میں غیر حسی موہوم ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہرگز ہم پلہ نہیں۔ اسلئے تداوی کے عدم جواز کی صورتوں کو جراحی پر لادا نہیں جاسکتا اور نہ تداوی سے متعلق فقہی جزئیات کو کھینچ تان کر جراحی پر محمول کیا سکتا ہے مسئلہ مجتہد فیہ میں عرفی یقین احکام شرع جاری کرنے کیلئے کافی سمجھا جاسکتا ہے تو عمل جراحی میں اس کو کافی کیوں نہیں سمجھا جائے گا۔
رخصت اسقاط کو ۹۲ کیلومیٹر کی مسافت پر موقوف رکھا گیا ہے حالانکہ کوئی مسافر صحیح صحیح طور پر ناپ کر سفر نہیں کرتا اور نہ کسی کو صحیح طور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مسافت ۹۲ رکیلومیٹر کی ہے بلکہ یہ عرفی ہے پیمائش کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں اور رخصت پر عمل شروع ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم میں عدت طلاق کے لئے۔ ثلثۃ قروء آیا ہے امام شافعی نے مختلف قرائن سے اس کو طہر پر محمول فرمایا اور امام اعظم نے حیض پر حالانکہ امام اعظم کے قول پر تین حیض گزارنے میں دو طہریں درمیان میں آہی جاتا ہے اگر ایک طہر مزید مان لیتے ہیں تو قطعی ویقینی طور پر ثلثۃ قروء پر عمل ہو جاتا خواہ وہ بمعنیٰ طہر ہو یا بمعنیٰ حیض لیکن چند قرینے کی بنیاد پر اجتہاد کر کے اس کو حیض کے ساتھ مختص کر کے واجب کر دیا جب کہ اس قسم کے تاویل میں احتمال خطاء ناشی عن الدلیل ضرور ہوتا ہے اسی سے واضح ہوتا ہے کہ عمل جراحی میں جب کہ کسی طرح سے مرتبہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر وہ اگر واجب نہیں تو جائز ضرور ہوگا۔
تداوی میں چونکہ شروع سے آخر تک جملہ مراحل موہوم در موہوم ہوتے ہیں اس لئے وہاں یہ حکم نہیں۔ آپنے دیکھا ہوگا کہ بعض پودے کو زمین سے اکھاڑ کر پانی بھرے بوتل میں ڈال دیا جاتا ہے تو عرصہ تک ہرا ابھرا رہتا ہے اسی طرح بعض پودے کے کسی حصہ کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے اور پانی سے تر کر کے رکھا جاتا ہے تو وہ مردہ نہیں ہوتا جیسے پان کی پتی، صدا بہار، جیون بوٹی، گل مریم، ناگ پھنی وغیرہ اور اگر فریزر میں رکھا جائے تو اس میں عرصہ تک بلا کسی تغییر کے حیات آثار باقی رہتے ہیں اسی طرح حیوان کا کوئی عضو کاٹ کر جدا کیا جائے تو ضروری نہیں کہ فوراً اس عضو مقطوع سے زندگی کے جملہ آثار بالکلیہ ختم ہو جاتے ہیں مشاہدات میں ہے کہ چھپکلی کی دم کٹنے کے بعد اس میں حس وحرکت ہوتی رہتی ہے اسی طرح مچھلیوں کے بعض حصے کاٹ کر جدا کرنے پر بھی متحرک رہتے ہیں ذبح کردہ گائے کے گوشت کی بوٹی کر لینے کے بعد بھی بعض بوٹی پھڑکتی رہتی ہے تو اگر کوئی ماہر جراح فن جراحی کے اصول

پر کسی عضو کو جسم سے جدا کر دے تو اس میں حیات کا باقی رہنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ الخ

اسی طرح فن جراحی میں ایسی ایسی دوائیں ایجاد کر لی گئی ہیں کہ جسم سے علاحدہ کردہ عضو اس دوا میں اور مناسب ظرف ومکان میں رکھا جائے تو اس میں حیات کے آثار مثلاً حساسیت روح کچھ دنوں تک باقی رہے اور اگر اسے دوسرے بدن میں پیوند کاری سے فٹ کر دیا جائے تو وہ باقاعدہ باحیات عضو، جیسا کام بھی کرنے لگے اور یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جب تک کٹے ہوئے عضو میں حیات کے آثار رہیں گے اس وقت تک وہ نہ باقاعدہ مردہ ہے اور نہ بحکم مردہ نجس ہے وہ عضو بالکل اس حال میں رہتا ہے جیسے کوئی عالم سکرات میں یا حالت سکتہ میں ہوتا ہے بظاہر اس کی زندگی معدوم معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ اب بھی وہ سماج وطب میں باحیات مانا جاتا ہے اسی طرح عضو مقطوع کا بھی حال ہے اگر چہ وہ بظاہر مردہ سمجھ میں آتا ہے لیکن نفس الامر میں اب بھی اس میں آثار حیات باقی ہیں اس لئے وہ نہ مردہ ہے اور نہ بحکم مردہ نجس ہے۔

فقہاء کرام کے اقوال میں جہاں کہیں عضو مقطوع کو مردہ اور نجس کہا گیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ اس سے آثار حیات بالکل ختم ہو گئے ہوں جیسے کہ عادتاً ہوتا ہے فقہاء کرام کے فرمان میں جب تک ذبح کردہ جانور باقاعدہ ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کا کوئی عضو کاٹنا مکروہ ہے اسی بات کی طرف اشارہ ہے اگر چہ ذبح کے بعد اس جانور کا زندوں میں شمار نہیں کیوں کہ عادتاً اب اس میں حیات لوٹ کر نہیں آسکتی اسی طرح طبعیات میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ جسم کی طبیعت میں قدرتاً ایسی صلاحیت موجود ہوتی ہے جو زخم خوردہ عضو کے بلا کسی دوا کے اصلاح واندمال کر لے بشرطیکہ یہ ہے کہ کسی خارجی اثر سے اس میں ہمت یا کوئی دوسرا افساد پیدا نہ ہو گیا ہو اور اگر اس قدرتی صلاحیت کی مزید مدد دوا سے کر دی جائے تو یہ سرعت اندمال حاصل ہونے لگتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ جب سے آپریشن کی ترقی کا دور شروع ہوا ہے اسی دم سے دواؤں میں بھی ترقی شروع ہوگئی ہے کہ باسانی کٹے ہوئے عضو کے جوڑنے میں امتیازی اثر دکھا سکے اور آخر میں اس قسم کی دوا کو ہر طرح سے جانچ، پرکھ اور تجربہ کر کے اس منزل تک پہونچا دیا گیا ہے کہ لوگ اسے جادو سے تعبیر کرتے ہیں۔

عضو کی ترکیب وتبدیل میں چونکہ کار آمد عضو کو اسی منصب پر رکھ کر اس سے وہی کام لیا جاتا ہے جو قدرتاً ان کے ذمہ سپرد تھا اس لئے اس میں اس عضو کی نہ کسی طرح اہانت ہے اور نہ بے حرمتی ہاں منصب عمل سے ہٹا کر اسے دوسری منفعت مثلاً کھانے پینے اور زینت بنانے کیلئے استعمال کیا جائے تو البتہ اس کی اہانت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی بھی شئی سے عرفی استفادہ کی دو صورتیں

ہیں، اول یہ ہے کہ مستفید اس شئی کو اپنا جزء متصل باتصال حقیقی بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو اور رنج والم اور حساسیت وغیرہ کا اس پر ترتب بھی ہو جیسے اعضاء کی پیوند کاری میں ہوتا ہے دوم یہ ہے کہ مستفید اس سے کوئی دوسرا فائدہ حاصل کرلے لیکن اس شئی کو اپنا جزء متصل باتصال حقیقی نہ بنائے خواہ اسے جز ہی نہ بنائے اور نہ اس پر جز کے تسمیہ کا اطلاق ہو جیسے چشمہ وغیرہ خواہ اسے اپنا جز بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو لیکن اس کا عدم اتصال ظاہر ہو جیسے مصنوعی ٹانگ وغیرہ یا اسے جز بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو اور ساتھ ہی اتصال بھی ظاہر ہو لیکن فی الحقیقت اتصال حقیقی نہ ہو جیسے مصنوعی دانت استفادہ کی پہلی صورت نہ انتفاع ہے اور نہ استعمال بلکہ دوسری صورت کی تینوں قسمیں انتفاع ہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ استکمال الشئی بتحصیل الجزء جبر وتکمیل ہے، استمتاع الشئی لتحصیل المنفعۃ انتفاع ہے، اور تصرف فی الشئی لتحصیل المنفعۃ اوالمضرۃ استعمال ہے اور چونکہ جز علت مادیہ میں شامل ہے اور علت صوریہ کا معروض ہوتا ہے اور منفعت خارج عن المادہ اور غیر معروض للھیئت ہوتی ہے اس لئے جزء اور منفعت الگ الگ ہونے کی وجہ سے جبر وتکمیل نہ انتفاع اور نہ استعمال، بایں وجہ فقہا کے ان جزئیات کو جو جزء انسانی سے انتفاع کو حرام بتاتے ہیں اعضاء کی پیوند کاری سے جوڑنا صحیح نہیں ۔اور جب واضح ہو گیا کہ اعضاء کی پیوند کاری منفعت نہیں اس لئے پیوند کاری کی ابتداء سے پیوند کاری کے کامیاب ہونے تک عضو میں کچھ بھی عمل ہو وہ نہ تو انتفاع ہے اور نہ استعمال نہ حق جراح میں نہ حق مریض میں، البتہ پیوند کاری کی کامیابی کے بعد عضو کی کارکردگی یا پیوند کاری کا ثمرہ حق مریض میں یقیناً انتفاع ہے، لیکن چونکہ اب وہ عضو مریض کا اپنا عضو ہو گیا ہے اس لئے اس سے انتفاع بہ عضو خویش ہوا بہ عضو دیگر نہیں، لہٰذا جو حرام تھا وہ لازم نہیں اور جو لازم ہے وہ حرام نہیں۔ بلا تمثیل اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے جنین میں خالق نے مردانہ عضو کی تخلیق فرمائی یہ تخلیق نہ تو انتفاع ہے اور نہ استعمال، نہ حق خالق میں نہ حق جنین میں، بلکہ اس کی تخلیق مبنی علی الصحۃ ہے کہ جب یہ عضو لائق کار اور صالح عمل ہو تو اس عضو کو استعمال کرے اور اس سے انتفاع بھی کرے، یا مثلاً قبل نکاح منکوحہ اجنبیہ ہے حالت انعقاد عقد جو عمل قاضی یا کوئی کرتا ہے وہ نہ اجنبیہ کا استعمال ہے اور نہ اس سے انتفاع، نہ حق قاضی میں اور نہ حق ناکح میں اس لئے یہ اعمال حرام نہیں، اور بعد انعقاد، اجنبیہ ناکح کی بیوی بن گئی اس لئے ناکح کا اس سے انتفاع جائز ہے۔ تقریباً یہی حال جملہ عقود میں ہے۔ اعضاء کی پیوند کاری بھی ایک عقد حسی ہے یہاں بھی نہ عضو کا استعمال ہے اور نہ اس سے انتفاع۔ بعد تکمیل پیوند کاری مریض کا جز بن جانے کی وجہ سے اس سے انتفاع جائز و درست ہے۔ الغرض پیوند کاری کی علت غائیہ سے استمتاع انتفاع ہے۔ اور یہ اس وقت

ہوتا ہے جب پیوندکاری مکمل ہوجائے اس سے قبل نہیں۔

بطریق تنزل یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علماء کے اس فرمان سے کہ ''جزء انسانی سے انتفاع حرام ہے،، اس میں اس کی تکریم نہیں بلکہ اہانت ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس سے وہ انتفاع مراد ہے جس میں اس کی اہانت ہے **لان الحکم یدور علیٰ علتہ** مثلاً کھال سے بیگ بنانا، جوتا بنانا، جلد سازی کرنا یا پٹھے سے سلائی کا کام کرنا یا روئی دھننے کے لئے تانت بنانا یا ہڈی سے چاقو وغیرہ کا دستہ بنانا اس کے کسی عضو کو کوٹ چھان کر یا پانی میں ابال کر بطور تداوی استعمال کرنا یا پکا کر کھانا وغیرہ جیسے عام طور پر حیوانی اجزاء سے انتفاع ہوتا ہے یعنی انتفاع کی جو جنس طبقاتِ فقہاء میں تھی اس کی نوع اور اس کے افراد مراد ہیں **لان الکلام انما یحمل علیٰ احوال الزمان**۔ جیسے متقدمین کا فرمان **الجماد طیرانہ فی الھواء محال عاد** اس میں ہوائی جہاز راکٹ وغیرہ داخل نہیں جو کل پرزے کی وجہ سے ہوا میں اڑان بھرتے ہیں۔

پیوندکاری میں عضو کی اہانت واحترام کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ خدانہ خواستہ کوئی تعلیمی ادارہ زلزلہ وسیلاب کے حادثے میں تباہ ہوجائے تو اگر اس ادارہ کے اراکین کو کسی دوسرے ادارہ کی ذمہ داری سپرد کردی جائے جہاں کے اراکین ناکارہ ہوگئے ہوں تو اس سے تباہ شدہ ادارہ کے اراکین کی اہانت ہے نہ کہ بے حرمتی بلکہ یہاں اس کی عزت افزائی اور دوسرے ادارہ کا حفظان ہے، بالکل یہی حال تبدیل اعضاء کے مسئلہ میں ہے کہ جسد انسانی ایک ادارہ ہے جس کے کچھ ارکان ہیں اگر جسد انسانی کسی حادثہ میں تباہ ہوجائے اور اس کے ارکان دل، گردہ، چشم اور دیگر اشیاء کو دوسرے ایسے جسد انسانی میں فٹ کردیا جائے جس کے اراکین از کار رفتہ ہوگئے ہوں تو اس سے اراکین کے احترام میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ یہ اس کی اہانت ہے۔ البتہ اراکین کو ان کے منصب سے گرا کر دوسرے ادارہ میں اسی طرح منتقل کردیا جائے کہ صدر مدرس کو چپراسی اور صدر کمیٹی کو فراش اور دیگر اراکین میں سے بعض کو باورچی، بعض کو بھنگی بعض کو محصل اور بعض کو مبلغ اور بعض کو کلرک وغیرہ وغیرہ کے عہدے پر کردیا جائے تو البتہ ان کی اہانت ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو حادثہ کے شکار آدمی کے عضو بہر حال بے کار ہوجاتے ہیں لیکن تبدیلئ اعضاء کی صورت میں کچھ ہی دنوں کیلئے صحیح پھر بھی وہ اپنے منصب پر آگئے۔ اس لئے اس میں اہانت نہیں، بلکہ ان کا اعزاز ہے۔

امام علم وفن ایک لمبی بنیادی باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان باتوں کا نچوڑ ونتیجہ یوں نکالتے ہیں۔

(ا) علاج بالتداوی میں شروع سے آخر تک جتنے مراحل ہوتے ہیں سبھی امر موہوم در موہوم

ہوتے ہیں اس لئے فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ یہ نہ فرض ہے نہ واجب اور اسی بنیاد پر حکیم حاذق و مسلم کی رائے کے بغیر تداوی بالحرام کو ناجائز قرار دیا اس کے برخلاف علاجِ بعمل جراحی کے جملہ مراحل گوکہ مرئی اور مشاہد اور حسی ہوتے ہیں جو برہانیت کے مقدمے ہوتے ہیں اس لئے علاج بذریعہ جراحی کی کسی بھی صورت کو خواہ تجرید ہو یا ترکیب یا تبدیل امر موہوم کی بنیاد پر ناجائز قرار دینا قطعی درست نہیں، اور تداوی کے کے جزئیات کو اس پر منطبق کرنا قطعی صحیح نہیں، جان کی سلامتی کی ضمانت کہیں بھی نہیں، جیسے مضطر کیلئے حرام شئی کھانے یا مجبور کا مکرہ بہ پر عمل کرنے میں اگر چہ ظاہر حال یہی ہے کہ جان کی سلامتی ہوگی لیکن اس میں بھی جان کی سلامتی کی ضمانت نہیں ہوسکتا ہے کہ لقمہ اتارنے کیلئے شراب کی گھونٹ لی گئی ہو لیکن خود شراب کی گھونٹ موت کا باعث بن جائے مکرہ بہ پر عمل کرنے کے باوجود جابر مجبور کو قتل کرسکتا ہے مردہ ماں کے شکم کو چیڑ کر زندہ بچہ برآمد کرنا ناجائز نہیں بلکہ واجب ہے یہ اور الگ بات ہے کہ اس عمل سے بچہ زندہ رہے گا یا نہیں اس کی کوئی ضمانت نہیں، اکثر حالات میں بیشتر بچے لقمہ اجل بن جاتے ہیں عمل جراحی میں یہی صورت ہے کہ ظاہراً حال تو یہی بتاتا ہے کہ اس میں جان کی سلامتی ہے گوکہ اس میں ضمانت نہیں پھر بھی اس پر عمل جائز ہے، اس کے جواز پر کوئی کلام نہیں بعض صورتوں میں علاج فرض ہے بعض میں واجب بعض میں مستحب اور بعض میں ممنوع اس کی تفصیل ذیل کی باتوں سے واضح ہے۔

تبدیل اعضاء جس حال میں کیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مریض کا ایسا عضو بےکار ہو گیا ہے کہ اگر اس کا بدل نہ ہو تو مریض کی موت یقینی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مریض کا ایسا عضو بیکار ہو گیا ہے کہ اگر اس کا بدل نہ ہو تو اگر چہ موت یقینی نہیں لیکن مریض سخت حرج واقع ہو جائے گا۔

اسی طرح جنس بدل حاصل کیا جاتا ہے یا تو ایسے انسان سے حاصل کیا جاتا ہے جو کسی حادثہ میں جس طرح خود برباد ہو گیا اسی طرح اس کے اعضاء بھی برباد و ضائع ہو جائیں گے تو تبدیلئ اعضاء کی پہلی صورت اس حالت میں قطعی جائز ہے بلکہ استطاعت ہو تو فرض ہے کہ اس سے مریض کی جان بچ جائے گی جس کا بچانا فرض ہے اور برباد ہونے والا عضو بھی محفوظ ہو کر کارآمبد ہو جائے گا یہاں اس کی نہ کچھ اہانت ہے نہ اضاعت اگر بدل کسی تندرست آدمی سے حاصل کیا گیا ہو جس سے اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں وہ اس کی اجازت بھی دیتا ہے تو یہاں تبدیلئ اعضاء جائز ہے اور بصورت استطاعت علاج فرض ہوگا اگر تندرست کو جان کا خطرہ ہو تو الضرر لا ھزال بمثلہ کی وجہ سے علاج جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔

تبدیلئ اعضاء کی دو صورت میں بھی یہی حال ہے کہ اگر حادثہ زدہ کے عضو سے کیا جاتا ہے تو

جائز ہے اگر استطاعت ہوتو واجب کہ دفع حرج بحسب استطاعت واجب ہے اس میں حادثہ زدہ انسان کا نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی نقصان اور نہ عضو انسانی کی اہانت، بلکہ علی شرف الضیاء عضو کی حفاظت واعزاز ہے۔

تندرست آدمی کے عضو کو بطور بدل استعمال کیا جائے تو تبدیلیٔ اعضاء کی دوسری صورت میں ملحوظ رہے کہ قبل علاج مریض کا حرج اور بعد تبدیل تندرست کا حرج اگر دونوں مساوی ہوں یا تندرست آدمی کا حرج بڑھ جائے تو جراحی جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے اگر تندرست آدمی کا حرج اقل ہوتو جائز ہے، اگر کسی کی دونوں آنکھیں ضائع ہوگئیں اور ایک آدمی اپنی ایک آنکھ پیش کرتا ہے تو ایسی صورت میں ایک آنکھ لے کر جراحی جائز ہے **الحرج الشديد يزال بالحرج الخفيف** ۔اگر استطاعت ہوتو اس صورت میں دفع حرج کیلئے علاج واجب ہے اگر مریض کا علاج بعمل جراحی ہو اور تندرست آدمی کا حرج شدید یا برابر ہوجائے تو یہ جراحی جائز نہیں ممنوع ہوگی مثلاً مریض کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی جس آدمی سے ایک آنکھ حاصل کی جارہی ہے اس کی بھی ایک آنکھ ہے، تو آنکھ نکالنے سے اس کا حرج بڑھ جائے گا مثلاً مریض کی صرف ایک آنکھ ضائع ہوگئی اور کوئی ایسا تندرست جو دو آنکھ والا ہو اپنی ایک آنکھ پیش کرتا ہے تو چونکہ اس میں حرج مساوی ہوجاتا ہے یعنی قبل علاج جو حرج مریض کو تھا بعد علاج اب وہی حرج تندرست آدمی کو ہوگیا چونکہ اس صورت میں حرج مساوی ہے اس لئے بقاعدہ **الضرر لايزال بمثله** روا نہیں بلکہ ممنوع ہوگا۔

اسی ضابطہ پر عمل جراحی کی وہ صورت جو ترکیب کہلاتی ہے یعنی اعضاء کی پیوند کاری کو بھی قیاس کرکے حکم لگانا چاہئے اور خون چڑھانے کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، رہا عمل جراحی سے تجرید کا مسئلہ تو مثلاً ہائڈروسل اور اپینڈس وغیرہ تو اس کے علاج میں دوسرے اعضاء سے عام طور پر کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، اس لئے قبل علاج مریض کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہاں علاج کے بعد اس کیلئے بہتر ہے تو یہ علاج مستحب ہے اگر کسی وجہ سے یہاں بھی عضو کی پیوند کاری کرنی ہوتو یہ پیوند کاری مستحب ہے لیکن برونی علاج یہاں جان کا خطرہ ہے جیسے اپینڈس یا دماغ کا ٹیومر وغیرہ تو پھر علاج فرض ہوگا۔

بوجہ آخر:۔ بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے قول پر عمل جائز ہے ہر چند کہ مذہب حنفی میں بحالت مخمصہ یا اکراہ دوسرے کے عضو کا قطع ممنوع ہے لیکن دوسرے ائمہ کے یہاں جائز ہے، اس لئے تبدیل اعضا وغیرہ میں جہاں ضرورت یا حاجت بمرتبہ ضرورت ہوتو وہاں بذریعہ جراحی علاج درست ہے جبکہ جراحی میں قطع اعضاء جراحی کے اصول پر ہونے کی وجہ سے مقطوع عنہ الاعضاء خطرہ میں نہیں

ہوتا، برخلاف مخمصہ یا اکراہ کے کہ اس کا بے خطرہ ہونا ظاہر نہیں، اسی طرح تبدیل اعضاء اور پیوند کاری میں وابستگی محض نہیں ہوتی بلکہ اتصال حقیقی ہوتا ہے، برخلاف حالت مخمصہ کے کہ وہاں اتصال حقیقی نہیں ہوتا بلکہ انتفاع واستعمال ہوتا ہے، تو جب بعض ائمہ کے یہاں مخمصہ وغیرہ میں عضو انسانی کا استعمال جائز ہے تو تبدیل میں اس کا اتصال بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے، کسی زندہ یا مردہ انسان کا عضو کاٹ نے میں اس زندہ یا مردہ انسان کا ایلام ہے اس لئے یہ حرام ہے، تو یہ ہر صورت میں حرام نہیں اس لئے کہ احیاء کے لئے مردہ انسان کا ایلام جائز ہے جیسے مردہ ماں کا شکم چیر کر زندہ بچہ برآمد کرنا جائز ہے خواہ برآمد کرنے کے بعد بچہ زندہ رہے یا نہ رہے، اسی طرح زندہ انسان کے ایلام سے کسی قریب الہلاک انسان کو بچایا جاسکتا ہے تو یہاں اگر چہ ضرر خفیف سے ضرر شدید کو زائل کیا جاتا ہے اس لئے یہ بھی روا ہے، یہی حکم خون کشید کر کے (بلیڈ ٹرانسفوزن) دوسرے جسم میں چڑھانے کا بھی ہے الضرر الشدید یزال باالضرر الخفیف۔

جن جن صورتوں میں جراحی یا تصعید دم (خون کا چڑھانا) ضروری اور واجب ہے ان صورتوں میں اگر بطور عطیہ وعرفی یا ہبہ عرضی عضو اور خون حاصل نہیں ہوتا تو ان صورتوں میں خون اور عضو کی صوری بیع وشرا جائز ہے، استحباب والی صورت میں خود مریض کے عضو یا کسی ماکول اللحم جانور کے عضو سے پیوند کاری جائز ہے دوسرے کے عضو سے جائز نہیں رہا اس صورت میں خون کا مسئلہ تو مریض خود خون کا محتاج ہے اس لئے اس سے خون کی کشیدگی روا نہیں تو پھر تصعید کا سوال ہی نہیں اٹھتا باقی ماکول اللحم جانور کے خون مسئلہ تو جانور کا خون انسانی خون کے گروپ سے میل ہی نہیں رکھتا اس لئے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

امام علم وفن نے اعضاء کی پیوند کاری اور تداوی کے بنیادی مسائل پر جس طرح شرح وبسط، توضیح کے ساتھ اپنی فنی مہارت، فہم وفراست کے بل پر مدلل ومفصل آثار، قرائن وبراہین سے لبریز معلومات کا ذخیرہ ضبط تحریر کیا ہے تداوی وعمل جراحی (پیوند کاری) کے جواز سے متعلق ایسے ایسے درپیش پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا کر حیرت واستعجاب میں ڈال دیا ہے بلا دریغ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مختلف علوم وفنون پر کامل درک آپ ہی کا مقسوم ہے۔

آپریشن اور اعضاء کی پیوند کاری کے ایک استفتاء کے سوال کا جواب ذیل میں فرماتے ہیں۔

استفتاء:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دور حاضر میں جو آپریشن کیا جاتا ہے جس میں کسی کے خراب عضو کو دوسرے کے صحیح عضو سے بدل دیا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ ناجائز بتاتے ہیں کہ اس میں دوسرے آدمی کو ضرر ہوتا ہے اور انسان کے احترام میں خلل ہوتا ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ مریض کی بھلائی ہے اسلئے یہ درست ہے اور جائز ہے، حکم شرعی سے مطلع کیا جائے بینوا توجروا!!

الجواب بتوفیق الملک الوھاب:۔ جن چیزوں کی اضاعت واہلاک پر بندوں کیلئے حکم اعقاب ہے

خواہ آخرت میں بطور وعید یا دنیا میں بطور حدود و قصاص یا بطور ضمان وہ ساری چیزیں واجب الحفظ ہیں، بنفسہ ان کا اہلاک کسی صورت میں جائز نہیں اور چونکہ " **مقدمة الواجب واجبة** ،، اصول فقہ کا ضابطہ ہے اس لئے ان چیزوں کے حفظ کا موقوف علیہ عند الشرع بمرتبۂ ضرورت ہوتا ہے، لہٰذا حفظ نفس واطراف، حفظ نسب وعصمت، حفظ دین وعقل اور حفظ مال ومتاع واجب، اور جن چیزوں پر ان کا حفظ موقوف بمرتبۂ ضرورت ہے نفس واطراف واجب الحفظ کے ساتھ ساتھ واجب الاحترام بھی ہیں، اس لئے باجازت بھی کسی کو ہلاک کرنا اور زندوں یا مردوں کے عضو کاٹ کر جدا کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہاں حفظ نہیں، اضاعت واہلاک ہے، احترام نہیں، اہانت وبحرمتی ہے۔ جو واجب الحفظ اور محترم بالذات کے منافی ہے البتہ اگر صورت ایسی ہو کہ بغیر عضو کاٹے چارۂ کار نہیں تو بر بنائے ضرورت عضو کا کاٹنا جائز ہوگا، بشرطے کہ ازالۂ ضرر بمثلہ یا اہانت نہ لازم آئے جیسے کہ اعضاء کی پیوند کاری میں ہوتا ہے کہ یہاں قطع نہ برائے اضاعت اور نہ بعد قطع اس کی اہانت بلکہ اس کا احترام برقرار رہتا ہے اگر تلف عضو یا اس کی اہانت ہو تو کسی حال میں عضو کا قطع جائز نہیں خواہ وہاں ضرورت ہی کیوں نہ متحقق ہو، جیسے حالت اکراہ یا حالت مخمصہ میں۔

آپریشن کی صورت جو سوال میں درج ہے ہندو مسلم، سکھ، عیسائی، امیر وغریب، پیر ومرشد، علماء وصلحاء اور عوام وخواص سبھی میں رائج اور اس میں ابتلائے عام ہے اور روز بروز اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس لئے بوجہ تعامل وعموم بلوی اس کے جواز میں کلام نہیں۔

اعضاء کی پیوند کاری کی مثال ایسی ہے جیسے (العیاذ باللہ) کسی نسخہ قرآن کو دیمک نے جا بجا چاٹ لیا ہو اور نا قابل تلاوت کر دیا ہو، اسی مطبع کے دوسرے قرآن پاک کا کوئی ورق چھوٹ کر غائب ہو گیا ہو تو دیمک خوردہ قرآن پاک سے سالم ورق کو تراش کر دوسرے قرآن پاک کے پھٹے ورق کی جگہ اس لئے چسپاں کر دیں تاکہ وہ صحیح حال پہ ہو جائے یہ قطعاً درست ہے، قطع وتراش سے نہ دیمک خوردہ قرآن کی بحرمتی ہے اور نہ ایسی پیوند کاری حق قرآن میں غلط استعمال ہے ہاں اگر دیمک خوردہ قرآن پاک کے سالم اوراق کو دوسری کتاب کیلئے بطور جلد استعمال کیا جائے یا دوسری کتابوں میں پیوند کاری کے طور پر چسپاں کیا جائے تو یہ بالیقین اہانت ہے۔ اعضاء کی پیوند کاری میں تین مرحلے ہوتے ہیں، اول قطع عضو، دوم اس کا اتصال، سوم بعد اتصال انتفاع ان تینوں مرحلوں کا جائزہ ضروری ہے۔

مرحلۂ اول:۔ انسان اور اس کے جملہ اعضاء واجب الحفظ کے ساتھ ساتھ واجب الاحترام بھی ہیں اس لئے کسی کو ہلاک کرنا، زندوں اور مردوں کے عضو کو کاٹ کر ضائع کرنا چونکہ حفظ کے منافی ہے

اس لئے حرام ہے، اسی طرح عضو کو کاٹ کر اس کا انتفاع مثلاً کھالینا یہ بھی ہلاک کرنا ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے، اس سے کسی چیز کو بنا کر استعمال کرنا چونکہ من ینتفع کو ماینتفع بہ بنانا ہے جو اہانت ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

الغرض اعضائے انسانی کا اہلاک واضاعت یا اس کی اہانت و بحرمتی قطعاً جائز نہیں، اعضاء کی پیوندکاری میں یہ سب کچھ بھی لازم نہیں آتا اس لئے عضو کا قطع جائز ہے یہاں صرف مقام بدل گیا ہے باقی سب باتیں برقرار ہیں اس لئے حالت ضرورت میں برائے اتصال قطع عضو جائز ہے بشرطیکہ ازالۂ ضرر بمثلہ لازم نہ آئے۔

مرحلۂ ثانی:۔ ماسبق میں گزر چکا ہے کہ اعضاء کی پیوندکاری بوجہ اتصال جبر و تکمیل ہے یہ نہ تو عضو انسانی کا استعمال ہے اور نہ اس سے انتفاع اس لئے اتصال بھی جائز ہے۔

مرحلۂ ثالث:۔ رہا بعد تکمیل اس عضو سے انتفاع تو چونکہ یہ انتفاع اس وقت ہوتا ہے جب یہ عضو مریض کا اپنا عضو بن جاتا ہے اس لئے یہ انتفاع بعضو خویش ہے نہ بعضو دیگر اس لئے یہ انتفاع بھی جائز ہے اس عضو سے وہی انتفاع ہوتا ہے جس کے لئے اس کی خلقت ہوتی ہے خلاف خلقت انتفاع نہیں جیسے چمڑے کا بیگ بنالینا اس کیلئے یہ انتفاع جائز ہے۔

آخر میں امام علم وفن ان سب کا نچوڑ یوں نکالتے ہیں کہ (۱) اگر تلف عضو یا اضاعت ہو تو کسی صورت میں اس کا قطع جائز نہیں خواہ وہاں اس کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو (۲) ایک انسان کے خراب عضو کو دوسرے کے صحیح عضو سے بدلنا بوجہ تعامل وعموم بلوی جائز ہے کہ یہ اتصال عضو ہے نہ کہ استعمال عضو (۳) انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر اس کا استعمال کرنا مثلاً کھالینا یا اس سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنا جائز ہے کہ اس میں اس کی توہین ہے۔

☆☆☆☆☆

امام علم وفن : اور سائنسی نظریہ

مولانا ناظم احمد مصباحی اشرفیہ مبارکپور

امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی ہندوستان کی ان قابل ترین اور فرد روزگار شخصیتوں میں ہیں جن پر جماعت اہل سنت کو فخر وناز ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو ایسے علوم وکمالات کا جامع بنایا ہے جن کے ماہرین تو کیا ان کے ماننے والے اس زمانہ میں مثل عنقا ہیں جس پر شاہد عدل آپ کے گراں قدر علمی جواہر پارے ہیں جو مختلف رسائل وجرائد میں زیور طبع سے آراستہ ہیں۔

آپ خود بطور تحدیث نعمت فرماتے ہیں:

''بحمدہ تعالیٰ مجھے رب قدیر نے امام احمد رضا اور مرشد برحق غوث العالم سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کے وسیلے سے غوث پاک کا صدقہ عطا فرمایا اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ درسگاہ میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستینہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا ان علوم فنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں۔

ان علوم وفنون کی افادیت کا تعلق کسی بھی دور یا کسی بھی عصر سے مربوط نہیں بلکہ ہر زمانہ خواہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل خواہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں یہ علوم یکساں نافع ہیں۔ البتہ وہ حضرات جوان علوم سے ناواقف ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اب ان علوم کا زمانہ نہ رہا۔ لیکن فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے والوں پر قطعاً یہ مخفی نہیں کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر علوم دینی امور میں نافع ومعاون اور بہت سے مسائل میں ان کے بغیر مفتیان کرام کو چارۂ کار نہیں،،

امام احمد رضا اور علم تکسیر، امام احمد رضا اور علم جفر، علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر، علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد، شمالی امریکہ کی سمت قبلہ تحقیق کے آئینے میں، علم توقیت کا نقاب پوش ضابطہ، لوگارثم کی حقیقت ومعرفت۔ ایک تحقیقی مطالعہ،

نزول افق کا گمشدہ فارمولہ وغیرہ کے حوالہ سے آپ نے جو گراں قدر مقالات قلم بند فرمائے ہیں ان کے مطالعہ سے اس بات کا اذعان کامل ہوتا ہے۔

آپ نے ویڈیو اور ٹیلی ویژن میں چھپنے والی تصویر کی حقیقت و ماہیت کے حوالہ سے ایک علمی مقالہ قلم بند فرمایا جو ماہنامہ فیض الرسول مئی ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے یا اسی کے مثل دوسری آواز ہے یہ مسئلہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو علمائے کرام کی تحقیقات کا جولان گاہ ہے۔ اس سلسلے میں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ بعینہ متکلم کی آواز ہے جس پر اقتداء درست ہے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فونوگراف کے ریکارڈ سے سنی جانے والی آواز کو بعینہ متکلم کی آواز ثابت فرمایا ہے جس سے بعض علماء کو یہ دھوکا ہوا کہ ہر قسم کے آلہ سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے اس لئے لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے جس پر اقتداء درست ہے۔ اس سے ناظرین کو بھی یہ دھوکہ ہوا کہ بعض علماء کی رائے امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیق کے عین موافق ہے اور اکابر علماء اہل سنت کی تحقیق امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیق کے بالکل برخلاف ہے۔ امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی نے اس حوالہ سے ایک علمی مقالہ قلم بند فرمایا اور حقیقت حال کو واضح فرمایا اور یہ روشن فرمایا کہ ان علماء کو یہ التباس اس لئے ہو گیا کہ وہ فونوگراف کے اصول ایجاد اور لاؤڈ اسپیکر کے اصول ایجاد کے درمیان واضح طور پر فرق نہ کر سکے اور دونوں کو ایک ہی طرح کا آلہ سمجھ لیا۔ ظاہر ہے کہ دونوں آلات ایک ہی طرح کے آلے ہیں جن میں کوئی فرق نہیں تب تو یہ حکم صحیح ہے لیکن اگر دونوں آلات ایک طرح کے نہیں تب تو دونوں کا حکم یکساں نہ ہوگا۔ آپ نے روشن فرمایا کہ فونوگراف کے ریکارڈ ٹیپ ریکارڈ کے فیتے اور لاؤڈ اسپیکر کے لاؤڈ سے سنی جانے والی آوازیں اگرچہ آواز ہیں لیکن ان تمام آلات کے درمیان بنیادی فرق موجود ہے جس کی وجہ سے پہلی آواز یقیناً بعینہ متکلم کی آواز ہے لیکن باقی ماندہ دونوں آلات میں یہ صورت نہیں بلکہ سائنسی اصول کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں آلوں سے سنی جانے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے بلکہ اسی کے مثل ایک دوسری آواز ہے۔ اس مسئلہ کی تنقیح کے لئے آپ کچھ سائنسی نظریات اور عصری ایجادات کی تکنیکی تشریحات پیش فرمائی اور فرمایا:

''الحاصل سائنسی نظریا سے واضح ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہے اور فقہی جزئیات اور تلقین من الخارج کی نظروں سے واضح ہوا کہ ان سے بھی لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر صحت اقتداء کے لئے استناد درست نہیں تبدیل احکام کے اسباب پر بھی غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اس کے اجزاء کا محل نہیں اس لئے اب تک کے شواہد اور دلائل سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء کے جواز کا ثبوت نہ ہو سکا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اپنی عبادتیں احکام شرع کے مطابق ادا کریں۔،،

اس موضوع کے حوالے سے اگرچہ بہت سے علمی مقالات وتحقیقات قلم بند کئے گئے لیکن حضرت امام علم فن نے گراموفون اور فونوگراف کے تکنیکی اصول، ٹیپ رکارڈ کے تکنیکی اصول اور لاؤڈ اسپیکر کے تکنیکی اصول کے حوالہ سے جو تحقیقی گفتگو فرمائی ہے اوران دونوں آلات کے مابین فرق کو واضح فرماکر بعض علماء کے التباس کو جو زائل فرمایا ہے وہ آپ کا خاص حصہ ہے۔

آپ نے ماہنامہ فیض الرسول جنوری ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی کے حوالہ سے جو گراں قدر مقالہ قلم بند فرمایا اس میں مجوزین کے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''نماز میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اشقالات کو جائز کہنے والے، امام احمد رضا قدس سرہ کے کلام سے سند لاتے ہیں کہ''فونوگراف''ایک آلہ ہے اوراس سے بعینہ متکلم کی آواز مسموع ہے۔ یہاں بھی یہی صوت ہے۔ لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے۔ فونو میں وہی کیفیت تشکلی موجود ہے جو متکلم کے حلقوم وزبان کے قرع وقلع سے پیدا ہوئی تھی۔ ریکارڈ پر یہ کیفیت تشکلی محسوس ومبصر ہے اور یہی کیفیت تشکلی آواز ہے لیکن تموج نہ ہونے کے باعث فونو استعمال کرتے وقت اس کیفیت تشکلی سے ہوا میں بھی ویسے ہی کیفیت تشکلی پیدا ہو جاتی ہے اور ہوا کے تموج سے اب مسموع بھی ہوتی ہے۔

یہاں آواز فونو میں محفوظ کرنے سے پہلے بھی تھی۔ فونو میں بھی آواز ہے۔ کیفیت تشکلی کا سلسلہ کہیں پر منقطع نہیں (البتہ ایک زمانے میں یعنی جب فونو استعمال نہ ہو اس کیفیت کا مسموع ہونا منقطع ہے مگر آواز منقطع نہیں) اس لئے یہاں بعینہ متکلم کی آواز موجود ہے۔ لاؤڈ اسپیکر میں یہ بات نہیں، یہ بھی اگرچہ ایک آلہ ہے لیکن یہاں مائک کے پردے اور ہارن کے پردے کے درمیان تار میں کیفیت تشکلی (آواز) منقطع ہے یہاں صرف جھٹکے دار بجلی یا مقناطیسی جذب وکشش ہے اس لئے درمیان میں آواز ختم ہے اور ہارن سے نیا صوتی سلسلہ قائم ہوا ہے، اس لئے یہ نہ متکلم کی آواز بعینہ ہے اور نہ اس کی صدا و آواز باز گشت۔ ہاں لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز کے لئے متکلم کی اصلی آواز سبب بعید ہے۔ یہاں منطقی استدلال نہیں کہ احتمالات پیدا ہوں بلکہ اصول ایجاد بتاتا ہے کہ مائک کے پردہ سے لے کر کان کے پردہ تک سلسلہ یوں قائم ہے کہ مائک کا پردہ اپنے ارتعاش کی وجہ سے رواں بجلی میں عامل ہے۔ رواں بجلی اپنی ناموزوں چال کی وجہ سے برقی مقناطیسی دھات میں عامل ہے اور مقناطیسی دھات اپنے کم وبیش و جذب وکشش کی وجہ سے ہارن کے پردہ کے اندر عامل ہے۔ رہا خود تار، تو وہ اس سلسلۂ عمل میں نہ عامل ہے نہ معمول بلکہ وہ فقط بجلی کی گزرگاہ ہے۔ اس لئے یہاں یہ احتمال ہی سرے سے ختم ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے تشکلات (آواز) کی کاپیاں تار کے پردہ سے لے کر کان کے پردہ تک عملی سلسلہ یوں قائم ہو کہ

مائک کے اندر پیدا ہو رہی ہے۔

تاہم اگر یہ بات ہوتی تو اگر ایمپلی فائر کے بعد کے تار کو ہارن سے منسلک کئے بغیر ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو چاہیے کہ تار اور ہوا کے درمیان اتصال اور ہوا کے نرم وتر ہونے کی وجہ سے ان تشکلات (آواز) کی کاپیاں ہوا میں اتر جائیں اور ہوائی موجی سلسلہ کی وجہ سے مسموع ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

تنزلا: اگر تار میں وہی تشکل کی کاپی بھی تسلیم کرلی جائے تو برقی مقناطیسی دھات میں مختلف درجہ کا جذب وکشش اور تشکلات وہاں نہیں تو یہاں آکر تشکل کا سلسلہ ٹوٹ گیا البتہ یہ مختلف درجہ کا جذب وکشش بذریعہ تحریک آواز پیدا کرتی ہے جیسے ہماری زبان وگلو بذریعہ تحریک ہوا میں آواز پیدا کرتے ہیں۔ لیکن زبان و گلو کی خود تحریک کا نام آواز نہیں۔ یونہی بجلی کے جھٹکے اور مقناطیس کے جذب وکشش خود آواز نہیں۔

صدا: صدا بھی متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے۔ پہاڑ یا درودیوار کی آواز نہیں۔ بلکہ ان سے ٹکرا کر لوٹی ہوئی آواز ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

''بہر حال کچھ بھی یہی اتنا یقینی ہے کہ آواز (صدا) وہی آواز متکلم ہے، خواہ پہلی ہی ہوا اسے لئے پلٹ آئی یا اس کے قرع سے آواز کی کاپی دوسرے میں اتر گئی۔

نتیجۂ گفتگو: مذکورہ بالا امور سے واضح ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانیوالی آواز متکلم کی آواز نہیں، نہ اس کی طرف سے لوٹی ہوئی (صدا) بلکہ یہ دونوں سے جدا ایک دوسری آواز ہے،، صفحہ نمبر ا۔

امام علم وفن نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس حقیقت کو روشن فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی جانے والی آواز متکلم کی آواز نہیں اور نہ ہی صدا بلکہ ان دونوں سے جدا ایک آواز ہے اس لئے اس پر اقتداء درست نہیں اور افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کا فتویٰ اپنی جگہ حق ہے اور امام احمد رضا قدس سرہ کے رشحات وتحقیقات سے استدلال ساقط ہے۔ ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر اصلی ہے یا فرضی اس حوالہ سے آپ نے جو گراں قدر تحقیق پیش فرمائی وہ آپ کا خاص حصہ ہے۔ آپ اپنے اس مقالہ میں فرماتے ہیں۔

''تجربہ (۳) اگر آپ تجربہ (۱) اور (۲) کے بجائے ایک تیسرا تجربہ کریں یعنی خود ہی ٹی وی سٹ کے کنارے دائیں یا بائیں جانب آنکھیں سٹا کر دیکھیں تو واضح طور پر آپ یہ محسوس کریں گے کہ تصویریں اسکرین کی سطح پر بن رہی ہیں۔ لیکن اگر یہی عمل آئینوں میں کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ تصویر آئینوں کی سطح پر نہیں بنتی بلکہ اس کی دوسری طرف کہیں معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب نظر نہیں آتی۔

زاویۂ وقوع اور زاویۂ شعاع دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے علم مناظر میں ثابت کیا گیا

ہے کہ شعاعوں کی عمودی صورت میں شئی اور اس کے مابین کی دوری آئینہ اور شئے کے مابین دوری کی دوگنی ہوگی۔ یعنی آئینہ سے شئ جتنی دور ہوگی اتنی ہی دوری پر آئینہ کی دوسری سمت میں عکس نظر آئے گا لیکن اگر شعاعیں آئینہ کی سطح پر ترچھی واقع ہوں تو یہ دوسری سطح اور شعاعوں کے مابین بننے والے زاویہ حادہ کے انفراج کی دوگنی ہوگی۔ یعنی شئ اور اس کے عکس کے مابین ضعف الجیب (2sin) کا فاصلہ ہوگا اور تصویر دونوں ہی صورت میں ہمیشہ امتداد ماخذ شعاع کے مخالف سمت پر نظر آئے گی۔ یعنی جدھر سے شعاعیں آرہی ہیں ادھر نہیں بلکہ اس کے مخالف سمت میں نظر آئے گی۔ اس ضابطہ کے پیش نظر اگر آپ آدھی رات کے وقت کسی آئینہ میں بدر کامل کے جلوہ کو نظر میں لائیں گے تو اس کا عکس تجربات کے پیش نظر آئینہ کی سطح پر نہیں ہوگا۔ بلکہ پیش کردہ ضابطہ انعکاس کی بنیاد پر ۲؍لاکھ چالیس میل گہرائی میں نظر آئے گا۔ اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ شعاعیں آئینہ سے گزر کر تخن زمین سے پار ہوکر ۲؍لاکھ چالیس ہزار میل گہرائی میں نہیں پہونچیں۔ بلکہ کرنوں اور شعاعوں کے بیان شدہ اصول کے پیش نظر، آئینہ کی سطح عاکس سے ٹکرا کر واپس لوٹ گئیں۔ اس سے واضح ہوگیا کہ عکوس حقیقی تصویر نہیں بلکہ فرضی اور وہمی صورت ہے۔

ان حالات سے گزر کر اب ٹی وی اور ویڈیو کے اسکرین پر بننے والی صورتوں کو مذکورہ بالا تجربات کی روشنی میں جانچ کر کے ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ یہ آئینہ کے عکوس کی طرح ہیں یا پلانیٹوریم اور کاغذ و دیوار کی تصویر کی طرح۔ اگر آپ کے گھر میں خود ہی ٹی وی ہو تو پھر اپنے ہی گھر میں اور اگر آپ ٹی وی رکھنا پسند نہیں کرتے تو محض تجربہ کے لئے کسی ٹی وی رکھنے والے کے گھر میں پہنچ جائیں تو آپ پر بخوبی واضح ہوجائے گا کہ اس کی تصویریں آئینوں کے عکوس سے بہت الگ ہیں۔

اس کے بارے میں موقف ثانی ہی صحیح ہے۔ موقف اول ہرگز صحیح نہیں۔ اس کی مزید توثیق (2sin) کے فارمولہ سے بھی حاصل ہوجائے گی کہ اگر یہ عکوس ہوتے تو یہ ٹی وی کے اندر نہیں بلکہ کہیں امتداد ماخذ شعاع کے مخالف سمت میں نظر آتے جیسا کہ موقف اول کی فروعی توضیح میں بتایا گیا ہے ٹی وی اور اسکرین پر بننے والی تصویریں بالکل ایسی ہیں جیسی سنیما حال میں پردۂ سیمیں پر بننے والی تصویریں یعنی دونوں ہی سطح پر بنتی ہیں اور دونوں ہی حقیقی ہیں۔ ان میں کوئی بھی آئینوں کے عکوس کی طرح وہمی اور فرضی نہیں۔ پردۂ سیمیں پر شعاعوں کی ایسی سیٹنگ فلمی ریل کے واسطے سے ہوتی ہے۔ ٹی وی میں موصل اور ویڈیو میں کیسٹ کے توسط سے ہوتی ہے۔ واسطے اگرچہ الگ الگ ہوتے ہیں لیکن ذوالواسطہ تینوں جگہ ایک ہی نوع کا ہوتا ہے۔ یہی پلانیٹوریم میں بھی ہے۔ ہاں! یہ بات ممکن ہے کہ کہیں یہ واسطہ فی

الثبوت سفیر محض ہے اور کہیں غیر سفیر محض۔ لیکن سفیر اور غیر سفیر سے ذوالواسطہ میں کیا فرق پڑتا ہے؟ وہاں تو سب یکساں ہے۔ اس لئے حکم شرعی بھی یکساں ہی ہوگا۔ اب بات سمٹ کر یہاں آگئی کہ ہمیں یہ پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تصویر متوہمہ کیف سے ہیں اور کیف عرض ہے۔ اس لئے اس کا قیام محل ہی میں ہوگا۔ لہذا تصویر حقیقی وہی ہے جو محل میں کسی مادہ سے بنتی ہے۔

آئینہ کے عکوس نہ تو کسی مادہ سے بنتے ہیں اور نہ کسی محل میں ہوتے ہیں اس لئے یہ حقیقی تصویر نہیں لیکن چونکہ یہ بھی منظر کی عکاسی کرتے ہیں اس لئے اسے بھی تصویر (کا وہمی و فرضی) کہتے ہیں مگر حقیقی نہیں۔ موقف کی توضیح، تجربات اور (2sin) کے فارمولہ سے ثابت ہوگیا کہ ٹی وی وغیرہ کی تصویریں اصلی اور حقیقی تصویریں ہیں۔ آئینہ کے عکوس کی طرح فرضی اور وہمی نہیں۔ (تحقیقات علم وفن، ص نمبر ۱۸۹ تا ۱۹۱)

ویڈیو اور ٹیلی ویژن کی سٹ اور موصل کی حیثیت ایسی ہے جیسے قلم کہ اگر چہ قلم میں کوئی تصویر نہیں رہتی لیکن یہ رنگ ولون کو مخصوص انداز میں پھیلایا کرتا ہے، اس طرح کیسٹ وغیرہ اگر چہ اس میں تصویر نہ سہی لیکن یہ شعاعوں کو مخصوص انداز میں اسکرین پر ڈالتی ہے۔ البتہ دونوں میں فرق ضرور ہے کہ ایک میں دستکاری کا عمل ہے دوسرے میں مشینری عمل کارفرما ہے۔ ویڈیو، اور ٹیلی ویژن کے اسکرین اسی لئے دودھیا اور نیم شفاف ہوتے ہیں تاکہ مشینری عمل سے شعاعیں وہاں ٹھہر کر تصویر میں ڈھل جائیں اور لوگ اسے مخالف سمت سے دیکھ سکیں اگر کامل شفاف ہوں تو شعاعیں آرپار ہو جائیں گی اور تصویریں نہ بن سکیں گی یا کامل کثیف ہوں تو تصویریں تو بن جائیں گی لیکن لوگ۔ انہیں نہ دیکھ سکیں گے۔ یہاں یہ فرق بے کار ہے کہ قلم چلانے والے فاعل مختار اور مشینری عمل فاعل مختار نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی مشین کی گرفت میں قلم ایسا واقع ہو کہ مشین اسے مخصوص انداز میں حرکت میں لاکر تصویر بنا دے تو کیا وہ تصویر حقیقی اور اصلی نہ ہوگی؟ کڑھائی کی ایسی مشین ایجاد میں آچکی ہے کہ مشین خود بخود چلتی ہے اور مخصوص بیل بوٹے اور تصویر کشیدہ ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح روبوٹ یعنی مشینی انسان کہ اپنے ہاتھوں سے مختلف آلوں کے ذریعہ تصویریں اتارتا ہے۔ تصویر حقیقی اور فرضی دونوں میں چونکہ شعاعوں کا دخل ہوتا ہے ایک میں بطور علت مادیہ اور دوسرے میں بطور انعکاس۔ اسی لئے شعاعوں کے عدم سے تصویر کا عدم دونوں ہی صورتوں میں ہو جاتا ہے۔ اس طور پر کہ علت تامہ کا عدم عدم معلول کی علت ہوتا ہے نہ اس طور پر کہ دو نوں ایک ہی نوع کی ہیں۔ اس لئے آئینہ کے عکوس اور ٹی وی یا ویڈیو کی تصویر میں یکسانیت سمجھنا صحیح

نہیں۔ایک متوہمہ اور دوسرا محققہ ہے، دونوں یکساں نہیں۔جمہور متکلمین اور اصولین کا اتفاق ہے کہ بقائے عرض محال ہے یعنی اعراض قار نہیں ہوتے بلکہ غیر قار ہوتے ہیں۔البتہ اس کا قار محسوس ہونا تجدد امثال کی وجہ سے ہے۔یعنی اعراض کے افراد موجود و معدوم ہوتے رہتے ہیں اور اسی وجود و عدم کے باہمی ارتباط سے اعراض قائم نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اعراض کو حسی قار کہتے ہیں حقیقی قار نہیں کہتے۔قطع نظر عن البحث یہ بات طے ہے کہ عقلا تصویر کو عرض ہی مانتے اور اسے غیر قار کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہی جمہور متکلمین واصولین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ تصویریں حرام ہیں یعنی حرمت کے لئے حقیقی قار ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔علم مناظر کے اس فارمولہ کے پیش نظر کہ ۱/۱۰ سکنڈ میں مسلسل نظر آنے والی متعدد مشابہ چیزیں واحد شخصی نظر آتی ہیں۔ٹیلی ویژن اور ویڈیوں میں شعاعوں سے بننے والی تصویریں پیہم اسی اعتبار سے بنتی اور فنا ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ بھی واحد شخصی نظر آتی ہیں لیکن اعراض کے افراد چونکہ مختلف پوز کے نہیں ہوتے اس لئے وہاں تجدد امثال ہونے کے باوجود تصویریں متحرک نظر نہیں آتی ہیں، برخلاف ٹیوی اور ویڈیو اور پردۂ فلم میں شعاعوں سے بننے والی تصویروں کے۔کیونکہ یہ مختلف پوز کی ہوتی ہیں اسی لئے یہ تصویریں متحرک نظر آتی ہیں اور جو تصویریں یہاں بھی مختلف پوز کی نہیں ہوتی متحرک نظر نہیں آتیں۔مثلاً کسی کی مکان کی تصویر یا کسی پیڑ وغیرہ کی تصویر۔ آئینہ میں نظر آنے والی تصویر حقیقۃً عرض نہیں بلکہ صور متوہمہ ہیں اس لئے وہاں تجدد امثال نہیں اسی لئے مضمون سابق میں بتایا گیا ہے کہ ٹی وی ویڈیو کی تصویریں تجدد امثال کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں اور آئینہ کی تصویر تجدد امثال کی مثال پیش نہیں کرتی۔رہا قار حسی کا سوال تو جس طرح دیوار و قرطاس کی تصویریں جمہور متکلمیں واصولین کے نزدیک قار حسی ہیں اسی طرح پردۂ فلم ٹی وی، اور ویڈیو کے اسکرین پر بننے والی تصویریں بھی قار حسی ہیں۔البتہ ایک متحرک ہے اور دوسری نہیں۔جس کی وجہ سطور بالا میں مذکور ہوئی۔اس کی مثال سایہ سے دی جاسکتی ہے۔

اب تک کہ مضمون سے یہ واضح ہوگیا کہ حقیقی تصویریں اور فرضی تصویریں فی الحقیقت متباین ہیں اور دونوں نوعیں الگ الگ ہیں مثلاً ایک محققہ دوسری متوہمہ ایک میں وقوع شعاع اصل قریب، دوسری میں انعکاس شعاع اصل قریب۔ایک میں خود شعائیں علت مادیہ، دوسری میں علت مادیہ نہیں، بلکہ سبب محض۔ایک کا وجود **وجود الاعراض وجودها فی محالها** کے پیش نظر انضمامی اور حال، اور دوسرے کا وجود غیر انضمامی اور غیر حال۔وغیرہ وغیرہ۔اسی لئے دونوں میں دجود شعاع اور

حرکت وغیر قار کے اشتراک، اور انعدام شعاع کی وجہ سے دونوں میں فناء صورت کی بنا پر ایک کو مقیس علیہ اور دوسرے کو مقیس قرار دے کر حکم واحد نافذ کرنا صحیح نہیں۔ ٹی وی اور ویڈیو کی تصویریں بالکل پردۂ فلم کی تصویروں کی طرح ہیں، دونوں ایک ہی فامولہ کے پیش نظر متحرک نظر آتی ہیں۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آواز ارتعاش مادہ اور قرع وقلع سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ارتعاش اگر کسی دھات سے پیدا کر دیا جائے جب بھی آواز ہی ہے، یہی ارتعاش اگر ٹیپ رکارڈ کے فیتے (کسیٹ) سے پیدا کر دیا جائے تب بھی آواز ہے۔ البتہ کوئی آواز جو کہ بلا ارتعاش مادہ مسموع ہو جیسے پردۂ گوش کی خرابی سی سیٹی وغیرہ سنتے ہیں تو یہ آواز نہیں بلکہ ایک امر متوہم ہے، جو آواز کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ رہی یہ بات! کہ تصویر کی حرمت سے نجات کی یہ تدبیریں بتائی گئی ہیں کہ اسے سر بریدہ کیا جائے یا اس مخصوص عضو کو جو کہ حیات کی عکاسی کرتا ہے مٹا دیا جائے وغیرہ وغیرہ تو یہ باتیں ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر کے ساتھ ممکن نہیں اس لئے یہ وہ تصاویر نہیں جو شرع میں حرام ہیں۔

تو عرض یہ کہ کسی امر سے حصول نجات کی اگر مخصوص تدبیریں بتائی گئی ہیں تو ان تدابیر کے فقدان سے حصول نجات کا فقدان لازم آتا ہے نہ یہ کہ نفس امر ہی کا فقدان ہو جائے۔ مثلاً مرض کی کسی نوع کی ہلاکت سے نجات حاصل کرنے کے لئے حکیم نے کچھ مخصوص تدابیر بتائیں تو اگر چہ یہ تدابیر وہاں ممکن نہ ہوئیں تو یہ کہاں لازم آیا کہ وہ مرض مہلک ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ٹی وی اور ویڈیو میں یہ ممکن ہے کہ علت مادیہ میں شامل ہونے والی ان تمام شعاعوں سے وہ شعاعیں جو سر بناتی ہیں، انہیں رد کر دیا جائے، یا اسکرین کے اس مقام کو جہاں سر کا حصہ حال ہے، اسے کامل شفاف یا کامل کثیف کر دیا جائے، یا اتنے حصہ کو کاغذ کی چپی سے چھپا دیا جائے۔ جیسے کاغذ کی تصویروں کی حرمت سے نجات حاصل کرنے کے لئے الگ الگ عمل کرنا پڑتا ہے اسی طرح یہاں بھی الگ الگ عمل کیا جائے تو سر بریدہ اور دوسری تدبیرین واقع ہو سکتی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ علت مادیہ کا محل سے زوال جن جن صورتوں میں بھی ہوگا تصویر زائل ہو جائے گی۔ البتہ سر بریدگی کے امکان کو اگر حرمت قرار دیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شعاعیں اپنے انعکاس سے فرضی تصویر دکھاتی ہیں ان میں سے وہ شعاعیں جو سر بناتی ہیں ان کا روکنا ممکن ہے یا نہیں؟ اگر ممکن ہے تو فرضی تصویر بھی حرام **و ھو خلاف المفروض** اگر ممکن نہیں تو اصلی اور فرضی میں فرق واضح ہو گیا۔ اور ٹی وی وغیرہ مین چونکہ ایسا ممکن ہے اس لئے حرام ہے۔

فرضی تصویر چونکہ بلا علت مادیہ نظر آتی ہے اور متوہمہ ہوتی ہے۔ حقیقۃً وہاں تجدد امثال ممکن نہیں۔ ذی صورۃ خواہ کتنا ہی بطی السیر ہو پھر بھی متحرک نظر آتا ہے ۱/۱۰ سکنڈ میں وہاں وجود وعدم کا تسلسل نہیں ہوتا ہے مگر حسا قار غیر متجد دالامثال نظر آتا ہے۔اس لئے مضمون سابق میں اسے غیر قار متجد دالامثال کہا گیا ہے ورنہ متوہم شئی کی جانب حرکت وسکون، قرار وزوال کی نسبت حقیقتاً صحیح نہیں۔ (ولنا فیہ مجال التحقیق)

ٹی وی، ویڈیو فلم کے پردۂ سیمیں پر نظر آنے والی تصویریں اصلی اور متحرک ہونے کی وجہ سے روح کی حیات کی عکاسی زیادہ کرتی ہیں اس لئے یہاں بدرجۂ اتم حرمت کا حکم ہوگا،، (تحقیقات ص ۱۹۸۔۲۰۱)

نیز ٹی وی، ویڈیو کی صنعت گری اور آرٹسٹ کے قلم کی صنعت گری کے احکام کی توضیح فرماتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’سوال:۔(۷) بعض لوگ کہتے ہیں کہ شعائیں غیر مرئی نہیں کچھ انسانی ہاتھوں کے قابو میں نہیں۔ برخلاف آرٹسٹ کے اس کا قلم اس کے ہاتھوں کے قابو میں رہتا ہے۔اس لئے ٹی وی، ویڈیو کی صنعت گری کو آرٹسٹ کے قلم کی صنعت گری پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔دستی قلم میں آلات واسباب فاعل مختار کے قابو میں ہوتے ہیں اور مشینری عمل میں مشین کے قابو میں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب تک مشین میں کوئی خرابی نہیں ہوتی ہے معاملہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔لیکن اگر ٹی وی کی مشین کے بعض پرزوں میں معمولی خرابی ہوتا ہے تو کبھی تصویر کے ایسے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں کہ اوپر کا آدھا حصہ نیچے کا آدھا حصہ سے اوپر ہو جاتا ہے۔اگر یہاں بھی شعاعیں ایسی ہی آزاد ہوتیں جیسے آئینہ میں تو جس طرح آئینہ میں اعضاء کا ادل بدل ناممکن ہوتا ہے ٹی وی میں بھی ناممکن ہوتا، اس لئے یہی صحیح ہے کہ کیسٹ اور موصل کی حیثیت ان تصاویر کی بہ نسبت ایسی ہی ہے جیسے قلمی تصویر کی بہ نسبت قلم و برش کی۔کہ نہ کیسٹ میں تصویر اور نہ قلم و برش میں تصویر لیکن دونوں تصویر حقیقی بنانے کا آلہ ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مشینری آلہ اور دوسرا دستی آلہ ہے،، (ص ۲۱۰)

نیز تصویر اور عکس کے مابین نسبت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’سوال:۔ (۱۰) تصویر اور عکس میں کونسی نسبت ہے؟

جواب:۔تصویر اور عکس سے مراد واضح کئے بغیر ان کے مابین نسبت قائم کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ اس لئے کہ اگر تصویر سے مراد اصلی تصویر اور عکس سے مراد فرضی تصویر ہو تو ان کے مابین تباین کی نسبت ظاہر ہے۔اور تصویر سے مراد اصلی تصویر اور عکس سے مراد شعاعوں کی مدد سے نظر آنے والی تصویر ہو خواہ

اصلی ہو یا فرضی ۔تو اعم واخص من وجہ کی نسبت ہے ۔ وڈیو، ٹی وی کی تصویر اصلی تصویر اور عکسی تصویر دونوں ہے ۔لیکن کاغذی تصویر اصلی تصویر تو ہے، عکسی نہیں ۔ آئینہ کی تصویر عکسی تو ہے، اصلی نہیں ۔ اور اگر تصویر سے مراد مطلقاً شبیہ ہو خواہ اصلی ہو یا فرضی ۔ اور عکس سے مراد شعاعوں سے نظر آنے والی تصویر ہو تو جب تو اعم واخص مطلق ہے ۔ ہر عکس تصویر ہے، لیکن ہر تصویر عکس نہیں،، (۲۱۲)

ان گراں قدر تحقیقات واکتشافات سے حضرت امام علم وفن کی علمی شخصیت آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن نظر آتی ہے ۔آپ نے ملک کے عظیم الشان اداروں میں جلوہ ساماں ہو کر علوم وفنون کے جو گوہر آب دار لٹائے ہیں اور طالبان علوم وفنون کو جو علم وفن کا بادہ پلایا ہے صبح قیامت تک آپ کا یہ فیضان جاری ہے اور تشنگان علم وفن کو ساغر علم وفن ملتا رہے گا اور آپ کی یادوں کا چراغ جلتا رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اور حسابی لطائف وظرائف

مولانا محمد احمد رضا احمد الجامعۃ الرضویہ کلیان

وارث علوم رضا، کرامت مفتی اعظم، نائب ملک العلما، خیر الاذکیا، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی **دام ظلہ علینا** کی نادر روزگار شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کی تدریسی، تحریری، تصنیفی، تحقیقی، فکری اور سائنسی خدمات کا قائل ایک جہان علم ہے۔

ایسی عبقری ہستی صدیوں میں آسمان علم وفضل پر "شمس بازغہ" کی صورت ضوفشاں ہوتی ہے اور کائنات عالم کے ذرہ ذرہ کو درخشاں وتاباں کردیتی ہے۔ اس آفتاب فکر ودانش نے کرۂ ارض کے جس ذرہ پر اپنی تجلی ڈالی وہ بجائے خود آفتاب وماہتاب ہوگیا۔

انکا سایہ ایک تجلی انکا نقش پا چراغ
وہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

امام علم وفن کو قدرت نے بے پناہ صلاحیت، ذہانت، فطانت اور ذکاوت سے نوازا، علوم دینیہ ہوں یا عصریہ، متداولہ ہوں یا غیر متداولہ، سب پر آپ کو یکساں گرفت اور قدرت حاصل ہے، بالخصوص اعلیٰ حضرت کے وہ علوم وفنون (۱) علم ہیئت (۲) علم توقیت (۳) (علم ہندسہ) (۴) علم مساحت (۵) علم مثلث سطحی (۶) علم مثلث کروی (۷) علم لوگارثم (۸) علم زیچ (۹) علم نجوم (۱۰) علم جفر (۱۱) علم الحساب (۱۲) علم الاعداد (۱۳) علم الابعاد (۱۴) علم التکسیر (۱۵) علم الربع المجیب (۱۶) علم الید (۱۷) علم الاسطرلاب (۱۸) علم الافلاک (۱۹) علم القیافہ (۲۰) علم الحروف (۲۱) علم مناظر ومرایا (۲۲) علم جبر ومقابلہ (۲۳) علم ارثماطیقی (۲۴) علم رمل (۲۵) عمل بالخطائین (۲۶) اعمال ستینیہ (۲۷) علم جراثقال (۲۸) علم اصوات (۲۹) علم موسیقی۔ جو قصۂ پارینہ بلکہ آثار قدیمہ کے زمرے میں آگئے تھے، آپ نے اپنی تحریرات، تصنیفات اور مقالات کے ذریعے زمانہ کو روشناس اور متعارف کرایا:

(۱) علم ہیئت (۲) علم توقیت (۳) (علم ہندسہ) (۴) علم مساحت (۵) علم مثلث سطحی (۶) علم مثلث کروی (۷) علم

لوگارثم (۸) علم زیج (۹) علم نجوم (۱۰) علم جفر (۱۱) علم الحساب (۱۲) علم الاعداد (۱۳) علم الابعاد (۱۴) علم التکسیر (۱۵) علم الربع المجیب (۱۶) علم الید (۱۷) علم الاسطرلاب (۱۸) علم الافلاک (۱۹) علم القیافہ (۲۰) علم الحروف (۲۱) علم مناظر ومرایا (۲۲) علم جبر ومقابلہ (۲۳) علم ارثماطیقی (۲۴) علم رمل (۲۵) عمل بالخطائین (۲۶) اعمال ستینیہ (۲۷) علم جراثقال (۲۸) علم اصوات (۲۹) علم موسیقی۔

یہ وہ علوم وفنون نادرہ ہیں جن میں سے بعض آپ نے حضرت ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اور دیگر فنون کسی استاد کی بارگاہ میں زانوے ادب طے کئے بغیر، کسی رہنما کا سہارا لئے بغیر، محض اپنی خداداد صلاحیت اور فکری جودت کے بل بوتے حاصل کیا۔ موجودہ دور میں تن تنہا علوم مذکورہ پر دسترس کامل رکھنے والی آپ کی ذات ہے اور آپ صحیح معنی میں علوم رضا کے سچے، پکے اور اکلوتے وارث ہیں۔

اگر آنکھوں سے عصبیت کا چشمہ اتار کر، حق وصداقت کا امین بن کر "جہان رضویات" کی سیر کی جائے تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ درحقیقت معارف رضویات اور ماہر رضویات اس وقت صرف اور صرف آپ کی ذات ہے۔ لیکن آج کا عالم تو یہ ہے کہ ایرے غیرے بھی جو علوم رضا کا صحیح تعارف بھی نہیں کرا سکتا ماہر رضویات کا لیبل لگا کر پندار علم میں ایسا مبتلا ہے کہ **الامان الحذر**۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ امام علم وفن ایک ہمہ گیر، ہمہ جہت اور ہر فن مولیٰ شخصیت کا نام ہے۔ ایسے میں آپ کو محض منطقی یا فلسفی کہہ کر متعارف کرانا سراسر تنگ نظری اور زیادتی ہوگی۔

البتہ راقم نے طالب علمی کے دوران اکثر وبیشتر آپ کو یہ فرماتے پایا "مجھے ریاضی میں سب سے زیادہ مہارت ہے لیکن لوگوں نے سمجھا نہیں"۔ مگر اہل فکر ونظر کے لئے آپ کی علمی جہت مقرر کرنا بڑا مشکل امر ہے کیوں کہ آپ نے جب بھی کسی علم یا فن پر قلم اٹھایا تو اس کو منتہیٰ اور نقطۂ کمال تک پہنچا دیا۔ الغرض ناچیز اپنے مشاہدہ اور بارہا کے تجربہ کی روشنی میں تحریر کر رہا ہے کہ جس مشکل سے مشکل ترین حساب کا حل نکالنے میں بڑے بڑے کمپیوٹر مائنڈ اور مشاق ریاضی دانوں کے پسینے چھوٹ جاتے، اور صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالتے، آپ نے اسے چٹکی میں حل فرما دیا ہے۔

اس تناظر میں یہ کہنا حق بہ جانب ہے کہ دیگر فنون پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ ماہر ریاضیات بھی ہیں۔

آیئے امام علم وفن کے ملفوظات سے اخذ کردہ، بیانات سے منتخب کردہ، ریاضی کے کچھ "چیستاں اور پہیلیاں" ملاحظہ فرمایئے اور ان کی جودت طبع، ندرت فکر اور رفعت عقل کو داد وتحسین سے نوازیئے۔

ہر شئی میں نام "محمد" ﷺ

آقائے کائنات ﷺ کا مقدس ومتبرک نام نامی "محمد" ﷺ ہے "ابجد العلوم" کے اعتبار سے اس کا عدد ۹۲ ہے حدیث قدسی اول ماخلق اللہ نوری اور کل الخلائق من نوری کو دیکھنے کے بعد گرونانک کو خیال آیا کہ جب پوری

کائنات کا وجود نور محمدی کا رہین منت ہے تو ہر چیز سے نام ''محمد'' برآمد ہونا چاہئے۔اسی محرک کی بنا پر اس نے ایک ایسا حسابی قاعدہ ایجاد کر کے اسے ''دوہا'' کی شکل دے دی کہ جب اس کے ذریعہ کسی نام کی تحلیل کی جائے تو اسم ''محمد'' کا عدد ۹۲ برآمد ہو جاتا ہے۔مگر وہ ضابطہ اپنی اہمیت کے ساتھ کئی پیچیدگیوں کا شکار ہے۔امام علم وفن نے جب اس دوہا کو ملاحظہ کیا تو اس کی اہمیت تو دل میں گھر کر گئی مگر پیچیدگیوں سے پیدا بوجھل پن، دل ودماغ پر نہایت شاق گزرا۔لہذا امام علم وفن نے خیال فرمایا کہ کیوں نہ خود ہی ایسا قاعدہ ایجاد کیا جائے جو اسی اہمیت کا حامل، اور خوبیوں سے آراستہ ہو۔بالآخر نصف شب کے مختصر سے عرصے میں امام علم وفن نے مندرجہ ذیل قاعدہ ایجاد فرما کر اسے موزون بھی کر دیا۔ملاحظہ کیجئے

(۱) کسی شئی کا عدد دوبارلے لو

(۲) عدد ایک اور تم اس پر بڑھاؤ

(۳) محمد سے ضرب دے کر اسے اب

(۴) رسول اللہ سے تقسیم کر دو

(۵) جو باقی ہو اسے تیئس سے اب

(۶) ضرب دے کر محمد کو نکالو

مثلاً لفظ ''نور'' اس میں تین (۳) حروف ہیں جسے ہم نے دو (۲) مرتبہ لیا ۳+۳=۶ پھر اس پر ایک اور زائد کیا تو سات (۷) ہو گیا اب ہم نے ''محمد'' کے حروف مکتوبی کے عدد چار (۴) سے اسے ضرب دیا ۷×۴=۲۸۔پھر اس حاصل ضرب کو ''رسول اللہ'' کے حروف ملفوظی ومکتوبی کے عدد آٹھ (۸) سے تقسیم کیا تو چار (۴) بچ گئے جسے مدت تبلیغ ورسالت تیئس (۲۳) سے ضرب دیا ۴×۲۳=۹۲ تو نام ''محمد'' کا عدد بانوے (۹۲) نکل آیا نیز اسی طرح کسی بھی نام کا باعتبار ابجد عدد نکال لیں تو اس سے بھی اسم ''محمد'' کا عدد برآمد ہو جائے گا جیسے یہی مذکور بالا لفظ ''نور'' جس کا عدد ۲۵۶ ہے۔تو ۲۵۶+۲۵۶=۵۱۲ +۱=۵۱۳ ×۴=۲۰۵۲÷۸ باقی بچا ۴×۲۳=۹۲

یوم غرہ

شرعاً عربی مہینوں کے آغاز وانجام کا دارومدار چاند کی رویت پر ہے۔رخصت پذیر مہینے کی آخری شام کو نئے مہینے کی آمد کا گواہ بن کر ''ہلال'' اس نیل گوں آسمان کی سطح مرئی پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔اس جلوہ فلکی کا نظارہ کبھی انتیس (۲۹) کو ہوتا ہے اور کبھی تیس (۳۰) کو اسی کو ''یوم غرہ'' کہا جاتا ہے۔

''یوم غرہ'' کب ہوگا؟ از روئے زیج معلوم کیا جاسکتا ہے، اگرچہ شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں۔وہ حسابی قاعدہ درج ذیل ہے

(نوٹ) بٹے کی صورت میں جو چیز لکھی جاتی ہے اس میں اوپر والے کو ''شمار کنندہ'' اور نیچے والے کو ''نصب نما'' کہتے ہیں

قاعدہ

(الف):۔جس ماہ کا یوم غرہ معلوم کرنا ہواس کے ـــــ ھجری کو آٹھ (۸) پر تقسیم کریں جو عدد بچ جائے اسے مندرجہ ذیل طور پر ''شمار کنندہ'' مانیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۰
۱	۵	۳	۷	۴	۲	۶	۴

(ب):۔عربی مہینوں کے بالترتیب ''نصب نما'' یہ ہیں

محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الآخر	جمادی الاولیٰ	جمادی الاخریٰ	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذیقعدہ	ذی الحجہ
۷	۲	۳	۴	۶	۱	۲	۴	۵	۷	۱	۳

(ج) ''الف'' سے شمار کنندہ اور ''ب'' سے نصب نما لے کر اس پر ا راور بڑھائیں، اور مجموع نکالیں۔

(د) پھر مجموع کو سات (۷) پر تقسیم کریں جو باقی بچا رہے اسی کے اعتبار سے ''یوم غرہ'' ہوگا۔

(ہ) یوم غرہ

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۰
یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنج شنبہ	جمعہ	شنبہ

مثلاً ہم نے ۱۴۳۲ھ کو آٹھ (۸) پر تقسیم کیا تو صفر (۰) بچا

ار کے اعتبار سے صفر کا نصب نما ۴ ر ہے

اور ۲ ر کی رو سے جمادی الاولیٰ کا نصب نما ۶ ر ہے

تو اب ہم نے حساب کیا ۴+۶+۱=۱۱÷۷ باقی ۴ ر لہذا ۳ ر کے لحاظ سے جمادی الاولیٰ کا ''یوم غرہ'' چہارشنبہ ہوگا۔

اسی طرح محرم کا اگر دیکھتے ہیں۔

۸÷۱۴۳۴(۱۷۹

-۱۳۶

۷۴۰

-۷۲

۲

۲ راگر بچ جائے تو اس کا شمار کنندہ ۵ رہوتا ہے اور محرم کا نصب نما ۷ رہے اب ''ج'' کے تحت ۵ ر۷ کو جوڑ کر اربوھا دیں اور اس کے مجمع کو ''ذ'' کے مطابق ۷ رسے تقسیم کر دیں، جو بچے گا وہی یوم غرہ ہوگا

۵+۷+۱=۱۳

۱۳÷۷=۶

نتیجہ ۶ بچا اب ہم ''ہ'' کے مطابق دیکھیں تو محرم ۱۴۳۴ھ کا ''یوم غرہ'' جمعہ ہوگا۔

ہدایت: کیلنڈر اور اس حساب میں کبھی ایک دن کا فرق وقوع پذیر ہوسکتا ہے مگر جس سنہ ھجری کے کسی ماہ میں فرق واقع ہوگا اس سنہ ھجری کے کسی ماہ میں فرق واقع ہوگا اس سنہ ھجری کے تمام مہینوں میں یہ فرق آئے گا۔

انگوٹھی بند مٹھیوں میں سے کس میں ہے؟ دائیں میں یا بائیں میں معلوم کرنے کا طریقہ

کوئی شخص اپنی دونوں مُٹھیوں کو بند کر کے آپ سے سوال کرے کہ بتاؤ میری کس مٹھی میں انگوٹھی ہے؟ تو آپ اس سے ایک آسان سا حساب کروائیں جس کے ذریعہ آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ انگوٹھی کس مٹھی میں قید و بند سے دوچار ہے۔ آپ اس سے کہیں:

(۱) تمہارے جس ہاتھ میں انگوٹھی ہے اس میں چار (۴) کا عدد فرض کرو اور دوسرے میں تین (۳) کا عدد فرض کرو۔

(۲) داہنے ہاتھ میں تم نے جو عدد فرض کیا ہے اسے چھ (۶) سے؛ اور بائیں ہاتھ کے عدد مفروض کو پانچ (۵) سے ضرب دو۔

(۳) دونوں حاصل ضرب کو جمع کر کے تنصیف کر دو۔

اب آپ اس سے دریافت کریں کہ نصف ذو کسر ہے یا برابر برابر؟ اگر وہ کہے کہ ذو کسر ہے تو انگوٹھی دائیں ہاتھ میں ہوگی۔ اور اگر کہے کہ برابر برابر ہے تو انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہوگی۔ نوٹ: یہاں لفظ ''انگوٹھی'' کا استعمال برائے تمثیل ہے ورنہ کوئی بھی چیز رکھ کر اس کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے۔

کسی شخص کے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ

اگر آپ کو نہیں جا معلوم کہ فلاں شخص کے کتنے بچے اور کتنی بچیاں ہیں، اور براہ راست اس سے پوچھنا بھی نہیں چاہتے تو آپ اس سے ایک آسان حساب کروائیں جس کے ذریعہ آپ خود ہی اس کے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد بتا کر محو حیرت کر دیں گے۔

آپ اس سے کہیں کہ تم اپنے دل میں یہ حساب کرو۔

(۱) تمہارے جتنے لڑکے ہیں ان کے مجموعی عدد کو دو (۲) سے ضرب دو

(۲) اب حاصل ضرب پر پانچ (۵) کا اضافہ کرو، اور

(۳) حاصل جمع کو پانچ (۵) سے ضرب دو، پھر

(۴) حاصل ضرب پر لڑکیوں کے مجموعی عدد کا اضافہ کرو

(۵) اب حاصل جمع کو دس (۱۰) سے ضرب دو، اور

(۶) حاصل ضرب سے صفر (۰) نکال دو، پھر

(۷) جو بچا رہا اس میں سے پچیس (۲۵) کم کردو

تفریق کے بعد جو عدد بچ جائے اس کی اکائی لڑکیوں کی تعداد اور دہائی لڑکوں کی تعداد ہے۔ مثلاً کسی کے چار (۴) لڑکے اور تین (۳) لڑکیاں ہیں۔

۴×۲=۸+۵=۱۳×۵=۶۵+۳=۶۸×۱۰=۶۸۰

صفر خارج ۰-=۶۸

پچیس خارج ۲۵-

حاصل ۴۳

لڑکیاں تین (۳) لڑکے چار (۴)

نوٹ:۔ یہ قاعدہ اسی وقت جاری ہوگا جب لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد انفرادی طور پر نو (۹) یا اس سے کم ہو۔ دس (۱۰) یا اس سے زائد کے لئے دوسرا قاعدہ ہے۔ جسے طوالت سے بچنے کے لئے درج نہیں کیا جارہا ہے۔

دونا معلوم عددوں کے حاصل اور ان کے مابین تفاوت سے ان دونا معلوم عددوں کو معلوم کر لینے کا طریقہ

کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ میرے دل میں ایسے دو اعداد ہیں جن کا حاصل ضرب اتنا، مثلاً چوبیس (۲۴) ہے اور ان دونوں میں تفاوت وتفاضل اتنے، مثلاً دو (۲) کا ہے۔ تو بتایئے کہ وہ دونوں اعداد کون کون سے ہیں؟ تو اس معما کی تحلیل کے تین (۳) ضابطے ہیں۔ جن میں پہلا اسہل، دوسرا سہل اور تیسرا ذرا مشکل ہے۔ ضابطوں میں استعمال ہونے والے اصطلاحات جذر، مجذور، مربع کا مطلب یہ ہے کہ: کسی بھی عدد کو فی نفسہ ضرب دینے سے جو حاصل ہوا وہ مجذور ومربع، اور خود وہ عدد اس مجذور ومربع کا جذر ہے مثلاً ۴×۴=۱۶، اس میں سولہ (۱۶) مجذور ومربع، اور چار (۴) اس کا جذر ہے۔

پہلا ضابطہ: آپ کسی شخص سے کہیں کہ تم اپنے دل میں کوئی بھی عدد فرض کر کے اس کے دو حصے کرو پھر ہر ایک حصہ میں اصل عدد کو ضرب دے کر دونوں کے حاصل ضرب کو جمع کر دو۔ جب وہ جمع کر چکے تو آپ اس سے پوچھیں کہ مجموعہ کتنا ہوا؟ وہ جو

بھی مجموعہ بتائے آپ اس کا جذر نکال لیجئے وہی جذر سائل کا عدد مفروض ہے۔

مثلاً ہم نے آٹھ (۸) فرض کر کے اس کے دو حصے کئے تین (۳) اور پانچ (۵) تو ۳×۸=۲۴، اور ۵×۸=۴۰+۲۴= ۶۴ جس کا جذر آٹھ (۸) ہے تو یہی عدد مفروض ہوگا۔

دوسرا ضابطہ: آپ کسی شخص سے کہیں کہ تم اپنے دل میں کوئی عدد فرض کر کے اسے دو حصے میں تقسیم کر دو، پھر ہر ایک حصے کا مربع بنا کر دونوں کو جمع کر دو، اس کے بعد دونوں اصلی حصوں کو باہم ضرب دے کر اس کا دوگنا، جمع سابق میں جمع کر دو۔ اب آپ اس سے دریافت کریں کہ مجموعہ کتنا ہوا؟ وہ جو بھی بتائے آپ اس کا جذر نکال لیں وہی جذر عدد مفروض ہوگا۔

مثلاً ہم نے آٹھ (۸) کے دو حصے کئے تین (۳) اور پانچ (۵) پھر ہر ایک کا مربع کر کے جمع کیا ۳×۳=۹؛ اور ۵×۵=۲۵+۹=۳۴ اس کے بعد دونوں اصلی حصوں کو باہم ضرب دے کر دوگنا کر کے جمع سابق کے ساتھ جمع کیا یعنی ۳×۵=۱۵×۲=۳۰+۳۴=۶۴ جس کا جذر آٹھ (۸) ہے تو یہی عدد مفروض ہوا۔

تیسرا ضابطہ: آپ کسی شخص سے کہیں کہ تم اپنے دل میں کوئی بھی دو (۲) اعداد فرض کر کے ان کا حاصل ضرب اور ان کے مابین تفاوت بتاؤ؟ جب وہ بتادے تو آپ اس شخص کے بتائے ہوئے حاصل ضرب کو چوگنا کیجئے اور اس کے ساتھ تفاوت کا مربع جمع کر کے مجموعہ کا جذر نکالئے، پھر جزر پر وہ تفاوت بڑھا کر نصف کیجئے تو عدد اکبر حاصل ہو جائے گا اور جذر سے تفاوت کم کر کے نصف کرنے پر عدد اصغر پیش نگاہ ہوگا اور یہی دونوں عدد مقصود ہیں۔ مثلاً چھ (۶) اور چار (۴) کا حاصل ضرب چوبیس (۲۴) ہے اور ان دونوں میں تفاوت وتفاضل دو (۲) کا ہے۔ اب ہم نے حاصل ضرب کا چوگنا یعنی چھیانوے (۹۶) میں تفاوت دو (۲) کا مربع چار (۴) جوڑ دیا تو مجموعا یک سو (۱۰۰) ہوا جس کا جذر دس (۱۰) ہے۔ پھر اس میں وہ تفاوت یعنی دو (۲) جمع کر دیا ۱۰+۲=۱۲ ہوئے جس کا نصف چھ (۶) اور عدد اکبر ہے۔ اس کے بعد جذر دس (۱۰) سے تفاوت دو (۲) کم کر دیا تو آٹھ (۸) بچے جس کا نصف چار ہے (۴) اور عدد اصغر ہے۔

یہ تمام لطائف حسابیہ استاذ مطلق قبلہ دام ظلہ جیسے ماہر ریاضیات کے لطائف کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے جنہیں میں نے اپنے بساط کے مطابق مختصر سے عرصے میں اخذ کیا ہے وہ حضرات جنہوں نے برسہابرس آپ کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا ہے اگر اس جانب اپنی توجہ مبذول کریں تو امید ہے کہ بحر علم ریاضی کی کئی اور درخشندہ تابندہ موتیاں ریاضی سے شغف رکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کریں گی۔

رب قدیر آپ کے عنایات جلی وخفی کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین

امام علم وفن : اور علم جفر

مولانا جمال احمد خان رضوی، دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

اس عالم رنگ وبو میں روز آفرینش سے آج تک بیشمار علوم وفنون ظہور پذیر ہوئے اور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ آسمانی کتاب قرآن عظیم میں علوم کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فاضل ابوبکر کی تصنیف "قانون تاویل" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ قرآن عظیم میں ستہتر ہزار دوسو ۲۰۰ ۷ ے علوم وفنون ہیں (ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء)

اس کائنات گیتی کا کوئی دور معلمان حکمت اور محرمان علم وفن سے خالی نہیں رہا ہے ہمیشہ علم وعرفان کی قندیلیں جلتی رہیں اور لوگ مستفیض ومستنیر ہوتے رہے اور صاحبان علم وآگہی جہان نو میں علم کے نام پر زلف گیتی کے پیچ وخم درست کرتے رہے ان ہی افراد میں خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ سابق شیخ المعقولات دار العلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف کوشمار کرنا حقیقت برمبنی ہے۔آپ کی علمی حیثیت صاحبان علم وفضل میں مسلم ہے لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس دور میں علوم عقلیہ کے بے تاج بادشاہ ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے علوم وفنون میں مہارت اور دسترس حاصل ہے جسے مدارس ومکاتب کے اکثر طلبہ واساتذہ اس کے نام سے بھی واقفیت نہیں رکھتے ہیں۔

مثلاً جبر ومقابلہ، علم تکسیر، علم جفر، علم رمل، علم ہندسہ، علم لوگارثم، علم مثلث سطح، علم مثلث کروی، اور علم نجوم وغیرہ۔۔۔۔۔

۔۔۔اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ پر لکھی جانے والے کتب ورسائل اور مقالات کی ایک فہرست مولانا محمد عیسیٰ رضوی نے قرطاس وقلم کے نام سے ترتیب دی ہے جس میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ کے گیارہ مقالات کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ممدوح کو متذکرہ علوم وفنون سے دلچسپی اور ان میں درک حاصل ہے۔ وہ مقالے درج ذیل عناوین سے مذکور ہیں۔ امام احمد رضا اور جبر ومقابلہ، امام احمد رضا اور علم تکسیر، امام احمد رضا اور علم جفر، امام احمد رضا کی علم ہندسہ پر نقد ونظر، امام احمد رضا اور علم المساحۃ، امام احمد رضا اور علم لوگاثم، امام احمد رضا اور علم مثلث کروی، امام احمد رضا اور ربع مجیب، امام احمد رضا اور اسطرلاب، امام احمد رضا اور خلا پیائی (قرطاس وقلم از محمد عیسیٰ رضوی، مولانا صفحہ نمبر ۲۰ رمطبوعہ دہلی) آپ نے علم نجوم پر بھی ایک تحقیقی مقالہ تحریر فرمایا جو ایک معاصر جریدے میں شائع ہے۔

جب کوئی بھی اہل علم یا فن کار اپنے علم یا فن کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس علم وفن کے اصول ومبادیات،، اصول وضوابط نیز ماعلیہ وماعلیہ پہ نظر عمیق رکھنے کے بعد اپنی تحقیقات اور نظریات کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتا ہے۔ مذکورہ تحقیقی مقالوں کے عناوین سے واضح ہوگیا کہ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب کو ان علوم وفنون میں اچھی خاصی معلومات اور درک حاصل ہے تبھی تو آپ نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مختلف علوم وفنون پہ طویل مبسوط مقالے تحریر فرمائے ہیں جو آپ کے تبحر علمی کی آئینہ دار ہے۔۔۔۔۔۔

۔۔ راقم الحروف جن دنوں عالم اسلام کا موقر وقابل اعتماد جریدہ ''ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف'' کی ادارت سے منسلک تھا ان دنوں خواجہ علم وفن دار العلوم اہل سنت براؤں شریف میں شیخ المعقولات کے عہدے پر فائز تھے۔ ساتھ میں عموماً مجلسیں ہوتی تھیں ایک رسالے کے ذمہ دار کی حیثیت سے اصحاب قلم حضرات سے مضامین کے لئے کہتا رہتا تھا چنانچہ حضرت خواجہ صاحب سے بھی مضامین کے لئے التماس کرتا رہتا لیکن حضرت اپنی ناسازی طبع کے باوجود کئی اہم وتحقیقی مضامین ماہنامہ فیض الرسول کے لئے عطا فرمایا تھا انہی اہم مضامین میں سے ایک مضمون امام احمد رضا کا علم جفر میں تحقیقی تجزیہ پیش کیا جسے میں نے ماہنامہ فیض الرسول دسمبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں امام احمد رضا اور علم جفر کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس مقالے کے تناظر میں خواجہ علم وفن کے علم جفر میں تبحر کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

موصوف نے امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے علوم کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''جب ہم بنی نوع انسان کی اس زریں تاریخ کے مزید اوراق الٹتے ہیں تو عہد قریب میں ہمیں ایک ایسی شخصیت جلوہ ساماں نظر آتی ہے جو ایک طرف ائمہ اسلام کی ہمدم وہمراز، ان کی دینی بصیرت اور مذہبی شعور سے آگاہ اور غزالی ورازی کے اسرار سے باخبر ہے۔ دوسری طرف ابن سینا فارابی اور بطلیموس کے تدقیقات سے کھیلتی اور ابن ہشم، ارشمیدس اور ثاوذوسیوس کی ریاضیات سے مسکرا کر باتیں کرتی، آئن اسٹائن اور گلیلیو کے نظریات کا تعاقب کرتی، ٹوری سیلی اور نیوٹن کے کلیات کے پرخچے اڑاتی، برسٹلے اور لیوازیلے کے کیمیائی اکتشافات کی تشریح کرتی نظر آتی ہے۔ جب ہم اس ہمہ جہت ہستی کو عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عناصر اربعہ سے مرکب نہیں، سراسر حکمت ودانائی کا پیکر ہے اور سراپا علم وفن کا مجسمہ ہے۔ یہ شخصیت ہے مجدد قرن رابع عشر امام احمد رضا کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس یگانۂ روزگار نے تقریباً پچاس علوم وفنون میں اپنی بیش بہا تصنیفات بطور میراث چھوڑی ہے۔ قدرت نے ان تصنیفات کو اپنی حمایت وحفاظت کا وہ فصیل عطا فرمایا کہ دست بغض وعناد کی گرفت میں آج تک کچھ نہ آسکا۔ یہ آپ کی خلوص وللّٰہیت کا انعام ہی ہے کہ قدرت نے انہیں صیانت قلم سے نوازا،،

امام احمد رضا نے جہاں کہیں تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، مساحت وتو

قیت، لوگارتھم و جر الاثقال، جبر و مقابلہ، اجرام و ابعاد، مثلثات و اکر، متناسبہ متعددہ، مناظر و مرایا، ارثماطیقی و نجوم اور دیگر مبادیات مثلاً صرف و نحو، معانی و بلاغت اور بیان و بدیع میں کمال حاصل کیا وہیں ایسے علوم سے بھی وافر حصہ ملا جن کا شمار علم الاسرار میں ہوتا ہے۔ انہیں علوم میں سے علم جفر بھی ہے (ماہنامہ فیض الرسول براؤن شریف دسمبر ۱۹۸۶ء)

ظہور و خفا کے اعتبار علوم کی چند قسمیں ہیں:

(۱) علوم جلیہ (۲) علوم خفیہ۔ پھر علوم خفیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مستحب الکتمان (۲) واجب الکتمان وہ علوم متداولہ جو مدارس و مکاتب سے اکتساب کئے جاتے ہیں اور شائع و ذائع ہوتے ہیں وہ علوم جلیہ ہیں۔ اور وہ علوم جو علماء، عرفا، عامیوں کی نظر سے مستور رکھے جاتے ہیں وہ علوم خفیہ ہیں جیسے علم جفر، علم الاوفاق، علم نجوم، علم رمل اور علوم خمسہ یعنی کیمیا، لیمیا، ہیمیہ، سیمیہ اور رمیہ وغیرہ جن کے رؤس کا مجموعہ کو "کلمہ سر" کہا جاتا ہے۔ یہ سب علوم خفیہ ہیں ان میں علم جفر واجب الکتمان ہے علم جفر کے بارے میں عالم علوم الاسرار شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ

فمن ظفر به فليتق الله تعالىٰ ويكتم هذا لسرا لمخزون واللؤ لو المكنون والايمشى عليه غضب الرحمٰن و سلب الا يما ن ۔(ماہنامہ فیض الرسول دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۱ر بحوالہ الدر المکنون والجوہر المکنون صفحہ نمبر ۶۵) یعنی جو اس گہر نایاب کو حاصل کر لے اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہئے ۔ اور لوگوں سے اسے پوشیدہ رکھنا چاہئے ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار ہونے اور ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت شاہ کرمانی سے منقول ہے۔

من نطق عن درجة قبل ان يرتقها كان حقاً على الله ان يحر مة تلك الد رجة فلا ينا لها (ماہنامہ فیض الرسول دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۱ر بحوالہ الدر المکنون والجوہر المکنون صفحہ نمبر ۶۵) یعنی اگر کوئی کسی درجہ کے حصول سے پیشتر اس کا تذکرہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اس درجہ سے محروم کر دیتا ہے وہ اس درجے کو نہیں پا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم جفر علم لدنی میں سے ہے جس کا اکتساب نہ مکاتب و مجالس سے ہو سکتا ہے نہ مدارس و محافل سے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علم جفر کے متعلق سے خواجۂ علم و فن مدظلہ کے استاذ گرامی ملک العلماء، حضرت علامہ ظفر الدین صاحب بہاری علیہ الرحمہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

اس فن میں آپ (امام احمد رضا فاضل بریلوی) کو مہارت تامہ حاصل تھی اور آپ نے اس فن میں

تین کتابیں تالیف فرمائی وہ یہ ہیں۔(۱)الشواقب الرضویہ علیٰ الکوکب الدریہ (۲)الجدول الرضویہ علیٰ الکوکب الدریہ
(۳)الجویۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ
ان تینوں کتابوں کے متعلق اعلیحضرت کا ارشاد ہے کہ تینوں رسالے نہ چھاپے جائیں گے نہ ان کی نقل مل سکتی ہے جب تک اس کی اہلیت نہ ثابت ہو(حیات اعلیحضرت جلد دوم ظفر الدین بہاری علامہ صفحہ نمبر ۱۰۳ مطبوعہ رضا اکیڈمی)
اب آیئے! امام علم وفن کی علم جفر کے مصطلحات کا ذکر نیز ان پر ان کی تحقیق انیق ملاحظہ فرمایئے۔
علم جفر دراصل سائل کے سوال کے حروف کو ایک خاص انداز سے ترتیب وتقلیب کرنے کا نام ہے اس مخصوص تقلیب اور الٹ پھیر میں مخض، ترقی، ترفع، تدلی، مساوات، طرح وصفی کہیں بسط، بسط المخض، طرح البسط، طرح الطبع نیز کہیں زبر وبنیات، مداخل مدات کہیں بطون سبعہ کا عمل کرنا پڑ رہا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں: ان اسرار الحروف لا تدرک بشیٔ من القیاس کبعض العلوم و انما تدرک بالعنایۃ الالھیۃ اما بشئی من سر الالقاء او بشیٔ من اسرار الوحی او بشیٔ من اسرار الکشف اوبنوع من الانواع المخاطبات و ما عدا ھذاالاقسام الاربعۃ محدث النفس لا فائدۃ فیہ (ماہنامہ فیض الرسول دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۱، بحوالہ الدر المکنون والجوھر المکنون صفحہ نمبر ۱۰۹) یعنی اسرار حروف کا جاننا دوسرے علوم کی طرح قیاس سے نہیں ہوتا یہ تو فقط عنایت الٰہی سے ہوتا ہے یہ عنایت خواہ سر الالقاء سے ہو یا اسرار وحی سے خواہ اسرار کشف سے ہو یا مخاطبہ کی کسی قسم سے ہو بقیہ طریقے حدیث نفس ہیں جن میں کچھ فائدہ نہیں۔
اس علم شریف کے بارے میں مابین جفاریہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو یہ علم بخشا اور پھر یہ سینہ بسینہ منتقل ہوتا ہوا رسول عربی ﷺ اور مولا علی کو ملا۔ نیز ان کے توسط سے آئمہ اہل بیت کو عطا ہوا اور سیدنا امام جعفر صادق کے ذریعہ اولیائے عظام، علمائے کرام اور مخصوصین کو یہ علم حاصل ہوا۔ شیخ الاسرار علامہ ابن عربی کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ شیخ کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحہ شاہ کرمانی اور شیخ سلیم واعظ مصری اس فن کے استاذ مانے جاتے ہیں۔(مصدر سابق)
جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ جفر کا علم درس وتدریس، مکاتب ومدارس سے حصول ممکن نہیں بلکہ جس پہ رحمت الٰہی کا خصوصی کرم ہو جائے اسی کو یہ علم حاصل ہو سکتا ہے تو اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کو جفر کا علم کیسے حاصل ہوا آیئے اس سلسلے میں

امام علم وفن کی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔
امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر تھی جو نہ ''پدرم سلطان بود'' کے دھن میں مخمور تھی نہ ''تاج سلطانی زیب خرق کیے نشہ میں چورتھی بلکہ مست مئے الست اور بادۂ عرفاں کے کیف ونشاط سے مسرور اور انوار الٰہی کی تجلیات سے معمور تھی۔ امام احمد رضا کی طرف اس مرد خدا آگاہ کی نگاہ اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہوگئی، فرمایا: آپ کو علم جفر کا ایک قاعدہ بدوح یلین کی تلقین کرتا ہوں اس میں آپ محنت وریاضت کریں تو انشاء اللہ حقائق ومعارف کے خزانے ابلنے لگ جائیں گے۔
فاضل بریلوی کو قاعدہ ''بدوح یلین'' کی تلقین کرنے والی یہ شخصیت غوث العالم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے پیر ومرشد حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کی تھی۔ امام احمد رضا نے حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق اس علم کے حصول میں کوشش شروع کی تو رازہائے سربستہ کے پردے واہونے لگے اور یکے بعد دیگرے پیچ وخم سلجھتے گئے (ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف دسمبر ۱۹۸۶ء صفحہ نمبر ۱۱)
امام علم وفن نے تحریر فرمایا ہے کہ علم جفر کے بہت سے قاعدے ہیں جن میں زیادہ قابل وثوق قاعدے تین ہیں۔
(۱) بدوح مین (۲) الجفر الجامع (۳) قاعدۂ تولید
ابتداء فاضل بریلوی حضرت نوری میاں کے تلقین کردہ قاعدہ ''بدوح یلین'' ہی پر عمل کرتے رہے لیکن بعد میں آپ قاعدہ ''الجفر الجامع'' جو قلیل المؤنۃ ہے کا زیادہ استعمال کرنے لگے۔ اس قاعدہ میں اولاً یہ معلوم کرنا پڑتا ہے کہ قمر سوال کے وقت کس منزل میں ہے اور پھر رباعی درسباعی جدول جس میں سطور کی تعداد سات اور اضلاع کی تعداد چار ہوتی ہے، جملہ بیوت اٹھائیس ہوتے ہیں، اسے تیار کر کے اول خانے کو نو ۹ حروف (حروف منزل تین، حروف متوالیہ، سوال کا حروف ملخص اور پھر حروف الجفر الجامع سے پر کرتے ہیں، یہ اول بیت ہوا۔ اس طرح متوالیاً تمام بیوت ثانی اور ثالث وغیرہ پر کرتے ہیں۔ ثانیاً.....
............ثالثاً ....قاعدہ بدوح مین عمل کے دوران گیارہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے (۱) افراز (۲) الہام (۳) بینات (۴) فرقان (۵) اتفاقی الروح (۶) مداخل خمسہ مدات (۷) استنطاق (۸) نتیجہ (۹) نظیرہ (۱۰) صدر موخر (۱۱) مستحصلہ ....الخ
(ماہنامہ فیض الرسول دسمبر ۱۹۸۶ء بحوالہ الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ)
مذکورہ اقتباسات سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا علم جفر میں تبحر اور خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ کا اس فن سے دلچسپی اور درک روز روشن کی طرح عیاں ہے۔☆-☆-☆-☆-☆

امام علم وفن: کا مقالہ ''اعضاء کی پیوند کاری،، کا طبی تجزیہ

ڈاکٹر احمد حسین پورنوی (گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ)

یہ حقیقت ہے کہ جب زندگی کی سطح پر، ثبات واستقلال اور پیہم کوششوں کی موجیں تسلسل سے ابھرتی ہیں۔ تو انہیں سے حیات انسانی کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر جب یہ عزم واستقلال کا تلاطم ختم ہو جاتا ہے۔ تو زندگی کی شو زشیں موت کی آغوش میں آسودہ نظر آتی ہیں۔ اور حیات انسانی کا ارتقائی رشتہ منقطع ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

الغرض نصب العین کی بلندی، عزم وعمل کی ہم آہنگی، اخلاق وعادات، گفتار وکردار اور عزم وعمل کی صالح قوتوں سے مربوط رکھا جائے۔ تاکہ مقصد زندگی کسی وقت بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اور اس فطری ضرورت کی تکمیل کیلئے ہر دور میں خداوند قدوس نے ایسے نفوس مبارک کو بھیجا جو نہ صرف خود پیکر عزم وعمل ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے دوسروں کو بھی جہد مسلسل کا پیغام ملتا ہے۔ اور وہ نہایت ہی صبر واستقلال کے ساتھ اصلاح امت، تحفظ شریعت، اور احیاء سنت وطریقت کا اہم ترین فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ان کی مبارک زندگی سے دلوں کو فرحت وسرور اور ایمان وایقان کی روشنی ملتی ہے۔

ان ہی میں سے ایک علاقہ سیمانچل کے نیر درخشاں، خیر الاذکیاء، عبقری عالم دین، مشاق مدرس، نایاب منطقی، عظیم فقیہ، نکتہ نگار محرر، ادب پسند وادب نواز امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمۃ الباری تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے افکار ونظریات کو جدید علوم فنون کی روشنی میں آپ نے عام کیا اور ان کی سائنسی علوم سے مزین لا ینحل فتاویٰ کو آپ نے اتنی سادگی اور آسانی سے سمجھایا جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد آپ جیسا درجنوں علوم وفنون پر کامل ادراک حاصل کرنے والا نظر نہیں آتا۔ جن میں علم توقیت علم جفر، ہیئت وہندسہ، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستینہ ومساحت، عمل بالخطائین، علم الاسطر لاب، علم الربع والمجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد والاجرام، وغیرہم میں ماہر کامل ہونے میں (بقول آپکے) ظاہراً کوئی استاذ ثانی نہیں، اپنی خداداد فطری صلاحیتوں اور استعداد ولیاقت کی بنیاد پر مذکورہ علوم کی کتابوں کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے ان فنون میں مہارت تامہ حاصل کی ہے۔

میرے مضمون کو پڑھنے کے بعد آپ کو یقین کامل ہو جائے گا کہ امام علم وفن علوم عقلیہ ونقلیہ کے جہاں امام کامل ہیں وہیں علم طب پر بھی غایت درجہ کمال حاصل ہے۔

امام علم وفن نے اپنے مضمون ''اعضاء کی پیوند کاری،، کے فقہی حکم وجواز وعدم جواز سے متعلق اپنی گراں قدر تحریر سے نوازا ہے۔اس موضوع کو امام علم وفن نے علم طب کے شعبۂ جراحت اور علم تداوی کو مدنظر رکھتے ہوئے دو طریقوں سے اس کی وضاحت کی ہے۔(۱) امراض کے تدارک کے لئے دواؤں سے کام لیا جانا۔(۲) عمل جراحی کے توسط سے اعضاء میں پیدا ہو جانے والی خرابی کو دور کرنے کے سلسلے میں وضاحت کی ہے۔اور ایک خاص عنوان اعضاء کی جراحت و پیوند کاری کو درست قرار دیا ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ طبی دور میں پیوندکاری ایک اہم انسانی اور طبی ضرورت ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری۔یا نقل الدم کے مسئلے کو پیش کرنے سے پہلے چند امور کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے تا کہ مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت پورے طور پر واضح ہو جائے۔موجودہ دور میں علم الابدان یعنی منافع الاعضاء کے منافع کو جانے بغیر اصلاح علاج ممکن نہیں ہے۔۔کیونکہ جب تک کہ اعضاء کے افعال اور ان کے منافع ذہن نشین نہ ہوں گے اس وقت تک علاج ومعالجہ کے میدان میں کود پڑنا نامناسب ہوگا۔اسی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے دانشوران طب نے دو طریقے متعین کئے ہیں۔

(۱) تداوی (۲) جراحی

لہذا، ان دونوں طریقوں کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

تداوی ایک صحت جسم کے لئے باعتبار کمیت وکیفیت اخلاط اربعہ خون، صفراء، سوداء اور بلغم کو سمجھنا ضروری ہے۔کونکہ طبی نقطۂ نظر سے اخلاط کی تفہیم پر ہی علاج ومعالجہ منحصر ہے۔نظریۂ اخلاط جس کا مؤجد بقراط کو کہا جاتا ہے۔اس نے ہی اخلاط اربعہ پر بڑی وضاحت کے ساتھ ان کا، باہمی طبی تعلق وتناسب وتوازن کو پیش کیا ہے۔جب یہ اخلاط باعتبار کمیت وکیفیت اپنی طبعی نسبت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔تو نئے مختلف تناسب کی پیدائش ہو جاتی ہے۔یعنی جب یہ اخلاط اپنی طبعی صفات اور مزاج اعتدال سے دور ہو جاتے ہیں تو جسمانی نظام درہم برہم ہونا شروع ہو جاتا ہے، نتیجتاً طرح طرح کے امراض رونما ہونے لگتے ہیں جن کو انسان کے قوت امر مدبرہ اپنے طور پر ہی درست کر لیا کرتی ہے۔لیکن جب قوت مناعت ہی کمزور ہوتی ہے تو یہ طبیعت یا قوت ازالۂ مرض سے عاجز رہ جاتی ہے۔اب اس مقام پر انسان تداوی کے طرف رجوع کرتا ہے اور اصلاح کیلئے مفردات ومرکبات کا سہارا لیتا ہے۔جسے ہم طبی اصطلاح میں اکتسابی مناعت کہتے ہیں۔لیکن اگر تداوی سے کام نہ چلے اور عضو انسانی کسی ایسے مرض میں مبتلاء ہو جس میں تداوی کا کوئی رول نظر نہ آ رہا ہو تو جراحت کی ضرورت پیش آ جایا کرتی ہے۔تداوی کے ذریعہ جسم کی طبعی حالت پر واپس لانا مقصود ہوا کرتا ہے طبی نقطۂ نظر یہ ہیکہ علاج بالمفردات، علاج بالغذاء اور علاج بالتدبیر

کے ذریعہ ہی ازالہ مرض کیا جائے اور اس کیلئے تین ماٰخذ ہیں جن سے یہ کام لیا جاتا ہے۔

(۱) نباتی (۲) حیوانی (۳) اور جماداتی۔

جہاں تک جراحت کا سوال ہے، اس میں چند امور کو ملحوظ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔(۱) صحت کا علم (۲) اعضاء کا تفصیلی جائزہ (۳) نفسیاتی محاسبہ (۴) منافع الاعضاء کا خصوصیت کے ساتھ معائنہ (۵) بول وبراز کا تجزیہ اسی کے ساتھ کچھ امراض کو بھی ذہن نشین رکھنا ہوگا۔ مثلاً ذیابطیش، خون کا گروپ یعنی مذکورہ امور جو جراحی کے لئے ضروری ہے پوری تحقیق و تفتیش کے بعد ہی جراحت کی جاسکتی ہے۔ یعنی معالج اور مریض دونوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ یقین ہو جائے کہ جراحت کسی شدید حالت کو پیدا نہیں ہونے دیگی۔ تبھی عمل جراحت کامیابی کی دلیل ہوگا۔

یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی سارے انتظامات ہونے کے باوجود عمل جراحی ناکام ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پوری تفتیش کے بعد اگر جراح کا یہ فیصلہ ہو کہ عمل جراحی کے بعد بھی کامیابی ملنے کی امید نہیں ہے تو اس عمل سے بچا جائے۔ مثلاً امام علم وفن نے یہ تحریر کیا ہے کہ

”عمل جراحی میں عضو کا اعادہ الی سیرت الاولی نہیں بلکہ اس میں تجرید، مثلاً (ہائیڈروسل، پتھری، ٹیومر اپینڈس وغیرہ کے آپریشن) یا ترکیب، مثلاً (کٹی ناک یا کٹی ہونٹ وتالو گل پیوند کاری) یا تبدیلی مثلاً (دل، گردہ، پھیپھڑا وغیرہ کی تبدیلی) کا عمل مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ تینوں باتیں یعنی تجرید، ترکیب اور تبدیل، عالم محسوسات کی چیزیں ہیں ہم اپنی آنکھ سے یا آلہ کی مدد سے دیکھتے ہیں کہ تجرید میں بد گوشت کو کاٹ کر پھینک دیا گیا، ترکیب میں ناک کان، ہونٹ، تالو بالکل صحیح ہو گئے اور تبدیل میں دل گردہ پھیپھڑا عمل کرنا شروع کر دیا برخلاف تداوی کے کہ وہاں نہ تو مرض ہی حسی ہوتا ہے اور نہ ازالۂ مرض کی تدبیر ہی حسی ہوتی بلکہ نتیجہ برآمد ہونے کے بعد اس کو یقین کا درجہ ملتا ہے۔

الحاصل جراحی کی تشخیص وتجویز اور اس کے مبادی بالعموم حسی ہوتے اور تداوی میں غیر حسی موہوم ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہرگز ہم پلہ نہیں۔ اس لئے تداوی کے عدم جواز کی صورتوں کو جراحی پر لادا نہیں جاسکتا اور نہ تداوی سے متعلق فقہی جزئیات کو کھینچ تان کر جراحی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مسئلہ مجتہد فیہ میں عرفی یقین احکام شرع جاری کرنے کیلئے کافی سمجھا جاسکتا ہے۔ تو عمل جراحی میں اس کو کافی کیوں نہیں سمجھا جائے گا،،

امام علم وفن آگے لکھتے ہیں:

”کہ تداوی میں چونکہ شروع سے آخر تک جملہ مراحل موہوم در موہوم ہوتے ہیں،،

اکثر و بیشتر مشاہدے میں آتا ہے کہ بعض پودے سے بعض پودوں کا رشتہ زمین سے ٹوٹ جاتا ہے اور ہم اسے پانی میں ڈال دیتے ہیں تو عرصے تک وہ ہرا ابھرا رہتا ہے۔ اسی طرح بعض پودے کے کسی حصے کو کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ اور پانی سے اس کو تر کر کے رکھا جاتا ہے۔ تو اسمیں بھی حیات برقرار رہتی ہے۔ جیسے پان کی پتی، جیون بوٹی، گل مریم، ناگ پھنی اور ہڈ جوڑ وغیرہ، اسی طرح جانوروں کا کوئی عضو کاٹ کر جدا کیا جائے تو ضروری نہیں ہے کہ فوراً ہی زندگی کے جملہ آثار بالکلیہ ختم ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی ماہر جراح فن جراحی کے اصول پر کسی عضو کو جسم سے جدا کر دے تو اسمیں حیات کا باقی رہنا کوئی اچنبھے اور تعجب کی بات نہیں ہے۔

فن جراحی میں ایسی ایسی دوائیں ایجاد کر لی گئیں ہیں۔ کہ جسم سے علاحدہ کردہ عضو اس دوا میں اور مناسب ظرف و مکان میں رکھا جائے تو اسمیں حیات کے آثار مثلاً حساسیت روح کچھ دنوں تک باقی رہے۔ اور اسے دوسرے بدن میں پیوندکاری سے فٹ کر دیا جائے تو وہ باقاعدہ باحیات عضو جیسا کام بھی کرنے لگے اور یہ بات کھلی ہوئی ہے، کہ جب تک کٹے ہوئے عضو میں حیات کے آثار رہیں گے اس وقت تک وہ نہ باقاعدہ مردہ ہے، اور نہ بحکم مردہ نجس ہے وہ عضو بالکل اس حالت میں رہتا ہے جسے کوئی عالم سکرات میں یا حالت سکتہ میں ہوتا ہے بظاہر اسکی زندگی معدوم معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ اب بھی وہ سماج وطب میں باحیات مانا جاتا ہے اسی طرح عضو مقطوع کا بھی حال ہے اگر چہ وہ بظاہر مردہ سمجھ میں آتا ہے لیکن نفس الامر میں اب بھی اس میں آثار حیات باقی ہیں اس لئے وہ زندہ ہے، اور نہ بحکم مردہ نجس ہے۔

”عضو کی تبدیل وترتیب میں چونکہ کارآمد عضو کو اسی منصب پر رکھ کر اس سے وہی کام لیا جاتا ہے، جو قدرتاً ان کے ذمہ سپرد تھا اس لئے اسمیں اس عضو کی نہ کسی طرح اہانت ہے اور نہ بے حرمتی ہاں منصب عمل سے ہٹا کر اسے دوسری منفعت مثلاً کھانے پینے اور زینت بنانے کیلئے استعمال کیا جائے تو البتہ اس کی اہانت کا پہلو نمایا ہوتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی بھی شئی سے عرفی استفادہ کی دو صورتیں ہیں، اول یہ ھیکہ مستفید اس شئی، کو اپنا جزء متصل باتصال حقیقی بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو اور رنج والم اور حساسیت وغیرہ کا اس پر ترتب بھی ہو جسے اعضاء کی پیوندکاری میں ہوتا ہے دوم یہ ھیکہ مستفید اس سے کوئی دوسرا فائدہ حاصل کرے لیکن اس شئی کو اپنا جزء متصل باتصال نہ بنائے خواہ اسے جز ہی نہ بنائے اور نہ اس پر جز کے تسمیہ کا اطلاق ہو جیسے چشمہ وغیرہ خواہ اسے اپنا جز بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو لیکن اس کا عدم اتصال ظاہر ہو جیسے مصنوعی ٹانگ وغیرہ یا اسے جز بنائے اور اس پر جز کا تسمیہ بھی جاری ہو اور ساتھ ہی اتصال بھی ظاہر ہو لیکن فی الحقیقت اتصال حقیقی نہ ہو جیسے مصنوعی دانت استفادہ کی پہلی صورت نہ انتفاع ہے اور نہ استعمال بلکہ دوسری صورت کی تینوں قسمیں انتفاع ہیں،،

خواجہ صاحب آگے فرماتے ہیں:

''اعضاء کے پیوند کاری کا مسئلہ وقت کا ایک اہم انسانی اور طبی مسئلہ ہے علاج کے اس طریقے میں طریقے وتنوع کے ساتھ ساتھ اسکی اہمیت بڑھتی جاتی ہے اس مسئلہ کا رشتہ ایک طرف انسانی کرامت کے تحفظ سے ہے کہ انسانی اعضاء واجزاء کا استعمال کرامت انسانی کے خلاف محسوس ہوتا ہے، دوسری طرف بعض اوقات مریضوں کے لئے اعضاء کی پیوند کاری ایک ضرورت بن جاتی ہے۔اور اس کے ذریعہ بظاہر ایک مرتے ہوئے شخص کی جان بچائی جاسکتی ہے۔یا۔اسکی کسی اہم منفعت کو لوٹایا جاسکتا ہے۔اور شریعت نے انسانی ضرورتوں کی رعایت رکھی ہے۔مسئلہ کے ان دو مختلف جہتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب یہ مسئلہ بھی علماء اور ارباب افتاء کے لئے غور وفکر کا محتاج ہے،،

اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ''فقہی سمینار زیر اہتمام مجلس شرعی مبارک پور اعظم گڑھ یوپی'' میں ایک سمینار کا انعقاد کرایا تھا۔امام علم وفن کا مذکورہ عنوان پر جو مضمون شائع ہوا ہے غالباً وہ اسی فکر کا نتیجہ ہے۔مذکورہ سمینار میں مسئلہ پیوند کاری کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس رائے پر اتفاق ہوا تھا کہ کسی شخص کی جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس ضائع شدہ عضو کا بدل کسی غیر مأکول اللحم جانور یا مأکول اللحم لیکن غیر مذبوحہ جانوروں میں مل سکتا ہو تو اس کی پیوند کاری جائز ہے۔دوسری جانب ایک احتیاطی پہلو کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اعضاء کا استعمال جائز نہیں ہے۔

امام علم وفن نے بھی کچھ انہیں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل کے ساتھ اس کا طبی اور فقہی جائزہ لینے کے بعد انھوں نے جو رائے قائم کی تھی وہ یہ تھی کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز ودرست ہے۔

آخر میں امام علم وفن اپنے مضمون کا نچوڑ یوں نکالتے ہیں:

(۱) اگر تلف عضو یا اضافت ہو تو کسی صورت میں اس کا قطع جائز نہیں خواہ وہاں اس کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو (۲) ایک انسان کے خراب عضو کو دوسرے کے صحیح عضو سے بدلنا بوجہ تعامل وعموم بلوی جائز ہے کہ یہ اتصال عضو ہے نہ کہ استعمال عضو (۳) انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر اس کا استعمال کرنا مثلاً کھالینا یا اس سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنا ناجائز ہے :۔کہ اس میں اس کی توہین ہے،،

''جہاں اعضاء کی پیوند کاری کا اس دور میں مسئلہ پیش آیا یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے اس کی تاریخ بھی قدیم ہے۔

پیوند کاری جلد کا رواج تقریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل مسیح سے ہی موجود ہے آنکھوں کی تپلی اور ہڈیوں کی پیوند کاری انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں عمل میں آنے لگی۔مکمل اعضاء کی پیوند کاری الیکسش کیرل نے رواں صدی کے آغاز

میں کی مگر اعضاء کی پیوند کاری اس وقت ایک حقیقت بن کر ابھری جب انیس سو ساٹھ میں اعضاء کو مسترد کئے جانے سے محفوظ رکھنے والی ادویات بازار میں آئی اعضاء کے ناکارہ ہوجانے کی شکل میں اعضاء کی پیوند کاری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس میں ناکارہ یا بیمار عضو کو مریض کے بدن سے نکال کر ایک صحت مند آدمی کے بدن سے ہی عضو منتقل کر دیا جاتا ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری کی تاریخی حیثیت بھی مذکورہ پیراگراف سے عیاں ہوجاتی ہے۔

پیوند کاری کا تاریخی نقطۂ نظر فقہی یا طبی ان تمام صورتوں میں مشترک فکر یہ ہیکہ انسان کی زندگی کو بچایا جائے۔ اور رشتۂ حیات کو برقرار رکھنے کی یہ جدید صورت وقت کی ایک اہم ضرورت بن گئی ہے۔ نقل الدم ایک عام ضرورت ہے۔ جس کا رات و دن ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ قلب و گردے کی پیوند کاری بھی آج ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ اور اس مسئلہ کا حل بھی جدید طب نے ڈھونڈ کر نکالا ہے۔ اور بہت آسانی کے ساتھ یہ پیوند کاریاں کی جارہی ہیں۔ یہ طبی علوم کا ایک اہم عطیہ ہے جو صدیوں سے معاشرے کی خدمت میں مشغول ہے۔ جو انسانوں کو ایک اور بہتر اور مثبت ذہنی وجسمانی حالت میں زندگی گزارنے میں معاون ثابت ہورہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ زمانۂ قدیم کے مقابلے اس ترقی یافتہ دور میں یہ عمل بخوبی انجام پذیر ہورہا ہے اور انسانی زندگی کو حیات نول رہی ہے۔ قدیم کے مقابلے اس ترقی یافتہ دور میں زندگیوں کا تلف ہونا رک گیا ہے۔ گو یہ طریقہ غریبوں کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

☆☆☆☆

امام علم وفن: اور سائنسی علوم

پروفیسر ایم، ایم، آر، اختر: شعبہ طبیعات، پٹنہ یونیورسٹی

قرآن حکیم نے سینکڑوں جگہ انسانوں کو غور فکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ ”اور کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے اونٹوں کو کیسا بنایا اور پہاڑوں کو کیسا جمایا، اور آسمان کو کیسا بلند کیا اور زمین کو کیسا پھیلایا؟“ اور اللہ کے بندے کھڑے بیٹھے اور لیٹے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بے کار نہیں بنایا اور اے ہمارے رب! ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ قرآن حکیم نے بار بار افلا تعقلون، افلا یبصرون افلا یفقھون کا اعلان کیا ہے اور کائنات کی تخلیق اور زندگی کے عروج وزوال سے انسانوں کو سبق لینے کی دعوت دی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے اور اسے چاہیے کہ جہاں سے اسے یہ ملے، وہ اسے حاصل کرلے۔ ہمارے اسلاف جو اہل علم، اہل بصیرت اور پیکر عمل تھے، انہوں نے قرآن وحدیث کی اس دعوت کو اپنی روح کی گہرائیوں میں جذب کرلیا اور کائنات کے اسرار ورموز کی نقاب کشائی کے لئے پہلی بار سائنسی مطالعہ کی بنیاد ڈالی اور ساری دنیا میں اپنے حیرت انگیز انکشافات سے علم اور حکمت کی روشنی پھیلادی اور جہل ووہم کی وادیوں میں گم کردہ انسانی ذہن کو حقیقت کی روشن راہ دکھائی اور اس طرح علم وحکمت کے میدان میں تحقیق وتجربہ کے رہبر بنے۔

ہمارے اسلاف میں ایسے صدہا نفوس پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق مطالعۂ تخلیق کائنات کو بجاطور پر اپنا دینی فریضہ تسلیم کیا اور سخت جانفشانی، لگن اور سعی مسلسل کو مشعل راہ بنا کر کائنات کے اسرار ورموز کی نقاب کشائی میں آخری دم تک لگے رہے اور دوسری طرف عبادت وریاضت کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ بغداد، نیشاپور، ایران اور اسپین کی تاریخ ان مسلم سائنس دانوں کے تذکرہ کے بغیر نامکمل ہے۔

ان عظیم مسلم سائنس دانوں میں الہیثم بھی ہیں، ابن الخوارزمی بھی ہیں، ابوالوفا بھی ہیں، ابوریحان البیرونی بھی ہیں اور

آج بھی عالم گیر شہرت کے حامل عالم مشرق کے درنایاب عمر خیام بھی ہیں، جوایک ریاضی داں کی حیثیت سے عالم گیر سطح پر ایک بلند مقام پر فائز ہیں، اور حکیم ابن سینا بھی ہیں جو شہزادہ طب کے نام سے پکارے جاتے تھے، اور جو صدہا کتابوں کے مصنف رہنے اور طب پر جن کی کتاب ''قانون'' صدیوں تک یوروپ میں طب کی بلند ترین مستند کتاب رہی اور آج تک اس کی قدر وقیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہاں پر اگر اس سلسلہ کو بڑھایا جائے تو سینکڑوں مسلم سائنس دانوں کا ذکر کرنا پڑے گا جس کو محض اختصار کی وجہ سے حذف کیا جارہا ہے۔

ہمارے اسلاف نے قرآن وسنت کی رہنمائی میں جو کوششیں کیں، اس کو بارگاہ رب ذوالجلال سے استعانت کی دولت عطا ہوئی۔ مسلم سائنس دانوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ ریاضی کے علم کے بغیر سائنسی حقائق کو اپنی مکمل ترین شکل میں پیش کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے ریاضی کے طول وعرض میں اپنی کوششوں کو زیادہ سے زیادہ اونچائی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے نہ صرف ہندوستان اور یونان کے علمی ذخائر سے فیض حاصل کیا بلکہ ترجمہ وتبصرہ سے آگے بڑھ کر انہوں نے تخلیق کی منزلیں بھی طے کیں۔ موجودہ ہندسے Numerals Hibda Arabic کہلاتے ہیں۔ یہ اپنے آپ میں مسلم سائنس دانوں کو ایک خراج عقیدت ہی ہے۔

سولہویں صدی سے انیسویں صدی تک ہندوستان میں علم وفضل کے حامل علماء وشیوخ ریاضی کی اس اہمیت کو فراموش کر چکے تھے۔ اس کا سب سے بڑا مہلک نتیجہ جو یقیناً ایک بڑا المیہ تھا، یہ ہوا کہ مسلمانان ہند سائنسی دوڑ میں اپنے مغربی ممالک کے ہم عصروں سے پیچھے چھوٹ گئے اور محض سائنسی علوم سے کماحقہ آگاہی نہ رکھنے کے سبب زمانہ میں ایک پس ماندہ قوم بن کر رہ گئے۔ وہ اس بات کو فراموش کر بیٹھے کہ ''افلا یتفکرون'' کا حق ادا کرنے میں ریاضی جو مثبت رول انجام دیتا ہے اسے نظر انداز کرنا زوال وشرمساری کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

لیکن بیسویں صدی میں چند معدودے اہل علم وفضل وتقویٰ کو اس سنت پارینۂ اسلاف کو زندہ کرنے کی تائید غیبی ملی اور اس سلسلہ میں جن اصحاب کمال وفضل کو رہبر کہا جاسکتا ہے ان میں علامہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت اولیں ہے۔ انہوں نے ریاضی کی اہمیت، جاذبیت اور معنویت کا غلغلہ اس زور وشور سے بلند کیا کہ ہزاروں ''مست مئے الست'' جو اس نغمۂ سرمدی سے نامانوس ہو چکے تھے اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے، اچانک بیدار ہو گئے اور اس نغمۂ جاں فزا کے ہم نوا ہو گئے۔ یہ مسلمانان ہند کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی کہ مسلم سائنس دانوں کی تحقیق کے اس سلسلہ کو جو ملت اسلامیہ کے منفی قوت فکر وعمل کے باعث طاق نسیاں کی زینت ہو چکا تھا۔ امام احمد رضا خاں کے ولولہ انگیز فکر ونظر نے پھر سے اصحاب علم وفضل کی کاوشوں کا محور بنانے کی سعی بلیغ کی۔

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جنھوں نے حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں دین حق کے ایک مخلص داعی اور مرشد کامل کا نظارہ کیا تھا، وہ علمائے صدق وصفا مشاہدۂ کائنات کی تکمیل کے لئے امام محترم کی طرح ریاضی کو کما حقہ اہمیت دیتے اور اپنے ماننے چاہنے والوں سے بھی اس فن کے حصول کو لازمی قرار دینے کی ادعا کرتے ،لیکن یہ یقیناً ایک بڑا المیہ ہے کہ ایسا نہ ہوسکا، اور اس خرمن کے خوشہ چینوں کی تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے برابر ہی رہی ، ورنہ یقیناً ملت اسلامیہ کے طریقہ فکر ونظر میں ایک انقلاب برپا ہوجاتا اور یہ پس ماندہ ملت شاید اپنے جانباز افراد کی کوششوں سے پھر سے اپنے کھوئے منصب کو حاصل کر پاتی، حیف !صد حیف! کہ ایسا نہ ہوا، اے بسا آرزو کہ خاک شود

گلگونہ عارض سے نہ ہے رنگ حنا تو

اے خوں شدہ دل، تو تو کسی کام نہ آیا

یہاں ہم لوگ ان مسلم طلبا کی بات نہیں کر رہے ہیں جو کسی کالج یا یونیورسٹی سے ریاضی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کا عام طور پر مسلم سماج میں کوئی اثر ونفوذ نہیں ہوتا، یہاں ہم لوگ مدارس سے فارغین ان علمائے کرام کی بات کر رہے ہیں جو یا تو مسند ارشاد پر متمکن ہوکر عوام کو ایمان ویقین کا سرمایہ فراہم کرنے میں معاون ہوتے ہیں، یا معلم اور مدرس کی حیثیت سے اصحاب علم وفضل کی فصل اگانے کا کام کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات علم ریاضی کو عبادت الٰہی کی تکمیل میں ممد ومعاون سمجھ کر اس کے حصول کو مستحب قرار دیں گے، تو یہ پیغام لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ریاضی کی طرف ملتفت ہونے کی ترغیب دے گا۔

اگر چہ موجودہ نسل میں علمائے کرام میں سے اکثر علم ریاضی کی عظیم اہمیت سے نا آشنا ہیں تاہم جس طرح ریگستان میں نخلستان بھی ہوتے ہیں موجودہ زمانہ میں بھی ایسے چند نایاب روزگار علمائے کرام ملت اسلامیہ کی تابناک تقدیر کے غماز ہیں اور ان میں سب سے نمایاں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت ہے اور پھر مفتی اعظم کے جید خلیفہ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی ہیں۔

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی ۱۹۳۴ء میں پورنیہ ضلع کے بائسی قصبہ کے گاؤں سنگھیا میں پیدا ہوئے، تعلیم کی ابتدائی منازل اپنے والد بزرگوار خوجہ زین الدین رضوی جو اطراف میں مشہور ومقبول تھے، اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے بیعت شرف رکھتے تھے، کی رہبری میں طے کیں۔ تعلیمی پرواز کی اونچی اڑانیں ملک العلما کی معیت میں بھریں، جو مدرسہ بحر العلوم میں آچکے تھے اور اس سے پہلے مدرسہ شمس الہدیٰ میں پرنسپل تھے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک امام علم وفن ساقی میخانہ بحر العلوم یعنی ملک العلماء کے دست شفقت سے صہبائے علم کا جام پیتے رہے اور نقطۂ سرشاری تک پہنچے، بقول ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی'' امام علم وفن نے درسی علم جو پایا تو پایا ہی مجلسی علم زیادہ حاصل کیا۔ فیض صحبت سے سماعا جو اخذ کیا وہ اس سرمایہ علم سے بڑھ کر تھا جو در

سگاہوں سے حاصل کیا تھا۔اس کا اعتراف امام علم وفن خود ہی کرتے ہیں"
بقول ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی "اب ایک اجمالی جائزہ ان اداروں کا لیں جہاں وہ رہے، مظہر اسلام بریلی میں پانچ سال، دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ میں تین سال، مظہر اسلام میں دوسال، منظر اسلام میں ایک سال، جامعہ عربیہ سلطان پور میں آٹھ سال، دارالعلوم فیضیہ ایشی پور بھاگلپور میں آٹھ سال، جامعہ اشرف کچھوچھہ میں ایک سال، دارالعلوم فیض الرسول براؤں بستی میں دوسال، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں ایک سال، مدرسہ قادریہ بدایوں میں چھ سال، اور اب دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں یہ سولہواں یا سترہواں سال ہے ابھی یہ سلسلہ خیر وبرکت جاری وساری ہے۔وہ ایک بہتا دریا ہے برستا بادل ہے، جب جہاں ضرورت پڑتی ہے بہتا رہتا ہے، برستا رہتا ہے، علم وفن اور فکر ونظر کی کھیتوں کو جل تھل کرتا رہتا ہے۔"

امام علم وفن نے مدرسہ میں علوم قدیمہ کی نصاب کے مطابق تحصیل کی، لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی زندگی کو مشعل راہ بناتے ہوئے انہوں نے علم ریاضی کی تحصیل کے ساتھ اس کو بخوبی سمجھنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں نصاب میں تجویز کردہ مضامین پر ہی قانع نہیں رہے بلکہ انتہائی جانفشانی سے قدیم کتابوں کی مدد سے ہی علم ریاضی کی مختلف شاخوں پر دسترس حاصل کی۔اس طرح بغیر کسی استاد کے انہوں نے ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر ومقابلہ، مثلث مسطح، مثلث کروی، علم الاصطرلاب، علم لوگارثم وغیرہ علوم وفنون کا محض ذاتی ذوق وشوق کی بنیاد پر مطالعہ کیا اور اس میں مہارت تامہ بہم پہنچائی۔

بقول امام علم وفن ان علوم فنون کی افادیت کا تعلق کسی بھی دور یا کسی بھی عصر سے مربوط نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ خواہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل خواہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں یہ علوم یکساں نافع ہیں۔البتہ وہ حضرات جو ان علوم وفنون سے ناواقف ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اب ان علوم کا زمانہ نہ رہا۔لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔جو لوگ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں گے، وہ پائیں گے کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے کہ ان میں سے "اکثر علوم دینی امور میں نافع ومعاون ہیں اور بہت سے مسائل میں مفتیان کرام کو ان کے بغیر چارہ کار نہیں۔"

اگر ہم پیش کی گئی باتوں پر سنجیدگی سے غور کریں تو علم ریاضی اور امت مسلمہ کے درمیان ایک مضبوط رشتہ کا قیام ناگزیر ہونا چاہیئے تھا اور علمائے کرام کی ذات خیر ہی اس رشتہ کے قیام ودوام کی بنیاد ہوئی ہوتی۔جہاں ہمارے علمائے کرام ہمیشہ قول احسن اور عمل احسن کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہمیشہ عقیدت مندوں کے اندر ایمان وایقان کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ دیکھ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے اس ارشاد کے مطابق اگر وہ عام مسلمانوں میں عموماً اور علمائے کرام میں خصوصاً

ریاضی کے حصول کو لازمی قرار دے دیتے تو تکمیل ایمان کی منزل اور آسان ہو جاتی، اور عالم اسلام میں ایک انقلاب رونما ہو جاتا۔

امام علم وفن کا ریاضی کے لئے ذوق حصول محبت کے دائرہ میں داخل ہو چکا تھا جیسا کہ ''لوگارثم'' کی حقیقت ومعرفت ایک تحقیقی مطالعہ'' کے ان سطور سے واضح ہے:

''علم ریاضی جو مدارج علوم میں مابعد الطبیعات اور ماقبل الالہیات کا درجہ رکھتا ہے حکمت وفلسفہ کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر انسانی حیات کا ہر گوشہ تاریک اور ہر پہلو ناتمام رہتا ہے۔ مرکز عالم سے لیکر فلک اعلی کی سطح محدب تک جملہ کاروبار عالم خواہ وہ فلک پیمائی ہو یا تسخیر ماہ ونجوم، ایجادات عنصریہ ہو یا نتائج فکریہ ،سبھی اس کے اسیر ہیں۔ اس کی حکمرانی ایک فقیر کی جھونپڑی سے لے کر شاہی محل تک محیط ہے۔ سوئی کے ناکہ سے لے کر راکٹ کی پرواز تک ہر شے میں اسی کا ضابطہ کارفرما ہے۔ الغرض جملہ ایجادات واکتشافات اس کے محتاج ودست نگر ہیں۔ اس کی نوع بہ نوع خوبیوں سے متاثر ہو کر دانشوروں کا ایک طبقہ اسے اپنا دل دے بیٹھا اور اس کے زلف پر خم میں صدیوں سے اپنے کو الجھائے رکھا۔ حسن کی دلکشی کسی ایک زاویہ میں محصور نہیں ہوتی، کوئی اس کا جلوہ محبوب کے چشم مخمور میں محسوس کرتا ہے، کسی کو اس کی تجلی لب ہائے شگفتہ میں معلوم ہوتی ہے، کوئی اس کا بانکپن گیسوئے تابدار میں محسوس کرتا ہے، تو کسی کو اس کا پھبن ابروئے خم دار میں نظر آتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں کوئی دندان آبدار اور کوئی گیسوئے مشک بار میں فدا ہو جاتا ہے۔ کوئی رشافت قد اور کوئی صباحت فد میں اپنے کو گم کر دیتا ہے۔

غمزے سے اناز سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

کچھ اس طرح کا حال علم ریاضی کا بھی ہے۔ اس کے دامن میں سینکڑوں گل بوٹے اپنی الگ الگ خوبیوں کے ساتھ اہل بصیرت کو دعوت فکر ونظر دیتے ہیں۔

حساب وموسیقی، ہیئت وہندسہ، جبر ومقابلہ، توقیت ومساحت، مناظر ومرایا، ابعاد واجرام، مثلث کروی وسطحی، فصل مخروط، فن اکر، جر اثقال وغیرہ اپنی اپنی نزاکتوں سے دل عاشقاں کو پامال کر رہے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایک سے ایک ریاضی کے مختلف فنون کے رمز آشنا اور دانائے راز جنم لیتے ہیں۔

سولہویں صدی میں ایسا ہی ایک فکر ونظر کا دلدادہ بکریاں چراتے چراتے آفاق عالم پر چھا گیا۔ اور دنیا اسے ''سر آئزک نیوٹن'' کے نام سے یاد کرنے لگی۔ نیوٹن نے جہاں ریاضیات میں بہت سے کلیات کا اضافہ کیا، وہیں لوگارثم

دریافت کر کے فن حساب میں چار چاند لگایا ہے۔ باب حساب میں ضرب و تقسیم کے ذریعہ حل پذیر وہ (Logarighm) عملیات جو بڑے پیمانہ سے ہی حل کیا جا سکتا تھا ان عملیات کے لئے انہوں نے ایک (☆) چھوٹا سا پیمانہ دریافت کر لیا اور اسی پیمانہ کو لوگارثم کہتے ہیں جسے رومن زبان میں ''لوگارتھم'' کا نام دیا گیا ہے''

اس مضمون میں امام علم وفن نے سلیس زبان میں لوگارتھم کو سمجھایا ہے اور اس کے قوانین کو مثالوں سے بہ طریق احسن سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ماہنامہ ''جام نور'' جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع مضمون ''فضائے بسیط میں رائی کا دانہ اور پہاڑ'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام علم وفن علم طبیعات سے اچھی طرح واقف تھے اور نیوٹن کے ''قوت ثقل'' کے قانون سے نہ یہ کہ اچھی طرح واقف تھے بلکہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی طرح ''الجبرا'' کا استعمال کر کے اس مقام کا تعین کر سکتے تھے، جہاں زمین کی قوت کشش اور چاند کی قوت کشش برابر ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے وزن (weight) صفر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک دوسرا مضمون ''اجسام میں قوت کشش کا کرشمہ'' ماہنامہ کنز الایمان اپریل ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ ان کے دوسرے مضامین ''کلک رضا کی خلا پیائی'' (ماہنامہ اشرفیہ مارچ ۱۹۹۷) مقدمہ زبدۃ التوقیت مسمی بہ ''فوائد التوقیت''، قطب وشمالی کے شب وروز (ماہنامہ ''جام نور'' دہلی ستمبر ۲۰۰۷ء) وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا ریاضی پر دسترس رکھنا ان کے ذوق وشوق کا ہی نتیجہ نہیں تھا، بلکہ زمین کی گردش وغیرہ مسائل کا گہرائی سے سمجھنا، وہ فقہی امور میں رہبری کے لئے لازمی سمجھتے تھے۔

ہم علمائے کرام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اور امام علم وفن کی زندگی سے یہ سبق خود بھی لیں گے اور دوسروں تک بھی اسے پہنچائیں گے کہ علم ریاضی ایک ایسا موضوع ہے جو فقہی امور میں ہماری رہبری کرتا ہے اور ہماری فکر و بصیرت کو مسرتوں کے آسمان میں بے اندازہ پرواز کی تحریک دیتا ہے۔ شاید اسی لئے مشہور جرمن ریاضی داں کارل فریڈرک گاس نے کہا تھا:

"Mathematics is the queen of the sciences" ''علم ریاضی تمام سائنسی علوم کی ملکہ ہے''

کاش امت مسلمہ علم ریاضی کی اہمیت سے کماحقہ آگاہ ہو سکے!

(☆) ایک چھوٹا سا پیمانہ کی جگہ پر ایک مختصر طریقۂ عمل کا استعمال زیادہ موزوں ہوگا (مقالہ نگار)

☆☆☆

دسواں باب

تحقیق وتنقید

امام علم وفن اور انکی چند تحقیقات کی جھلکیاں

مفتی ناظر اشرف قادری ناگپور

امام علم وفن کی حیات میں ہی 'سہ ماہی المختار، کا 'امام علم وفن نمبر، نکل رہا ہے جو باعث سرور وانبساط ہے۔اس پر مبارکباد دینا میرا اخلاقی فریضہ ہے اور اس نمبر میں قلمی شرکت کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔امام علم وفن میرے استاذ بھی ہیں اور معدن جود وکرم بھی اور علما کے درمیان ایسی عبقری شخصیت بھی کہ جن کے لئے بجا طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مجدد اعظم، امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضون نے ''ملک العلما، سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کو اپنے اکثر علوم عقلیہ ونقلیہ سے اس قدر فیضیاب کیا کہ وہ اپنے روحانی باپ کی نظر میں '**الولد الاعز**،، کہلائے۔اسی طرح 'ملک العلما، ہی کے ایک تلمیذ رشید بیسویں صدی کی پیشانی پر خوبصورت مہتاب کی پرنور صورت میں درخشاں ہیں اور ان کے فیضان علمی سے ''امام علم وفن،، بن کر ہندو پاک میں گل نسریں کی طرح مہک رہے ہیں۔

ایسی قد آور شخصیت کی علمی تحقیق اور فنی تدقیق پر طبع آزمائی وہی کر سکتا ہے جو بحر تحقیق کا غواص ہو، گوہر ہائے آبدار نکال کر علما کے حضور پیش کر سکتا ہو یا کم از کم تبصرہ نگاری کے فن پر مہارت تامہ رکھتا ہو۔

''ٹی وی کی تحقیق،، امام علم وفن کی کتابی شکل میں پہلی تحقیقی تحریر ہے۔اس کتاب مستطاب میں انہوں نے سائنسی تحقیقات کی روشنی میں 'ٹی وی اور ویڈیو کی ایجاد اور علم مناظر ومرایا کی اصل کلی: تصویر سطح پر بنے تو اصلی ورنہ فرضی۔کی اساس پر تحقیقانہ انداز میں ٹی وی میں تصاویر کا ہونا ثابت فرما دیا ہے۔مزید برآں اپنے موقف کی تائید کے لئے فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، ہیئت وزیج وغیرہ سے بھی دلائل وبراہین پیش کئے ہیں۔استاذ الکریم کی اس کتاب پر تبصرہ کرنا اس کے دلائل وبراہین کو عام قارئین کے حوالے کرنا حریفوں کی آتش حسد کو بڑھاوا دے کر دوبارہ مشاجرات کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے مترادف ہے۔اس لئے میں اس کتاب لاجواب پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔

امام علم وفن کی دوسری تحقیق ہے: 'لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی ؟ استاذی الکریم کا یہ مقالہ امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہ العزیز کے رسالہ ''**الکشف الشافیہ فی حکم فو نو جرا فیا**،، کی روشنی میں عظیم تحقیقی شاہکار ہے۔آپ نے

اس مقالہ میں اپنے تحقیقی قلم کو یوں جنبش دیا ہے کہ (۱) انسان کے منھ کی بناوٹ (۲) آواز کی حقیقت (۳) آواز سننے کی کیفیت (۴) آواز کا ظاہری وعادی سبب اور اس کا واقعی سبب (۵) لاؤڈ اسپیکر کی تشریح اور اس کا طریقۂ عمل۔ اور ہر ایک کی توضیح وتنقیح میں جس طرز بلیغ کو اپنایا ہے اگر سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ یا امام احمد رضا قدس سرہ حیات ظاہری میں ہوتے تو ضرور داد وتحسین سے نوازتے۔

ایک مقام پر دیکھئے کہ کس طرز بلیغ سے امثلہ پیش کرتے ہوئے آواز کا سبب ظاہری وواقعی کو سمجھا رہے ہیں۔

”فلاں چیز، فلاں چیز کے لئے ظاہری وعادی سبب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً وعادتاً ایسا ہوتا ہے کہ پہلی چیز کے ہونے سے دوسری چیز پائی جاتی ہے۔ مثلاً مرغی جب انڈے سیتی ہے تو انڈوں سے چوزے پیدا ہوتے ہیں۔ اور واقعی سبب کا مطلب یہ ہے کہ نگاہ ظاہری اور عادت عام سے قطع نظر کوئی خاص چیز واقع ہو، جسکی وجہ ظاہری اور عادی سبب کا مؤثر ہونا ہے۔ مثلاً جب غور کیا جائے کہ انڈے سینے سے چوزے کیوں برآمد ہوتے ہیں؟ تو معلوم ہوگا کہ انڈے سے چوزے نکلنے کے لئے انڈوں کو ایک خاص حرارت، ایک معین مدت تک درکار ہے۔ ایک مدت تک مرغی کے انڈے سینے سے انڈوں کو وہ حرارت اس مقدار مطلوب میں حاصل ہو جاتی ہے اور انڈے سے چوزے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو چوزہ بننے کا واقعی سبب خاص مدت تک مناسب حرارت انڈے کو پہونچانا ہے اور مرغی کا انڈے سینا ظاہری وعادی سبب ہے۔ شئی اپنے سبب واقعی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ لیکن سبب ظاہری وعادی کے بغیر ہوسکتی ہے اس لئے اگر مرغی انڈے کو نہ سیتے، بلکہ کسی مشین کے ذریعے اتنی مناسب حرارت انڈے کو ملتی رہے تو چوزہ بن جائے گا،،۔

اسی طرح نطفہ کو بچہ بننے کے لئے ماں کا رحم سبب ظاہری ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر رحم کی ساخت کی کوئی تھیلی بنائی جائے اور اس میں وہ مساوی کیفیت فراہم ہو جائے جو مدت حمل میں رحم کے اندر پائی جاتی ہے تو اس تھیلی میں رکھا ہوا نطفہ بچہ بن جائے گا۔

استاذی الکریم نے سبب ظاہری وواقعی کو توضیحی امثلہ کے ذریعہ سمجھانے کے بعد آواز کی سبب ظاہری وعادی اور اس کے سبب واقعی کو مجدد اعظم قدس سرہ الکرم کے فرامین عالیہ غالیہ کے ظل میں جس انوکھے پیرائے میں ریکارڈ، گراموفون اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کی حقیقت کو اجاگر فرمایا ہے۔ خدائے لم یزل ولایزال نے ازل ہی میں ان کے حصہ میں تقدیر فرما دیا تھا۔ تفصیل کے لئے مقالہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

یہ تو ہر خاص وعام کو معلوم ہے کہ قدرت کاملہ نے امام علم وفن کے حواس خمسہ باطنہ میں بھرپور توانائی عطا فرمائی ہے،

لیکن ان میں بھی ان کی قوت متصرفہ لا جواب ہے۔ کیونکہ جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو وہ اپنے لا جواب قوت متصرفہ سے مالہ و ماعلیہ کے بعد فیہ مافیہ پر نظر عمیق ڈالتے ہیں تا کہ ان کا مقالہ ان کے نزدیک شبہ سے پاک ہو۔ اس مقالہ میں بھی انہوں نے ازالۂ شبہ واشتبہاہ پیش فرما کر لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ کے مجوزین کو بحر ظلمات میں مستغرق ہونے سے بچالیا ہے۔

ایک جگہ ازالہ ٔشبہ کے تحت اپنے قلم سریع الرقم کو یوں جنبش دے کر رواں بجلی، صدا، موجودہ گراموفون، مادہ اور توانائی کی قدیم وجدید تحقیق، بجلی، روشنی اور آواز کی رفتار پیش فرمانے کے بعد زیر بحث مسئلہ کے لاؤڈ اسپیکر آواز پر اقتداء کے جواز سے متعلق بطور منع لکھتے ہیں۔

"اقتداء کی تعریف یہ ہے کہ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ مربوط کرنا اقتدا ہے۔ ان کی شرطوں میں یہ بھی ہی کہ انتقالات کا علم خود امام یا مکبر سے سن کر یا ان لوگوں کی رویت سے حاصل ہو۔ داخل صلوٰۃ کی تلقین یا اس کے افعال کو محسوس کر کے اپنی ادائیگی نماز کو امام کے تابع کرنا ہی اقتدا ہے۔

اور پھر مراقی الفلاح، طحطاوی۔ درمختار، تاتارخانیہ اور شامی سے حوالہ دینے کے بعد مفسدات کے اقسام تحریر فرماتے ہیں۔

"(الف) مفسد صلوٰۃ بالذات فقط۔ مثلاً نمازی (امام یا منفرد) کا کسی سے گفتگو کرنا (ب) بالذات مفسد صلوٰۃ اور بالواسطہ مفسد اقتدا جیسے: مقتدی کا کلام کرنا (ج) بالذات مفسد اقتدا اور بالواسطہ مفسد صلوٰۃ جیسے: عمل قلیل کے ساتھ مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا (د) بالذات مفسد صلوٰۃ بھی اور بالذات مفسد اقتدا بھی جیسے: مقتدی کا صف چھوڑ کر عمل کثیر کے ساتھ امام سے آگے بڑھ جانا،،

اس کے بعد امام علم وفن مدظلہ مفسدات باعتبار تحقق پیش فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"لاؤڈ اسپیکر کے مجوزین نے اس کی آواز کو غیر متکلم مانتے ہوئے صحت صلوٰۃ کی جتنی نظریں پیش کی ہیں، وہ سب اسی بات پر دال ہیں کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں۔ لیکن مفسد اقتدا نہ ہونے پر ان کی کوئی دلیل نہیں۔

پھر چند سطور کے بعد آواز کے اقسام تحریر فرماتے ہیں کہ متکلم کی طرف منسوب ہونے والی آواز کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) متکلم کی فطری آواز جو اس کے حلقوم کے قرع وقلع سے پیدا ہو، اور اس کی مسلسل کا پیان نرم وتر جسم پر اترتی چلی جارہی ہو۔

(۲) دوسری متکلم ہی کی آواز، لیکن غیر فطری، یعنی کسی چیز سے ٹکرا کر رجعت قہقری کرتے ہوئے واپس لوٹے، اس طرح اس میں دو حرکتیں: ذاہبہ وراجعہ ہونے کی وجہ سے صوتی لہر منکسر ہوگئی۔

(۳) وہ آواز جو دراصل متکلم ہی کی فطری آواز ہے، لیکن اسکی کاپی نرم وتر جسم پر بنتے ہی وہ جسم خشک ہوگیا اور صوتی تشکل اس میں محفوظ ہوگیا، پھر کسی طریقہ سے رکے ہوئے تشکل وتموج کا سلسلہ چل پڑا،

جیسے فوٹوگراف سے مسموع آواز۔

(۴) وہ آواز جو دراصل متکلم کی آواز تو نہیں، لیکن متکلم ہی کی آواز کے متشابہ ہو اور اس سے یوں پیدا ہو کہ ایک مقام پر جا کر اس کی آواز ختم ہوگئی۔ اور پھر کسی چیز میں تشکل صوتی کے بجائے کچھ اور اثر پیدا کر دیا، اور یہ اثر کہیں جا کر پھر صوتی تشکل ایجاد کرتا ہو، جیسے :دور حاضر میں مشین سے پیدا شدہ آواز۔ اول فطری آواز ہے، باقی غیر فطری۔

استاذ الکریم جب اقسام اصوات کے بیان سے فراغت حاصل کر لیتے ہیں تو عبادات میں کونسی آواز معتبر ہے اور کونسی آواز غیر معتبر، منطقی استدلال سے اس طرح ثابت فرماتے ہیں کہ مجوزین کے ہوش وحواس ٹھکانے لگ جاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کا قلم حقیقت رقم برق بنکر خرمن جواز کی کھیتیوں کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے ذرا طرز استدلال ملاحظہ کیجئے۔

''شریعت مطہرہ میں عبادت مقصودہ کا تعلق فقط فطری آواز سے ہے، دوسری آوازیں عبادت محضہ میں نہ باعتبار ایجاب شئی معتبر ہیں اور نہ باعتبار ادائے واجب۔ اس لئے ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر، کی آواز چونکہ چوتھی قسم سے ہے اس لئے نہ تو وہ عبادات محضہ میں معتبر اور نہ اس پر اقتدا درست۔ جس طرح دوسری اور تیسری میں بھی چونکہ فطری آواز نہیں اس لئے سجدۂ تلاوت بھی واجب نہیں ہوتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غیر فطری آواز شرعاً معتبر نہیں۔ اس لئے اس آواز پر اقتداء درست نہیں۔ صغریٰ کا ثبوت یہ ہی کہ اگر یہ آواز معتبر ہوتی تو اس آواز سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا، التالی باطل فالمقدم مثلہ۔ کبریٰ کا ثبوت یہ ہے کہ شرعاً غیر معتبر آواز پر اقتدا درست ہو، تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا کہ وہ غیر معتبر بھی ہو، اور اس پر اقتدا درست ہونے کی وجہ سے معتبر بھی ہو۔

عبادات میں معتبر وغیر معتبر اصوات کے تعلق سے فیصلہ کن نظریہ پیش فرمانے کے بعد استاذی الکریم ایک اشتباہ کا ازالہ اس لئے فرما رہے ہیں کہ گنبد سے سنی جانے والی آواز کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت میں سجدۂ تلاوت کا وجوب متیقن، اور دوسری صورت میں سجدۂ تلاوت کا حکم مفقود، کونسی صورت میں وجوب ہے اور کونسی صورت میں عدم وجوب، اس کو واضح فرما کر مشتبہ کے اذہان میں گھر کئے ہوئے گرد وغبار کو صاف کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''گنبد سے سنی جانے والی آواز دراصل فطری آواز اور قسم اول ہے، کہ آواز گنبد کے اندرونی سطح سے مس ہوتی ہوئی اور اسی کی طرح خم کھاتی ہوئی سامع کے کانوں تک پہونچتی ہے۔ وہاں آواز ٹکرا کر رجعت قہقری کرتی ہوئی واپس نہیں ہوتی، بلکہ تموج صوت کی راہیں جیسی ہوتی ہیں، ویسی ہی آواز گھومتی ہوئی

چلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام اس آواز سے سجدۂ تلاوت کے قائل ہیں، یعنی آواز نہ پھیل سکی، بلکہ گنبد ہی کی طرح مڑتی ہوئی ہم تک پہونچی، البتہ وہ آواز جو گنبد سے ٹکرا کر رجعت قہقری کرتی ہوئی پلٹتی ہے وہ محض صدا ہے، اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ الغرض مڑتی ہوئی آواز اور پلٹی ہوئی آواز دونوں کا حکم سجدۂ تلاوت کے باب میں جداگانہ ہے۔ الغرض یہاں آواز کی دو حرکت۔ ذاہبہ اور راجعہ نہیں بلکہ متدیرہ ہے۔ اور قسم دوم کی حرکت ذاہبہ اور راجعہ ہوتی ہے۔ جس کے درمیان تخلل سکون ہوتا ہے،،۔

یہاں رک کر یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ استاذی الکریم کا متذکرہ بالا شرح وبسط درحقیقت مرشد برحق سرکار مفتیِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فتوی کا آئینہ دار ہے۔ حضرت مرشد برحق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

’’فی الواقع کوئی بھی صورت سمجھی جائے، اصل آواز کی بجائے اس کی نقل۔ دور کے لوگ سنیں یا یہیں کے، اصل آواز ہی نہیں پہونچی۔ وہ خود امام کی قوت سے نہیں پلٹی۔ یہ پلٹی ہوئی آئی دوسری قوت سے پہونچی، اعتبار اس کا ہے جو بلا شرکت غیرے پہنچے، امام کی قوت سے جو فضا میں خلا پیدا ہوا، امام کی آواز اس کی قوت سے جن لہروں نے اپنے کاندھوں پر لیا، وہ لہریں ٹکڑاتے ہی ختم ہوگئیں، اس ٹکر سے دوسری لہریں پیدا ہوئیں۔ جو اس آواز کو لیکر آئیں اور سامعین کے کانوں تک ان لہروں پر آواز پہونچی، بہر صورت اس پلٹی ہوئی آواز کی اقتداء درست نہیں جو کسی وقت بھی محض اس پلٹی آواز پر کاربند ہوں گے ان کی نماز نہ ہوگی،،۔

امام علم وفن مدظلہ نے اپنے مقالہ کے آخر میں خلاصۂ کلام کے تحت عشرۂ مبشرہ کا تصور جما کر دس صورتیں حرف آخر کے طور پر پیش فرمایا ہے، جسے نقل کر دینا فائدہ تامہ سے خالی نہیں ہے۔

(۱) غیر ذی روح افعال کو اس کے محرک کی طرف باعتبار ایجاد منسوب کیا جاتا ہے، نہ باعتبار صفت ، ڈھول، ہارن اور بانسری بجانے والی کی طرف ان چیزوں کی آواز بحسب الایجاد منسوب کی جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈھول، ہارن اور بانسری کی آواز کو بجانے والوں کی آواز قرار دی جائے گی۔ لہذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی ایجاد کردہ کہہ سکتے ہیں، متکلم کی آواز نہیں مان سکتے۔

(۲) علاوہ ازیں افعال کا یہ انتساب باعتبار نفع وضرر کے مانا جاتا ہے، نہ کہ خود یہ افعال محرک کے افعال مانے جاتے ہیں۔ لہذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے اگر کسی کی نیند میں خلل ہو، یا کسی مسافر کو ٹرین کی آمد کا علم ہو۔ تو اس قسم کے نفع ونقصان بولنے والوں کے طرف راجع قرار پائیں گے ۔ نہ کہ آواز متکلم کی مانی جائے گی۔

(۳) علاوہ ازیں یہ انتساب یا محرک کے طرف شرع نے باب عقوبات، ضمانات و معاملات میں مانا ہے، تاکہ اہدار نفس یا اضاعت مال نہ لازم آئے، اور سماجی اور تمدنی زندگی میں حرج واقع نہ ہو۔ یہ انتسابات عبادات میں بھی ہیں، اس کی کوئی نظیر مجوزین نے نہیں پیش کی، لہذا یہ انتساب نماز کے اندر لاؤڈاسپیکر کے استعمال میں ثابت نہیں۔

(۴) پھر یہ انتساب محرک کی طرف اس وقت ہوتا ہے جبکہ محرک بالقصد ان بے جان آلہ سے ان افعال کا ثبوت چاہتا ہو۔ اسی لئے اگر امام پوری قرأت میں لاؤڈاسپیکر سے آواز بلند کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے لاؤڈاسپیکر پر عامل اور اس کا محرک ہے تو یہ منافی صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے نماز ہی باطل۔

(۵) اور اگر لاؤڈاسپیکر خود ہی آواز کھینچ لیتا ہے، اور یہ محض قرأت کرتا ہے اور کچھ قصد نہیں، تو یہ نہ محرک ٹھہرا، اور نہ عامل، اس لئے متکلم کی طرف انتساب بھی نہیں۔

(۶) فقہا نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مکبر فقط اعلام و تلقین کے لئے تکبیر کہے، اس تکبیر سے دخول نماز کا ارادہ نہیں کیا۔ تو نہ خود اس کی نماز صحیح اور نہ اس کی آواز پر اقتدا کرنے والوں کی نماز درست۔ اس لئے کہ دوسروں نے ایسے شخص کی آواز پر اقتدا کی جو شریک نماز نہیں۔ یہی صورت لاؤڈاسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز کے غیر ماننے کی صورت میں ہے۔ لہذا لاؤڈاسپیکر پر اقتدا درست نہیں۔ اس کا جواب یہ دینا کہ نہ ——— لاؤڈاسپیکر مکلف نہیں اور مکبّر مکلف ہے، اس لئے دونوں میں فرق ہو گیا ——— صحیح نہیں۔ اس لئے اگر امام کے پاؤں تلے کسی ہارن کا بٹن ہو اور وہ برائے اعلان و تلقین بلا عمل کثیر بٹن دبا دے، اور اس کی آواز پر لوگ اقتدا کر لیں تو چاہئے کہ اقتدا درست ہو کیونکہ ہارن بھی غیر مکلف چیز ہے۔ اسی طرح تربیت یافتہ طوطا اگر امام کے انتقالات کی تلقین کرے تو یہ بھی صحیح ہونا چاہئے۔

(۷) چاہیئے کہ اگر لاؤڈاسپیکر کی آواز پر اقتدا درست ہو، تو امام ریڈیو اسٹیشن میں امامت کرتا ہو اور مقتدیوں کا سلسلہ جملہ شرائط اقتدا کے ساتھ دور تک پہنچ جائے۔ اور ان لوگوں کے سامنے ریڈیو فٹ کر دیا جائے، اسی طرح منھ کے سامنے ریسور فٹ کر دیا جائے اور مقتدی ٹیلیفون سے امام کی تکبیرات سن رہے ہوں اور بجائے ریڈیو صف بہ صف ٹی وی فٹ کر دیئے جائیں۔ تو ان تمام صورتوں میں ریڈیائی نماز ٹیلیفونی نماز اور ٹی وی یائی نماز درست ہونی چاہئے، خود غور کیجئے کہ یہ عبادت ہوئی یا کھیل تماشہ ہوا۔

(۸) رہی یہ بات کہ لاؤڈاسپیکر کی آواز پھر کونسی آواز ہے؟ تو بحمدہ تعالیٰ ہم نے اپنے مضمون لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی؟ میں اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ وہ نہ تو اصلی آواز ہے اور نہ اس کی صدا، بلکہ یہ

بالکل نقلی آواز ہے۔ جس طرح ڈھول پر لکڑی آواز پیدا کرتی ہے یا پھونک ، باسری میں آواز پیدا کرتی ہے یا ہاتھ کا دباؤ ہارن میں آواز پیدا کرتا ہے، اسی طرح متکلم کی اصلی آواز کے دباؤ سے اس جیسی آواز لاؤڈ اسپیکر سے بنتی ہے۔ ترجمہ کرنے والا اسپیکر بھی اس پر دال ہے۔

(۹) اگر انتقالات کا علم بوجہ من الوجوہ کافی ہوتا تو علمائے سلف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر یوں استدلال کرتے کہ چونکہ اس سے بہر حال انتقالات کا صحیح علم ہو جاتا ہے، اس لئے اقتدا درست۔ حالانکہ علمائے سلف نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اولاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ: یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے پھر اس پر اقتدا درست قرار دی۔

(۱۰) بلا آلہ یا بواسطہ آلہ پیدا شدہ، اسی طرح بلا آلہ یا بواسطہ آلہ مسموع آواز حقیقۃً آواز ہی ہے، خواہ انسان کی پیدا کردہ ہو، یا آلہ سے پیدا کردہ ہو یا صدائے بازگشت سے مسموع ہو، بھی حقیقۃً آواز ہی ہیں۔ اس لئے جس آواز کا سننا حرام ہے وہ ہر حال میں حرام ہے، خواہ وہ کسی صورت سے پیدا ہو، اور کسی طرح سے مسموع۔ الغرض حلت وحرمت کا تعلق آواز حقیقی سے ہے، اس میں اضافت الی المتکلم معتبر نہیں۔ لہذا دھوکہ نہ ہو کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بواسطۂ آلہ پیدا شدہ آواز پر احکام شرع صادر فرمائے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چرا فیض آباد کے محبان خواجہ علم وفن کا پرخلوص مظاہرہ

خوش نصیبی، سعادت اور فیروز بختی سب کا مقدر کہاں---------- کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں جنھیں یہ انعامات ملا کرتے ہیں۔ خواجہ علم وفن سے محبت، ان کی خدمت اور ان کے وصال کے بعد بھی ان کی خوش نودی اور راحت قلب وروح کے لئے اعمال خیر کرتے رہنا بھی مقدر کی ارجمندی کی علامت ہے۔ عالی جناب حاجی عزیز الرحمٰن صاحب، حاجی اویس عرف کبو، حاجی شہزاد عرف پپو، حاجی لئیق، حاجی ہمشید، حاجی جمشید، حاجی عارف، حاجی آباد، حاجی کاشان بھائی، جاوید بھائی، شمشاد بھائی، معراج بھائی، الہام بھائی، یہ تمامی حضرات اور دیگر اہلیان چرہ محمد پور فیض آباد، امام علم وفن کے انتقال پر جس غم واندوہ کے شکار ہوئے وہ ان کے محب علما ہونے کی علامت ہے۔ یوں ہی اس نمبر کی اشاعت میں بھی ان حضرات نے اپنے بھرپور جذبے کا مظاہرہ کیا ان ہی حضرات کے تعاون سے یہ کتاب منظر عام پہ آ رہی ہے۔ خدائے تعالیٰ ان تمام پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین کا تحقیقی وتنقیدی شعور

مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی دار العلوم خیر یہ نظامیہ، سہسرام

مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ دور میری صغرسنی کا تھا اور میں مادرِ علمی دار العلوم خیر یہ نظامیہ میں درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا۔ میرے وطن میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کا وہ روایتی پروگرام تھا جس کے مسلسل سات اجلاس شب وروز اپنی انفرادی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔اس دینی ومذہبی پروگرام میں اہل سنت وجماعت کی نامور وقد آور شخصیات بحیثیت خطیب اپنی خطابت کے جوہر بکھیر چکی ہیں۔اس کی چند خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر خطیب کے دو یا تین خطاب ہوتے ہیں اور ہر خطیب پہلے سے دیے ہوئے عنوان کے تحت ہی خطاب کے لئے پابند ہوتا ہے۔جس سال کا میں ذکر کر رہا ہوں اس سال خطبا میں ایک نام خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب زید مجدہٗ کا بھی تھا۔دار العلوم خیر یہ نظامیہ کے باشعور طلبہ سے والد گرامی حضرت علامہ محمد میاں کاملی سہسرامی علیہ الرحمۃ والرحمۃ واالرضوان کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا: دوسرے خطباوقررین کی تقریریں آپ لوگوں کے لئے ہیں۔لیکن ! مولانا خواجہ مظفر حسین کا خطاب ہم لوگوں کے لئے ہے۔جس میں علمی نکات کی جولانیاں دیدنی ہوتی ہیں''۔ظاہر ہے کہ جس صاحب فضل وکمال کا علمی خطبہ ان کے ہم عصر علماء اس انداز میں فرماتے ہوں،ان کے علمی وفکر کی مزاج ومنہاج پر تبصرہ کرنا ہم جیسے کم علموں کا منصب نہیں۔تاہم بعض شخصیات کا حکم نظر انداز کرنا بھی گستاخی ہے۔

میں زیر نظر حوالے میں علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحریروں سے ان کے ایک خاص مزاج تحقیق وتنقید نگاری پہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔مگر اصل عنوان یہ کچھ تحریر کرنے سے قبل ضروری ہے کہ تنقید نگاری کے حوالے سے ایک ابتدائی گفتگو کرلی جائے؛ تاکہ اصل عنوان سے ذہنی مناسبت قائم ہوجائے۔

تنقید دراصل کسی فنکار کی فنی کاوشوں کو جانچنا اور پرکھنا ہے۔تنقید نگار فن تنقید کے معیار پر فن پارے کو جانچتا اور پرکھتا ہے اور اس کے حسن وقبح پر گفتگو کر کے علم وادب میں اس کا قرار واقعی مقام متعین کرتا ہے۔مغربی نقاد ٹی ایس ایلیٹ نے تنقید کے حوالے سے بہت پتے کی بات کہی ہے۔وہ لکھتا ہے''تنقید ہماری زندگی کے لئے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی سانس:

سچائی یہی ہے کہ تنقید کے بغیر کوئی بھی ادب بے روح جسم کی طرح ہے۔ فن پاروں اور تخلیقی شاہکاروں کو نقد ونظر کسوٹی پرکھنے کا عمل جاری نہیں رہے گا تو وہ ادب خود کو شاہکار ادب کی فہرست میں شامل کرنے سے یقیناً محروم رہے گا۔ جس طرح ایک باغ اور گلشن کی تزئین وآرائش کا کام ایک باغبان انجام دیتا ہے، اسے حسین سے حسین بنانے میں رات دن لگا رہتا ہے۔ کن پودوں کو پانی دینا ہے؟ اور کہاں تراش خراش کا عمل جاری رکھتے ہوئے اس کے حسن میں چار چاند لگانا ہے، اس فن سے ایک باغباں ہی بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی تنقید نگار بھی علم وادب کے چمن کو سنوارنے کا کام کرتا ہے ایک تنقید فنکار کسی فن پارے کو نقد ونظر کی کوئی پر پرکھتے ہوئے اس کے حسن وقبح پر روشنی ڈالتا ہے۔ نیز قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے ادیب وقلم کار کو آئینہ دکھانے کی سعی مشکور کرتا ہے۔ اس میں نہ تو کہیں پندار علم کا اظہار ہوتا ہے نہ ہی تنقید کی خراد پر چڑھائی جانے والی تحریر کو بے وجہ نشانۂ نقص وعیب بنایا جاتا ہے، تنقید بنا گاری کے عمل سے گزرتے ہوئے ذاتی بغض وعنا کا بھی عمل دخل دکھائی نہیں دیتا۔ نہ ہی اپنی تحقیق وتنقید پہ حد سے زیادہ بھروسہ واعتماد۔ بلکہ افہام وتفہیم کا، ترسیل خیالات کا ایک سلسلۃ الذہب ہے۔ مشہور محقق ونقاد پروفیسر آل احمد سرور کے اس اقتباس میں تنقید نگاری کے حقیقی خط وخال پر بہتر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: تنقید کا کام فیصلہ ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے۔ صراحت ہے۔ ترجمان ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تحلیل ہے، تجزیہ ہے، تنقید ادب کو پہنچان دیتی ہے، تنقید انصاف کرتی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، بلندی وپستی کے معیار قائم کرتی ہے۔''

تنقید نگاری دراصل کسی بھی فن پارے کے حقیقی جمال وکمال اور نقص وعیب کا ایک بے غبار آئینہ ہوتا ہے۔ تنقید نگاری کے عمل سے گزرتے ہوئے نقاد کے دل میں کسی کی تضحیک وتوہین کا ارادہ قطعی نہیں ہوتا۔ بلکہ گلستان علم وادب میں گل بوٹوں کے ساتھ جو خودرو جھاڑ اگ آتے ہیں ان کو صاف کر کے حسن وجمال عطا کر دینا ہوتا ہے۔ جو تنقید نگار جانبدار ہو کر کسی فن پارے کو نقد ونظر کی کسوٹی نہیں پرکھتا ہے، جس تنقید میں جانبداری کا عنصر پرورش پا رہا ہو، وہ تنقید دراصل تنقیدی ادب کا حصہ بھی نہیں بن سکتی۔ تعمیری تنقید میں دور دور تک تضحیک وتذلیل کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا اور نہ ہی ذاتی بغض وعناد کا عمل دخل ہوتا ہے۔ تنقید ادب کے لئے بے انتہا ضروری اور اہم ہے۔ وہ ادب کو مضبوط بناتی ہے اور وہی کام کرتی ہے، جو چمن کے لئے باغباں کرتا ہے یا کسی نوعروس کے لئے مشاطہ۔ اگر چمن ادب کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس میں بہت سی خودرو جھاڑیاں اور درخت اگ آئیں گے جو نہ کسی دلکشی کا باعث بن سکیں گی اور نہ ان سے کوئی فائدہ پہنچ سکے گا۔۔ تنقید نگار تخلیقی چیزیں پیش کرنے والوں کی تضحیک نہیں کرتے بلکہ ان کو صحیح راستے پر لگاتے ہیں۔ ان کو نئی نئی باتیں سمجھاتے ہیں۔ جو لوگ فنکاروں کی تضحیک کرتے ہیں ان کو صحیح معنوں میں تنقید نگار کہا بھی نہیں جا سکتا۔

کسی بھی زبان وادب میں اس طرح کے تنقیدی فن پاروں کی ہر دور میں پذیرائی ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی جسے ہم

تعمیری ادب کے درجے میں رکھتے ہیں۔ لیکن جب کبھی کوئی تنقید نگار تنقید نگاری کا فریضہ انجام دیتے ہوئے صبر وضبط کا بندھن توڑ دیتا ہے تو وہ تنقید نگاری کی شاہراہ سے بھٹک کر ایک مغلوب الغضب اور جانبدار تنقید نگار ہی نہیں بلکہ تضحیک نگار کی حیثیت سے ادب میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس لئے اس طرح کی تنقیدی تحریروں کی نہ تو ادب میں کوئی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی اس قسم کے تنقید نگار کو دنیائے علم وادب میں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایوان علم وادب میں ہمیشہ تعمیری ادب اور تعمیری تنقید کو ہی پذیرائی حاصل ہوتی رہی۔ تخریبی تنقید کو نہ تو لائق اعتنا سمجھا گیا اور نہ ہی اس قبیل کی تحریریں علم وادب میں اپنا مقام متعین کر سکیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی رقمطراز ہیں: اس قسم کی تنقید میں دنیائے ادب کی بڑی بڑی ہستیاں الجھی ہیں۔ فرانس کے مشہور انشاپرداز والیٹر نے ایک زمانے میں شیکسپیئر پر اسی طرح حملے کئے تھے ان کی دنیائے تنقید میں کیا حیثیت رہی کسی سے مخفی نہیں۔ رسید طوانی نے خاقانی پر جس طرح کی تنقید کی وہ سب پر ظاہر ہے۔ فرخی نے فردوسی پر جو نکتہ چینیاں کیں وہ آج بھی کہیں سے پوشیدہ نہیں اور اردو میں سودا نے میر پر جو اعتراضات کیے۔ رجب علی بیگ سرور نے میر امن کا جو مذاق اڑایا اور ڈاکٹر عبداللطیف نے غالب کی شاعری کے رد میں جو ایک پوری کتاب لکھ ڈالی، وہ ہم سے پر روشن ہے۔ مگر اس سے نہ تو ان تنقید نگاروں کی بحیثیت تنقید نگار کوئی حیثیت بنی اور نہ ہی ان کی تنقیدیں زندہ رہیں۔

مذہبی ادب میں بھی ہمیں تنقیدی تحریروں کا مزاج ومنہاج ہر دور میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہبی ادب کے حوالے سے فکری وقلمی توانائی صرف کرنے والے ارباب فکر وفن کے سامنے نہ تو اپنے فن کی نمود ہوتی ہے نہ ہی اپنی قلمی وفکری توانائیوں کی اظہار، بلکہ ان تمام سنجیدہ کاوشوں کا پس منظر مذہب وملت کی صحیح ترجمانی اور اظہار حق ہوتا ہے اس لئے اس قسم کی تحریروں کو کبھی اس انداز سے دیکھنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔

امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحقیقی وتنقیدی تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی کہ آپ کے یہاں تحقیقی وتنقیدی شعور اپنے اعلیٰ مقام پر ہے۔ تنقید کا نکھری ہوئی جو باتیں ہمیں ان کی تحریروں میں نظر آتی ہیں، یقیناً وہ انہیں ایک اعلیٰ تنقید نگار کی حیثیت سے تعارف کرانے کے لئے کافی ہیں۔ ہم نے ان کے چند مقالات میں ان کے تنقیدی شعور کے حق نما جلووں کا نظارہ کیا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید تحریر کی جاسکتی ہے کہ ان کی تحریروں میں کہیں بھی طرف داری وجانبداری نظر نہیں آتی، نہ ہی کسی مقام پر پندار علم کا احساس ہوتا ہے۔ کسی بھی تحریر میں نقد ونظر فرماتے ہوئے امام علم وفن خواجہ مظفر حسین کا لب ولہجہ غیر سنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی معروضات بہت سنجیدہ انداز میں پیش کرتے ہیں جن میں اپنی تحقیق کو نہ تو حرف آخر کا درجہ ومقام دیا دیتے ہیں نہ ہی اپنی فکر اور سوچ دوسروں پر تھوپنے کی کوشش۔ بلکہ اپنی علمی تحقیق پیش کرنے کے بعد اہل علم وفکر سے اس موضوع پر مزید داد تحقیق دینے کی گذارش کرتے نظر آتے ہیں۔

اس وقت امام علم وفن کے تین چار مقالات میرے پیش نظر ہیں۔ میں یہاں ان ہی مقالات کا ایک تجزیاتی مطالعہ

پیش کر کے آپ کی تنقیدی بصیرت اور تحقیقی شعور پر بقدر وسعت روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا جو موقع بہ موقع اہل سنت و جماعت کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

علامہ خواجہ مظفر حسین کی پہلی تحقیقی وتنقیدی تحریر ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر کے اصلی یا فرضی ہونے پر دارالعلوم فیض الرسول کے نقیب وترجمان ماہنامہ فیض الرسول، براؤں شریف بستی کے شمارے میں ۱۹۸۵، ۱۹۸۶ کے دوران قسط وار شائع ہوئے ہیں۔ یہیں سے آپ کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت سے اہل علم کو آگاہی ہوئی۔

ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی، لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی، ۲۷، ۲۸ تاریخ کو رویت ہلال، اور ع اور کیلوگرام کا معادلہ ان عنوانات کے تحت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے جو علمی، فکری اور تحقیقی مقالات شائع ہوئے ہیں ان میں علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے علم وفکر، تحقیق وتدقیق اور شعور وآگہی کا جو اعلیٰ معیار نظر آتا ہے اس نے یقیناً انہیں ایک ایسا عبقری ثابت کر دیا ہے جن کے پاس وقت وحالات کے بطن سے پیدا ہونے والے ہر مسئلے کا معقول ومنقول حل ہے۔ خواجہ علم و فن کے تحقیقی مقالوں کے جواب میں کچھ تحریریں سامنے آئیں ان کے جواب میں آپ نے تحقیق وآگہی اور نقد ونظر کے جو چراغ جلائے ہیں ان کی روشنی میں انہیں ایک بالغ نظر اور باشعور تنقید نگار لکھنے اور کہنے میں کوئی باک نہیں۔

شریعت کے پیچیدہ مسائل اور وقتی حالات کی کوکھ سے جنم لینے والے نت نئے مسائل میں اہل علم ملک و بیرون ملک سے خواجہ علم وفن سے رابطہ قائم کر کے رہنمائی طلب کرتے اور علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی انہیں اپنی بے پناہ خداداد تحقیقی صلاحیتوں سے تشفی بخش حل فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہاں ایک بات بہت اہم ہے کہ خواجہ علم وفن سے رہنمائی حاصل کرنے والوں میں اکثر ارباب علم وفن ہی رہے ہیں۔ یوں تو خواجہ علم وفن کی تعلیم وتربیت خالص مشرقی علوم کی دینی ومذہبی درسگاہوں میں ہوئی لیکن جب اہل علم وفکر کے درمیان یہ موضوع بحث سامنے آیا کہ ۲۰۰۰ء میں ماہ فروری ۲۹ ایام کا ہوگا یا ۳۰ کا؟ تو خواجہ علم وفن نے اپنی خداداد فکری صلاحیتوں کی بنیاد پر اس کا مدلل حل پیش فرمایا۔ اسی طرح جب یہ موضوع بحث سامنے آیا کہ ماہ قمر کی ۱۰ تاریخ کو سورج گہن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اپنی تحقیق انیق کی روشنی میں اس مسئلے کا معقول حل پیش فرما دیا۔ جب امریکہ کے شہر ہوسٹن میں سمت قبلہ کا تعین علمائے کرام کے درمیان موضوع گفتگو بنا تو خواجہ علم وفن ہی نے اس میں صحیح رہنمائی فرما کر وقت کے ایک ابھرتے ہوئے مسئلے کا حل پیش فرما کر اپنی عبقریت کا سکہ اہل علم کے دلوں میں بٹھا دیا۔

خواجہ علم وفن نہ صرف یہ کہ موجودہ علوم وفنون پہ گہری نظر رکھنے والے ایک مذہبی عالم دین ہیں بلکہ علم ہیئت، ہندسہ، سائنس کی معلومات رکھنے والے ایک دیدہ ور اسکالر بھی تھے۔ جن حضرات نے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی سے علمی استفادہ کیا ہے یا ان کے علمی، فکری اور تحقیقی مقالات سے چشم ودل روشن کیے ہیں یقیناً ان پہ یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے شریعت مطہرہ نے عرب مقدس میں رائج پیمانہ صالحہ کو معیار مقرر فرماتے ہوئے اس کا تعین فرمایا ہے۔ ہندوستان میں اس کا

میزانی معادلہ اس دور میں رائج پیمانے سے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے پیش فرمایا۔ جس کی صراحت فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں ہے۔ جب ہندوستان میں سیر چھٹانک وغیرہ کی جگہ کیلو اور گرام رائج ہوا تو اس زمانے کے علمائے کرام نے نصف صاع کا معادلی وزن ۲ کیلو ۴۷ گرام قرار دیا فرمایا۔ آج عوام اہل سنت صدقہ فطر کی ادائیگی اسی حساب سے کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ کی جانب سے پوسٹروں میں صدقہ فطر کا اعلان اسی وزن کے مطابق ہوتا ہے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اس سلسلے میں غور وخوض فرمانے کے بعد ایک تحقیقی مقالہ بعنوان ،صدقہ فطر کا وزن ۲ کیلو ۴۷ گرام نہیں بلکہ ایک کیلو ۹۲۰ گرام ہونا چاہئے ،قلمبند فرمایا۔ جو ماہنامہ اشرفیہ بنا کے شمارہ ۱۰ ار اپریل ۲۰۰۴ میں شائع ہوا۔ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے اس تحقیق مقالے کی اشاعت کے بعد مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر مفتی الجامعۃ الاشفیہ مبار کپور نے مذکورہ تحقیقی مقابلے کا نئی جہتوں ں سے تنقیدی جائزہ لیا۔ پھر اس جائزے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے خواجہ علم وفن نے ایک مقالہ ''صدقہ فطر کے وزن پر آخری معروضہ کے'' عنوان سے سپرد قلم فرمایا۔ جس کی اشاعت ماہنامہ کنز الایمان ، دہلی شمارہ اگست ۲۰۰۴ میں ہوئی۔ اس مقالے میں اشاعت کے بعد بعض اہل علم اور اصحاب الرائے نے اس تحقیق سے اختلاف رائے کا اظہار فرمایا تھا۔ جس کی اشاعت اہل سنت و جماعت کے بعض رسائل میں موقع بموقع ہوئی۔ اس طرح اس علمی موضوع پر اہل علم وتحقیق کے درمیان خیالات کا تبادلہ ہوا۔ لیکن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اس سلسلے میں مکمل سکوت اختیار فرمالیا۔ مگر کچھ حلقوں میں جب خواجہ علم وفن کے حوالے سے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش ہونے لگی تو آپ نے طویل خاموشی توڑی اور :: صاع اور کیلو گرام کے معادلے پر اتمام حجت'' کے عنوان سے یک تحقیقی وتنقیدی مقالہ قلمبند فرمایا جس کی اشاعت ماہنامہ جامہ نور دہلی شمارہ مئی ۲۰۰۷ میں ہوئی۔

صدقہ فطر کے میزانی معادلے پر علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے جو پہلا تحقیق مقالہ تحریر فرمایا اس کے عنوان سے ہی ان کے تحقیقی مزاج ومنہاج کو بخوبی سمجھ جاسکتا ہے۔ چونکہ مذکورہ تحقیق جماعت اہل سنت کے اکابر علما کے میزانی معادلہ سے براہ راست متصادم تھی ،لہٰذا عنوان قائم کرنے میں بے حد لچک کا مظاہرہ کیا گیا تا کہ ہمارے اکابر علمائے کرام کی کلاہ افتخار کی سلامتی خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اس تحقیقی مقالے کی تمہید میں علامہ خواجہ مظر حسین رضوی اپنے خیالت کا اظہار اس انداز میں فرماتے ہیں:

> عبادت مالیہ میں صدقہ فطر کا بھی شمار ہے۔ مخصوص شرطوں کے ساتھ جس کا ادا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے شریعت مطہرہ نے عرب مقدس میں رائج مخصوص صاع کو معیار قرار دیا۔ اسلام اپنی ہمہ گیر خوبیوں کی وجہ سے جب عالم کے اطراف واکناف میں پھیل گیا تو ہر ملک اور ہر صوبے کے علمائے کرام ومفتیان عظام نے اپنے اپنے دیار وامصار کے لئے ادوار واازمنہ میں رائج

پیمانے سے صاع کا معادل پیش فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہندوستان میں مختلف ادوار میں صاع کے معادل پیمانے بدلتے رہے۔ امام احمد رضا نے بھی اپنے دور کے پیمانے کے اعتبار سے صاع کا میزانی معادلہ فرمایا ہے جو فتاویٰ رضویہ چہارم میں دیکھا جا سکتا ہے اور جب آزادی کے بعد ہندوستان میں سیر، چھٹانک وغیرہ کی جگہ کیلو اور گرام کا وزن نافذ ہوا تو بعض علمائے کرام نے نصف صاع کا وزن ۲ کیلو ۴۷ گرام بطور معادل بتایا اور آج صدقہ فطر کی ادائیگی کے لئے یہی وزن جاری ہے۔ مدرسوں کے اشتہار، دارالافتاؤں کے فتاوے میں بھی یہی وزن لکھا جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ نصف صاع اور کیلوگرام کے مابین معادلہ قائم کرنے میں ان حضرات سے سہو ہو گیا ہوگا۔ درج ذیل مضمون میں دور حاضر کے مقررات کی روشنی میں معادلہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی علمائے کرام و مفتیان عظام کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر پیش کردہ مساوات میں بھول ہو گئی ہو تو ہمیں اس سے باخبر کر کے عنداللہ ماجور ہوں"

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اس میزانی معادلے پر تحقیق کے جو چراغ روشن کیے ہیں۔ علم و تحقیق کی محراب و ممبر اس سے منور و تاباں ہوئے ہیں۔ اس کے باوصف ان میں اپنی تحقیق کو حرف آخر ثابت کرنے کا مزاج ملتا ہے نہ ہی اپنی بے پناہ علمی و تحقیقی صلاحیتوں کا اظہار و اقرار، بلکہ درج بالا طویل تمہید کی ایک ایک سطر میں ایک متلاشی علم کی علمی دنیا کے سامنے ایک درخواست ہے۔ اس تحقیقی مقالے کی اشاعت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اس مضمون کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ جب ہم نے امام احمد رضا کی تحریر میں تین مسلمات (۱) نصف صاع برابر ۵ء۱۷۸ بھر (۲) اور بھر برابر ۲۵ء۱ ماشہ (۳) اور تولہ برابر ۱۲ ماشہ دیکھا اور ایک بات چاندی، سونے کے بڑے کاروبار کرنے والے دہلی کے جوئرس جھنبول مل جے پال سنگھ جنہیں ۱۳۲۷ چاندنی چوک دہلی کی کتاب میں یہ دیکھا کہ ۲ تولہ برابر ۳۵ گرام تو ان چاروں باتوں کی روشنی میں حساب کرنے سے یہ پتہ چلا کہ نصف صاع برابر ۱ کیلو ۹۲۰ گرام ہوتا ہے۔ جب کہ ہم سنیوں کے مابین عمل درآمد صدقہ فطر کا وزن ۲ کیلو ۴۷ گرام بتایا جاتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حساب لگانے میں ہمارے علما سے سہو ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کوئی حساب داں جب کبھی بھی اس کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک کرے گا تو یہ گمان نہ کرے کہ ان کی جماعت کے لوگوں کو حساب بھی کرنا نہیں آتا۔ پھر یہ کہ: **الکلمة الحکمة ضالة الحکیم فحیث و جدها فهو الحق بها** کے پیش نظر یہی اسی جماعت کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا، ہم نے ہمیشہ سچی حقیقت کو برملا قبول کیا۔ اس لئے اگر سہو سے ایسا ہو گیا ہو تو فوراً ہمیں

صحیح حقیقت کو قبول کر لینا چاہئے۔ اس لئے اس مضمون کی اشاعت مندرجہ بالا تین رسالوں میں کر دی گئی تا کہ علمائے کرام ان دونوں حسابوں کو چیک کر کے آخری فیصلہ صادر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنا کوئی پختہ یقین ظاہر نہیں کیا۔"

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے اس تحقیقی معادلے کا خلاصہ یہ ہے کہ نصف ساع کا وزن ا کیلو ۱۹۲۰ گرام ہے۔ اس تحقیق کی جو اساس و بنیاد ہے وہ یہ ہے کہ جب حکومت برطانیہ نے اپنے نام کا سکہ ڈھالا تو اس کا وزن کامل ۱۲ ماشہ تھا۔ چونکہ اس کا وزن ایک تولہ ہوا اس لئے اس کی قیمت (ایک تولہ چاندی کی قیمت کے ڈھالنے کی اجرت کے ساتھ) ایک تولے چاندی سے زیادہ تھی۔ اگر کوئی شخص صراف سے ایک روپے کے عوض چاندی خریدتا تو اس کو ایک تولے سے زیادہ چاندی ملتی تھی۔ لیکن بعد میں حکومت برطانیہ نے اس سکے کا رواج ختم کر کے 11.1/4 ماشے کا سکہ ڈھالنا شروع کر دیا اور سکہ ڈھالنے کی اجرت میں 3/4 ماشہ بطور کسوٹی کم کر دیا، اور یہ سکہ با قاعدہ رائج ہو گیا اور یہی سکہ بھر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سکے کے اعتبار سے خرید و فروخت کے لئے سیر اور چھٹانک وغیرہ کا تول مقرر ہو گیا۔ اب یوں ہو گیا کہ انگریزی سکے کے دو وزن ہو گئے ایک نسوخ الرواج (بین العوام) جو ماشے کا تھا اور دوسرا رائج الوقت یعنی 11.1/4 ماشے کا۔

مذکورہ بالا بیان حضرت ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کے راوی خود علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی ہیں۔ اس بیان کی مزید تائید و تصدیق سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتوے سے بھی ہوتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم مسئلہ ۱۱۶ کے سوال ۲ کے تحت درج ہے کہ و:: صاع کتنے سیر کا، سیر کتنے روپے بھر کا، روپے کتنے ماشے کا، اور کون روپیہ؟ شرع سے اس میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ: سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ سیر سے بدلے گا۔ صاع اس انگریزی روپے رائج الوقت سے ۲۸۸ روپے بھر اور تولوں سے ۲۷۰ تولہ، ایک روپے سوا گیارہ ماشہ بھر ہے۔

مذکورہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد خواجہ علم وفن فرماتے ہیں:

> اس سوال جواب پر اگر غور کیا جائے تو حضرت ملک العلماء کے سابق الذکر ارشاد کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ اس میں سائل کے یہ الفاظ کہ روپے کتنے ماشے کا اور کون سا روپیہ؟ صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس دور میں روپے ایک سے زیادہ قسم کے ہوتے تھے۔ جن کے وزن بھی الگ الگ تھے، اسی لئے جواب میں اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: انگریزی روپیہ رائج الوقت مراد ہے منسوخ الرواج مراد نہیں، اور اس کا وزن سوا گیارہ ماشہ ہے۔ بارشہ ماشہ نہیں۔"

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے اپنی اس تحقیق پر مزید دوسرے زاویے سے بھی روشنی ڈالی ہے اور اپنی گفتگو کو مزین

ن فرمایا ہے۔اس سلسے میں رقمطراز ہیں:

پھر ہم نے اجزائے سافلہ کے ذریعے حساب لگا کر دیکھا یعنی ''سرخ'' درنی، عطار کی دکان سے حاصل کر کے تولا تو یہ بھی ایسی پر متفق ہے کہ ایک تولہ برابر 11.644 گرام ہے۔ بلکہ 96 ''سرخہ'' کا وزن 11.644 گرام سے کچھ کم ہی نکلا۔:؛مزید ایک دوسری تحقیق میں وہ فرماتے ہیں: اسی دوران مجھے پیتل کا ایک باٹ ملا۔جس پر انگریزی میں TULA 20 (۲۰ تولہ) لکھا ہوا تھا۔اس کو ہم نے تولا اور اس کی بیسویں حصے کا حساب لگایا وہ بھی 11.664 گرام ہی نکلا،اس سے بھی یہ بات صاف ہوتی ہے کہ ایک تولے کا موازنہ 11.664 گرام کا ہے نہ کہ بھر کا۔:ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان کے ترجمان معارف رضا میں شائع شدہ تحقیق بھی یہی ہے کہ ایک تولے کا میزانی معادلہ 11.664 گرام ہے۔:

صاع کا میزانی معادلہ قام کرنے میں جو چند امور طوجہ طلب ہیں۔ان میں ایک اہم امر یہ ہے کہ محول اور محول الیہ پیانے کے درمیان نسبت کیا ہے؟ دوم ان پیانوں سے کاروبار کرنے والوں کا اس امر میں کیا خیال ہے؟ امر اول پر گفتگو کرتے ہو خواجہ علم وفن فرماتے ہیں۔

''دنیا کے سبھی دانشور یہ بات جانتے ہیں کہ جب ایک پیانے کو دوسرے پیانے کے مابین نسبت محول پیانے اور محول الیہ پیانہ۔ چونکہ عام طور پر نہیں الناس رائج رہتا ہے یا رائج ہوتا ہے اس لئے یہ درجہ مفرغ عنہ میں ہوتا ہے۔اس پر نہ بحث ہوگی اور نہ اس پر بحث مناسب۔تیسری چیز یعنی محول پیانہ اور محول الیہ پیانے کے مابین نسبت یہی دراصل عمل تبدیل کا سنگ احساس ہوتا ہے۔اگر یہ صحیح ہو تو تحویل صحیح اور اگر یہ غلط تو تحویل بھی غلط۔جوئیلرس کی کتاب کے حوالے سے خواجہ علم وفن نے محول اور محول الیہ پیانے کے درمیان رشتہ یوں بیان فرمایا۔رتولہ برابر ۱۱،۶۶۴ گرام۔ اور اس نسبت کے ثبت میں چند حوالے نقل فرماتے ہیں۔جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔مفتی نظام الدین رضوی کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے خواجہ علم وفن نے اس نسبت کے ثبوت میں مزید دوسری کتابوں کا بھی مطالعہ فرمایا۔جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں۔

(۱)''دہلی کے جوئیلرس نے ۳ تولہ برابر ۳۵ گرام لکھا جس سے لازم ہے کہ ایک تولہ ۱۱،۶۶۶۶۶۶ گرام اور بھرن ۱۰،۹۷۵ گرام

(۲) بھارگوا (Bhargava) ڈاکٹری میں ۸۶ تولہ برابر ایک کیلو لکھا ہے جس سے لازم کر ایک تولہ

۶۲۴۹.۶۹ ، ۱۱ گرام اور پھر ۱۲۷۹.۹ ۸۰۱۱ء گرام۔

(۳) ایک دوسری کتاب جس کا ٹائٹل پیج غائب ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک تولہ ۱۱،۶۶۴ گرام جس سے لازم ایک بھر ۹۳۵ء گرام

(۱) کے حساب سے نصف صاع ۱۹۱۹،۵۳۱۲۵ گرام (۲) کے حساب سے ۳،۱۵۴۷۰ گرام اور (۳) کے حساب سے ۱۹۱۹،۹۲۵ گرام:۔

ظاہر ہے ان پیمانوں سے روباز کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا پیسہ چاندی ہونے کی خرید ہے۔ یا پھر وہ حضرات ہیں جن کا تعلق علم کیمیا سے ہو۔ اس لئے تولہ، بھر، ماشہ، رتی اور گرام، ملی گرام کے تعلق سے صحیح معلومات حاصل کرنے کیلئے جوئیلرس، سونار یا پھر علم کیمیا کے ماہرین سے رابطہ کرنا ہوگا۔ یا۔ ان کی چھپی ہوئی کتابوں پر اعتماد کرنا ہوگا۔ اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے ہم نے اپنے مضمون میں دہلی کے جوئیلرس کی چھپی کتاب سے تولے اور گرام کے مابین درج شدہ پانچ نسبتوں کو قلمبند کیا جو مربع تناسبہ کے اصول پر حل کیا گیا ہے۔

صاع کے اس میزانی معادلے پر خواجہ علم وفن نے علمی، فکری اور عملی نقطۂ نظر سے جو روشنی ڈالی ہے اس نے اس تحقیقی مقالے کو اس عنوان پہ ہونے والی تحقیق کا سنگ میل بنا دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ تحقیقی مقالہ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے اعلیٰ تحقیقی معیار کا مزاج ومنہاج متعین کرتا ہے۔ کسی بات کو درجہ تحقیق تک پہنچانے کے لئے جن جن گوشوں سے گفتگو کی جاسکتی تھی، ان تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے انہوں نے اس موضوع پر دادِ تحقیق دی ہے۔ خواجہ علم فن کی اس موضوع پر علمی تحقیق ان کی علمی، فکری اور فنی خدمات کا ایک مستقل عنوان ہے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے اس تحقیقی مقالے کا بھی ایک جائزہ مفتی نظام الدین رضوی صدر مفتی الجامعۃ الشرفیہ مبارکپور نے پیش فرمایا۔ جس میں انہوں نے خواجہ علم وفن کے میزانی معادلہ سے سے اختلاف فرماتے ہوئے تولے میزانی معادلہ 12441 گرام تحریر فرمایا ہے۔ مفتی صاحب کے اس جوابی مقالے پر خواجہ علم وفن فرماتے ہیں۔

ہمارے اس مضمون کے جواب میں محب محترم حضرت نظام الدین رضوی صاحب قبلہ (جامعہ اشرفیہ، مبارکپور) نے ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے دہلی کے جوئیلرس کی کتاب میں درج شدہ مساوات کو بلا کسی حوالہ اور دلیل رد فرمادیا۔ اور اس بارے میں صرف اتنا لکھا کہ انگریزی روپے کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام، یہ بھی سب کو تسلیم ہے؛ ہم نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اصل اساس بحث تو یہی بات ہے کہ تولے اور گرام کے مابین باہمی کون سا رشتہ ہے۔ ہم نے جوئیلرس کی کتاب

کے حوالے سے رشتہ یوں درج کیا کہ اتولہ برابر ۱۱.۶۶۴ گرام اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ وزن تولے کا
نہیں بلکہ بھر کا ہے۔ ہم نے اپنی بات پر حوالہ پیش کیا۔ لیکن آپ نے اپنی بات پر کوئی حوالہ پیش نہیں
فرمایا۔

علمی دنیا میں کوئی بھی دعویٰ حوالے اور دلیل کے بغیر باوزنی نہیں ہوتا۔ خواجہ علم وفن نے اپنے تحقیقی مقالے میں اپنی ہر بات پر حوالہ اور دلیل پیش فرمائی۔ لیکن مفتی نظام الدین رضوی نے اسی تحقیق مقالے کا جائزہ لیتے وقت نہ تو علم کیمیا سے تعلق رکھنے والے افراد کے کسی قول اور تحریر کا حوالہ پیش فرمایا، نہ ہی کسی پڑھے لکھے سنار کے کسی تولہ وتحریر کو بطور سند۔ صرف یہ تحریر فرمادیا کہ اتولہ 11.664 گرام ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ وزن بھر کا ہے تولے کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کے پاس اس کی تو کوئی مضبوط دلیل ہوگی لیکن انہوں ایک دلیل بھی تحریری نہیں فرمائی۔ مفتی نظام الدین رضوی نے اپنے مقالے میں تحریر فرمایا: علاوہ ازیں کسی پڑھے لکھے سونار، جوئیلرس سے پوچھ لیجئے وہ بھی اس کی تصدیق کرے گا اور اگر کہیں انگریزی عہد کا سکہ بغیر گھسا ہوا محفوظ حالت میں مل جائے تو اسے کمپیوٹر آلہ وزن پر خود وزن کر مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔“

اس مطالبے کے حوالے سے علامہ مظفر حسین رقمطراز ہیں:

مفتی صاحب کے حکم کے موجب ہم نے پڑھے لکھے سونار اور جوئیلرس سے بھج دریافت کیا لیکن کسی نے بھی مفتی صاحب کی بات کی تائید نہیں کی۔ بلکہ سبھوں نے یہ بتایا کہ تولہ جو ۱۲ ماشے کا ہوتا ہے اسی کا وزن ۱۱.۶۶۴ گرام ہے۔ مزید ہم نے اور کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔ لیکن کہیں بھی مفتی صاحب کے قول کی تائید نہ مل سکی۔ ہر جگہ یہی ملا کہ تولہ جو ۱۲ ماشے کا ہوتا ہے اس کا وزن ۱۱.۶۶۴ گرام ہے۔

دوسرے مقالے میں مفتی نظام الدین رضوی کی اسی تحریر پر نقد ونظر فرماتے ہوئے خواجہ علم وفن رقمطراز ہیں۔

دیرار محسوسات اور بایہیات سے ہے جو قطعی نا قابل انکار ہے اور لکھتے ہیں کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہے۔ تولے، ماشے اور رتی سے کاروبار کرنے والے یا تو سونار ہیں یا پھر وہ ہیں جن کا تعلق علم کیمیا سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں صحیح معلومات فراہم کرنے کے لئے یا تو ان حضرات سے رابطہ قائم کیا جائے یا پرھ ان کے ذریعے شائع شدہ کتابوں پہ بھروسہ واعتماد کیا جائے یا پھر خود مشاہدہ کیا جائے اس تعلق سے اپنے فریق مخالف کے جائزے اور نظر فرماتے ہوئے خواجہ علم وفن کے رقمطراز ہیں۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ انگریزی روپے کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام لکھ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سبھی سب کو تسلیم ہے۔ اگر سب کا مطلب حضرت مفتی نظم الدین نے اپنے اور اپنے شریک کار کو سمجھا ہے تو یہ حوالہ صحیح نہیں کیونکہ آپ حضرات نہ تو سنار ہیں اور نہ تو جوئیلرس اور نہ ہی علم کیمیا کے ماہر ہیں اور نہ جڑی بوٹی

بیچنے والے عطار۔ اگر سب کا مطلب عوام الناس ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان باریک وحساس پیمانوں کے تعلق سے ان لوگوں کی تسلیم وعدم تسلیم دونوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر خواص مراد ہیں تو یہ خواص یا تو کالج کے پروفیسر، کورٹ کچہری کے وکیل یا ہاسپٹل کے ڈاکٹر یا تعمیرات کے انجینئر ہوں گے تو بھی حوالہ صحیح نہیں کہ ان لوگوں کا فن وزن اور پیمانوں سے کوئی خاص تعلق ورشتہ نہیں اور اگر خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان باٹوں اور پیمانوں سے کاروبار کرتے رہے اور کرتے ہیں تو مفتی صاحب کے لئے لازم تھا کہ ان حضرات کی تحضر یر حوالے میں لانے یا ان لوگوں کی باتوں کے حوالے پیش فرماتے

مفتی نظام الدین رضوی نے اصول وضابطے کے مطابق اپنے دعوے پر ایسا کوئی حوالہ بادلیل پیش نہیں فرمائی۔ اس تعلق سے مفتی نظام الدین رضوی کے مذکورہ دعوے پہ نقد ونظر فرماتے ہوئے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رقمطراز ہیں:

نہ دوران اختلاف مدعی پر واجب ہے کہ وہ جس مقدمے کو مدار کلام قرار دیتا ہے وہ اس مقدمے کو ایسے فن یا ایسے شخص کے قول وموثوق سے مبرہن کرلے جس کا اس فن سے تعلق اور گہرا لگاؤ اور واسطہ ہو۔ مثلاً اگر وہ مقدمہ طب سے متعلق ہے تو اس مقدمے کو فن طب یا پھر کسی ماہر طبیب کے قول سے مدلل کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر وہ مقدمہ کسی شہر کے عرض البلد وغیرہ سے متعلق ہو تو علم جغرافیہ یا اس کے ماہر کے قول سے مبرہن کرنا چاہئے۔ یہاں نصف صاع برابر ۵ء۱۷۵ بھر اور بھر برابر ۲۵ء۱۱ ماشہ اور اسی طرح کیلوگرام، ملی گرام وغیرہ مفرغ عنہ ہے۔ یہاں معادلہ قائم کرنے کے لئے دراصل بنیادی چیز اور اساس بحث یہ ہے کہ ان دونوں پیمانوں کے مابین کوئی سی نسبت ہے کہ جس کو وسائل ومبادلی کی حیثیت سے دیگر قدیم وجدید پیمانوں کے مابین معادلہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ صاع اور کیلوگرام کے درمیان معادلہ قائم فرمانے کے درمیان مفتی نظام الدین رضوی نے اپنے مدعی کے ثبوت میں ایسا کوئی حوالہ رقم نہیں فرمایا جس سے ان کے دعوے کی بنیاد مضبوط ہوسکے۔ اس تعلق سے خواجہ علم وفن رقمطراز ہیں مفتی صاحب نے ضابطے کے لحاظ سے کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا لیکن پھر بھی نتیجے کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہے۔ ہم نے لاکھ کوشش کی مگر یہ نکتہ میری سمجھ میں نہ آسکا کیوں کہ آگے پیچھے کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ نتیجہ آخز کیا جائے پھر بھی مفتی صاحب نے یہ کیسے فرمادیا کہ اس سے عیاں ہوا کہ ایک روپیہ انگریزی کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۶ ملی گرام ہے اور پھر اسی کو بنی بتا کر یہ ثابت فرمایا ہے کہ نصف صاع (۵ء۱۷۵) ۲ کیلو ۷۰۳ گرام کے برابر ہوگا۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے جوئیلرس کی جن کتابوں کا حوالہ پیش فرمایا تھا اسے فریق مخالف نے یہ کہہ کر بے وزن

ثابت کرنے کی کوشش کی جوئیلرس نے بھر کو تول کر موازنہ قائم کیا ہے، مگر اس کو قصبات اور دیہات کی بولی اور عرف کے مطابق تولہ لکھ دیا۔

اس دلیل کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے خواجہ علم وفن تحریر فرماتے ہیں۔

یہ بات بہت کمزور ہے۔ اس لئے کہ اگر ۱۱،۶۶۴ تولے کا نہیں بلکہ بھر کا وزن ہے تو پھر ان کتابوں میں درج ماشہ اور رتی کا موازنہ برابر غلط ہوگا، کیونکہ ماشہ تولے کا بارہوں حصہ ہے، بھر نہیں۔ اسی طرح رتی تولے کا 1/96 یعنی ۹۶ حصہ ہے بھر کا نہیں، اس بنیاد پر پوری کتاب میں موازنہ دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائیکہ کتاب میں جہاں تولے کا لفظ ہے اس سے بھر مراد ہے اور اسے قصبات کی بولی کے مطابق تولہ لکھ دیا گیا ہے پوری کتاب ہی غلط ہو جائے گی۔

نقد ونظر کے لئے جس گہری بصیرت کی ضرورت وحاجت ہوتی ہے ہمیں خواجہ علم وفن کے یہاں اس کی کمی کا کہیں احساس نہیں ہوتا۔ زیر بحث عنوان پر جس طرح موصوف نے فریق مخالف کی تحریر پر نقد ونظر فرمائی ہے یقیناً وہ انہیں ایک کامیاب اور کہنہ مشق تنقید نگار کی حیثیت سے متعارف کرانے کے لئے کافی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''ہمارے مفتی صاحب قبلہ اس بحث میں ردوابطال فرمانے کی وجہ سے منصب رد پر فائز ہیں اور اس مسئلہ دائرہ میں محقق کی حیثیت سے سامنے آرہے ہیں جیسا کہ مضمون کا عنوان شاہد عدل ہے، عنوان یہ ہے ''صدقہ فطر کا وزن ۲ کیلو ۴۷ گرام یہی صحیح ہے'' اور ذیلی عنوان ہے ''خواجہ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین کی تحریر کا منصفانہ جائزہ''۔ ان عنوانوں کا تقاضہ یہ تھا کہ مفتی صاحب قدیم وجدید پیمانوں کی نسبت پر کامل بحث کرنے کے بعد ہی اپنا فیصلہ صادر فرماتے۔ رد کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ خود اس بنیادی سکے پر اچھی طرح بحث فرماتے اور پھر کسی کتاب کے حوالے یا کسی قابل اعتماد شخص کے قول سے سند لاتے۔ ردوابطال کے منصب پر ہونے کی وجہ سے خود ان کی ذمہ داری تھی کہ کسی پڑھے لکھے سنار، جوئیلرس سے پوچھتے اور خود ان پر لازم تھا کہ انگریزی عہد کا محفوظ سکے کو کمپیوٹرائز آکہ وزن پر رکھ کر اپنے اور لوگوں کے مشاہدے کا حوالہ دیتے۔ آپ نے ان میں سے کچھ نہیں کیا۔ یہ ساری ذمہ داریاں دوسروں پر تھوپ دیں جو آداب بحث کے خلاف ہے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے مدعی کو اس کی منصبی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے ان سے گذارش کی کہ آداب بحث کے تقاضے کے مخالف انہیں خود تمام پہلوؤں پر ایک مدعی کی حیثیت سے تحقیق کی شمع فروزاں کرنا چاہئے تھا۔ دوسروں کے سر تھوپنا ایک صاحب تحقیق اور مدعی کا منصب نہیں۔

مفتی نظام الدین رضوی نے اپنے مضمون کے اخر میں یہ تحریر فرمایا'' دہلی والے جوئیلرس نے ۳ تولے کا وزن ۹۹۲ ملی

گرام ہوئے۔ یعنی ۸ ملی گرام کم ۳۵ گرام۔ جوئیلرس مذکور نے ازرہ عنایت ۸ ملی گرام کی کمی کو کم نہ مان کر ۳۵ گرام لکھ دیا ہے۔
اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اس جوئیلرس نے ایک روپیہ انگریزی کو ایک تولہ مانا ہے۔
اس پر خواجۂ علم وفن رقمطراز ہیں۔

مشہور تو یہ ہے کہ لفظ بولتے ہی جو معنی متبادر ہو وہی ظاہر کہلاتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہو گیا کہ جوئیلرس بول اور لکھ رہا ہے تولہ، اور ظاہر ہو رہا ہے انگریزی روپیہ۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ ظاہر نہیں بلکہ اس بات پر منحصر ہے کہ تولے سے یہاں تولہ ہی مراد ہے اس لئے کہ یہ کتاب اسی غرض کے لئے لکھی گئی ہے کہ پیمانوں کے مابین مساوات بتائی جائے۔ اس لئے تولے کے لفظ سے تولہ ہی مراد ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جوئیلرس سے معادلے میں بھول ہوگئی ہے۔ مگر یہ بات بھی اسی وقت صحیح ہے جب کہ اس سے زیادہ قوی حوالوں سے اسے رد کیا جائے۔

زیر بحث مسئلے میں مفتی نظام الدین رضوی نے بھر کا وزن ۶۶۴ء۱۱ گرام اور تولے کا وزن ۴۴۱ء۱۲ گرام تحریر فرمایا ہے اور اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں پیش فرمائی اس لئے خواجہ علم وفن مفتی نظام الدین رضوی کے اس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جوئیلرس پر یہ سارا الزام مفتی صاحب نے اپنے مفروضہ مقدمے کی بنیاد پر دے دیا ہے۔ جسے بلا دلیل مفتی صاحب نے اپنے مضمون میں شامل کیا ہے کہ ایک بھر کا وزن ۶۶۴ء۱۱ گرام اور ایک تولے کا وزن ۴۴۱ء۱۲ گرام ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ نے خود ہی تولے کو انگریزی روپے کے برابر گردانا ہے اور آپ نے خود ہی اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا ہے جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں نقل کردہ حوالوں سے ظاہر ہے کہ ایک تولہ ۶۶۶ء۱۱ گرام سے زائد نہیں اور ایک بھر ۹۳۷۵ء۱۰ گرام سے زائد نہیں۔ لیکن مفتی صاحب نے ایک تولے کو ۴۴۱ء۱۲ گرام اور ایک بھر کو ۶۶۴ء۱۱ گرام مانا اور پھر جوئیلرس مذکور پر الزام قائم کرنے کے لئے پوری عبارت تحریر فرمائی۔

مفتی نظام الدین رضوی زیر بحث سکے میں تحقیق فرماتے ہوئے بنیادی امر اور اساس بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم ضروری بحثوں میں الجھ گئے۔ اس پر خواجہ علم وفن نقد نظر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''میری عرضداشت یہ ہے کہ محب محترم حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ (دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور) نے منصفانہ جائزہ لکھتے وقت ان باتوں کی رعایت نہیں فرمائی۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ بنیادی چیز اور اساس بحث یعنی قدیم وجدید پیمانوں کے مابین نسبت پر بحث فرما کر یہ ثابت کرتے کہ دہلی کے مذکور جوئیلرس

کی کتاب میں درج شدہ نسبت ان وجوہات اوران دلائل کی وجہ سے صحیح نہیں ہے اور پھر بطور حوالہ کسی قابل اعتماد یا ماہر فن کے قول کو نقل کرتے۔لیکن محب محترم نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ مسلّم اور مفروغ عنہ باتیں جو ہمارے مضمون میں بلا کسی اختلاف کے درج ہیں۔انہی باتوں کا اعادہ اوراعتراف فرمایااور جب بنیادی امر اور ساس بحث کی بات آئی تو وہ اسے نا قابل توجہ بات سمجھ کرفقط یہ لکھ کر پوری بساط بحث کو لپیٹ کرر کھ دئے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی سے فریق مخالف نے اس تحقیق کے حوالے سے ایک مطالبہ یہ کیا کہ اگر اس جوئیلر نے تولے کا وزن ہی بتایا ہے تو کسی انگریزی دور کا سکہ وزن کر کے ثابت کیا جائے کہ اس انگریزی سکے کا وزن مذکورہ بالا سکوں سے تین ماشے کی مقدار کم ہے۔

اس مطالبے کے تحت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رقمطراز ہیں:

اس مطالبے کو پورا کرتے ہوئے ہم مزید ایک دلیل پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم نے وہ سکہ تلاش کرلیا ہے جسے امام احمد رضا نے انگریزی دور کا سکہ رائج الوقت 11.25 ماشے کا فرمایا ہے۔اس سکے کے ایک طرف جارج پنجم کی تصویر ہے۔ تصویر کے اوپر KING-GEORGE- ROR ONE-RUPEE لکھا ہے۔اس سکہ کو ہم نے دارالعلوم نورالحق ، چرہ محمد پور، فیض آباد کے تین مدرسین مولانا مختارالحسن بغدادی،مولانا عبدالقدوس مصباحی اور مولانا رئیس مصباحی صاحب وغیرہ کی موجودگی میں کمپیوٹرائز میزان پر تولا تو وہ 11.050 گرام ثابت ہوا۔جویلر کے موازنے کے مطابق اس وزن میں 0.115 گرام یعنی ایک ہزار حصوں میں سے ایک سو پندرہ حصہ زائد ہے۔اتنا فرق اس لئے ہے کہ قدیم زمانے میں کمپیوٹرائز میزان نہ تھے، بلکہ سونا چاندی تولنے کے لئے دوسرے چھوٹے ترازو تھے جو زیادہ حساس نہیں ہوتے تھے اس لئے ان ترازوؤں سے تولی ہوئی اشیاء میں ہم وزن ہونے کے باوجود قدرے تفاوت رہ جاتا تھا۔سکہ ڈھالنے کے لئے اسی ترازو کو استعمال کرتے تھے۔خود اسی سکے کو دیکھیے جب چاندی تولنے والے ترازو پر تولا تو 11 گرم تھا لیکن کمپیوٹرائز میزان پر اس کا وزن 11.050 گرام ہوگیا۔لہٰذا یہ معمولی تفاوت کوئی ایسی چیز نہیں جس کو زیر بحث لایا جائے۔

ایک ذمہ دار محقق کی جو منصبی ذمہ داریاں ہوتی ہیں خواجہ علم وفن نے انہیں بحسن وخوبی انجام دیں۔اور وہ فریق مخالف سے بھی اسی کی توقع رکھتے ہیں۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"ہم اپنے فریق مخالف سے گزارش کرتے ہیں کہ جس طرح ہم نے جوئیلرس کی مختلف کتابوں سے تولہ ،ماشہ،رتی کے موازنے سے یہ دکھایا ہے کہ تولہ برابر 11.664 گرام ہوتا ہے۔معارف رضا میں

شائع شدہ موازنہ، مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب کے اجزائے سافلہ کے حساب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور پھر خود ہم نے عطار کی دکان سے ''سرخ'' حاصل کر کے تولا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ تولہ برابر 11.644 گرام ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ بھر کا وزن برابر 10.935 گرام ہو، اسی طرح آپ حضرات بھی کسی کتاب، کسی حساب یا اجزائے سافلہ سے یہ دکھائیں کہ تولے کا وزن 12.4416 گرام ہوتا ہے اور اس سے لازم کہ بھر 11.664 گرام ہے۔ آپ حضرات جس سکے کو تول کر بتاتے ہیں وہ خود ہی متنازع فیہ ہے۔ آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ بھر ہے جب کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ بھر نہیں بلکہ تولے کا وزن ہے۔ لہٰذا اس سکے کو تول کر اپنا موقف ثابت کرنا مصادرہ علی المطلوب کی قبیل سے ہے۔

خواجہ علم وفن نے صاع اور کیلوگرام کے درمیان میزانی معادلے کی تحقیق میں ہر گوشے سے اپنے دعوے کو کچھ اس انداز سے ناقابل تسخیر بنا دیا کہ کہیں کسی مقام پر انگلی رکھنے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ آپ نے مفتی نظام الدین رضوی کے مطالبے پر انگریزی دور کے اس سکے کا وزن کمپیوٹرائز آلہ وزن پر تین گواہوں کے سامنے وزن کر کے مستحق فرمادیا کہ انگریزی عہد کے سکے کا وزن 11.050 گرام ہے۔ اس شاہدے کے بعد وہ اپنے فریق مخالف سے مذکورہ گذارش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس گذارش میں خواجہ علم وفن قطعی حق بجانب ہیں۔

صاع اور کیلوگرام کے درمیان معادلہ قائم کرنے میں علمائے کرام سے جو سہو ہوا اس کا سبب بیان کرتے ہوئے خواجہ علم وفن رقمطراز ہیں۔

> حکومت برطانیہ نے پہلے ۱۲ ماشے کا سکہ ڈھالا اور پھر ۱۱ء۲۵ ماشے کا سکہ رائج کر دیا جو مابین الناس بھر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے علمائے کرام میں سے جنہوں نے سب سے پہلے بھر کا وزن گرام میں تبدیل کیا۔ انہوں نے انگریزوں کے قدیم سکے کو جو ۱۲ ماشے کا تھا بھر سمجھا اور تول کر بتایا کہ بھر ۱۱ء۶۶۴ گرام ہوتا ہے اور جوئیلرس حضرات نے تولے کو جو ۱۲ ماشے کا تھا تول کر بتایا کہ ۱۱ء۶۶۴ گرام ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں چونکہ محول پیمانہ دونوں جگہ ۱۲ ماشے کا تھا۔ اس لئے محول الیہ پیمانے میں بھی دونوں جگہ ایک ہی جواب نکلا:۔

اس سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں۔

''لیکن سہو کا آغاز یہاں سے ہوا کہ ہمارے حساب داں اس قدیم سکے کو ۱۱ء۲۵ ماشے کا بھر سمجھ لیا اور پھر اسے بھر سمجھ کر صدقہ فطر کا وزن مقرر فرمایا۔ کاش! ہمارے حساب داں قدیم سکے کی بجائے جدید سکہ

رائج الوقت کو تولتے۔ پھر حساب لگاتے۔ یا سکے کے اچ و پیچ میں نہ پڑ کر تولہ، ماشہ اور رتی سے تحویل فرماتے تو یہ خطا نہ ہوتی۔

خواجہ علم وفن اہل تحقیق حضرات کے سامنے چند مسلمات پیش فرماتے ہیں جن کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کا منشا پورا ہونے کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں عام اختلافات بھی دور ہو جائیں گے۔

''ہم ذیل میں دانشوروں کے لئے چند مسلمات لکھ رہے ہیں اس کی روشنی میں مسئلے کو حل فرمائیں تو، تولے کے اختلاف دور ہو جائیں گے۔ امام احمد رضا کی منشا پوری ہوگی۔ جوئیلرس کی کتاب میں درج شدہ اوزان بھی صحیح ہوں گے۔ اور ہمارے حساب داں نے جو وزن لکھا ہے وہ بھی موافق ہو جائیں گے۔

(ا) تولے سے صدقہ فطر کا وزن یقیناً ۱۶۴٫۵۳۱ جو تقریباً ۳۷۲٫۲۷ و ماشہ تقریباً ۱۵۹۴٫۹۷۶ ارتی ہوتا ہے ان رتیوں کو گرام میں تبدیل کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ صدقہ فطر کا وزن تقریباً کتنا ہے۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی نے صاع اور کیلوگرام کے میزانی معادلے پر تحقیق کا حق ادا فرمادیا۔ یقیناً ان کے ان تحقیقی مقالوں کے مطالعے کے بعد ان کی بے پناہ تحقیقی صلاحیتوں کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے آپ کی اس تحقیق کے رد و ابطال میں جو تحریریں آئیں ان کا جائزہ بھی ایک عمدہ محقق اور اعلیٰ تنقید نگار کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے۔ ان کی ان تحریوں میں کہیں پندار علم، غیر علمی باتیں اور اپنی باتوں کو دوسروں پر بلا دلیل تھوپنے کا مزاج دور دور تک نظر نہیں آتا۔ لاریب یہی وہ خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر آج وہ ایوان علم و حکمت اور علم و تحقیق کی دنیا میں خواجہ علم وفن کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اور دنیائے علم و حکم میں ان کا تحقیقی سکہ، سکہ رائج الوقت بن گیا ہے۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے تحقیق کا مکمل حق ادا کر دیا ہے۔ آج اگر سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حیات سے ہوتے تو اپنے اس رہ خاص فرزند کو گلے لگاتے۔ دعائیں دیتے اور اس دور کا مایہ ناز محقق قرار دیتے۔ ملک العلماء کے اس علمی فرزند کو جماعت اہل سنت کا سرمایہ افتخار گردانتے۔

صاع اور کیلوگرام کے میزانی معادلے پر جو تحقیق سامنے آئی ہیں ان مخیص بھی باذوق قارئین کے سامنے پیش کہ دلی جائے نارائن کی روشنی میں بآسانی کوئی نتیجہ اخذ کرسکیں۔

اس میزانی معادلے پر مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی جو تحقیق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

نصف صاع = ۵٫۵ ۱۷۵ بھر، بھر = ۲۵٫ ۱۱ ماشہ، تولہ = ۱۲ ماشہ، ماشہ = ۱۱ گرام 466 ملی گرام۔ علم کیمیا اور سونے چاندی کا کاروبار کرنے والے افراد کی جو اصطلاحیں ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

دہلی کی دواساز کمپنی ہمدرد کی وضاحت۔ گرام کا وزن ۱۲ ماشے سے زیادہ ہوتا ہے۔ (گرام کا وزن ماشہ سے)

(۱) جوئیلرس کی قدیم و جدید کتابوں میں جو مساوات درج ہیں ان کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔۲رتی = ۲۴۳ء گرام۔۳رتی برابر۳۶۴ء گرام۔۴رتی = ۴۸۶ء گرام۔۵رتی = ۶۰۷ء گرام۔

اتولہ = ۹۶رتی = ۶۶۴ ء۱۱ گرام۔۲ تولہ اور 1/2 5رتی یعنی 1/2 197 رتی 24= گرام

درج بالا مساوات کی روشنی میں ارتی کا وزن ۱۲۱۵ ء ملی گرام اور ا ماشہ برابر ۹۷۲ ء ملی گرام۔۱۲ ماشے کا تولہ ان مساوات کی رو سے اتولہ = ۶۶۴ ء۱۱ گرام

(۲) ایک دوسری کتاب میں مساوات یوں درج ہیں۔

اگرام = ۲۶. ء اماشہ۔۲ گرام ۵۱. ۲ء ماشہ۔۳ گرام ۷۷. ۳ء ماشہ۔۴ گرام = ۱۰۲ ء۴ ماشہ۔۵ گرام = ۱۲۸ ء۵ ماشہ

(۳) جوئیلرس کی ایک اور کتاب میں مساوات بایں انداز درج ہیں۔

اتولہ = ۶۶۴ ء۱۱ گرام۔۲ ماشہ = ۹۷۹ ء ملی گرام۔ارتی = 1215ء0 ملی گرام

مشاہدات: پیتل کا ایک قدیم باٹ ملا جس کا وزن مشاہدے میں ۲۰ تولہ آیا نیز اس پر انگریزی میں ۲۰ تولہ تحریر تھا اس بات کا بیسواں حصہ بھی ۶۶۴ ء۱۱ گرام ہی ثابت ہوا۔

اجزائے سافلہ کے ذریعے حساب لگا کر جو مشاہدہ سامنے آیا وہ بھی اتولہ = ۶۴۴ ء۱۱ گرام اس کے لئے عطار کی دکان سے سرخ حاصل کر کے وزن کیا گیا تو ۹۶ سرخہ کا وزن ۶۴۴ ء۱۱ گرام سے کچھ کم نکلا۔

انگریزی عہد کا سکہ جو رائج الوقت تھا اسے کمپیوٹرائز آلہ وزن پر تول کر مشاہدہ کیا گیا تو اس کا وزن بھی 050ء 11 گرام ثابت ہوا۔ جوئیلرس کے موازنے کے مطابق 115ء ملی گرام کم یعنی ایک ہزار حصوں میں سے ایک سو پندرہ حصہ زائد ہے۔یہ فرق کمپیوٹرائز آلہ وزن پر نہ تولے جانے کے سبب ہے۔

اس میزانی معادلے پر مفتی نظام الدین رضوی کی تحقیق درج ذیل ہے۔

انگریزی روپے کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام۔بھر کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام۔تولے کا وزن ۱۲ گرام ۴۴۱ ملی گرام

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی تحقیق یہ ہے۔

انگریزی روپے منسوخ الرواج ۱۲ ماشہ یعنی اتولہ۔انگریزی روپے رائج الوقت ۲۵ ء۱۱ ماشہ۔اتولہ = ۶۶۴ ء۱۱ گرام ۱۰بھر = ۲۵ ء۱۱ ماشہ = ۹۳۷۵ ء۱۰ گرام۔۱۲ ماشہ = اتولہ = ۶۶۶۶۶۶۷ ء۱۱ گرام

صاع اور کیلوگرام کے میزانی معادلے پر علامہ خواجہ مظفر حسین اور مفتی نظم الدین رضوی کے مابین ان باتوں پر اتفاق ہے نصف صاع کا وزن بحساب بھر ۵ ء۱۷۵ بھر، دلے کے حساب سے ۵۳۱۲۵ ء۱۶۴۔بھر = ۲۵ ء۱۱ ماشہ اتولہ = ۱۲ ماشہ

ان دونوں تحقیق نگاروں کے درمیان اختلاف اس بات پر ہے

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے بقول ا تولہ = ۱۱٫۶۶۶۶۶۶۷ گرام تقریباً ا بھر = ۱۰٫۹۳۷۵ گرام تقریباً مفتی نظام الدین رضوی کی تحقیق کے مطابق ا تولہ = ۱۲٫۴۴۱ گرام۔ ا بھر ۱۱٫۶۶۴ گرام

مفتی نظام الدین رضوی کی مذکورہ تحقیق ا تولہ = ۱۲٫۴۴۱ گرام۔ ا بھر = ۱۱٫۶۶۴ گرام کی تائید وحمایت نہ تو سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے میزانی معادلے سے ہوتی ہے نہ ہی علم کیمیا سے متعلق افراد کی وضاحت سے۔ جوئیلرس کی جانب سے شائع شدہ کتابوں میں مندرج مساوات سے بھی اس کی تائید وتوثیق نہیں ہوئی۔ جوئیلرس کی کتابوں میں درج شدہ مساوات میں ہر جگہ یہی بات غالب ہے کہ گرام کا وزن ماشے سے زیادہ ہے اور ماشے کا وزن گرام سے کم۔

دراصل اس میزانی معادلے کے نتیجہ تحقیق میں جو اختلاف ہے اس کی اساس وبنیاد یہ ہے کہ حکومت برطانیہ نے جب ہندوستان میں اپنے نام کا سکہ ڈھالا تو اس کا وزن کامل ۱۲ ماشے تھا۔ چونکہ اس سکے کا وزن ا تولہ تھا۔ اس لئے اس کی قیمت ایک تولہ چاندی سے زائد تھی۔ صراف کے یہاں اس ایک روپے کے انگریزی سکے سے کوئی فرد چاندی خریدتا تو ا سے ا تولہ سے زیادہ چاندی ملتی۔ لیکن بعد میں حکومت برطانیہ نے اس کا رواج ختم کر کے ۱۱٫۲۵ ماشے کا سکہ رائج کر دیا ۳/۴ ماشہ ایم کر دیا مؤخر الذکر سکہ بھر کا نام سے معروف ہو گیا باریک اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے قدیم وجدید دونوں سکوں کا رواج باقی رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی روپے رائج الوقت جس کا وزن ۱۱٫۲۵ ماشہ تھا۔

جن علماء نے سب سے پہلے بھر اور گرام کا مزیانی معادلہ پیش فرمایا ان سے سہو یہ ہوا کہ انہیں نے انگریزی عہد کے اس قدیم سکے کو جس کا وزن ۱۲ ماشہ ہے، اسے بھر سمجھ لیا اور پھر تول کر اس سکے کا وزن یہ بیان فرمایا ۱۱٫۶۶۴ گرام اور جوئیلرس حضرات نے اسی قدیم سکے کو جس کا وزن ۱۲ ماشہ تھا تول کر بتایا تو اس کا وزن ۱۱٫۶۶۴ گرام ہوا۔ چونکہ دونوں جگہ ۱۲ ماشے کا قدیم سکہ ہی وزن کیا گیا اس لئے نتیجہ یکساں برآمد ہوا۔ سہو کی بنیاد یہ ہے کہ ۱۲ ماشے کے قدیم سکے کو بھر سمجھ لیا گیا جب کہ بھر سے معروف ہونے والا وہ جدید انگریزی سکہ ہے جس کا وزن ۱۱٫۲۵ ماشہ ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحقیقات میں بھی اس کی وضاحت ہے کہ انگریزی عہد کا وہ سکہ جو رائج الوقت ہے اس کا وزن ۱۱٫۲۵ ماشہ ہے اور وہی بھر سے معروف ہے۔

اس سلسلے میں مزید تحقیق کے لئے جوئیلرس حضرات سے دونوں سکوں (منسوخہ الرواج یعنی تولہ، رائج الوقت یعنی بھر) کا وزن معلوم کر لیا جائے۔

اور حق بات تو یہ ہے کہ سکہ تول کر وزن معلوم کرنے کی بجائے تولہ، ماشہ اور رتی تول کر گرام معلوم کر لیا جائے۔ سونے چاندی کے کاروباری حضرات کی تحریروں سے جو وضاحتیں درج ہوئی ہیں ان کی روشنی میں یہ مسئلہ بلکہ واضح ہو جاتا ہے۔

امام علم وفن اور فکری تنقید

مفتی عبدالحکیم نوری گورکھپوری

تدبر وتفکر کاحکم رب کائنات نے اپنے قرآن پاک میں متعدد جگہ پر دیا ہے۔زمین وآسمان،حالات ومشاہدات اور لیل ونہار کے اختلاف پر غور کرنے سے بہت سی نامعلوم چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں۔اب رہا یہ سوال کہ صحیح نتائج پر پہونچنے والا کون ہوتا ہے؟اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ غور وفکر کے بعد اچھے نتائج اخذ کرنا مرد مومن کا کام ہوتا ہے۔یونہی تنقیدی صلاحیتیں یعنی حقائق کی معلومات حاصل کرنے کے لئے چھان پھٹک کر کے اچھے نتائج کو اخذ کرنا مرد مومن کا شیوہ ہے۔

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین دام ظلہ العالی کی تعلیم وتربیت عظیم المرتبت شخصیتوں کے زیر سایہ ہوئی۔ملک العلما۔حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ جیسی قابل ترین شخصیت نے علمی ودینی تربیت فرمائی اور غوث العالم،سرکار مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے روحانی تربیت فرما کر آپ کو یکتائے روزگار بنا دیا۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے جس مسئلہ پر قلم اُٹھایا اس کے مالہ وماعلیہ کو خاطر خواہ واضح فرما دیا۔اگر کسی نے اس مسئلہ پر اعتراض کرنے کی جرأت کی تو فکری تنقید کے ذریعہ اس اعتراض کو کالعدم قرار دیا۔اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) ۱۹۸۰ء میں امام علم وفن دار العلوم فیضیہ نظامیہ بھاگلپور میں شیخ الحدیث وصدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔اگر چہ آپ مدرسہ سے باہر بہت کم تشریف لے جاتے تھے مگر لائق وفائق تلامذہ حصول علم کی مصروفیت کے ساتھ بذریعہ وعظ وتقریر تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے،اس لئے آپ کی شہرت ومقبولیت بہت تھی۔اسی دور میں ایک قادیانی ڈگری کالج میں لکچرر ہوا اور لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے مختلف طریقوں کو بروئے کار لایا۔جب کچھ لوگ اس سے متاثر ہو گئے تو وہ قادیانی عقائد فاسدہ کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہو گیا۔چند غریب ایماندار مسلمانوں نے اس کے عقائد فاسدہ کے خلاف آواز بلند کی تو اس نے برملا یہ کہا کہ میری باتوں کا جواب دینے والا کوئی نہیں ہے۔اس وقت غریب مسلمانوں نے کہا کہ ہم تمہارے عقائد سے بیزار ہیں۔رہی جواب دینے کی بات!تو اسی علاقے میں امام علم وفن حضرت خواجہ صاحب جلوہ افروز ہیں۔وہ تو بہت عظیم شخصیت کے مالک ہیں،ان کے مدرسہ میں پڑھنے والا معمولی طالب علم بھی تمہاری دھجیاں اڑا سکتا ہے۔یہ سنتے

کے بعد وہ جھنجھلا کر کہنے لگا کہ چلو خواجہ صاحب کے پاس، ہم انہیں دیکھ لیں گے۔ اس کے بعد چند لوگوں کو ساتھ لے کر وہ قادیانی امام علم وفن کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ عربی، اردو، انگلش میں ایم، اے کے ساتھ پی، ایچ، ڈی بھی تھا، اس لئے اسے اپنی علمیت پر بڑا غرور تھا۔ پہلے اس نے اردو میں گفتگو شروع کی اور عربی وانگلش میں چند الفاظ بول کر دھونس جمانے کی کوشش کی: حضرت امام علم وفن نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس کی بکواس سنتے رہے، اس نے یہ بھی کہا کہ ہماری جماعت کے اوپر الزام ہے کہ ہم لوگ غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، اور انبیائے سابقین کی توہین کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سننے کے بعد امام علم وفن گویا ہوئے کہ آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور لمبی بحث سے حاصل کچھ نہ ہوا، آپ صرف یہ بتائیں کہ غلام احمد قادیانی کو اگر آپ نبی نہیں مانتے ہیں تو ان کے بارے میں آپکا نظریہ کیا ہے؟ فوراً قادیانی نے کہا! ہم انہیں مبعوث من اللہ کہتے ہیں اسلئے کہ وہ مجدد تھے اور مجدد مبعوث من اللہ ہوتا ہے، یہ سننے کے بعد حضرت امام علم وفن نے مبعوث من اللہ کہنے پر یہ فکری تنقید فرمائی کہ مجدد یا مبعوث من اللہ جسے آپ کہتے ہیں ان کے اندر تو وہ چیزیں نہیں ہیں جو ایک مجدد کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ مجدد وہی ہوگا جو مومن کامل ہو اور آپ جسے مبعوث من اللہ یا مجدد کہہ رہے ہیں وہ تو مومن ہی نہیں ہے، پھر غلام احمد قادیانی کی چند کفری عبارتوں کو پیش کر کے یہ ثابت فرمایا کہ غلام احمد قادیانی کافرو مرتد ہے اور جو کافر ہوگا وہ ابلیس کا ایجنٹ تو ہوسکتا ہے مبعوث من اللہ یا مجدد تو بڑی بات مومن بھی نہیں ہوسکتا۔

(۲) ماضی قریب میں کسی ذہین وفطین خطیب نے اپنے خطابت میں ایک بے بنیاد واقعہ کو بیان کر کے داد وتحسین حاصل کی۔ اس کی خطابت سے متاثر ہو کر چند قلمکاروں نے اس واقعہ کو رنگ وروغن لگا کر تحریر کر دیا۔ اب کسی کے اندر اس واقعہ کے خلاف انگشت نمائی کی جرأت نہ تھی۔ وہ فرضی واقعہ یہ ہے:

پاکستان کے جنرل ایوب کے زمانہ میں ہلال کمیٹی بنی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ شرعی شہادت کے ساتھ چاند کا اعلان کرے اور جنرل ایوب خان نے یہ حکم بھی دے دیا کہ ۲۹ تاریخ کو علمائے کرام کی ایک جماعت جہاز پر سوار ہو کر بادل کی تہوں سے اوپر جا کر چاند دیکھے اور ان کے بیان کے مطابق پورا ملک عمل کرے۔ اگر چاند بادل کے تہوں کے اوپر جا کر نظر آ جائے تو پورا ملک ان کے اعلان کے مطابق عید کر لے۔ علمائے کرام کی ایک جماعت نے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے استفتا کیا کہ کیا جہاز پر سوار ہو کر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر آ جائے تو عید کرنا جائز ہے؟ اس کے جواب میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ شرعاً سطح زمین پر چاند دیکھنا معتبر ہے اور جہاز پر سوار ہو کر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر بھی آ جائے تو یہ شرعاً معتبر نہیں اس لئے کہ بادلوں کی تہوں سے اوپر جا کر ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند نظر آ سکتا ہے۔ اس فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ اگلے ماہ ۲۸ تاریخ کو ہوائی جہاز پر سوار ہو کر لوگوں نے چاند دیکھ لیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر جنرل ایوب نے ہلال کمیٹی کو تحلیل کر دیا۔

اس فرضی واقعہ کو مقررین والہانہ طور پر بیان کرتے رہتے جبکہ اہل علم طبقہ اس واقعہ سے مطمئن نہ تھا۔ بعض لوگوں نے شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی سے سوال کیا کہ کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ شارح بخاری نے جواب دینے کی بجائے ماہر

علوم عقلیہ ونقلیہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کو حکم دیا کہ آپ اس واقعہ کی علمی وفنی طور پر تحقیق کر کے کسی معتبر رسالہ میں مضمون کی شکل میں شائع کرادیں۔ حسب حکم امام علم وفن نے اولاً فرضی فتویٰ کی زبان وبیان پر تنقید کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ سرکار مفتی اعظم ہند کے اسلوب تحریر کے خلاف ہے لہذا! قابل قبول نہیں۔ ثانیاً زیجات کے توسط سے یہ ثابت کیا کہ ۲۸ تاریخ کو چاند نظر آنا محال عادی ہے۔ ثالثاً ایوب خاں کے زمانہ میں فتویٰ سرکار مفتی اعظم ہند نے نہیں دیا تھا اگر دیا ہوتا تو نقل فتویٰ کے رجسٹر میں مندرج ہوتا۔ جہاں تک اخبار ورسائل کا ذکر لوگوں نے کیا ہے وہ غلط ہے ایسا کسی جگہ اس دور کے اخبار ورسالہ میں مندرج نہیں۔

امام علم وفن کا یہ مضمون شائع ہوتے ہی بعض حلقوں میں کہرام مچ گیا اور امام علم وفن کے خلاف مضامین چھپنے لگے۔ یہ بڑا المیہ رہا کہ چند لوگ اس لئے مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے تا کہ امام علم وفن کی شخصیت داغدار ہو جائے اور سنگین الزام یہ لگایا کہ امام علم وفن سرکار مفتی اعظم کے باغی ہوگئے ہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں امام علم وفن کا رنجیدہ ہونا فطری ہے مگر اول فول بکنے کی بجائے نہایت سنجیدگی سے الزام عائد کرنے والوں کی تحریروں کا فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لیا اور فرمایا۔

"مخالفین سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی طرف منسوب فتویٰ کی اصل سامنے لائیں پھر پاکستانی رویت ہلال کا افسانہ کم از کم اخباروں کے عکوس ہی دکھائیں پھر آگے بات بڑھائیں یہ نہیں کر سکتے اور ہر گز نہیں کر سکتے تو سرکار مفتی اعظم کی علمی وجاہت وثقاہت کو مجروح کرنے سے خدارا باز آجائیں ورنہ عند التحقیق ظالم وباغی آپ ہونگے بندۂ ناچیز نہیں۔ (ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۱۹۹۹ء)

حضرت امام علم وفن کے مضمون کی مخالفت میں قلم اُٹھانے والے ان کے ایک دیرینہ دوست بھی تھے۔ مگر مخالفت کے لئے دلیل چاہئے تھی۔ موصوف کو ۲۸،۲۷ تاریخ کی رویت کے امکان کے لئے کوئی دلیل دستیاب نہ ہوئی تو فرمادیا کہ یہ مفتی اعظم کی عظیم کرامت ہے اور کرامت کا انکار مذہب معتزلہ ہے۔ اس پر امام علم وفن نے جو فکری تنقید کی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ ابتدائی کلمات ملاحظہ فرمائیں۔

"اس واقعہ کو مفتی اعظم ہند کی کرامت میں شمار کرنے کا مشورہ دینے میں ...... صاحب کی خفیہ زہر کی جھلک صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے اگر ایسا ہو جائے تو مستقبل میں لوگوں کو مفتی اعظم اور ان کے مریدین کی تضحیک کا موقع ہاتھ آجائے گا اور محفلوں میں بیٹھ کر تبصرہ کریں گے کہ بریلی شریف کے مفتی اعظم نے پاکستانیوں کو یہ فتویٰ دیا کہ ہوائی جہاز سے ۲۸،۲۷ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے؛ اور یہ فتویٰ کسی طرح بھی علم وفن کے معیار پر نہ اتر سکا تو ان کے مریدوں نے جان چھڑانے کے لئے اس قصہ کو مفتی اعظم کی کرامت کے خانہ میں ڈال دیا۔ ان کے جاہل مریدوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جس طرح ۲۸ دن کا اسلامی مہینہ ہونا محال شرعی ہے اسی طرح ۲۸ تاریخ کو ہلال نظر آنا بھی محال شرعی ہے۔ اور محال شرعی سے کرامت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صاحب کی اس قسم کی زیرکی سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفتی اعظم کے تعلق سے ان ہی کی عقیدت مشتبہ

ہے ورنہ وہ ایسی لایعنی باتیں کیوں کرتے۔کرامت کا انکار تو مذہب معتزلہ ہے۔صاحب کو چاہئے کہ یہ واضح کردیں کہ محال شرعی کو کرامت کے طور پر تسلیم کرنا کس کا مذہب وعقیدہ ہے؟۔

(۱) ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھنا محال شرعی ہے اور محال شرعی کے وجود کا حکم فتویٰ میں دینا صحیح نہیں ہے بلکہ سراسر باطل ہے جبکہ بیان فتویٰ میں موجود ہے کہ بلندی پر جانے کے بعد ۲۸/۲۹ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے۔

(۲) ۲۸ تاریخ کو شرعا واز روئے ہیئت وزیج کے ساتھ عادتا بھی چاند دیکھنا محال ہے اور محال عادی کے بارے میں مسلم الثبوت میں مذکور ہے کہ جو عادتا محال ہے وہ شرعا محال ہے۔

(۳) ۲۸ تاریخ کو رویت از قبیل خرق عادت ہو تو پھر فتویٰ نہیں اور از قبیل خرق عادت نہیں تو کرامت نہیں، لہذا اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا درست نہیں۔

الغرض اس فتویٰ کو فتویٰ ماننا یا اس کو باب کرامت سے شمار کرنا دونوں باتیں یہاں نہیں ہو پاتیں۔اگر بارِ خاطر نہ ہو تو صاحب سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ آپ نے مجھے ایسے فتویٰ کے بارے میں باب کرامت سے ماننے کی نصیحت کی ہے جس کا ثبوت اب تک نہ ہو سکا (ماہنامہ پیام مظہر حق بدایوں مارچ ۲۰۰۲ء)

خلاصہ کلام یہ کہ پاکستانی رویت ہلال کا افسانہ حضرت امام علم وفن نے چند مضامین کے ذریعہ کالعدم قرار دیا، تمام تر مخالفت کے باوجود اپنے موقف پر اٹل رہے اور اس افسانہ کو باطل قرار دیتے رہے۔

بفضلہ تعالیٰ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ نے آپ کی تائید وتصویب فرمائی۔نتیجتاً آج معمولی درجہ کا خطیب بھی اس افسانہ کو دوہرانے کی جرأت نہیں کرتا۔

(۳) ویڈیو اور ٹیلی ویژن میں چھپنے والی تصویروں کی حقیقت وماہیئت کے سلسلہ میں لوگ مختلف الخیال رہے۔ان حالات میں امام علم وفن کی طرف عوام وخواص متوجہ ہوئے تو آپ نے لوگوں کی گذارشات کو قبول فرما کر برجستہ تحقیقات کی روشنی میں حقائق کا اظہار کرنے کے لئے قلم اٹھایا اور یہ ثابت فرمایا کہ ویڈیو اور ٹیلی ویژن میں نظر آنے والی صورتیں تصویر ہیں۔فرماتے ہیں:

''تصویریں یوں تو بہت طرح کی ہوتی ہیں اور بہت جگہ بنتی ہیں لیکن علم مناظر میں بتایا گیا ہے کہ تصویریں دو طرح کی ہوتی ہیں۔اگر تصویر کسی پردہ پر بنے تو اصلی ورنہ فرضی۔اس کی مختصر توضیح یہ ہے کہ: تکنیکی یا دستکاری کے عمل سے پیدا ہونے والی ایسی شبیہ جو کسی چیز کی حکایت صوری کرتی ہے تصویر کہلاتی ہے (اور اگر آنے والی شعاعوں کے احتجاب سے کوئی سایہ بنتا ہے اسے پرچھائیں کہتے ہیں) تصویر اگر قلم، برش، یا کسی دیگر آلہ کے ذریعہ رنگ ولون کے تال میل سے یا چند خراشوں کی مدد سے تھوڑی تھوڑی کر کے عالم وجود میں آئے تو ترسیمی اور اگر نور وضیاء کی کرنوں کے امتزاج سے یا کسی ذی

تصویر مادہ کے اتصال سے بیک وقت ظہور پذیر ہوتو ارتسامی عکسی اور ذی تصویر مادہ کے اتصال سے بننے والی تصویر ارتسامی انطباعی کہلاتی ہے۔ عکسی تصویر اگر کسی چیز کی سطح پر بنے تو حقیقی ورنہ فرضی ہے۔ فرضی تصویروں کے علاوہ تمام اصلی ہیں۔اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھی جاسکتی ہے۔

(۱) قلم وبرش، پینٹنگ، فوارہ کے ذریعہ قرطاس ودیوار پر بنی تصویریں یا کسی چیز سے کندہ کی ہوئی۔اسی طرح فن پارچہ بیزی یا کڑھائی سے اتاری ہوئی تصویریں ترسیمی ہیں

(۲) مہر، ٹھپہ یا پریس کے ذریعہ بنی تصویریں ارتسامی انطباعی ہیں۔

(۳) فلمی ریل یا بذریعہ کیمرہ اتاری ہوئی تصوریں ارتسامی عکسی ہیں۔اسی طرح پردۂ فلم، ٹیلی ویژن یا ویڈیو کی اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں بھی ارتسامی عکسی ہیں۔ تصویر کی مذکورہ بالا قسمیں اعلی تصویریں ہیں'' ماہنامہ فیض الرسول مئی ۱۹۸۵ء

(۳) مذکورہ بالا تحقیق انیق کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ویڈیو اور ٹیلی ویژن میں نظر آنے والی صورت بلاشبہ تصویر ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ عکس کا سہارا لے کر ٹیلی ویژن کے پروگرام کو جائز قرار دینے والے رجوع کر لیتے مگر انہوں نے بہت سارے شوشوں کو پیش کر کے ویڈیو اور ٹیلی ویژن کے فروغ کی راہوں کو ہموار کیا اور امام علم وفن کی توہین وتذلیل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ایسے وقت میں امام علم وفن نے 'ٹی وی کی تحقیق' نامی کتاب تصنیف فرمائی، جس کے بعد اہل علم طبقہ نے سکوت اختیار کیا اور علم وفن سے عاری افراد نے چہ مہ گوئیوں کا سلسلہ شروع کیا تو حضرت امام علم وفن ک ایک شاگرد نے اپنے استاذ کی تحقیقات کو مدنظر رکھتے ہوئے' محاسبہ' نامی کتاب تصنیف فرما کر ہمیشہ کے لئے مخالفین کو خاموشی پر مجبور کردیا۔

(۴) سائنس وٹیکنالوجی کے زمانہ میں نت نئے ایجادات سامنے آرہے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد سے بہت ساری سہولتیں حاصل ہوئیں۔اب رہا یہ سوال کہ اس کی آواز اصلی ہے یا نقلی ؟ اس سلسلہ میں سائنس دانوں کا بھی اختلاف رہا ہے اور اس اختلاف کی بنیاد پر علما بھی مختلف الخیال رہے۔اس اختلاف سے یہ نقصان ہوا کہ بعض مفتیان کرام لاؤڈ اسپیکر سے نماز کے جواز کے قائل رہے اور اکثر مفتیان کرام نے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔کافی دنوں تک سناٹا رہا۔پھر مجلس شرعی میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا چونکہ مجلس شرعی کے اہم ارکان میں امام علم وفن بھی رہے، لہذا لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی ہے یا نقلی ؟ اس پر آپ نے علم الاصوات اور آلات جدیدہ کی روشنی میں ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں ثابت کیا کہ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز اصلی نہیں ہے۔اس مقالہ پر ایک صاحب تحقیق نے نقد ونظر کیا، جس کے جواب میں امام علم وفن نے اپنی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تنقیدی جائزہ لیا ۔واقعہ یہ ہے کہ امام علم وفن کی تحقیق انیق بھی لاجواب ہے۔اور نقد ونظر کا جواب بھی لاجواب ہے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

''لاؤڈ اسپیکر کے سلسلے میں ہمارے سابقہ مقالے کے تین حصے ہیں اول آواز کی حقیقت اور اس کی

اشاعت۔ دوم لاؤڈ اسپیکر کی ساخت اور اس کا عملی کردار۔ سوم برقیات کے ذریعہ اس کے عملی کردار کی تائید۔ ساتھ ہی فقہیات کی روشنی میں غوث العالم کے نظریہ کی توثیق۔ پہلا حصہ گاڑے اور چونے کا کام دیتا ہے تو دوسرا حصہ ایک مضبوط محل ہے اور تیسرا حصہ اس کے اردگرد ایک ٹھوس سد سکندری۔ تنقید نگار اس پرشکوہ محل کے انہدام کے جذبے میں اس قدر سرمست ہو گیا کہ اسے یہ بھی پہچان نہ رہی کہ ناکام یا کامیاب ضرب کاری کی کوشش محل کی دیوار پر کی جا رہی ہے یا اس کے اردگرد پھیلی ہوئی حفاظتی فصیل پر۔ ہماری اس پرشکوہ عمارت کی بنیاد تنقید نگار نے تین چیزوں کو قرار دیا ہے۔

(۱) آواز کا مائک کے ڈائیفرام پر ختم ہو جانا۔

(۲) آواز کیلئے طول وعرض میں پھیلا ہوا لچک دار جسم کا ہونا۔

(۳) بجلی کا جسم نہ ہونا۔

ساتھ ہی تنقید نگار کو ہر ایک امر میں کچھ خدشات ہیں۔ ہر سمجھدار آدمی پر یہ عیاں ہے، اس میں سے دو باتیں یعنی اول و دوم کو لاؤڈ اسپیکر کی ساخت اور اصول ایجاد بتاتا ہے کہ آواز ڈائے فرام میں کم وبیش مختلف درجے کا دباؤ پیدا کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتی ہے اور آگے دوسرے اجزائے ترکیبی یا دوسرے امور کارفرما ہیں۔ اسی طرح اگر مقناطیسی دھات کے بعد لچکدار جسم نہ ہو تو ہوا میں ارتعاش ہی نہ ہو سکے گا، تو آواز کہاں سے بنے گی؟۔

رہا بجلی کا جسم نہ ہونا! تو اس تعمیر شدہ محل کی یہ بنیاد ہی نہیں۔ تنقید نگار کو کم از کم یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اگر ہارن سے نکلنے والی آواز وہاں پیدا نہ ہوتی بلکہ بجلی کے توسط سے مائک پر ڈالی ہوئی آواز ہوتی، تو موٹر کار اور دیگر سواریوں کے ہارن سے آواز کیسے پیدا ہو جاتی؟ جبکہ ڈرائیور نہ سیٹی بجاتا ہے نہ بگل بجاتا ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے بٹن پر دباؤ ڈالتا ہے، تو وہ آواز جو ہارن سے مسموع ہوتی ہے وہ کہاں سے پیدا ہوئی؟ اگر ہاتھ کے دباؤ سے ہارن سے آواز بن سکتی ہے تو آواز کے دباؤ سے آواز کیوں نہیں بن سکتی ہے؟۔ تنقید نگاروں کو یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہئے تھا کہ مترجم لاؤڈ اسپیکر (TRASLATER,SPEKER) میں آواز کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟ اگر بجلی کے توسط سے بعینہ وہی آوازِ متکلم ہارن تک پہونچتی ہے تو لفظ پانی کے بجائے واٹر کیسے مسموع ہوتا ہے؟۔ عجب فلسفہ ہے کہ بعینہ آواز بھی ہے اور متغائر آواز بھی۔ کم از کم اس فلسفہ کا سمجھانا تنقید نگار کا فرض تھا۔ تنقید نگار کا خیال ہے کہ بجلی سے ہو کر اصلی آواز ہارن کے راستہ سے نکلتی ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنقید نگار علم الاصوات اور بجلی کے مطالعہ سے ناواقف ہے۔ اس لئے کہ خصائص صوت میں یہ ہے کہ آواز کی

لہریں طول میں دوسمتی موج ہوتی ہے اس لئے کہ موج کی اولاً دو قسمیں ہیں ایک ،ایک سمتی موج۔دوسرا دو سمتی موج۔اگر شئے کے اجزاء اپنے سکونی مقام کے دونوں سمتوں میں جھومنے لگیں تو وہ دو سمتی موج ہے۔اور اگر ایک سمت میں رواں ہوں تو ایک سمتی موج ہے جسے بہاؤ یا کرنٹ کہتے ہیں۔بجلی کی لہر کو اسی موج سے تعبیر کرتے ہیں۔دو سمتی موج بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔طولی موج ،عرضی موج ،اگر اجزا کی لہروں کی حرکت کی مساحت اپنی سکونی حالت کے دونوں طرف جھومنے لگے تو طولی موج ہے اور اگر مساحت نہیں بلکہ زاویہ قائمہ بناتے ہوئے جھومے تو عرضی موج ہے۔

آواز کی موج طولی موج ہوتی ہے جو بجلی کی لہر کے بالکل مخالف ہوتی ہے۔تو بھلا بجلی کی لہروں سے آواز کی اشاعت کا سوال کیا؟ تنقید نگار کہتے ہیں کہ آواز کی اشاعت مخروطی شکل میں ہوتی ہے۔ریکارڈ میں آواز کے خطوط دائرہ نما ہوتے ہیں۔مخروطی شکل اور دائرہ میں کیا مناسبت ہے؟ تنقید نگار کو کم از کم یہ تو سوچنا ہی چاہئے تھا کہ اگر آواز کی اشاعت مخروطی شکل میں ہو تو اس کے راس کو مرکز مان کر قاعدہ کی دوری پہ دائرہ کھینچا جائے جیسا کہ اشاعت صوت میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دائرہ کی مساحت میں سے بقدر قطاع دائرہ شکل مخروطی واقع ہوگی۔باقی مساحت کا حصہ اس سے خالی ہوگا۔اس کا صاف وصریح مطلب یہ ہوا کہ جتنے لوگ منبع صوت کے اردگرد خواہ ایک فٹ ہی کی دوری پر کیوں نہ بیٹھے ہوں اگر ان کے کان قطاع دائرہ سے باہر خالی حصہ میں ہو تو وہ متکلم کی آواز سننے سے محروم رہیں گے ،اور وجو دو سو فٹ کی دوری پر ہو مگر قطاع دائرہ میں ہو تو وہ آواز بخوبی سن لیں۔ایسا فلسفہ محفل خاص میں تو چل سکتا ہے لیکن پڑھے لکھے لوگوں میں ایک مضحکہ خیز بات ہوگی"۔"ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف دسمبر ۱۹۸۷ء"

لاؤڈ اسپیکر کے تنقیدی جائزہ پر سرسری نظر کے چند اقتباسات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہر باہوش ،ذی علم کو اقرار کرنا ہوگا کہ امام علم وفن نے اہل سنت کے اکابر کی ایسی علمی ،فنی تائید کی ہے جسے پڑھنے کے بعد غزالی ورازی کی تحقیقات وتنقیدات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ہر وہ شخص جس کے اندر امام علم وفن کی تحقیقات وتنقیدات سمجھنے کی صلاحیت ہوگی وہ بلا جھجک لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو نقلی کہنے پر مجبور ہوگا۔فکری تنقید کی صلاحیت ہر شخص کے اندر ہوتی ہے نہ اسے سمجھنے کی صلاحیت۔یہ صلاحیت تو رب کائنات کے فضل وکرم سے اسی میں ہوتی ہے جو برملا حق کی آواز کو بلند کرتا ہے اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا باعث نجات سمجھتا ہے۔

☆☆☆☆

امام علم وفن ۔اور۔ٹی۔وی کی تحقیق

مولانا محمد حنیف خاں رضوی

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دام ظلہم کی ذات گرامی جماعت اہل سنت کی ان عبقری شخصیات میں ایک ہے، جن پر پوری ملت کو ناز ہے۔ان کی شخصیت ہمہ جہت ہے۔بالخصوص رضویات کے تعلق سے ان علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں جہاں تک عصر حاضر میں دوسروں کی رسائی مشکل ہے۔الا ماشاء اللہ۔

فی الوقت میرے سامنے ٹی۔وی کے تعلق سے زمانہ ماضی میں ہوئی ایک علمی وفنی معرکہ آرائی ہے، جس کے نتیجہ میں آپ نے ایک تحقیقی اور منفرد المثال کتاب تحریر فرمائی تھی، جو اپنے موضوع پر حرف آخر ثابت ہوئی۔آپ نے اس کتاب کا نام "ٹی۔وی کی تحقیق" رکھا تھا۔پوری کتاب دلائل سے مزین ہے۔موضوع یہ ہے کہ ٹی۔وی کی اسکرین پر نظر آنے والی صورتیں حقیقی تصویریں ہیں۔

دوسری طرف بعض محققین نے آئینہ میں نظر آنے والے عکوس پر قیاس کرتے ہوئے ان تصاویر کے حقیقی تصویر ہونے کا انکار کیا اور فرمایا کہ جس طرح آئینہ اور پانی میں عکوس نظر آتے ہیں اسی طرح ٹی۔وی اور ویڈیو کی اسکرین پر بھی عکوس ہی نظر آتے ہیں، تصاویر نہیں۔

امام علم وفن نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اپنی تصنیف میں جن محکم دلائل کا سہارا لیا ہے وہ کثیر تعداد میں کتاب کے صفحات پر رقم ہیں۔راقم الحروف نے یہاں قدرے تلخیص کے ساتھ پیش کرنے کا عزم کیا ہے۔چوں کہ کتاب فنی اصول وضوابط کی روشنی میں تحریر کی گئی ہے، اس لئے اس کے معانی ومطالب تک رسائی ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں، لہٰذا کتاب کے مباحث کی تلخیص کے ساتھ راقم کے پیش نظر کچھ تسہیل بھی ہے۔

کتاب کے مشمولات اپنے اندر دعوی کے اثبات کے لیے جہاں سیکڑوں دلائل وبراہین لیے ہوئے ہیں، وہیں ایک نہایت مستحکم دلیل سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی وہ عبارت بھی ہے جس نے مسئلہ مبحوث عنہا کے چہرہ سے نقاب الٹ دی ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ آئینہ میں نظر آنے والی صورتیں درحقیقت معدوم ہیں، خواجہ علم وفن نے اپنی تصنیف میں اس کو

پیش فرما کر گویا قائلین جواز کو ایک مسکت جواب دے دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کا فرمان ملاحظہ ہو: شفیف اجرام کا قاعدہ ہے کہ شعاعیں ان پر پڑ کر واپس ہوتی ہیں، ولہذا آئینہ میں اپنی اور پس پشت کی چیزوں کی صورت نظر آتی ہے کہ اس نے شعاع بصر کو واپس پلٹایا، واپسی میں نگاہ جس چیز پر پڑی نظر آئی۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ صورتیں آئینہ میں ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ ہیں، نگاہ نے پلٹنے میں انہیں دیکھ لیا ہے۔ لہذا آئینہ میں داہنی جانب بائیں معلوم ہوتی ہے اور بائیں داہنی۔ ولہذا شی آئینہ سے جتنی دور ہو اسی قدر دور دکھائی دیتی ہے اگر چہ سوگز کا فاصلہ ہو۔ حالاں کہ آئینہ کا دَل جو بھر ہے۔ سبب وہی ہے کہ پلٹتی نگاہ اتنا ہی فاصلہ طے کر کے اس تک پہونچی ہے۔ (فتاوی رضویہ)

وحدۃ الوجود کے نازک مسئلہ کی تفہیم فرمانے کے لیے اعلیٰ حضرت نے مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ظلال و عکسوس، مرأت ملاحظہ ہیں، مرأت کا مرئی سے متحد ہونا کیا ضرور (پھر مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:) علم بالوجہ میں وجہ مرأت ملاحظہ ہوتی ہے حالاں کہ یہ ذوالوجہ سے متحد نہیں۔ (چوں کہ یہ مثال عقلی تھی اس لیے پھر ایک مثال حسی بیان فرمائی) ”بلاشبہ آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھتے ہو تو کیا اس میں کوئی صورت ہے؟“ نہیں بلکہ شعاع بصری آئینہ پر پڑ کر واپس آتی ہے، اور رجوع میں اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔ لہذا داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب داہنی معلوم ہوتی ہے۔ ”تو آئینہ تمہارا عین نہیں مگر دکھایا تمہیں کو“۔ (الملفوظ)

اس عبارت سے ثابت ہے کہ آئینہ کی تصویر فرضی ہے، اور حقیقۃً معدوم ہے کسی صانع کی صنعت کے تحت داخل نہیں۔ لہذا اس کو مقیس علیہ بنانا درست نہیں۔ کیوں کہ موجود کا قیاس معدوم پر اہل فن کے یہاں باطل ہے۔

مصنف مدظلہ العالی اس اساسی اور بنیادی گفتگو سے متعلق فرماتے ہیں:

تصویر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ترسیمی (۲) ارتسامی۔ پھر ارتسامی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) انطباعی (۲) عکسی۔ عکسی کی بھی دو قسمیں ہیں، (۱) حقیقی (۲) فرضی۔ اس طرح کل چار قسمیں حاصل ہوئیں جن میں آخری فر ضی ہے۔ بقیہ سب اصلی۔

تصویر ترسیمی۔ رنگ اور خراشوں کی مدد سے تدریجاً بنائی جانے والی۔ جیسے قلم یا برش وغیرہ کے ذریعہ کاغذ وغیر پر بنائی گئی تصویر۔

تصویر ارتسامی انطباعی۔ رنگ یا شعاعوں کے ذریعہ یک بارگی ظاہر ہونے والی تصویر ارتسامی ہے، یہ تصویری مادہ کے اتصال سے ہو تو انطباعی۔ جیسے، مہر، ٹھپہ اور پریس کے ذریعہ ظاہر ہونے والی تصویر۔

تصویر ارتسامی عکسی حقیقی۔ شعاعوں کی مدد سے بننے والی ارتسامی عکسی، اگر یہ کسی سطح پر بنے تو تصویر حقیقی ورنہ فرضی۔

اس سلسلہ میں ٹی وی کی تحقیق میں جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے وہ اس طرح ہے:

نور وضیا کی کرنوں کی مدد سے بننے والی تصویریں ارتسامی عکسی ہیں، فرضی تصویروں میں ایسا کوئی مادہ نہیں ہوتا۔ وہاں شعاعیں بھی علت مادیہ نہیں ہوتیں بلکہ شعاعیں سطح عاکس سے ٹکرا کر ایک مخصوص زاویہ بناتی ہوئی لوٹ آتی ہیں۔ پھر ان شعاعوں کے انعکاس سے جہاں جہاں خطوط منعکسہ پہونچتے ہیں، وہاں وہاں سے اس کی متوہم تصویر سطح عاکس سے نظر آتی ہے۔ یہ متوہم تصویریں جہاں نظر آتی ہیں وہاں شعاعوں کی تو رسائی ہی نہیں، رنگ ولون کی رسائی کیا ہوگی؟ اس لیے ان تصویروں کا کوئی مادہ نہیں ہوتا۔ نہ رنگ ولون، نہ خود شعاعیں۔

مثلاً آئینہ جب مہ وخورشید کے مقابل ہو تو چاند یا سورج کی تصویر آئینہ کے واسطہ سے بالترتیب دو لاکھ چالیس ہزار یا نو کروڑ میل کے فاصلہ پر گہرائی میں نظر آتی ہے۔

شعاعیں آئینہ پار ہو کر اور ثخن زمین سے گزر کر اتنی دوری پر ہرگز نہیں پہونچتیں تو وہاں خود ان شعاعوں سے تصویر کا بننا، اور شعاعوں کا ان کے لیے مادہ ہونا کہاں سے ہوگا؟ نہ ہی وہاں کوئی ایسا جسم ہے جس کا رنگ ولون ان تصویروں کے لیے مادہ بن سکے۔ ہاں ان شعاعوں کے انعکاس سے اس کی متوہم تصویریں محسوس ومبصر ہوتی ہیں اسی وجہ سے علم مناظر میں انہیں فرضی تصویریں کہتے ہیں۔ (ص ۳۸)

لہذا ٹی۔ وی کی تحقیق میں، ثابت کیا گیا ہے، اور علم مناظر ومرایا کہ اصول سے سمجھایا گیا ہے کہ درحقیقت تصویر وہی ہے جو کسی جسم کی سطح پر بنے۔ اور جو کسی سطح پر نہ بنے بلکہ شعاعوں کے سبب نظر آئے اور شعاعیں اس کا مادہ نہ ہوں تو وہ عکس ہے۔ البتہ اس کو فرضی اور مجازی تصویر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس پر نہ علی الاطلاق حلت کا حکم لگ سکتا ہے اور نہ حرمت کا۔

بلکہ یہاں تفصیل یہ ہے کہ فرضی تصویریں ایسے محکی عنہ کی حکایت کریں جس کا دیکھنا حرام ہے تو یہ تصویریں بھی حرام، جیسے آئینہ یا پانی میں غیر محرم عورت کی تصویر دیکھنا یا دوسرے غیر شرعی امور کے مناظر۔ اور اگر ایسی چیز کی حکایت کریں جن کا ان کے بغیر دیکھنا جائز تو یہ تصاویر بھی جائز، جیسے آئینہ وغیرہ میں اپنا چہرہ دیکھنا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آئینہ میں تو انسان کی صنعت کو دخل ہے، مگر اس کے عکوس انسان کے مصنوع نہیں، کیوں کہ معدوم ہیں، اور معدوم شئی سے کسی کی صنعت کا تعلق نہیں ہوتا۔

البتہ اصلی تصویریں ذی روح اور جاندار کی حیات کی عکاسی کریں تو ان کا بنانا، بنوانا، دیکھنا دکھانا وغیرہ سب ناجائز وحرام۔

ٹی، وی کی تصویروں کی کیفیت:

حقیقی تصویر مادہ سے بنتی ہے خواہ مادہ رنگ ہو یا شعاع، لہذا یہ دونوں تصویر کے لیے علت مادی ہیں۔ اور یہ تصویر حقیقی کسی جسم میں حلول پذیر ہوتی ہے، لہذا جسم اس کا محل بنتا ہے، چوں کہ تصاویر اعراض ہیں، خواہ وہ دیوار پر بنی تصویریں ہوں یا کاغذ پر، اور ان کے بارے میں متفق علیہ فیصلہ ہے، کہ یہ ذی روح کی ہوں تو حرام ہیں۔

جب یہ طے ہے کہ تصویر عرض ہوتی ہے، تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ یہ قار نہیں، اس لیے کہ جمہور متکلمین اور اصولیین کے نزدیک اعراض قار نہیں ہوتے۔ بلکہ تجدد امثال سے ان کی بقا ہوتی ہے۔ یعنی کسی بھی عرض کی بقا اس کے ہم مثل کا پے در پے آتے جاتے رہنا ہے۔ اور یہ آمد ورفت ایک سکنڈ کے دسویں حصہ کے وقفہ سے ہوتی ہے۔ لہذا دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ اپنی جگہ برقرار ہے، حالاں کہ در حقیقت قرار نہیں ہوتا۔ تو یہاں قرار حسی ہوتا ہے حقیقی نہیں۔ اور حرمت کے لیے حقیقی قار ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ حسی قرار کی بنیاد پر بھی حکم حرمت آئے گا، لہذا یہ تصاویر جو کاغذ و دیوار پر بنی ہوئی نظر آتی ہیں سب کی سب اسی قبیل سے ہیں۔ کہ ان میں قرار حسی ہے اور ہم ان کو اپنی نگاہوں سے ساکن و جامد دیکھتے ہیں مگر جن رنگوں کے تال میل سے وہ شکل و ہیئت نظر آتی ہے وہ سب خود بھی اعراض اور ان کے مجموعہ سے جو شکل ظاہر ہوتی ہے وہ بھی عرض، لہذا تجدد امثال کے جمہوری قول کے بنا پر غیر قار ،اس لیے عدم قرار کو علت جواز قرار دینا غیر معقول ہوا۔

جب واضح انداز میں یہ معلوم ہوگیا کہ تصویر عرض ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عرض کا محل سے انتقال محال، تو ثابت ہوا کہ تصویر متحرک نہیں ہوتی بلکہ ساکن بھی نہیں، کیوں کہ حرکت وسکون میں تقابل عدم وملکہ ہے، اور جب ملکہ کی صلاحیت نہیں تو پھر عدم کی بھی نہیں۔ لہذا حرکت وسکون کو مدار حلت وحرمت قرار دینا درست نہیں کیوں کہ معدوم شی کسی دوسری چیز کے لیے علت نہیں ہوتی۔

حقیقی اور فرضی تصویروں میں مابہ الامتیاز:

واضح رہے کہ حقیقی اور فرضی تصویریں دو متباین نوعین ہیں۔ اور مندرجہ ذیل چیزوں میں غور وفکر کے بعد دونوں کے مابین امتیاز قائم کرنا کوئی دشوار کام نہیں۔ مثلاً تصویر عکسی حقیقی: خواہ ارتسامی ہو، خواہ ترسیمی وانطباعی، یہ سب موجود ہوتی ہیں، معدوم نہیں۔ مگر تصویر فرضی، خیالی، وہمی، مجازی، یہ ناظر کے اعتبار سے ساکن، متحرک وغیرہ اوصاف سے متصف ہوتی ہے مگر معدوم۔

ٹی۔ وی کی تحقیق میں جو امتیازات ذکر ہوئے ان کی قدرے تلخیص ووضاحت یوں ہے:

(۱) حقیقی تصویریں 'وجود عرض وجود فی المحل، کے پیش نظر انضمامی ہیں اور محل میں حلول پذیر۔ مگر فرضی میں نہ انضمام اور نہ حلول فی المحل۔ کیوں کہ انضمام وحلول فرع ہیں موجود کی، اور فرضی کے لیے وجود سے کوئی حصہ نہیں۔

(۲) حقیقی تصویریں متحرک چیزوں کی مختلف پوز کی شکل میں ہوں تو متحرک نظر آئیں گی۔ جیسے چلتے پھرتے انسان وغیرہ کی تصاویر۔ اور ساکن چیزوں کی تصاویر بہر حال ساکن ہوں گی۔ جیسے مکان اور درخت وغیرہ کی تصاویر۔

(۳) حقیقی تصویر مختلف رنگوں کی بنائی جاسکتی ہے۔ مگر فرضی تصویر قدرتی کلر ہی میں دیکھی جاسکتی ہے مختلف کلر میں نہیں۔ کیوں کہ یہ اصل شئی کی عکاسی کرتی ہے اور عکس فی نفسہ مادہ سے مجرد اور خالی ہوتا ہے

(۴) حقیقی تصویر شعاعوں سے بنتی ہے، یعنی شعاعیں اس کا مادہ ہوتی ہیں۔ مگر فرضی تصویر کے لیے شعاعیں علت مادیہ نہیں بلکہ سبب محض ہیں۔

لہذا ان فرضی تصویروں میں اصل شئی منعکس ہوتی ہے علاحدہ سے مستقل طور پر شعاعوں کو کسی چیز کے دکھا نے میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(۵) حقیقی تصویر شعاعوں کے وقوع سے بنتی ہے۔ مگر فرضی تصویر فقط وقوع سے نہیں بلکہ انعکاس سے نمودار ہوتی ہے، یہی انعکاس اس کی اصل قریب ہے۔ چنانچہ انعکاسِ شی اور خود اس شی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

(۶) حقیقی تصویر سطح میں حلول پذیر ہوتی ہے اس لیے یہ سطح جسم سے بڑی نہیں بن سکتی۔ مگر فرضی تصویر حلول پذیر نہیں، اس لیے یہ سطح کے طول وعرض کی پابند نہیں بلکہ سطح سے بڑی بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔

(۷) حقیقی تصویر چوں کہ سطح میں حال ہے اس لیے اس کا مقام بھی معین ہے، لہذا یہ اپنی جگہ نہیں چھوڑتی۔ مگر فرضی تصویر کا آئینہ وغیرہ میں حلول نہیں، اس لیے اس کا مقام بھی معین نہیں، بلکہ ناظر کے اعتبار سے اس کا مقام بدلتا رہتا ہے۔ لہذا ہم اگر آئینہ یا پانی وغیرہ سے دس فٹ کے فاصلہ پر ہوں تو اس میں بھی اتنی ہی دور نظر آئیں گے، اور اگر سو فٹ کے فاصلہ پر ہوں تو بھی اتنی ہی دوری اس آئینہ وغیرہ میں نظر آئے گی۔

(۸) حقیقی تصویر جب خود کسی تصویر کی صورت نہ ہو بلکہ مجسم کی صورت ہو تو اس کا دکھائی دینے والا حصہ اور جو دکھائی نہیں دیتا وہ وضع کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ مگر فرضی تصویر میں ایسا نہیں، بلکہ جیسے جیسے وضع بدلے گی اس کے مبصر و غیر مبصر حصے بدلتے رہیں گے۔

(۹) حقیقی تصویر جس مستقر اور محل میں ہے اس محل کے منتقل ہونے سے تصویر بھی منتقل ہو سکتی ہے اگرچہ ذی تصویر کا انتقال مکانی نہ ہو۔ مگر فرضی تصویر چوں کہ کسی محل میں نہیں ہوتی، لہذا یہ صورت یہاں ممکن نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کسی ایسے کاغذ، ڈبے اور ساز و سامان کو جن پر تصویریں بنی ہوتی ہیں اگر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو وہ تصاویر بھی ان چیزوں کے ساتھ منتقل ہوتی رہیں گی چاہے وہ اجسام جن کی یہ تصویریں ہیں کسی بھی مقام پر ہوں حتی کے فنا ہو چکے ہوں جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ حقیقی تصاویر میں ذی صورت اشیا کا موجود و مقابل ہونا شرط نہیں جیسا کہ بالبداہت ثابت ہے اور دن رات کا مشاہدہ ہے۔

(۱۰) حقیقی تصویر کا فاصلہ منبع شعاع سے اتنا ہی ہوتا ہے جتنا فاصلہ منبع شعاع کا موقع شعاع سے ہوتا ہے۔ مگر فرضی تصویر میں اس کا دوگنا فاصلہ ہوتا ہے، یعنی شعاع کی عمودی صورت میں مسافت کا دوگنا۔ اور غیر عمودی صورت میں بننے والے زاویہ کے انفراج کا دوگنا۔

جیسے آپ نے کسی شخص یا مکان کی تصویر کیمرے کے ذریعہ کھینچی اور آپ اس شخص یا مکان سے دس گز کے فاصلے پر کھڑے تھے تو منبع شعاع کہ وہ شخص یا مکان ہے اس کا فاصلہ موقع شعاع یعنی کیمرے کے فیتے اور

ریل سے دس گز کا ہی ہوگا، یہ اس چیز کی تصویر کے لیے ہے جو آپ کے بالمقابل تھی اور اس شی کے اسی حصہ کے لیے جو بالکل سامنے تھا۔ مگر اس کے وہ حصہ جو دائیں بائیں اور ان کے ساتھ وہ تمام چیزیں جو ارد گرد کی اس پوز میں نمودار ہوں گی ان کی دوری زاویہ منفرجہ کے انفراج کے دوری کے مطابق بڑھتی جائے گی۔

ان تمام امتیازات کے پیش نظر جب فلم کے پردہ۔ اسی طرح ٹی۔ وی اور ویڈیو کے اسکرین پر نظر آنے والی تصویروں سے متعلق غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ تصویریں اصلی ہیں۔ آئینہ اور پانی میں نظر آنے والی تصویروں کی طرح فرضی اور وہمی نہیں۔ (ص/۴۱)

کیوں کہ ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر موجود۔ انضامی۔ محل میں حلول پذیر۔ متحرک چیزوں کی اگر مختلف پوز کی ہوں تو متحرک۔ اور ساکن چیزوں کی بہر حال ساکن۔ مختلف رنگوں کی رنگ برنگی اگر چہ اصل شی کا کوئی دوسرا رنگ ہو۔ شعاعوں کے مادہ اور ان کے وقوع سے ظہور پذیر، اور جس سطح سے ظاہر ہو اس کے برابر ہونا، یا چھوٹا ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تصاویر کی ایسی صفات ہیں جو ان کے حقیقی تصویر ہونے کا پتہ دے رہی ہیں، اس کے برخلاف آئینہ کی فرضی اور وہمی تصاویر میں ان صفات میں سے کسی ایک وصف کا بھی تحقق نہیں ہوتا بلکہ ان کے متضاد صفات پائے جاتے ہیں۔ پھر حقیقی تصویر کے ساتھ اس کا اتحاد کیوں کر ہوگا؟ اور جب نوع میں اتحاد نہیں تو قیاس شرعی وفقہی کے لیے کوئی راہ نہیں۔

واضح رہے کہ یہ حقیقت واقعہ ہے کہ ویڈیو اور ٹی۔ وی میں تصویر دیکھنا دکھانا ہی مقصود ہوتا ہے۔ نیز قائلین جواز بھی ٹی۔ وی میں ریز مانتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ انھی ریز کو "ٹی۔ وی" صورت میں بدل کر اپنی اسکرین سے ظاہر کرتا ہے۔

آئینہ اور ٹی۔ وی کی تصاویر کے نمایاں فرق:

پہلا فرق: آئینہ میں نظر آنے والی صورت، انعکاس شعاع کا نتیجہ ہے۔ اس کی وضاحت یوں بھی ہو سکتی ہے کہ آئینہ سے کوئی چیز جتنی دور ہوگی اتنی ہی دوری پر آئینہ کی دوسری سمت میں عکس نظر آئے گا۔ آپ خود دو گز دور ہوں یا دس گز، آئینہ میں بھی اتنی ہی دوری پر عکس دکھائی دے گا۔ اور اگر اس سے زیادہ دوری ہے تو اسی اعتبار سے۔ مثلاً آدھی رات کے وقت جب بدر کامل آسمان کے بیچ آئے اور اس کو آئینہ میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جتنی دور ہم چاند کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں آئینہ میں بھی اتنی ہی دور دکھائی دے گا۔ حالاں کہ آئینہ صرف ایک یا دو سوت موٹا ہے۔

کیا یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں چاند کی واقعی تصویر ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر یہ فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے، تو آئینہ میں اتنی دوری پر نظر آنا اس کو اتنا ہی موٹا ماننا لازم کرتا ہے۔ جو بداہتہ باطل ہے۔

دوسرا فرق: ٹی وی کی اسکرین پر تصویریں بنتی ہیں اور ہم انہیں دیکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ شعاعیں اسکرین سے

منعکس ہو کر ٹی۔وی اسٹیشن کی اصل شی کو دیکھ لیتی ہیں۔

اسی طرح اور بھی بہت سے فرق ہیں جن کو کتاب میں امام علم وفن نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے، مثلا ایک مقام پر ہے:

آئینہ مراۃ ملاحظہ ہے۔اسکرین محل مشاہدہ ہے۔

آئینہ میں مرئی اصل شی ہے۔اسکرین میں مرئی بننے والی تصویریں ہیں۔

آئینہ میں مرئی چیزوں کی حرکت اصلی چیز کی حرکت ہے۔اسکرین میں تصویروں کی حرکت تجدد امثال سے ہے۔

آئینہ میں تصویر سمجھنا محض گمان ہے۔اسکرین میں واقعہ ہے۔

لہذا آئینہ کی تصویر فرضی اور اسکرین کی اصلی وحقیقی۔

اسی حقیقت کے پیش نظر ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس فا سد ہے۔

اہل فن کسی چیز کے بارے میں اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے اس شی سے متعلق چند احتمالات بیان کرتے ہیں اور پھر ان میں سے ایک کے علاوہ سب کو باطل قرار دے کر اپنا دعویٰ ثابت کر دیتے ہیں۔ محققین کا یہ طریقہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔امام علم وفن نے بھی اپنی اس تصنیف میں یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

ایک مقام پر ہے:

ٹی،وی میں دیکھی جانے والی چیز تین حال سے خالی نہیں۔

(۱) اصل شی دیکھی جاتی ہے یہ باطل ہے کہ شی معدوم ہو جائے جب بھی وہی منظر موجود ہوتا ہے۔

(۲) کیسٹ میں بنی ہوئی تصویر دیکھی جاتی ہے۔یہ دو وجہ سے باطل ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ کیسٹ میں قائلین جواز تصویر ہی نہیں مانتے، پھر دیکھنے کا کیا سوال۔

دوسری وجہ یہ کہ تصویر ہے تو پھر اسکرین پر دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے پردۂ فلم پر تصویر دیکھنا ہوا۔لہذا دونوں ناجائز۔

(۳) اسکرین پر بننے والی تصویر دیکھتے ہیں۔یہی تو مدعا تھا۔ **فثبت المطلوب**

دوسری جگہ ہے:

اس سے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ٹی۔وی کی تصویروں کے اسکرین سے تعلق میں عقلاً کئی احتمالات ہیں:
(۱) تصویریں اسکرین کا عین ہوں۔(۲) تصویریں اسکرین کا جز ہوں۔(۳) تصویریں اسکرین سے امور منفصلہ ہوں۔(۴) تصویریں اسکرین سے امور انتزاعیہ ہوں۔(۵) تصویریں اسکرین پر امور منطبع ہوں۔
تصویروں کو اسکرین کا عین یا جز تو کوئی معمولی عقل وخرد کا آدمی بھی نہیں مان سکتا چہ جائے کہ حضرت مدنی میاں جیسے عالم وفاضل اور محقق۔

امور منفصلہ ماننے کی صورت میں قیام العرض بنفسہ لازم آئے گا جسے حضرت محقق بھی نادرست سمجھتے ہوں گے۔
چونکہ ظرف اتصاف میں تصویریں خود بھی موجود ہیں اس لیے امور انتزاعیہ ہونے کا بطلان اہل علم پر واضح ہے۔
تولامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ تصویریں اسکرین کے ساتھ قائم منضم ہیں اور حضرت محقق کے نزدیک قائم منضم ہونا لغۃً منطبع ہونے کو مستلزم ہے، تو یقیناً یہ تصویریں حقیقی تصویریں ہوئیں۔ (ص ۱۴۰)

ان دونوں اقتباسات سے پورے طور پر عیاں ہوگیا کہ ٹی۔وی کی اسکرین پر ظاہر ہونے والی تصویریں حقیقی ہیں، فرضی نہیں۔
واضح رہے کہ اصلی تصویر کے لیے وجود و تحقق ہی کافی ہے، ساکن وجامد اور پائے دار ہونا ضروری نہیں، کیوں کہ تصویر عرض ہے اور عرض کا وجود "**وجودها فی محالها**" سے ہوتا ہے "**بقائها فی محالها**" ضروری نہیں۔ جب کہ سکون وجمود کے ضروری ہونے سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنے محل کے ساتھ باقی اور پائے دار بھی ہو۔ حالانکہ یہ جمہور متکلمین اور اصولیین کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ کمامر

قائلین جواز ٹی وی میں عکوس کا ظہور مانتے ہوئے بھی وقوع شعاع کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، اور آئینوں میں انعکاس شعاع کا ثمرہ۔ اگر یہ تسلیم ہے کہ شعاعوں کا محل میں وقوع ہے تو یہ قیام انضامی اور وجود حلولی ہوگا۔ اور قیام انضامی قائلین کے نزدیک بھی انطباع ہے اگر چہ لغوی ہی سہی (صفحہ ۱۳۸)۔ لہذا ٹی وی کی اسکرین میں جو صورتیں ہیں وہ منطبع۔ اور یہی انطباع ان کے نزدیک تصویر بنتا ہے۔ تو یہ تصاویر حقیقی تصویریں ہیں عکس نہیں۔

حضرت مصنف مدظلہ العالی نے اپنے چند مقالوں، قائلین جواز کی عبارتوں اور چند سوالات کے جوابات کے بعد کتاب میں ایک ابتدائیہ تحریر فرمایا ہے جو کتاب لکھنے سے قبل کے احوال وکوائف پر مشتمل ہونے کے ساتھ جس میں تصویر اصلی وفرضی کی وضاحت بھی ہے اور اس چیز کا فیصلہ بھی کہ ان دونوں قسموں کے درمیان نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ علاحدہ سے کوئی تیسری صورت۔
اس کے بعد کتاب کے مباحث گیارہ مراصد پر مشتمل ہے۔

مرصد اول: اس مرصد میں ٹی۔وی کے عکوس اور آئینہ وغیرہ کے عکوس کے درمیان خط امتیاز قائم کرنے کے لیے کچھ ضروری چیزیں سامنے لائی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ قائلین جواز کی جن مفتیان کرام نے تصدیق کی تھی وہ محض نفس حکم کی تھی۔ یعنی اگر واقعی آئینہ اور ٹی۔وی کے عکوس یکساں ہیں تو جواز ہے۔ مگر جب ان حضرات پر یہ واضح ہوگیا کہ ٹی۔وی کے عکوس درحقیقت تصویر ہیں تو پھر دونوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا۔

مرصد دوم: اس میں یہ بتایا گیا کہ کوئی مسئلہ شرعی اگر کسی ایسے نظری مقدمہ پر موقوف ہو جس کی تحقیق وتنقیح کے بغیر اس مسئلہ کا بیان نہیں ہوسکتا تو لازم ہے کہ اس نظری مقدمہ کی متعلقہ فن سے تنقیح ووضاحت کر لی جائے۔ لہذا یہاں بہت سی مثالیں تحریر میں آئی ہیں، مثلاً ظہر کی نماز کا وقت معلوم کرنے کے لیے پہلے دائرۂ ہندیہ سے سایۂ زوال معلوم کرنا، پھر مثل اول ودوم کا

وقت طے کرنا ضروری ہوگا ورنہ نماز کا صحیح وقت دریافت کرنا مشکل۔اسی طرح بہت سے مسائل علم طب کے اصول پر موقوف ہیں بلکہ بہت سے مسائل میں ریاضی وہیئت وغیرہ علوم عقلیہ کا سہارا لینا بھی ناگزیر ہے۔

مرصد سوم:اس میں خواجہ علم وفن نے قائلین جواز کے ان دلائل کا جائزہ لیا جو کتب لغات کے حوالے سے تصویر وعکس کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے پیش کیے گئے تھے مگر لغت کی کتابوں کی عبارات کا حال یہ ہے کہ قائلین جواز نے جن کو اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کیا تھا وہ درحقیقت خلاف مقصد ہیں۔اور ان سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ ٹی۔وی کی تصاویر اصلی ہیں۔

مرصد چہارم:اس مرصد میں حضرت مصنف نے قائلین جواز کے ایک جدید موقف کی وضاحت کی ہے،وہ یہ ہے کہ قائلین جواز نے ٹی۔وی کی تصاویر اور آئینہ کے عکوس کو متحد فی النوع ماننے سے انکار کر دیا ہے۔تو ضروری ہوا کہ یہ متباین نوعین ہیں۔اس کے باوجود کہ قائلین جواز متحد النوع نہیں مانتے پھر بھی ان کی طرف سے یہ صراحت سامنے آگئی کہ ٹی۔وی کے عکوس وقوع شعاع کا نتیجہ ہیں اور آئینوں کے عکوس انعکاس شعاع کا ثمرہ۔(ص ۱۱۶)

لہٰذا اس سے دو متضاد چیزیں سامنے آئیں،یعنی جب دونوں کو عکوس کہا تو ظاہر ہے کہ یہ متحد بالنوع ہوئے۔اور جب اول کو وقوع شعاع کا نتیجہ قرار دیا تو پھر یہ عکس اپنے حقیقی معنی میں نہ رہ کر تصویر کے معنی میں ہوگا۔کیوں کہ وقوع شعاع کا مطلب قائم منضم ہونا ہے:جس کے پیش نظر وہ عکس محل مشاہدہ ہوگا۔اور یہ تصویر حقیقی کی شان ہے۔عکس اور تصویر فرضی کی نہیں۔

قیاس لغوی وشرعی کی بحث:

قائلین جواز ٹی۔وی کی تصاویر کو آئینوں کے عکوس پر قیاس کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح آئینہ کی شبیہ عکس ہے اسی طرح ٹی۔وی کی۔تو یہ قیاس لغوی ہوا۔یعنی لفظ عکس کا اطلاق درست ہوا مگر علت معدوم،پھر اس سے حکم شرعی کیوں کر ثابت ہوا۔اور علت حرکت وعدم قرار اور ناپائیداری کو مانا ہے،یہ اوصاف علت قرار دیئے جانے کے لائق نہیں،کیوں کہ نہ تو یہ اوصاف ملائم ومناسب ہیں اور نہ ہی ان کا علت جواز ہونا سلف سے ثابت ہے جب کہ علت قیاس کے لیے یہ ضروری چیزیں ہیں۔کما یجیء۔

پھر کبھی کہا:بذریعہ قیاس ٹی۔وی کی صورتوں کی حلت ثابت ہو رہی ہے۔یہ قیاس شرعی تو ہوا مگر ٹی۔وی کی تصویریں اصلی ہی رہیں عکوس نہ ہو سکیں۔اور جب یہ اصلی تصویریں ہیں تو یہ ان نصوص کے تحت داخل ہیں جن میں تصاویر کی حرمت وارد ہوئی ہے۔اب قیاس کرنا باطل ٹھہرا کہ یہ نص کے مقابل قیاس ہے۔

پھر مزید حیرت اس پر ہے کہ قیاس کے سلسلہ میں علت جامعہ بھی قائلین جواز کے نزدیک ایک نہیں۔کہیں حرکت یعنی ایک مکان سے دوسرے کی طرف انتقال اور عدم قرار کو بتایا۔اور کہیں ناپائیداری اور فنا کو۔پھر کبھی اس کی وضاحت میں عدم ترسیم وعدم ترقیم کہا اور کبھی عدم انطباع کا قول فرمایا:

حالاں کہ انطباع۔ بقا اور جمود وغیرہ کے معانی جدا جدا ہیں۔ خود قائلین جواز اس کی وضاحت اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔

مزید پر لطف بات یہ ہے کہ جب جمود و بقا اور ترقیم و انطباع کا معنی ایک۔ اور اسی طرح حرکت وفنا اور عدم ترقیم وعدم انطباع کا معنی واحد ہے۔ اور اس بنیاد پر ٹی۔ وی کی تصویریں فرضی اور عکوس ٹھہریں اور جائز ہوئیں۔ تو پھر فلمی پردوں کی تصویریں درحقیقت جامد وساکن ہو کر مرقوم ومنطبع ہوئیں اور حقیقی معنوں میں تصویر قرار پائیں۔ لہذا اب ان کی حرمت خود ان کے تصویر ہونے کی بنا پر ہوگی۔ پھر قائلین جواز کے اس قول کا کیا ہوگا کہ واضح لفظوں میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''پردۂ فلم پر حرام تصویروں کے عکوس ہوتے ہیں۔ لہذا ناجائز، مگر یہ خود تصویر نہیں ہوتے'' اس تضاد کے بارے میں کون بتائے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

واضح رہے کہ حلت وحرمت کے سلسلہ میں حرکت و جمود، فنا وبقا، عدم انطباع اور انطباع میں سے کوئی وصف علت قرار دیے جانے کے لائق نہیں، کیوں کہ مطلق حرکت علت جواز ہو تو تمام متحرک چیزیں جائز ہو جائیں اور تمام جامد چیزیں تصویر ہو کر حرام ٹھہریں۔ اسی طرح فنا پذیری علت جواز ہو تو عالم میں کوئی شی حرام نہ ہو کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ فنا پذیر۔ اور بقا کو قرار دیں تو تصویر کو تصویر ہی نہ کہا جائے کہ اس پر حرمت کا فتوی لگایا جا سکے۔ کیوں کہ تصویر عرض ہے جس کو درحقیقت بقا نہیں۔ اسی طرح اگر عدم انطباع اور انطباع کو علت قرار دیا جائے تو وہ تمام چیزیں جائز ہوں جو غیر منطبع ہیں۔ اور وہ تمام چیزیں تصویر ہو کر حرام ہو جائیں جو منطبع ہیں، لہذا غیر جاندار کی تصاویر حتی کہ کتابوں کی طباعت اور ان کا دیکھنا یہ سب کچھ حرام ٹھہرے۔

یہی حال عکس وتصویر کا ہے کہ قائلین جواز اس کے سلسلہ میں بھی کسی ایک موقف پر قائم نہیں۔

کبھی تو ٹی۔ وی پر نظر آنے والی صورتوں کو تصویر کہتے ہیں۔ اور کبھی عکوس۔ اور کبھی نہ تصویر نہ عکس۔ بہر حال ٹی۔ وی کی صورتیں غیر انعکاسی ہیں یا انعکاسی۔ یہ تصویریں ہیں یا عکوس۔ یا کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح قیاس سے حکم لغوی ثابت ہوا یا شرعی۔ یونہی علت مشترکہ حرکت وعدم قرار ہے، یا سکون و جمود۔ یا فنا وبقا۔ یا انطباع وعدم انطباع۔ قائلین جواز کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکے، کہیں کچھ اور کہیں کچھ بیان فرمایا۔

مرصد پنجم: قائلین جواز نے قیاس کے ذریعہ ثابت کیا تھا کہ جس طرح آئینوں کی صورتیں تصویر نہیں عکس ہیں اسی طرح ٹی۔ وی کی۔ تو یہ قیاس لغوی ہوا جس سے اطلاق لفظ یعنی عکس کا علم تو ہوا مگر اس قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوا۔ لہذا یہ قیاس باطل ہے کہ احکام شرعیہ کے باب میں قیاس شرعی چاہیے۔ قیاس لغوی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر علت مشترکہ حرکت وعدم قرار کو مان کر آئینہ کے عکوس کے جواز کی بنا پر ٹی۔ وی کے جواز کا حکم بھی ثابت ہو رہا ہے، تو پہلے اصل میں حرکت کے وجود کو ثابت کرنا تھا حالاں کہ آئینہ کے عکس میں سرے سے حرکت ہی نہیں کہ اس میں صورت ہی موجود نہیں۔ حرکت کہاں سے ہوگی۔ اس طرح بھی قیاس لغو اور باطل ٹھہرا۔

واضح رہے کہ ٹی۔ وی کی صورتیں قائلین جواز کے نزدیک تجدد امثال کے طور پر متحرک نہیں بلکہ مسلسل وقوع شعاع کے نتیجہ

میں حقیقۃً متحرک ہیں۔ تو بھی علت مشترکہ کا وجود نہیں کہ آئینہ میں صورت کی حرکت موہوم و معدوم اور ٹی۔وی میں محقق و موجود۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر آئینہ کی تصویر میں بھی حرکت واقعی ہے تو ایک اصولی بات یہ ہے کہ پہلے حرکت کے بارے میں یہ بتایا جائے کہ فلاں محل میں یہ جواز کے لیے موثر ہو چکی ہے۔ اسی طرح سکون بھی حرمت کے لیے اثر انداز ہو چکا ہے۔ اور ایسا کہیں ثبوت نہیں تو یہ علت بھی شرعی حکم کا مدار نہیں ہو سکتی۔ لہذا قیاس باطل۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل و فرع میں جو علت مشترک ہوتی ہے وہ دونوں میں یکساں طور پر موجود ہوتی ہے۔ ورنہ قیاس فاسد ہوگا۔ اس کے لیے مصنف نے متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔

قیاس کو رد کرنے اور اس کے فساد کو ظاہر کرنے کے لیے علمائے اصول ممانعہ، قلب، فساد وضع وغیرہ کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ ان کی قدرے وضاحت اس طرح ہے:

ممانعہ سے اس طرح رد کیا جائے کہ قیاس میں جس وصف کو علت بتایا جائے اس کے علت ہونے کو اس طرح رد کر دیا جائے کہ یہ وصف علت بننے لائق ہی نہیں۔ یہاں حرکت کا یہی حال ہے کہ یہ ہرگز علت جواز ہونے کے قابل نہیں۔

مناقضہ سے اس طرح کہ جس وصف کو علت جواز بتایا جائے اسی وصف کی حامل بعض دوسری چیزیں بالاتفاق حرام ہوں۔ جیسے یہاں حرکت کو جواز کی علت بتایا حالاں کہ جاپان کی متحرک نظر آنے والی کاغذی تصویریں بالاتفاق ناجائز ہیں۔

اسی طرح سکون کو حرمت کی علت قرار دینے پر بھی ممانعہ و مناقضہ قائم ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ سکون کا کہیں بھی علت موثر ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور کاغذ پر بنی غیر جاندار کی تصویریں حتی کہ قرآن وحدیث کے نقوش بھی ساکن ہیں اور یہ بالاتفاق جائز ہیں

قلب اور فساد وضع کے ذریعہ اس طرح کہ جو وصف حرمت کی علت بننے کے لائق ہو سکتا تھا۔ یعنی حرکت، اسے جواز کی علت قرار دے دیا۔ کیوں کہ متحرک تصویر غیر متحرک کی بہ نسبت حیات کی عکاسی زیادہ کرتی ہے۔ تو اللہ تعالی کی تخلیق سے مشابہت اس میں زیادہ ہوئی۔ اور تصویر کی حرمت میں مضاہات لخلق اللہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

غرض کہ قائلین جواز نے جن اوصاف کو علل قیاس بتایا تھا وہ علل موثرہ نہیں ہیں۔ درحقیقت امارات مجردہ ہیں۔

ٹی۔وی میں جو تصویر نظر آتی ہے وہ بلاشبہ موجود ہے۔ اسی طرح تصویر کا عرض ہونا بھی متفق علیہ ہے۔ اور عرض کا باقی رہنا دو طرح ہوتا ہے:

(۱) بنوعہ یعنی بطور تجدد امثال۔

(۲) بشخصہ: یعنی باعتبار استقامت۔

قائلین جواز تجدد امثال کے قائل ہی نہیں۔ تو استقامت کے قائل ہونا طے ہے اور فنا ہونا غیر متصور۔ نیز بقائے شخصی میں وجود محل کے ساتھ ہوگا اور انتقال محال۔ لہذا حرکت اصلیہ بھی محال۔

چنانچہ واضح ہو گیا کہ ٹی۔وی کی تصاویر میں سرے سے حرکت ہی نہیں۔ پھر اس کو علت قرار دینے کا کیا مطلب۔ ثابت

ہوا کہ ٹی۔وی کی تصاویر میں قرار ہے، اور قائلین جواز کے نزدیک قرار علت حرمت ہے۔تو ٹی۔وی کی تصاویر قائلین جواز کے نزدیک بھی حرام ہی ہیں۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ٹی۔وی کی تصویریں عرض ہیں، حقیقی طور پر موجود ومحسوس ہیں۔مگر آئینہ کی صورتیں حقیقی طور پر نہ عرض، اور نہ موجود ومحسوس، بلکہ واقعۃً غیر موجود وغیر محسوس ہیں۔البتہ وہمی طور پر ان کو موجود ومحسوس کہا جاسکتا ہے۔سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

لہٰذا اب نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں متوہم اور غیر محسوس پر ایک واقعی چیز اور موجود ومحسوس کا قیاس ہے جو قیاس سفسطی کہلاتا ہے۔ اور یہ وہمیات سے مرکب ہوتا ہے۔اور اس نتیجہ کا اصلی سبب یہ ہے کہ قائلین جواز کو اولیات سے وہمیات کا التباس ہوگیا ہے۔ اور یہ التباس بسا اوقات لوگوں کو اس لیے ہوجاتا ہے کہ وہمیات کو اولیات سے کافی مشابہت ہے، اگر عقل وشرع اس کو رد نہ کرتے اور ان کی طرف سے رہنمائی نہ ملتی تو قدم قدم پر اس طرح کے التباس پیدا ہوتے رہتے۔

مرصد ششم: قائلین جواز کے نزدیک تصویر کی چار صورتیں متحقق ہوتی ہیں:

(۱) تصویر متحرک بانعکاس شعاع جیسے آئینہ کی۔

(۲) تصویر متحرک بوقوع شعاع جیسے ٹی۔وی کی۔

(۳) درحقیقت جامد وساکن مگر دیکھنے میں متحرک جیسے پردۂ فلم کی۔

(۴) درحقیقت جامد وساکن اور دیکھنے میں بھی جامد وساکن۔جیسے دیوار و کاغذ کی۔

مگر آئینہ اور ٹی۔وی میں قائلین جواز کے نزدیک کونسی تصویر ہے، اصلیہ یا غیر اصلیہ ؟ حرکت اصلیہ تو مراد نہیں ہوسکتی۔ ورنہ عرض کا انتقال محل سے لازم آئے گا جو باطل ہے۔

اور حرکت غیر اصلیہ بھی باطل، کما مر۔مگر اس سے قطع نظر آئینہ اور ٹی۔وی کی تصاویر میں قائلین جواز کے نزدیک جب حرکت غیر اصلیہ ہے تو پردۂ فلم کی تصویروں میں بھی حرکت غیر اصلیہ ہی ہے۔پھر جواز وحرمت کا فرق کیوں کر ہوا۔اور پردۂ فلم کا آئینہ پر قیاس کس لیے روا نہیں قرار دیا گیا۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جب آئینہ، ٹی۔وی اور پردۂ فلم تینوں کی صورتیں درحقیقت جامد وساکن ہیں تو پھر اشباح منطبعہ ہوئیں، کہ قائلین جواز کے یہاں جمود سکون کا معنی انطباع ہے۔اور شبح منطبع ان کے یہاں بھی ناجائز، لہٰذا تینوں طرح کی صورتیں ناجائز۔یہاں ایک خاص پرلطف بات یہ سامنے آئی کہ آئینہ کی صورتیں بھی ناجائز ہوگئیں۔

واضح رہے کہ حرکت غیر اصلیہ میں حرکت فرضی ہوتی ہے اور سکون حقیقی، اگر ان میں سے کسی وصف کو تصویر کا مدار قرار دیا تھا تو وہ جمود سکون تھا جو حقیقی ہے۔مگر اس کو چھوڑ کر وصف فرضی کو اختیار کیا اور اس کو بنیاد بنا کر عکس کہہ دیا گیا۔

مرصد ہفتم: اس مرصد میں ٹی۔ وی کی ایجاد اور تھیوری سے متعلق اجمالی خاکہ اور واقعی صورت حال پیش کر کے یہ عبارت کیا گیا ہے کہ ٹی۔ وی کے ماہرین اور سائنس داں بھی اس کی اسکرین سے ظاہر ہونے والی صورتوں کو تصاویر ہی کہتے ہیں۔ مگر نہیں کہتے، نیز اس بات کی وضاحت ہے کہ عکس میں ضروری ہے کہ رائی جب تک مرأة کے سامنے ہے مرئی ہے، اس کے پیچھے ذی مرئی ہونا مفقود۔ قائلین جواز نے یہاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ترقی یافتہ دور میں اب یہ ضروری نہیں رہا۔ لہذا اس کو واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سراسر حقیقت حال کے خلاف اور غلط ہے۔ بلکہ آج بھی وہی قدیم صورت برقرار ہے۔ البتہ اگر ذی صورت مرأة کے سامنے نہیں تو پھر مرئی ذی صورت نہ ہوگا بلکہ خود اس کی تصویر ہی مرئی ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذی صورت اگر معدوم ہو جائے تو اس کا عکس نہیں دیکھا جا سکتا، کیوں کہ عکس ذی صورت کے تابع ہے، جب ذی صورت شی فنا ہوئی تو عکس بھی ختم ہو گیا۔ وجہ وہی ہے کہ عکس میں نہ شعاعیں صورت میں تبدیل ہوتی ہیں اور نہ وہاں کوئی صورت ہوتی ہے، پھر حرکت وعدم قرار کا کیا سوال۔ اس کے برخلاف ٹی۔ وی میں شعاعیں صورت میں بدل جاتی ہیں اور یہی صورت نظر آتی ہے۔ بہر حال ٹی۔ وی میں شعاعوں سے بننے والی تصویریں مسلسل لگا تار بنتی رہتی ہیں اور تجدد امثال کے طور پر متحرک نظر آتی ہیں۔ لہذا یہ سطح پر بننے والی تصویریں ہیں اور شعاعوں کی دھاریوں سے تصویریں اسکرین پر منطبع ہوتی ہیں۔

مرصد ہشتم: اس مرصد میں امام احمد رضا اور صدر الشریعہ۔ قدس سرہما۔ کی عبارات سے مزید وضاحت کی گئی ہے کہ آئینہ میں جو صورت نظر آتی ہے وہ تصویر ہوتی ہی نہیں، کہ وہاں کچھ بھی نہیں، نہ صورت ہے اور نہ تصویر۔ بلکہ ایک متوہم و متخیل صورت ہے۔ جس کا حقیقی وجود سے کوئی حصہ ہی نہیں۔ لہذا حرکت وسکون اور فنا وبقا کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس کے لیے بالذات حرمت کا حکم بھی نہیں کہ جو چیز موجود نہیں اس پر حرمت کا حکم کیوں کر ہوگا۔

مرصد نہم: اس مرصد میں جانبین کی ان تحریروں اور اعتراضات وجوابات کا تذکرہ ہے جو اس مسئلہ کے بحث ومباحثے کے ابتدائی زمانہ سے متعلق ہیں یعنی جب مباحثہ مقالوں کی شکل میں ہو رہا تھا۔ لہذا خواجہ علم وفن نے وہ تمام تفصیلات تحریر فرما کر مباحثہ ایک جھلک بھی دکھا دی ہے۔ اور پھر تفصیل سے ان اعتراضات کے جواب دیے ہیں جو قائلین جواز کی طرف سے وارد کیے گئے تھے۔

مرصد دہم: اس میں قائلین جواز کے کچھ ایسے ضابطوں کا رد وابطال ہے جن پر ٹی۔ وی کے جواز کی بنیاد تھی۔

مرصد یازدہم: قائلین جواز کی بہت سی تحریروں پر تبصرہ وتنقید ہے اور تشفی بخش جوابات بلکہ پوری بحث سے متعلق ہونے اس مقام پر اس لیے ذکر میں آئے ہیں تاکہ ہر اعتبار سے جواب مسکت ہو جائے۔

xxxxxxxxxxx

امام علم وفن اور اسلوب تحقیق

مولانا عبدالغفار اعظمی مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد مئو

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دامت برکاتہم العالیہ دور حاضر میں علماء اہل سنت وجماعت میں صف اول کے زبردست عالم دین کی حیثیت سے ممتاز ومتعارف ہیں، آپ علوم نقلیہ وعقلیہ دونوں کے جامع ہیں، کہنہ مشق استاذ، بے مثال محقق، علم ہیئت وہندسہ اور علم حساب وریاضی کی مختلف شاخوں میں یگانہ روزگار ہیں۔ یہ محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ آپ کی تحقیقات وتدقیقات کی روشنی میں آپ کہ یہ خوبیاں عیاں ہیں۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جیسے اور لوگوں نے مدارس میں جاکر علوم دینیہ حاصل کیے اور بہت سے علوم وفنون ان سے سیکھے ہیں؛ اور ان کے علاوہ بہت سے ایسے علوم بھی ہیں جن کو آپ نے محض اپنی ذاتی مطالعہ اور محنت سے حاصل کیا ہے۔ اور یہ کام سب کیلئے آسان نہیں تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

رب کائنات نے آپ کو خوب نوازا ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

بندہ ناچیز نے نہ تو کسی اسکول میں پڑھا اور نہ کسی کالج یا یونیورسیٹی جاکر ایسا علم حاصل کیا جسے آج لوگ عصری علوم کہتے ہیں۔ بلکہ فقط مدرسہ کی چہار دیواریوں میں رہ کر عربی، فارسی کی کتابوں سے ان علوم وفنون کا مطالعہ کیا جسے لوگ علوم قدیمہ اور فلسفۂ جدیدہ کہتے ہیں۔ اس کے باوجود جب یہ مسئلہ چھڑا کہ ۲۰۰۰ء کی ماہ فروری ۲۹ رکی ہوگی یا ۳۰ رکی۔ یا یہ بحث اٹھی کے بے کٹی پٹی ۱۷ اراونٹ کی تقسیم کے مفروضہ واقعہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا نہیں، یا جب سیدنا حضور مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب پاکستانی جعلی فتویٰ کو اچھالا گیا، یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۲۷ ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق کے نیچے جہاں چاند ہوتا ہے وہاں نگاہ تک پہنچنے کیلئے ناظر کو سطح ارض کی کتنی بلندی پر ہونا چاہیے، یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۱۰ ر تاریخ کو سورج گہن ہوسکتا ہے یا نہیں، یا جب ہوسٹن (امریکہ) کی سمت قبلہ علماء کے مابین موضوع بحث بنی، یا جب ہالینڈ اور بلیک برن (Bleak baran) کے تعلق سے یہ سوال اٹھا کہ

وہاں سال کی کن کن تاریخوں میں عشاء کا وقت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ تو ان ساری باتوں کا تسلی بخش مدلل صحیح صحیح جواب اس بندہ ناچیز نے ان ہی علوم سے دیئے جنہیں لوگ علوم قدیمہ کہتے ہیں،،

خواجہ صاحب ایک بیدار مغز شخصیت کا نام ہے۔انہوں نے جو علوم اپنے ذوق کی بنیاد پر اپنے ذاتی مطالعہ سے حاصل کئے ہیں جن میں ظاہراً کوئی ان کا استاذ نہیں ہے ان کی تفصیل ان ہی کی زبانی سنیئے۔

''یہ ہیچ مداں درسگاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث و مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستینیہ، عمل بالخطائین، علم الاصطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد وغیرہ وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا۔ان علوم وفنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں۔ص ۲

مختلف ماہناموں اور رسالوں میں آپ کی تحقیقی مقالات ومضامین شائع ہوتی رہتی ہے اور اہل ذوق ان کے مقالات دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔خواجہ صاحب جس باریک بنی اور تعمق نظر سے مسائل کا جائزہ لیتے ہیں یہ انہیں کا حصہ ہے۔فن ریاضی سے آپ کو خاصی دلچسپی ہے۔اس لئے آپ کے جتنے بھی مضامین دیکھنے کو ملی تقریباً ہر ایک میں فن ریاضی کی ضیا بارکرنیں اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آئیں۔

مثال کے طور پر امیر المومنین سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ایک مسئلہ کا انتساب جس میں یہ کہا گیا ہے کہ تین اشخاص ۱۷/ اونٹ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ ۱۷/ اونٹ ہمارے درمیان مشترک ہیں۔ایک کا حصہ نصف۔دوسرے کا ثلث۔اور تیسرے کا تسع۔ہے۔آپ انہیں ہمارے درمیان اس طرح تقسیم فرمادیں کہ ہر شریک کو اس کا مقررہ حصہ مل جائے اور اونٹ بھی سب سالم رہیں کسی کو ذبح نہ کیا جائے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اونٹوں میں اپنا ایک اونٹ ملا کر ان کی تعداد ۱۸/ کردی۔پھر ان کے درمیان اس طرح تقسیم فرمائیں کہ نصف والے کو ۹/ اونٹ ثلث والے کو ۶/ اور تسع والے کو ۲/ اونٹ دے دیئے یہ کل ۱۷/ اونٹ ہوگئے اور اپنا ایک اونٹ آپ نے لے لیا۔

یقیناً یہ ایسا مسئلہ ہے کہ سننے والا فوری طور پر متاثر ہوجاتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفطانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔لیکن جب یہی مسئلہ خواجہ کے سامنے آیا اور انہوں نے اس پر غائرانہ نظر ڈالی تو بول پڑے کہ یہ بالکل فرضی داستان ہے، حقیقت سے اس کا کچھ علاقہ نہیں۔اور پھر جو اس کی تحقیق فرمائی وہ پڑھنے کے لائق ہے۔خاص بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تحقیق پر مصر بھی نہیں۔نہایت سنجیدگی کے ساتھ تحقیق کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں:

''اگر علماء کی رائیں میرے موقف کی تائید میں ہیں فبہا ورنہ میں اس مضمون سے رجوع کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور اس مضمون کو منسوخ سمجھا جائے،، ص ا

خواجہ صاحب کا اسلوب تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں۔

''وہ مشترکہ مال جو چند لوگوں کی ملکیت میں ہو اس میں شرکت اور بٹوارے کے اعتبار سے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔(۱) شرح شرکت (۲) مقدار حصہ۔ مثلاً فرض کیجئے کہ مال ۱۸؍روپے ہیں۔ جس میں ایک آدمی ۱-۲ دوسرا ۱-۳ اور تیسرا ۱-۶ کا حق دار ہے۔ تو یہ نصف، ثلث اور سدس شرح شرکت کہلاتی ہے۔ بٹوارے کے بدع پہلے شخص کو ۹؍روپے دوسرے کو ۶؍روپے اور تیسرے کو ۳؍روپے دیئے جائیں گے، یہ مقدار حصص ہے۔ ازروئے حساب ضروری ہے کہ شرح شرکت کے اجزائے کسریہ کا مجموعہ ایک کے برابر ہو۔ اور جملہ حصص کا مجموعہ مشترکہ مال کے برابر ہو۔ اگر اول نہیں تو شرکت تام نہیں۔ اور اگر ثانی نہیں تو تقسیم صحیح نہیں۔'' ص۲

پھر اس کی مکمل وضاحت فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

''اس واقعہ سے متعلق میرا مدعا فقط یہ ہے کہ مبینہ شرح شرکت فی الحقیقت غلط ہے اور اس کی بنیاد پر اونٹوں کی تقسیم بھی غلط ہے۔ اس لئے فی الحقیقت ان وجوہات کی بنیاد پر یہ واقعہ غلط اور فرضی ہے۔'' ص۳

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

یقیناً کسی زیرک آدمی نے اس واقعہ کو گڑھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ہر حساب داں یہ جانتا ہے کہ یہ شرکت سرے سے ہی ممکن نہیں اس لئے شرکت کا قاعدہ ہے کہ شرکاء کے جملہ اجزاء باہم ملکر ایک کامل جز بن جائیں۔ یہاں ۱-۲ ۱-۳ ۱-۹ کا مجموعہ ۱۷-۱۸ ہوتا ہے اور کامل ہونے میں ۱-۱۸ کی کمی رہ جاتی ہے۔ اس لئے جب تک ایک آدمی ۱-۱۸ کا حصہ دار نہیں پیدا ہوتا شرکت ممکن نہیں اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایسی شرکت تسلیم فرماتے اور نہ ایسا فیصلہ فرماتے۔'' ص۴

غور فرمائیں کتنی باریک بینی کے ساتھ خواجہ صاحب نے اس فرضی قصے کا جائزہ لیا ہے اور ہر پہلو پر کامل غور وخوض کر کے اس کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ یہ تو شرح شرکت اور مقدار حصص پر کلام تھا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خود ایک اونٹ کے ذریعہ شریک ہو جانا اور پھر آخر میں اپنا ایک اونٹ لے لینا، اس پہلو کو بھی امام علم وفن نے تشنہ نہیں چھوڑا۔ بلکہ فرماتے ہیں۔

''حضرت علی مشکل کشا نے ان ۱۷؍اونٹوں کی جھرمٹ میں ایک اونٹ مزید شامل کر کے تقسیم فرمائی ہے تو اس کے سمجھنے کیلئے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ایک اونٹ کا اضافہ محض نمائش کے طور پر تھا یا خود مولیٰ علی مشکل ایک اونٹ شامل فرما کر شرکائے قدیم کے ساتھ شریک جدید بن گئے تھے۔ یا یہ ایک اونٹ شرکائے قدیم کو بطور فضل وکرم ہبہ وعطا فرمایا تھا۔،، ص۱

یعنی عقلاً شرکت کی یہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں اور تینوں میں سقم ہے۔ پہلی صورت میں حصہ جوں کا توں ہے کوئی فرق نہیں پڑا۔ دوسری صورت میں شرحِ شرکت بدل جائیگی اور تیسری صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک اونٹ سے لینا کیوں اور کس قاعدے سے درست ہے۔؟ غرض کہ ایک اونٹ کا اضافہ اور تقسیم مذکور پھر اپنے اونٹ کی واپسی کسی صورت میں صحیح نہیں۔ یہ خواجہ صاحب کی دقت نظر اور فن ریاضی میں انکی مہارت کا کمال ہے۔

اسی طرح سیدی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے بعد اک جانب ایک فتویٰ کے انتساب کا معاملہ سامنے آیا۔ خواجہ صاحب نے اپنی تحقیق کے ذریعے اس کے بھی بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔

اس واقعہ کا یوں بیان کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں جنرل ایوب خاں کے دور حکومت میں رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ جو بذریعہ ہوائی جہاز ہلال کا مشاہدہ کر کے شہادت پیش کرتی تھی۔ اور پاکستان میں اسلامی عبادات وتقریبات اس شہادت کی بنیاد پر منائی جاتی تھیں۔ مگر جب سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا یہ فتویٰ پاکستان پہونچا تو ہلال کمیٹی تحلیل کر دی گئی۔

فتویٰ کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

”چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دیگا، چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیئے، رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے، کیوں کہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہیں ۲۹ر اور کہیں ۳۰ر کو نظر آتا ہے۔ اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلند پر جانے بعد ۲۷ / ۲۸ر کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷ / ۲۸ر کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اسکا اعتبار کرے گا، ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ر کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔،، ص ۲

اس فتویٰ کا اثر کیا ہوا ملاحظہ فرمائیں ”جب یہ فتویٰ پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو جلی خط میں شائع کیا گیا، اگلے مہینے میں حکومت کی طرف سے ۲۷ / اور ۲۸ر تاریخ کو جہاز کے ذریعہ اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا، تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔،، ص ۳

خواجہ صاحب نے اس پر گرفت فرمائی اور عقل ونقل سے دلائل قائم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ فتویٰ جعلی ہے۔ فرماتے ہیں۔

”مندرجہ بالا فتویٰ اور پاکستان میں بذریعہ ہوائی جہاز ایک ہی مہینے کی ۲۷ / ۲۸ر تاریخ کو ہلال کا مشاہدہ کرنا دونوں ہی باتیں لفظ ومعانی کے اعتبار سے میرے نزدیک محل نظر ہیں۔ نہ فتویٰ کی زبان وبیان غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی ذات سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی ۲۷ / ۲۸ر تاریخ کو ہلال کا مشاہدہ علم وفن کے معیار پر صحیح اترتا ہے۔،، ص ۱

''اصولِ روایت کی رو سے کسی بھی تاریخی واقعہ کا سنہ وتاریخ سے مقید ہونا ضروری ہے۔ یہ اہم واقعہ جہاں جہاں بھی میری نظر سے گزرا کہیں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس سنہ ہجری یا عیسوی میں وقوع پذیر ہوا۔'' ص ۲

خواجہ صاحب سیدنا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ کے حاضر باش، ان کے مزاج شناش، انداز تحریر سے واقف اور زبان وبیان سے آشنا ہیں۔ برسوں ان کی صحبت میں رہکر فیضیاب ہوئے اور علم وحکمت کے موتی چنے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

''فقیر راقم الحروف کو طالبعلمی سے لیکر دور تدریس تک مختلف ادوار میں لگ بھگ دس سال بریلی شریف میں رہ سنیت کے راجدھانی کے تخت نشیں کی خدمت کرنے کا موقع ملا اس کے بعد بھی سال میں دو تین بار خدمت میں ضرور حاضر ہوتا رہا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ سرکار حضور مفتی اعظم ہند ازراہ خود نوازی مجھے اپنے مخصوص غلاموں میں شمار کرتے تھے۔ اس قریبی تعلق کی وجہ سے مجھے سرکار مفتی اعظم ہند کی زندگی کے اکثر اہم گوشوں سے واقفیت ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ مذکورہ واقعہ نہ میں نے دورانے قیام بریلی سنا اور نہ ہی مفتی اعظم ہند کے وصال تک کسی کی زبانی سنا۔ البتہ آپ کے وصال کے بعد اس واقعہ کی گونج میرے کان میں پڑی۔،، ص ۳

آگے رقم طراز ہیں۔

''فقیر راقم الحروف نے مفتی اعظم ہند کے بہت سے فتوی دیکھے اور پڑھے۔ اس فتوی کا لب ولہجہ انداز استدلال اور اکھڑی اکھڑی عبارت کسی بھی طرح مفتی اعظم ہند کے انداز تحریر سے میل نہیں کھاتی مثلاً فتوی کی یہ عبارت ''اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد الخ،، عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے۔

ان سب باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے تنزیلاً بفرض غلط یہ فتوی مفتی اعظم ہند کا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ایک الجھن کا سامنا کرنا پریگا۔ وہ یہ کہ اس فتوی میں علم مناظر ومرایا اور ہیئت کی رو سے ایک ایسی صریح البطلان بات ہے جو مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت کے قطعی منافی ہے۔،، ص ۴

''بعض خوش عقیدہ لوگ نتائج سے بے خبر ہوکر اکابر کی طرف ایسے بے سروپا واقعہ منسوب کردیئے ہیں جو قدح آمیز مدح کے کھانے میں فٹ ہوجاتے ہیں۔ ان واقعہ کو تسلیم کرنے کی صورت میں ان اکابر کی علمی ثقاہت اور تقوی ودیانت پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔،، ص ۵

پھر بھی کچھ عقیدت مندوں نے سرکار مفتی اعظم ہند کی جانب اس فتوی کا انتساب صحیح ودرست مان کر انکار کرنے والوں سے ناراضگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں مثبتین منکرین کی جانب سے تبادلہ خیالات کا

ایک لمبا سلسلہ چل پڑا۔

خواجہ صاحب کے استاذ شارح بخاری علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ بھی مفتی اعظم ہند کی طرف اس فتویٰ کے انتساب سے متفق نہیں ہیں۔ شارح بخاری نے جب یہ دیکھا کہ یہ معاملہ حد سے تجاوز کر چکا ہے تو انہوں نے ''رفع نزاع کا آسان حل'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون، ماہنامہ اشرفیہ اگست ۱۹۹۹ء میں شائع فرما کر سلسلۂ کلام ختم کر دیا۔ وہ رقم فرماتے ہیں۔

''میری انتہائی مخلصانہ گزارش حضرت علامہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے خصوصی طور پر اور تمام اپنے برادران خواجہ تاش رضویوں سے درخواست ہے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا ہندوستان کے کہ وہ ان اخبار اور رسائل کی نشاندہی کر دیں جن میں وہ مسئلہ چھپا ہے یا اس فتویٰ کی زیروکس کاپی عنایت کر دیں یا یہی بتادیں کہ کس نے منگایا تھا کہ میں اس سے رابطہ کروں۔''

(چند سطور کے بعد۔۔۔۔۔۔۔) اگر یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے مزکورہ بالا فتویٰ دیا تھا تو میں ماہنامہ اشرفیہ میں معافی نامہ شائع کر دونگا اور خواجہ صاحب بھی معافی نامہ کے ساتھ ساتھ اپنا مضمون واپس لے لینگے۔'' ص ا

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر خواجہ صاحب کے انداز تحقیق کے دو نمونے میں نے پیش کر دیئے۔ یوں تو ان کا ہر مضمون تحقیقی ہے۔ خواہ وہ ٹیوی اور ویڈیو کا مسئلہ ہو یا مائکروفون اور لاوڈ اسپیکر کا، شمالی امریکہ میں سمت قبلہ سے متعلق ہو یا کتب شمالی کے روز و شب سے متعلق ہو ہر مضمون میں تدقیق و تحقیق کے انوکھے انداز اور علم ہیئت و ہندسہ اور ریاضی کی نوع بہ نوع جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

خواجہ صاحب نے اپنی خداداد ذہنی صلاحیت کی بنیاد پر ایک ایسا ضابطہ بھی وضع فرمایا ہے جس پر عمل کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کہاں کس تاریخ میں عشاء کا وقت آتا اور کہاں کس تاریخ میں عشاء کا وقت نہیں آتا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا مفتی آل مصطفیٰ صاحب نے اس ناچیز سے فرمایا کہ اگر اس کے متعلق کوئی ضابطہ ہو تو تحریری شکل میں لا کر کسی رسالہ میں اسے شائع کر دیا جائے تاکہ اس کا افادہ عام ہو جائے۔ موصوف کی تکمیل خواہش کیلئے ہم نے زیج و ہیئت و مثلث کی روشنی میں ایک ضابطہ وضع کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں کس کس تاریخ میں عشاء کا وقت آتا ہے اور کہاں کہاں کن کن تاریخوں میں نہیں آتا اس لئے اولاً دو باتوں کا جاننا ضروری ہے (۱) تاریخ کا میل شمسی (۲) شہر کا تمام عرض البلد پھر درجہ ذیل ضابطے سے مطلوب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ہاں خواجہ صاحب کے مضامین وتحقیقات کے مطالعہ سے جہاں بہت سارے قدیم وجدید معلومات میں اضافہ ہوتا ہے وہاں اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کو جس چیز کا کامل علم نہیں ہوتا اس کا اعتراف کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"علم توقیت کے ذریعہ اوقات کے استخراج کیلئے کتنے ضابطے ہیں صحیح طور پر اس ناچیز کو معلوم نہیں البتہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری اوران کے ارشد تلمیذ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتابوں کے مطالعہ سے تین طریقوں کا مجھے علم ہے۔(۱) بذریعہ تعدیل النہار (۲) بذریعہ زاویہ قطبی (۳) بذریعہ سہم۔" الخ ص ۳

ان تینوں طریقوں کی تفصیل ان کے مضمون "علم توقیت کا نقاب پوش ضابطہ" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نیز مندرجہ ذیل مضامین خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں۔ کیوں کہ ان کے اندر علم توقیت، ہیئت، ہندسہ، علم الابعاد، اصطرلاب، الربع المجیب، زیج اور اعمال ستینیہ کی ضیاباریاں اور گل کاریاں جاں بجا نظر آئیں گی۔

(۱) قسمت کا تارا (۲) الہلال (۳) ماہ فروری میں ایام اٹھائیس انتیس کیوں؟ (۴) ربع مجیب اور اسطرلاب کی دریافت (۵) امام احمد رضا اور سمت قبلہ کی تحقیق۔ (۵) لوگارثم کی حقیقت ومعرفت، ایک تحقیقی مطالعہ (۶) نزول افق کا گمشدہ فارمولہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اپنی تحقیقات کے آئینے میں

مفتی محمد شمس الدین خاں نوری منظری

ہر صدی کی طرح یہ صدی بھی بفضلہ تعالیٰ وبکرم رسولہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ والثنا کسی سے پیچھے نہیں لہذا یہ دور بھی بڑا مسعود ومبارک کہلانے کے لائق ہے۔ اس صدی میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک نابغۂ روزگار منفرد المثال فرید العصر اور باکمال شخصیتیں جلوہ بار ہیں جنہوں نے اپنے فکروفن، علم وعمل، خداداد استعداد اور ذہانت وفطانت سے اس خاک دان گیتی پر اٹھنے والی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کیا اور کفر والحاد کا قلعہ قمع کر کے پرچم اسلام بلند فرمایا اور اللہ ورسول کی محبت سے قلوب واذہان کو جلا بخشا اور ابھرنے والی باطل تحریکوں کا مقابلہ کر کے ان کے باطل افکار ونظریات اور ضال ومضل عقائد ونظریات کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اپنی کتب ورسائل کے ذریعہ وہابیت ونجدیت، نیچریت ومادیت کے فاسد عقائد وضلالت کا رد بلیغ فرمایا۔ اگر ان حضرات کی تصانیف پہ آج ہم مضبوطی سے عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی بھی ہمیں صراط مستقیم سے متزلزل نہ کر سکے گا۔

انہیں باوقار وپرعظمت ہستیوں میں سے امام علم وفن، وارث علوم اعلیٰ حضرت، خیر الاذکیا مخزن المعلومات، حل المشکلات، عمدۃ العقلا، پیکر جود وعطا، صاحب خلوص ووفا، ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت، قائد اہل سنت، حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کی ذات بابرکات بھی ہے۔ آپ اپنے علم وعمل اور قلمی کارناموں سے عالم کے اطراف واکناف کو منور وتابندہ فرما رہے ہیں۔ رب قدیر نے آپ کو گوناگوں خوبیاں اور علم وکمال کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ بلند وبہتر نعمت جو آپ کو ملی ہے وہ آپ کی فقاہت ہے۔ جس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ **من یرید اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین**۔

حضرت امام علم وفن کی علمی بصیرت اور استحضار جزئیات کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے اور بے ساختہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین کی پیدائش صوبہ بہار کے ضلع پورنیہ علاقہ بائسی میں ۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ شرح جامی تک والد ماجد سے پڑھنے کے بعد جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں وارث علوم اعلیٰ حضرت، ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، شیخ المعقولات حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگل پوری وغیرہ اس کے بعد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ دار العلوم

مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں مولانا ثناء اللہ مئوی، مولانا غلام جیلانی اعظمی، مولانا معین الدین اعظمی اور مفتی شریف الحق امجدی قدست اسرارھم کی درسگاہوں میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اسی مدرسہ سے فراغت پائی۔ آپ کی ذہانت وفطانت کو دیکھ کر مولانا ثناء اللہ مئوی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام نے آپ کو اسی ادارے میں بحیثیت مدرس مقرر کر لیا۔ آپ نے یہاں پر کئی برسوں تک طلبائے علوم اسلامیہ کو سیراب فرمایا۔ مظہر اسلام کے بعد ہندوستان کے مختلف اکناف واطراف میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہوئے دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد تشریف لائے۔ یہاں آپ تقریبا ۲۲ رسال سے طالبان علوم عقلیہ ونقلیہ کی تشنگی بجھارہے ہیں۔ آپ نے اس تدریسی دور میں ہزار ہا تلامذہ پیدا کئے جو شمس وقمر کی طرح آب وتاب سے چمک رہے ہیں ۔ آپ کو تقریبا ۳۰ علوم وفنون پر مہارت تامہ اور ملکہ حاصل ہے۔ ان میں چند تو ایسے ہیں جو آج نہایت ہی کمیاب ونایاب ہیں جیسے ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج و، جفر، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم لوگارثم، علم مناظر ومرایا، علم رمل، علم تکسیر، علم الابعاد، علم اقلیدس وغیرہ۔

اسی لئے علما، پروفیسرس، ڈاکٹرس حضرات امام علم وفن کا نام بہت ادب واحترام سے لیتے ہیں اور مذکورہ بالا علوم وفنون سے متعلق مسائل پر آپ سے استفسار کرتے ہیں۔ غرض کہ ہر چہار جانب سے تشنگان علوم وفنون کا اژدہام لگا رہتا ہے۔ آپ ایک معتمد عالم دین، تجربہ کار مدرس، باعظمت مفتی، سنجیدہ مقرر اور فلسفی ومنطقی ہونے کے ساتھ ایک باوقار پیر ومرشد بھی ہیں۔ آپ کا صدق مقال اور بے باکی بہت مشہور ومعروف ہے۔ آپ کو ہر خانقاہ خواہ مارہرہ و کچھوچھہ ہو یا بریلی ولکھنؤ، بدایوں وپیلی بھیت ہو یا بلگرام وکالپی، ہر جگہ یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ آپ کو ۱۹۹۸ء میں ہم وزن چاندی سے تولنے کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ آپ کی تحقیقات پر مجھ جیسے آدمی کا کچھ بھی لکھنا سورج کو شمع دکھانے کے مترادف ہے مگر اکابر کی اتباع کی وجہ سے راقم الحروف بھی چند حروف پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

اہل علم واقف ہیں کہ جب یہ بحث اٹھی کہ ۲۰۰۰ء کی ماہ فروری ۲۹ کی ہوگی یا ۳۰ کی؟۔ یا۔ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ ۱۷ اونٹ کی تقسیم کے مفروضہ واقعہ کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی طرف منسوب کرنا درست ہے یا نہیں؟۔ یا۔ جب سرکار سید نا مرشدنا آقائی مولائی حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ کی منسوب پاکستانی جعلی فتوی اچھالا گیا۔ یا۔ جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۱۰ تاریخ کو سورج گہن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا۔ جب ہوسٹن (امریکہ) کی سمت قبلہ، علمائے کرام کے مابین موضع بحث بنی۔ یا۔ جب ہالینڈ اور بلیک برن کے تعلق سے یہ سوال پیدا ہوا کہ وہاں سال کے کن مہینوں اور تاریخوں میں امام اعظم کے مذہب کے مطابق عشا کا وقت نہیں ہوتا ؟ تو ان سارے سوالوں کا صحیح اور تشفی بخش حل صرف اور صرف امام علم وفن ہی کا حصہ رہا۔ جسے 'تحقیقات امام علم وفن' نامی کتاب جو رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع ہوئی ہے، ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن بحیثیت ناقد

مولانا محمد فاروق عالم قادری لدھیانہ

تنقید۔ایک تعارف باب تفعیل سے 'تنقید، کا لفظ خاص اردو محققین کا وضع کردہ ہے۔عربی وفارسی ادب کی قدرومنزلت کے تعین کے لئے 'نقد، اور 'انتقاد، کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔'تنقید، کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔مگراب 'نقد، انتقاد اور تنقید ہم معنی ہیں اور لفظ 'تنقید، اسی معنی میں مستعمل ہے۔اردو کے مایہ ناز ادیبوں اور ناقدوں نے 'تنقید، کی جونوع بہ نوع تعریفیں کی ہیں،وہ حسب ذیل ہیں۔

''ادب کو جانچنے اور پرکھنے کی خدمت انجام دینے کا نام 'تنقید، ہے اور تنقید کرنے والا 'نقاد، کہلاتا ہے۔ہر نقاد اپنے علم اور اپنی مہارت کی بنا پر ادب پارے کی پرکھ کرتا اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے،، (تفہیم ادب ص ۲۴۱)

ادب وصحافت کے ممتاز اسکالر سید اقبال قادری لکھتے ہیں:

'تنقید و تبصرہ، ایک دوسرے سے ملتی جلتی چیزیں ہیں، کسی تصنیف، کلام یا واقعہ کے متعلق سرسری طور پر بحث و مباحثہ کے لئے جب رائے کا اظہار کیا جاتا ہے تو وہ 'تبصرہ، کہلاتا ہے۔لیکن جب فنی طور پر ان کے عیب وہنر کو پرکھا جائے اور اصول تنقید کے مطابق محاسن اور نقائص پر بحث کی جائے تو اس کو 'تنقید، کا نام دیا جاتا ہے۔(رہبر اخبار نویسی ص ۱۵۰ اردو قومی کونسل دہلی)

مندرجہ بالا افکار ونظریات کی روشنی میں تنقید کی حقیقت وماہیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تنقید ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر ادب کو پرکھا جاتا ہے،اور فن پارے کو میزان تنقید پر رکھ کر اس کے حسن وقبح اور صحیح وغلط کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔'تنقید، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ادنیٰ واعلیٰ، سچ اور جھوٹ، پست اور بلند کا معیار قائم کرنا یہ تنقید کا کام ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد کے الفاظ میں:

بقول ایلیٹ 'تنقید ہماری زندگی کے لئے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی کہ سانس،(ارزش ادب ص ۱۲۵)

اور پروفیسر آل احمد سرور کی زبان میں:

"تنقید بت شکنی بھی کرتی ہے اور بت گری بھی، تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے، جس میں پیداوار کی کثرت ہے، موزونیت اور قرینے کا پتہ نہیں،،(تنقید کیا ہے ص ۱۵۲)

نقد وادب اور تخلیق وتنقید کا باہمی ارتباط: نقد وادب اور تخلیق وتنقید میں بڑا گہرا ربط ہے، یہ دونوں لازم وملزوم اور ادبی سکے کے دو رخ ہیں۔ عرب کے جاہلی معاشرے میں ہر قسم کی ذہنی واخلاقی برائیاں اپنے شباب پر تھیں، حسن وقبح کا صحیح معیار تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ ایسے پر آشوب اور تاریک ماحول میں اسلام کا سورج، حق وباطل کی کسوٹی لئے طلوع ہوا۔ اور جاہلی معاشرے پر کھل کر تنقید کی۔ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے حسن وقبح اور حق وباطل کے درمیان اتنے واضح خطوط کھینچ دیئے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حسن وقبح اور حق وباطل کا امتیاز قائم ہو گیا؛ اور اس طرح حضور کے اس مبارک عمل سے مسلمانوں کو ایک کسوٹی مل گئی جس کے ذریعے وہ صحیح وغلط میں فرق وامتیاز کر سکیں۔ اس کے بعد تخلیق وتنقید کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا اور نوبت بایں جا رسید کہ کسی تخلیق پر اپنے نظریے کا اظہار تنقید کہا جانے لگا۔

دنیا کے ہر ادب وزبان مین تنقید کی روایت موجود ہے۔ اردو میں 'تنقید نگاری، ایک مستقل صنف ادب ہے۔ علمائے اہل سنت نے 'مذہبی تنقید نگاری، کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی کی حیثیت بقیۃ السلف اور عمدۃ الخلف کی ہے۔ آپ صحیح معنوں میں اسلاف کرام کی علمی یادگار ہیں اور ہم عصر علما میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ اسلامیات کا شاید ہی کوئی شعبہ آپ کی علمی دسترس اور فکری قلم رو سے باہر ہو۔

خاتم الفلاسفہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی شان میں سرسید احمد خاں نے کہا تھا کہ "منطق وفلسفہ کی گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے،،

منطق وفلسفہ کے اس دور قحط الرجال میں یہ جملہ اگر اس طرح کہا جائے کہ 'خواجہ مظفر حسین کی فکر عالی نے منطق وفلسفہ کی بنا ڈالی ہے، تو شاید یہ مبالغہ نہ ہوگا بلکہ حقیقت وواقعیت کی عین ترجمانی ہوگی؛ اور کسی اہل علم وقلم کو آپ کے لئے میں یہ جملہ استعمال کرنے میں اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ موجودہ دور میں منطق وفلسفہ کی زلف برہم سنوارنے اور حکمت وکلام کے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھانے والی مرکزی ذات امام علم وفن کی ہے۔ معقولات کے ساتھ منقولات میں آپ کے تبحر اور اجتہادی حیثیت کا اعتراف معاصر علما نے کیا ہے۔ آپ کا شمار صف اول کے عالموں میں ہوتا ہے، اور طبقۂ اہل سنت میں آپ کو عزت ووقار اور اعتماد کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ علم توقیت، ہندسہ، ریاضی، جفر وتکسیر اور فلکیات وغیرہ علوم وفنون آپ کا ثانی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔

امام علم وفن حضرت خواجہ صاحب بیک وقت باکمال مدرس، مایہ ناز محقق، عمدہ نثر نگار اور گہرے تنقیدی شعور رکھنے والے عمدہ ناقد بھی ہیں۔ آپ زبان وادب کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہیں اور تحقیق وتنقید کے اصول وضوابط سے آگاہ۔ آپ کی تحقیقات

وتنقیحات کے جلوے 'تحقیقات امام علم وفن، نامی کتاب میں بخوبی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ کتاب 'امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف سے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔

علمی تحقیقات بغیر تنقیدی شعور کے ممکن نہیں۔ انسان کا تنقیدی شعور جس قدر گہرا ہوگا اس کی علمی تحقیقات کا پایہ بھی اسی قدر بلند ہوگا۔ اس جہت سے دیکھا جائے تو تحقیق وتنقید ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ امام علم وفن نے اپنی علمی تحقیقات کے جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی تنقیدی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک غیر جانب دار ناقد کی حیثیت سے اپنی عملی تنقید کے نمونے پیش کیے ہیں۔ حقیقت اور سچائی کا پتہ لگانے میں آپ نے ہمیشہ 'ایک غیر جانب دار نقاد، کا فرض ادا کیا ہے۔ علمی سچائی اور تاریخی حقیقت کی تلاش وجستجو میں آپ ہمیشہ سرخ رو رہے ہیں۔ آپ کی تحقیق وتنقید میں 'علمیت، کا غلبہ ہے۔ آپ نے خالص علمی تنقید فرمائی ہے۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ بحیثیت ناقد آپ نے اپنے عالمانہ وقار اور متانت وسنجیدگی کے اقتضا کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

امام علم وفن کی تنقیدی تحریر نہایت سنجیدہ، متانت سے پر اور مدلل ہوا کرتی ہے۔ کامیاب تنقید نگاری کا حق زور استدلال اور علمی گہرائی سے ادا ہوتا ہے۔ امام علم وفن نے اپنی تنقید کا 'قصر رفیع علمی بنیادوں پر تیار کیا ہے۔ خالص علمی اعتبار سے آپ کی تنقید سائنٹیفک اور قطعی ہوا کرتی ہے کہ قاری تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آپ کے تنقیدی جواہر پارے 'تحقیقات امام علم وفن، میں ہر جگہ بکھرے نظر آتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ کتنے بڑے محقق اور تنقید نگار ہیں۔ تلاش وتحقیق، حقائق کی تہہ تک رسائی کا فلک پیما جذبہ، علمی تفحص اور غیر معمولی تنقیدی رجحان آپ کی شاہین صفت طبعیت کے لازمی اجزا ہیں۔

تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے آپ کے تنقیدی شعور اور نقد ونظر میں آپ کی مہارت وبصیرت کے چند نمونے حاضر کیے جاتے ہیں۔

تنقیدی شعور کے چند نمونے :امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی اخاذ طبعیت کے مالک ہیں۔ فکر وتدبر، نقد ونظر اور تخلیق وتنقید میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ کسی بھی واقعہ اور روایت کو آپ میزان نقد پر تولتے اور اس کا بھرپور علمی محاسبہ فرماتے ہیں۔

مقالات نعیمی اور 'تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۱۴، پر حضور مفتی اعظم ہند سے منسوب ایک فتویٰ شامل ہے کہ:

''چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کہیں ۲۹ راور کہیں ۳۰ رکو نظر آتا ہے۔ اور اگر جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷، ۲۸ تاریخ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟ کوئی عاقل

اس کا اعتبار نہیں کرے گا۔ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا؟

اور یہ واقعہ لکھا گیا ہے کہ:

"یہ فتویٰ جب پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی۔اگلے مہینے میں ۲۷، ۲۸ تاریخوں کو حکومت کی جانب سے جہاز کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا۔تب حکومت پاکستان نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کرکے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی،،

امام علم وفن نے اس واقعہ پر جو تنقید فرمائی ہے۔ملاحظہ کیجئے۔لکھتے ہیں:

"آقائے نعمت سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت، وسعت نظر، قوت اخذ اور روحانی مراتب کے تمام تر اعترافات کے باوجود فقیر راقم الحروف کو بچند وجوہ اس واقعہ کی صحت میں کلام ہے،،

(۱) اصول درایت کی رو سے کسی بھی تاریخی واقعہ کا سنہ وتاریخ سے مقید ہونا ضروری ہے۔یہ اہم واقعہ جہاں جہاں میری نظر سے گذرا کہیں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس سنہ ہجری یا کس سنہ عیسوی میں وقوع پذیر ہوا۔

(۲) تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ کے مؤلف کے بقول انہوں نے فتویٰ کا اصل مضمون نقل کیا ہے لیکن حوالہ کے طور پر اس کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی۔ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اتنا اہم فتویٰ نہ فتاویٰ مصطفویہ میں میری نظر سے گذرا اور نہ ہی مفتی اعظم ہند کی دیگر تصانیف میں ملا۔

(۳) فقیر راقم الحروف کو طالب علمی سے لیکر دور تدریس تک مختلف ادوار میں لگ بھگ دس سال بریلی شریف میں رہ کر سنیت کی راجدھانی کے تخت نشیں کی خدمت کا موقع ملا۔اس کے بعد بھی سال میں دو تین بار خدمت میں ضرور حاضر ہوتا رہا۔مجھے اس بات پر فخر ہے کہ سرکار مفتی اعظم ہند از راہ خرد نوازی مجھے اپنے مخصوص غلاموں میں شمار کرتے تھے۔اس قریبی تعلق کی وجہ سے مجھے سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کے اکثر اہم گوشوں سے واقفیت ہے،لیکن مجھے حیرت ہے کہ مذکورہ واقعہ نہ تو میں نے دوران قیام بریلی سنا،اور نہ ہی مفتی اعظم ہند کے وصال تک کسی کی زبانی سنا۔البتہ آپ کے وصال کے بعد اس واقعہ کی گونج میرے کان میں پڑی۔

(۴) تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ کے مطابق اس جواب کو پاکستان کے ہر اخبار میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا (ص ۱۵۴) یہاں مؤلف کی ذمہ داری تھی کہ کم از کم ایک دو اخبار کا حوالہ ضرور دیتے،لیکن اس سلسلہ میں وہ خاموش ہیں۔

(۵) فقیر راقم الحروف نے مفتی اعظم ہند کے بہت سے فتاویٰ دیکھے اور پڑھے ہیں اس فتویٰ کا لب ولہجہ، انداز استدلال اور اکھڑی اکھڑی عبارت کسی بھی طرح مفتی اعظم ہند کے انداز تحریر سے میل نہیں کھاتی۔مثلاً فتویٰ کی یہ عبارت 'اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد الخ۔عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ چاند دیکھنے کیلئے

جہاز اڑانے کو شرط کون قرار دے رہا ہے؟ یہاں عبارت یوں ہونی چاہئے تھی'' اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا درست ہوتو الخ'' نیز فتوی کا یہ ٹکڑا 'تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا،، ذوق سلیم پر بار معلوم ہوتا ہے۔

ان سب باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے تنزلا بالفرض غلط یہ فتوی مفتی اعظم ہند کا تسلیم بھی کرلیا جائے تو ایک الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا وہ یہ کہ اس فتوی میں علم مناظر ومرایا اور ہیئت کی رو سے ایک ایسی صریح البطلان بات ہے جو مفتی اعظم ہند کی علمی جلالت کے قطعی منافی ہے۔

فتوی میں مذکور ہے کہ 'اور اگر جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہوتو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷، ۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے۔ علم مناظر ومرایا اور علم ہیئت کے مسلمہ قواعد کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں کہ ۲۷، ۲۸ تاریخ کو دنیا کے کسی حصہ سے اور کسی بھی بلندی پر جا کر چاند دیکھ لیا جائے اگر چہ اس فتوی اور واقعہ کے موضوع ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی تھی۔ لیکن واقعہ نگاروں نے یہ لکھ کر کہ 'اگلے مہینہ میں ۲۷، ۲۸ تاریخ کو حکومت کی جانب سے جہاز اڑا کر اس بات کی تصدیق کرائی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آگیا' (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۵۱۴) اس واقعہ کے موضوع ہونے پر مہر ثبت کردی کیونکہ اس سے ایک محال عادی کا واقع ہونا لازم آتا ہے جو سراسر غلط اور عقلا بالکل بعید ہے،،
(تحقیقات امام علم وفن۔ ص ۲۹۶)

یہ ہے خواجہ صاحب کی مضبوط اور ٹھوس علمی تنقید۔ آپ نے اصول روایت ودرایت کی روشنی میں حضور مفتی اعظم ہند منسوب اس فرضی واقعہ کے بظاہر خوش نما شیش محل کو اپنے تیشۂ قلم سے پاش پاش کردیا ہے اور مناظر ومرایا اور توقیت وہیئت کی میں مذکورہ واقعہ کا علمی وتنقیدی جائزہ لیا ہے۔ امام علم وفن حضور مفتی اعظم ہند کے محبوب نظر اور قابل فخر مرید ہیں۔ آج حال یہ 'پیراں نمی پرند مریداں می پرانند' حضرت خواجہ صاحب چاہتے تو اس فرضی واقعہ پر خاموش رہتے کیوں کہ اس سے بظاہر پیر ومرشد عظمت ظاہر ہوتی ہے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور علم ودیانت اور حقیقت کے گلے پر چھری چلتے ہوئے آپ سے دیکھا نہ گیا اس آپ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حقیقت کو آشکارا فرمایا۔

صرف اسی ایک مثال سے آپ امام علم وفن کی تنقیدی بصیرت اور انتقادی مہارت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسی طرح '' ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی، مسئلہ لاؤڈ اسپیکر اور صدقۂ فطر کے وزن،، سے متعلق آپ نے بڑی عمدہ، مدلل معلومات سے پر علمی تنقیدیں فرمائی ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اصل کتاب ''تحقیقات امام علم وفن،، کی جانب رجوع کریں۔

خلاصہ یہ کہ امام علم وفن کا تنقیدی شعور بڑا وسیع اور گہرا ہے۔ حقائق کی چھان بین آپ کی تنقید کا محور ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ علمی وادبی کمالات کا تھوڑا حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین! ☆☆☆

گیارہواں باب

زبان وادب

امام علم وفن: تقریظ نگاری

مولانا محمد ادریس رضوی، ایم۔اے سنی جامع مسجد، پتری پل، کلیان

مصنفین، مؤلفین، مرتبین، مترجمین، محققین اور شارحین اپنی کاوش کو مشہور و معروف علم دانوں اور نامور قلم کاروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ کتاب کو پڑھ کر، پرکھ کر اس کی خوبیوں پر مہر ثبت فرمادیں۔ مہر ثبت کرنے والا کوئی پیش لفظ، کوئی پیانہ، کوئی تعارف، کوئی تقریظ، کوئی تقدیم، کوئی تمہید، کوئی دیباچہ، کوئی مقدمہ کے نام سے لکھ کر مہر ثبت کرتا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ پہلے کتاب کو پڑھا جائے، پھر لکھا جائے مگر بہت سے لکھنے والے پہلے لکھتے کتاب کو بعد میں پڑھتے ہیں، اسی بنا پر کتاب کے موضوع ومواد سے تقریظ کا توازن بگڑ جاتا ہے، لیکن پھر بھی افراط وتفریط کے اس رویے پر مصنف بھی خوش، مؤلف بھی نازاں، مرتب بھی فرحاں، محققین بھی شاداں نظر آتے ہیں کہ فلاں عبقری اور مشہور ومعروف شخصیت نے ہماری تصنیفات کو خوب خوب سراہا ہے، لکھنے والوں میں ایسے نامور قلم کار بھی گزرے ہیں کہ ان کے پاس سینکڑوں کتابیں تقریظ وتبصرے کے لئے آئیں مگر انہوں نے نہ تو کتابوں کے پیکٹوں کو کھولا، نہ کتابوں کو دیکھا، نہ کتابوں کا مطالعہ کیا مگر تقاریظ وتبصرے لکھ دیئے، خدا جانے کیسے لکھا، کیا لکھا، یہ راز تو اس وقت فاش ہوا جب موت نے ان کو دوگز زمین کے اندر پہنچا دیا تو ان کے شیدائی ان کی لائبریری کو برباد کرنے کے لئے پہنچے دیکھا تو کتابوں کے سارے پیکٹ یونہی سلامت رکھے ہوئے ہیں اور تبصرے مارکیٹ میں گھوم ہی نہیں بلکہ ناچ رہے ہیں، یہ افسانہ یا کہانی نہیں ہے بلکہ ایسی حقیقت کی زد میں راقم بھی آچکا ہے۔

تقریظ وتبصرے کے سلسلے میں مصنفین، مؤلفین اور مرتبین ایک بات کو اور مدنظر رکھ کر تبصرے کے لئے کتابیں بھیجیں وہ یہ کہ کتاب اگر فن شاعری میں ہے تو سخن شناس کو ہی کتاب دیں، کتاب اگر علم فرائض سے متعلق ہے تو علم فرائض کے ماہرین کے پاس ہی بھیجیں، کتاب اگر علم تصوف کے تعلق سے ہے تو علم تصوف کے جاننے والے کی خدمت میں روانہ کریں، مصنفین اس معاملے میں عجلت سے کام لیتے ہیں اور کسی کو بھی کتاب تھما دیتے ہیں کہ اس پر تبصرہ اور تقریظ لکھ دیجئے، جو شخص شاعری کے سوز سے واقف نہیں، فرائض کے علم کو جانتا نہیں، تصوف کو پڑھا نہیں، علم بلاغت سے واقف نہیں، وہ ان علوم پر کیسے تبصرہ کرے

گا؟ اگر خامہ فرسائی کرے گا بھی تو آم کو امرود اور امرود کو آم لکھے گا، الٹی سیدھی تقریظ تو ہو جائے گی، تشریح و تصریح نہیں ہوگی، لکھنے والوں کو بھی سبھی طرح کی کتابوں پر لکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، جن علوم کو جو جانتا ہے اسی پر وہ قلم اٹھائے تو مغز تک پہنچ سکتا ہے اور کام بہتر ہوگا، بہت سارے تقریظ لکھنے والے کتاب کو یہاں وہاں سے پڑھ کر تقریظ لکھتے ہیں، یہ بھی طریقہ صحیح نہیں ہے، کہتے ہیں پوری کتاب پڑھنے کی فرصت نہیں ہے، اس دور میں ہر آدمی مصروف ہے، اگر مصروفیت نہیں بھی ہے جب بھی اپنی مصروفیات جتا کر اپنے سامنے کام کا پہاڑ دکھا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، خلوص عنقا ہے اس لئے اس معاملہ میں بھی مول تول کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، امام علم وفن کی تقاریظ کے مطالعہ کے درمیان آپ محسوس کریں گے کہ تقاریظ کے لئے کتابوں کا مطالعہ کتنا ضروری ہے، آپ اپنی علالت کی وجہ سے کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکے تو جستہ جستہ ہی سہی لیکن اپنے شاگردوں سے پڑھوا کر سنا ضرور ہے، کس کس گھر کی ہانڈی میں کیا کیا مزے ہیں، کھائے بغیر مزے نہیں معلوم ہو سکتے ہیں۔

تقریظ لکھانے اور لکھنے کا ایک واقعہ:۔ ۲۰۱۰ء جے، پی ریسورٹ، جے، پی ہال گراونڈ، کلیان الجامعۃ الرضویہ کی سالانہ دستار بندی میں قمر العلما، ڈاکٹر قمر رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی خصوصی شرکت تھی، ساڑھے بارہ بجے کے قریب جلسہ ختم ہوا، قمر العلما کا جس صاحب کے مکان پر قیام کا انتظام کیا گیا تھا وہاں جانے کے لئے آپ گاڑی میں بیٹھ گئے، راقم نے سوچا کہ یہ لوگ آگے نکل جائیں گے تو میں اپنی مسجد کا رخ کرلوں گا، لیکن گاڑی کچھ دور چل کر رُک گئی اور ایک صاحب گاڑی سے نکل کر میرے پاس آئے اور کہا کہ چلو حضرت قمر العلما تم کو بلا رہے ہیں، قریب گیا حضرت نے کہا گاڑی میں بیٹھو اور میرے ساتھ چلو! گاڑی میں بیٹھ گیا اور چند منٹوں میں جائے قیام پر پہنچ گیا، لوگوں کی بھیڑ اور گفت وشنید میں لمبا وقت صرف ہونے کے بعد کھانا کھانے کا دور چلا اور اس طرح سے ڈھائی سے پونے تین بج گئے، سب کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں، اسی کے درمیان ایک مفتی صاحب جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے خاندان کے تعلق سے ڈھائی تین سو صفحات کی کتاب لکھے ہوئے تھے، اس پر حضرت قمر العلما کی تقریظ کے متمنی تھے، جب مفتی صاحب نے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو قمر العلما نے راقم سے کہا کتاب پڑھو! راقم نے کہا حضور اتنی رات ہوگئی ہے اور کوئی دس بیس صفحے کی کتاب تو ہے نہیں، اتنی ضخیم کتاب پڑھنے میں کافی وقت لگے گا، موصوف خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد پھر مفتی صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کیا، قمر العلما نے پھر راقم کو مخاطب کر کے کہا کتاب پڑھو! راقم اپنے انہیں الفاظ کو دہرا دیئے، حضرت پھر خاموش ہو گئے، تیسری دفعہ جب مفتی صاحب نے اصرار کیا تو قمر العلما نے پھر اسی بات کی تکرار کی، راقم نے کہا کہ اب ان باتوں کو کل کے لئے اٹھا رکھیئے، اس کے بعد راقم اپنی مسجد چلا آیا اور یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ قمر العلماء نے کتاب پر تقریظ لکھی یا نہیں؟ کتاب اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کے اجداد و اقرباء کے تعلق سے تھی اور اعلیٰ حضرت کے خاندان کے ایک فرد کے سامنے پیش کی جا رہی تھی کہ اس پر تقریظ لکھ دی جائے، لیکن قمر العلماء نے نہیں لکھی تو یہ مؤلف سے کوئی عداوت یا بغض کی بنا پر ایسا نہیں کیا بلکہ یہ آپ کی احتیاط تھی کہ پہلے کتاب کو پڑھ لیا جائے یا پڑھوا کر سن لیا جائے

اس کے بعد کتاب پر کچھ لکھا جائے اور یہی اصول ہے۔

پیش لفظ، پیمانہ، تعارف، تقریظ، تقدیم، تمہید، دیباچہ اور مقدمہ لکھنے والوں کی فہرست میں ایک قد آور نام، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی کا بھی ہے جو منتے ہوئے علوم وفنون اور خاص کر مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے بہت سارے علوم وفنون کے تنہا وارث ہونے کے علاوہ گونا گوں خوبیوں کے حامل ہیں، ان کا قلم جب تحقیقات کے دریا میں اترا تو، گوہر نایاب منظر عام پر لایا جہاں تک اوروں کی رسائی نہیں ہوسکی، جب آپ اپنی جوانی میں ادب پر گفتگو کرتے تھے تو آپ کی زبان سے ادب وہنر وفن کے وہ پھول جھڑتے تھے کہ آپ کی خوش کلامی، فصاحت اور میٹھے بول پر آپ خود نازاں تھے اور لوگ کہتے تھے اپنے دور کا سب سے بڑا ادیب یہی ہے، جب فلسفہ کے الجھے ہوئے ڈور کو سلجھانے پر آتے تھے تو بغیر سلجھائے ہوئے دم نہیں لیتے تھے اس وقت بڑے بڑے فلسفی آپ کے سامنے سرنگوں ہوجاتے تھے، اسی بنا پر آپ کی شہرت ملک اور بیرون ملک تک ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمت میں مصنفین نے اپنی تصنیفات، مؤلفین نے اپنی تالیفات، محققین نے اپنی تحقیقات، شارحین نے اپنی شروحات پیش کیں کہ اس پر تقریظ لکھ دی جائے، اس کام کے لئے امام علم وفن خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ بخوشی تیار ہوگئے، آپ نے مختصر مگر مستحکم تقریظیں لکھی ہیں اور سچائی کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ پوری کتاب یا کتاب کا کتنا حصہ استیعاب سے اور کتنا حصہ طائرانہ نگاہ سے مطالعہ کیا۔

امام علم وفن کی پہلی تقریظ: ہندوپاک میں سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہ کی ذات علمی حلقوں اور اساتذہ وطلبہ کے درمیان محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی تصنیف ''المعتقد المنتقد'' سورج کی روشنی کی طرح کل بھی چمک رہی تھی اور آج بھی چمک رہی ہے اور انشاء اللہ کل بھی چمکے گی، کتاب علم کلام میں ہے جو ذرا مشکل فن ہے اسی مشکل فن میں سیف اللہ المسلول کی مایہ ناز تصنیف ''المعتقد المنتقد'' ہے جو عربی میں ہے، اس کی مشکل گرہ کو سلجھانے کے لئے اہل سنت وجماعت، مجدد دین وملت حضرت امام احمد رضا خاں قادری نے اس پر ''المستند المعتمد'' کے نام سے حاشیہ لکھا یہ بھی عربی زبان میں ہے۔ جس کی وجہ سے دینی مدارس کے طلبہ خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے تھے کیوں کہ کلام عربی، طلبہ عجمی اور عجمی میں سینکڑوں میں ایک دو عربی پر عبور حاصل کر پاتے ہیں، لہذا ضرورت تھی کہ کتاب اور حاشیہ دونوں کا ترجمہ اردو میں ہو، اس کے لئے ہمت وہی کرے جو عربی زبان پر عبور رکھتا ہو، اگر عربی زبان پر عبور رکھتا ہے تو علم کلام کی پیچیدیوں سے بھی واقف ہو۔

علمی دنیا میں حضرت قاضی القضاۃ فی الہند، تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ النورانی نے ''المعتقد المنتقد'' کا اور ''المستند المعتمد'' دونوں کا اردو زبان میں ترجمہ فرمایا، اسی کتاب اور ترجمہ پر امام علم وفن کی تقریظ ہے جو یہاں پیش کی جارہی ہے، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین لکھتے ہیں:

''المعتقد المنتقد'' اور ''المستند المعتمد'' علم کلام کے مسائل پر مشتمل نہایت عمدہ کتاب ہے، اس فن کے

مباحث منطقیانہ اور فلسفیانہ ہونے کی وجہ سے اہل علم حضرات بہت سے مسائل میں مجھ سے رجوع کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب میرے مطالعہ میں رہتی ہے، مگر کتاب کی زبان خالص عربی ہونے کی بنیاد پر بعض مسائل میں پیچیدگی معلوم ہوتی تھی اور کافی غور وفکر کرنا پڑتا تھا، طلبہ تو طلبہ یہاں تک کہ علما بھی اسکی شرح اور ترجمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے، قوم کی اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم ہند، قاضی القضاۃ فی الہند علامہ اختر رضا قادری ازہری نے اپنے قلم سیال سے ترجمہ فرما کر ہماری تشنگی کو بجھایا اور علم کلام کے تعلق سے اردو زبان میں ایک نئے باب کا اضافہ فرمایا"۔

امام علم وفن کی تقریظ کے مذکورہ بالا حصہ سے کتاب اور علم کلام پر روشنی واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب علم کلام میں ہے لیکن اس کا انداز منطقیانہ اور فلسفیانہ ہونے کی وجہ سے اہل علم الجھن میں پڑ جاتے تھے، ترجمہ کے ذریعے انشاء اللہ معاملہ سلجھانے میں علما کو پریشانی نہیں ہوگی، مذکورہ حصہ کے مطالعہ سے امام علم وفن کی ذات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ علم کے معاملہ میں آپ کی ذات سے علماء مدارس فائدے اٹھاتے ہیں، گنجلک اور لا ینحل مسائل میں آپ کا عبور حاصل کرنا آپ کے بے مثل ہونے کا ثبوت ہے ، یہی وجہ ہے کہ آپ مرجع علما ہیں، تقریظ میں آگے کے حصہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اس مترجم کتاب کا بغرض استفادہ مطالعہ کیا ہے، الٰہیات اور نبوات کی بحث بغور پڑھی ہے، صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے اس کتاب میں ایسی سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ دوسری کتابوں میں ایسی مدلل اور تفصیلی بحث، بہت کم ملتی ہے حضرت تاج الشریعہ نے ان اہم مباحث کا سلیس زبان میں ایسا برجستہ ترجمہ فرمادیا ہے کہ ترجمہ ہی سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے اس کے باوجود جابجا پیچیدہ مسائل کی ایسی عقدہ کشائی کی ہے کہ بے اختیار زبان سے نکل پڑتا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کے فیض سے تاج الشریعہ ہی کا خاصہ ہے۔

سبحان اللہ! امام علم وفن نے کیا خوب لکھا ہے کہ ترجمہ والی کتاب کو بغرض استفادہ کے پڑھا اور سیر حاصل بحث سے سکون حاصل فرمایا، کتاب کے مدلل اور تفصیلی ہونے کا ذکر بھی کیا، ترجمہ کی زبان سلیس ہے اور ترجمہ ہی سے مفہوم واضح ہونے کا مُہر بھی مارا، تاج الشریعہ کی علمی گہرائی کا کھلے دل سے اقرار بھی کیا، تاج الشریعہ پر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کے فیضان کی بارش کا اعلان کر کے اپنی عقیدت کا ثبوت دیا ہے، اس کے اگلے حصہ میں حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مذکورہ کتاب چند مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب تھی لیکن اس کی کوئی شرح اور ترجمہ نہ ہونے کی بنیاد پر دشوار اور ادق سمجھی جانے لگی اور نصاب سے نکال لی گئی، الحمد للہ! اب حضرت تاج الشریعہ نے اردو زبان میں بہترین ترجمہ اور مشکل مقامات کی تشریح فرما کر طلبہ، مدرسین اور تمام قارئین کے لئے بہت آسان فرمادیا ہے، لہٰذا اب یہ کتاب تمام مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہونا چاہئے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تاج الشریعہ کا سایہ صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر ہم پر قائم رکھے، آمین
امام علم وفن تقریظ کے آخری حصہ میں یہی تو کہہ رہے ہے کہ علمی میکدہ کا جو در بند تھا کھل گیا ہے، میکشوں میکدہ میں آؤ، ساقی نے جام بھر دیا، میں نے استفادہ کر لیا تم بھی استفادہ کرو، بغیر ساقی کے میکدہ میں داخل ہونا، ادق تھا، لاینحل تھا، مشکل تھا، اب آسان ہو گیا، ساقی نے آسان کر دیا ہے، آؤ پیو اور ساقی کی صحت وسلامتی کے لئے دعا کرو کہ ان کا سایہ ہم پر تادیر قائم رہے، آمین ثم آمین۔

امام علم وفن کی دوسری تقریظ: دور حاضر میں اہلسنت وجماعت کی صف میں درسی کتابوں کے شارح کی حیثیت سے علامہ الحاج مفتی محمد شبیر صاحب پورنوی تنہا دکھائی دیتے ہیں، اسلامی درس گاہوں میں پڑھائی جانے والی منطق کی کتاب ''کتاب القطبی'' کی شرح موصوف نے ''التوضیح المظفری'' کے نام سے لکھی، متن، ترجمہ اور تشریح کے صفحات کی مجموعی تعداد ۴۵۰ کے قریب ہے، اس کتاب پر خواجہ صاحب نے تقریظ کی ابتدا یوں کی ہے:

''الحمد لولیہ والصلوۃ علیٰ حبیبہ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔ زیر نظر کتاب ''التوضیح المظفری فی شرح کتاب القطبی'' کے بیاض کا بالاستیعاب تو نہیں البتہ افتتاحیہ صفحات کا بالا معان اور اگلے مختلف صفحات کو طائرانہ نگاہ سے دیکھنے کا موقع ملا، ماشاء اللہ خوب سے خوب تر پایا۔

ترجمہ نہایت سلیس وآسان اور شرح ایسی واضح کہ ذرا سی توجہ سے مطالب بہ آسانی حل ہو جاتے ہیں، عربی عبارتوں کو اعراب سے مزین اور مغلق مقامات کو نہایت اچھوتے انداز میں سمجھایا گیا ہے''

جس طرح مادنیات کے کانوں سے پیتل بھی نکلتے ہیں تانبے اور لوہے بھی، چاندی بھی نکلتے ہیں سونے اور ہیرے بھی، اسی طرح مذکورہ عبارت میں معدن علم سے پیتل بھی نکلے ہیں تانبے اور لوہے بھی، چاندی بھی نکلے ہیں سونے اور ہیرے بھی، مذکورہ بالا عبارت کے عام الفاظ کو پیتل، تانبے اور لوہے کے خانے میں رکھیں اور ''بیاض، بالاستیعاب، بالا معان، مغلق جیسے الفاظ کو چاندی، سونے اور ہیرے کے خانے میں ڈالیں، جس طرح سے عام آدمی، مزدور طبقہ اور غریب کی رسائی چاندی، سونے اور ہیرے تک نہیں ہوتی، اسی طرح کم پڑھے اور سطحی علم رکھنے والے کی رسائی ان الفاظ تک نہیں ہو پاتی، اسی لئے اہل علم کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ تحریر میں مغلق، مشکل اور سخت الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، راقم ایسی باتوں سے اتفاق نہیں کرتا ہے، اگر ان الفاظ کو معدن علم میں چھوڑ دیا جائے تو یہ معدوم ہو جائیں گے، ایسے الفاظ استعمال کرنے میں قباحت کی بات نہیں ہے، بشرطیکہ تحریر میں روانی ہو، شگفتگی ہو، شکستہ نہ ہو، الفاظ متروک نہ ہوں، ایسے الفاظ کے پیچھے سطحی علم والا بھی تھوڑی سعی کرے، علم والوں سے پوچھے، لغات کا سہارا لے تو ان کے علم میں اضافہ ہوگا، دوسری بات یہ کہ یہ کتاب عوامی طبقہ کے لئے نہیں بلکہ مدارس اسلامیہ میں پڑھنے اور پڑھانے کے لئے اساتذہ اور طلبہ کے لئے خاص ہے جن کے لبوں پر ایسے دقیق الفاظ ہمہ وقت گردش کرتے، ناچتے

اور رقص کرتے رہتے ہیں۔

شارح نے کس طریقے سے مذکورہ کتاب کی شرح لکھی ہے اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں، اس سے کون کون لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان باتوں سے متعلق امام علم وفن اپنی تقریظ میں یوں رقم طراز ہیں:

"متن کی شرح اور شرح کی شرح کے درمیان بیانہٗ اور قولہٗ کے ذریعہ فرق پیدا کیا گیا ہے شواہد وامثال مشکل مسائل کو آسان سے آسان تر کیا گیا ہے، جو بحمدہٖ تعالیٰ عصر حاضر کے نوآموزہ طلبہ اور بہت سارے مدرسین کے لئے اک نادر ونایاب تحفہ اور مشعل راہ ہے"

مذکورہ بالا تحریر میں ترغیب ہے، روشنی اور لچک ہے، یہ ترغیب، روشنی اور لچک مثلث کے تکون سے طلبہ کو کتاب کی جانب راغب کرنے کے لئے کافی ہیں اور شارح کا یہی مقصد ہے کہ طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں، درس دینے کے دوران کہیں پر مشکل بھنور کو پار کرنے میں اساتذہ کے ذہن کی شعائیں ساتھ نہیں دیتی ہیں تو اس کتاب کا سہارا لیں، بات بھی بن جائے گی اور بھرم بھی رہ جائے گا، علم کتاب سے نہیں ہے اور کتاب کے بغیر مکمل بھی نہیں ہے۔

تقریظ کا مطلب ہوتا ہے تعریف کرنا اس کو تھوڑا سا اور وسیع کر دیں تو مطلب ہوتا ہے، کتاب اور اس کے مصنف کی تعریف کرنا اور تعریف کی راہ سے گزرتے ہوئے پہچان بھی کرا دینا، امام علم وفن نے کتاب کی تعریف اور پہچان پہلے کرادی اور اب مصنف کی تعریف اور پہچان اس طرح سے کراتے ہیں:

"اس مؤلف عزیز گرامی وقار مفتی محمد شبیر پورنوی رشیدی اشرفی سلمہٗ القوی، جن کا تعلیمی کچھ عرصہ میرے ساتھ گزرا ذوق تحقیق، جودت طبع ان کا ایک امتیازی شان تھا، عبارات کی گہرائی اور معانی کے عمیق سمندر میں غوطہ لگا کر موتیوں کا نکالنا جس سے طمانیت قلب حاصل ہو، ان کی عادت سی رہی، اسی کا مظہر ان کی یہ شرح اور اس کے دوسرے شروحات بھی ہیں جو اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود زیور تصنیف وتالیف سے آراستہ کرتے رہے"

مؤلف کی تعریف کے مابین کچھ سوانحی کوائف بھی سامنے آئے ہیں کہ مؤلف صاحب تقریظ کے شاگرد رشید ہیں، استاد محترم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس ہونہار کے اندر جودت طبع کے ساتھ ذوق تحقیق کی اٹھتی ہوئی لہر کی شان نرالی ہے، عبارت خوانی کے دوران معانی کے اتھاہ سمندر میں اتر کر وہ موتی نکالتا ہے کہ اس کے اردگرد والوں کو وہاں تک رسائی نہیں ہے، یہ منفرد ہے، منفرد رہے گا، لعل ہے، لعل رہے گا، باکمال ہے، باکمال رہے گا، تعریف کے ساتھ دعا کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، جب کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے تو دعا ضرور دیتا ہے، لہٰذا امام علم وفن نے بھی تعریف کے ساتھ مؤلف کو مندرجہ ذیل دعاؤں سے نوازا ہے:

کی طرح اس شرح کو بھی شرف قبول بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ التحیۃ والثنا........ "مولی تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ مولف شہیر کی اس سعی جمیل کا اجر جزیل اور دوسری شروحات

مظفر حسین غفرلہٗ

کب لکھی گئی، اس کے ماہ سال کیا ہیں، کچھ معلوم نہیں ہوسکا، کتاب کی طباعت کب ہوئی اس کا بھی سنہ طباعت نہیں ہے، ہاں شارح نے ابتدائیہ اختتام پر ۲۶ رذوالحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۵ رمئی ۱۹۹۷ء تحریر کیا ہے اس معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ۱۹۷۹ء میں تقریظ تحریر کی ہوگی، زیرنظر کتاب میں امام علم وفن کے علاوہ کسی اور کی تقریظ یا تقدیم نہیں ہے۔

امام علم وفن کی تیسری تقریظ: امام علم وفن کی تیسری تقریظ میرے پیش نظر کتاب "التشریح المُنیب "لحل" شرح الھذیب " ہے، اس کتاب کے شارح بھی علامہ مفتی محمد شبیر نعیمی پورنوی ہیں، حساس ونباض اور قوت ادراک رکھنے والے تقریظ نگار تقریظ لکھتے وقت اپنے پیش نظر موضوع ومضمون ومواد وعلم کی روشنی میں ماضی وحال کے روزن پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ ان موضوع ومضمون ومواد وعلم پر کتنا کام ہوا ہے کتنا نہیں، طبقہ اہلسنت میں مثبت کام کرنے والے مخلصین کی تعداد بہت کم رہی ہے، جو اپنی محنت سے اپنی قلمی کشت کو آباد کر کے لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں، کاہل، سست، ناکارہ لوگ کام کرنے والوں پر بے جا اور متعصبانہ تنقید کر کے کام کرنے والوں کشت کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دنیا جانتی ہے کہ اہلسنت وجماعت کے اداروں کے طلبہ شروحات کے معاملے میں غیروں کے محتاج تھے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ تو آئینے کی طرح چمک رہی ہے کہ زمین وآسمان کے قلابے ملانے والے قلابے ملاتے رہے، تنقید کی بدبوں دار توپیں داغتے رہے، میدان خالی ہوتا رہا، اس سلسلہ میں امام علم وفن نے بڑی سچی بات کہی ہے، جسے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

> نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم:۔ اختلاف زمانہ کی وجہ سے چونکہ کچھ ایسے حادثات پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جن سے عالم کی ہر شے، متاثر ہو کر رہ جاتی ہے، اس لئے رب قدیر ہر دور میں کچھ ایسے مخصوص بندوں کو پیدا فرماتا رہتا ہے کہ جو اس نقص کو دور فرما کر نئی جان ونئی تازگی بخشا کرے۔
>
> کچھ دنوں پہلے جب علمی بحران کا دور شروع ہوگیا تھا تو اس کی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے محقق عصر حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی اور بحر العلوم حضرت علامہ ومولینا مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمۃ والرضوان نے مدارس نظامیہ میں زیر درس کتابوں کی شرح فرما کر اس کی تلافی کرنی شروع فرمائیں جس کے نتیجہ میں بشیر القادری، بشیر الناجیہ، بشیر الکامل، البشیر اور ہدایۃ النحو، ہدایۃ الصرف، ہدایۃ المنطق، ہدایۃ الحکمۃ، مرقات الفرائض، مفتاح التہذیب جیسی انمول کتابیں ہمارے سامنے آئیں مگر ابھی پیاس بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ داغ مفارقت دے کر ہم سے بہت جلد روپوش ہوگئے، میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شاید یہ میدان خالی ہی رہے گا، مگر رب بشیر ونذیر نے عزیز گرامی وقار مولینا مفتی شبیر پورنوی کو اپنے فضل وکرم سے

اس کی طرف مبذول کر کے پوری قوم مسلم کے لئے احسان عظیم فرمادیا''

ان دو کے علاوہ میدان میں کوئی اور رہا ہے تو وہ نہ چمکے نہ ان کی شرح یا شروحات مشہور ہوئی، اس کام کو وہی شخص بخوبی انجام دے سکتا ہے جو درس گاہ کا ماہر ہو، درسی کتابوں پر مکمل طور پر عبور رکھتا ہو، مخلص ہو، زر کا طلب گار نہ ہو، قانع ہو، صابر ہو، شاکر ہو، علم کا ماہر ہو، تعلیم و تعلم کا شیدائی ہو، نام ونمود کا متمنی نہ ہو، قلم کی کاشت کرنے والے بزرگوں کے قدم پر نگاہ رکھتا ہو، محنتی ہو، جانفشانی سے جی نہ چراتا ہو، علم کی وقعت سمجھتا ہو، قوم کے درد کو اپنا درد جانتا ہو، قوم کے نونہالوں کو آگے بڑھانے کا جذبہ رکھتا ہو، ورنہ ہزاروں آئے اور چلے گئے، قوم سے بہت کچھ لیا اور قوم کو کچھ نہیں دیا، اپنے علم کو زنگ آلود کرلیا، بہتوں کو کبر ونخوت نے ایسا پکڑ کر رکھا کہ تا زندگی ان سے پلا نہ چھڑا سکے، علم بہت تھا شان بہت تھی، لیکن کام کچھ بھی نہیں کئے، اب ان کے شیدائیوں کو رشک یا حسد نے گھیرا ہے تو کہتے ہیں کہ ان پر بھی کام ہونا چاہئے، لیکن محترم کام کیسے ہوگا؟ زیور بنانے کیلئے سونا چاندی چاہئے، ان کے سونے چاندی کو بازار میں لائیے جب لادیں گے تو آپ کے کہے بغیر ہی زیور بن جائے گا، نہیں لائیے گا تو بازار میں گھومتے رہئے، ہاتھ ملتے رہئے، رشک کا جام پیتے رہئے، حسد کی آگ سے خود تپاتے رہئے، مگر کام نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے کام لے لیتا ہے، یہی وجہ ہے امام علم وفن خواجہ مظفر حسین قبلہ تقریظ لکھنے کے دوران تعارف کی جانب مڑ گئے کہ دیکھو! ''التشریح المنیب ''لحل'' شرح الھذیب'' لکھنے والے کی زندگی پر ایک نظر ڈالو:

''عزیزم موصوف ضلع پورینہ کے ایک موضع تارا باڑی میں پیدا ہوئے اور چھ ماہ کی عمر ہی میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے اس کے بعد دادا ان کی پرورش کرنے لگے، ابھی دو سال گذرنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ بھی داغ مفارقت دے گئے، دریا شکست نے بھی انہیں نہیں بخشا کہ اپنے آبائی وطن میں رہ سکے، مجبور ہو کر اپنی والدہ اور برادروں کی ہمراہ وہاں سے دو میل چکلہ میں اپنے نانا جان کے ہاں چلے آئے

چھ ماہ کی عمر میں والد محترم کا انتقال یہ پہلا المناک حادثہ، اس کے دو سال بعد دادا دنیا سے رخصت ہو گئے، امید کی کرن کا معدوم ہو جانا دوسرا بڑا حادثہ، دریائے بلا نے سر چھپانے کی جگہ کو اپنی رَو میں بہا کر لے گیا تیسرا دل ہلا دینے والا حادثہ......

......حادثہ....حادثہ.....حادثہ.....ان حادثات سے لڑتے ہوئے بچہ کیسے آگے بڑھا، خواجہ صاحب؟ خواجہ صاحب کہتے ہیں:

''ابتدائی کتابیں کافیہ تک اپنے علاقہ ہی میں پڑھا اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۷۵ء میں جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مراد آباد پہنچے اور چار سال تک شرح جامی سے موقوف علیہ تام تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد میرے پاس بھاگل پور چلے آئے اور ڈیڑھ سال رہ کر تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرلی''۔

شکریہ خواجہ صاحب! آپنے بہت اچھا تعارف کرایا، آپ بہت ذہین انسان، عالم، مفکر، دانش ور، مزاج شناس، قیافہ شناس، حساس، نباض ہیں، موصوف آپ کے پاس ڈیڑھ سال تک رہے، اس ڈیڑھ سال میں آپ نے ان کے تئیں کیا اندازہ

لگایا، ان کے مستقبل کے تعلق سے آپ نے کیا مزاج شناسی کی؟ وہ یہ کہ:

''خداداذہانت کے ساتھ محنت وکاوش اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ یہ آگے چل کر دین کا عظیم خدمت گذار ہوگا، اور یہی ہوا کہ فراغت کے بعد انہوں نے ''دلائل اہلسنت'' نامی کتاب لکھی جو چھپ کر آج مقبول عام وخاص ہو چکی ہے''

زیر نظر کتاب ''التشریح المُنیب "لحل" شرح الهذیب ''پر آپ نے ایسی تقریظ لکھی ہے جو مختصر ہوتے ہوئے بھی ہمہ جہت ہے..... خوب ہے..... عمدہ ہے..... سب رس کا مزہ دیتی ہے..... آپ آئینۂ علم وفن..... امام علم وفن..... خواجۂ علم وفن ..... زینت علم وفن..... ماہر علم وفن ہیں، زیر نظر کتاب معیار ومواد کے اعتبار سے کتنی عمدہ اور طلبہ کے لئے کتنی مفید ہے؟

''زیر نظر کتاب ''التشریح المُنیب "لحل" شرح الهذیب ''..... جو علم منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب کی ایسی آسان ومبسوط شرح وترجمہ ہے، جس سے قطبی..... ملاحسن ..... حمد اللہ..... ملا مبین ..... ملا جلال..... غلام یحیٰ وغیرہ کے اکثر مسائل حل ہوجاتے ہیں، عبارتوں کے اندر سوال مقدر نکال کر عمدہ جواب دیا گیا ہے، جو مقام محتاج بحث ہے اس میں کافی بحث کی گئی ہے،، شواہد وامثال سے ایسا سمجھایا گیا ہے کہ ذرا سی توجہ سے مسائل بآسانی ذہن نشیں ہوجاتے ہیں، عربی عبارتوں پر اعراب کے ساتھ اُن کا ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے تاکہ مبتدی طلبہ کو دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے''

خواجہ صاحب نے یہ تقریظ لگ بھگ ۳۰/۲۹ سال پہلے لکھی تھی، اس وقت درس گاہ میں آپ کی طوطی بولتی تھی، قلم بھی خوب چلتا تھا، تخیل کے پرواز کی قوت بھی تیز تھی یہاں تک کہ دریا کی لہر کی مانند علمی دنیا میں جوت جگا کر ظلمت کو دور بھگائے ہوئی تھی، علمی اور تحقیقی مقالے جرائد ورسائل میں خوب شائع ہوتے تھے، اس وقت علامہ الحاج مفتی محمد شبیر صاحب کی کونسی شرح زیر تالیف وترتیب تھی اس تعلق سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''ابھی ''نوادر النعیمی بحل شرح ملا جامی'' زیر ترتیب ہے جو علم نحو کی آخری کتاب شرح جامی کی ایسی مبسوط شرح وترجمہ ہے جو افادیت میں اپنی مثال آپ ہوگی، بفضلہ تعالیٰ جلد اول قریب تمام ہے اس کے بعد جلد دوم لکھ کر تفاسیر مبارکہ واحادیث طیبہ کی شرحوں کا ارادہ ہے''

جو نقوش ابھر رہے تھے یا ابھرنے والے تھے خواجہ نے اس کی طرف اشارہ دیا کہ ایسا ہے، ایسا ہونے والا ہے، یہ ماضی کی بات تھی ایک امید لگی ہوئی تھی، اساتذہ وطلبہ سبھی منتظر تھے، وہ دور گزر گیا اور نقوش ابھر گئے، ایسا ہونے والا تھا، ہو گیا اور امام علم وفن نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں، ان کی کیا بلکہ ہر خوش خیال کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں، بزم علم تو مدتوں سے سجی تھی، لیکن بزم علم میں بیٹھے ہوئے مے کش طویل عرصہ سے جام اجمل کو ترس رہے تھے، جام اجمل

آ گیا.... آ گیا.... آ گیا، شور بپا ہو گیا، آیا تو اچھے لباس میں آیا.... عمدہ خیالات میں آیا.... پاک وصاف آیا...... مسکراتے ہوئے آیا...... بن سنور کر آیا.... لانے والے کو.... آنے والے کو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے.... اتنا سننا تھا کہ امام علم وفن دعا کرنے لگے:

"دعا ہے کہ مولی تعالیٰ انہیں حاسدوں کے بغض وحسد سے محفوظ فرما کر تادیر قائم رکھے اور تصنیف وتالیف سے دین متین کی عظیم خدمت انجام دیتا رہے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

خواجہ مظفر حسین غفرلہٗ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

شارح کے حق میں امام علم وفن کی مذکورہ دعا معنی خیز ہے کہ "مولی تعالیٰ انہیں حاسدوں کے بغض وحسد سے" بچائے، ان سے، ان کی شرح یا شروحات سے بغض وحسد رکھنے والے کیا جاہل ہیں؟ کہنے لگے نہیں.... گنوار ہیں؟ فرمانے لگے نہیں.... اَن پڑھ اور ناخواندہ ہیں؟ لب کشا ہوئے نہیں.... پھر کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے جاہلوں کو شارح اور شرح سے کیا غرض؟.... گنواروں کو کیا مطلب؟ اَن پڑھ اور ناخواندہ کو ان سے کیا علاقہ؟ پھر کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے پڑھے لکھے لوگ ہیں.... کیا اسکول وکالج اور یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے والے اپٹوڈیٹ لوگ ہیں؟ کہنے لگے نہیں، عجب معمہ ہے، پھر کون لوگ ہیں، یہ لوگ نہیں تو پھر دار العلوم اور مدرسہ کے فارغین ہی ہو سکتے ہیں؟ مسکرا کر خاموش ہو گئے.... دین کی بات بتانے والے، بغض وحسد سے دور رہنے کی تلقین کرنے والے، دل صاف رکھنے کی دعوت دینے والے بھی ایسے ہو سکتے ہیں؟ کہنے لگے کیا تم ان سفید پوشوں کو آسمان کے فرشتے سمجھتے ہو؟ جاؤ میاں اپنا کام کرو اور میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

امام علم وفن کی چوتھی تقریظ: راقم کے پیشِ نظر امامِ علم وفن کی چوتھی تقریظ بھی علامہ الحاج مفتی محمد شبیر صاحب کی شرح "التجلیات الشبیریہ" جو "المناظرۃ الرشیدیہ" (شارح الشاہ علامہ محمد رشید حضرت دیوان جی جونپوری قدس سرہٗ ہیں) کی شرح ہے، جو فن مناظرہ میں ہے، جس طرح سے علم اسماء، علم بلاغت، علم طب، علم کیمیا، علم معیشت، علم النفس، کے میدان میں اترنے کے لئے ان علوم کی ضرورت ہے ویسے ہی مناظرے کے میدان میں اُترنے کے لئے علم مناظرہ کا پڑھنا اور جاننا ضروری اور لازمی ہے، بغیر علم سیکھے ہوئے کسی میدان میں اترنا جہالت ہے، بلکہ مناظرہ کے علم کو پڑھ کر، فن کو سیکھ کر، رموز کو جان کر میدان میں اترنے والا کامیاب رہتا ہے، یہ فن بہت ہی قدیم فن ہے، اس علم سے مسلمانوں نے خوب فائدے اٹھائے اور اٹھا رہے ہیں، اس لئے کہ اسلام ومسلمانوں کے دشمنوں نے اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کے اعتراضات کئے اور کرتے رہتے ہیں اور ہمارے علما ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور دیتے رہتے ہیں، بہر حال مناظرہ میں پہلے زمانہ میں مناظر دو طرح کے اصولوں پر خاص کر مدنظر رکھتے تھے، وہ دو طرح کے اصول کیا ہیں، مولانا سید عزیز حسین بھاگلپوری لکھتے ہیں:

"مناظرہ میں اصول دو طرح کے ہوتے ہیں بعض لوگ جب اعتراضات کرنے کھڑے ہوتے ہیں یا جواب دینے کو تو فریق کی تجہیل وتحمیق کرتے ہیں اور اس طرح حاضرین کے دل سے اس کا اثر کم کرنے یا

اس کی بات بے وقعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعضوں کی عادت فریق کی تعریف وتحسین کی ہوتی ہے،اس سے مجمع پر مناظرے کی بے تعصبی اور حق پسندی اور عدم نفسانیت کا اثر ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی تقریر کو ناظرین باوقعت سمجھتے ہیں، جناب مولانا (ظفرالدین قادری) کی یہی عادت تھی وہ کبھی فریق کی تجہیل وتحمیق نہیں کرتے بلکہ اس کی تعریف کرتے تھے“

فن مناظرہ کی ارتقا اور تنوع کے پیش نظر اس اصول میں بھی اضافہ ہوا ہے،اس تعلق سے یہاں پر ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، استاذی حضرت علامہ مفتی ابو سہیل انیس عالم قادری علیہ الرحمہ (خلیفہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ النورانی) نے ۱۹۷۵ء میں جب راقم آپ کے دارالعلوم حیدریہ معینیہ، نیا قلعہ سیوان بہار میں زیر تعلیم تھا تو آپ نے فرمایا کہ مناظرہ کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اپنے مدمقابل کے سامنے ہوتے ہی اس کو کسی بات یا کسی ذریعہ سے بوکھلا دیا جائے تا کہ وہ تناؤ کا شکار ہو جائے، آدمی جب تناؤ کا شکار ہوتا ہے تو وہ اپنی یادداشت کی پونجی کو کھو بیٹھتا ہے، پھر استاد محترم نے ایک مناظرہ کی روداد بتائی، ان کا یہ مناظرہ غالباً بہرائچ ضلع یو پی کے کسی مقام پر ہوا تھا، آپ نے کہا کہ جب میں کرسی پر بیٹھا تو لوگوں سے پوچھا کہ میرا مدمقابل کون ہے؟ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک مولوی کی جانب لوگوں نے اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہیں آپ کے مدمقابل! میں نے اس کی طرف اپنی آنکھیں گاڑ دی، اس کے بعد میں نے بلند آواز سے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، یہ مولوی مجھ سے کیا مناظرہ کرے گا، اس کے بعد میرا مدمقابل آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا آپ نے مجھ پر لاحول کیوں پڑھا؟ کیا میں صورت میں کم ہوں یا سیرت وعلم میں؟ آپ مجھ سے کیا سوال کرنا چاہتے ہیں! کیجئے، جواب نہ دوں یا غلط دوں، تب لاحول پڑھیے، استاد محترم نے فرمایا کہ میں نے سامعین کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ لوگوں نے بڑی بڑی کتابوں کے حوالوں سے مناظرے سنیں اور دیکھے ہوں گے، بڑی بڑی کتابوں کے مصنفین کے نام بھی سنیں ہوں گے، آج ہمارا مناظرہ ابتدائی کتابوں سے شروع ہوگا، ہمارے مدمقابل آئے ہوئے مناظر صاحب بتائیں کہ ”قاعدہ بغدادی“ کے مصنف کا نام کیا ہے؟ سوال سن کر موصوف نے سر جھکا لیا اور دس منٹ تک سر جھکائے ہوئے بیٹھے رہے اس کے بعد کرسی سے اتر کر چلتے بنے، سامعین نے فتح کے نعرے بلند کئے، اس طرح سے بغیر بحث ومباحثہ کے مناظرہ ختم ہو گیا، مناظرہ کے تعلق سے کن کن علوم کا جاننا ضروری ہے، ان سے متعلق امام علم وفن اپنی تقریظ میں تحریر کرتے ہیں:

”زیر نظر کتاب ”التجلیات الشبریہ فی شرح المناظرۃ الرشیدیہ“ عزیز القدر علامہ الحاج قاری مفتی محمد شبیر پورنوی سلمہٗ القوی کی تصنیف ہے جو فن مناظرہ کی مشہور کتاب ”مناظرہ رشیدیہ“ کی اردو زبان میں شرح وترجمہ ہے اور فن مناظرہ سے واقفیت چونکہ اسی کو ہوتی ہے جو تمام علوم عربیہ بالخصوص منطق وفلسفہ پر عبور حاصل ہو وہ بفضلہ تعالیٰ عزیز موصوف کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے اسی وجہ سے انہوں نے منطق کی

متعدد کتابوں کی شرح لکھ ڈالا اور علم نحو وفقہ کی بھی! کیوں کہ مناظرہ میں جہاں علم نحو وصرف کی ضرورت پیش آتی ہے وہیں علم فصاحت وبلاغت اور علم منطق وفلسفہ کی بھی!''

امام علم وفن نے بتادیا ہے کہ مناظر کے لئے تمام علوم عربیہ بالخصوص منطق وفلسفہ کا جاننا ہی نہیں بلکہ ان علوم پر عبور ہے ،فصاحت وبلاغت اور صرف ونحو تو مناظرے کی جان ہے ،ان کے علاوہ اور دوسرے کئی علوم کی ضرورت پڑتی ہے ،مثلاً قران کے دلائل کی ،حدیث پاک کی ۔اقوال صحابہ اور بزرگان دین کی ،محدثین ومفسرین کے اقوال کی ،اور مخالفین کی کتابوں کی بھی کہ ان کے عقائد کے عالموں نے ہماری تائید میں کیا کیا لکھا ہے ،نقلی کے ساتھ عقلی دلائل کی بھی۔

''زیر نظر شرح وترجمہ کو اگرچہ بالاستعیاب تو نہیں لیکن جستہ جستہ دیکھنے کا موقعہ ملا ،خوب سے خوب تر پایا ،ترجمہ سلیس اور شرح آسان سے آسان تر کیا گیا ہے۔

مولی تعالی سے دعا ہے کہ شرح مذکورہ کو مقبول عام عطا فرمائے اور اس کے شارح کو دارین کی سعادتوں کے ساتھ مزید زور نوازے ۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ۔خواجہ مظفر حسین غفرلہ ۲۰ ر ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ

اس اقتباس میں ایسی گفتگو ہے جو گفتگو پہلے بھی ہو چکی اب اس خامہ فرسائی پر یہاں مزید کچھ لکھنا مبالغے کو دعوت دینا ہے، ہاں! یہ باتیں یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام علم وفن میدان مناظرہ کے شہسوار ہیں ،آپ نے بریلی میں شیعہ اور جماعت اسلامی کے مناظروں سے بجنور ،بدایوں ،دھام پور ،دیوبند ،سہارن پور ،گگرالہ ،نینی تال ،ہلدوانی اور اپنے وطن بہار وغیرہ میں کئی مناظرے کر چکے ہیں ،اس فن سے خواب واقف ہیں۔

امام علم وفن کی پانچویں تقریظ: راقم کے پیش نظر امام علم وفن کی پانچویں تقریظ بھی علامہ الحاج قاری مفتی محمد شبیر پورنوی کی کتاب ''نوادر النعیمی '' پر ہے جو مختصر ہے ،اس کو جامع بھی نہیں کہہ سکتے ہیں نہ بسیط نہ اس میں کوئی ایسی بات ہے جس پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کئے جائیں ......لیکن نہیں! یہ استاد اور شاگرد کی باتیں ہیں .....استاد نے شاگرد کو سمجھا ،شاگرد نے استاد کو مانا .....اس لئے شاگرد ،استاد کے در پر آیا ''نوادر النعیمی '' کے بارے میں کچھ کہہ دیا جائے ،کچھ لکھ دیا جائے .....ادب واحترام اور عقیدت کی دنیا کہتی ہے کہ استاد ہاں کہہ دیں .....خوب اور عمدہ کہہ دیں .....واہ واہ کی صدائیں بلند کر دیں تو ان کو لعل وگہر سمجھ کر اپنی جھولی میں رکھ لینا چاہئے ..... یہاں استاد نے کتاب کے تعلق سے یہ کہا ہے کہ یہ ''ایک نادر اور عمدہ تحفہ ہے'' اور موجودہ دور میں نایاب کتاب ہے'' سند مل گئی اور یہ سند ہی بہت ہے .....کافی ہے .....اب اس در اُس در بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے ،کیوں کہ امام علم وفن نے حقیقت کو سامنے رکھ کر تعریف بھی کر دی ہے اور دعاؤں سے بھی نواز دیا ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد: ''نوادر النعیمی '' نحوی قواعد کی سب سے آخری کتاب شرح جامی شرح وترجمہ ہے ،جو طالبان علم کے لئے ایک نادر اور عمدہ تحفہ ہے ،شرح جامی کی اکثر عبارت کی مقدر کا جواب

ہے اس میں اس سوال کو نکال کر حسین انداز میں اس کا جواب دیا گیا ہے، عربی عبارتوں کو اعراب سے مزین اور مغلق مقامات کو نہایت اچھوتے انداز میں واضح کیا گیا ہے، حاصل محصول کی بحث جو پوری کتاب میں دشوار مانی جاتی ہے، لیکن اس کو بھی نہایت آسان کر دیا گیا ہے، الغرض وہ طلبہ و مدرسین دونوں کے لئے بے حد نافع اور موجودہ دور میں نایاب کتاب ہے، مولیٰ تبارک وتعالیٰ مؤلف شہیر کی سعی جمیل کا اجر جزیل اور کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین۔ آمین۔ آمین۔ العبد خواجہ مظفر حسین غفرلہٗ ۲۸/اپریل ۱۹۹۲ء

امامِ علم وفن کی چھٹی تقریظ: امام علم وفن کی چھٹی تقریظ کے لئے راقم کے پیش نظر مولانا منظور عالم پورنوی کی تالیف "تعریفات" ہے، تعریفات ایک طرح کی تشریحی لغات ہے، مثال کے طور پر ایک لفظ "جنین" ہے، لغات میں جنین کا معنی دیکھئے تو پیٹ کا بچہ وہ بچہ جو رحم میں ہو۔ ادھورا بچہ۔ مضغہ یعنی لوتھڑا ملے گا، تعریفات میں جنین کی تشریح اس طرح سے ہے، جنین: اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے شکم میں ہو (فائدہ) انسان جب تک شکم مادر میں ہے، اس کو جنین کہتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد زمانۂ شیر خوارگی تک طفل، بعد ازاں بلوغ تک صبی، پھر بلوغ کے بعد چالیس سال تک شباب، بعد ازاں ساٹھ سال تک کہل، پھر آخر عمر تک شیخ "اس تشریحی لغات کے ایک صفحہ پر آٹھ سطر کی امام علم وفن کی تقریظ ہے، جسے ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

۷۸۶/ الحمد ہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

گرامی قدر عالی مرتبت حضرت علامہ منظور عالم کی تالیف دیکھنے کا موقع ملا، حضرت موصوف نے مختلف علوم کی تعریفیں اوران میں استعمال ہونے والے الفاظ کے بھاری ذخیرے اکٹھا کر کے اس کے مفاہیم کو سہل انداز میں بیان فرمایا ہے، زبان شستہ، بیان شگفتہ اور ترتیب طبعی ہے، ماضی میں اس موضوع سے لکھی جانے والی کتابوں کا نچوڑ بھی اسمیں موجود ہے، افادیت کے پیش نظر یہ کتاب نادر روزگار ہے، امید ہے کہ یہ کتاب علماء کے مابین نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، اور مدارس اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طلباء اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کر سکیں گے، مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبولیت عامہ اور مؤلف کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ساتھ ہی دوسری مزید دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ آمین۔ آمین۔ خواجہ مظفر حسین ۲۶/جنوری ۱۹۹۰ء

ابھی تک قارئین نے امامِ علم وفن کی ایک ہی طرح کی یعنی درسی کتابوں کی تقاریظ کو ملاحظہ کر کے شاید اُوب سے گئے ہوں گے اور کہتے ہوں کہ میاں تم کہاں ہم لوگوں کو درس گاہ میں بیٹھا کر قدیم علوم کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کے لئے بیٹھ گئے ہو! گاہے گاہے ایسی ہوائیں چلتی رہتی ہیں جن سے سوکھے پتے بھی نہیں گرتے ہیں، لیکن ہوائیں ناز کرتی ہیں کہ ہم نے جدیدیت کا ذہن دیا ہے، لیکن جب تک قدیم نہیں ہوگا، جدید یا جدیدیت جنم کہاں سے لے گی؟ قدیم کی بنیاد پر ہی جدید کی

بنا ہے،اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ قدیم سے جدید بہتر ہو،مثال سمجھئے کہ لفظ شاعری قدیم ہے،جدیدیت نے اس میں کیا کیا رنگ دیا ہے؟غور سے دیکھئے تو تغیریات کے کچھ رنگ مل جاتے ہیں لیکن بے رنگی اور بے ڈھنگی،کج روی کے رنگ زیادہ نمایاں ہیں،لفظ شاعری کو جس بنیاد پر کھڑا کیا گیا وہ بڑا پائیدار تھا،جدیدیت نے بغیر پائے کے کھڑا کیا اور اس کا نام آزاد شاعری رکھا،اس لئے وہ پائیدار نہیں ہے،یہ ایک الگ موضوع ہے کہ کس کس علم سے کن کن علوم کی شاخیں پھوٹی ہیں،بہر حال دس مکعب مربع میٹر میں کتنے کیوبک پانی ہوتے ہیں یہ علم مفتی کے کام کا نہیں،بحیثیت علم داں کے اگر وہ اس علم کو جان لیتے ہیں تو بہتر ہے،کتنے انچ،کتنے فٹ اور کتنے میٹر کا ایک کیلومیٹر ہوتا ہے یہ علم مناظر کے لئے نہیں ہے،اپنے علم میں اضافہ کے لئے اگر وہ اس علم کو پڑھ لیتے ہیں تو نور علیٰ نور ہوگا،مدرسے ہوں،اسکول ہوں،کالج ہوں یا یونیورسٹی،ہر جگہ قدیم علوم رائج ہیں،قدیم سے دامن بالکل جھٹک لیا جائے تو علم دانو ں کے دامن میں کیا رہ جائے گا؟مساجد کے مؤذنوں،اماموں اور مدارس واسکول کے مدرسین سے یہ سوال کرنا کہ (copyright) کے قوانین کیا ہیں؟تو بیکار ہے کیوں کہ یہ علم ان کے کام کا نہیں ہے اگر وہ لوگ علم داں ہونے کی حیثیت سے اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے جان لیتے ہیں تو اچھا ہے،ہاں یہ علم قلم کاروں کے لئے سودمند ہے،ایک علم ایک لئے نافع نہیں مگر دوسرے کے لئے سودمند ہے،اسی سے ثابت ہوا کہ علم قدیم ہوں یا جدید سب سودمند ہیں لیکن سب کے لئے نہیں،درسی کتابیں عام قاری کے لئے مفید نہیں ہیں لیکن طلبا کے لئے از حد مفید ہیں،جہاں تک (copyright) کی بات ہے تو اس میدان میں صرف سرقہ خوئی ہی نہیں بلکہ لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم ہے،مصنف اور مؤلف بننے کے چکر میں لوگ قوانین کو بالائے طاق رکھ کر جہاں سے جو چیز ہاتھ لگتی ہے،جھپٹ کر اپنے جیب میں ڈال لیتے ہیں،جس کا مال چھپا جاتا ہے وہ بھی خوش ہوتا کہ فلاں مؤلف نے میرے مال سے اپنے مال کو زینت دی ہے،قوانین جاننے کے معاملے میں وہ بھی ناواقف ہوتا ہے،اس کو یہ نہیں معلوم کہ میرے مال سے مؤلف کتنا مال لے کر اپنے مال کو زینت دے سکتا ہے،کتنا نہیں؟بات یہی پر ختم نہیں ہوتی ہے،کتنے لوگ الٹا سیدھا کر کے محقق ہی نہیں بن گئے،بلکہ مدقق جیسے محل پر چھلانگ لگانے کی کوششیں کر رہے ہیں،ان سب باتوں سے صرف نظر کر کے آئیے اب درس گاہ سے ہٹ کر میدان ردوابطال میں چلتے ہیں اور امام علم وفن کی چھٹی تقریظ کو دیکھتے ہیں۔

امام علم وفن کی ساتویں تقریظ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ سے فارغ ہونے والے سب "سب رنگ" تھے کوئی مناظر،کوئی مفسر،کوئی فقیہ،کوئی محدث تھے،اعلیٰ حضرت کے علوم کا رنگ سب پر گہرا تھا،اعلیٰ حضرت نے اپنے شاگردوں کو علم کا بھرپور جام پلایا تھا،جام پینے والوں میں ایک نام شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں کا بھی ہے،ردوابطال اور مناظرہ میں آپ بے مثال تھے،آپ نے سب سے پہلا مناظرہ اپنے طالب علمی کے زمانہ میں کیا جو بڑا دلچسپ ہے،لیکن یہاں پر اس تذکرے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت علامہ ومولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ بہترین مقرر،عمدہ مصنف اور میدان مناظرہ کے مناظر تھے،آپ کی

تالیف ''کھر المعبود علی حزب المردود'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، پیش نظر کتاب کے ناشر کی جگہ: آل انڈیا جماعت رضائے
شاخ ساؤرہ، مہاراشٹر: ہے، اس کتاب پر گل گلزار ہاشمیت حضرت مولانا سید شہنواز صاحب ذوالفقاری رضوی آکولہ کی حوا
ہے اور امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کی تقریظ بھی ہے، کتاب کے عنوان ومضامین ومواد کے پیش نظر امام علم
تمہید ملاحظہ فرمائیے:

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم! امابعد..... ایک خاص موقع پر غیب داں رسول ﷺ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں جلوہ بار تھے، عرش وفرش، ارض وسماء کا منظر آپ کے پیش نگاہ تھا، نظر نبوت لوح محفوظ پر مرکوز تھی لب مبارک پر جنبش ہوئی پھر رب تبارک وتعالیٰ کے فرمان ''**وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ**'' کے پھول جھڑنے لگے۔

وہ دہن سب کی ہر بات وحی خدا — چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

آپ نے ارشاد فرمایا ''**ستفترق امتی علیٰ ثلثۃ وسبعین فرقاً کلھم فی النار الا واحدہ**'' یعنی ہماری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک گروہ کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ما انا علیہ واصحابی'' یعنی وہ جو ہمارے طریق اور ہمارے صحابہ کی راہ پر چلیں گے، بلفظ دیگر یعنی وہ لوگ جو اہل سنت والجماعت ہوں گے''

اس تمہید میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی بھی ہے، ادب کی چاشنی بھی، قرآن کی آیت
ہے، حدیث کے الفاظ بھی، حقیقت کی خوشبو بھی ہے اور امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے شعر کی تازگی بھی، مستقبل میں دی گئی خ
ہے، آخرت کی وعید بھی، حق کا پتہ بھی ہے، باطل کی پہچان بھی، نور کی شعاعوں کی لہریں بھی ہیں، ظلمت کی تیرگی کے دھا
بھی، سرکار ﷺ کے قول کی روشنی میں ہمارے سامنے دو راستے ہیں، ایک راستہ حق کا، حق کے شیدائیوں کا، محبوب کی نظر میں مح
ہونے کا، جنت کا، دوسرا راستہ باطل کا، باطل پرستوں کا، بیکار کا، باغی کا، بدعقیدہ کا، راستہ چلنے کے لئے، ساتھ پکڑنے
لئے، شامل ہونے کے لئے۔ ہمیں انتخاب کرنا ہے کہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے، کون سا راستہ اچھا، بہتر اور عمدہ ہے
پر چلنے سے ہمیں کامیابی ملے گی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوں گے اور آخرت سنور جائے گی، ا
دکھانے والوں کے ہجوم میں کون اچھا ہے، ہماری نہ مانئے، امام علم وفن کی مانئے، ان کی سنئے، وہ کیا کہتے ہیں:

''رب تعالیٰ نے فی زماننا اپنے فضل وکرم سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرضوان کو مجدد اور اہل سنت والجماعت کا ترجمان بنا کر بھیجا اور ساتھ ہی ایک ایسی شخصیت کو ان کا وزیر بنا کر امتِ محمدیہ پر احسان عظیم

فرمایا، آسمان گردش کرتا قرن بقرن بدلتا رہا، حدیث پاک کے بموجب ضال وگمراہ فرقے جنم لیتے رہے اور امام احمد رضا کی بصیرت افروز نگاہیں دیکھتی رہیں اور قلم سیال ان کے رو میں میں چلتا رہا۔ اسی طرح ان کے وزیر شیر بیشۂ اہلسنت مناظر اعظم حضرت علامہ ومولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ ان باطل فرقوں کو پہچانتے رہے اور پھر ایک وقت آیا کہ ''ہل من مبارز'' کہتے ہوئے میدان مناظرہ میں اتر پڑے، باطل پرست فرقوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کرنا کے میں پھینکتے رہے''

امام علم وفن کی سن لیا انہوں نے پہچان کرادی، پتہ بتادیا، کس کا پتہ بتایا؟ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرضوان کا، ان کے وزیر علامہ ومولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ کا، تو پھر آپ اِدھر اُدھر بھٹک کیوں رہے ہیں؟ انہیں کی سنئے، بڑے بڑوں نے ان کی سنی ہیں، ان کے عشق سے اپنے عشق کی لوکو تیز کئے ہیں، ہمارے اکابر نے، ہمارے بڑوں نے مانا اور قبول کیا اور کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرضوان اہل سنت وجماعت کے سرخیل کارواں تھے، اہل سنت والجماعت کے ترجمان تھے، کم از کم ۱۰۵ رعلوم کے ماہر تھے، آپ کا ذہن آفتاب اور قلم سیال تھا۔ جس موضوع پر اٹھا اسے تمام کیا، گستاخوں کی ناک میں دم کر کے تاجدار حرم کے گیت گایا، آپ کے شاگردوں میں آپ کے قدم بقدم چلنے والوں میں علامہ ومولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جن کے متعلق امام علم وفن لکھتے ہیں:

''زیر نظر کتاب اسی گرجدار آواز میں دھاڑنے والے مناظر اہلسنت کی تالیف ہے، بندۂ ناچیز درازیٔ عمر، ہجوم امراض اور بالخصوص علالت چشم میں گرفتار ہے، اس لئے بذات خود اس کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا بلکہ دوسروں سے جستہ جستہ کئی مقامات کو پڑھوا کر سنا اور ساتھ ہی اس کتاب پر لکھے ہوئے، حاشیہ کو بھی سنا بحمدہ تعالیٰ اس کتاب کو بد مذہبی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے میں کامل پایا۔

العبد خواجہ مظفر حسین ۲۶ رذوالحجہ ۱۴۳۱ھ بمطابق ۳ ردسمبر ۲۰۱۰ء

امام علم وفن کی آٹھویں تقریظ:

''نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین! امابعد

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد غزالی قدس سرہٗ پانچویں صدی ہجری کی اس نابغۂ روزگار ہستی کا مبارک ومسعود نام ولقب ہے جسے آج بھی فنون عقلیہ کا امام، علوم نقلیہ کا سرخیل، گروہ صوفیاء کا مقتداء کی حیثیت سے جانا تا ہے، کئی علوم وفنون بالخصوص اخلاق وتصوف اور اصول ورد فلسفہ میں بے شمار کتابوں کو آپ کے قلم حق رقم نے لباس ہستی پہنایا، اخلاق وتصوف میں جہاد آپ کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' اور ''کیمائے سعادت'' درجۂ اسناد رکھتی ہے وہیں رد فلسفہ میں آپ کی کتاب لاجواب ''تہافۃ الفلاسفۃ'' متبعین افلاطون وبقراط کو سر ٹیکنے پر مجبور کر رہی اور کیوں نہ ہو کہ کتاب محض کسی معقولی یا منقولی یا متصوف کی نہیں بلکہ اس ذات

کی ہے جو عقل ونقل وتصوف کا مثلث ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کی شخصیت علوم عقلیہ ونقلیہ میں، طریقت میں، تصوف میں، اصول میں، فلسفہ میں منفرد ہے
آپ کا علمی سکہ ہنوز رائج اور آپ کی تصانیف مقبول وتر وتازہ ہیں اور کئی کتابیں داخل نصاب ہیں، ان میں سے ایک کا نام "تہافۃ
الفلاسفہ" عربی زبان میں ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا مفتی اسرار احمد صاحب، برہان پور۔ایم پی، نے کیا ہے اور امام علم وفن نے
اس پر تقریظ لکھی ہے، تقریظ کا ایک حصہ اوپر گزرا ایک حصہ یہاں ملاحظہ کیجئے:

اول الذکر دونوں کتابوں کے ترجمے تو دستیاب ہیں مگر "تہافۃ الفلاسفہ" کم یاب اور عربی میں ہونے کی وجہ کی سے عام اہل علم اور طلبہ کی دسترس سے باہر رہی، ضرورت تھی کہ کوئی بندۂ خدا اس علمی، تحقیقی کتاب کا ترجمہ اور اس کے پُر پیچ مقامات کی تشریح کردے، خدائے علیم وخبیر جل جلالہٗ جزائے خیر مرحمت فرمائے عالی جاہ حضرت مولانا مفتی اسرار احمد صاحب قبلہ (برہان پور۔ایم پی) کو جنہوں نے میرے شاگرد رشید اور اپنے استاد ومرشد اجازت حضرت مولانا مفتی کوثر حسن صاحب قبلہ زید حبہٗ کے امجاد پر انہیں کے زیر نگرانی نہایت جانفشانی وعرق ریزی کے ساتھ اس کام کو بحسن خوبی منزل تکمیل سے ہم کنار کیا۔

امام علم وفن نے خلاصہ کر دیا، کتاب کی اہمیت کو بتا دیا، مترجم کا نام اور مترجم کا ہاتھ بٹانے والے کا بھی ذکر خیر فرما دیا ہے
اس کے بعد اپنی حالت اور کیفیت بھی بتا رہے ہیں، کتاب کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، خاکساری کا اظہار بھی کیا گیا
ہے، مترجم وشارح کے لئے دعا بھی کی ہے، ان ساری باتوں کو ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

بندۂ ناچیز ہجوم امراض، پیرانہ سالی اور ضعف بصارت کی وجہ سے پوری کتاب پڑھ تو نہیں سکتا تھا، البتہ جستہ جستہ مقامات سے پڑھوا کر سنا، ترجمے کی سلاست وروانی ترجمہ نہیں بلکہ مستقل کتاب کا احساس دلاتی ہے مشکل مقامات کی تشریح وتوضیح نیز حل لغات کا اضافہ جہاں کتاب کی اہمیت کو دو چند کرتا ہے وہیں مترجم ومشرح کی اعلیٰ علمی وفنی صلاحیت کا غماز بھی ہے۔

بندۂ ناچیز معطی علم وحکمت عزاسمہ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ اس ترجمہ وتحشیہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور عوام وخواص سبھی کو اس سے مستفیض ومستنیر ہونے کی توفیق بخشے، آمین رب العالمین ،سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیمانہ علیہ وعلے الہ واصحابہ اجمعین۔

امام علم وفن کی نویں تقریظ: حضرت علامہ وقاضی محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ والرضوان کی تصنیف لطیف "مسلم الثبوت" کو یہ
شرف حاصل ہے کہ اس کتاب پر جہاں جید علمائے کرام نے شرحیں لکھیں، وہیں پیشوائے اہل سنت حضرت امام احمد رضا خاں
قدس سرہٗ نے بھی اپنی دس سال کی عمر میں "مسلم الثبوت" پر حاشیہ لکھا، دور حاضر میں اصول فقہ کی اس عظیم کتاب پر علامہ محمد معین

الدین اشرفی مصباحی بھاگلپوری نے شرح لکھی اور امام علم وفن خواجہ مظفر حسین صاحب نے گراں قدر تقریظ تحریر کی ہے، گراں قدر تقریظ سے مراد طول طویل نہیں بلکہ کتاب کی اہمیت پر جو باتیں کی ہیں، اس لحاظ سے گراں قدر ہے، جو شخص علوم کے معاملہ میں سمندر ہو اور ستاروں کے جھرمٹ میں چاند ہو اس شخصیت کا کیا کہنا، ایسے ہی تھے، علامہ وقاضی محب اللہ بہاری آپ کی تصنیف ''مسلم الثبوت'' کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور ہے، تقریظ پڑھئے اور دل شاد کیجئے:

''نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: امابعد

اعلم اصول فقہ میں حضرت علامہ وقاضی محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ والرضوان جن کی شان میں علماءِ عظام فرماتے ہیں ''بحرست از علوم وبدرے ست بین النجوم'' کی تصنیف لطیف ''مسلم الثبوت'' کی اہمیت علماءِ کرام سے مخفی نہیں، ہندوستان کی عظیم درسگاہوں میں درجۂ تخصص کے طلبہ کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کی جامعیت اور ایجاز کی وجہ سے چند علمائے کرام نے اس کا مطلب خیز ترجمہ اور اس کی تشریح پر مشتمل کئی کتابیں لکھی اور متعدد جید علماءِ کرام نے اس کی مبسوط شرح بھی تالیف فرمائی، انہیں علماءِ کرام کی مطابقت میں ''خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد معین الدین اشرفی مصباحی بھاگلپوری'' نے اس کی جامع شرح بنام ''اشرف الثبوت شرح مسلم الثبوت'' تحریر فرما کر ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، ہم نے از ابتدا تا انتہا اس کا مطالعہ کیا جس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نگاہ سے گذری ہوئی تمام شروحات سے کہیں زیادہ یہ شرح جامع ہے ، انداز تفہیم نہایت عمدہ اور سہل ہے، کتاب کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت موصوف نے یقیناً علم دین کی خدمت کے لئے انتھک کوشش فرمائی ہے اور بہت ساری بحثوں کو نکھارنے کے لئے سعی تمام کی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شرح کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور اس کے مصنف کو مزید علم دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ واٰخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

خواجہ مظفر حسین پورنوی.... شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد یوپی

<u>امام علم وفن کی دسویں تقریظ:</u> فن تفسیر میں جلالین شریف کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، یہ وہ تفسیر ہے جو دنیا کے بہت سارے ملکوں کے مدارس اسلامیہ میں پڑھتی ہے، کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، اردو میں بھی اس کے ترجمے تھے، لیکن اللہ جسے توفیق بخشتا ہے وہی علمی دولت میں اضافہ کرتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت مفتی محمد شاہد علی مصباحی صاحب کو توفیق بخشی تو آپ نے جلالین شریف کی شرح لکھی، جسے امام علم وفن نے سراہا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، کس حال میں تقریظ لکھی ہے، بات وہاں سے ہی شروع کی گئی ہے، لیجئے ملاحظہ کیجئے:

مسلسل علالت طبع اور کثرت کار کی وجہ سے میری توجہ اس کتاب کی طرف مبذول نہ ہو سکی، البتہ اس کتاب

کو جستہ جستہ مقامات سے میرے شاگرد رشید عزیزم محمد حبیب الرحمن نعمانی نے پڑھ کر سنایا ، یقیناً سن کر مسرت ہوئی کہ حضرت مفتی محمد شاہد علی مصباحی استاد و مفتی المرکز الاسلامی دار المفکر بہرائچ شریف نے اپنی تمام تر عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ اس کی تالیف فرمائی اور اس کتاب کو ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

چونکہ فن تفسیر میں جلالین شریف کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں یہ وہ مقبول آفاق کتاب ہے جو ہر مکتبہ فکر کے اداروں میں پڑھائی جاتی ہے لہذا حضرت مفتی صاحب قبلہ کی یہ کاوش شروحات جلالین کے باب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے، اور اس شرح کا مطالعہ علما و طلبہ کے لئے یکساں مفید ہے، مولی تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس کتاب کو مقبول انام بنائے اور اس سے استفادہ کو آسان تر فرمائے۔ آمین

خواجہ مظفر حسین عفی عنہ دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور

امام علم وفن کی گیارہویں تقریظ:

''نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم: امابعد

یوں تو علم ہیئت میں اہل فن نے بہت سی کتابیں اہل فکر و نظر کو تحفہ کی شکل میں عنایت کیں، لیکن چند ہی کتابیں ایسی ہیں جنہیں فن ہیئت کے بنیادی مسائل میں اصول موضوعہ کا درجہ دیا جاتا ہے، انہیں چند کتابوں میں رسالہ قوشجیہ بھی شامل ہے، اس کتاب کی انفرادیت کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں درس گاہ سے حاصل شدہ یا کسی فنکار سے سنی ہوئی باتیں نہیں ہیں، بلکہ خود صاحب الارصاد علامہ علاء الدین قوشجی علیہ الرحمہ نے رصد گاہ میں بیٹھ کر اپنے ذاتی مشاہدات و محسوسات کو قلم بند فرمایا ہے، اس لئے یہ کتاب مبانی الاصول کی حیثیت سے روز اول ہی سے اہل فن کا مرکز فکر و نظر رہی، کتاب کی ایجاز بیانی کی وجہ سے جامع شریعت وطریقت واقف اسرار معرفت وحقیقت الشاہ وجیہ الدین گجراتی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی نایاب شرح فرما کر مزید اس کے حسن و جمال میں چار چاند لگا کر سونا پہ سہاگہ کی کیفیت پیدا کر دی۔

کتاب کا تعارف ہو گیا، کتاب کس فن میں ہے، کتاب کی اہمیت کیا ہے، کتاب کی انفرادیت کی وجہ کیا ہے، کتاب کے وجود میں آنے کے بعد ہی اہل فن کا مرکز فکر و نظر رہی ہے، اہل علم اس کتاب سے مستفید ہوتے رہے اور دوسروں کو فیضیاب کرتے رہے، سبحان اللہ کے نعرے لگتے رہے، علم ہیئت کا دریا بہتا رہا، نعرے کی صدا سن کر دوسرے بھی علمی قافلے میں شریک ہوتے رہے، اس فن کے جاننے والے اور اس پر قلم چلانے والے کو رغبت پیدا ہوئی، اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اس کے حسن و جمال میں چار چاند لگانا چاہئے، سونا پر سہاگہ کو اتارنا چاہئے، اس سے کیا ہوگا؟ علم کی تشنگی بجھے گی، لوگ فائدہ اٹھائیں گے، سلسلہ

دراز ہوگا، یکے بعد دیگرے کے سینے میں، ذہن میں، عقل میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں گی، لیکن ہوا کیا؟ امام علم فن کہتے ہیں:

مگر اس دور قحط الرجال میں یہ شرح بھی فن ہیئت کے الجھے گیسوؤں کو سنوارنے کے لئے کافی نہیں رہی، تو حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ حال مقیم برطانیہ نے اس کتاب کو برائے تحشیہ اس بندہ ناچیز کے پاس روانہ فرمادیا، بندہ حقیر نے علالت کی وجہ معذرت فرما کر یہ خدمت فاضل اَریب ماہر علم ہیئت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی کے حوالہ کردی، بعد اتمام اس بندہ ناچیز نے اسے دیکھا اور پڑھا، ماشاء اللہ حاشیہ نگاری میں موصوف نے کمال کردیا ہے، ایسی ایسی نادر باتیں درج فرمادی ہیں جو بڑی بڑی کتابوں ہی میں مل سکتی ہیں، ہمیں امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو پڑھنے کے بعد برجستہ محشی کیلئے دعائے خیر فرمائیں گے، میں بھی رب قدیر کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ محشی کے علم وعمل میں بے پناہ برکتیں فرمائے اور عوام وخواص کو اس کتاب سے مستفید ومستنیر بنائے (آمین)

خواجہ مظفر حسین غفرلہ ۱۷رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۵ر دسمبر ۲۰۰۹ء

امام علم وفن کا چابک دست اور سیال قلم خوب چلا، ان کی جوانی میں چلا، ان کے بڑھاپے میں چلا، مرض میں چلا، صحت میں چلا، علوم وفنون کے مشکل، ادق اور لاینحل ڈگر پر یکساں چلا، صرف چلا ہی نہیں بلکہ چلتے وقت نئی آن اور نئی شان سے چلا، ایسا چلا کہ دوسرے چلنے والے اس قلم کو دیکھنے لگے، آپ نے علوم پر لکھا اور لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی، یہ حوصلہ افزائی کے خاکے قارئین کے سامنے ہیں، اس زر پرستی وزر پسندی اور سہل انگاری کے دور میں بھی مخلصوں کی کمی نہیں جو اپنا قیمتی وقت نکال کر تصنیف وتالیف میں لگے ہوئے ہیں، اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ تصنیف وتالیف کا کام منافع بخش ہے تو یہ خام خیالی ہے، مذہبی دنیا میں یہ کام کرنے والے آخرت کی امید پر خالص لوجہ اللہ کرتے، مہینوں بلکہ سالوں محنت کر کے دوسو، چارسو، چھ سو، آٹھ سو اور ہزار صفحات کی کتابیں تصنیف وتالیف کرتے ہیں جو خوشی کی بات ہے، لیکن جب یہ مصنفین یا مؤلفین ایک یا دو صفحات کی تقریظ و تقدیم کے لئے معروف اور غیر معروف کے پاس جا کر منت وسماجت کرتے ہیں اور یہ معروف اور غیر معروف بدمست ہاتھی کی طرح جھوم کر عیاری کا آئینہ دکھا کر اور مکاری کا دفتر کھول کر کہتے ہیں کہ میرے ذمہ بہت کام ہے، اس وقت میں آپ کو وقت نہیں دے سکتا نہ اتنا وقت ہے کہ میں آپ کی کتاب کو پڑھوں، اس وقت سخت افسوس ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے متین حضرات تقریظ اور پیش لفظ کو خیر باد کر رہے ہیں، ایسے دور میں امام علم وفن کو راقم مبارکبادی پیش کرتا ہے کہ آپ نے لکھنے والوں کے لکھے پر لکھا اور حوصلہ افزائی فرما کر آگے بڑھنے کی راہ ہموار کی ہے، یہی وجہ ہے کہ: اہل علم آپ کو آئینۂ علم وفن .....امام علم وفن..... خواجۂ علم وفن..... زیب وزینتِ علم وفن..... زینت علم وفن..... ماہر علم وفن..... محافظ مسلکِ حنفیت..... وارث علوم امام احمد رضا..... یادگار اسلاف..... یادگار ملک العلماء..... قائد اہل سنت کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ ☆☆☆

امام علم وفن: سوانح نگاری

مولانا محمد ابراہیم آسی، جامعہ قادریہ اشرفیہ ممبئی

علم وادب کے حوالے سے ہوں یا تحقیق وتدریس کے حوالے سے امام علم وفن محتاج تعارف نہیں ان کی علمی کرنیں ہر سو بکھری نظر آتی ہیں میدان علم وادب کے وسیع حلقے پر نظر عمیق ڈالی جائے تو بوڑھے، جوان اور بچے بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے علمی فیض سے مستفیض ومستنیر نظر آتے ہیں ۱۹۳۴ء میں آپ نے ایک علمی اور دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ملک العلماء اکتساب فیض کیا ۱۹۵۵ میں مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا ۱۹۵۶ء میں آپ کے سر پر العلما ورثۃ الانبیاء کا تاج زریں رکھا گیا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو سند حدیث عطاء کی درس وتدریس کا آغاز منظر اسلام بریلی شریف سے کیا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پر بیعت کی مرشد برحق کی حق شناس نگاہ نے آپ کو پرکھا اور ساتھ ہی ساتھ خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

آپ ہندوستان کے اعلیٰ اور معیاری درس گاہوں، مظہر اسلام بریلی شریف، دارالعلوم مصطفائیہ پورنیہ، مظہر اسلام بریلی، جامعہ عربیہ سلطان پور، دارالعلوم فیضیہ بھاگل پور، جامع اشرف کچھوچھہ، دارالعلوم فیض الرسول براؤں، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، مدرسہ قادریہ بدایوں، دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور کو علم وفن اور فکر ونظر کی تابشیں عطا کیں۔ بروقت چرہ محمد پور میں گوہر نایاب لٹا رہے ہیں۔

آپ کی زندگی کا جائزہ لینے کے بعد یہ بخوبی انداز ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ بحر ناپید ہے تدریس ہو کہ تحریر، تقریر ہو کہ تحقیق کہیں بھی آپ کی علمی چمک ماند نظر نہیں آتی۔۔ جب آپ مسند تدریس پر براجمان ہو کر منطق وفلسفہ کا درس دیتے ہیں تو رازی وغزالی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جب آپ کا قلم تحقیق کی طرف اٹھتا ہے تو دلائل وبراہین سے پر،، ٹی وی کی تحقیق،، معرض وجود میں آتی ہے فی زمانہ بڑے بڑے اہل نجوم اور علم توقیت پر دسترس رکھنے والے آپ کی بارگاہ میں طفل مکتب بن کر زانوئے ادب تہہ کئے نظر آتے ہیں آپ کی تحقیق وتدقیق، تلاش وجستجو دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا علم صرف کسی نہیں

ہے بلکہ اپنے پیرو مرشد کی طرف سے عطائی بھی ہے۔جس کا اعتراف آپ خود اپنی زبان ترجمان سے کرتے ہیں۔آج بھی مشاہیر علماء کرام مشائخ عظام آپ کی تحقیق پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے سرخم کرتے ہیں۔

آپ صرف علم وفضل کے کنواں یادریا نہیں ہیں کہ تشنہ لب وہاں آکر اپنی پیاس بجھائے بلکہ فضل وکمال کے ابر دریا بار ہیں کہ خود ہی برس کو سیرب کرتے ہیں آپ نے ہرفن میں طبع آزمائی کہ ہے اور نوک قلم سے زلف وگیسو کو سنورا ہے اور اس فن کی باریکی کا بھی آپ نے خیال رکھا ہے۔ آپ کی تحریروں کے مطالعہ کے بعد یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ فن سوانح نگاری میں بھی آپ بلند مقام رکھتے ہیں۔

آیئے فن سوانح نگاری کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کتنا ادق اور مشکل فن ہے اس کے باوجود امام علم وفن نے اس کو بخوبی نبھایا ہے۔ڈاکٹر ممتاز فاخر لکھتے ہیں،،سوانح عمری تاریخ کی ایک شاخ ہوتی ہے اس کا مقصد جہاں تک ہو سکے دیانت داری کے ساتھ کس فرد کی زندگی کا بیان ہوتا ہے سوانح نگاری فرض یہ ہے کہ وہ مؤرخ اور مصور دونوں حیثیتوں سے کام کرے۔ مصور کا فرض یہ ہوتا ہے۔جس کی تصویر سازی کی جائے اس کی ہی شبیہ ہو اور فن کا نمونہ ہو اور مؤرخ کا فرض یہ ہے کہ حقائق کو قابل فہم انداز میں ترتیب دینا ہے''سوانح نگاری کا موضوع کوئی شخصیت ہوتی ہے خلاق ازل نے ہر انسان کو مخصوص شکل وصورت قدو قامت سیرت وکردار،ذہنی اور فکری صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہر عام انسان کی سوانح عمری ترتیب نہیں دی جاتی ہے بلکہ کسی قومی رہنما،مذہبی پیشوا،مدبرین سیاست،صحافی،مقرر،محدث،مؤرخ،محقق،نقاد،پیرومرشد، شاعر،فلسفی،اور کسی فن کے ماہرفن کار کو سوانح عمری کے لئے منتخب کیا جاتا ہے اسی کے پیش نظر اگر دیکھا جائے تو امام علم وفن کے قلم نے ایسی شخصیت کی سوانح نگاری کی ہے جو مذہبی پیشوا بھی ہے اور پیرو مرشد بھی،محقق بھی ہے اور مقرر بھی،محدث بھی ہیں اور شاعر بھی روحانی معالج بھی میں اور تصوف کے بے تاج بادشاہ بھی وہ ہیں آپ کے پیرو مرشد مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ،سوانح نگار کے لئے سب سے اہم مسئلہ مواد کی فراہمی کا ہے حضور مفتی اعظم ہند کا بیشتر گوشۂ زندگی آپ کے پیش نظر تھا ماہرین نے سوانح نگاری کی ادبی اہمیت کو متعین کرنے کے لئے تین لوازم کی نشاندہی کی ہے موضوع،مواد،اور اسلوب اور یہ تینوں چیزیں امام علم وفن کی سوانح نگاری میں پائی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ فن سوانح نگاری میں انداز بیان کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

فن سوانح نگاری ایک شعوری مگر تخلیقی عمل ہے سوانح نگار کو واقعات فراہم کرنا انہیں سچائی کی کسوٹی پر پرکھنا اور حدود متعین کرنے پڑتے ہیں اور ان تمام مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے خام مواد کی تحقیق وجستجو لے کر اسے منظم انداز میں پیش کرنے تک تخلیقی عمل کا ایک طویل سلسلہ ہے۔جس سے سوانح نگار کو بحسن وخوبی نمٹنا ضروری ہے سوانح عمری سے مراد ازمان ومکان اور ماحول کے پس منظر میں کسی مخصوص فرد کی داخلی اور خارجی زندگی کا ایک ایسا جامع مطالعہ ہے۔جس سے اس کی زندگی کے ارتقاء پر روشنی پڑے سوانح نگار کے افکار ونظریات میں ہم آہنگی بھی ضروری ہے کیونکہ نظری اختلافات کے باعث سوانح نگار صاحب سوانح کی زندگی

کے بعض اہم پہلو نظر انداز کر سکتا ہے اس میں دو رائے نہیں کہ امام علم وفن اور حضور مفتی اعظم ہند کے مابین عظمت والفت کا ایک عظیم سنگم ہے اور دونوں کے مابین نظریاتی اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضور مفتی اعظم ہند کے جملہ نظر وفکر کو قبول کر کے ہی امام علم وفن اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

انسان کو یاد رفتگان سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اپنے اسلاف اور بزرگوں کے کارنامے کو جمع کرنے اور یاد رکھنے کا دستور از منہ قدیم سے چلا آرہا ہے اس دور میں بھی جبکہ انسان تحریر کے فن سے نا آشنا تھے اپنے بزرگوں اور سرداروں کی مہمات اور کارناموں کو گیتوں اور قصائص کی شکل میں محفوظ کر کے سینہ بہ سینہ نسل در نسل منتقل کیا جاتا تھا ان زبانی روایات کو سوانح نگاری کا پہلا قدم کہا جا سکتا ہے۔ سوانح نگاری میں صداقت وحقیقت بیانی کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی ضروری ہے سوانح میں ادبیت اسلوب کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے سوانح نگار کے قلم میں تازگی دلکش اور شگفتگی ہونی چاہئے۔ خواجہ علم وفن کے قلم میں یہ باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں آپ اپنے صاحب سوانح نگار حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ االرضوان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

''اس عزیمت وتقویٰ کے حامل اور رخصت واجازت کے حاکم کی عجب نرالی شان تھی'' جب بھی ان کے متعلق سوچا گیا تو فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ آپ میں اخلاق ادب کا غلبہ ہے یا وجدان وحسبان کا، فقہ و کلام کا زور ہے یا ملکہ اور استحضار کا، علم کے جبہ ودستار کو فضیلت ہے یا ردائے درویشی کو رفعت، جس طرف نگاہ اٹھی اس کی قسمت کا ستارہ اوج ثریا پر نظر آنے لگا جدھر سے نگاہ پھیر لی اس کا بیڑا غرق ہو گیا یقیناً یہ تصرف فی الامور کی آیات طاہرہ تھیں سوانح نگاری میں اسلوب کے سلسلے میں یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلوب کو شگفتہ شاداب اور دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ حفظ مراتب کا حامل بھی ہو جا چاہئے سوانح نگار پر لازم ہے کہ صاحب سوانح کی شخصیت کے شایان شان اور مہذب وشائستہ اسلوب بیان تخلیق کرے اسلوب کی بنیادی شرط اس کا ادبی حسن اور جمالیاتی قدریں ہیں رشحات قلم جمالیاتی عناصر سے مالا مال ہونا چاہئے،،

یہ امام علم وفن کا ہی حق تھا کہ انہوں نے سوانح نگاری کے جملہ امور کی رعایت کرتے ہوئے سوانح نگاری کے فن کو خوب خوب نبھایا ہے اور اپنے زمانے کی عبقری شخصیت کی سوانح نگاری کی ہے جن پر بڑے بڑے علما اور دانشور چند جملے لکھ کر خراج عقیدت پیش کرنا اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اور اردو زبان وادب

مولانا محبوب رضا قادری، الجامعۃ الرضویہ کلیان

امام علم وفن کی زندگی میں عجیب رنگارنگی ہے۔ اکتساب نظر بھی ہے اور فکر کی طلب بھی۔ ذوق شاعری بھی ہے اور شوق زبان وادب بھی۔ ان تمام رنگوں سے آراستہ ہو کر ان کی شخصیت ہمہ رنگ ہو گئی، اور اس ہمہ رنگی میں ان کی عمر گریزاں، شعاعِ نور اور نکہت گل کو نئی نسل پر بکھیرنے اور پھیلانے میں تمام ہو رہی ہے۔ اس طرح ماضی سے حال تک ان کی متحرک زندگی کا ایک طویل سلسلہ قائم ہے۔ آج سے نصف صدی قبل کا دور، مدارس کے لئے علم وفن کے عروج کا دور کہلاتا ہے جس میں علوم و فنون کی منتہی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور تعلیم وتعلم کی زبان اردو تھی۔ امام علم وفن نے اسی زبان میں درس لیا اور جب درس دینے کی باری آئی تو اسی زبان میں درس دیا۔ مگر وہ صرف افہام وتفہیم کی زبان تھی ادب کی زبان نہ تھی۔

شاہین کو فرصت پرواز ہی نہ ملی کہ وہ اردو زبان وادب کے داستانوں میں صبح حیات اور شام زندگی گزارتے اور شبستان غزل میں عروسان غزل کے دل نواز نغمے کانوں میں رس گھولتے اور ذوق وشوق کے ویرانہ میں کوئی جوگن ستار بجاتی چلی جاتی، ایسا کچھ نہ تھا اس حقیقت کے باوجود، کہ ان کی زندگی سنسان خلوت میں گذری وہ ہجوم روزگار سے دور رہے۔ مگر یہی خلوت، رشک صدا انجمن تھی، جہاں علم وفن کے چراغ جل رہے تھے۔ ان کا ترک دنیا اور سحر طراز قلم، علمی مضامین فنی مقالات، زیب قرطاس کر رہا تھا، جو اہل دانش کو دعوت فکر ونظر دے رہے تھے اور حق پسندوں سے خراج تحسین حاصل کر رہے تھے۔

کبھی وہ' کلک رضا کی خلا پیمائی، کا عنوان قائم کر کے امام احمد رضا قدس سرہ کے دعویٰ کا علم ہندسہ کے دائرہ سے ایسا عملی ثبوت پیش کرتے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا کہ یہ امام احمد رضا کا دعوی، دعویٰ محض نہیں ٹھوس حقیقت ہے۔

اور کبھی' امام احمد رضا اور علم جفر، کے عنوان سے ملک وملکوت کے اسرار ورموز کی نقاب کشائی کرتے، تو کبھی' ٹی۔ وی کی تحقیق ، پر داد تحقیق دیتے ہوئے حرکت وسکون، فنا وبقا، انضمام وانطباع اور حقیقت وتوہم کی زلف برہم سنوارتے، اور رنگ ونور سے صورت گری کرتے ہوئے عکس وتصویر کی الگ الگ دنیا ذہن وفکر کی نگاہوں میں بسا دیتے۔ یہی نہیں' شمالی امریکہ کی

سمت قبلہ، کو تحقیق کے آئینے میں لاکر خاص وعام سب کو نظارہ کرادیتے۔

تحقیق و نازک خیالی اور تدقیق و شریں بیانی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے فکری، فنی اور شرعی مسائل کی تحقیقات میں زبان و بیان کی لطافت اور اسلوب کی شگفتگی ڈھونڈھی نہیں جاتی۔ یہ چیزیں شاعروں، ادیبوں اور نثر نگاروں کی متاع سخن میں ڈھونڈھی جاتی ہیں، جن کی صبح زندگی لسانی دبستانوں اور شام حیات، زبان وادب کے شبستانوں میں گذرتی ہے۔

اس کے باوجود، امام علم وفن زبان وادب آشنا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تحقیقاتی مضامین میں زبان وادب کی جلوہ گری ہے۔ جا بجا خوبصورت جملے، حسین تراکیب اور شگفتہ اسلوب بیان زیب نظر ہوتے ہیں۔

قدرت نے انہیں جس طرح تحقیق و تدقیق کے لئے فکر و فہم مستقیم عطا فرمایا ہے اسی طرح زبان وادب کے لئے ذوق سلیم سے بھی نوازا ہے۔ اسی لئے ان کی علمی تحقیق ہو یا فنی تدقیق، ان میں قارئین کو زبان کے چمکتے غنچے اور بیان کے کھلتے گلاب ملتے ہیں۔ 'امام احمد رضا اور علم جفر، کے موضوع پر ان کے سیال قلم سے نکلے ہوئے چند خوبصورت جملے اہل ذوق کی ضیافت طبع کیلئے حاضر ہیں:

> پہلے طبقے کے صاحبان علم و آگہی، جہان نو پیدا کرتے رہے۔ نفع و ضرر سے بے نیاز حکمت و دانائی کے چراغ روشن کرتے رہے، فکر و فن کے گیسو سنوارنے میں اپنی زندگیاں تجتے رہے۔ آج بھی ان کے افکار کی نکہتیں علمی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں۔ ان کی نکتہ رسی کی کہکشاؤں سے آسمان علم وادب تابندہ ہے، ان کی دیدہ وری کے فیضان سے فکر و فن کی انجمن آباد ہے۔

پورے اقتباس کی زبان و بیان کے حسن و جمال میں چنے ہوئے الفاظ، عمدہ تشبیہات و استعارات، شگفتہ بندشیں، شستہ تراکیب، سبک اور حسین جملے چار چاند لگا رہے ہیں۔

میر انیس نے کہا ہے کہ:

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

ایک مفہوم کو رنگ برنگ انداز میں بیان کرنا، قدرت بیان کی دلیل ہے وسعت زبان کا کمال ہے۔ 'شب قدر کی فضیلت' کے عنوان سے امام علم وفن کا مضمون زیب نظر ہے جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ 'رات' کی رنگارنگی سے کس قدر واقف ہیں اور اس کے تنوع کو بیان کرنے کا انہیں کیسا سلیقہ ہے؟ انہوں نے 'رات، کو کتنے رنگوں سے باندھا ہے ملاحظہ کیجئے! اور زبان و قلم کی گل کاری کو داد دیجئے۔

> ''یوں تو بہت سی راتیں آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔ رموز و اسرار کی راتیں، نغمہ و ترنم کی راتیں، رقص و سرور کی راتیں، عیش و طرب کی راتیں، کیف و سرور کی راتیں، راحت و نشاط کی راتیں۔ غم و الم کی راتیں، رنج و ستم کی راتیں، وصل و پیام کی راتیں، ہجر و فراق کی راتیں، نہ جانے کتنی قسم کی راتیں ہوتی

ہیں جو عالم رنگ و بو میں اپنی گیسوئے تیرہ وتار کی پرچھائیں ڈال کر چلی جاتی ہیں۔
لیکن انہیں راتوں میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس کی نکہت و نور پر صبح کی کنواری صباحت نثار، اور لیلۃ البراءۃ کا پرشباب اجالا قربان! جس کے آگے کہکشاں کی جگمگاہٹ فیل، اور جس کی دیدہ زیب رنگوں پر قوس وقزح کی رنگینیاں فدا، ثریا جس کے ماتھے کا جھومر، بنات النعش جسکے گلے کا مالا، عطارد جس کی ناک کی کیل، مشتری وزہرہ جس کے کانوں کے جھمکے، زحل ومریخ جس کے پازیب۔
الغرض! شب قدر، وہ ملکوتی دلہن ہے کہ آسمان کے یہ سیارے اس کے زیور اور گہنے ہیں۔
امام علم وفن کی تحریر کا یہ انداز، زبان وبیان پر ان کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔
زبان وبیان پر کمال قدرت کے ساتھ ساتھ امام علم وفن میں افسانہ نگاری کا جوہر بھی مخفی تھا۔ علم ہیئت کا مسئلہ **سبع عرض شیرہ**، سے متعلق ان کے افسانہ **اس شخص کی تلاش ہے**، کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

ملا گلفام کی صورت اتر چکی تھی اور چہرہ مرجھا چکا تھا۔ اس کی مسکین صورت، ہماری آنکھوں کے سامنے گھومتی نظر آتی رہی ہے؛ اور جب بھی قرطاس موامرہ پر نظر پڑتی ہے اس کا افسردہ چہرہ سامنے آجاتا ہے۔
ہوا یہ کہ میں اپنے ریزرویشن ٹکٹ کے ساتھ پلیٹ فارم پر گاڑی کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی پندرہ منٹ کی تاخیر سے جونہی پلیٹ فارم پر پہونچی مسافروں کا امنڈتا ہوا سیلاب اس کی طرف ایک طوفان کی طرح بڑھا۔ میں اس ریل پیل میں ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرتا ہوا اپنے کمپارٹمنٹ کی تلاش میں تھا اور پھر کمپارٹمنٹ ملتے ہی بڑی سرعت کے ساتھ مع سامان اندر پہونچ گیا۔ اپنی سیٹ حاصل کرنے اور سامان کو قاعدے سے رکھنے کے بعد جب اس افراتفری سے نجات ملی تو سامنے ایک خوش پوش ادھیڑ عمر کے آدمی پر نظر پڑی۔ پہلی ہی نگاہ میں، میں اس سے متاثر ہو چکا تھا۔ شگفتہ چہرہ، خندہ پیشانی، سرگیں آنکھیں، مسکراتا لب، زیب تن شیروانی، سر پر کلاہ خسروانہ، آنکھوں میں اسٹیل فریم کا چشمہ، کلائی میں قیمتی گھڑی غرض کہ صد افتخار و وقار سے سجی ہوئی ایک شخصیت سامنے موجود تھی۔ میں اپنی دزدیدہ نگاہوں سے اس کے ایک ایک خدوخال کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں مرعوب بھی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سگریٹ نوشی سے دل بہلا رہے تھے اور دھوئیں کے مرغولے فضا میں چھوڑ رہے تھے، البتہ کبھی کبھی اس کی بھی نگاہ غلط مجھ ناچیز پر پڑ رہی تھی، جب اس کا چہرہ میری طرف گھومتا تو ایسا لگتا جیسے نور کی کرنیں اس کے چہرے سے نکل رہی ہو اور میں نور میں نہا رہا تھا،،

امام علم وفن اگر اپنی پوری توانائی کے ساتھ افسانہ لکھتے رہتے اور مشق بہم پہونچاتے تو آج اچھے افسانہ نگاروں میں شمار کئے جاتے، مگر انہیں فکر وفن کی پیچیدہ زلفیں سنوارنے سے فرصت ہی نہیں مل پائی۔ ع: خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ رب قدیر ان کا سایہ دیر تک قائم رکھے! ☆☆☆☆☆

امام علم وفن زبان وادب کے عظیم تاجدار

ابوالحسان محمد جہانگیر اشرف رضوی سعیدی ناظم اعلیٰ الجامعۃ الرضویہ کلیان

حسن الفاظ، حسن ترکیب، حسن بیان، حسن خیال کے مجموعہ مرکب کا نام ادب ہے۔ دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان میں ادیب وشاعر رہے ہیں۔ عربی، فارسی زبان میں ادبا کی تعداد کثیر ترین رہی ہے یوں ہی انگریزی زبان کے شعرا وادبا کی تعداد کا حصر کرنا مشکل ہے، رہی اردو زبان کی بات! تو اس کی عمر چند صدیوں میں محصور ہے۔ ویسے ہندوستان میں علما وصوفیا کی محنت وکاوش کے نتیجے میں زبان اردو کو فروغ ملا۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز اور حضرت مخدوم اشرف سمنانی کو اردو نثر کا موجد کہا جاتا ہے۔ ویسے زبان وادب کو مذہبی خانہ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ہندو عیسائی اور سکھوں نے بھی اردو کی زلفوں کو سنوارا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نے ترقی کی منزلوں کو طے کرنے میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ نہیں کیا حضرت داغ دہلوی نے فرمایا تھا۔ ع

اردو ہے جسکا نام ہمیں جانتے ہیں داغ

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

حضرت داغ کے زمانے میں پوری دنیا میں اردو بولنے، لکھنے والے نہ تھے مگر اس زبان کی دھوم پوری دنیا میں ہوگئی تھی، اور آج دنیا کے ہر ملک میں اردو لکھنے، پڑھنے والے دستیاب ہیں۔ عرب کے کچھ ممالک میں اردو بولنے، سمجھنے والوں کی تعداد کثیر ترین ہے جیسے دبئی، کویت وعراق اور سعودی عربیہ میں بسا اوقات شعر وادب کی محفلیں بطور مشاعرہ سجائی جاتی ہیں۔ یورپ، افریقہ اور امریکہ میں بھی اردو شعرا وادبا کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ لہٰذا حضرت داغ نے سو سال قبل جو فرمایا تھا آج بفضلہ تعالیٰ پوری دنیا میں اردو زبان کی دھوم ہے۔ بقول ڈاکٹر ملک زادہ منظور کہ ہندوستان میں اردو زبان وادب کی عظیم خدمات مدارس عربیہ کے طلبہ واساتذہ انجام دے رہے ہیں۔ چونکہ ذریعہ تعلیم وتعلم اردو میں ہے اور تبلیغ واشاعت دین اردو میں ہے تصنیف وتالیف کا کام اردو میں ہو رہا ہے لہٰذا ڈاکٹر ملک زادہ منظور کا اعتراف درست ہے۔

ہمارے ممدوح امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین دام ظلہ العالی نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی وہ سب کے سب

زبان اردو میں تعلیم دیتے تھے اور تقریباً پچاس سال سے خود مختلف فنون کی تعلیم اردو زبان ہی میں دے رہے ہیں۔ بذریعہ تحریر و تقریر اردو کی زلفوں کو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ آپ کا نثر پارہ معیاری نظموں پر بھاری ہے اس لئے کہ شاعر شگفتہ الفاظ کے ذریعہ اپنے خیالی محبوب کی تعریف وتوصیف کرتا ہے، مگر خواجہ علم وفن خیالی محبوب کی تعریف وتوصیف کرنے کے بجائے اہل اللہ کی مدح وثنا اس ڈھنگ سے کرتے ہیں کہ شعر وسخن کی چاشنی مات پڑ جاتی ہے۔ مرشد گرامی سرکار مفتی اعظم ہند کے حالات کو اس شگفتگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری کو سرکار مفتی اعظم ہند کا سراپا نظر آنے لگتا ہے فرماتے ہیں۔

''تاریخ وحالات پر مشتمل کتابیں گواہ ہیں کہ تاجدار اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے پیر ومرشد کے میکدہ گنج اولیاء مارہرہ مطہرہ میں حاضر تھے، رات کا چوتھائی حصہ گزر چکا تھا ساری کائنات محو استراحت تھی امام احمد رضا آخر شب کی لذت سے ہمکنار ہونے کیلئے اپنے معمول کے مطابق مسجد کے طرف بڑھ رہے تھے۔ اتفاق بلکہ حسن اتفاق کہئے کہ راہ میں قطب ربانی حضرت شیخ ابوالحسن نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی جو خود اپنی ہزار شان بندگی کے ساتھ مسجد کی جانب جارہے تھے۔ دو پارۂ نور کے تصادم نگاہی نے تیسرے نور کے جنم کا ایک کو دوسرے نے پیغام دیا یعنی ہر ایک نے آنکھوں آنکھوں سے اپنے اپنے رویائے صادقہ کی سرگزشت بیان فرمائی اس عطر النورین کا حاصل یہ تھا کہ امام احمد رضا کے دولت سرائے اقبال میں ایک چاند سے بچے کا تولد ہوا۔ ولی کی بات ولی جانے لیکن حاضرین نے دیکھا کہ نماز فجر کے بعد قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں صاحب نے وہیں اسی حال میں اس نوزائیدہ بچے کی بیعت لی اور غائبانہ طور پر خلعت واجازت سے سرفراز فرمایا، کیا حضرت نوری میاں صاحب حال کے جھروکے سے مستقبل کو جھانک رہے تھے گویا یہ بات اس وقت صیغۂ راز میں رہی لیکن آنے والے حالات وواقعات نے اس راز کو راز رہنے نہیں دیا۔ اور پھر اسی دن بعد نماز فجر مجلس خاص میں حاضرین کے سامنے خواب کے جزئیات بیان کئے گئے اور آپ کا نام آل رحمان تجویز کیا گیا تھا۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینے میں بدلتے گئے تا آنکہ جب ماہتاب چھٹی بار ہلال کی صورت میں نمودار ہوا تو قطب ربانی حضرت شیخ نوری میاں نے بہ نفس نفیس بریلی شریف تشریف لاکر بیعت و خلافت کے مراسم کی تجدید فرمائی باب اجابت کو چومنے والی پیش گوئی پر مشتمل پدر بزرگوار کی دعاء اور ہزاروں میں خام کو کندن بنانے والی پیر ومرشد کی نگاہ نے عہد طفلی ہی میں بچے کو بسطامی شمائل اور جنیدی خصائل کا جامع بنا دیا،، (ماہنامہ اشرفیہ مارچ ۱۹۹۴ء)

مذکورہ بالا تحریر میں سلاست ومتانت کا عنصر بھی ہے اور بذریعہ حکایت حالات کی عکاسی بھی، درسگاہ میں معقولات و

منقولات کی گتھیاں سلجھانے والا اپنے طور پر دور حاضر کا عظیم المرتب ادیب وفنکار نظر آرہا ہے، ویسے الفاظ وخیالات کو خوبصورت ترین پیکر میں ڈھالنا امام علم وفن کا وتیرہ رہا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

''اور پھر جب ذکر وفکر، صبر وشکر، عشق وعرفاں، ضبط وتحمل، ایثاوتوکل، تسلیم ورضا، خدمت وطاعت، عبادت ریاضت، زہد وتقویٰ، عجز وانکساری، صدق وصفا آپ کی زیست کی خبر بن گئی تو آپ مقام غوثیت سے مقام محبوبیت پر فائز کر دیئے گئے۔ دنیا کے مقتدر علمائے کرام اور ذی وجاہت مشائخ عظام آپ کے جلوہ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ آنکھیں تھی جو آپ کے دید سے سیر نہیں ہو پاتی قلوب تھے جو آپ کے عقیدت سے شکیب آشنا نہیں ہو پاتے زائرین کا حال یہ ہوتا کہ جلوۂ جاناناں دل دیتا ہوں نذرانہ کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے۔ خیالوں کی دنیا میں آؤ اور سوچو کہ منظر کتنا دیدہ زیب اور نظر نواز ہوگا جب کوئی ہستی رشد وہدایت کا منبع اور علم آگہی کا پیکر بنکر پھولوں کے مالاؤں سے سج دھج کر ابو حنیفہ کا علم، عراق کا تصوف بایزید کا کردار، جنید کا گفتار لوگوں میں بانٹ رہی تھی اور علماء، صلحا، مشائخ، اساتذہ، طلبہ اور عوام اپنی اپنی بساط بھر کر لوٹ رہے ہونگے یہ کوئی عام خیال کی منظر کشی نہیں بلکہ مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے روز وشب ہیں۔ یہ کسی عام خواب کی عکاسی نہیں بلکہ حضور مفتی اعظم ہند کی آنکھوں دیکھا حال ہے۔

آپ نے منظر عکاسی کو ملاحظہ فرمایا کسی کے دل ودماغ میں یہ بات آسکتی ہے کہ حکایت نگاروں کے طرز فکر پر چلتے ہوئے منظر کشی کا مظاہرہ مشکل نہیں۔ جبکہ منظر نگاری کرنے والے اکثر اپنے خیالات کی منظر کشی کرتے ہیں۔ جسکا تعلق حقیقت سے نہیں ہوتا مگر امام علم وفن نے جو فرمایا ہے حقیقت کا عین مطابق ہے! یونہی شب فرقت، شب وصال کو خوبصورت انداز میں بیان کرنے والے کی کمی نہیں مگر جس شب کی فضیلت وعظمت کی تعارف امام علم وفن نے کرائی ہے اسے پڑھنے کے بعد اقرار ہوگا کہ امام علم وفن کوثر وتسنیم کی دھلی ہوئی زبان استعمال کرنے میں منفرد نظر آتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

''یوں تو بہت سی راتیں آتی ہیں گزر جاتی ہیں، رموز واسرار کی راتیں، نغمہ وترنم کی راتیں، رقص وسرور کی راتیں، عیش وطرب کی راتیں، کیف وسرور کی راتیں، وصل وپیام کی راتیں، ہجر وفراق کی راتیں، راحت ونشاط کی راتیں، غم والم کی راتیں، رنج وستم کی راتیں نہ جانے کتنی قسم کی راتیں ہوتی ہیں جو عالم رنگ وبو میں اپنی تیرہ وتار اور گیسوئے مشکبار پر چھائیں ڈالکر چلی جاتی ہیں۔ لیکن انہیں راتوں میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس کی نکہت ونور پر صبح کی کنواری صباحت نثار اور لیلۃ القدر کا ہر اجالا قربان، جس کے آگے کہکشاں کی رفعت سرنگوں اور جس کی اداؤں پر قوس وقزح کی رنگینیاں فدا، ثریا جس کے ماتھے کا جھومر، بنات النعش جس کے گلے کا مالا، عطارد جس کی ناک کی کیل، شتری وزہری جس کے کانوں کے جھمکے، زحل ومریخ جس کے پازیب یہ وہ رات ہے جس کی ہر ساعت رحمت الٰہی سے سرشار اور جس کا ہر لمحہ فضل الٰہی سے مشکبار یہ وہ

قدر و منزلت کی رات ہے جسے ہم اور آپ لیلۃ القدر کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

حکایت و قصص خوبصورت الفاظ میں بیان کرنا مشکل نہیں مگر پیچیدہ مسائل خوبصورت الفاظ میں اپنے مخاطب کے ذہن و دماغ میں منتقل کرنا امام علم وفن کا حصہ ہے، فرماتے ہیں۔

''خوبصورت نکھرے والا ہنستا ہوا چاند جو ہر سال ہمارے لئے عید و رمضان کا پیغام لاتا ہے اور ہر ماہ بدر و ہلال کی صورت میں ایک دلکش نظارہ پیش کرتا ہے دراصل نظام شمسی کا ایسا سیارہ ہے جس کی تخلیق رب کائنات نے انسانوں کیلئے وقت کی علامت کے طور پر فرمائی ہے اس کی دلکشی ہی کی بات ہے کہ انسان جہان رنگ و بو میں آنکھیں کھولتے ہی مہ و نجوم اور کہکشاں کے پر پیچ لفظوں میں کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو اسیر پاتا ہے۔ علماء ہیئت و نجوم نے قرنوں ان کی وادی میں گشت کرنے کے بعد جو کچھ شمس و قمر کے متعلق جانکاری حاصل کی یہاں اس کی تلخیص عطر الوردین کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

آپ نے ہلال اور اس کی رویت کی سلسلے میں امام علم وفن کی گفتگو کی تمہید ملاحظہ فرمالی، پورے مضمون کو پڑھنے کے بعد تسلیم کرنا ہوگا کہ ہیئت کا پیچیدہ مسئلہ نہایت ہی دلکش انداز میں امام علم وفن نے اس طرح پیش فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ پیچیدہ نہیں بلکہ قصہ و حکایت کی ترجمانی ہے! اسی طرح علم جفر جسے مشکل ترین فن سے تعبیر کیا جاتا ہے اس فن کی گرہ کشائی کیلئے جو امام علم وفن نے قلم اٹھایا تو معمولی طالب علم بھی اس پیچیدہ فن کے رموز و اسرار کو سمجھنے کے بعد ایسا شاداں نظر آتا ہے کہ وہ علم جفر کے رموز و اسرار کا عالم و کامل ہوگیا۔ بطور نمونہ ابتدائی تمہید کے چند جملے آپ بھی ملاحظہ فرماتے چلئے۔

''انبیائے کرام علیہ الصلاۃ والتسلیمات کی نورانی سلسلے اور ان کے ادوار جہاں تاب کے علاوہ بھی اس عالم رنگ و بو کا دور معلمان علم و حکمت، محرمان فکر و دانش سے خالی نہیں رہا جو رہتی دنیا تک تشنگان علم و معرفت کیلئے معالم طریق اور سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان نوابغ روزگار افراد کے ساتھ ہی ساتھ قافلۂ علم وفن پر شب خون مارنے والوں کی کمی نہیں رہی ہے جنہوں نے علم و حکمت کی متاع اخروی کو فروختگی کا سبب سمجھا۔ حصول دنیا اور طلب منفعت کا ذریعہ بنایا۔ بعضوں نے آگے بڑھ کر اپنے اس کاروبار پر دین و دیانت کا لیبل لگا کر چسپاں کردیا۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم و حکمت کی حقیقی لذت سے بے بہرہ نام نہاد علماء کا علمی وجود ہمیشہ تار عنکبوت اور نقش حباب ثابت ہوا، متغیر اور عارضی مادے کی محبت انہیں دوام نہ بخش سکی۔ انہوں نے محدود زمان و مکان میں ظاہر بینوں کی نگاہوں کو خیرہ کیا مگر خود مادے کی تاریک وادیوں میں گم ہوگیا''

چند اقتباسات کو ملاحظہ فرمالینے کے بعد کیا شک و شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ امام علم وفن جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ کے نام کامل ہیں وہیں زبان و ادب کے شناور ہی نہیں بلکہ زبان اردو کے عظیم تاجدار ہیں۔ ☆☆☆

امام علم وفن کا اسلوب نگارش

مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی ایم۔اے: بہار یونیورسیٹی، مظفر پور، بہار

علم وحکمت کا آفتاب درخشاں، شرف وکمال کا نیر تاباں اور اخلاص ووفا کے پیکر کا نام امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، پورنوی مدظلہ العالی ہے۔ ان کا اسم گرامی سن کر ذہن وفکر کے آئینے میں ایک ایسی عبقری شخصیت کی تصویر منعکس ہوتی ہے جو اپنے علمی اور تحقیقی کارناموں کی بنیاد پر اپنے زمانے کے علما میں اپنی مثال آپ ہیں جن کے تحقیقی اور تنقیدی مقالات کو دیکھ کر بڑے بڑے عقلائے روزگار اور علما ودانشوران انگشت بدنداں ہیں۔ جن کے علم وفکر کا فیضان سرحد کی فصیلوں کو توڑ کر بلاد مغرب پر بھی برس رہا ہے۔ جن کو درجنوں علوم وفنون پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے۔ جو بے شمار لاینحل مسائل کا حل پیش کرکے بارہا ارباب علم ودانش سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ جن کی درسگاہ سے علم وفضل، فکر وفلسفہ اور تدبر ودانائی کے آبشار پھوٹتے ہیں ۔جن کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی صف میں ملک کے مقتدر علما اور دانشوران کی ایک جماعت نظر آتی ہے۔ جس کی ذات سنیت کا قیمتی سرمایہ ہے۔ جو اپنے اسلاف کی نشانی اور اپنے اخلاف کا مقتدا بھی ہے۔ شکر ہے کہ اس عظیم شخصیت کی خدمت میں خراج محبت پیش کرنے کا مجھے بھی موقع ملا اور ان کی دعائے سحر گاہی سے سرفراز ہونے کا میں بھی متمنی ہوا۔

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی اپنے علم وفضل اور گوناگوں خدمات کی بنیاد پر اپنے ہم عصروں میں سب سے منفرد اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی خدمات کے تمام گوشوں کا احاطہ اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں اور پھر یہ کہ وہ میرا موضوع بھی نہیں۔ اس وقت میں اپنے موضوع کے پیش نظر ان کے طرز تحریر اور اسلوب نگارش پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

اپنے مضامین اور تحریری نگارشات میں انہوں نے نہایت ہی صاف وشفاف، دلکش وخوبصورت اور سلیس وبامحاورہ زبان استعمال کی ہے۔ اس کے مطالعے سے قاری ان کی تحریر کی سحر انگیزیوں میں اس قدر کھو جاتا ہے دور دور تک طبیعت ہر گرانی کا احساس نہیں ہوتا۔ حضور مفتی اعظم ہند کی شان وشوکت، سطوت وجلال اور عظمت وتقدس بیان کرتے وقت ان کے قلم کی نوک سے جو فصاحت و بلاغت کے چشمے ابل پڑے ہیں وہ یقیناً ان کی عمدہ نثر نگاری اور حسین دلکش اسلوب بیان کی شہادت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''لیل ونہار اپنے نازک خرامی سے آگے بڑھتے گئے اور لوگوں کی بھیڑ تیزی سے سے قریب آتی گئی اور پھر

زمانہ کی آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی ذات مصدر الحسنات، منبع الفیضان اور مرجع الخلائق ہوگئی، آپ کی ذات سنیت بنویہ کی ستی ہوئی کتاب اور آپ کی زندگی اس کی پھیلی ہوئی شرح بن گئی، آپ کا قول و قرار، رفتار و گفتار اور لیل ونہار قوم مسلم کے لئے مینارۂ رشد وہدایت اور آپ سے حسن عقیدت دین ایمان کی علامت ہوگئی.....اور پھر جب ذکر وفکر، صبر وشکر، عشق وعرفان ضبط وتحمل، ایثار وتوکل، تسلیم ورضا، خدمت وطاعت، عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، عجز وانکسار، حزم واحتیاط اور صدق وصفا آپ کی زیست کی خمیر بن گئی تو آپ مقام غوثیت سے مقام محبوبیت پر فائز کردیے گئے دنیا کے مقتدر علمائے کرام اور ذی وجاہت مشائخ عظام آپ کے جلوہ کے گرد پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ آنکھیں تھی جو آپ کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتیں، قلوب تھے جو آپ کی عقیدت سے شکیب آشنا نہیں ہو پاتے، زائرین کا حال یہ ہوتا کہ اے جلوۂ جاناناں دل دیتا ہوں نذرانہ کہہ کر قدموں سے لپٹ جاتے'' [۱]

امام احمد رضا محدث بریلوی کی مدحت بیان کرتے ہوئے ان کی تحریر میں جو حسن ووقار، نفاست وچاشنی، سادگی وپرکاری اور دلکشی ودل نشینی پیدا ہوگئی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ذرا کوثر وتسنیم میں ڈھلے ہوئے یہ نشاط انگیز جملے بھی ملاحظہ کرتے چلیں:

جب ہم اس ہمہ جہت سنی کو عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ عناصر اربعہ سے مرکب نہیں سر اسر حکمت ودانائی کا پیکر ہے سراپا علم وفن کا مجسمہ ہے اور یہ شخصیت ہے۔ مجدد قرن رابع عشر امام احمد رضا کی، رضی اللہ عنہ۔ اس یگانۂ روزگار نے تقریباً پچاس، ساٹھ علوم وفنون میں اپنی بیش بہا تصنیفات بطور میراث چھوڑی۔ قدرت نے ان تصنیفات کو اپنی جماعت وحفاظت کا ایسا صیقل عطا فرمایا کہ دست بغض وعناد کی گرفت میں آج تک کچھ نہ آسکا یہ فاضل بریلوی کی خلوص وللّٰہیت کا انعام ہی ہے کہ قدرت نے انہیں صیانت قلم سے نوازا۔،، [۲]

''امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر تھی جو نہ ''پدرم سلطان بوذ'' کے دھن میں مخمور تھی نہ ''تاج بے سلطانی'' زیب فرق کیے چور تھی بلکہ مست مئے الست اور بادۂ عرفان کے کیف ونشاط سے مسرور اور انہی کی تجلیات سے معمور تھی۔ امام احمد رضا کی طرف اس مرد خدا آگاہ کی نگاہ اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہوگئی۔'' [۳]

تاثراتی خطوط لکھتے وقت بھی آپ حسن نگارش اور اس کی ندرت ولطافت کا حد درجہ خیال فرماتے ہیں۔ انداز بیان نہایت ہی اچھوتا اور نرالا ہوتا ہے جسے پڑھ کر ان کے حسن تحریر کی لطف ولذت کا احساس ذہن وفکر میں نمایاں ہونے

لگتا ہے۔ یہاں بطور مثال مولانا مبارک حسین مصباحی کو لکھے گئے ایک خط کا اسلوب نگارش اور طرز ادا دیکھئے۔ کتنے دلکش نثری پیرائے میں انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے ملاحظہ ہوں :

''حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی حیات وخدمات کے تعلق سے آپ کا قلمی شاہکار نظر نواز ہوا۔ ہم پڑھتے رہے اور رات ڈھلتی رہی، کانوں میں جلترنگ کے ساز بجتے رہے، اور ذہن وفکر میں ملہار راگ کی تانیں پورے سرودھن کے ساتھ لہراتی رہیں۔ یقین کیجئے بے خودی میں مجھے یہ محسوس ہوتا رہا کہ میں آپ کو نہیں بلکہ علامہ ارشد القادری صاحب کو پڑھ رہا ہوں۔ وہ تو کہئے کہ نسیم سحری کا ایک مست جھونکا مجھے ہوش میں لے آیا۔ اور اب میں جمشید پور کے تصوراتی ماحول میں نہیں بلکہ حقیقی بزم مبارک پور میں تھا۔'' ؎

امام علم وفن کے زہرہ نگار قلم نے بے شمار تحقیقی اور تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔

علمی اور تحقیقی موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے وقت وہ عالمانہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے موقف کو ٹھوس استدلات اور مضبوط و مستحکم دلائل کی روشنی میں ثابت کرنے کا ہنر وہ خوب جانتے ہیں۔ کمزور دلیلوں کی بنیاد پر تعمیر کیے گئے مقالات مضامین کی عمارتیں اپنی دو چند دلیلوں اور مثالوں سے متزلزل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس وقت ان کی فکر و تحقیق کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس مقام پر وہ اس بات کو فراموش نہیں کرتے کہ ایک محقق کو علمی اور تحقیقی مقالہ لکھتے وقت الفاظ کی حر انگیزیوں میں کھوئے بغیر اپنی بات سیدھے سادے انداز میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ امام علم وفن یہ بھی جانتے ہیں کہ تحقیقی مضمون میں پیچیدہ الفاظ اور مشکل تراکیب کا استعمال اسے بوجھل بنا دیتا ہے اس لیے وہ عالمانہ فکر کے ساتھ سلیس انداز بیان اختیار کر کے اپنے مضمون کے وقار میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ ذیل میں ان کے ایک تحقیقی مضمون ''ہلال اور اس کی رویت'' سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے دیکھئے اس موقع پر انہوں نے محققانہ مگر کتنی صاف ستھری زبان استعمال کی ہے :

''اگر چاند، سورج دونوں ہی کسی ایک چوراہے پر یا اس کے آس پاس پہنچ جائیں تو ایسی صورت میں سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہونے کی وجہ سورج کی روشنی بتمامہ دھرتی پر نہیں پہنچ پاتی جسے ہم سورج گہن سے یاد کرتے ہیں اور یہ ۲۸۔۲۹ یا ۳۰ ر تاریخ قمری ہی میں ہو سکتا ہے اور اگر چاند الگ الگ چوراہے یا الگ الگ چوراہے کے پاس ہوں جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ۱۸۰ ر ڈگری کی دوری ہو گئی ہے تو ایسی صورت میں چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ پاتی اور چاند اس صورت میں اپنی فطری رنگت میں نظر آنے لگتا ہے جسے دنیا چاند گہن سے جانتی ہے اور یہ ۱۳۔۱۴ یا ۱۵ ر تاریخ قمری ہی میں ممکن ہے۔'' ص ۵

امام علم وفن نے ایک مقام پر علم توقیت کی تعریف اور اس کے متعلق بیش قیمتی معلومات کی اطلاع فراہم کرتے ہو

بڑی ہی سادہ زبان استعمال کی ہے۔کمال کی بات یہ ہے کہ ایک عام انسان بھی انداز بیان کی شگفتگی کی وجہ سے ان کی عالمانہ و محققانہ گفتگو کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ملاحظہ ہو :

''علم توقیت ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آفتاب اپنے مخصوص مدار کے کسی مخصوص حصہ پر ہو تو گھڑی کے اعتبار سے وہ کون سا وقت ہوگا۔اسی ''فن توقیت'' کے ذریعے ہمارے علمائے کرام طلوع فجر ،طلوع شمس ،زوال ،عقرب ،غروب اور عشاء کے وقت کا استخراج کرتے ہیں۔آفتاب اپنے مدار پر گردش کرتے ہوئے جب مطلوب الوقت مقام پر پہنچتا ہے تو فن توقیت کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آفتاب دائرہ نصف النہار سے جانب مشرق یا جانب غرب اپنے مدار کے کس حصے پر ہے۔'' ص ٦

مندرجہ بالا حوالات واقتباسات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ امام علم وفن نے اپنی تحریروں اور مقالوں میں نہایت ہی سلیس وسادہ شگفتہ وشائستہ اور دلکش وخوبصورت زبان وبیان استعمال کی ہے۔ان کے ہم عصروں اور بعد والوں میں ان کا اسلوب سب سے منفرد، اچھوتا اور نرالا ہے۔ان کی تحریریں نئی نسلوں کے لئے علمی ،فکری ،تحقیقی اور ادبی ہر اعتبار سے مشعل راہ ہے۔ان کی نگارشات اپنے انمول موضوعات ،ٹھوس اور زبردست استدلالات اور عمدہ وشفاف بیان کے اعتبار سے ہمارا قیمتی سرمایہ افتخار ہے، جسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔اخیر میں ان کی خدمت میں شعر پیش کر کے اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
عالم میں تجھ سا لاکھ سہی مگر تو کہاں

☆☆☆

بارہواں باب

جامع علوم وفنون

امام علم وفن بحیثیت امام منطق وفلسفہ

مفتی غلام حسین قادری خادم تدریس وافتادار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد

دنیا میں جوعلوم وفنون رائج ہیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے تاہم انہیں دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ علوم جنہیں براہ راست سند کے طور پر امور شرعیہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ علوم 'نقلیہ' کہلاتے ہیں۔ ان کی ایک محدود تعداد ہے۔ جس میں کمی وبیشی کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲) وہ علوم جوعقل انسانی کی پیداوار اور اس کی فکری کدوکاوش اور جدوجہد کا ثمرہ ہیں انہیں 'علوم عقلیہ' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کی نہ تو کوئی متعینہ تعداد ہے اور نہ ہی کوئی ایسی حد جس پر اضافے کی گنجائش نہ ہو۔ بلکہ ان میں ہر دور اور ہر زمانے میں انسان اپنی عقل وخرد، ذہانت وفطانت، فکروتدبر سے ایک نہ ایک نیا باب جوڑتا، اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے اہل زمانہ سے دادتحسین وصول کرتا رہا ہے۔ اس طرح یہ علوم یومًا فیومًا بڑھتے رہے ہیں اور بڑھتے رہیں گے۔ انہیں میں سے دو مشہور ومقبول علم 'منطق' و'فلسفہ' ہیں۔

اپنے مطالب ومقاصد پر دلائل وبراہین قائم کرنا، کچھ معلوم باتوں کو ترتیب دے کر غیر معلوم کو معلوم کرنا، اپنے افکار وانظار کو خطا ولغزش سے محفوظ رکھنا، دوسروں کے مغالطات کی فریب دہی سے خود کو بچانا اور مخالفین کو ساکت وعاجز کردینا یہ 'علم منطق' کا کمال ہے۔ چنانچہ منطق کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ 'علم منطق' کا نام 'منطق' اس لئے رکھا گیا کہ یہ علم 'نطق ظاہری' یعنی تکلم اور 'نطق باطنی' یعنی علوم وادراکات میں مؤثر ہوتا ہے اس طور پر کہ اس علم سے انسان کی بات چیت میں پختگی اور علم وادراک میں درستگی حاصل ہوتی ہے۔ حکیم ارسطو کو اس کا معلم اول، ابونصر فارابی کو معلم ثانی اور شیخ الرئیس کو معلم ثالث کہا جاتا ہے۔

موجودات مادی ہوں یا غیر مادی، ان کے وجود میں انسانی قدرت واختیار کو دخل ہو یا نہ ہو، ان کے احوال نفس الامریہ کیا ہیں؟ انہیں کے جاننے کا نام 'حکمت وفلسفہ' ہے۔ اس کے ذریعہ انسان اپنی علمی وعملی قوتوں میں کمال پیدا کرتا ہے۔ ارسطالیس، فیثاغورث، بقراط، سقراط اور افلاطون وغیرہ جن کی حکمت ودانائی، فکر وفراست کے معترف اہل عرب وعجم، ایشیاء ویورپ سبھی ہیں، انہیں فلسفہ کا عمود وستون کہا جاتا ہے۔

منطق وفلسفہ نے اپنے اصول وقوانین، تدقیق نظر وطرز استدلال سے جہاں دیگر اقوام وملل کو گرویدہ بنایا، وہیں عالم اسلام کو خوب خوب متاثر کیا۔ علمائے اسلام میں بھی بڑے بڑے منطقی وفلسفی، اصول وجزئیات کے ماہرین وموجدین پائے جاتے ہیں۔ امام غزالی، امام فخرالدین رازی، سیدشریف جرجانی، علامہ سعدالدین تفتازانی، علامہ فضل حق خیرآبادی، علامہ عبدالقادر بدایونی، مجدداعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، رضی اللہ عنہم اجمعین ایک عرصۂ دراز تک افق منطق وفلسفہ پر نیر تاباں بن کر چمکتے رہے اوراپنے افکارونظریات سے اہل دنیا کو متاثر کرتے رہے۔

علمائے عہد حاضر میں جس ذات بابرکات نے اپنی منطق وفلسفہ ودیگر علوم عقلیہ سے انڈو پاک، افریقہ وامریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور پیچیدہ مسائل شرعیہ کا حل مذکورہ علوم کی روشنی میں پیش کیا وہ مظہر اعلیٰ حضرت، خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم، حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ النورانی کی ذات ہے، جو دنیائے علم ودانش میں اپنی منفرد فکرونظر، تحقیق وتدقیق، ذہانت وفطانت اور علوم مختلفہ پر دسترس کی وجہ سے ''امام علم وفن'' کے لقب سے جانی و پہچانی جاتی ہے۔ جن علوم وفنون پر آپ کو عبور حاصل ہے ان کی تعداد تین درجن سے بھی متجاوز ہے، جن میں ایسے ایسے نادر علوم شامل ہیں جن کے جاننے والے تو کجا؟ ان کے ناموں سے بھی صحیح طور پر واقف افراد بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جن علوم وفنون میں آپ کو امامت کا منصب حاصل ہے ان میں منطق وفلسفہ بھی شامل ہیں۔ ہماری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ کامل دوسال تک ان کی خدمت میں رہ کر منطق وفلسفہ کی معیاری ومنتہی کتابوں جیسے ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک، شرح مواقف مع میرزاہد، رسالہ قطبیہ مع میرزاہد وغلام یحییٰ، ملاجلال مع میرزاہد، میبذی وصدرا وغیرہ کے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ مذکورہ کتابوں کو ایسے ہی پڑھاتے جیسے عام طور پر لوگ قاعدہ بغدادی یا میزان ومنشعب پڑھایا کرتے ہیں۔ ان کتابوں کی نہ تو کوئی شرح دیکھتے، نہ حاشیہ، نہ بین السطور۔ حد تو یہ کہ نفس کتاب کے مطالعہ کی حاجت بھی آپ کو نہیں پڑتی، بس کبھی کبھار درسگاہ میں طالب علم سے کتاب لے کر ایک اچٹتی نظر اس پر ڈال لیتے۔ مگر جب درس تقریر شروع کرتے تو لگتا کہ منطق وفلسفہ کے کوہ ہمالہ سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، جس میں توضیحات وتشریحات، تنقیحات وتمثیلات اور رموز ونکات کی ایسی ایسی دھاریں دیکھنے کو ملتیں جو **'ما لا عين رأت ولا اذن سمعت'** کی مصداق ہوتیں۔ آپ صاحب کتاب کے صرف منشاء ومراد ہی کو نہیں بیان فرماتے بلکہ جہاں کہیں صاحب کتاب نے دوسروں کے اقوال کو سمجھنے میں اور اس پر اعتراض کرنے میں خطا کی ہے، آپ ان مقامات کی بھی نشان دہی فرماتے۔ مناطقہ وفلاسفہ کے اقوال مختلفہ کے درمیان محاکمہ بھی کرتے۔ شارحین ومحشین نے جہاں کہیں **فتامل، فتدبر، فيه نظر، فيه مافيه** کہہ کر خاموشی اختیار کرلی ہے، وہاں جب حضور والا کے لب وا ہوتے تو ایک نظیر نہیں بلکہ متعدد نظیریں بیان فرماتے۔ پھر نظیروں کا ایسا جواب دیتے جو لاجواب ہوتا۔ منطق وفلسفہ کی تدریس میں آپ کو یہ ملکہ بھی حاصل ہے کہ ان فنون کی کتابوں کو جیسا چاہتے ہیں ویسا پڑھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک سطر پر دو دو، تین تین دن تک تقریریں کرتے رہتے ہیں؛ اور کبھی دو دو تین تین صفحہ کو آدھے گھنٹے ہی میں پڑھا دیا کرتے ہیں۔ مگر نہ اختصار فہم

مطالب میں مخل، اور نہ طوالت باعث رنج و غم۔ گویا وہ منطق و فلسفہ کے امام ہی نہیں خواجہ بھی ہیں۔ جب چاہتے ہیں مذکورہ فنون کے انا ساغر کو کوزے میں سمیٹ لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کوزے سے انا ساغر کو بھر دیتے ہیں۔

ایک بار میں نے عرض کیا: حضرت! منطق و فلسفہ کی منتہی و اعلیٰ کتابیں تو ایسی ہیں کہ گھنٹوں مطالعہ کرنے کے بعد چند سطریں حل نہیں ہو پاتیں۔ ان کو مطالعہ کر کے پڑھانے میں پسینہ آ جاتا ہے، مگر آپ ہیں کہ ان کے مطالعے کی حاجت نہیں محسوس کرتے، ایسا کیوں ہے؟

آپ نے فرمایا:

”کتابوں کے پڑھانے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ ہے: فن سے کتاب کو پڑھانا یعنی آپ کسی فن سے اچھی طرح واقف ہیں اور اس فن میں مہارت ہے پھر اس فن کی کوئی کتاب پڑھائیں اور دوسرا طریقہ ہے: کتاب سے فن کو پڑھانا یعنی فن کی کسی کتاب کا مطالعہ کر کے فن کو سمجھا جائے پھر کتاب کو پڑھایا جائے۔ پہلے طریقہ میں مطالعہ ضروری نہیں اور دوسرے طریقہ میں مطالعہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

پھر بطور تحدیث نعمت ارشاد فرمایا:

الحمدللہ! منطق و فلسفہ کے اصول و کلیات ہی نہیں بلکہ جزئیات تک ہمیشہ میرے پیش نظر رہتے ہیں اس لئے ان فنون کی کتابوں کو پڑھانے میں کبھی کوئی دقت مجھے محسوس نہیں ہوتی۔

چنانچہ بارہا ایسا اتفاق بھی ہوا کہ میں نے حمد اللہ، صدرا، ملا جلال، شرح مواقف وغیرہ کی ایک آدھ سطر کوزبانی پڑھ کر مطلب پوچھا تو آپ نے برجستہ ایسی عمدہ تفصیلی تقریر فرمائی جو کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ پھر اپنے اس کمال فن کا راز یوں بیان فرمایا کہ:

یہ سب خصوصی فیضان ہے میرے پیر و مرشد حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا، بریلی شریف میں عام رواج تھا کہ فارغین دستار بندی کے بعد اپنی اپنی سندیں لے کر حضور مفتیٔ اعظم ہند کی بارگاہ میں دستخط کرانے کے لئے حاضر ہوتے ہیں میں بھی ساتھیوں کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلا کسی باز پرس کے سب کی سندوں پر تو دستخط کر دیا مگر میری سند پر دستخط نہ کیا، مجھ سے فرمایا: کچھ پڑھ لکھ کر بنا بھی ہے؟ یا یوں ہی دستخط کرانے چلا آیا؟ میں نے عرض کیا: حضور! اپنی محنت سے تو کچھ نہ بن سکا پہلے بنا دیجئے پھر دستخط فرما دیجئے۔ حضرت نے دستخط کیا پھر یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا۔ فرمایا: اچھا لو۔ دستخط کر کے ایک سند ہی نہیں دی بلکہ ایک کلمہ سے جہان علوم و فنون کی ساری سندیں عطا فرما دیں، پھر کیا تھا نظروں سے حجابات اٹھتے گئے، دل و دماغ روشن ہوتے گئے، اب نہ کوئی فن مشکل رہا نہ فن کی کوئی کتاب مشکل رہی یہ سلسلۂ فیضان ہنوز جاری و ساری ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی :: بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اس طرح امام علم وفن کو حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی کرامتوں میں سے ایک عظیم کرامت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

منطق وفلسفہ تو آپ کا خصوصی فن ہے، جن کا کوئی ایسا دعویٰ نہیں جس کی دلیل آپ کو معلوم نہ ہو۔ کوئی ایسا صغریٰ وکبریٰ نہیں جو آپ پر مخفی ہو۔ کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب آپ کے پاس نہ ہو۔ منطق وفلسفہ کے آپ امام ہی نہیں بلکہ وہ بحر بیکراں ہیں جس کی گہرائی وگیرائی کا اندازہ تو دور کی بات ہے اس کی سطح کا اندازہ کرنا ہی بڑا دشوار ہے۔ ان فنون میں آپ کے کمال کا اعتراف سبھوں کو ہے۔

۱۹۹۴ء کی بات ہے کہ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد کے سالانہ امتحان اور پہلی دستار فضیلت وتحقیق کے موقع پر بحیثیت ممتحن وخطیب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے اس وقت کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث، شہزادۂ صدر الشریعہ، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی تشریف لائے، دن میں تخصص فی العقلیات کے طلبہ کا امتحان لیا جس میں راقم کے علاوہ رفیق گرامی مولانا محمد مختار الحسن صاحب ومولانا عابد حسین صاحب شامل تھے۔ ملا جلال مع میر زاہد، صدرا شرح مواقف مع میر زاہد، رسالۂ قطبیہ مع میر زاہد وغلام یحییٰ کے امتحان کا سلسلہ گھنٹوں جاری رہا۔ پھر شب کے جلسہ میں آپ نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں فرمایا:

الحمد للہ! آج یہاں تخصص فی العقلیات کے طلبہ کا امتحان لیا بڑی مسرت ہوئی، عرصہ بعد ایک علمی ماحول دیکھنے کو ملا، یہاں جن جن کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے دوسرے مدارس میں تعلیم تو دور کی بات ہے ان کے کتب خانوں میں ان کتابوں کا وجود ہی کمیاب ہے پھر یہاں تعلیم صرف رسمی نہیں ہوئی ہے بلکہ یہاں کا طریقۂ تعلیم دیکھ کر اکابرین کے طریقۂ تعلیم کی یاد تازہ ہوگئی۔

حضرت محدث کبیر کے اکابرین میں کون سے حضرات ہیں؟ امام علم وفن کن کی یاد تازہ کر رہے ہیں؟؟ اے قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

بہر حال! مظہر علوم اعلیٰ حضرت، امام علم وفن، منطق وفلسفہ کے جس اقصیٰ مراتب پر فائز ہیں اس کی رو سے انہیں وقت کا ارسطو، شیخ الرئیس، غزالی، رازی، جو کہا جائے، سب انہیں زیب دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود ان کو منطق وفلسفہ پر کوئی ناز نہیں۔ ہاں! اگر ناز ہے تو خود ان فنون کو ان کی ذات پر ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست :: تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام علم وفن اوران کا تبحر علمی

مفتی قاضی فضل احمد مصباحی، برکاتی (بنارس)

ہندوستان کا صوبہ بہار علما، اولیا، صلحا کا مولد ومدفن اور تاریخی حیثیت سے تو مشہور ہے ہی، علمی اور ادبی لحاظ سے بھی یہ سرزمین ہر دور میں مہتم بالشان رہی ہے۔ یہاں کے اولیائے کرام، علمائے ذی احتشام کے نام آج بھی زندہ اور تاریخ کے صفحات پر تابندہ ہیں۔

اسی صوبۂ بہار کے مشرقی وشمالی ضلع پورنیہ کے آغوش میں پروردہ امام علم وفن علی الاطلاق حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی دام ظلہ العالی کی شخصیت آج علمی وادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ زبردست عالم دین، بے بدل صاحب تدریس، بہترین مصنف، حق بیان خطیب ہیں۔ ذہانت وفطانت میں فائق، نکتہ رس، دقیقہ سنج، فقہ واصول، تفسیر وحدیث، معانی وبلاغت، منطق وفلسفہ، ہیئت وریاضی، مناظر ومرایا، اور اسطرلاب کے ماہر۔ المختصر! آپ علم وفن کے علی الاطلاق امام ہیں۔

دور طالب علمی:۔ حضرت امام علم وفن نے علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، اس لئے ابتدائے عمر سے ہی علمی ماحول ملا اور تلمیذ اعلی حضرت ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ نے آپ کی اخاذ طبیعت کو بننے سنورنے نکھرنے کے مواقع فراہم کئے، اور سیدنا حضور مفتی اعظم ہند کی صحبت نے بالآخر آپ کو امام علم وفن بنا دیا۔

درس وتدریس:۔ امام علم وفن نے درس وتدریس کے میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں چھوڑا۔ ایک زمانے سے آپ بحسن وخوبی یہ فریضہ انجام دیتے چلے آرہے ہیں، اور اب پیرانہ سالی کے باوجود اسی عزم وحوصلہ کے ساتھ پابند عہد ہیں۔ ان کے علمی فیوض وبرکات سے مسلسل ایسے ذی استعداد افراد تیار ہو رہے ہیں جن کی لیاقت وقابلیت سے علمی دنیا اکتساب کر رہی ہے۔

تواضع وانکساری:۔ اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے کسی کو جب علم کی دولت سے نوازتا ہے تو اس کے اندر حلم وبردباری اور تواضع وانکساری کا جذبہ بھی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت امام علم وفن اس میدان کے بھی امام ہیں اصاغر نوازی کا جذبہ جو آپ میں ہے، وہ خال خال ہی لوگوں میں نظر آتا ہے۔

تبحر علمی:۔ بیسویں صدی، سائنسی اکتشافات اور جدید ایجادات کی وجہ سے اہل مذاہب کے لئے ایک چیلنج بن کر سامنے

آئی۔مگروہ مذہب ہی کیا جو وقت کے چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے۔علمائے اسلام نے اسے خوش آمدید کہہ کر قبول کیا اور ہر ہر مسئلہ میں داد تحقیق دی،اور شرعی اصولوں کی روشنی میں بتایا کہ شریعت کی نظر میں کس مسئلہ کی کیا حیثیت بنتی ہے؟ کاغذی کرنسی اور سکوں کی حیثیت کا مسئلہ،بینک انٹرسٹ کا مسئلہ،لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا کا مسئلہ،الکحل آمیز دواؤں کے استعمال کا مسئلہ،حرام وناپاک اشیاء سے علاج کا مسئلہ،جدید اوزان اوران کے ذریعہ شرعی مقدار پر نصاب زکوٰۃ وصدقۂ فطر کے تعین کا مسئلہ----- یہ وہ مسائل تھے جن پر وہ اپنی علمی تحقیقات کی روشنی میں شرعی رہنمائی فراہم کررہے تھے،پھر مسائل اور آگے بڑھے،اعضاء کی پیوندکاری اور آلات جدیدہ کے ذریعہ رویت ہلال کے ثبوت کا مسئلہ آیا،وقت کا قافلہ آگے بڑھا تو دل وگردوں کی پیوندکاری اور جنس کی تبدیلی سے بڑھتے ہوئے جانوروں کی کلوننگ میں کامیابی اور پھر انسانی کلوننگ کے دعوے ہونے لگے۔ یہی نہیں شناخت اور رشتوں تک کے بے حد پیچیدہ اور بے کار مسائل جنم لئے۔مسئلہ اور آگے بڑھا اور ڈی این اے ٹیسٹ کی بنیاد پر نسب،جرائم اور شناخت کی تعیین کے سوالات اٹھے۔ ان ساری صورت حال نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا،جہاں تعیش نے حاجت کا لبادہ اوڑھا،حاجت نے ضرورت کی جگہ لی اور ضرورت اضطرار بنتی چلی گئی،انفرادی مسئلہ اجتماعی بن گیا۔

حضرت امام علم وفن نے ان میں سے اکثر مسائل پر اپنی محققانہ رائے پیش فرمائی اوراپنے موقف کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اس طرح مزین کردیا کہ حق کے متلاشی کے لئے قبولیت کی راہ آسان ہوگئی۔

۲۷،۲۸ تاریخ کو دن گذرنے کے بعد شب کو چاند کی رویت کے تعلق سے ایک جعلی فتویٰ کو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کرنا اوراسے حضور مفتی اعظم ہند کی کرامت بتانا بہت مشہور بات ہے،اوراسے مقررین بڑے چاؤ سے بیان کرتے ہیں۔لیکن جب امام علم وفن نے اس واقعہ پر شرعی وفنی نظر فرمائی تو ہیئت کے ان مسلمات سے جو شرعاً معتبر ہیں،یہ ثابت فرمایا کہ حضور مفتی اعظم ہند کی طرف اس فتویٰ کا انتساب غلط ہے بلکہ یہ فتویٰ جعلی ہے۔آپ رقمطراز ہیں۔

> ”ہم سے جب اس فتویٰ کے متعلق فنی طور پر استفسار کیا تو ہم نے اس فتویٰ کے تعلق سے یہ لکھا کہ اس میں کئی لفظی خامیاں اور متعدد فنی نقائص ہیں جو کسی طرح سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کی جلالت علمی سے میل نہیں کھاتیں جبکہ فتاویٰ رضویہ اور دیگر علوم وفنون کے ذخائر پر ہر دم آپ کی نگاہیں مرکوز رہتی تھیں اس لئے انکی ذات اور بلند وبالا صفات اور فتویٰ کے ان نقائص پر نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کہا جائے کہ یہ فتویٰ جعلی ہے اور پاکستانیوں کا ۲۷/۲۸ رتاریخ کو ہوائی جہاز سے چاند دیکھنا بھی اختراعی ہے“(ماہنامہ کنز الایمان ص ۱۸ شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء)

لاؤڈ اسپیکر پر اقتدا کے مسئلہ میں آپ نے عدم جواز کا موقف پیش فرمایا اور مختلف علوم وفنون کے مسلمہ اصول وضوابط کی روشنی میں اپنے موقف پر اس طرح استدلال فرمائے کہ اہل علم وفن داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے۔

امام علم وفن کے علمی کارنامے تقریباً نصف صدی کو محیط ہیں، اس پورے منظرنامے میں آپ کی علمی جلالت شان کا آفتاب پورے آب تاب کے ساتھ روشن ہے۔

امام علم وفن کی یہ تحقیق جب شائع ہوئی تو علمی حلقوں میں اس کی کافی پزیرائی ہوئی، اور لوگ آپ کے علم وفن کی داد دینے لگے، مگر کچھ نام نہاد افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے حضرت کی اس تحقیق کے خلاف لاف وگزاف سے کام لیا اور یہ کہہ کرنا قابل اعتنا قرار دینے کی کوشش کی کہ اس کی بنیاد منقولات کے بجائے معقولات کے ان مسلمات پر ہے جنہیں شریعت کالعدم قرار دیتی ہے۔ جبکہ امام علم وفن نے علم ہیئت کی ان مسلمات (جو عند الشرع معتبر ہیں) کے ساتھ منقولات سے بھی اسے مبرہن کر دیا تھا، ایسے موقع پر حضرت کا احتیاط قلم اور انداز بیاں بڑے حیرت واستعجاب کے ساتھ پڑھے جانے کے قابل ہے۔ آپ رقم طراز ہیں۔

”یاد رہے کہ ہمارے مضامین میں جہاں کہیں ہیئت وزیج سے مدد لی گئی ہے وہیں مضمون کو منقولات کے حوالوں سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ ہمارے مضمون میں متعدد معنوی قباحتوں کے بیان کرنے کے ضمن میں ایک دو نہیں بلکہ چھ سات قباحتوں کا ذکر ہے لیکن کچھ علمانے ساری قباحتوں کو نظر انداز فرما کر فقط ہیئت وزیج ہی کو موضوع بحث بنایا اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اول فول بکنا اور الم غلم لکھنا شروع کر دیا اور جب ادھر سے ان کو تسلی بخش جواب مل گیا تو پھر بغلیں جھانکنے لگے“ (ماہنامہ کنز الایمان دہلی)

امام علم وفن نے اپنی تحقیق کو بے غبار ثابت کرتے ہوئے خود امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ کے قول سے استشہاد فرمایا کہ امام موصوف نے بھی ہیئت وزیج کے انہی مسلمات سے جو عند الشرع معتبر ہیں ۲۷، ۲۸ کی رویت کو ناممکن بتایا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

”امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے رسول کریم ﷺ کے وصال شریف کی تاریخ اور دن کے تعین کیلئے رویت ہلال کی مذکورہ شرطوں کے پیش نظر شام دوشنبہ ۲۹ صفر وسطی ۱۱ھ کیلئے افق کریم مدینہ طیبہ کیلئے جزئیات موامرہ کی جدول تیار کر کے یہ حکم لگایا کہ ”جب سہ شنبہ (۲۹ صفر) تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا تو اس سے دو ایک رات پہلے (۲۸، ۲۷) کا وقوع بداہۃ محال تھا، اس رات (یعنی ۲۹ کے دن گزرنے کے بعد کی رات قمر صرف ۹ درجہ آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ کو (یعنی ۲۸ تاریخ کی شام کو) کئی درجے (یعنی تقریباً تین درجے سے کچھ زیادہ) اس سے غربی تھا اور غروب شمس کے کوئی پاؤ گھنٹہ پہلے ڈوبا اور شام یکشنبہ (یعنی ۲۷ تاریخ کی شام کو) تو عصر کا اعلی مستحب وقت تھا جب چاند حجلہ نشیں مغرب ہو چکا تھا۔ پھر (ان دونوں تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں) رات کو رویت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی“ (فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۳۲، بحوالہ ماہنامہ کنز الایمان دہلی)

امام علم وفن نے جس قدر سنجیدگی کے ساتھ مخالفین کی تحریر کا جواب دیا وہ لائق تقلید ہے۔ ورنہ آج کل علمی اختلافات بیان وزبان اتنی غیر سنجیدہ ہو جاتی ہے کی الامان والحفیظ۔

بحرحال اختلافات کا سلسلہ اور آگے بڑھا اور امام علم وفن کے دیرینہ رفیق درس حضرت علامہ غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ اس تحقیق پر اپنی معروضات پیش کیں، تو امام علم وفن نے کئی قسطوں میں ان کے معروضات کا علمی و تحقیقی جواب دیا۔

حضرت علامہ غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ نے کتب تفاسیر کے حوالہ سے یہ لکھا کہ ۲۷، ۲۸ رتاریخ کو چاند کی رویت شرعاً بھی محال ہے۔ لیکن انہوں نے ۲۷، ۲۸ کے دن شام کو افق غربی میں رویت کی بجائے ۲۷، ۲۸ کی صبح افق شرقی میں رویت پاکستانی واقعہ کا محمل ومصداق بتایا اور حضور مفتی اعظم کی طرف منسوب فتویٰ کو اسی معنیٰ پر محمول فرما کر اسے صحیح ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اس پر حضرت امام علم وفن نے نے جو ایرادات قائم فرمائے ہیں خود انہی کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیں رقمطراز ہیں۔

"اس کے جواب میں ہم نے لکھا کہ میں اشرفی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بحمدہ تعالیٰ تفسیروں کے حوالوں سے میرے موقف کی تائید فرمائی ہے کہ ۲۷ / ۲۸ رتاریخوں میں بوقت شام کہیں سے بھی چاند نظر نہیں آسکتا۔ اشرفی صاحب کے آخری پیراگراف کے تعلق سے مجھے کچھ تامل اور کلام ہے کہ پاکستانی جعلی فتویٰ میں ۲۷، ۲۸ تاریخ کی شام کے تعلق سے یہ مذکور ہے کہ جہاز اڑا کر دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷، ۲۸ کو بھی (چاند) نظر آسکتا ہے اور اشرفی صاحب نے اس فتویٰ اور واقعہ کو ۲۶، ۲۷ کی صبح پر محمول فرما دیا۔" (کنز الایمان دہلی شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆

امام علم وفن اور علم درایت

مولانا منظر الاسلام ازہری امریکہ

اسلامی اصول میں حدیث رسول کا دوسرا درجہ ہے۔ سنت الٰہی پر عمل کرتے ہوئے عہد رسالت سے ہی علماء و
محدثین نے اس اصل ثانی کی حفاظت پر پوری توجہ کے ساتھ کام کیا ہے۔ جب بھی روایت حدیث اور دیگر کلام میں خلط ملط
کرنے کی کوشش کی گئی علماء کی ایک جماعت نے اس کاوش کا پردہ چاک کردیا اور حق و باطل میں امتیاز کر دکھایا۔ عہد صحابہ میں
متعدد صحابہ کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تابعین کا زمانہ جب آیا تو عالم
اسلام کا سیاسی منظر نامہ بڑی کشمکش سے گذر رہا تھا۔ اس عہد میں لوگوں کی ایک جماعت نے جھوٹی باتیں گڑھ کر نبی اکرم ﷺ کی
طرف منسوب کرنا شروع کردیا۔ مگر ان کی سازشوں کا پردہ فاش کرنے کے لئے محدثین اور ناقدین رجال کی پوری جماعت بھی
کمربستہ ہوچکی تھی اور اس جماعت نے اپنی انتھک کوشش سے دروغ گوئی کرنے والوں کا پوری طرح مقابلہ کیا اور سچوں اور
جھوٹوں میں خط فاصل کھینچ دی۔ اسلام کے خلاف سازش کرنے والے اس تیزی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی ذات پر بہتان تراشی
سے کام لے رہے تھے کہ عقل حیران تھی۔ بلکہ بعض مرتبہ اس سازشی طوفان سے اہل علم حیران ہوجایا کرتے مگر ان کی خداد
صلاحیت نے انہیں سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ ایسے ہی تاریک دور میں عبد اللہ ابن مبارک سے کسی نے کہا: **ھذہ الاحادیث
الموضوعہ** امام! گھڑی حدیثوں کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ ابن مبارک نے جواب دیا: **تعیش لھا الجھابذۃ**
فکر کرنے کی بات نہیں ہے اس کے ماہرین بھی موجود ہیں۔

ماہرین کی اس جماعت نے صحیح اور غلط میں خط فاصل کھینچنے کے لئے رہنما اصول بھی وضع کردیے ہیں، جن سے آج
تک اہل علم خاص طور پر علم حدیث سے شغف رکھنے والے پوری طرح استفادہ کرتے ہیں۔ حدیث موضوع کو جانچنے اور پرکھنے
کے جو اصول ناقدین رجال نے وضع کئے ہیں ان کے ضمن میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کسی حدیث کے الفاظ بڑے ہلکے پھلکے اور
بے تکے ہوں تو یہ اس روایت کے باطل ہونے پر دلیل ہوگی۔ علامہ ابن حجر نے اس کی تشریح میں کہا کہ الفاظ سے کہیں زیادہ معنی

اہمیت کا حامل ہے۔ بلفظ دیگر کسی حدیث کا معنی رکیک ہو یا عقل سلیم سے متناقض ہو تو یہ اس روایت کے غلط ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔ مگر معنی کے بطلان پر آگاہ ہونا ہر پڑھے لکھے کے بس کی بات نہیں، نہ ہی چند حدیث ازبر کر کے حافظ حدیث کہلانے والے کے قابو میں ہے اور نہ ہی بخاری و مسلم کی رٹ لگانے والے یا بخاری و مسلم کا درس دینے والے اساتذہ کے دسترس میں ہے۔ بلکہ یہ ایسے ماہر شخص کا فن ہے جس کو اسلامی علوم وفنون پر کامل دسترس ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کی نعمت سے بھی پوری طرح سرفراز کیا گیا ہو اور جو ابن مبارک کی زبان میں "جہبذ" کے درجہ پر فائز ہوں۔

اس طویل تمہید کے بعد مجھے صراحت کے ساتھ یہ قلمبند کرنے میں کچھ مانع نہیں کہ ابن مبارک نے موضوع روایت کی جانچ پرکھ میں جن جہابذہ کی طرف اشارہ کیا ہے، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین عہد حاضر میں ان جہابذہ کی ایک روشن مثال ہیں۔

امام علم وفن کو دنیا فلسفی، منطقی، ریاضی داں، اصولی اور فقیہ کی حیثیت سے تو اچھی طرح جانتی ہے مگر شاید گنے چنے اہل علم اس سے واقف ہوں گے کہ ان کی نگاہ علم حدیث اور خاص طور پر نقد روایت پر بڑی گہری ہے۔

الفاظ حدیث کی معنوی گہرائی تک پہونچنا امام علم وفن کا دلچسپ شعبہ ہے۔ حدیث کے الفاظ کو عام محدثین یا درس حدیث دینے والوں کی طرح نہیں پڑھتے ہیں بلکہ معنی کی اتھاہ گہرائی تک اتر کر حدیث کی روح کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی عالم دین کا ترجمہ سامنے ہو تو اس ترجمہ کو تقلیدی انداز مین پڑھنے کی بجائے تحقیقی زاویہ نظر سے پڑھتے ہیں۔ اگر عبارت کے کسی ترجمہ پر نگاہ رک جاتی ہے تو اس کی پوری طرح چھان بین بھی کرتے ہیں۔ امام علم وفن کے اس منہج تحقیق کی دلیل بذات خود راقم الحروف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کئی سال پہلے امام علم وفن علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں ممبئی میں تھے۔ علاج طویل ہونے کی وجہ سے ممبئی میں لمبا عرصہ قیام کرنا پڑا۔ کچھ اہل ثروت جنہیں علم سے دلچسپی تھی، نے امام علم وفن کی موجودگی کو غنیمت سمجھا اور درخواست کی کہ آپ جب تک ممبئی میں قیام فرما ہیں حدیث شریف کا درس دے دیجئے۔ امام علم وفن نے علالت کے باوجود ان کی گذارش قبول کرلی اور درس کے لئے حدیث کی معروف کتاب مشکوۃ المصابیح کا انتخاب کیا۔ اس دوران کہیں سے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں قدس سرہ کی مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح بھی ہاتھ آگئی۔ امام علم وفن نے حکیم الامت کے ترجمہ پر تحقیقی نظر ڈالا، کئی جگہ ترجمہ میں الجھن پیدا ہوئی بالاخر تقدیر سے متعلق ایک روایت کے ترجمہ پر امام علم وفن کی نگاہ ایسی رکی کہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ حدیث کا لفظ "فیما یستقبلون" کا جو ترجمہ مراۃ المناجیح کے مؤلف نے کیا ہے اس میں خلل ہے۔ امام علم وفن اپنی اس تحقیق میں راقم الحروف کو بھی شامل کیا اور پورا واقعہ فون پر بیان کیا۔ راقم نے غور وفکر کے بعد اس حدیث کی کے ترجمہ اور تشریح سے متعلق ایک جامع مضمون بھی لکھا جو ماہنامہ جام نور میں شائع ہو چکا ہے۔

اس داستان کی وجہ یہ ہے کہ اہل علم اس بات سے آگاہ رہیں کہ امام علم وفن کو پروردگار عالم نے جہاں بے پناہ خوبیوں

سے نوازا ہے وہیں علم حدیث میں بھی انہیں پوری دسترس عطا کی ہے۔
یہ تو الفاظ روایت کی توضیح وتشریح سے متعلق امام علم وفن کی علمی گہرائی کی مثال تھی۔ اگر علم درایت یعنی کسی روایت کو اس کے بے تکے معنی کی بنیاد پر قبول نہ کرنے کی بات کی جائے تو اس میں بھی ان کی شان نمایاں نظر آتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ایک ایسی مثال ذکر کرتا ہوں جس کی روشنی میں کسی مبالغہ کے بغیر ابن ابی حاتم کا نقد، ابن جوزی کی عقلانیت، ذہبی کا علم اور جملہ محدثین وناقدین رجال کی خوبی نظر آئے گی۔ میرے مطالعہ کی میز پر اس وقت ''تحقیقات امام علم وفن'' ہے۔ اس کتاب میں موجود امام علم وفن کے تحقیقی شہ پارے اپنی مثال آپ ہیں۔ میں نے چند تحقیقات سے استفادہ کیا ہے۔ اپنی طبیعت کے مطابق میری نگاہ امام علم وفن کے ایسی تحقیقی شہ پارے پر پڑی جو بظاہر ریاضی اور حساب کے مسئلوں سے تعلق رکھتی ہے مگر اس کا ایک ایک لفظ علم درایت سے متعلق ہے اور اس کا ہر ہر جملہ میرے دعوی کی واضح دلیل ہے۔ امام علم وفن کی یہ تحقیق دراصل سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی طرف منسوب ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ جس کا بطلان انہوں نے علم درایت (علم حساب) کی روشنی میں مختلف طریقہ سے کیا ہے۔ پہلے واقعہ کا خلاصہ سماعت کیجئے اور پھر خواجہ علم وفن کی تجزیاتی تحریر ملاحظہ کیجئے۔

۱۷ اونٹوں کی بے کٹی پٹی تقسیم:

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تین ایسے لوگ آئے جو سترہ اونٹ میں شریک تھے۔ ایک کا آدھا حصہ تھا، دوسرے کا تہائی حصہ اور تیسرے کا نواں حصہ۔ اونٹوں کی تعداد سترہ تھی اس لئے انہیں اس کی تقسیم میں دشواری پیش آرہی تھی۔ لہذا وہ لوگ سیدنا علی کے پاس آئے اور مسئلہ کے حل کی گزارش کی۔ سیدنا علی نے سترہ اونٹ میں اپنی طرف سے ایک اور اونٹ کا اضافہ کردیا اور جس کا حصہ آدھا تھا اسے نو اونٹ، جس کا حصہ تہائی تھا اسے چھ اونٹ اور جس کا نواں حصہ تھا اسے دو اونٹ دے دیا۔ تینوں خوشی خوشی واپس ہو گئے اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا اونٹ واپس بھی لے لیا۔ ملخصا۔

پس منظر: امام علم وفن نے مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی طرف منسوب ایک واقعہ کی غلط بیانی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا کہ ''ہمارے اسلاف کی طرف کچھ ایسی روایت بھی کتابوں میں درج ہوگئی ہے جن کا حقیقت واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا'' دلیل کے طور پر امام علم وفن نے سترہ اونٹ والے واقعہ کا ذکر خطبات محرم، تالیف مفتی جلال الدین امجدی قدس سرہ کے حوالہ سے کردیا۔ امام علم وفن نے بیان کیا ہے کہ جب خطبات محرم کے مؤلف اس واقعہ کو اپنی کتاب میں درج کررہے تھے تو اس نشست میں یہ بھی موجود تھے اور اسی وقت مؤلف کتاب سے ذکر کیا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف منسوب اس واقعہ کی صحت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ مؤلف نے دروغ برگردن راوی کہہ کر اپنی برأت کا اظہار کردیا اور کہا کہ میں نے

حوالہ لکھ دیا ہے۔ ملخصا

خطبات محرم کے مؤلف کے اس ریمارک پر امام علم وفن نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

”..اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ واقعہ کسی کتاب میں درج نہیں اور اس کے حوالہ سے ہم بے خبر ہیں، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس واقعہ میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو کسی طرح سیدنا علی کی شایان شان نہیں لہذا اس روایت کا غلط ہونا یقینی ہے۔ ملخصا

معاصرین میں سے کسی اہل قلم نے اس واقعہ کے ضمن میں امام علم وفن پر طنز بھی کیا ہے، جس کے بعد انہوں نے اس روایت کی علمی، عقلی، اور علم درایت کی روشنی میں تحقیق کی ہے اور روایت کا تجزیہ ایسا کیا کہ چشم ما روشن دل ماشاد۔

اس تجزیاتی تحریر کا عنوان ”سترہ اونٹوں کی بے کٹی پٹی تقسیم“ ہی اس بات پر دلیل ہے کہ اس روایت کی کوئی سند نہیں اور اگر سند موجود بھی ہوگی تو یقیناً اس کے رواۃ ساقط الاعتبار ہوں گے۔ امام علم وفن رقمطراز ہیں:

وہ مشترکہ مال جو چند لوگوں کی ملکیت میں ہو اس میں شرکت اور بٹوارے کے اعتبار سے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) شرح شرکت (۲) مقدار حصہ۔ مثال کے طور پر ۱۸ روپے میں تین لوگ اس طور پر شریک ہیں کہ ایک کا آدھا حصہ، دوسرے کا تہائی حصہ اور تیسرے کا چھٹا حصہ ہے... تقسیم کے بعد پہلے شخص کو نو روپے دوسرے کو چھ روپے اور تیسرے کو تین روپے ملیں گے.. علم حساب کے اعتبار سے شرح شرکت کے اجزائے کسر کا مجموعہ ایک کے برابر ہونا ضروری ہے اور حصہ کا مجموعہ مشترکہ مال کے برابر ہونا چاہئے۔ اگر اجزاء کسر ایک کے برابر نہ ہوں تو شرکت کامل نہیں ہوگی اسی طرح اگر جملہ حص کا مجموعہ مال مشترک کے برابر نہ ہو تو تقسیم بھی صحیح نہیں ہوگی۔ ملخصا۔

اس تجزیہ کے بعد امام علم وفن رقمطراز ہیں:

”تاریخ الخلفا کے حوالہ سے جو روایت مشہور ہے اس میں نہ تو شرح شرکت ایک کے برابر ہے اور نہ ہی حصص کا مجموعہ ۱۷ کے برابر... اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ الخلفا کی روایت کے مطابق نہ یہ شرکت صحیح اور نہ اس کی تقسیم صحیح،،

روایت میں ہے کہ مسئلہ حل کرنے کے لئے سیدنا علی نے اپنا ذاتی ایک اونٹ ملا کر اونٹوں کی تعداد اٹھارہ کردی۔ اس شرکت کی امام علم وفن نے تین صورتیں ذکر کی ہیں۔

(۱) سیدنا علی کا اونٹوں کے ساتھ اپنی طرف سے ایک اونٹ کا اضافہ نام ونمود کے لئے تھا۔

اس کا رد کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ اس صورت میں مسئلہ کی نوعیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی تعداد جیسی کی ویسی رہی اور تقسیم اب بھی دشوار امر ہے۔

(۲) سیدنا علی کی طرف سے ایک اونٹ کا اضافہ اس لئے تھا کہ وہ بھی ان اونٹوں میں ایک حصہ دار بن جائیں۔

(۳) سیدنا علی کا اپنی طرف سے اونٹ کا اضافہ کرنا بطور ہبہ تھا۔

ان دونوں صورتوں کی توجیہ کے لئے امام علم وفن نے ایک طویل تجزیاتی تمہید ذکر کیا ہے اور خلاصہ کے طور پر لکھا کہ دوسری صورت میں ''پرانی شرح شرکت ختم ہو کر نئی شرح شرکت'' پیدا ہوگی تاہم مقدار حصہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ جبکہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی کی شرکت جدید حصہ دار کے طور پر نہیں تھی کیونکہ تقسیم کا عمل پرانی شرح شرکت کے مطابق ہی ہوا تھا ملخصا۔ اس پوری تقسیم کو ایک بڑی مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔

تیسری صورت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس صورت میں شرح شرکت میں کوئی فرق نہیں آئے گا لیکن مقدار حصہ میں اتنی زیادتی پیدا ہو جائے گی کہ ہر ایک کا حصہ مع زیادتی باہم مل کر مجموعہ اونٹ کی تعداد اٹھارہ ہو جائے۔ جبکہ روایت کے مطابق ایک اونٹ باقی رہ گیا تھا اور سیدنا علی نے اسے واپس اپنے گھر بھیج دیا!

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا علی نے ایک اونٹ ہبہ کیا تھا اور ہبہ کردہ چیز واپس نہیں لی جاتی ہے۔ اگر سیدنا علی نے واپس لیا تو شریعت میں اس کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے!

اس تجزیہ اور تشریح کے بعد امام علم وفن نے اپنی طرف سے ایک حل بھی پیش کیا ہے، تفصیل کے لئے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیجئے۔ اس روایت میں ایک اور گوشہ کا ذکر کر کے امام علم وفن نے اس کی تردید کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تین لوگوں کی شرح شرکت اگر صحیح مان لی جائے تو اس شرکت کے ساتھ انہیں سترہ اونٹ کس طرح مل سکا تھا۔ اگر یہ لوگ تاجر تھے تو تجارت میں شرکت کا تام ہونا ضروری ہے، اس روایت میں شرکت تام نہیں۔ وراثت کے طور پر بھی یہ حصے ان کا مقدر نہیں بن سکتے کیونکہ اس میں ایک آدمی کا حصہ ۱/۹ ر بتایا گیا ہے جو علم فرائض کے اعتبار سے کسی طرح بھی درست نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ کسی نے انہیں وصیت یا ہبہ کیا تھا اور غلطی سے یہی شرح شرکت بیان کی جو انہوں نے سیدنا علی کی خدمت میں پیش کیا۔ اگر ایسا تھا تو سیدنا علی یہ فرماتے کہ یہ مسئلہ نہ تو عادلہ ہے، نہ ہی عائلہ بلکہ عاذلہ ہے۔ ملخصا۔ اس صورت پر تفصیلی رشنی ڈالی ہے اور پھر لکھا کہ اس صورت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ مال کی تقسیم کرنے والا اپنی طرف سے ایک اونٹ دے کر مال کی تقسیم کر دے اور پھر اپنا اونٹ واپس بھیج دے!

اس جھوٹی روایت کے تمام پہلو کا جائزہ لینے کے بعد ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''اس واقعہ سے میرا مدعا فقط یہ ہے کہ مبینہ شرح شرکت فی الحقیقت غلط ہے اور اس کی بنیاد پر اونٹوں کی

تقسیم بھی غلط ہے اس لئے فی الحقیقت ان وجوہات کی بنیاد پر واقعہ غلط اور فرضی ہے"

قارئین کرام! اس طرح تجزیہ اور تحلیل کے بعد کسی روایت کو رد کرنا ہی محدثین کے نزدیک علم درایت ہے۔ متقدمین محدثین کے نزدیک رجال پر جرح وقدح کی مثالوں سے تو کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن علم درایت کی روشنی میں نفس مضمون کی غلطی کو واضح کر کے رد کر دینا خال خال ملتا ہے۔ تاہم ابن کثیر کے نزدیک اس کا عام رواج ملتا ہے۔ ابن حزم بھی اس میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں، ابن رشد مالکی کا بھی اس ضمن میں منفرد مقام ہے۔ ماضی قریب میں ڈاکٹر ابوشہبہ مصری اور شیخ غزالی مصری بھی علم درایت کی اصولوں کے عظیم پاسدار تھے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین کی شخصیت اسلاف کے انہیں سلسلوں کی ایک کڑی ہے۔ علمائے اہل سنت کے لئے اس تجزیاتی تحریر میں درس بھی ہے کہ کسی واقعہ یا روایت کا کسی بھاری بھرکم کتاب میں موجود ہونا یا کسی عالی وقار شخصیت کی تصنیف میں موجود ہونا اس واقعہ یا روایت کے صحت کی دلیل نہیں ہوتی۔ روایتوں کو ہمیشہ شخصیات کے بجائے اصولوں کی روشنی میں جانچ پڑتال کیا جاتا ہے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین مدظلہ العالی معاصر علمائے اہل سنت میں علم درایت کی عظیم مثال ہیں۔ روایتوں کو جانچنے کے سلسلہ میں امام علم وفن کے غیر تقلیدی اور خالص علمی منہج کو اپنا لیا جائے تو اہل سنت کی علمی درسگاہوں میں انقلاب آ سکتا ہے۔

☆☆☆☆

امام علم وفن: من کے راجہ فن کے خواجہ

مولانا محمد ابوالحسن علی رضوی قادری جامعہ غوثیہ رضویہ لنگم پیٹ، نظام آباد

حسن صوری و معنوی کے حسین سنگم، ہر زاویہ سے حسین، عالم اسلام میں علوم قدیمہ و جدیدہ کے منفرد ماہر، فخر بہار، دانائے اسرار، فدائے غوث العالم مفتی اعظم، پروردۂ ملک العلماء، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی القادری مدظلہ العالی نے ایک ملاقات کے دوران فرمایا کہ میں ''من کا راجہ فن کا خواجہ'' ہوں۔ اس وقت استاذی الکریم حضرت علامہ مفتی حسن منظر صاحب قدیری ادام اللہ تعالیٰ فیوضاتہم العالیہ کے حکم پر ان سے متعلق اپنی کچھ یادیں نذر قارئین کرنے جا رہا ہوں تو ان کا کہا یاد آیا اور میں نے اسی کو عنوان تحریر بنالیا۔

80 کی دہائی میں سرکار مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد اہل سنت والجماعت میں اختلاف وانتشار کی بہت سی دبی ہوئی چنگاریاں شعلہ پوش ہوگیں، سلگیں، پھیلیں، جلیں، جلائیں انہیں اختلافی فرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ تصویر سازی کے جواز وعدم جواز کا تھا۔ اہل علم کے فتاویٰ دارالافتاء سے باہر نکل کر رسائل و جرائد اور کتابچوں کے صفحات پر آگئے، محاذ آرائی ہوئی، کوئی ادھر گیا کوئی ادھر گیا، تائیدی وتردیدی مضامین ومقالات سے صفحات رنگین ہوتے گئے۔ اسی چپقلش کے ماحول میں ایک مضمون ماہنامہ ''استقامت'' میں اپنی شان انفرادیت کے ساتھ قسط وار جلوہ گر ہوئی۔ '' ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی''۔ یہ من کے راجہ فن کے خواجہ کے قلم حقیقت رقم کی معجزہ نگاری تھی۔ اس تحریر دل پذیر کی اشاعت کے بعد قلم شرما گئے۔ اہل علم کے کان کھڑے ہوئے۔ قسطیں آتی رہیں، دل ونگاہ کو سیراب کرتی رہیں اور پھر '' ٹی وی کی تحقیق'' آگئی۔ علم ٹھنڈے ہوگئے۔ شعلوں پر پھوار پڑ گئیں۔

انہیں دنوں کی بات ہے میں منظر اسلام میں جماعت خامسہ یا سادسہ کا طالب علم تھا مجھے خواہش ہوئی کہ خواجہ علم وفن سے اکتساب فیض کیا جائے۔ حضرت امام علم وفن رشتے میں میرے خسر ہوتے ہیں اور ان کے دونوں دستان راست وچپ حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمان صاحب مضطر اور علامہ مفتی ایوب صاحب مظہر بہنوی۔ مفتی ایوب مظہر علیہ الرحمہ سے خط لکھوایا اور حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمان صاحب مضطر کی معیت اختیار کی، رمضان شریف کا مہینہ تھا اور سخت گرمی کا موسم، حضرت مفتی صاحب نے اپ

مربی کے لئے بائسی سے انواع واقسام کے تحائف خریدے، میری حساس طبیعت بغور دیکھتی رہی، اور حضرت خواجۂ علم وفن کے ذوق لطیف کا تجزیہ کرتی رہی۔ عمدہ قسم کی مٹھائیاں، انواع واقسام کے پھل، رات بھر کھانے کے لئے دسیوں پان کے بیڑے، اعلیٰ قسم کے خوشبودار فروٹ، مشروبات اور انواع واقسام کی چیزیں سبھی اعلیٰ اور معیاری، عصر اور مغرب کے درمیان ہم ان کے دولت کدے پر پہونچے، وہ کہیں پڑوس میں تھے، ہماری آمد کی اطلاع ملی، ہنستے مسکراتے نہایت شاد شاد تشریف لائے، ان پر رمضان کی اس آگ برساتی گرمی کا نہ کوئی اثر تھا نہ دن کے آخری پہر، چہرے پر کسی قسم کی کوئی نقاہت۔ وہ حسب عادت قہقہے برسا رہے تھے، مجھے یاد آرہا ہے کہ شاگرد رشید نے عرض کیا تھا" آپ روزے سے ہیں اور آپ پر اس گرمی کا کوئی اثر نہیں "تو استاد گرامی نے فرمایا: اسی لئے تو لوگ مجھے بے روزے دار کہتے ہیں۔

حضور خواجۂ علم وفن کی زبان سے اپنے عنفوان شباب میں سنا ہوا یہ جملہ میرے ذہن میں رہا اور اس کے بعد مختلف مواقع پر انکی مجالس میں بیٹھنے، ان کو سننے، دیکھنے، پرکھنے، سمجھنے، ڈھونڈنے، پانے کے مراحل آئے۔ اب جب کہ وہ چراغ سحری ہیں اور مجھ پر بھی سفیدی جھوم کر آرہی ہے، میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ علوم عقلیہ ونقلیہ پر ان کا عبور ہزار ہا تلامذہ کے ذریعے اہل سنت کی سرحد وسیما کی حفاظت، تحقیقات امام احمد رضا وسرکار مفتی اعظم پر استقامت، عالم اسلام میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کے حل میں ان کی قیادت، ان کے بافیض دلائل کی اہل نظر کے ذریعے اطاعت پر تو سب کی نظر ہے لیکن وہ اصل جوہر جس پر بہت کم لوگوں کی نگاہ ہے وہ ہے سارے درد وغم، رنج ومحن کو مسکراہٹ میں چھپالینا۔ اپنے مخاطب اور اپنی گہرائی و گیرائی کے درمیان اپنی باغ وبہاری کا پردہ تان دینا۔ اپنے مخاطب کو اپنی مسکراہٹ کا اسیر بنالینا۔ مجھے الفاظ نہیں مل رہے ہیں مافی الضمیر کے اظہار کے لئے۔ شعر کا سہارا لیتا ہوں۔

سارا جسم زخمی ہے گھاؤ ایسا ہے
کسی کو کچھ پتہ نہیں رکھ رکھاؤ ایسا ہے

خوبصورت گلاس میں نہایت ٹھنڈا اور میٹھا شربت۔ انواع واقسام کے لوازمات۔ شاندار عشائیہ۔ اور پھر سحر تک کی وہ علمی مجلس جو استاد وشاگرد میں گرم رہی۔ وہ خوب برسے۔ یہ خوب بھیگے۔ مختلف علوم سے متعلق مسائل زیر بحث آئے۔ اخاذ شاگرد کے سوالات اور فیاض استاد کے جوابات۔ رات ڈھلتی رہی۔ انکی علمی مجلس کی گرمی بڑھتی رہی۔ پھر ان کے مخطوطات مختلف علوم وفنون پر مشتمل قلمی رسائل۔ اور علوم جدیدہ وقدیمہ پر ان کی فائل کا مشاہدہ کرایا اور فرمایا: الحمدللہ! میں امام احمد رضا کے 36 علوم وفنون کو جانتا ہوں۔ میری قسمت میں ان سے شرف تلمذ حاصل کرنا نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے بلایا میں نہیں جاسکا۔ لیکن اس ایک رات کی معیت نے مجھے ذہنی طور پر ان کا اسیر کردیا۔ میں نے انہیں بیسیوں خطوط لکھنے کی جسارت کی اور اس بطل جلیل نے مجھے پچاسیوں خطوط لکھے۔ انہوں نے بھی عاجزی اور ذرہ نوازی کی انتہا کردی۔ مجھ بے بضاعت کو ایسے ایسے القابات سے نوازا جن کا میں دور دور

تک مستحق نہیں۔ ہاں یہ انہیں کا حق ہے۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است
عاجزی محبوب درگاہ خداست

وہ خلیفۂ مفتی اعظم ہیں۔ ظاہر میں جو کچھ نظر آتے ہیں وہ حقیقت نہیں ہے۔ راز کی باتوں کو قہقہوں میں اڑانے کا فن جانتے ہیں۔ من کے راجہ ہیں مسکراتے رہتے ہیں۔ دردِ دل کو غیروں پر عیاں کرنا ان کے مسلک میں جائز ہی نہیں لگتا۔ غم چھپانا ان کی عادت لگتی ہے۔ ایک ہی فرزند، عزیزی تحمید مرحوم تیس سال کی بھری جوانی میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے میں نے تعزیت کے لئے فون کیا۔ نہ ان کی آواز رندھی۔ نہ وہ اشکبار ہوئے۔ مولیٰ کی مرضی اتنی ہی حیات لے کے آئے تھے، کہا اور اس فون پر بھی کسی بات پر ہنس پڑے۔ میں نے دل میں کہا آپ کا جگر پیدا کرنا آسان نہیں۔ آپ کو بڑوں کی صحبت نے بڑا بنا دیا ہے۔

پھرتا ہے فلک برسوں کے سائے میں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

سیتاپور اور علی گڑھ کی مساجد سمت قبلہ سے منحرف ہیں۔ اس سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا نے اپنی گراں قدر تحقیقات پیش فرمائیں۔ جن لوگوں کی سمجھ میں امام احمد رضا کی تحقیقات نہیں آئیں وہ معترض ہوئے۔ اس میں پنڈت سچیتانند بھی تھے جو علم ریاضی اور دیگر علوم آلیہ پر قدرے دسترس رکھتے تھے۔ فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ ایک سوالنامہ میں نے ہندوستان و پاکستان کے اکثر دارالافتاء اور قابل ذکر شخصیات و تحریکات کو پچھلے دنوں بھیجا تھا۔ اور حیدرآباد سے شائع ہونے والے تمام اردو روزناموں میں شائع کروایا۔ کہ بوجھو تو جانیں۔ روزنامہ رہنمائے دکن کے مذہبی کالم نگار جناب معز الدین اشرفی کو براہ راست دیا کہ حیدرآباد علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، ان علوم کے جاننے والے یہاں ہوں تو حل کرائیں۔ کئی مہینوں کے بعد ان کا خط آیا کہ یہ کسی کے بس کا نہیں ہے۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور مرکزی دارالافتاء کے صدر مفتی علامہ مفتی قاضی عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ کے جوابات آئے۔

اول الذکر نے تحریر فرمایا کہ آپ کے سوالات جن فنون سے متعلق ہیں ان فنون کے جاننے والے ہماری جماعت میں صرف ایک شخصیت ہے۔ امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب، آپ ان سے رجوع ہو جائیں۔

اور ثانی الذکر نے لکھا بغور مطالعہ کیجئے۔ سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، جامعہ نعیمہ مرادآباد، جامع اشرف کچھوچھہ شریف، الجامعۃ القادریہ بدایوں، براؤں شریف، گھوسی، جمداشاہی، چریا کوٹ، حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری

،پروفیسر مسعود صاحب علیہما الرحمۃ۔ غرض یہ کہ کہیں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ کاش! ان تمام حضرات نے بھی علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی طرح اپنی ناواقفیت اور امام علم وفن کی واقفیت کا اقرار کرلیا ہوتا تو ہمیں جناب سعید بھائی نوری چیرمین رضا اکیڈمی بمبئی سے یہ کہنے میں آسانی ہوتی کہ جتنی جلدی ہوسکے اپنی جماعت کے اس یکتائے روزگار کو چاندی میں تول دیں اور سرکار مفتی اعظم کی اس عطائے خاص کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کردیں کہ فتاویٰ رضویہ کے لاینحل مسائل کا حل پیش کرنے والا ہماری جماعت میں صرف ایک شخص ہے۔ ’’من کار اجہ فن کا خواجہ‘‘

اس سلسلہ کی ایک مجلس میں امام علم وفن نے اپنے درد کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

ہندوستان و پاکستان میں امام احمد رضا کے نگارشات سمجھنے والے علماء انگلیوں میں گنے جاسکتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ اور دیگر تصنیفات امام احمد رضا میں بہت سے لاینحل مسائل ہیں جنہیں حل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے ورنہ مستقبل میں امام احمد رضا کے جاننے والے علماء نہیں مل پائیں گے۔ امام احمد رضا کا نام لے لے کر شکم پروری تو ہوگی، ان کو سمجھنے والا کوئی نہ رہ جائیگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ذی استعداد علماء کا ایک بینچ بنے اور ان تمام لاینحل مسائل کو حل کیا جائے پھر اسے کتابی شکل دی جائے۔ فضیلت کے بعد مدارس اسلامیہ میں تخصص کا ایک شعبہ ہو۔ جس میں امام احمد رضا پڑھائے جائیں۔

کاش! ایسا ہو جاتا اور اس درد مند مصلح اور چوکس محافظ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوررس نتائج کا حامل یہ نمایاں کام کرلیا جاتا۔

ذیابیطس، درد گردہ، سلس البول اور دیگر امراض میں گھرے خواجۂ علم وفن یہ سارا درد اپنے سینے میں لئے مسکرا رہے ہیں اور شکم پروروں کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ زبان حال سے کہہ رہے ہیں: ’’میں جان کر جا رہا ہوں اور تم انجان مر جاؤ گے‘‘۔ امام احمد رضا کا تعارف کراتے ہوئے امام احمد رضا اور زیجات، مقناطیس، سمت نما، قطب شمالی کے شب وروز، کلک رضا کی خلاء پیمائی، علم ہندسہ پر امام احمد رضا کا نقد ونظر، امام احمد رضا اور علم تکسیر، امام احمد رضا اور ربع مجیب، اسطرلاب، امام احمد رضا اور علم جفر، علم توقیت کا نقاب پوش ضابطہ، وڈیو کی تصویر اصلی یا فرضی، لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی یا نقلی، ہلال اور اس کی رویت، شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کی تحقیق، ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال، امام احمد رضا اور جبر ومقابلہ، نزول افق کا گم شدہ فارمولہ، علم الابعاد والاجرام میں امام احمد رضا کا تفرد، امام احمد رضا اور علم لوگارثم، رویت ہلال اور اختلاف مطالع، مقدمہ زبدۃ التوقیت مسمیٰ بفوائد التوقیت، جیسے گراں قدر مقالات کا سرمایہ اسلامیان عالم کو خواجۂ علم وفن نے عطا فرمایا۔ دنیا کی علمی تاریخ انہیں فراموش نہیں کرسکتی۔ تنگ نظری ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتی۔ سرکار غوث العالم مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فیضان نظر نے انہیں کوتاہ بینوں کی نظر سے بہت اونچا اٹھا دیا ہے۔

سر پہ تاج ہدیٰ تن پہ نوری رداء

نائب مصطفیٰ ظل غوث الوریٰ
مفتی اعظم ہند کی بات کیا

سرکار مفتی اعظم ہند امام علم وفن کی نظر میں:
اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں
”آپ کی ذات مصدر الحسنات، منبع الفیضان اور مرجع خلائق ہوگئی۔ آپ کی ذات سنت نبویہ کی کھلی ہوئی کتاب اور آپ کی زندگی اس کی پھیلی ہوئی شرح بن گئی۔ آپ سے حسن عقیدت دین وایمان کی علامت ہوگئی اور پھر جب ذکر وفکر، صبر وشکر، عشق وعرفان، ضبط تحمل، ایثار وتوکل، تسلیم ورضا، خدمت وطاعت، عبادت و ریاضت، زہد وتقویٰ، عجز وانکسار واحتیاط، صدق وصفا آپ کی ذات کی خمیر بن گئی۔ یہ کوئی عالم خیال کی منظر کشی نہیں، مفتی اعظم ہند کی بارگاہ کے روز وشب ہیں۔ (ماخوذ: از تحقیقات امام وعلم وفن) (حضرت مفتی اعظم ہند بحیثیت شیخ طریقت، ماہنامہ اشرفیہ مارچ ۱۹۹۴ء)

مجھے کئی بار امام علم وفن کی مجالس میں بیٹھنے اور ان کی پر لطف پر مغز دلچسپ گفتگو سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں ایسی تمام مجالس قلم بند کردوں تو کتاب تیار ہو جائے۔ ماہناموں کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں انہیں فدائے مفتی اعظم یوں ہی نہیں کہتا۔ انہیں بارہا مفتی اعظم کے نام پر آہ بھرتے دیکھا ہے۔ مفتی اعظم کے ذکر پر ان کی کیفیت بدلتی دیکھی ہے۔ مفتی اعظم کی یاد پر انہیں خوش ہوتے دیکھا ہے۔ ایک بار فرمایا:

کہ میں جس زمانے میں مظہر اسلام میں مدرس تھا میرے ذمے نقل فتویٰ کا بھی کام تھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت ٹھیک ایک بجے حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب تشریف لائے۔ حضرت سے ملاقات ودست بوسی سے فارغ ہوکر بیٹھے۔ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی پھر اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر تشریف لاکر مجھے اشارے سے بلایا۔ میں نے دیکھا ہاتھ میں کچھ لپٹا ہوا ہے۔ فرمایا: خواجہ صاحب مہمان آئے ہیں۔ گھر میں آٹا نہیں ہے، یہ تانبے کا لوٹا ہے اسے لے جاکر بیچ دیجئے اور آٹا خرید لائیے۔ میں گیا لوٹا بیچ کر آٹا خرید لایا۔

یہ واقعہ بیان کرتے وقت مجھے یاد آرہا ہے کہ ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اور میں خود بھی سسک پڑا تھا۔ سرکار مفتی اعظم چاہتے تو منٹوں میں کروڑوں پتی ہو جاتے لیکن اس باغیرت مرد خدا کو صرف دینا آتا تھا، منگتوں کو عطا کرنا، منگتوں کا بھلا کرنا ان کی سرشت بن گیا تھا۔ امام علم وفن نے اپنے پیر ومرشد کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ انہیں جان کر غوث العالم کہتے ہیں یوں ہی دوسروں کے کہے سے نہیں۔ فرماتے ہیں:

کہ ایک بار سرکار مفتی اعظم کے ساتھ بیل گاڑی میں گاؤں جانا ہوا، راستے میں ایک چھوٹا سا دھارا بہتا تھا۔ اس کے بعد ایک کیلومیٹر تک گھنا جنگل، پھر وہ گاؤں۔ دھارے کے کنارے پہنچتے تک رات ہوگئی۔ بیل گاڑی پانی میں اتری اور ایک بیل نے جوا جھاڑ دیا۔ نہ صرف جوا جھاڑا بلکہ بھاگ نکلا۔ گھنا جنگل، اندھری رات، دھارے میں تاجدار اہل سنت بیل گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور میں گاؤں والوں کو خبر کرتا ہوں اور وہاں سے دوسرا بیل لے کر آتا ہوں۔ میں چل پڑا جنگل سے باہر نکلا تو دیکھا بہت سے لوگ ہاتھوں میں لاٹھیاں اور لالٹین لئے تیزی سے جنگل کی طرف آرہے ہیں۔ قریب آئے سلام ودعا کے بعد میں نے پوچھا آپ حضرات کہاں جارہے ہیں۔ کہنے لگے آپ نے ندی میں کوئی بیل گاڑی دیکھی، اس میں حضور مفتی اعظم تشریف لارہے ہیں۔ گاڑی پھنس گئی ہے ہم انہیں لینے جارہے ہیں۔ امام علم وفن حیران و پریشان گاؤں والوں کو دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ مجھ سے پہلے گاؤں پہنچ کر انہیں اطلاع کس نے دی۔ میں نے پوچھا آپ حضرات کو کس طرح معلوم ہوا کہ سرکار مفتی اعظم کی گاڑی دھارے میں پھنس گئی ہے۔ کہنے لگے ایک بڑے میاں گاؤں والوں کے دروازے پیٹتے رہے اور سب کو کہتے رہے، تم گھروں میں بیٹھے ہو وہاں پیر صاحب کی گاڑی دھارے میں پھنسی ہے۔ انہیں کی اطلاع پر ہم جارہے ہیں۔ فرماتے ہیں: میں ان کے ساتھ ہولیا اور گاڑی تک پہنچے، دوسرا بیل جوڑ دیا گیا۔ گاؤں والے آپس میں کہنے لگے۔ یہی دروازے پیٹ رہے تھے، یہی گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر اس مرید صادق کا جو حال ہوا ہوگا اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے کہ اس حسین مرید کے حسن عقیدت کا گراف کتنا اونچا ہوگیا ہوگا۔

امام علم وفن سرکار مفتی اعظم ہند کی نظر میں:

ایک مجلس میں فرمایا: یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں سلطان پور میں مدرس تھا۔ سرکار تاجدار اہل سنت بریلی شریف سے الہ آباد بذریعہ کار تشریف لے جارہے تھے۔ فرمایا: میں سلطان پور ہوتا ہوا جاؤں گا۔ مجھے خواجہ صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔ حالانکہ انہیں تاخیر ہورہی تھی لیکن حکم حاکم کے بعد کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ دوپہر کا وقت تھا میں کھانے پر بیٹھا تھا، مدرسے کے گیٹ پر تاجدار اہل سنت کی کار رکی، کسی بچے نے مجھے اطلاع دی، سرکار مفتی اعظم تشریف لائے۔ میں اس وقت کھانا کھارہا تھا۔ ہڈی میرے ہاتھ ہی میں تھی، بے خودی میں ہاتھ میں ہڈی لئے دوڑ پڑا اتنے میں مربی اعظم سیڑھی پر تشریف لائے مجھ پر نظر پڑی مسکرا پڑے، بہار آگئی۔ فرمایا: آپ کھانا کھائیں، میں آپ سے ہی ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ امام علم وفن کے نصیب پر قربان جائیں سرکار مفتی اعظم کی نظر میں جن کا مقام اتنا بلند ہے، ان پر کرم فرمانے کے لئے سلطان پور تشریف لے گئے، اسے کہتے ہیں کنویں کا پیاسے کے گھر جانا۔ اے کاش! ہمارے مرکز عقیدت میں خورد نوازی کا یہ رجحان اب بھی قائم رہتا۔

ایک مجلس میں فرمایا: مظہر اسلام کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کا موقع تھا۔ میں ان دنوں الہ آباد یا سلطان پور فرمایا، یاد نہیں رہا، میں رہتا تھا۔ ملا لیاقت کے یہاں کچھ کتابیں دیکھنے یا کسی سلسلے میں مصروف ہو گیا، سوچا رات میں جلسہ ہوگا، حضرت وہاں تشریف لائیں گے، ملاقات کرلوں گا۔ جلسے میں بھیڑ اتنی زیادہ رہی کہ ملاقات نہیں کر سکا۔ پھر دوسرے دن مصروف ہو گیا اور ملاقات نہیں ہو سکی۔ علالت کا زمانہ تھا، ملاقاتیوں کی لائن لگتی تھی۔ تیسرے دن لائن میں لگ گیا، لوگ ملتے رہے، آگے بڑھتے رہے، سلام و دست بوسی کرتے رہے، مشتاقان دید کی عید ہوتی رہی، میری باری آئی سلام و قدم بوسی کی، فرمایا: کب آئے، عرض کیا پرسوں، فرمایا: اب ملنے آرہے ہیں، میں نے عرض کیا، رات جلسے میں ملاقات کر لی تھی، بھیڑ زیادہ تھی۔ فرمایا: آپ نے مجھ سے ملاقات کی ہو اور میں نے نہ پہچانا ہو، جھوٹ بولتے ہیں، **لاحول و لاقوۃ**، صد بار **معاذ اللہ**۔ عالم ہو کر جھوٹ بولتے ہیں۔ اب ہاتھ پکڑ لیا اور قریب کھڑا کر لیا۔ جتنے لوگ آتے گئے، سب سے یہی فرماتے گئے، عالم ہیں جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور میں نے نہیں پہچانا، **لاحول و لاقوۃ**۔ دو کروڑ توبہ۔ عالم ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ غرض یہ کہ پوری لائن جان گئی کہ عالم ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت امام علم وفن پر جو سرشاری تھی میں اس منظر کو فراموش نہیں کر سکتا۔ آج کے کم نظر لوگ شاید ان قلبی تاثرات کو اہمیت نہ دیں لیکن اہل دل پر مخفی نہیں کہ تاجدار اہل سنت ان سے کتنا پیار کرتے تھے۔ اس لذت آشنائی کو محرم راز ہی جان سکتے ہیں۔

اچھا ہے کہ بیچارے مولوں کی نظر سے :: پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

سرکار مفتی اعظم نے انہیں خلافت عطا فرمائی، تمام سلاسل کی اجازت دی۔ سند حدیث عطا فرماتے ہوئے "لیجئے" فرمایا۔ اور انہوں نے خوب جام بھر بھر کے لیا۔ جام لبالب، ساقی پر جوش، رند لذت آشنا، ایسا پلایا کہ یکتائے زمانہ بنا دیا۔ لوگ امام علم وفن، یکتائے زمن، خواجۂ فکر وفن، ماہر علوم جدیدہ و قدیمہ، نور نگاہ ملک العلماء، استاذ الاساتذہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ اور وہ اپنے آپ کو "من کار اجہ فن کا خواجہ" کہتے رہے۔

اراکین سہ ماہی "المختار" قابل صد مبارک باد ہیں کہ حضور تاجدار اہل سنت کے اس چہیتے، پیارے، آنکھوں کے تارے کی حیات و خدمات پر "نمبر" شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس طرح تاریخ آپ حضرات کو اور آپ کے مجلے کو تا قیامت فراموش نہیں کر سکتی۔ دنیائے اہلسنت آپ کا یہ احسان یاد رکھے گی کہ آپ نے ان کی حیات و خدمات کو محفوظ کیا جنہیں سرکار مفتی اعظم نے پیار کیا۔ مظہر مفتی اعظم سیدی الکریم حضرت علامہ شاہ مفتی تحسین رضا خان صاحب علیہ الرحمہ اکثر فرمایا کرتے، علامہ خواجہ مظفر حسین نہایت ذہین طباع شخصیت ہیں۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ حضرت امام علم وفن کا سایۂ کرم تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور انہیں صحت و سلامتی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆☆

امام علم وفن: گلستان علم وفن

حضرت مولانا محتشم رضا صاحب قبلہ (بریلی شریف)

علماء کی فضیلت اوران کی برتری کا بیان قرآن کریم میں ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین او توا العلم درجات اور کہیں خداوند قدوس یہ فرمایا فسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور کہیں فرمایا قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لایعلمون ان آیات کریمہ کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن میں علماء کی عظمت کا مفہوم واضح انداز میں سمجھا جاتا ہے اور احادیث کریمہ میں بھی علماء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

انھیں علما میں امام علم وفن بھی ہیں جو علمی کمالات کے جامع اور عقلی علوم وفنون کے حامل ہیں۔جن کی حیات کا بیشتر حصہ تعلیم وتعلم ،درس وتدریس، تحریر وتقریر اور دعوت وارشاد میں گذرا ہے۔فیضان تعلیم کا یہ حال کہ بیشمار تلامذہ، ان کی دانشگاہ سے نکلے جو اپنے وقت کے فلاسفی، منطقی، نحوی، صرفی، محقق نکتہ داں اور نکتہ شناش ہیں۔

امام علم وفن کا جب سیال قلم اٹھتا ہے تو ایسے تحقیقی مقالے اور مضامین نگاہوں کے سامنے آتے ہیں جو قارئین کو حیران وششدر کر دیتے ہیں اور وہ خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مگر امام علم وفن کو جس وصف نے ہم عصروں سے ممتاز کیا ہے وہ علم جفر، ہندسہ، لوگارثم، اقلیدس، علم نجوم، علم ہیئت وغیرہ ہے، جن پر انھیں امامت کا درجہ حاصل ہے۔دور حاضر میں ایسے لوگ کمیاب بلکہ نایاب ہیں جو ان علوم وفنون سے آشنا ہوں۔

حضرت امام علم وفن کے گلستان علم وفن کا ہر پھول دعوت نظارہ دیتا ہے اور میں حیران ہوں کہ

ہر اک پھول بجائے خود ایک گلشن ہے
میں کس کو ترک کروں کس کا انتخاب کروں

یہ علمی انحطاط کا دور ہے، لوگوں کو علم دین کا شوق نہیں، طالبان علم خال خال نظر آتے ہیں۔اور یہ صورت حال کسی سے مخفی نہیں۔مگر اس کے باوجود امام علم وفن کی بارگاہ سے آواز آتی ہے۔

دیا خاموش ہے لیکن کسی کا دل تو جلتا ہے
چلے آؤ جہاں تک روشنی معلوم ہوتی

یہ آواز فضا میں گونجتی ہے اور جوق در جوق تشنگان علوم ان کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں، اکتساب فیض کرتے ہیں، ظلمتوں میں علم وفن کا چراغ جلاتے ہیں اور ماحول سے اندھیروں کو دور کرتے ہیں۔ میکدۂ تدریس میں علم کا ساغر پیتے ہیں اور کیف ومستی میں سرشار ہوتے ہیں۔ یہ امام علم وفن کے فیضان نظر کا کرشمہ ہے کہ ذرہ کو ماہ تاباں اور خار کو پھول میں تبدیل کرتے ہیں۔ پتھروں کو تراش کر لعل وگہر اور درنایاب بنانے کا انہیں فن خوب آتا ہے۔

آج امام علم وفن کے تلامذہ پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے اور بڑے بڑے منصب پر فائز ہیں جن کی علمی، فنی، ادبی، لسانی، باریک بینی، نقطہ سنجی کا ایک جہان معترف ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے شاگردوں کی فقہی سیمناروں میں طوطی بولتی ہے اور ان کے تحقیقی مضامین ومقالات کو استحسان کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کامیابی، پذیرائی پر یہ شاگردان رشید اپنے استاذ گرامی کی علمی وفنی عظمت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تیری محفل سے آئے ہیں

جب یہ اعلان روح پرور کانوں تک پہونچا تو حد درجہ قلبی مسرت ہوئی اور شادمانی ومسرت سے ہم جھومنے لگے کہ حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین قبلہ کی حیات مبارکہ پر کلیان، بمبئی کی سرزمین سے 'امام علم وفن نمبر' اشاعت پذیر ہو رہا ہے، جس میں ان کی نصف صدی سے بھی زیادہ تدریسی، تحریری، فکری وفنی نظریات کا احاطہ کیا جائے گا اور نئی نسلوں کو ان کی حیات وخدمات سے متعارف کیا جائے گا۔

اس مبارک قدم اٹھانے والوں کو ڈھیری دعائیں اور امام علم وفن کا سایہ اللہ دراز فرمائے تاکہ زیادہ سے زیادہ ان کی حیات سے استفادہ کا موقع نصیب ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن اور علم کلام

مولانا محمد مسعود رضا قادری الجامعۃ الرضویہ کلیان

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں فرقہ بندی کا آغاز ہوا۔ مگر ان فرقوں میں عملی تشدد کے باوجود کفر وارتداد کم یاب تھا۔ حضرت علی شیر خدا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن مجتبیٰ بہت کم دنوں تک خلیفۃ المسلمین رہے، اور حالات کی ناخوش گواری کو مد نظر رکھتے ہوئے، مسلمانوں کو آپسی خون ریزی سے بچانے کی غرض سے آپ نے خلافت سے دست بردار ہو کر چند شرطوں کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت وامامت تفویض کر دی۔

کوفہ، بصرہ بلکہ پوری مملکت اسلامی میں فرقہ بندی کا عروج ہوا۔ رافضی وخارجی پھر مغرب اپنے عقائد کی ترویج واشاعت میں کار بند ہوئے۔ مسلمانوں کے ایمان واسلام متزلزل کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔ ان گمراہ فرقوں کا وطیرہ یہ رہا کہ قرآن وحدیث کا حوالہ دے کر منطقی دلائل کا سہارا لیتے۔ ان کے مذاہب کی اصل بنیاد علوم عقلیہ پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے متکلمین 'لوہا کو لوہا سے کاٹنے، کے لئے اسلامی عقائد ونظریات جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں، ان کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کے ساتھ مخالفین کے نظریات وخیالات کی تردید بلیغ کرتے تھے۔

علم کلام کے اندر عقائد دینیہ سے بحث ہوتی ہے، ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ، نبوت ورسالت، حشر ونشر، جنت ودوزخ، جن وملائکہ کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک متکلم گفتگو کرتا ہے۔ ایمان واسلام اور کفر وشرک، ضلالت وگمراہی سے بھی اس فن میں بحث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فن کی کتابیں زمانۂ قدیم سے معرض وجود میں آئیں اور شائع ہوئیں۔ خود سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے **الفقہ الاکبر** نامی کتاب تصنیف فرمائی جس کی شرحیں عظیم المرتبت محققین نے کی۔ یوں ہی درس نظامیہ میں جہاں حدیث وتفسیر اور فقہ وبلاغت کا درس دیا جاتا ہے وہیں علم کلام کی بھی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، تا کہ اس کے فارغین حدیث وتفسیر کے ذریعہ لوگوں میں صحیح عقائد کی ترویج واشاعت کر سکے اور علم کلام کی روشنی میں الحاد وزندقہ میں مبتلا افراد کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دے اور اسلامی عقائد ونظریات کے خلاف اگر کوئی آواز اٹھے تو اس کی تردید بلیغ کر سکے۔

ہمارے ممدوح امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین دام ظلہ العالی جہاں ۲۵ رسے زائد علوم وفنون کے ماہر کامل ہیں وہیں علم کلام کے امام کامل بھی ہیں۔شرح عقائد نسفی اور اس کے شروح وحواشی اور فقہ اکبر کا متن اوشروح، یونہی شرح مواقف کی تمام تر بحثیں آپ کے پیش نظر ہیں۔جب کبھی علم کلام کا درس دیتے ہیں تو لگتا یہ ہے کہ سیدنا ابوالحسن اشعری اور سیدنا ابومنصور ماتریدی کی روحانیت کی جلوہ گری ہے۔جب معتزلہ،خوارج اور زنادقہ کی دلیلوں کا رد کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ استاذ مطلق حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی بارگاہ عالی کی جلوہ افشانی ہے،اور جب دور حاضر کے بدمذہبوں کی تردید بلیغ کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ سیدنا امام احمد رضا کی روحانیت کی جلوہ فرمائی ہے۔

آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے کچھ دنوں بعد مناظر اہل سنت نظر آتے ہیں۔اور دلائل و براہین سے مزین ہوکر باطل افکار ونظریات کے خیموں کو نہایت سرعت کے ساتھ اجاڑ دیتے ہیں۔آج آپ کے تلامذہ میں علم کلام کے ایسے ماہرین نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر بڑے سے بڑا بدعقیدہ مناظر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

چونکہ علم کلام کا ماہر اپنے دور میں اہل سنت کا مناظر ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا امام اعظم نے علم کلام پر تخصص کے بعد دہریوں، خارجیوں،بدمذہبوں سے کامیاب مناظرے کئے۔امام اعظم کے مسلک ومذہب کے عظیم المرتبت مروج امام علم وفن نے بھی اپنے دور کے گمراہ فرقوں سے تقریری وتحریری کامیاب مناظرے کئے ہیں۔جب آپ کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا اور مظہر اسلام میں مدرس تھے تو قطب عالم سیدنا مفتی اعظم ہند نے کئی موقع پر مناظرہ کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا تھا،اور آپ حسب حکم مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے اور بدمذہبوں کو ان کے گھروں تک پہونچا کر اہل سنت کے عقائد حقہ کی توضیح وتشریح اس طرح فرمائی تھی کہ اس وقت کے عظیم المرتبت بزرگوں نے آپ کو'خیر الاذکیا'، کا خطاب دیا۔اسی طرح بہار و بنگال کے مختلف مناظروں کے آپ صدر الصدور رہے اور مناظر کوئی اور نہیں آپ کا انتخاب کردہ شاگرد ہوتا۔

بطور اختصار امام علم وفن کی علم کلام میں مہارت اور اس کی تدریس،مناظروں کے حقائق اور علم کلام کی عظیم خدمات پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے ویسے اس موضوع پر اگر سیر حاصل گفتگو کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی۔

رب العالمین امام علم وفن کو حیات خضر عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات کو عام تام فرمائے۔آمین !یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: بحیثیت مناظر

مولانا محمد حسان ملک نوری قادری منزل ۲۰۵/۲۷ داؤد پورہ برہان پور (ایم۔ پی)

آگ اور پانی، نور اور ظلمت، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، توحید اور شرک، تعظیم وتوقیر خدا ورسول اور اہانت و استہزائے خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ وہ امور متباینہ ہیں جن کی مغایرت آفتاب نیم روز کی طرح روشن وعیاں ہے۔ مگر جب انسانی عقل پر بے جا شکوک وشبہات کی گرد جم جاتی ہے تو اسے اپنے قصور عقل کے بجائے حق کے روئے تابندہ کے استوار وصحیح خدوخال محدب وغیر مناسب نظر آنے لگتے ہیں۔

انہیں شکوک وشبہات کے تار وپود بکھیرنے کے لئے فطرت سلیمہ نے "فن مناظرہ" کو وجود بخشا کہ دو شخص یا دو جماعت کسی مسئلۂ مختلف فیہ میں اظہار حق وصواب کے لئے مباحثہ ومکالمہ کریں اور جب حق واضح ہو جائے تو باطل کی تیرہ وتار غار میں پھنسا شخص حق وصداقت کے نورانی سائبان میں آجائے۔

دقت نظر، حدت ذہن، کثرت مطالعہ، قوت استحضار، حاضر جوابی اور بے باکی یہ وہ اوصاف ہیں جو مناظر کے لئے لازمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ہم ان اوصاف کے تناظر میں وارث علوم امام احمد رضا، امام علم وفن، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ رضوی دام ظلہ علینا کی کتاب زیست کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیگر خصائص کی طرح ان اوصاف میں بھی آپ "حضیض" کی پستیوں سے کہیں دور "اوج" کی بلندی پر نظر آتے ہیں۔

پاکیزہ بچپن: امام علم وفن کے ابتدائی شب وروز اگر چہ دیوبندیت زدہ علاقے میں گزرے۔ مگر آپ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ میرے اس قول کی صداقت خود انہیں کی زبانی سنئے۔

"میرے عہد طفولیت کی بات ہے والد ماجد علیہ الرحمہ کے کچھ تلامذہ آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند چلے گئے وہاں سے واپسی پر والد ماجد سے ملنے آئے۔ میں بھی ابا حضور کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ بر سبیل تذکرہ ایک صاحب نے کہا: مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ ——— کوا کھانا حلال ہے۔ ——— انسانی فطرت، نفاست و پاکیزگی کی خواہاں ہے۔ یہ قبیح بات سن کی میرا جی متلا اٹھا اور درون دل سے آواز آئی: مظفر! بھلا کوئی انسان بھی غلاظت خور کوؤں کو

کہا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ جماعت بھی انسانوں کی نہیں ہو سکتی۔ بس اسی وقت میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اس جماعت میں ہرگز نہیں رہوں گا۔

سچ ہے قدرت کو جس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے اس کی تربیت بھی خود ہی فرماتی ہے۔

علاقائی حالت: آپ کے وطن مالوف قدیم پورنیہ کے اکثر باشندگان بشمول آپ کے والد محترم یہی جانتے تھے کہ اہل سنت و جماعت اور وہابیہ دیابنہ کے بیچ چند فروعی مسائل میں اختلاف ہے سنی فاتحہ، تیجہ، چالیسواں کرتے ہیں، مزارات اولیائے کرام پر چادر چڑھاتے ہیں، بزرگوں سے استمداد و توسل کے قائل ہیں اور وہابی دیوبندی ان امور کو بدعت جانتے ہیں بس۔ مگر ان کے عقائد کفریہ سے آگاہ نہ تھے۔

قدرت کی کرم فرمائی: ابھی آپ نے شعور کے پہلے ہی زینے پر قدم رکھا تھا کہ والد ماجد نے آپ کی تعلیم کے حوالے سے اپنے تلامذہ سے مشاورت کی تو سب نے دیوبند بھیجنے کا مشورہ دیا اور تیاریاں شروع ہوگئیں کہ آپ کے برادر گرامی حافظ وقاری خواجہ نور الدین صاحب لکھنؤ سے تراویح پڑھا کر لوٹ آئے اور آپ کی کم عمری کا خیال کرتے ہوئے دیوبند بھیجنے سے مانع ہوئے۔ پھر دار العلوم لطیفی کٹیہار لے آئے مگر جب وہاں پہونچے تو کچھ طلبہ کو لہو ولعب میں مصروف، زبان سے فحش کلمات ادا کرتے پایا، جس سے بددل ہو کر واپس ہو رہے تھے کہ کٹیہار ہی میں دوسرا ادارہ ''بحر العلوم،، قائم ہو جانے کی خبر ملی۔ ساتھ ہی جب یہ معلوم ہوا کہ وہاں والد گرامی کے استاذ حضرت ملک العلما بحیثیت صدر مدرس تشریف رکھتے ہیں تو دل خوشیوں سے باغ باغ ہو گیا۔ اسی وقت ''بحر العلوم،، پہنچے؛ اور داخلہ کرا دیا۔

''دیوبند،، کی بجائے ''کٹیہار،، پھر ''دار العلوم،، سے ''بحر العلوم،، آنے کی ظاہری وجہ تو آپ کی کم عمری اور دار العلوم کے کچھ طلبہ کی فحش گوئی تھی مگر قدرت نے شاید ''بحر العلوم،، کا قیام ہی امام علم وفن کے لئے کرایا تھا۔ اسی لئے ایک موقع پر جلالۃ العلم، زعیم العلماء حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب قبلہ رشیدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا: ''بحر العلوم،، سے بہتیرے فیض یاب ہوئے مگر جو سراپا فیضان بحر العلوم بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا وہ خواجہ مظفر حسین صاحب ہیں؛ کیوں کہ اوروں کے برخلاف وہ دیوبندی علاقے ہی نہیں، دیوبندی گھرانے کے فرد تھے۔

بے قرار آرزو کی تمنا: یہیں پر امام علم وفن کے مناظرانہ جواہر پروان چڑھا، استاذ مکرم، ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کے ذہن وفکر کی خوب صیقل گری کی۔ مگر چونکہ برسہا برس کا تجربہ بھی رکھتے تھے، جانتے تھے کس چیز کی نمائش کہاں کی جاتی ہے، کس چیز کا استعمال کس موقع پر کرنا چاہئے، اس لئے ہونہار شاگرد کو نصیحت فرماتے:

''تمہارا علاقہ دیوبندیت کی لپیٹ میں ہے اور تم تنہا ہو اس لئے کبھی کسی کو چھیڑنا مت۔ ہاں! چھڑ جائے تو پھر اپنی جان کی پرواہ مت کرنا۔ کیوں کہ پہلی بار تم زیر ہو گئے تو پھر کبھی زبر نہیں ہو سکو گے۔ البتہ حسن تدبیر

کا خیال ضرور رکھنا۔

مگر آپ کا جذبہ ترسیل حق اور حوصلہ ابطال باطل زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

دکھادوں گا زمانے کو جو میری آنکھوں نے دیکھا
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

امام علم وفن کا اپنے والد ماجد سے تبادلۂ خیالات:

امام علم وفن مدظلہ تعطیل کلاں کے موقع پر جب اپنے دولت کدے (سنگھیا، تحصیل بائسی، ضلع پورنیہ) پہنچے تو والد ماجد نے دریافت فرمایا: بحر العلوم کی تعلیم سے تم مطمئن ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! دل بھی لگ گیا ہے۔ فرمایا: تو ٹھیک ہے جب تعلیم سے بھی تم مطمئن ہو اور تمہارا دل بھی لگ گیا ہے تو آئندہ سال بھی وہیں پڑھو۔

دوسرے سال تعطیل کلاں کے موقع سے گھر پہونچے تو یہاں سے علمائے دیوبند کی چند کتابیں جیسے: حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس ساتھ لے گئے اور مناسب موقع پا کر تنہائی میں ان کتابوں کی گستاخانہ عبارتیں والد ماجد کو دکھائیں۔ وہ تو ابتک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ اختلاف فروعی مسائل چادر وگاگر وغیرہ کا ہے، اس لئے حیرت میں پڑ گئے اور ان کتابوں کو اپنے پاس رکھ کر بار بار مطالعہ اور غور فکر کرنے لگے۔ ایک دو دفعہ بیٹے اور شاگرد امام علم وفن سے بعض مطالب کے سلسلہ میں تبادلۂ خیالات بھی ہوا۔ بالآخر حق واضح ہوا تو پکار اُٹھے: بیٹے! میں ابو طالب نہیں ہوں کہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اپنی دنیاوی شوکت، فانی عزت برقرار رکھنے کے لئے عار پر نار کو ترجیح دوں۔ حق وصواب یہی ہے کہ یہ عبارتیں کفری ہیں اور ان کے لکھنے والے، مسلمان نہیں، اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں۔

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

قارئین! بحر العلومی فیضان کی یہ پہلی بارش تھی جس نے اپنے والد محترم کو نہال کر دیا۔ یہی نہیں، آپ کے والد ماجد نے سید احمد رائے بریلوی کے خلیفہ کے خلیفہ کی بیعت فسخ کر کے ۱۹۶۲ء میں سیدنا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ مزید برآں اپنے مرض الموت میں یہ وصیت بھی فرمائی کہ: میری تجہیز وتکفین حتیٰ الوسع اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصایائے مقدسہ کے مطابق کی جائے۔ فرمانبردار بیٹے نے عرض کیا: ابا حضور! آپ کے تلامذہ نہیں مانیں گے۔ فرمایا: یہاں میرے اتنے سارے تلامذہ موجود ہیں انہیں کے سامنے تو میں وصیت کر رہا ہوں۔ کون نہیں مانے گا؟ سب مانیں گے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

یہ آپ کے علمی فیضان کی پہلی بارش تھی اب آنے والے صفحات میں ان کے مناظرے کی روداد ملاحظہ فرمائیں جس نے ہزاروں گم گشتگان راہ کو نشان منزل عطا کیا۔ یہ آپ کی زندگی کے وہ قیمتی نقوش ہیں جو اب تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والے نقوش کل بھی مینارہ ہدایت تھے اور آج بھی چراغ راہ ہدایت ہیں۔
یہاں میں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آنے والے تمام مناظرے اور ماقبل میں مذکور سبھی واقعات خود امام علم وفن دام ظلہ نے میرے استفسارات پر مجھے بتائے جنہیں میں نے محفوظ کرلیا۔ میں اب بڑے فخر واعتماد کے ساتھ ان کے مناظرے کی روداد یہاں پیش کررہا ہوں۔

یوں تو امام علم وفن کئی جگہ بحیثیت مناظر تشریف لے گئے مگر بعض مقامات پر فریق مخالف کے انکار کے سبب مناظرہ نہ ہو سکا جیسے قصبہ گکرالہ ضلع بدایوں اور خود بریلی میں جماعت اسلامی والوں سے، ہلدوانی ضلع نینی تال اور قصبہ دھام نگر ضلع بجنور میں دیوبندیوں سے۔ ان چار مقامات پر خود سیدنا مفتی اعظم رحمہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو بحیثیت مناظر بھیجا تھا۔ گکرالہ اور ہلدوانی میں شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ علیہ الرحمہ بھی ساتھ تھے۔ ہاں ان کے علاوہ وہ مقامات جہاں مناظرہ ہوا انہیں ہم بالترتیب ذکر کریں گے۔

پہلا مناظرہ: جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی کہ امام علم وفن نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے والد ماجد کو بھی بریلوی بنالیا ہے تو وہابیہ نے یہ افواہ پھیلادی کہ: مظفر خود تو بدعتی ہوا ہی بڑے مولانا صاحب (اپنے والد ماجد) کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا ہے۔ دیوبندیوں کے درمیان آپسی سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ طوفان جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے قبل اس کے کہ یہ پورے علاقے میں ایک ہنگامۂ محشر بپا کردے، اس کی اٹھان کو ہمیشہ کے لئے ختم کردینا چاہئے۔ لہذا بطور رد عمل بغیر کسی مشورے کے گاؤں کے زمیندار نے جمعہ میں اعلان کردیا کہ: اگلے جمعہ کو اسی مسجد میں دیوبندی، بریلوی کے مابین مناظرہ ہوگا۔ اس لئے آپ تمامی حضرات شرکت کریں۔

اور آئندہ جمعہ کو اس نے مندرجہ ذیل ۴ دیوبندی مولویوں کو مدعو بھی کرلیا:

(۱) امام علم وفن کا چچازاد بھائی مولوی عبد الغفار۔

(۲) مولوی محمد اسرائیل ساکن سنگھیا۔

(۳) مولوی شمس الہدیٰ ساکن سنگھیا۔

(۴) مولوی عبد الرب نشتر، گلاب باغ ضلع پورنیہ

اگلے جمعہ اقامت صلوٰۃ کے وقت اسی زمیندار نے دوبارہ اعلان کیا کہ: آپ تمامی حضرات نماز کے بعد تھوڑی دیر یہیں تشریف رکھیں کیوں کہ گزشتہ اعلان کے مطابق مناظرہ ہونے والا ہے۔

چنانچہ نماز کے بعد تمام حضرات رُک گئے تو امام علم وفن نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا:

اس مجمع میں سنی بریلوی صرف میں ہی ہوں اس لئے طے ہے کہ اہل سنت کا مناظر بھی میں ہی ہوں۔ البتہ دیوبندیوں کے یہ ۴ر عالم موجود ہیں لہٰذا پہلے یہ طے ہو جائے کہ ان میں سے کون مناظر ہو گا؟

قربان جایئے کم عمری کی اس ہمت مرداں پر کہ شرح جامی اور اصول الشاشی وغیرہ پڑھنے والا ۱۴ ر سالہ نوجوان نرغۂ اعدا میں تن تنہا ہونے کے باوجود جلالت فاروقی کا پرتو بن کر نہایت باوقار انداز میں اپنی بات پیش کر رہا ہے۔ ادھر فریق مخالف کا حال یہ ہے کہ ادھیڑ عمر ملاعنۂ وہابیہ میں سے کوئی مناظرہ کے لئے تیار نہیں۔ سبھی تم مناظرہ کرو! تم مناظرہ کرو! کی رٹ لگائے ہوئے تھے۔ اپنے مناظرین کا ہیبت حق سے پتہ پانی ہوتے دیکھ کر زمیندار بولا: ارے میں خود مناظرہ کرتا ہوں۔ چونکہ ایک دن امام علم وفن نے یہ مسئلہ بتایا تھا کہ تکبیر کے وقت حیّ علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے۔ اس لئے زمیندار نے کہا:

میں مسلمان! میرے باپ مسلمان! میرے دادا مسلمان! مگر کبھی نہیں سنا کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت اٹھنا چاہیے یہ حدیث کس بھوت کی گڑھی میں تھی جسے آج نکالا جا رہا ہے۔

زمیندار کے یہ کہنے پر امام علم وفن کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

کیا آپ عالم ہیں؟ آپ کے والد عالم تھے؟ آپ کے دادا عالم تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ارے جب آپ اپنی ۳ پشتوں سے ان پڑھ ہیں تو بھلا آپ کیا جانیں گے؟ یہ بات ہم سے پوچھئے، ہمارے والد ماجد سے پوچھئے، وہ بتائیں گے، میں بتاؤں گا۔ لیجئے دیکھ بھی لیجئے، اور ہاں! یہ بات کسی بھوت کی گڑھی میں نہیں، بلکہ آپ کے اکابرین کے نزدیک بھی مسلم فقہ حنفی کی مستند کتاب ”شرح وقایہ جلد اول،، میں ہے **یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ** یعنی امام اور قوم دونوں حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

اس کے بعد آپ نے ان چاروں مولویوں کو کتاب بھی دکھادی۔

جس سے ان کے ہوش وحواس گم ہو گئے اور ناچار ہو کر مولوی اسرائیل نے مبحث سے اعراض کیا: اور چونکہ اس زمانہ میں آپ کرتا نہیں، کالردار قمیص پہنتے تھے اس لئے اس نے آپ کی قمیص کے کالر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ:

علماء کا لباس کرتا ہے، قمیص نہیں۔ آپ اپنے کو عالم کہتے ہیں اور قمیص پہنے ہوئے ہیں تو اس کا ثبوت دیجئے۔

امام علم وفن نے برجستہ فرمایا:

واہ جناب! کہاں تو آپ مناظرہ کرنے ہی کو تیار نہ تھے اور اب دخل دیا بھی تو مسئلۂ مبحوث عنہا پر، داد تحقیق دینے کی بجائے لغویات پر اتر آئے۔ جواب دینے سے پہلے میں آپ سے پوچھتا ہوں: ذرا اپنے کرتے

کا ثبوت تو پیش کیجئے۔ رہی بات قمیص کی! تو شاید آپ کو یاد نہیں کہ قرآن کریم میں ہے: **وجاء واعلی قمیصه بدم کذب.**

اس جواب سے سب ہکے بکے رہ گئے اور **فبھت الذین کفر** کا سماں بندھ گیا۔ زمیندار نے جب دیکھا کہ میں تو پہلے ہی ہار گیا اور ہمارے یہ مغرور مولوی صاحبان بھی اپنی ناک خاک آلود کر چکے تو اول فول بکنے لگا۔ اگر چہ اہالیان قریہ کی نظر میں اس مناظرے سے خاطر خواہ نتیجہ تو برآمد نہ ہو سکا مگر اتنی بات کا اعتراف سبھوں کو ہوا کہ یہ بچہ ہی برحق معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ مولوی صاحبان اپنی ذلت و خواری پر اس طرح خاموش نہ بیٹھتے۔

بحر العلوم فیضان کی یہ دوسری بارش تھی جس نے ساکنان سنگھیا کے دلوں کی بنجر زمین میں تھوڑی سی نمی پیدا کردی۔

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں کو چراغاں کر کے چھوڑوں گا

دوسرا مناظرہ پروردۂ ملک العلما حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے گاؤں والے مناظرے کی امید افزا اور حیرت انگیز خبر پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس واقعہ کے ۳،۴ دن بعد امام علم و فن کے گاؤں سے ۶ کیلومیٹر اتر کھپڑا گاؤں کے باشندے، آپ کے بہنوئی عبد المتین نے اتفاقیہ ملاقات میں طنزاً کہا: میاں! بہت چہکنے لگے ہو، اپنے آپ کو بہت قابل سمجھتے ہو، حالانکہ تمہارے (صدر الافاضل) مولانا نعیم الدین مرادآبادی (علیہ الرحمہ) کشن گنج آئے تھے، مگر جیسے ہی ہمارے پیر صاحب کا نام سنا فوراً بھاگ گئے۔

آپ نے جواب دیا: کیا آپ کے پیر صاحب زندہ ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں! زندہ ہیں۔

آپ نے پوچھا: کیا وہ اس علاقے میں آتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! برابر تشریف لاتے رہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔ وہ جب بھی اس علاقے میں آئیں، میرا ان سے مناظرہ کرادیجے، اگر میں نے انہیں خاموش کردیا تو میں سچا، اور اگر وہ مجھے خاموش کر لے گئے تو آپ سچے۔

یہ سن کر عبد المتین صاحب کے بدن میں جیسے آگ لگ گئی، غصہ میں کانپتے ہوئے کہا:۔ تمہاری یہ ہمت۔ تم میرے پیر صاحب سے مناظرہ کروگے؟

آپ نے جواب دیا:۔ جی ہاں! ضرور کروں گا۔

اس گفتگو کو ابھی ۱۵ دن ہوئے ہی ہوں گے کہ قضا پیر صاحب کو علاقے میں کھینچ لائی اور عبد المتین صاحب نے امام علم و فن

کو بلا بھیجا۔ آپ جب کچھرا پہونچے تو معلوم ہوا کہ پیر صاحب آئے ہوئے ہیں اور ابھی کہیں گئے ہیں، مغرب سے پہلے پہلے واپس آجائیں گے، ان سے مناظرہ کرنا ہے۔ بہرحال اذان مغرب کے وقت پیر صاحب واپس ہوئے اور نماز کے بعد پچاس ساٹھ مریدین کے ہمراہ نشست گاہ میں آکر بیٹھے اور بیٹھتے ہی بولے: ہاں بھئی! وہ واقعہ سن لو جو اس وقت ادھورا رہ گیا تھا۔ میں نے بلند شہر (یو۔ پی) کے لوگوں سے کہا: میرا نام نہ لینا ورنہ وہ بھاگ جائے گا۔ بہرحال جب خان صاحب کے اسٹیج پر بیٹھ جانے کی خبر میرے مریدین نے آکر دی تو میں روانہ ہوا، مگر میرے نادان مریدوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ہی جوش میں آکر میرے نام کا نعرہ لگا دیا۔ جیسے ہی خان صاحب نے میرا نام سنا اپنا جوتا، پاندان اور عصا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب یہ لوگ ان کا سامان میرے پاس لائے، تو میں نے انہیں ڈانٹا کہ میرے منع کرنے کے باوجود کیا ضرورت تھی تم لوگوں کو میرے نام کا نعرہ لگانے کی۔ کیا میں ان کا عصا، پاندان لینے آیا تھا؟

امام علم وفن نے یہ سن کر پوچھا کہ: جناب! یہ آپ کس کا واقعہ بیان کر رہے ہیں؟

پیر صاحب نے یہ سوچ کر کہ اپنا ہی بچہ ہوگا، کہا: ارے وہی بریلی کے مولوی احمد رضا خان کا۔

اس پر امام علم وفن سے رہا نہیں گیا، فوراً کہہ پڑے: آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

مریدین کے سامنے پیر صاحب کو جھوٹا کہہ دینا معمولی بات نہیں تھی، سب خشمگیں نگاہوں سے آپ کو گھورنے لگے اور پیر صاحب نے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ تو عبد المتین صاحب نے کہا کہ بڑے مولانا صاحب کا لڑکا ہے۔ کٹیہار میں بدعقیدوں کے مدرسہ 'بحر العلوم' میں پڑھتا ہے۔ پیر صاحب نے یہ سن کر امام علم وفن کو قریب بلایا اور آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھنا شروع کیا تو امام علم وفن بھی جی ہی جی میں آیت الکرسی پڑھنے لگے۔ امام علم وفن کئی مرتبہ آیت الکرسی پڑھ چکے مگر پیر صاحب کا پڑھنا ختم نہیں ہوا، ان کے لب ہلتے ہی رہے تو امام علم وفن نے فرمایا:

جناب والا! مجھے جس کام کے لئے بلایا گیا ہے، پہلے وہ ہو جائے۔ پھر آپ اپنا وظیفہ میں پڑھتے رہئے گا۔

یہ سُن کر پیر صاحب نے آپ کے سینے سے ہاتھ ہٹالیا اور کہا: آپ کو کس نے اور کس کام کے لئے بُلایا ہے؟

امام علم وفن نے جواب دیا: مجھے عبد المتین صاحب نے آپ سے مناظرہ کے لئے بُلایا ہے۔

اس پر پیر صاحب نے صاحب خانہ عبد المتین صاحب پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے امام علم وفن سے پوچھا: اچھا! کس بات پر مناظرہ کروگے صاحبزادے؟

امام علم وفن نے جواب دیا: دیوبندی علما مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی کفری عبارتوں پر۔

پیر صاحب نے بظاہر بہت ہی نرم لہجے میں کہا: اللہ اکبر! کہاں ان بڑے بڑے علما کی کتابیں اور کہاں آپ صاحبزادے

؟ آپ ابھی ان کتابوں کو نہیں سمجھ پائیں گے صاحبزادے! پھر بھی بتائیے کہ ان کتابوں میں کفری عبارتیں کیا ہیں؟

امام علم وفن نے کہا:

> مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب 'حفظ الایمان، میں لکھا ہے کہ:ــــــــ پھر یہ کہ آپ (ﷺ) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جا اگر بقول زید درست ہو تو سوال یہ کہ اس علم سے مراد کل علم غیب ہے یا بعض؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہوں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص؟ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو بھی حاصل ہے ــــــــ کیا یہ عبارت کفری نہیں ہے؟

امام علم وفن نے چونکہ 'حفظ الایمان، کی یہ عبارت زبانی سنائی تھی اور ہاتھ میں کتاب بھی نہیں تھی، اس لئے پیر صاحب نے کتاب کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا: صاحب زادے! ذرا کتاب تو دیجے، میں بھی تو دیکھوں کہ اس میں کیا عبارت ہے اور کہاں ہے؟

امام علم وفن نے کہا: مجھے کتاب ساتھ لانے کے لئے نہیں کہا گیا تھا، اس لئے کتاب ساتھ نہیں لایا ہوں۔

اس موقع کو پیر صاحب نے اپنے حق میں فال نیک تصور کیا اور مریدین کی نظر میں وقار بچانے کے لئے ڈانٹ کر بولے: تم جھوٹے، تمہارا استاذ جھوٹا۔ تم لوگوں کی عادت ہے جھوٹا الزام لگانا۔ اور الزام بھی کیسا؟ کفر کا! بغیر ثبوت کے ہمارے علما پر الزام لگاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟

امام علم وفن کے پاس بروقت کتاب نہ ہونے اور پیر صاحب کے گرجنے، برسنے سے ان کے خادم نے سمجھا کہ واقعی 'حفظ الایمان، میں یہ عبارت نہیں ہوگی، اس لئے اس نے پیر صاحب کے صندوق سے حفظ الایمان نکالی اور یہ کہتے ہوئے امام علم وفن کے حوالے کر دیا کہ: یہ لیجے حفظ الایمان! اور دکھائیے کہ کہاں ہے وہ عبارت؟

امام علم وفن نے اس غیبی تائید پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور 'حفظ الایمان، کا صفحہ ۸ کھول کر پہلے مجلس میں موجود حاضرین کو وہ عبارت دکھائی پھر پیر صاحب کو دکھاتے ہوئے فرمایا:

> جناب والا! یہ کتاب میں نہیں لایا ہوں بلکہ آپ کے خادم نے آپ ہی کے صندوق سے نکال کر مجھے دی ہے۔ بتائیے اس میں وہ عبارت ہے یا نہیں؟ اب بولئے کہ میں نے الزام لگایا تھا یا آپ جھوٹ بول رہے تھے؟ کیسے پیر ہیں آپ کہ دن دیہاڑے جھوٹ بولتے ہیں۔

اس پر پیر صاحب کا چہرہ فق ہو گیا، کہاں تو تھوڑی دیر پہلے وہ شورہ شوری تھی اور کہاں اب یہ بے نمکی کہ دھیمے لہجہ میں کہنے لگا: صاحبزادے! ہم پیر ہیں مریدین میں آ کر روزہ، نماز کی باتیں بیان کرتے ہیں، ہم لوگ مناظرہ نہیں کرتے۔ آپ کو مناظرہ کرنے کا شوق ہے تو دار العلوم لطیفی کٹیہار کے علما کو چیلنج کرو۔

امام علم وفن نے فرمایا:

جناب! مجھے مناظرہ کا شوق نہیں ہے میں تو صرف عبدالمتین صاحب کو دکھانا چاہتا تھا کہ انہوں نے حضرت صدرالافاضل کے تعلق سے جو بات کہی تھی، وہ سراسر جھوٹ ہے۔ جو شخص مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کو زیر نہیں کر سکا حضرت صدرالافاضل جیسے جبل شامخ اس کا نام سن کر کیسے فرار ہو سکتے ہیں؟

پھر عبدالمتین صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

جناب! اب تو آپ کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ یہی نہیں اپنے پیر کا جھوٹ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس لئے آئندہ مجھے چھیڑنے کی کوشش نہ کیجے گا۔ رہی ہدایت! وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

قارئین! بحرالعلومی فیضان کی یہ تیسری بارش تھی جس نے سنگھیا اور اطراف و جوانب کے باشندگان کے قلوب پر عشق وعرفان کی ایسی کاشت کی کہ مختصر سی مدت میں پورے علاقے کے لوگ: **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا** کی عملی تفسیر بن کر دامن سنیت میں آنے لگے۔

<u>وضاحت</u>: ایک عرصہ کے بعد امام علم وفن کو توجہ ہوئی کہ آخر کشن گنج میں حضرت صدرالافاضل اور مولوی عبدالمبین جون پوری کا کیا معاملہ تھا اپنے والد گرامی سے معلوم کرنا چاہئے تو آپ نے دریافت کیا کہ: کشن گنج میں حضرت صدرالافاضل اور مولانا عبدالمبین جون پوری کا کیا معاملہ ہوا تھا، آپ کو یاد ہے؟

آپ کے والد ماجد نے فرمایا:

ہاں! میں خود وہاں موجود تھا، مولانا عبدالمبین جون پوری نے کشن گنج میں تقریر کی تھی، جس میں اس نے اہل سنت و جماعت اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خلاف خوب زہر افشانی کی تھی جس کی تردید کے لئے سُنّیوں نے صدرالافاضل کو بلایا تھا۔ صدرالافاضل تشریف لائے تو دیوبندیوں نے حاکم شہر کے یہاں درخواست دی کہ ان کی تقریر ہوئی تو شہر میں فساد ہو جائے گا جس کی بنا پر حاکم شہر نے امن بحال رکھنے کی خاطر دونوں فریق کی تقریروں پر پابندی عائد کردی۔ صدرالافاضل مراداباد اور مولانا عبدالمبین علاقہ میں مریدین کے ہاں چلے گئے۔

<u>شیعہ مجتہد سے مباحثہ</u>: امام علم وفن کی عمر کا چوبیسواں اور بریلی شریف میں تدریس کا تیسرا سال تھا کہ ایک دن کچہری محلہ بریلی کے بوڑھے نواب ضمیر احمد صاحب حضور مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: میرا تعلیمی سفر چونکہ مقامی اسکول سے شروع ہو کر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں انجام پذیر ہوا، اس لئے دینی تعلیم سے محرومی رہی۔ اطراف کے نوابان تقریباً سب کے سب شیعی ہیں، ہم منصبی کے سبب ان ہی کے ماحول میں عمر کا زیادہ حصہ گزر گیا، اور میں اپنے مذہب

سے غافل رہا۔اب موت سامنے ہے تو دین کی فکر ہوئی ہے اور دل خوف آخرت سے لرز اُٹھا ہے۔حضور مجھے دین سکھانے کا کوئی انتظام فرما دیں تو انتہائی کرم ہوگا۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ان کی ہدایت واستقامت کے لئے دعا فرمائی اور دار العلوم مظہر اسلام کے مہتمم مولانا ساجد علی خاں مرحوم سے فرمایا کہ نواب صاحب کے ہاں مولانا خواجہ مظفر صاحب کو بھیج دیا کرو!چنانچہ مہتمم صاحب موصوف دوسرے دن آپ کو لے کر نواب صاحب کے ہاں پہونچے اور تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ: یہ مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب ہیں۔اگر چہ یہاں کے سب سے کم سن مدرس ہیں مگر بہتیرے تجربہ کار حضرات کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔آج کل معقولات کی منتہی کتابیں صدرا، حمد اللہ، میر زاہد، شرح مواقف وغیرہ پڑھا رہے ہیں۔یہ روزانہ تو شاید نہ آسکیں، ہفتہ میں دو ایک بار ضرور آجایا کریں گے۔

اور امام علم وفن نواب صاحب کو دین سکھانے کی خاطر ان کے ہاں تشریف لے جانے لگے۔پہلے پہل نواب صاحب نے آپ کو خوب آزمایا آخر ہتھیار ڈالنا ہی پڑا، کیوں نہ ہو مفتی اعظم نے کسی عام مولوی کو نہیں مستقبل کے امام علم وفن کو بھیجا تھا۔

تقریباً ۵ مہینے بعد امام علم وفن اچانک علیل ہوگئے اور اپنی علالت کی خبر نواب صاحب کو بھجوائی اور صحت یابی تک حاضری سے معذرت کر لی۔اسی بیچ ایک دن نواب صاحب کے منیجر نے حضور مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ: حضور! حویلی میں لکھنؤ سے ایک شیعہ مجتہد آیا ہے جو مذہب اہل سنت کو غلط اور شیعی مذہب کو صحیح بتاتا ہے۔نواب صاحب کی خواہش ہے کہ حضور کسی عالم کو بھیج دیں جو بحث کر کے اسے شکست دے سکے۔حضور مفتی اعظم ن علیہ الرحمۃ نے مظہر اسلام کے ایک مدرس صاحب کو بھیج دیا جو مناظرانہ ذہن رکھتے تھے۔مگر خدا معلوم کیا ہوا کہ دوسرے روز پھر منیجر صاحب آئے اور عرض کی: حضور! کل جو مولانا صاحب تشریف لے گئے تھے، نواب صاحب ان کی طرز گفتگو سے کماحقہ مطمئن نہیں ہو سکے اس لئے میں نواب صاحب کی یہ عرض لے کر آیا ہوں کہ برائے کرم مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب کو بھیج دیں۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے امام علم وفن کو بلا کر ارشاد فرمایا: جاؤ! نواب صاحب نے شیعہ مجتہد سے بحث کے لئے تمہیں کو بلایا ہے۔آپ نے عرض کی: حضور! وہابیوں دیوبندیوں سے متعلق علما سے سن کر اور خود کتابوں میں پڑھ کر کافی معلومات رکھتا ہوں مگر شیعہ مذہب سے متعلق ایک دو باتوں کے سوا کچھ نہیں جانتا بھلا میں اس سے بحث کیسے کروں گا۔حضور مفتی اعظم نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اللہ کا نام لے کر جاؤ، انشاء اللہ! فتح مند آؤ گے۔

امام علم وفن نواب صاحب کی حویلی پہنچے تو دیکھا کہ چالیس پچاس افراد کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور دو خالی کرسیاں اپنے بیٹھنے والوں کا انتظار کر رہی ہیں۔نواب صاحب آپ کو دیکھتے ہی تپاک سے اٹھے اور ہاتھ پکڑ کے ایک خالی کرسی پر بٹھایا۔اور مجتہد صاحب کو خبر بھیجی کہ: ہمارے مولانا صاحب تشریف لا چکے ہیں۔کوئی ۵ منٹ بعد تقریباً پچپن سالہ مجتہد صاحب اپنے مذہبی لباس میں ملبوس مجلس میں آئے اور دوسری خالی کرسی پر بیٹھ گئے اور پوچھا؟ کون صاحب آئے ہیں مجھ سے بحث کرنے؟ نواب صاحب نے امام علم وفن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ تشریف لائے ہیں۔

مجتہد صاحب نے اپنے بالمقابل کم عمر امام علم وفن کو دیکھا تو مسکرا کر آپ سے پوچھا:
امریکا دیکھا ہے؟ افریقہ گئے ہیں؟ چین کی سیر کی ہے؟ جاپان کی سیاحت کی ہے؟

امام علم وفن نے فرمایا:
جناب! میں نے امریکا، افریقہ، جاپان، چین وغیرہ نہیں دیکھا ہے اور ہمارا موضوع بحث بھی امریکا، افریقہ وغیرہ نہیں ہے کہ ہم یہ بحث کریں کہ جغرافیہ کے نقشہ پر وہ ممالک کہاں اور ان کا رقبہ و آبادی کیا ہے؟ وہاں کے سیاسی حالات کیا ہیں، حکومت جمہوری ہے یا شخصی؟، بہر دو صورت منظم ہے یا غیر منظم؟ ان ملکوں کا وزیر اعظم یا بادشاہ کون ہے؟ نیز وہاں کی عوام اپنے حکمرانوں سے خوش ہے یا ناخوش؟ وہاں کے لوگ کس مذہب کے ماننے والے ہیں اور ان کی زبان کیا ہے؟

مجتہد صاحب:۔ جغرافیہ ہی نہیں جانتے ہو بھلا مذہب کو کیا جانو گے۔ ارے نواب صاحب! کس کم عمر نوجوان کو اٹھا لائے ہیں آپ۔

امام علم وفن:۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے امریکا، افریقہ وغیرہ کی سیاحت نہیں کی ہے، وہاں کے سیاسی، اقتصادی اور جغرافیائی حالات سے کماحقہ واقف بھی نہیں ہوں۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ کیوں کہ مجھے آپ سے مذہبی مباحثہ کرنا ہے جس کے لئے جغرافیہ کی نہیں، قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ کے علوم کی ضرورت ہے اور الحمدللہ! مجھے ان علوم میں خاصا درک ہے۔ رہی بات میری کم عمری کی! تو بحث میری کم عمری نہیں، میرا علم کرے گا؛ اور بحمد اللہ میرا علم پختہ ہے۔ اب آپ ان باتوں میں وقت ضائع نہ کر کے اصل موضوع پر آیئے! جس پر گفتگو کے لئے نواب صاحب کے توسط سے آپ نے مجھے بلایا ہے۔

مجتہد صاحب:۔ ہمارے اور آپ کے مذہب کے مابین بہت ساری باتوں میں اختلاف ہے مگر بنیادی اختلاف مسئلۂ خلافت میں ہے۔ ہمارے نزدیک رسول کریم ﷺ کی خلافت کے اصل مستحق حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ ابو بکر کا خلیفہ بن جانا ناحق تھا، کیوں کی اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:
واذابتلیٰ ابرٰھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظٰلمین یعنی اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں، فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی: اور میری اولاد سے۔ فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ـــــــ اس آیت میں 'عہد' سے مراد خلافت ہے، نیز اس بات کی صراحت ہے کہ کوئی ظالم مسند خلافت پر فائز نہیں ہوسکتا جب کہ آپ کے ابو بکر ظالم تھے۔ کیوں کہ وہ

ابتدائے شعور سے لے کر ایمان لانے تک مشرکانہ عقائد واعمال کے پابند رہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔ تو ابوبکر خلیفہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہاں حضرت مولیٰ علی بچپن ہی میں اسلام لائے اور کبھی مشرکانہ عقائد واعمال کے قریب بھی نہیں گئے اس لئے خلیفۂ بلافصل وہی ہیں، ابوبکر تو طاقت وقوت کی بنیاد پر مسند خلافت پر بیٹھ گئے۔

امام علم وفن:۔ جناب! آپ کی اس تقریر پر ہماری جانب سے چند سوالات ہیں جن کے جوابات اصول مناظرہ کی رو سے آپ پر لازم ہیں۔

☆ آپ نے قرآن پاک کی آیت لاینال عهدی الظلمین میں 'عہد' سے مراد خلافت لیا ہے، اسے آپ ثابت کیجئے! ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ 'عہد' سے مراد نبوت ہو؟

☆ آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا کہ: وہ ابتدائے شعور سے قبول اسلام تک مشرکانہ عقائد واعمال کے پابند رہے۔ یہ بھی تسلیم نہیں۔ آپ اسے بھی ثابت کیجئے۔

☆ بفرض محال اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام سے قبل تک مشرکانہ عقائد واعمال کے پابند رہے۔ مگر کیا آپ کو یہ حدیث یاد نہیں کہ الاسلام یھدم ماکان قبله (۱۵) اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور یہ حدیث بھی یاد نہیں کہ التائب من الذنب کمن لاذنب له (۱۶) گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان قبول کر لیا تو پہلی روایت کے مطابق آپ ماقبل کے گناہوں سے اس نومولود بچے کی طرح پاک ہو گئے جس کا دامن ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہے اور دوسری روایت کے مطابق آپ ایسے ہو گئے جیسے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔

☆ کیا آپ کو یہ حدیث معلوم نہیں کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان امتی لاتجتمع علیٰ ضلالة (۱۷) یعنی میری امت گمرہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور صحابہ افضل امت ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع کیا۔ تو آپ کے قول کے مطابق تمام صحابہ بشمول حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے گمراہ ہو گئے حالاں کہ ارشاد رسول کے مطابق امت کا ضلالت وگمراہی پر اتفاق محال ہے اور جب یہ محال ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی خلیفۂ بلافصل ہیں۔

☆ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت ومنصب امامت کے اہل نہ تھے تو پھر سرکار

علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (۱۸) میرے بعد ابوبکر وعمر کی پیروی کرو۔

☆ نیز حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس قول کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے: خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو بکر و عمر ،لایجتمع حبی وبغض ابی بکر فی قلب مومن ﴾(۱۹) حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکر وعمر ہیں، کسی مومن کے دل میں میری محبت اور ابو بکر وعمر سے بغض وعناد جمع نہیں ہو سکتے۔

☆ اور جب حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم دیکھ رہے تھے کہ فیصلہ ناحق ہو رہا ہے تو خاموش کیوں رہے؟ انہیں تو کہنا چاہیے تھا کہ قرآن میں آیا ہے لاینال عھدی الظلمین اوران الشرک لظلم عظیم . ابو بکر ظلم عظیم شرک میں گرفتار رہے ہیں لہٰذا یہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

مجتہد صاحب: حضرت مولیٰ علی نے تقیہ کے طور پر بیعت کی تھی اس لئے اجماع ہی منعقد نہیں ہوا۔

امام علم وفن: کیا حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں بھی تقیہ کیا؟

مجتہد صاحب: جی ہاں! اس دور میں بھی تقیہ ہی کیا تھا، حالات ہی ایسے تھے کہ مولا علی کے لئے تقیہ کرنا واجب تھا، ورنہ فتنہ وفساد برپا ہو جاتا۔

امام علم وفن: واہ جناب! باپ جو تنہا فاتح خیبر ہے ذوالفقار حیدری کا مالک ووارث ہے وہ تو تقیہ کرے ،حالات سے مصالحت کرلے، جب کہ اس وقت کوئی اور ساتھ دیتا نہ دیتا کم از کم اہل بیت اطہار تو ضرور ساتھ دیتے اور بیٹا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کرب وبلا میں تقیہ کو لات ماردیں، حالات سے سمجھوتہ نہ کر کے ۳ دن رات خود بھوکے پیاسے رہیں، اپنے اہل بیت اور اقربا واحباب کو بھی بھوکا پیاسا رکھیں، اپنے بے زبان بچے کو شدت پیاس سے دم توڑتا دیکھیں، اپنے احباب واقربا کو قتل ہونے کے لئے مقتل میں بھیجیں اور اخیر میں خود بھی تہہ تیغ ہونے کو مقتل میں پہنچ جائیں، ان کو تو بدرجۂ اولیٰ تقیہ کرنا چاہیے تھا کہ وہاں تو فتنہ وفساد کا اندیشہ تھا اور یہاں تو قتل کیا جانا یقینی تھا۔

مجتہد صاحب: ارے صاحبزادے! ایک ہی سانس میں آپ نے اتنے سارے سوالات کرڈالے جن کے جوابات کے لئے ہفتوں درکار ہیں اور مجھے آج ہی دہلی جانا ہے ،اچھا! بار دیگر جب میں نواب صاحب کے یہاں آؤں گا تو پھر گفتگو ہوگی۔

یہ کہہ کے مجتہد صاحب اُٹھ کر چلے گئے اور نواب صاحب نے حاضرین سے کہا: دیکھا آپ حضرات نے ہمارے کم عمر مولانا صاحب کو، آغاز ہی میں مجتہد صاحب کے دانت کھٹے کر دیے۔ پھر چائے پر مجلس کا اختتام ہوا۔

فتح وظفر کا تاج زیب سر کیے ہوئے امام علم وفن حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شیعہ مجتہد سے ہوئی پوری گفتگو گوش گذار کی تو آپ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، لبوں کو جنبش دی، ہاتھوں کو بارگاہ الٰہی میں دراز کیا اور دعا کی: اے میرے مولیٰ تبارک وتعالیٰ! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے صدقے وطفیل انہیں علم وعمل کی بے پناہ برکتوں سے شاد کام فرما، آمین۔

ایک قادیانی سے گفتگو: بھاگلپور کے دوران قیام ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ امام علم وفن کی مسند آراستہ ہوتی، علاقائی لوگ حاضر ہوتے اور مختلف قسم کی باتوں سے محظوظ ہوتے۔ایک مرتبہ کسی صاحب نے دریافت کیا: حضور! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ہے یا وہ زندہ ہیں؟

امام علم وفن نے ارشاد فرمایا: حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے مخالفین کفار نے آپ کو شہید کرنا چاہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا اور آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ یہ واقعہ قرآن میں بایں الفاظ موجود ہے وماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ علم الا اتباع الظن وماقتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ (۲۰) اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی، بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا، اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، مگر یہی گمان کی پیروی۔ اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔

دیکھئے اس آیت کے شروع میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: انہوں نے اسے قتل نہ کیا۔ اور اخیر میں فرماتا ہے: بیشک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ حضرت صدر الافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: صحیح وسالم ہوئے آسمان۔ یعنی بغیر انتقال کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذقال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی (۲۱) یاد کرو جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔ حضرت صدر الافاضل انی متوفیک کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تمہیں کفار قتل نہ کر سکیں گے (مدارک وغیرہ) اور رافعک الی کی تفسیر میں فرماتے ہیں: آسمان پر محل کرامت میں۔ ان دونوں آیتوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً زندہ ہیں اور مشہور یہ ہے کہ چوتھے آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔

اس جواب سے اس کی اُس وقت تو تشفی ہوگئی مگر جب آئندہ جمعہ کو حاضر ہوا تو عرض کی کہ: حضور نے گذشتہ جمعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے سلسلہ میں جو آیت پیش فرمائی تھی، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح ہم اٹھائے جاتے

ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اٹھالیے گیے یعنی ان کا انتقال ہوگیا۔

اس پر امام علم وفن نے فرمایا: آپ نے قرآن پاک کی آیت انی متوفیک کو سمجھا نہیں جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ ہم آپ کو آپ کی عمر تک پہنچائیں گے جو صراحۃ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابھی آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ آپ آسمان پر اٹھالیے گیے ہیں۔

پھر حدیث پاک اتقوا فراسة المؤمن کی جلوہ سامانی نے رہنمائی کی جس سے آپ نے بھانپ لیا کہ یقیناً کوئی گمراہ گر اس بندۂ مومن کو نور ایمان سے محروم کر کے ضلالت کے چاہ عمیق میں ڈال دینا چاہتا ہے۔ اس لئے استفسار فرمایا: آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ تو اس نے کہا کہ: یہاں ڈگری کالج میں ایک پروفیسر قادیانی ہیں وہی اس طرح کی غلط سلط باتیں ہم لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔ ہم نے ان سے کہا تھا: ہم بڑے مولانا صاحب سے پوچھ کر جواب دیں گے۔

امام علم وفن نے فرمایا: آپ اس کے جھانسے میں نہ آئیں، قادیانی کافروں کی بدترین جماعت ہے۔ جس سے دور رہنے کا ہمیں حکم ہے۔ ایسوں کی صحبت میں ایمان چلے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس دن سے نہ صرف اس بھلے آدمی نے اس ہیڈ ماسٹر کی صحبت سے پرہیز اختیار کرنا شروع کر دیا، بلکہ وہاں اس نے حضرت امام علم وفن کے حوالہ سے اس بات کا عام اعلان کر دیا۔ یہ بات پروفیسر کو معلوم ہوئی تو اس نے لوگوں سے کہا کہ: آپ لوگ مجھے بڑے مولانا صاحب کے پاس لے چلئے اور گفتگو کروا دیجئے، چنانچہ ایک دن بیس پچیس حضرات اس پروفیسر کو لے کر امام علم وفن کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: یہ پروفیسر صاحب ہیں اور آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ امام علم فن نے فرمایا: جی! آپ کیا گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟۔

قادیانی پروفیسر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وموت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

امام علم وفن: ابھی اسے چھوڑیئے! پہلے یہ بتایئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟

قادیانی پروفیسر: حضرت مرزا صاحب نبی ہیں۔

امام علم وفن: بھلا مرزا کیسے نبی ہوسکتا ہے جب کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کا منکر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الہام ووحی کو غلط کہنے والا، اپنے آپ کو، توالد وتناسل سے پاک خدا کی اولاد کی جگہ بتانے، بلکہ یہ کہنے والا کہ رب نے کہا 'تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں، چار سو انبیا کی پیشین گوئیوں کو جھوٹی بتانے والا، اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے بہتر بتانے والا، اپنی ناپاک کتاب 'براہین احمدیہ' کو خدا کا کلام کہنے والا ہے۔

قادیانی پروفیسر: آپ نے جو باتیں حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کی ہیں، ذرا ان کے حوالے بھی پیش فرمایئے!

امام علم وفن نے بہار شریعت کھول کر ان کے حوالے دکھائے تو وہ بول پڑا:

حضرت! آپ یہ تمام اقوال اپنی کتاب میں دکھا رہے ہیں ذرا مرزا صاحب کی اصل کتابیں تو سامنے لائیے؟

امام علم وفن: اس وقت تو میرے پاس ان کی کتابیں نہیں ہیں۔ہاں! تلاش کروں گا، ملی تو آپ کو دکھادوں گا۔

قادیانی پروفیسر: یہ لیجئے! میرے پاس ساری کتابیں ہیں۔ان میں وہ عبارتیں دکھائیے۔

امام علم وفن نے ان کتابوں میں وہ عبارتیں تلاش کیں مگر ایڈیشن بدلا ہوا ہونے کی وجہ سے کافی دیر ہوگئی تو اس نے جھنجھلا کر کہا: ارے یہ اقوال شنیعہ ان کتابوں میں ہیں ہی نہیں تو ملیں گے کہاں سے۔یہ تو آپ لوگوں نے زبردستی حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کردئے ہیں۔

امام علم وفن: ہمیں ناکردہ جرم کا مجرم ٹھہرانے میں اتنی جلدی نہ کیجئے۔آپ دیکھ رہے ہیں کہ بہار شریعت میں جس مطبع کا حوالہ ہے آپ کی کتابیں اس مطبع کی نہیں ہیں۔

اس درمیان چائے آگئی، سب لوگ چائے پینے لگے اور امام علم وفن ان کتابوں کی ورق گردانی میں لگے رہے کہ تین چار عبارتیں مل گئیں۔پھر کیا تھا آپ نے جلال بھرے انداز میں فرمایا:

لیجئے جناب! وہ کفری عبارتیں جو آپ کے بقول بھی شنیعہ ہیں، آپ ہی کی پیش کردہ مرزا صاحب کی اصل کتابوں میں دیکھ لیجئے۔اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ان شنیع کفری عبارتوں کے لکھنے کے بعد مرزا صاحب کا نبی ہونا تو درکنار کیا وہ مومن بھی رہے؟ ہرگز نہیں۔تو جو مومن ہی نہ ہو سکے وہ بھلا نبی کیسے ہوگا؟

یہ دیکھ کر اس قادیانی ہیڈ ماسٹر کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور وہ ہکا بکا ہو کر فبھت الذی کفر کا مصداق بن گیا۔اور شکر خدا کہ لوگ اس کے دام فریب میں آنے اور اپنا ایمان کھونے سے بچ گئے۔

یہ ہیں امام علم وفن کے چند مناظروں اور حاضر جوابیوں کی جھلکیاں۔اللہ تعالیٰ مذہب اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت اور اس کے فروغ کے لئے آپ کو صحت وسلامت کے ساتھ زندہ و پائندہ رکھے اور ہمیں آپ کے فیوض و برکات سے متمتع فرمائے۔آمین! اس جوہر فرد کی مناظرانہ جودت طبع کی ایک جھلک ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: اور علمی وجاہت

مولانا محمد اسلم قادری، جامعہ، غازیہ فیض العلوم، محلہ بخشی پورہ، بہرائچ شریف

اِس دنیائے رنگ وبو میں بے شمار لوگ پیدا ہوئے اور ہوتے رہے ہیں، اور قرب قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، پیدا ہونے والوں میں کچھ تو ایسے ہیں جنہیں لوگ اُن کی زندگی میں یاد کرتے ہیں لیکن بعد ممات فراموش کردیتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کی زندگی بھی مثل موت ہے کہ اُنہیں کوئی جانتا تک نہیں، ہاں! کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جو اپنی زندگی میں بھی یاد کئے جاتے ہیں اور بعد وصال بھی لوگ اُنہیں یاد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا وجودِ مسعود قوم وملت کیلئے سودمند ہوتا ہے جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ قوم وملت کی فلاح وبہبود کیلئے وقف ہوتا ہے۔

ایسی ہی ایک عبقری، علمی وملی شخصیت ممتاز العلماء، سلطان الاساتذہ، محقق بے بدل، مدقق اَجل، امام علم وفن، استاذی الکریم، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدہ ظلہ العالی کی بھی ہے، جو اپنی علمی وجاہت کی وجہ سے پورے ہندستان میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں، طلبہ، علماء، عوام وخواص جسے بھی دیکھو حضرت خواجہ صاحب کا گن گا رہے ہیں، آپ کی ذات سے قوم بھی فائدہ اُٹھا رہی ہے اور مذہب مہذب اہل سنت کا بھی بول بالا ہو رہا ہے، علمی وجاہت اور علمی وقار کمزور اور بڑھاپے کے باوجود آپ کے چہرے سے آج بھی نمایاں ہے۔

پہلی مرتبہ موصوف جب دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف تشریف لائے تو ہم سب طلبہ آپ کے رخِ روشن کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے کہ حضرت کا چہرۂ مبارکہ کتنا روشن وتاباں ہے جس پر کہیں شکن کا نام نہیں جو بھی دیکھتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، موصوف ایک مقبول ترین شخصیت کے مالک ہیں کیوں کہ انسان کا باہر کے لوگوں میں مقبول ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں، ہاں! اُن لوگوں میں مقبول ہونا جو اُس کے شب وروز کے حالات سے واقف ہوں اُس آدمی کی اچھائی کی بین دلیل ہے، عموماً لوگ باہر کی دنیاں میں مقبول ہوا کرتے ہیں، لیکن اپنی بستی اور قرب وجوار کے لوگوں میں بہت کم لوگ مقبول ہوا کرتے ہیں، مگر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی شخصیت ایک ایسی شخصیت ہے کہ آپ جہاں باہر کے لوگوں میں مقبول ہیں، وہیں اپنی بستی اور قرب وجوار کے جاننے اور پہچاننے والوں میں بھی مقبول ہیں، عوام میں بھی مقبول ہیں اور خواص میں بھی مقبول ہیں، بلکہ آپ کے شاگردوں کی ایک جماعت جن کا شمار جید علماء میں ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ شبیر پورنوی، مفتی محمد مطیع الرحمٰن پورنوی وغیرہ آپ کے

قرب وجوار کے ہی ہیں اور یہ آپ کی علمی وجاہت اور خلوص وللّٰہیت کی ظاہر وباہر مثال ہے۔

حضرت کا طریقۂ تدریس:۔ حضرت کا طریقۂ تدریس نہایت عمدہ تھا غبی سے غبی لڑکا سبق کو سمجھ جاتا تھا، آپ کے سمجھانے کا انداز یہ ہے کہ معقولات بھی مثل محسوسات معلوم ہوتا تھا، پہلے سبق کا خلاصہ بیان فرما دیتے پھر فرماتے کہ عبارت ملاؤ۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ منطق وفلسفہ کے امام ہیں، موصوف یقیناً اِن دونوں فنون میں رازیٔ وقت ہیں مگر نحو وصرف، حدیث وتفسیر، فقہ ومیراث ہر فن کے آپ شیخ وامام ہیں بلکہ وہ فنون جو فی زمانہ پڑھائے نہیں جاتے حضرت اُن میں بھی کئی فنون کے ماہر ہیں۔

مثلاً فن توقیت کہ حضرت نے راقم کو خارج وقت میں پڑھایا ہے، راقم کو شرح جامی میں ایک جگہ ایسا اشکال پیدا ہوا جو کسی طرح حل نہیں ہو رہا تھا حضرت کے پاس لیکر گیا تو حضرت نے ایک نہیں بلکہ کئی جوابات بتائے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہر فن کے بادشاہ ہیں، خود سراجی جو فن میراث میں ہے راقم سے فرماتے تھے کہ اگر پڑھنے والا ہو تو یہ صرف ایک ہفتہ پڑھانے کی کتاب ہے۔

آپ کے دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں آنے سے پہلے منطق وفلسفہ کو میں لایعنی فن سمجھتا تھا اور اُن میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن حضرت کے انے کے بعد حضرت نے اُن دونوں فنون میں وہ رغبت دلائی کہ سب سے پہلے اُنہیں کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا اور شرح تہذیب پڑھنے کے بعد جب قطبی تصدیقات شروع کیا تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آپ خود عبارت پڑھ کر اپنی جماعت کو سمجھاؤ میں اپنی جماعت کو سمجھاتا تھا ہاں! کہیں دشواری ہوتی تو وہاں حضرت تقریر فرما دیا کرتے۔

حضرت کی ذہانت وحاضر جوابی: حضرت خواجہ صاحب نہایت ذہین اور حاضر جواب ہیں، کوئی بھی سوال کرتا فوراً جواب عنایت فرماتے، کتاب پڑھاتے وقت اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو اگر اُس کا جواب کتاب یا اُس کے حاشیہ میں ہوتا تو کتاب دیکھے بغیر فرماتے دیکھو اِس پر حاشیہ ہے، اسی میں اس کا جواب ہے، اور اگر نہ ہوتا تو خود تسلی بخش جواب عنایت فرماتے۔

مولانا سید علیم اشرف جائسی نے ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب سے باتوں باتوں میں کہا کہ حضرت میں اشرفی ہوں اور آپ رضوی اور آپ جانتے ہیں کہ ایک اشرفی میں کتنے رضائی خریدے جاسکتے ہیں، اُس وقت سید علیم اشرف صاحب حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے سے پڑھ رہے تھے، حضرت نے برجستہ فرمایا کہ ہاں! جانتا ہوں مگر کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ایک رضائی میں کتنے اشرفی آجائیں گے؟ سید صاحب! سید ہونے کیوجہ سے نسبت میں آپ کی قیمت زیادہ ہے مگر کل میدان قیامت میں ایک رضوی کے دامن میں ہزاروں اشرفی پناہ لیں گے۔

موصوف نے راقم سے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میں ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا تو ایک حجام میرا بال بنانے کیلئے آیا، بال بناتے وقت اُس نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹا پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں! تو اُس نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ پڑھنے پڑھانے کا دور کب سے شروع ہوا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اُس بچپنے میں مَیں اُس کے اِس سوال کا جواب نہ دے سکا، مگر میں نے بھی اُس سے سوال کیا کہ تم بال بناتے ہو تو یہ بتاؤ کہ بال بنانے کا دور کب سے شروع ہوا؟ حضرت نے فرمایا کہ میرے اس سوال پر حجام

بھی خاموش ہوگیا اور جواب نہ دے سکا۔

یونہی راقم سے حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بورڈ کا امتحان دلانے کیلئے میں گیا ہوا تھا کچھ سنی علما بھی گئے ہوئے تھے مگر اُن لوگوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ حضرت اب آپ ہیں تو ہم لوگوں کی ضرورت نہیں آپ ہمارے بچوں کو بھی دیکھ لیجئے گا اور اس طرح سبھوں نے اپنے بچوں کو میرے حوالے کردیا اور چلے گئے، امتحان دلوانے کیلئے دیوبندی، وہابی علما بھی آئے ہوئے تھے ایک دن کسی بات پر بحث ہوگئی اور اُن لوگوں نے مناظرہ کا چیلنج کردیا، حضرت نے فرمایا کہ میں تنہا اور اُدھر دس بارہ علما کی جماعت مگر میں اپنے رب پر بھروسہ کرکے مناظرہ کیلئے تیار ہوگیا، البتہ میں نے یہ شرائط رکھی کہ آپ لوگ جس کو چاہیں مناظر چن لیں صرف وہی بات کرے گا، اور دوران گفتگو کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی، اس پر وہ لوگ تیار ہوگئے، حضرت نے فرمایا کہ اُن لوگوں نے ایک دیوبندی کو چنا اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم غیب پر بات چلی، صرف دس بارہ منٹ کے اندر وہ لا جواب ہوکر بیٹھ گیا، اتنے میں اُن کا ایک دوسرا عالم اُٹھا پانچ سات منٹ کے اندر وہ بھی لا جواب ہوکر خاموش ہوگیا، اب تیسرا اُٹھا مگر درمیان میں ایک ندوی اپنے عالموں کو ہارتے ہوئے دیکھ کر بول پڑا کہ آپ جیت گئے اور ہم ہار گئے، اِس طرح حضرت خواجہ صاحب تنہا ہونے کے باوجود اپنی علمی ذہانت کا لوہا دیوبندی اور وہابی علما سے منوا کر مظفر و منصور مدرسہ تشریف لائے۔

حضرت کا انکسار:۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ بادشاہِ علم وفن ہونے کے باوجود نہایت منکسر المزاج ہیں، حضرت نے راقم سے خود فرمایا کہ میں جب دارالعلوم فیض الرسول میں پڑھانے آیا تو یہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا نام اساتذہ کی لسٹ میں کس نمبر پر رکھا جائے تو میں نے جواب دیا کہ آپ جہاں چاہیں میرا نام لکھ دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر فرمانے لگے کہ آج کل لوگ نام پہ مرتے ہیں کہ میرا نام فلاں کے بعد کیوں لکھا گیا میرا نام تو پہلے ہونا چاہیے، مگر نام سے کیا ہوتا ہے عالم کو اُس کا علم ممتاز کرتا ہے نہ کہ نام کا آگے پیچھے ہونا، مجھے پڑھانے سے غرض ہے نہ کہ نام سے۔ پھر جب آپ دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور بحیثیت صدرالمدرسین گئے تو وہاں کے کئی اساتذہ نے بتایا کہ حضرت کا رہن سہن جیسے براؤں شریف میں سادہ تھا ویسے ہی یہاں بھی ہے۔ صدر مدرس ماتحت مدرس کو اپنے کمرے میں بلاتا ہے بلکہ بعض صدر مدرس تو اتنے متکبر ہوتے ہیں کہ ماتحت مدرس کو نہایت حقیر سمجھتے ہیں، اور ماتحت مدرس اگر سخت بیمار ہو تب بھی اُنہیں اپنے کمرے میں ہی بلا کر اُن کا حال پوچھتے ہیں، یہ سنی سنائی بات نہیں تجربے کی بات لکھ رہا ہوں، مگر حضرت خواجہ صاحب کے ذہن میں زمانہ صدر مدرسی میں بھی تکبر کا شائبہ نہ تھا اور نہ آج ہے، آپ بسا اوقات خود ہی ماتحت مدرس کے کمرے میں چلے جایا کرتے ہیں، اور اگر کسی کو کوئی بات کہنا ہوتا تو نہایت نرمی سے سمجھا دیتے، موصوف اپنے شاگردوں سے بھی بڑے خلوص ومحبت سے پیش آتے ہیں، اور ڈھنڈھورا نہیں پیٹتے کہ فلاں میرا شاگرد ہے حالانکہ آپ کے شاگردوں میں مفتی مطیع الرحمٰن جیسے کئی لوگ ہیں، مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے متعلق علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ایک تقریب میں طلبہ واساتذہ کے سامنے جس میں راقم بھی موجود تھا فرمایا کہ مولانا مطیع الرحمٰن صرف عالم ہی نہیں بلکہ مکمل علم ہیں، نہایت ذہین وفطین ہیں، تو جب شاگرد کا یہ حال ہے تو استاد کا کیا حال ہوگا؟ اور ہم جیسے شاگرد تو ہزاروں ہیں۔ حضرت اب بیمار رہتے ہیں مولیٰ تعالیٰ اُنہیں صحت وعافیت اور عمر خضر عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔ ☆☆

تیرھواں باب

معروف تلامذہ

اِمام علم وفن کے چند مشاہیر تلامذہ

مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی گجرات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شجر پھل سے اور استاذ شاگرد سے جانا جاتا ہے، امام علم وفن کے شاگردوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امام علم وفن کے تلامذہ میں جلیل القدر علما، فقہا، مشائخ، خطبا، مفکرین، پختہ قلم کار اور کامیاب مناظرین ہیں اور بعض تو ایسے بھی ہیں کہ جس میدان میں ہیں یکتائے روزگار ہیں۔ جن کے بارے میں مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہوسکا کہ یہ امام علم وفن کے شاگرد ہیں یا یہ کہ کسی طرح ان سے رابطہ ہوسکا یا پہلے سے میں خود متعارف تھا تو میں نے اپنی کوتاہ معلومات کے مطابق ان کی حیات وخدمات کو قلم بند کیا۔ اور جن سے نہ میری ملاقات رہی اور نہ ہی کسی طرح متعارف ہوسکا ؛تو محب محترم مولانا احمد رضا احمد کے بیان کے مطابق صرف ان کے اسمائے گرامی پر اکتفا کروں گا۔ **ان شاء اللہ تعالیٰ**

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلطان رضا صاحب مدظلہ

ادری ضلع مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے متوسطات تک کی تعلیم علاقائی مکاتب ومدارس میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضور مفتی اعظم کا مدرسہ مظہر اسلام میں داخلہ لیا اور تکمیل کے بعد سند ودستار سے نوازے گئے۔ آپ امام علم وفن کے وہ اولین جاں نثار شاگرد ہیں جن کی ضد اور مسلسل اصرار پر امام علم وفن نے درس نظامی میں غیر مروج فنون خصوصاً علم ''توقیت'' کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور انہیں بغیر کسی کتاب کے زبانی اس کے اصول وقواعد سکھائے، اور تھوڑے ہی دنوں کے اندر اس فن میں درجۂ کمال تک پہونچادیا۔ فراغت کے بعد مسند تدریس بچھائی، ایک سے بڑھ کر ایک قابل شاگرد پیدا کئے۔ ابھی باحیات ہیں اور دینی وعلمی خدمات کا سلسلہ جاری ہے، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے موجودہ صدر المدرسین خیر الاذکیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی آپ کے آغوش تعلیم وتربیت کے پروردہ ہیں۔

پیر طریقت مفتی عبید الرحمن رشیدی

آپ عہد حاضر کے مقتدر عالم دین بالغ نظر مفتی شیخ کامل، عارف حق، پختہ قلمکار عالم بالشریعۃ عامل بالسنۃ ہیں پاکیزہ طبیعت اور نفیس مزاج کے مالک ہیں، متانت وسنجیدگی آپ کا نمایاں وصف ہے، آپ اپنے ضلع میں منصب قضا پر فائز ہیں، اور امور قضا میں کافی درک بھی رکھتے ہیں، آپ کی پیدائش ۱۹۵۵ء میں مقام بنی باڑی ضلع کٹیہار بہار کے ایک دیندار زمیندار اور علمی، فقہی خاندان میں ہوئی، اپنے والد ماجد افضل العرفا والفضلا حضرت مولانا حکیم شاہ لطیف الرحمن شاہدی رشیدی جو علم وعمل اور فضل وکمال زہد وورع، جود وعطا اور حلم وحیا کے زیور سے آراستہ تھے ان کے ہمراہ دار العلوم مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار تشریف لائے، جہاں ابتدائی تعلیم سے لیکر شرح جامی تک کی تعلیم اپنے والد ماجد، شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی، حضرت مولانا معین الدین خاں اعظمی، حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہم الرحمۃ والرضوان اور حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی مدظلہ العالی سے حاصل کی، اس کے بعد مجدد سلسلہ رشیدیہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی علیہ الرحمہ کے اذن وایماء اور حکم کے مطابق دار العلوم حنفیہ رضویہ بنارس تشریف لائے، جہاں شمس العلما حضرت علامہ مفتی شمس الدین جعفری جونپوری اور رئیس المتکلمین حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بھاگلپوری علیہما الرحمۃ والرضوان جلوہ فگن تھے ان سے اکتساب علم وفضل کا خوب خوب موقع میسر آیا، اس کے بعد مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف تشریف لائے حضرت علامہ مبین الدین محدث امروہوی، حضرت علامہ تحسین رضا خاں محدث بریلوی علیہما الرحمہ، خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی اور حضرت علامہ مفتی بلال احمد نوری دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی اس طرح خواجہ علم وفن کی درسگاہ سے دو مرتبہ خوشہ چینی کا موقع ملا (ایک مرتبہ دار العلوم مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار میں رہ کر اور دوسری مرتبہ مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف میں) :

پھر اس کے بعد اپنے استاذ حضرت مولانا شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی کی خواہش ورائے کے مطابق اہل سنت و جماعت کی مشہور ومعروف مرکزی درسگاہ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ تشریف لائے اور ملا حسن کی جماعت میں داخلہ لیے۔ بچپن ہی سے ذہین تھے اس پر مستزاد تلاش وجستجو اور تحقیق وتفتیش کا جذبہ صادق آپ کا نمایاں وصف تھا اس لیے یہاں کا ماحول آپ کے لیے بڑا خوشگوار اور مفید ثابت ہوا، اساتذۂ کرام خصوصا حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی، اشرف العلما حضرت مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی، استاذ العلما حضرت مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی مبارک پوری علیہم الرحمۃ والرضوان سے خوب خوب مستفید ہوئے ان کے قیمتی اوقات کو ہمیشہ نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے۔ اس طرح ۱۹۶۷ء میں جملہ علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے۔

بیعت و خلافت: آپ ۱۹۵۶ء میں شیخ الاسلام والمسلمین منظور الحق حضرت سید شاہ مصطفیٰ علی شہید آئی شاہدی

رشیدی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۸ء) سابق سجادہ نشیں: خانقاہ عالیہ رشیدیہ جون پور شریف کے دست حق پرست پر بیعت وارادت سے مشرف ہوئے اور خلافت واجازت سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار زبدۃ الاتقیاء حضرت حکیم شاہ لطیف الرحمٰن شاہدی رشیدی قدس سرہ سے تمام سلاسل کی ملی اس کے بعد حضرت مولانا شاہ غلام محمد یسین شاہدی رشیدی اور حضرت سید شاہ زاہد سجاد جعفری پٹوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے بھی تمام سلاسل کی اجازتیں وخلافتیں عطافرمائیں۔

میدان مناظرہ: ’’آپ نے دوران تعلیم وتدریس ہی ملک کے مختلف حصوں اور خطوں میں کئی اہم اور باطل شکن مناظرے کر کے احقاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دیا ہے، جس کے اثرات آج بھی بخوبی محسوس کیے جاسکتے ہیں، آپ کے سارے مناظرے کافی اہم، انتہائی دلچسپ اور تاریخی بلکہ میدان مناظرہ میں دوسرے مناظرین کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں،، ان تمام مناظروں کی تفصیل مولانا ابرار رضا مصباحی کا غیر مطبوعہ مقالہ ’’ عارف کامل مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی مختصر حیات وخدمات،، میں دیکھی جاسکتی ہے

تلامذہ: درس وتدریس کے افق پر تقریبا ۲۰ رسال تک بدر کامل بن کر جگمگاتے رہے، اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی چمکتی شعاؤں سے کتنے ستارے منور ہوئے، محبّ گرامی مولانا ابرار احمد مصباحی کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق چند اسمائے گرامی یہ ہیں، محدث گجرات مفتی معین الدین رضوی (بانی ومہتمم دارالعلوم سرکار کلاں معین العلوم بمبئی ہوٹل احمد آباد) مفتی مختار عالم رضوی (قاضی شرع ومفتی بنگال کلکتہ)، مولانا معین الحق علیمی مصباحی (صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی)، علامہ غلام رسول بلیاوی (ادارۂ شرعیہ پٹنہ)، مولانا سجاد احمد رشیدی (صدر المدرسین دارالعلوم سرکار آسی سکندر پور)، مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی (استاذ مدرسہ حفیظیہ سراج العلوم رساکھواں بنگال)، مفتی بدر عالم مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور)، مولانا عبد الحق مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور)، مفتی خواجہ نیر عالم وحیدی (خانقاہ لطیفیہ رحمان پور)، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی (استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد)، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی (استاذ منظر اسلام بریلی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ، شہرت ومقبولیت، جاہ حشمت اور ہنگامہ آرائیوں سے کوسوں دور رہتے ہیں، جلسہ جلوس اور کانفرنسوں میں خطاب کی بجائے عموما مجلسی گفتگو میں تبلیغ دین کا مؤثر فریضہ انجام دیتے ہیں، مجلس میں علما وفقہا ہوتے ہیں تو خالص فقہی پیرائے میں گفتگو کرتے ہیں اور عوام یا کم پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں تو بزرگوں کے احوال وکوائف، خشیت الٰہی، عشق مصطفیٰ اور خوف آخرت پر لب کشا ہوتے ہیں، تواضع، خاکساری، سادگی، اصاغر نوازی، علما نوازی، آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

قلمی خدمات: آپ نے درس وتدریس، فقہ وافتا، تبلیغ دین، رشد وہدایت اور بحث ومناظرہ کے علاوہ کچھ بیش بہا علمی وتحقیقی کارنامے بھی انجام دیے ہیں۔

جامعہ شمس العلوم گھوسی میں قیام کے دوران ’’اختیار نبوت‘‘ نامی ایک علمی وتحقیقی کتاب تصنیف فرمائی، جو ایک غیر مقلد

مولوی صفی الرحمٰن اعظمی کی کتاب ''رزم حق و باطل'' کے جواب ورد میں ہے، دار العلوم حمیدیہ رضویہ بنارس میں تھے تو وہاں ''بیان حقیقت'' رقم فرمائی، جو ایک شر پسند دیو بندی مولوی کے کتابچے ''نور حق'' کے جواب میں ہے، دار العلوم محمدیہ ممبئی کے دوران قیام چند اہل خیر و مخلص کی گزارش پر ''جواہر الحدیث'' لکھی، اور اوراد و وظائف پر مشتمل ایک کتاب بچہ ''آیات نافعہ'' کے نام سے ۱۴۱۵ھ میں مرتب فرمائی اور ان کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد خصوصاً حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ادارت و قیادت میں جاری ہونے والے ماہنامہ ''جام نور'' میں آپ کے قیمتی و تحقیقی مقالات اور اس کے باب الاستفتاء کے کالم میں گراں قدر فتاوے شائع ہوتے تھے، اسی طرح آپ نے ماہنامہ ''جام نور'' اور متعدد اداروں میں جو بے شمار فتاوے رقم فرمائے ہیں، وہ بھی کئی ضخیم جلدوں میں ہوں گے جو بلا شبہ آپ کا زبردست علمی و فقہی کارنامہ اور دینی احکام و مسائل کی رہنمائی میں مذہب و ملت کے لیے اہم ذخیرہ و سرمایہ ہے وہ سارے فتاوے منظر عام پر آجائے تو یقیناً فقہی دنیا میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔ (ماخوذ قلمی مقالہ مولانا ابرار احمد مصباحی)

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی بن محمد ایوب بن محمد فدوی

موجودہ دور کے ممتاز محقق، متبحر عالم دین، بالغ نظر مفتی، عمیق البصر قاضی اور مناظر اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں، شعر و سخن کا بھی ذوق ہے، مضطر تخلص فرماتے ہیں۔ برصغیر کے علمی، ادبی اور فقہی حلقوں میں آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ملک و بیرون ملک میں ارباب علم و دانش اور صاحبان فقہ و فتاوی کے درمیان **فقیہ النفس** اور **مناظر اہل سنت** کے لقب سے معروف ہیں۔ تلاش و جستجو، فقہ و فتاوی، بحث و مناظرہ اور تحقیق و تفتیش کے میدان میں فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دو درجن کے قریب علمی تحقیقی کتابوں کے مصنف، پچیس سے زیادہ مقالات پچاس کے قریب مضامین کے قلم کار، عالمانہ خطیب، فصیح و بلیغ زبان و بیان کے مالک ہیں۔ فقہی سیمیناروں میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ہندوستان کے مشاہیر مدارس اسلامیہ کے شیخ الحدیث، صدر مفتی، اور صدر المدرسین کے مناصب جلیلہ پر فائز رہ کر ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کر چکے ہیں ۔آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر علما، فقہا، مفتیان کرام اور ادبا شامل ہیں۔ جہاں ہوتے ہیں عموماً امور قضا آپ کے سپرد ہوتے ہیں۔ عرصۂ دراز تک ادارۂ شرعیہ پٹنہ، بہار اور ادارۂ شرعیہ کرناٹک کے قاضی القضاۃ رہ چکے ہیں۔ متعدد تعلیمی اداروں اور مساجد کے بانی، سرپرست، اور صدر ہیں۔ اس وقت جامعہ نوریہ شامپور بنگال، جس کے خود بانی و سربراہ بھی ہیں، وہیں رہ کر دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے سیکڑوں تلامذہ دار الافتا اور دار القضا کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ فقیر راقم السطور کو آپ ہی کی درسگاہ سے افتا و قضا کی تربیت حاصل ہے۔

پیدائش اور ابتدائی حالات: آپ کا دولت کدہ تو موضع پچھلا ضلع پورنیہ (اور اب کشن گنج) ہے۔ مگر علاقائی دستور کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۹۵۱ء کو نانیہال موضع کولہا ضلع پورنیہ میں ہوئی۔ نانا زمیندار تھے، عقیقہ میں دو بکرے اور پانچ

گائیں ذبح کیں۔ دادیہال کے لوگ بھی متمول اور تعلیم یافتہ تھے۔ اس لئے پرورش بڑے نازونعم سے ہوئی۔ قاعدہ بغدادی سے قرآن کریم اور اردو کا قاعدہ سے اردو کی تیسری تک کی تعلیم والد گرامی ہی نے گھر پر دی۔ گاؤں کے مدرسہ میں فارسی کی پہلی، آمدنامہ وغیرہ پڑھ کر جونیر ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ بے پناہ ذہین وفطین تھے اس لئے ہمیشہ کلاس ہی میں نہیں، پورے اسکول میں فرسٹ آتے۔ مگر علم دین کی طلب میں اسکول چھوڑ کر مدرسہ محی الاسلام، بجرڈیہ، بائسی ضلع پورنیہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا تاج الدین علیہ الرحمہ سے گلستاں، بوستاں زلیخا جیسی کتابیں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم لطیفی کٹیہار میں داخل کردئے گئے۔ ابھی وہاں کچھ ہی دن گذرے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور جیسے تیسے سال گذار کر آپ واپس آگئے۔

ثانوی اور اعلی تعلیم: ایک قریبی رشتہ دار حضرت مولانا عبدالسلام مدظلہ کے مشورہ سے اہل سنت کی مشہور معروف درسگاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد تشریف لے گئے۔ مزاج میں تفتیش وتحقیق اور استخراج واستدلال تھا اس لئے بحث ومباحثہ خوب کرتے تھے۔ کبھی کبھار دیوبندی مکتبۂ فکر کے **مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد اور مدرسہ حیات العلوم** جا کر **دارالافتا**۔ یا۔ **شیخ الحدیث** کی درسگاہ میں بیٹھ جاتے اور عقائد پر بحث کر کے اُن کو لاجواب کردیتے، جس کے نتیجے میں مدرسہ قاسمیہ کے **صدر مفتی** جناب احمد رضا صاحب وہاں سے **نکال دئے گئے**۔ جامعہ نعیمیہ میں ایک سال رہ کر بریلی شریف آگئے۔ روزانہ رات کے ساڑھے دس، گیارہ بجے اعلی حضرت کے مزار پر فاتحہ کے بعد حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور ایک ڈیڑھ بجے تک استفادہ کرتے۔ دارالعلوم مظہر اسلام میں داخلہ لے کر شرح جامی، نورالانوار اور شرح تہذیب پڑھی۔ شرح جامی کے سبق "**للضرورة" ای لضرورة وزن الشعر اور عاية القافية الخ** سے ترغیب پا کر فن عروض سیکھا اور مشق سخن شروع کی۔ پھر امام علم وفن کی خدمت میں جامعہ عربیہ سلطان پور حاضر ہوئے۔ وہاں آپ سے منطق وفلسفہ کی کتابوں کے علاوہ مختصر المعانی پڑھی اور فرائض سیکھے۔

تربیت افتا: اسی درمیان آپ ایک بار حضور مفتی اعظم کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہوئے تو حضرت نے اپنے اسفار کے لئے آپ کو ساتھ رکھ لیا۔ ان اسفار ہی میں آپ نے افتا کی ٹریننگ لی۔ صورت یہ تھی کہ رضوی دارالافتا بریلی شریف میں کام کرنے والے مفتیان کرام جن استفتاؤں کا جواب نہ لکھ پاتے تھے، وہ استفتے آپ کو اس غرض سے دے دیتے کہ جہاں موقع ملے حضور مفتی اعظم سے جواب لکھوالیں۔ چنانچہ آپ حسب موقع سوالات سناتے اور حضور مفتی اعظم جواب ارشاد فرماتے، آپ لکھتے اور سائل کے نام پوسٹ کردیتے۔ ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، پھر مفتی اعظم ہی کے حکم سے آپ جواب لکھتے اور حضرت اصلاح دیتے۔ اس طرح فتاویٰ لکھنے کی مشق بھی ہوگئی اور مفتی اعظم سے علمی استفادہ کا موقع بھی کما حقہ ملا۔ ایک دن حضور مفتی اعظم نے بریلی شریف میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پڑھائی اور اپنے دست خاص سے "**الولد الاعز محمد مطیع الرحمٰن** ...... **فاجزته کما اجازنی والدی** ...... **واجازه** ...... **واجازه** ...... **عن** ...... **عن** ......

وسلم عن الوحی والی الرب المنتهی. '' لکھ کرحدیث وافتادونوں کی الگ الگ سندیں عنایت فرمائیں۔

فراغت : آپ وہ عطیات لے کرسلطان پور گئے اور کچھ دن امام علم وفن کی خدمت میں رہ کر پھر بریلی شریف آگئے اوردارالعلوم مظہر اسلام میں خلیفۂ مفتیٔ اعظم حضرت علامہ حاجی مبین الدین امروہی سے حدیث کادرس لیااور سند ودستار سے نوازے گئے۔

بیعت وخلافت: آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں دوران تعلیم ہی حضور مفتی اعظم ہند کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کرلیا تھا۔فراغت کے بعد شہزادۂ استاذ زمن حضرت مولانا حسنین رضاخاں اور حضرت علامہ حاجی مبین الدین امروہی کی موجودگی میں حضور مفتی اعظم ہند نے اجازت وخلافت اور دیگر نوازشات سے سرفراز فرمایا۔

تدریس وفتوی نویسی :فراغت کے بعد حضرت مفتی رجب علی نانپاروی رحمۃ اللہ علیہ کی گذارش پر حضور مفتی اعظم نے آپ کو اُن کے مدرسہ میں تدریس وافتا کے لئے بھیجا۔وہاں آپ نے افتا کے ساتھ ہدایہ،، تفسیر مدارک، مختصر المعانی، شرح جامی، اصول الشاشی وغیرہ پڑھائی۔نانپارہ کے بعد مختلف اداروں میں علمی ودینی خدمات انجام دیں۔اس لیے آپ کے فتاوے منتشر اور غیر مطبوعہ ہیں، جن کی یقینی تعداد بتانا مشکل ہے۔

بحث ومناظرہ :میدان مناظرہ آپ کا دلچسپ میدان ہے، پچیس سے زیادہ مناظروں میں احقاق حق اور ابطال باطل کا فاتحانہ فریضہ انجام دے چکے ہیں، ذہانت وفطانت اور حاضر جوابی میں فقید المثال ہیں۔اور یہ دلچسپی اور تعمق نظری ابتدائی درجوں ہی سے ظاہر ہو چکی تھی، آپ کی ذہانت ،بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں درجۂ ثالثہ کے متعلم تھے، بدمذہبوں کے ایک مدرسہ میں سماعت کے لیے چلے گئے، مشکوۃ شریف میں علم غیب رسول ﷺ کے متعلق ایک حدیث زیر سبق تھی، آپ نے کچھ اعتراضات کیے، جوابات نہ ملنے پر علم غیب رسول ﷺ پر مزید بحثیں کرنا شروع کردیں ،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ آپ کے آنے پر روک لگادی گئی۔

پہلا مناظرہ :یوں تو معاون مناظر کی حیثیت سے پہلے بھی مناظرہ میں شرکت فرماچکے تھے مگر بحیثیت مناظر میری معلومات کے مطابق سب سے پہلے ۱۱؍۱۲؍ جون ۱۹۷۵ء کو بمقام کربلا راج محل تشریف فرما ہوئے، موضوع مناظرہ تھا'' مختلف فیہ بنیادی عقائد،، آپ اہل سنت کا نمائندہ ومناظر تھے، امام علم وفن علامہ خوجہ مظفر حسین رضوی سرپرست مناظرہ اور مفتی ایوب مظہر صدر تھے، جبکہ دیوبندیوں کے مناظر مولوی اختر حسین بھاگلپوری اور صدر مولوی نوشاد عالم بالوگرام تھے ،سنیوں کی فتح مبین اور دیوبندیوں کی شکست فاش کے بعد مناظرہ کمیٹی نے ایک بڑا پوسٹر شائع کیا تھا، بحمدہ تعالی وہ پوسٹر آج بھی برادر مکرم مولانا تبریز رضا افقر ابن مولانا عبد العزیز رضوی کی تحویل میں موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ۲۴ رسال کی عمر ہی سے احقاق حق اور ابطال باطل کا فاتحانہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔اس کے بعد آپ کے مناظروں کی تعداد بڑھتے بڑھتے

پچیس سے زیادہ ہوگئی ہے، جس کی تفصیل آئندہ کسی موقع سے آئے گی، ان شاء اللہ۔

قلمی خدمات: درس وتدریس، فقہ وفتاویٰ اور بحث ومناظر کے علاوہ آپ کے علمی وتحقیقی خزانے بھی بہت ہیں جو زمانۂ طالب علمی سے شروع ہوکر ہند وبیرون ہند کے موقر رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں مثلاً ماہنامہ نوری کرن بریلی۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد۔ ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور۔ ماہنامہ جام نور دہلی۔ ماہنامہ کنز الایمان، دہلی۔ ماہانامہ رفاقت پٹنہ۔ ماہنامہ نور مصطفائیہ پٹنہ۔ سہ ماہی بک ریویو پٹنہ۔ سہ ماہی امریکہ۔ وغیرہ، آپ کے مقالات کی ومضامین کی تعداد تعداد ستر سے زائد ہے اور تصانیف کی تعداد بھی بیس سے زائد ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) شیخ کی تصویر (مولانا حسین احمد مدنی کے احوال شیخ الاسلام نمبر کے تناظر میں۔ زمانۂ طالب علمی کی یادگار،)

(۲) الدین المظفر (عربی مع ترجمہ، جھریا مناظرہ کے لئے علمائے دیوبند کی طرف سے پیش کے گئے سوالات کا محققانہ جواب)

(۳) چاند کا مسئلہ نئے مرحلے میں (۱۹۷۹ء میں برطانیہ سے آئے ہوئے سوالات کا جواب جس پر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی تصدیق ہے)

(۴) ازہر قواعد (بچوں کے لئے میزان الصرف اور نحو میر کی طرز پر فارسی کے قواعد)

(۵) ازہر منطق (ابتدائی درجہ کے لئے فن منطق کی آسان کتاب)

(۶) ازہر اصول (اصول فقہ کی آسان کتاب)

(۷) مراسم اہل سنت

(۸) فیصلہ کن مناظرہ کا تحقیقی جائزہ

(۹) قول فیصل (لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا شرعی حکم)

(۱۰) حرف آخر

(۱۱) نذر آخر

(۱۲) اہل قبلہ کی تکفیر

(۱۳) اذان کا مسئلہ۔ وغیرہ

(۱۴) زکوۃ کا اسلامی تصور

(۱۵) امام احمد رضا، حقائق کی روشنی میں

شعر و شاعری: آپ نفیس طبیعت، عمدہ ذوق اور لطیف مزاج کے مالک ہیں جس کی وجہ سے آپ کو شاعری

سے بھی کافی دلچسپی ہے۔ مضطر تخلص فرماتے ہیں، اپنے کلام کی اصلاح حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی سے لی،نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نعت پاک

خدا کے فضل سے حاصل مجھے ایماں کی دولت ہے
مرا سر ہے نبی کا آستاں ہے کیا ہی قسمت ہے
خدائے پاک نے ان کو بنایا صاف آئینہ
نظر آتی ہے اس کو ایسی جس کی جیسی صورت ہے
بلا کر عرش اعظم پر خدا نے ان سے فرمایا
دو عالم میں تمہاری سلطنت ہے بادشاہت ہے

دیگر

خوشا خلد طیبہ کا پر کیف منظر
زہے سبز گنبد کے دل کش نظارے
کبھی شیخ دیکھیں جو طیبہ کا منظر
تو بھولیں وہ جنت کے رنگیں نظارے
دو عالم کو مہکا دیا آج کس نے؟
عرب سے چلا کون زلفیں سوارے؟
بہائے جو عشق محمد میں آنسو
سمٹ آئے دامن میں لاکھوں ستارے
زباں پر یہ اوصاف ہیں کس کے مضطر
ملک چومتے ہیں لبوں کو ہمارے

منقبت

رسول پاک کی اس شہر پر کتنی عنایت ہے
بریلی میں مزار تاجدار اہل سنت ہے
ترا ہر کام سنت ہر سخن تیرا شریعت ہے

اطاعت اے رضا تیری شہِ دیں کی اطاعت ہے
گھٹا چھائی ہے کفر و شرک کی ہر سو زمانے میں
پھر اس دور فتن میں اے رضا تیری ضرورت ہے
عجم سے تا عرب کہتے ہیں جس کو مفتیِ اعظم
وہی خضر طریقت جانشین اعلیٰ حضرت ہے
رہا ہوگا سکندر کوئی اس کو ان سے کیا نسبت
یہ وہ ہیں دوستو! جن کی ہر اک دل پر حکومت ہے

دیگر

دل میں تھا دیکھی نہیں شکل رضا
نارسا کتنا ہوں قسمت دیکھئے
غیب سے ہاتف نے مضطر دی صدا
مفتیِ اعظم کی صورت دیکھئے

معروف اساتذہ کرام: (۱) حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ (۲) حضرت مولانا حاجی محمد مبین الدین رضوی محدث امروہی (۳) امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (۴) حضرت مولانا تحسین رضا خاں بریلوی (۵) حضرت مولانا محمد یونس نعیمی (۶) حضرت مولانا طریق اللہ رشیدی (۷) حضرت مولانا نعیم اللہ رضوی۔

تلامذہ: تقریباً چالیس سال سے آپ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور جہاں ہوتے ہیں علما و طلبا سیلاب کی مانند امنڈ پڑتے ہیں اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی درسگاہ سے کتنے حضرات سیراب ہوئے ہیں، ہر ایک کا شمار کیا جائے تو ایک لمبی فہرست بنے گی ۔انشاء اللہ کسی موقع سے وہ فہرست بھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا تاہم اس وقت جن مشاہیر کے نام یاد آرہے ہیں وہ یہ ہیں:

☆ مفتی آل مصطفیٰ، جامعہ امجدیہ گھوسی ☆ مولانا مسعود عالم رضوی۔ جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج ☆ مفتی قاضی فضل احمد، بنارس ☆ مفتی قاضی فضل رسول، مہراج گنج ☆ حضرت سید مہدی میاں، اجمیر شریف ☆ حضرت مولانا اسید الحق، خانقاہ قادریہ بدایوں ☆ مولانا سید از ہر چشتی پھپھوند ☆ مولانا نوشاد عالم حنفی، کٹیہار ☆ مولانا ارشاد عالم بہیڑی ☆ مولانا افضال، جامعۃ الرضا بریلی شریف ☆ مولانا یاد علی، شاہجہان پور ☆ مولانا شفیق عالم ناگپور ☆ مفتی محمد سلیم، دمکا ☆ ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد ☆ مفتی شرافت حسین رضوی ☆ مفتی حسان رضا نورانی () مفتی آصف رضا، ویشالی ☆ مولانا منظر نواز، بائسی، پورنیہ ☆

مفتی عبدالحلیم نوری ☆ مفتی نور عالم، کھگویا ☆ مولانا احمد حسین مالنگاؤں، اتر دیناج پور ☆ مولانا ماہ زماں نوری، بنگلور ☆ مولانا منظور عالم رضوی، قصبہ نوریہ، پیلی بھیت ☆ مفتی عابد حسین، رائے پور ☆ مولانا ابواللیث رشیدی، پورنیہ ☆ مولانا خواجہ نیر عالم وحیدی، خانقاہ لطیفیہ رحمان پور، کٹیہار ☆ سید مسعود احمد سجادہ نشین خانقاہ کلیمیہ، کٹرا، شاہجہان پور ☆ فقیر راقم السطور محمد مبشر رضا ازہر مصباحی۔ وغیرہ (برسوں کی نجی یادداشتوں کے علاوہ خلفائے مفتی اعظم اور احباب سے استفادہ کیا گیا ہے)

حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی علیہ الرحمہ

آپ کو جملہ فنون پر اس قدر عبور تھا کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ آپ کو کس فن میں کم اور کس میں زیادہ مہارت ہے۔ ماہرین نے آپ کو جس فن کے مقیاس پر اتارا کامل اور اکمل پایا۔ آپ کی شستہ وشائستہ زبان وادب، نکات آفریں تحریر وتقریر، نکتہ رس افکار و خیالات، ملکی وسیاسی حالات پر تعمق نظر، شخصیت ساز پند ونصائح سے پُر تقریر ہر قسم کی لفاظی سے پاک، انداز افہام وتفہیم، قرآن و حدیث کا دقیق سے دقیق مسئلہ سہل زبان ہی زبان میں عوام کو دلنشیں کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے قیام کے بعد مہتمم کی حیثیت سے آپ کو منتخب فرمایا۔ نیز بدمذہبوں کا قلع قمع کرنے کیلئے اہم موڑ پر آپ کو ساتھ رکھا۔ دارالعلوم مخدومیہ سچو باڑی، آسام کے فروغ میں آپ کا نمایاں حصہ ہے۔

ابتدائی تعلیم آبائی وطن گانگی میں ہوئی بعد ازاں دارالعلوم مصطفائیہ درگاہ شریف چمنی بازار آئے۔ وہاں حضرت علامہ مفتی غلام محمد خاں بریلی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی۔ اور امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے گراں قدر اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔ حضرت امام علم وفن چمنی بازار شریف کے بعد بریلی شریف گئے تو آپ کو بھی ساتھ لے گئے۔ پھر جب امام علم وفن دارالعلوم عربیہ سلطان پور تشریف لے گئے تو آپ بھی وہیں چلے گئے اور منتہی کتابیں آپ سے پڑھ کر درسیات سے فراغت پائی اور وہیں ۱۹۷۱ء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔

۱۹۷۴ء میں جب امام علم وفن نے ایشی پوری بھاگلپور میں دارالعلوم فیضیہ نظامیہ کی درسگاہ کو زینت بخشی تو آپ بھی بحیثیت نائب شیخ الحدیث میں تشریف لے گئے اور بے شمار تشنگان علوم کو سیراب کیا۔

آپ کی شادی بھی خواجہ صاحب کے مشورے سے بتیا سعدیپور بائسی میں ہوئی اس شاگرد رشید پر خصوصی توجہ وکرم فرماتے ہوئے آپ کے علم وقدر کے شایان شان بائسی ہی میں مستقل سکونت کا حکم فرمایا آپ کی شادی کے بعد خواجہ صاحب نے دارالعلوم فیضیہ نظامیہ ایشی پور کے اراکین سے لیکر مع اہل خانہ آپ کی رہائش کیلئے علیحدہ انتظام فرمایا۔ آپ کا بڑا صاحبزادہ روح الامین عرف پیارے وہیں پیدا ہوا اور زیادہ تر خواجہ مظفر کے یہاں گزر بسر کیا۔

۱۹۸۴ء تک آپ بھاگلپور میں درس دیتے رہے، بعد ازاں خواجہ مظفر ہی کے مشورے سے دارالعلوم تنظیم المسلمین

بائسی ودارالعلوم وارثیہ لکھنو وغیرہ میں تعلیم دیتے رہے تقریباً ۲۰۰۴ء میں ناخدا مسجد کلکتہ کی امامت کا مسئلہ پیدا ہوا کہ
اہلسنت والجماعت سے ایسا امام چاہئے جو بروقت مفتی، مقرر، مدبر مفکر وسیاسی بصیرت والا ہو جنکی زبان وبیان میں انقلابی اثر
رسوخ ہو۔ ایسے میں ہندوستان کے علماء پر نظر دوڑائی گئی ہر ایک کی نظر آپ پر ٹک گئی وہاں کی امامت کیلئے دارالعلوم وارثیہ لکھنو
چھوڑنا پڑا وہاں آپ کا مقام کسی سیاسی منتری سے کم نہ تھا۔ آپ کے آمد ورفت کیلئے خصوصی گاڑی، محافظت کیلئے حفاظتی دستہ علاوہ
ازیں وطن آنے جانے کیلئے ایئر ٹکٹ کا انتظام حکومت کی طرف سے تھا کلکتہ ہی میں تقریباً ۲۰۰۶ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا تقریباً
ایک سال تک آپ کو گھر بیٹھے تنخواہ آتی رہی بعد ازاں آپ نے اپنی صحت سے معذوری بیان کرتے ہوئے انکار کر دیا جب سے
آپ گھر ہی میں رہنے لگے اور وقتاً فوقتاً حسب ضرورت مختلف اداروں اور شہروں میں دین متین کی خدمات کیلئے تشریف لے
جاتے رہے کٹیہار ڈی ایس کالج کے نزدیک آخری عمر تک عیدین کی امامت فرماتے رہے آخر وقت میں مرض کے باعث عید
الاضحیٰ کی امامت کیلئے نہ جاسکے اور اسی مرض میں ذی الحجہ کی دسویں تاریخ گزرتے ہوئے غروب آفتاب کے وقت آپ کی جان
جان آفریں کے سپرد ہوگئی اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے اظہار خیال کے مطابق مسلمانوں کی عام قبرستان چوپڑا میں سپرد خاک
کیا گیا امام علم وفن کو اس شاگرد رشید وعزیز سے اس قدر قلبی لگاؤ تھا کہ وفات کی خبر پاتے ہی غم واندوہ میں ڈوب گئے اور مدرسہ
سے آنے میں غم ناک انداز میں تعزیت کیلئے مفتی صاحب کے گھر پر تشریف لے آئے اور آپ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور پھر چہلم کے
بعد اپنی پوتی کا عقد مفتی صاحب کے تیسرے صاحبزادے سلمان رضا سے بھی کر دیا۔

دوسرے سال ۱۴۳۴ھ میں مفتی صاحب کیلئے سالانہ فاتحہ کا اہتمام کرنا تھا مگر عید الاضحیٰ کے دن طلبہ کے فقدان کے
باعث ۱۴ ذی الحجہ کو رکھا گیا بعد نماز فجر مختلف مدارس کے طلبہ علماء ومعززین شہر کو آکر قرآن پڑھنا تھا کہ ٹھیک اسی تاریخ کی صبح ۳
بجکر ۲۰ منٹ میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔
راقم الحروف: ابوالمحاسن صبغۃ اللہ رشیدی مصباحی خادم مدرسہ فیض عام پھرپانی (پورنیہ)

مولانا سید محمد ہاشمی اشرفی جیلانی

مقام کچھوچھ شریف ضلع امبیڈکر نگر یوپی میں پیدا ہوئے: آپ دنیائے سنیت کے ساحر البیان، فصیح اللسان بین الاقوامی
شہرت یافتہ خطیب، مدبر اور مفکر ہیں، تقریباً پچھلے چار دہائیوں سے خطابت کے افق پر سورج بن کر نمودار ہیں، ملک وبیرون ملک
خطابت کا لوہا منوا چکے ہیں، میدان خطابت کی تشکیل نو اور تعمیر جدید میں آپ کا کلیدی رول ہے، نئی نسل کے بے شمار مقررین آپ
کو اپنا آئیڈیل مانتے ہیں، آج بھی جہاں ہوتے ہیں خطابت کے افق پر بدر کامل بن کر چھا جاتے ہیں، جہانگیری تجربات کے
حامل اور مناظرانہ لب ولہجہ کے خطیب ہیں۔ آپ کی خطابت سے بدعقیدوں کے درمیان کہرام برپا ہو جاتا ہے۔

مولانا رحمت حسین کلیمی

اپنے عہد کے ذہین وفطین اور درس وتدریس کے ماہر رہے ہیں وہ سلسلہ کلیمیہ کے مرید اور صدر العلما حضرت علامہ مفتی تحسین رضا محدث بریلوی کے خلیفہ تھے، خانوادۂ رضویہ سے نہ صرف عقیدت رکھتے، بلکہ حسب ضرورت خانوادۂ رضویہ کے سپوت کا تبلیغی دورہ کراتے تھے، جس سے ہزاروں گم گشتگان حق سنیت کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں پاپیصد رہ پوسٹ بائسی ضلع پورنیہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ قمرگنج کمہرواباسی اور دارالعلوم حمایت الاسلام سنگھیا بائسی میں حاصل کی، پھر منظر اسلام بریلی شریف روانہ ہوئے جہاں امام علم وفن پہلے سے جلوہ فگن تھے، وہاں ان سے خوب خوب مستفید ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں فضیلت کی دستار لے کر وطن مالوف لوٹ آئے، کچھ دن تجارت سے بھی جڑے رہے۔ پھر تدریس، تبلیغ اور تعمیر مسلک کو اپنا مشغلہ بنالیا، صیانت مذہب، حمایت ملت، اشاعت دین کے لیے ہر لمحہ تیار رہتے، حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری کی نظر میں بے حد مقبول ومحبوب تھے، حضرت کلیمی صاحب کے صاحب زادے مولانا کاظم رضا وجد نعیمی مہتمم دارالعلوم تنظیم المسلمین نے فرمایا: ''ایک موقع سے حضرت تاج الشریعہ نے خلافت کی پیش کش کی تو والد گرامی نے فرمایا کہ: مجھے خلافت کی تمنا نہیں ہے بس تمنا یہی ہے کہ ایمان پر خاتمہ ہو، اس لیے آپ میرے حق میں دعا فرمادیں کہ فقیر کا خاتمہ ایمان پر ہو، تو آپ نے پھر دعائیں کیں،،۔ پوری زندگی مسلک اعلی حضرت کی ترویج واشاعت اور اس کے فروغ واستحکام میں گزار دی۔ دن میں تدریسی خدمات پر مامور ہوتے اور رات میں قرب وجوار کے گاؤں میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے۔ ہر لمحہ فروغ سنیت کی فکر دامن گیر رہتی۔ فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی، حضرت مولانا عبدالعزیز رضوی، حضرت مولانا اختر حسین رضوی کے ساتھ مل کر تنظیم المسلمین قائم کی اور اسے اہل سنت کا مرکز قرار دیا۔ روز قیام سے اپنی وفات تک اس کے مہتمم رہے۔ نئی نسل کے بہت سے علما مثلاً ہندوستان کے مشہور نعت گو شاعر مولانا عسجد رضا مصباحی جنتا ہاٹ، مولانا حسنین رضا نعیمی کمہروا، مولانا نور عالم نوری کمہروا، مولانا سعید الرحمن قادری نعیمی آبجہ، مولانا تنویر ارشد رشیدی تاڑاباری، آپ کے صاحب زادے مولانا کاظم رضا وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ فقیر راقم الحروف کو بھی آپ سے اکتساب علم کا شرف حاصل ہے، پورے علاقہ میں آپ علی الاطلاق مہتمم صاحب، اور علمبردار اہل سنت سے معروف تھے ۲۰۰۵ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ/ ۲۳ر جنوری ۲۰۰۷ء بروز منگل مختصر علالت کے بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ تنظیم المسلمین کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

حکیم الملت مفتی ناظر اشرف قادری

عہد حاضر کے جلیل القدر عالم دین ،کہنہ مشق مفتی ،وسیع المطالعہ محقق ، ،مدبر، مفکر ،مبلغ ، ناقد ،منتظم ،مفتی اعظم ہند کا عاشق مرید، امین شریعت حضرت سبطین میاں قادری اور تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری کے خلیفہ ہیں۔ ناگپور میں حکیم الملت اور مناظر اہل سنت سے مشہور و معروف ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں ایل، آر، پی چوک سے تقریباً تین کیلومیٹر جانب مشرق بھدیسر گاؤں علاقہ بہادر گنج ضلع کشنگنج بہار میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں دار العلوم فیضیہ ایشی پور، بھاگل پور بہار سے فضیلت کی فراغت پائی۔ میری حرمان نصیبی ہے کہ براہ راست فقیر کی ان سے اب تک ملاقات نہیں ہوسکی ،لیکن آپ کے مضامین جو ہندوستان کے رسالوں کی زینت بنتے رہتے ہیں اس سے ضرور مستفیض ہوتا ہوں اور اسی سے متعارف بھی ہوں، اور اب اس اجمالی تعارف کے بہانے سے بذریعہ فون شرف کلام حاصل ہوا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ درجن کے قریب ہے جن میں سے التنویر شرح نحو میر ، نبی معصوم ، مفتی اعظم فقیہ اعظم ، برق الٰہی بر انتخاب قدیری، علمی ادبی اور تحقیقی دنیا میں غیر معمولی مقبول و مشہور ہوئی ، اس کے علاوہ تقریباً ایک درجن کتابیں اور تقریبا پچاس مقالات ہیں جو آپ کے قلمی شاہکار اور تحقیقی صلاحیتوں کا منہ بولا ثبوت ہیں۔ ہندوستان کے مشاہیر مدارس میں مختلف عہدوں پر تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ مثلاً: دار العلوم غریب نواز الٰہ آباد، دار العلوم سنیہ حنفیہ مالیگاؤں، دار العلوم بغدادیہ شطرنجی پورہ ناگپور وغیرہ۔ آپ دار العلوم رضائے مصطفیٰ بھنڈارہ کے سر پرست اور دار العلوم اشرفیہ رضویہ سیونی کے صدر و متولی بھی ہیں۔ بحث و مناظرہ سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ کامٹی ناگپور میں اقامت کے موضوع پر، بالا گھاٹ ایم پی میں اذان قبر اور بدعت کے موضوع اور سندور بد مذہبوں کے اعتراضات پر کامیاب مناظرہ کر چکے ہیں، تادم تحریر دار العلوم اعلی حضرت ناگپور جس کے خود بانی ہیں اور صدر بھی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تحقیق ،تصنیف ،تبلیغ سے بھی وابستہ ہیں۔

شیخ المعقولات مفتی عبد الحکیم نوری مہراج گنجوی

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کے تلامذہ کثیر ترین ہیں ہم یہاں مشرقی یوپی کے ایک نامور شاگرد کا بطور اختصار تذکرہ کر رہے ہیں۔

نام وطن :۔ عبد الحکیم بن اصغر علی بن حسن علی قدیم بستی اور دور حاضر کے سدھارتھ نگر ضلع کے ایک چھوٹے گاؤں میں ۱۰ / جنوری ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے اور جب سخن آوری کی عمر ہوئی تو بسم اللہ خانی کی رسم ادا کی گئی۔

تعلیم و تربیت :۔ آپکی ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا رخ کیا جہاں جماعت سادسہ تک کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد امام علم وفن کی بارگاہ میں دار العلوم فیضیہ نظامیہ ایشی پور بھاگل پور بہار میں حاضر ہوئے مکمل

دوسال امام علم وفن سے اکتساب علم وفن کرتے رہے اور خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ اور منطق وفلسفہ اور ہیئت ومناظرہ میں کمال حاصل کیا مدرسہ سے گھر واپس ہونے کے بعد والد گرامی کے حسب حکم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا رخ کیا اور بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف کی تکمیل کی اور ۱۹۸۲ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے آپ اپنے اساتذہ میں دو شخصیتوں سے زیادہ متاثر رہے (۱) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان مبارکپوری علیہ الرحمہ (۲) امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ۔

تدریسی خدمات:۔ فراغت کے بعد آپ نے متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی مگر دو جگہوں پر تدریسی خدمات انجام دینے میں کامیابی کی منزلوں پر فائز ہوئے (۱) حضرت بحر العلوم مبارک پور سے شمس العلوم گھوسی رونق افروز ہوئے تو آپ کو طلب فرمایا جہاں شیخ المعقولات کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ حضرت بحر العلوم کی خدمت انجام دیتے اور فقہ وحدیث میں محنت وجانفشانی کے در کمال حاصل کیا۔

(۲) حضرت امام علم وفن جب بدایوں شریف سے چرہ محمد پور جلوہ گر ہوئے تو آپ کو طلب فرمایا جہاں حدیث وتفسیر اور فقیہ اسلامی کا درس دینے کے ساتھ افتاء ومناظرہ میں کمال حاصل کیا۔

روداد مناظرہ:۔ حضرت امام علم وفن کی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی باطل طاقت سر اٹھائی تو اسے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتارنے میں کسی تکلف کے بغیر زبان وقلم کا استعمال کرتے غالبا ۱۹۸۳ء میں جب حکومت سعودیہ نے کنز الایمان پر پابندی عائد کی تھی تو بلا تکلف آپ نے "باطل کا پوسٹ مارٹم" تحریر فرمایا ابھی چند ماہ قبل الہ باد کے محب الرب نامی غیر مقلد نے "وسیلہ اور شفاعت شرک ہے" نامی کتاب لکھی تو آپ نے "وسیلہ اور شفاعت قرآن وحدیث کی روشنی میں" تحریر فرما کر سیکڑوں کے شکوک وشبہات کو دفع کیا۔ ہونہی غیر مقلدوں اور قادیانیوں سے متعدد مقامات پر کامیاب مناظرے کئے۔

تصنیف وتالیف:۔ یوں تو آپ زمانۂ طالب علمی سے مضامین ومقالات تحریر فرماتے رہے مگر بدایوں شریف سے ماہ نامہ مظہر حق کی ادارت اور بمبئی سے مفتیٔ اعظم مگزین کی ادارت سے آپ کو اہل قلم کے فہرست میں نمایاں مقام حاصل ہوا، جب آپ پر انسانیت کے دشمنوں نے چار سال قبل قاتلانہ حملہ کر دیا اور آپ چلنے سے بہت حد تک معذور ہو گئے تو آپ نے قرطاس و قلم کو سرمایۂ حیات بنا لیا صبح سے شام تک تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں ۲۰۱۳ء میں پانچ کتابیں کچھ مطبوع اور کچھ طباعت واشاعت کی منزلیں طے کر رہے ہیں بعض اہم تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سیرت امام اعظم

(۲) تاج الفحول حیات وخدمات

(۳) بد مذہبوں کے چودہ سوالوں کا تحقیقی جواب

(۴) نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت

(۵) جلوۂ صابر

(۶) وسیلہ وشفاعت قرآن وحدیث کی روشنی میں

(۷) سوانح مخدوم ملت سید عظیم الدین وارثی

(۸) غیر مقلد کے سوالوں کا دندان شکن جواب

(۹) تین ہم عصر اولیاء کرام

(۱۰) غیر مقلدوں کے پانچ امام۔

بیعت وخلافت:۔ زمانہ طالب علمی میں قطب عالم سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور ۱۹۸۷ء میں مرکز اہلسنت منظر اسلام کے شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمد عارف صاحب قبلہ سے خلافت واجازت سے نوازے گئے اور ۱۹۹۹ء میں حضور تاج الشریعہ دام ظلہ العالی نے خلافت سے نوازا اور ۲۰۱۰ء میں وارث پنجتن سید شاہ تکیہ حسن علیہ الرحمہ نے سلاسل خمسہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔××××××

حضرت علامہ سید انور میاں چشتی

یگانہ روزگار، ماہر علوم وفنون، خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ جماعت اہل سنت کے ان علما میں سے ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علوم وفنون سے صرف ایک واسطے سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلمیذ رشید ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ علم وادب کے علمی فیضان سے جن نفوس قدسیہ نے خوب خوب سیرابی حاصل کی ان میں ایک محترم نام خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی دام ظلہ کا بھی ہے۔آپ نے ملک العلما کی درس گاہ سے معقول ومنقول کے متعدد فنون میں کامل مہارت حاصل کی، خصوصا علم جفر وتکسیر اور ہیئت وتوقیت وغیرہ فنون میں اپنے اقران میں امتیازی حیثیت کے حامل ہوئے۔خواجہ صاحب کا شمار دور حاضر کے اکابر علما میں ہوتا ہے،۔علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں آپ کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی تدریسی خدمات تقریبا نصف صدی کو محیط ہیں آپ کی درس گاہ کے علمی فیضان سے مشرف ہونے والوں کی بڑی تعداد ہے، مختلف اداروں میں تدریس کے دوران مختلف علاقوں کے ہزاروں طلبہ آپ کے چشمہ علم وفضل سے سیراب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ آج ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند بھی مختلف ممالک میں علمی ومذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔خواجہ علم وفن کے ان تلامذہ میں جنہوں نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی اور علم وفن کی نشر واشاعت نیز دین ومذہب کی ترویج وتبلیغ کے تعلق

گراں قدر خدمات انجام دیے ان میں ایک باوقار نام گل گلزار چشتیت، محسن قوم وملت حضرت علامہ الحاج شاہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ کا ہے۔ ذیل کے سطور میں خواجہ علم وفن کے اسی باکمال تلمیذ کا اجمالی تعارف اور ان کے دینی ومذہبی خدمات کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ممدوح گرامی حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ مودودی سادات کے ایک مقدس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ اعلم العلما حافظ بخاری حضرت علامہ شاہ سید خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی قدس سرہ صدر مجلس علماے اہل سنت ۱۲۹۳ھ میں گمراہیت وبد مذہبیت کی تردید وابطال اور دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے آبائی قصبہ سہوان ضلع بدایوں سے ہجرت کر کے پھپھوند ضلع اٹاوہ (موجودہ ضلع اوریا) تشریف لائے تھے۔ سادات کرام کے اس مقدس خانوادہ سے دین ومذہب کی تبلیغ واشاعت کا بڑا کام ہوا۔ مغربی اتر پردیش کی عوام کے ایک بڑے طبقہ نے اس خانوادے سے وابستہ ہو کر اپنے ایمان عقیدے کی حفاظت کی، الحمد للہ آج بھی اس خانوادے کے ذریعہ وسیع پیمانے پر دین کا کام ہو رہا جس کی تفصیل مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ نے ابتدائی تعلیم آستانہ عالیہ پر اپنے والد ماجد حضرت اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے حاصل کی، پھر آپ کے حکم سے حضرت مفتی اعظم کان پور حضرت علامہ رفاقت حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے، کچھ عرصہ بعد مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ، مدرسہ منظر حق ٹانڈہ کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے خواجہ علم حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی خدمت میں مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف پہنچے، یہ خواجہ صاحب کی تدریسی جولانیت کا زمانہ تھا طلبہ مختلف علاقوں سے کشاں کشاں خواجہ صاحب کی درسگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ کے علم وفضل سے مستفیض ہوتے۔ حضرت علامہ سید انور میاں صاحب قبلہ فطری طور پر ذہین اور عزم وارادے کے پختہ واقع ہوئے ہیں، آپ عہد طالب علمی ہی سے علم وفن کے دلدادہ تھے، مدرسہ فیض الرسول میں آپ کا شمار ذہین اور زیرک طلبہ میں ہوتا، اپنے اوقات تعلیمی مصروفیات میں صرف کرتے، اپنے اساتذہ زیادہ سے مستفیض ہونے کے لیے آپ کوشاں رہتے۔ فطری ذہانت نے اپ کی صلاحیتوں میں چار چاند لگا دیا تھا۔ خاندانی شرافت ونجابت اس پر مستزاد، ان سب چیزوں نے آپ کو اساتذہ کی بارگاہ میں مقبول بنا دیا تھا، اساتذہ اور ذمے داران ادارہ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کے علم وعمل اور اخلاق وکردار پر کامل اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے دوران تعلیم ہی مدرسہ فیض الرسول میں درجہ فضیلت کے طلبہ کو "تصریح" کا درس دیا کرتے تھے۔ مدرسہ فیض الرسول براؤں میں حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے علاوہ حضرت مولانا عبد المصطفی اعظمی، حضرت مفتی جلال الدین امجدی، مفتی قدرت اللہ رضوی رحمہم اللہ سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا۔ کچھ مدت بعد جب امام علم وفن مدرسہ فیض الرسول سے مستعفی ہو کر دار العلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لائے تو آپ بھی

دار العلوم غریب نواز الہ آباد آگئے ایک عرصہ تک یہاں بھی امام علم وفن کی بارگاہ سے اکتساب علم وفن کرتے رہے۔ یہاں بھی آپ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے طلبہ واساتذہ کے مابین یکساں مقبول رہے، خواجہ صاحب کے خصوصی توجہات کے سبب مختلف علوم فنون میں خاص کمال حاصل کرلیا۔ خواجہ علم وفن جب کچھ عرصے بعد درالعلوم غریب نواز سے مستعفی ہوکر دوبارہ مدرسہ فیض الرسول براؤں تشریف لے گئے تو علم وفن کے شیدائی خواجہ علم وفن کے یہ شاگرد پھر فیض الرسول پہنچ گئے۔ درس نظامی کی تکمیل اسی ادارے سے کی، یہیں سے دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد آپ نے عملی میدان میں قدم رکھا، تو سب سے پہلے مدرسہ قادریہ بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بے پناہ قائدانہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، صبر وضبط، فکر وتدبر اور معاملہ فہمی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ نے اپنے دور نظامت میں مدرسہ قادریہ بدایوں میں علمائے کرام کی ایک ایسی ٹیم تیار کرلی تھی جن میں ہرایک اپنے علم وعمل کے اعتبار امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ، مناظر اہل سنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی، نمونہ سلف مصلح قوم ملت حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی، عالم نبیل حضرت قاضی شہید عالم مصباحی اس وقت مدرسہ قادریہ کے اساتذہ میں تھے، گویا معقول ومنقول اور فقہ وافتا کے شہسوار چوٹی کے علما کو آپ نے ایک ادارے میں جمع فرمالیا تھا، اس وقت مدرسہ قادریہ میں کیسا علمی ماحول رہا ہوگا اس کا بس تصور کیا جاسکتا ہے۔ مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ نظامت کی تمام ترذمے داریوں کے باوجود مدرسہ قادریہ کے طلبہ کو منتہی درجات کے طلبہ کو ''تصریح'' کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

پھپھوند شریف میں خانقاہ عالیہ صمدیہ کے احاطے میں جامعہ صمدیہ کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد پڑ چکی تھی اور تعلیمی سلسلہ بھی جاری تھا، بعد میں جب ادارے کی توسیع کا خیال ہوا، تو آستانہ عالیہ سے باہر ایک وسیع وعریض زمین میں ادارے کو منتقل کیا گیا، آپ نے اپنے والد ومرشد کے حکم کے مطابق اس ادارے کی ذمے داریاں سنبھال لیں۔ اس وقت سے آج تک نہایت اخلاص ولگن کے ساتھ جامعہ کی تعمیر وترقی میں شب وروز مصروف عمل ہیں۔

جامعہ صمدیہ کے لیے آپ کی مخلصانہ جدوجہد اور اس ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے آپ کی جاں فشانیوں کا نتیجہ ہے کہ چودہ پندرہ برس قبل جس ادارے نے ایک جھونپڑی میں درجہ حفظ کے چند طلبہ کی تعلیم سے اپنے سفر کا آغاز کیا آج وہ معمولی ادارہ ایک معیاری درس گاہ کی شکل میں ایک وسیع وعریض سہ منزلہ عمارت میں منتقل ہو چکا ہے۔ طالبان علوم نبویہ کی ایک بڑی جماعت ہے، ذی صلاحیت، متحرک اور فعال اساتذہ کی ایک ٹیم ہے، معیاری تعلیم اور عمدہ نظم ونسق ہے، یہ ساری بہاریں آپ ہی کے دم قدم سے ہیں۔ ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں وسرگرداں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکر رسا سے نوازا ہے، آپ کا منشا یہ ہے کہ جامعہ صمدیہ ایک ایسا مثالی ادارہ ہو جس کا ہر فارغ دین کا سچا خادم بنے، تعلیم کے ساتھ تربیت کے زیور سے آراستہ ہو

آراستہ ہو، علم کے ساتھ عمل کا بھی خوگر ہو، آپ اکثر ادارے کے صدرالمدرسین و شیخ الحدیث حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی دام ظلہ سے فرمایا کرتے ہیں کہ میرا مقصد طلبہ کی ایک بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں ہے، جامعہ میں چند ہی طلبہ کیوں نہ ہوں لیکن انہیں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر ہونا چاہیے۔

یوں تو مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ جامعہ صمدیہ کے ناظم و سربراہ ہیں لیکن مدارس کے عام ناظموں والی کوئی صفت ان کے اندر نہیں ہے، آج نظمائے مدارس کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اکثر مدارس کے ناظم اپنے مدارس کے اساتذہ کو اپنا خادم اور مدرسے کا مزدور سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا ایک عام آدمی اپنے بندھوا مزدور سے کیا کرتا ہے۔ اس صورت حال نے مدارس اور اساتذۂ مدارس کے وقار کو کتنا مجروح کیا ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جاہل نظمائے مدارس علماء کی قدر و قیمت نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں علم و آگہی سے کوئی سروکار ہے وہ تو مدارس کو صرف اپنی جاگیر (آمدنی کا ذریعہ) اور اساتذۂ مدارس کو اپنی رعیت سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ چوں کہ خود بھی عالم و فاضل اور ایک تجربہ کار استاذ ہیں اس لئے علماؤ اساتذہ کی اہمیت خوب سمجھتے ہیں، جامعہ صمدیہ کے اساتذہ جس مقام و مرتبے کے مستحق ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ نوازتے ہیں۔ اپنے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح برتاؤ ان کی فطرت ہے۔ معاملات میں شفافیت اور اصول پسندی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ انجمن چشتیہ کے تحت چلنے والے اداروں میں کروڑوں کا آمد و خرچ ہے، لیکن حساب و کتاب میں کہیں بھی کوئی پیچیدگی نہیں مل سکتی، ہر سالانہ عرس حافظ بخاری کے موقع پر سال بھر کے آمد و خرچ کا حساب قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اپنے جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کا ہر حال میں خیال ان کی قرار واقعی حیثیت کا لحاظ کوئی ان سے سیکھے۔ جامعہ صمدیہ کا ماہانہ خرچ لاکھوں میں ہے، تعمیری اخراجات اس پر مستزاد لیکن آج تک کبھی بھی کسی استاذ کو چندے کے لیے نہیں بھیجا، اور نہ عام مدرسوں کی طرح کسی طالب علم کو رسید تھمائی۔ ان کا ماننا ہے کہ اساتذ کا کام تعلیم و تدریس ہے نہ کہ چندے کی رسید لے کر اہل ثروت کی کوٹھیوں کا طواف، اخراجات کا سارا انتظام خود ہی دیکھتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مدرس کی ایک مہینے کی تنخواہ بھی ادا کرنے میں ہفتہ عشرہ کی تاخیر ہوتی ہو، بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات قرض کی بھی نوبت آئی ہے، لیکن مقررہ وقت پر اساتذہ کو تنخواہ ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ ضرورت کے وقت اساتذہ پیشگی تنخواہیں بھی لے لیا کرتے ہیں

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ رجسٹرڈ کے سربراہ بھی ہیں، اس انجمن کے زیر اہتمام جامعہ صمدیہ کے علاوہ اور بھی تین ادارے، فیوض صمدیہ ہائی اسکول، فیوض صمدیہ جونیر ہائی اسکول اور مکتب اسلامیہ چل رہے ان تمام اداروں کی نگرانی اور ان کا انتظام انصرام آپ ہی فرماتے ہیں۔ آپ کے بیشتر اوقات ان داروں کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے سفر میں گزرتے ہیں،۔ علالت و نقاہت کا خیال کیے بغیر ہمہ دم تگ و دو میں لگے رہتے ہیں،

آپ کے بے پناہ اخلاص کا نتیجہ ہے کہ انجمن چشتیہ مصباحیہ کے زیر اہتمام یہ تمام ادارے پورے شان وشوکت کے ساتھ چل رہے ہیں اور دینی وعصری علوم کا فروغ ہو رہا ہے۔

آپ کے علمی کمالات اور گوناگوں اوصاف کے تفصیلی تذکرے کے لیے صفحات درکار ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضرت کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے اور حضرت علمی ودینی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

بجاہ حبیبہ الکریم

(۷) مولانا ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

عصر حاضر کے معروف عالم دین، بلند پایہ محقق، مفکر، ناقد، عربی، اردو اور فارسی کے انشاپرداز ادیب، علامۂ وقت اور ایک عظیم اسلامی دانشور ہیں، ۱۱ ردسمبر ۱۹۶۲ء میں جائس، ضلع رائے بریلی یوپی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد درس نظامیہ کی اعلیٰ تعلیم دار العلوم غریب نواز الہ آباد/ جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ/ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں حاصل کی اور ان تینوں مقامات میں امام علم وفن سے خوب خوب اکتساب کا موقع ملا، ۱۹۸۱ء میں دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف سے فضیلت کی تکمیل ہوئی، اعلیٰ علوم کے لیے عصری جامعات کا رخ کیے، اور ۲۰۰۴ء تک تلاش وجستجو کے میدان میں سفر کرتے رہے، اس دوران ہند اور بیرون ہند کے متعدد تعلیمی اداروں سے اکتساب علم کا سلسلہ جاری رہا مثلاً بی. اے، ایم. اے لکھنؤ یونیورسٹی (۸۶/۱۹۸۴ء) بی. اے. ایم. اے. لیبیا (۹۱/۱۹۹۰ء) / ـ نیٹ (۱۹۹۷ء) اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ''اردو زبان و ادب پر عربی کے اثرات،، کے موضوع پر پی ایچ ڈی (۲۰۰۴ء)، ڈیڑھ درجن کتابیں آپ کے قلمی شاہ کار اور آپ کے تصنیفی و تحقیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں، دینی اور عصری علوم پر یکساں واقفیت رکھتے ہیں، تحقیقی، تنقیدی موضوعات پر آپ کے تقریباً ۶۰ مضامین ہند وبیرون ہند سے شائع ہو چکے ہیں، منکسر المزاج، عالمانہ وقار، بلند ذوق، تحقیقی نظر، وسعت مطالعہ، کشادہ قلب، اور بلند اخلاق کے مالک ہیں، ہند وبیرون ہند (مارشش، کناڈا، لیبیا، پاکستان، بنگلہ دیش) کے علمی، سماجی، مذہبی، سوانحی اور شرعی سیمیناروں میں شریک ہو چکے ہیں، ابتک ۲۲ رنیشنل اور ۱۳ رانٹرنیشنل سیمیناروں میں شریک ہو چکے ہیں، ان کی رائے کی قدر ہوتی ہے، ان تمام اوصاف جمیلہ کے باوجود خانقاہی مزاج رکھتے ہیں، ایک زمانہ تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر رہے چکے ہیں اور فی الوقت مولانا ابو الکلام آزاد یونیورسٹی حیدر آباد میں پروفیسر ہیں۔ آپ کی تصانیف وتراجیم میں سے 'بین اللغة العربیه و الاردویه، ذخائر الحسنات، قرآن میں معرب الفاظ، التذکرہ، حسن المولد للسیوطی، الرواج الذکیه، مولد رسول الله لابن کثیر، شمامة العنبر فیما ورد فی الهند سید البشر، فصول فی التعریف بالهند العربیه، وغیرہا محققین کی نظر میں کافی مقبول ہوئیں۔

مفتی عارف حسین رضوی

جماعت اہل سنت کے قابل افتخار اور باصلاحیت عالم دین ہیں، سیدنا حضور مفتی اعظم ہند کے مرید اور امام علم وفن کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں آپ کی ولادت ۱۹۵۷ء میں گانگی ضلع کشنگنج بہار میں ہوئی، ۱۲ر سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ۱۹۶۹ء میں برادر اکبر مفتی ایوب مظہر کے ہمراہ سلطان پور آئے، جہاں آپ نے گلستان، بوستاں، کی تعلیم شروع کی، امام علم وفن کے شاگردوں میں آپ کی مثال اس اعتبار سے منفرد نظر آتی ہے کہ آپ نے ابتدا تا انتہا تمام کتابیں خواجہ صاحب سے یا خواجہ صاحب کی نگرانی میں پڑھیں، ۱۹۷۴ء میں خواجہ صاحب بھاگلپور تشریف لائے اور آپ بھی خواجہ صاحب کے ہمراہ آگئے ۱۹۷۷ء میں فضیلت کی دستار ہوئی، اس کے بعد ہی سے تدریس سے جڑ گئے، تدریسی خدمات کی تفصیل اس طرح ہے: پورنیہ سے متصل شری نگر میں ایک سال (۱۹۷۸ء) جامعہ اشرفیہ چھوٹی تکیہ بہرائچ شریف دو سال (۷۹،۸۰) دارالعلوم فیضیہ ایشی پور بھاگل پور بہار خواجہ صاحب کی معیت میں دو سال (۱۹۸۱ء،۸۲) (مولانا مظفر حسین رضوی/ مولانا معصوم اکبر اشرفی دارالعلوم محمدیہ بمبئی نے یہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا) ۱۹۸۲ء کے اواخر میں مظہر اسلام بریلی شریف تشریف لائے، جہاں بحیثیت استاذ اور مرکزی دارالافتا کے مفتی کی حیثیت سے ایک سال تک دین کی خدمات انجام دیتے رہے پھر ۱۹۸۳ء میں گھر واپس آئے اور مدرسہ چمن مصطفیٰ تیگھر یا علاقہ بہادر گنج ضلع کشنگنج ملحقہ بہار حکومت میں بحیثیت مدرس منتخب ہوئے اور ۲۰۰۸ء میں صدر المدرسین کا عہدہ خالی ہوا تو اراکین ادارہ کی خواہش پر صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے اور تادم تحریر اسی عہدہ پر فائز ہو کر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں کوشاں ہیں۔

مفتی عبدالحلیم نوری بن منشی عطاء الرحمن مرحوم

آپ پابند شرع عالم دین، کہنہ مشق مفتی اور کامیاب صدر المدرسین ہیں، آپ کی پیدائش ۱۹۵۵ میں چونکی ہری پور پوسٹ چونکی ہاٹ ضلع کٹیہار میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ بدرالعلوم چونکی کٹیہار میں پائی پھر مدرسہ اسلامیہ قمرگنج کمہر وابائسی میں داخل ہوئے جہاں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کے مطابق درجۂ فوقانیہ اور مولوی کی مکمل تعلیم مولانا رحمت حسین کلیمی، مولانا ظہور احمد، مولانا ظہیر الدین دھنگواں، مولانا معین الدین پانیصدرہ اور ماسٹر قمر ہرنتور سے حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم نظامیہ فیضیہ ایشی پور ضلع بھاگلپور امام علم وفن کی خدمت میں حاضر ہوئے درس نظامیہ کے مطابق ثالثہ سے لیکر سابعہ تک کی مکمل کتابیں پڑھیں، درج ذیل اساتذہ سے خوب خوب استفادہ کرتے رہے امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، مفتی مطیع الرحمن مضطر، مفتی ایوب مظہر، علامہ مشتاق احمد اور، مفتی ہاشم ہریپوری۔ پھر ایک سال کیلئے جامعہ نعیمیہ مرادآباد گئے ۲۱ر ستمبر ۱۹۸۱ء میں فضیلت کے دستار سے شرف یاب ہوئے یہاں شیخ طریقت علامہ شیخ طریق اللہ، مفتی ایوب نعیمی، علامہ ہاشم صاحب، مولانا

ممتاز صاحب، اور مولانا یامین نعیمی سے استفادہ کا موقع ملا۔

تدریسی خدمات: متعدد مدارس اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں اور تادم تحریر دار العلوم رحمانیہ تیغیہ نگرہ چھپرہ بہار میں صدر المدرسین اور نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ جہاں رہے صدارت کی زینت بنتے رہے، تدریسی خدمات کا مختصر اجمال اس طرح ہے مدرسہ بدر العلوم قصبہ شیش گڑھ بریلی تین سال (۸۱،۸۲،۸۳ء) بحیثیت صدر المدرسین / مدرسہ بدر العلوم جسپور نینی تال ایک سال (۱۹۸۴ء) بحیثیت صدر المدرسین / مدرسہ غوثیہ اسلامیہ راجن ضلع جموں ایک سال (۱۹۸۵ء) بحیثیت صدر المدرسین / دار العلوم اجمل العلوم سنبھل سات سال (۱۹۸۶ء) بحیثیت صدر المدرسین / جامعہ اشرفیہ احسن العلوم مان پور چھپرہ چھ سال (۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۸ء) اور ۱۹۹۸ء سے تادم تحریر دار العلوم رحمانیہ تیغیہ نگرہ چھپرہ بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ حضور مفتی اعظم ہند کے مرید اور امین ملت سید امین میاں برکاتی مدظلہ العالی کے خلیفہ ہیں جبکہ باضابطہ تعویذ کی اجازت معمار ملت مولانا شبیہ القادری مظفر پوری سے حاصل ہے یہ الگ بات ہے کہ تعویذ آپ آٹھ سال کی عمر سے لکھ رہے ہیں، قلمی خدمات میں فتاوے کے تین غیر مطبوعہ رجسٹر ہیں۔ آپ کے تلامذہ کے تعداد دو سو سے زائد ہے، مولانا جمال الدین، مولانا توفیق احمد شیشی گڑھ، خطیب الہند مولانا سہیل احمد قادری، مولانا نثار احمد اور مولانا امام الدین مشہور شاگردوں میں سے ہیں

تقوی و طہارت، صبر و رضا، حلم و حیا، شرافت و عنایت، زہد و ورع اور تواضع و خاکساری آپ کا طرۂ امتیاز ہے، دعا تعویذ اور پند و نصائح میں اثر رکھتے ہیں، چہرے ہی سے خشیت الٰہی، عشق مصطفیٰ اور خوف آخرت کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے، دنیا اور دنیا داروں سے بے رغبتی رہتی ہے۔ خلاف شرع امور کو برداشت نہیں کرتے ہیں۔ صوفیانہ مزاج کے حامل ہیں، سادگی پورے وجود پر چھائی رہتی ہے

مولانا مختار الحسن بغدادی بن علامہ محمد حنیف علیہ الرحمہ

عصر حاضر کے بہتریں قائد، تجربہ کار مدرس، عربی کے انشا پرداز ادیب، جماعت اہل سنت کے معروف عالم دین مظہر ملت علامہ (محمد حنیف) صاحب قبلہ قادری علیہ الرحمہ (مرقد انور، دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا) کے جانشین، کلیۃ الادب دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد کے صدر، جامعہ اقرا، اقرا کامپلیکس سدھارتھ نگر یوپی کے سربراہ، کلیۃ البنات المیمونہ مولانا کالونی چیلا چھاونی فیض آباد کے بانی و سربراہ اعلیٰ، دار العلوم نیازیہ قادریہ فیض آباد کے ناظم تعلیمات، دار العلوم مدینۃ العربیہ قصبہ دوست پور سلطانپور یوپی کے شیخ الحدیث و پرنسپل، حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ اور تاجدار روحانیت علامہ سید انیس اشرف صاحب کے خلیفہ و مجاز ہیں، علماء کے درمیان قادری صاحب اور فاضل بغداد سے جانے

جاتے ہیں آپ کی قائدانہ صلاحیت دیکھکر امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ نے آپ کو قائد ملت کا خطاب دیا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ میں ہوئی، پھر اعلی تعلیم ملک کے مختلف معیاری اداروں میں حاصل کا جس کی مختصر اجمال یہ ہے۔

فاضل تحقیق در عقلیات (از دارالعلوم نور الحق چرہ محمد پور) فضیلت (از دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا/از مدرسہ قادریہ بدایوں شریف) قراءت (از دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا) فاضل (از صدام یونیورسٹی بغداد، عراق) منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل (مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنوء) آپ شروع ہی سے ذہین اور محنتی تھے اس لیے مختلف مواقع پر اعزازات وانعامات سے بھی نوازے گئے مثلاً گولڈ مڈل (صدام یونیورسٹی بغداد شریف عراق) انعام بدست نائب صدر جمہوریہ عراق السید عزت ابراہیم الدوری از وزارت تعلیم، عراق۔ زمتولی اوقاف قادریہ خانقاہ غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور اس کے علاوہ عراق کے مختلف محکموں کی جانب سے بھی انعامات سے نوازا ے گئے۔

آپ نے مختلف جگہوں میں درج ذیل اساتذۂ کرام سے اکتساب علم کیا۔ والد گرامی حضور مفکر ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ،امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ رضوی۔ مجود اعظم ہند حضرت علامہ قاری احمد ضیا ،صاحب قبلہ ازہری علیہ الرحمہ، استاذ العلماء حضرت علامہ محمد عیسیٰ صاحب قبلہ رضوی ،اساتذۂ عراق پروفیسر ڈاکٹر رشید العبیدی (الشخصیۃ العلمیۃ فی العراق) پروفیسر ڈاکٹر عبد الرسول الدوری، پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد الشحاذ وغیرہ۔

آپ کی قلمی خدمات میں درجن بھر سے زیادہ مقالات ہیں جو مطبوعہ ہیں اور غیر مطبوعہ بھی تصانیف میں درج ذیل کتابیں مشہور ہیں (۱) کل لغۃ و نحوا (عربی) (۲) الجعل والخلق فی القرآن الکریم (عربی) (۳) الاسعاف بما جریٰ بین الشعریۃ و الماتریدیۃ من الخلاف (عربی) (۴) بدعت کا اسلامی مفہوم (اردو) (۵) تردید اشاعت صلح کلیت بنام تحقیق حدیث افتراق امت (اردو) (۶) سیر الانبیاء اردو ۳ جلد (۷) خانقاہی نظام کا شرعی حکم (اردو) (۸) مبحث ابی طالب (عربی) (۹) راد القحط والوباء (عربی) (۱۰) تنزیہ المکانۃ الحیدریہ (عربی) (۱۱) البلاغۃ المیسرۃ (عربی)

(نوٹ) مذکورہ معلومات مولانا محمد نورانی استاذ دارالعلوم نیازیہ قادریہ فیض آباد کی وساطت سے معلوم ہوئی ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

مولانا اسید الحق قادری بدایونی

آپ خانوادۂ عثمانیہ کے چشم و چراغ، خانقاہ عالیہ قادریہ بدایون کے ولیعہد ،جماعت اہل سنت کے مشہور و معروف عالم دین، ممتاز محقق و ناقد ہیں، آپ کی پیدائش ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ مئی ۱۹۷۵ء مولوی محلہ بدایون شریف یوپی میں ہوئی۔

ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ قادریہ بدایوں میں حاصل کی پھر تقریباً پانچ سال اعلی تعلیم حضرت خواجہ صاحب قبلہ سے دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد میں حاصل کی، دستار فضیلت ۱۹۹۸ء میں بین الاقوامی تاج الفحول کانفرنس کے موقع سے بدایون میں ہوئی، پھر جامعہ از ہر مصر تشریف لے گئے اور تقریباً ۵ رسال وہاں رہ کر علوم قرآن وحدیث اور، فقہ وفتاوی میں تخصص کی، جامعہ از ہر کی واپسی کے بعد سے اب تک مدرسہ وخانقاہ عالیہ قادریہ میں تدریس، تحقیق، تصنیف، تبلیغ سے وابستہ ہیں، درجن بھر کتابوں کے مصنف، مؤلف اور پچاس سے زائد کتابوں کے مرتب، محقق، مترجم ہیں، آپ کے تقریباً پچاس سے زیادہ مقالات ملک و بیرون ملک سے شائع ہو چکے ہیں، آپ کی تصانیف میں سے حدیث افتراق امت، قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک مطالعہ، احادیث قدسیہ، اسلام اور جہاد، اسلام اور خدمت خلق، جدید عربی محاورات وتعبیرات، تحقیق وتفہیم، اسلام ایک تعارف اور خیر آبادیات علمی اور ادبی دنیا میں کافی مقبول ومشہور ہوئیں، اور جام نور کا مستقل کالم" خامہ تلاشی،، کا دور بھلا کر بھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ آپ، حلم وحیا، صبر ورضا، جود وعطا، کے پیکر ہیں، شیریں لب ولہجہ، عمدہ ذوق، نفیس طبیعت، وسیع مطالعہ، خانقاہی مزاج ،اور کشادہ قلب کے مالک ہیں، مختلف الجہات شخصیت ہونے کے باوجود نام ونمود اور شہرت ومقبولیت سے کوسوں دور رہتے ہیں، روزمرہ کی زندگی میں ہزاروں ضروریات کے باوجود حرص وطمع سے عاری ہوکر دین کی بے لوث خدمت کرنا یہ انہی کا حصہ ہے، دین کا نہ صرف درد رکھتے ہیں، بلکہ غیروں کے یہاں تبلیغ دین کا ہنر بھی جانتے ہیں، کام کرنے کے عادی ہیں، مشغولیات سے تھکتے ہیں نہ ڈرتے ہیں، بلاشبہ ان کی زندگی **انک لعلی خلق عظیم** کی سچی تفسیر ہے، تادم تحریر مدرسہ قادریہ بدایون میں شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہوکر تدریس، تحقیق، تصنیف اور تبلیغ سے وابستہ ہیں اور تشنگان حق کو سیراب کر رہے ہیں۔

شارح کتب کثیرہ مفتی شبیر پورنوی

جماعت اہل سنت کے قابل افتخار عالم باعمل شارح بے بدل، خطیب باوقار ہیں، علما، طلبا، عوام اور خواص سب میں یکساں معروف ومقبول ہیں، آپ پیر طریقت حضور سید السادات منبع البرکات پیر طریقت حضرت سید شاہ عبد الشکور علیمی رشیدی سادات پوری سیوان علیہ الرحمہ کے مرید، سرکار کلاں حضور سید مختار اشرف اشرفی، پیر طریقت سید نعیم اشرف، پیر طریقت سید۔کی حسن برکاتی علیہم الرحمہ اور نبیرۂ اعلی حضرت مولانا سبحان رضا خان سبحانی مدظلہ العالی کے خلیفہ ومجاز ہیں، تدریسی دنیا میں آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ کی پیدائش ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۵۹ میں تار اباری پوسٹ آسجہ موبیہ وایا بائسی ضلع پورنیہ بہار میں ہوئی، چھ ماہ بعد والد کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے پرورش نانیہال (چکلہ وایا بائسی) میں پائی، ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم فیضیہ ایشی پور، بھاگل پور بہار آئے اور حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی بارگاہ سے معقولات ومنقولات کی مکمل تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۰ء میں سر پر فضیلت کا تاج رکھا گیا، پھر فقہی ذوق نے آپ کا رخ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کیا؛ گوناں گوں خدمات کی وجہ سے آپ کی ذات

پورے اہل سنت کے لیے مرجع خلائق اور سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کا درج ذیل اقتباس آپ کی قیمتی اور پاکیزہ زندگی کا آئینہ ہے" جامع معقول ومنقول فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی شبیر صاحب قبلہ پورنوی رشیدی اشرفی کی ذات ستودہ صفات علمی حلقے میں محتاج تعارف نہیں، اگر آپ کسی ایسی ذات کو دیکھنا پسند کرتے ہوں جس کا دماغ عالم اور دل صوفی ہو جو ارباب بصیرت کے مسلک اعتدال پر عامل اور اس کا داعی ہو، نیز جو عمر سے زیادہ علم اور علم سے زیادہ عقل رکھنے والا ہو۔ تو آپ علامہ موصوف سے ضرور ملاقات کریں اور ان کی پہلودار شخصیت کا گہرائی سے مطالعہ کریں، عالم باعمل،، عظیم المرتبت مدرس، اور خوش بیان خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک جلیل القدر مصنف بھی ہیں،، (نوادر النعیمی)

مولانا غلام یٰسین نوری

مقام کڑھیلہ بوبرا پوسٹ سالماری ضلع کٹیہار میں پیدا ہوئے: بے انتہا متحرک وفعال، جماعت اہل سنت کے جلیل القدر عالم باعمل، شاندار مدرس اور بہترین منتظم ہیں، ہر لحہ مسلک اعلی حضرت کی نصرت وحمایت اور ترویج اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں، قائدانہ صلاحیت کے مالک ہیں، جہانگیری تجربات رکھتے ہیں، مذہب وملت کی ضرورت پر گہری نظر رکھتے ہیں، ۱۹۸۹ء میں مدرسہ فیضیہ نظامیہ، ایشی پور، بھاگل پور میں امام علم وفن سے معقولات کی انتہائی کتابوں کا درس لیا اور دار العلوم مظہر اسلام سے سند ودستار فضیلت پائی۔ تادم تحریر مدرسہ نظامیہ ملکپور ضلع کٹیہار کی نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں اور تدریسی خدمات پر بھی مامور ہیں

مولانا مسلم شاہد عالم مظہری

عصر حاضر کے معروف نعت گو ونعت خواں شاعر مولانا محمد عسجد رضا مصباحی کے والد گرامی ہیں، نفیس طبیعت، اور پاکیزہ مزاج کے مالک ہیں، سورجاپوری علاقے (پورنیہ، کشنگنج، کٹیہار، ارریہ، دیناجپور) میں عموماً تاریخ پیدائش لکھنے میں توجہ نہیں ہوتی ہے، ایک تخمینہ کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۹۴۸ء میں ملہنا ضلع پورنیہ میں ہوئی، ابتدائی اردو اور فارسی کی تعلیم سب سے پہلے چندر گاؤں علاقہ بائسی کے مکتب میں ہوئی، پھر دار العلوم محی الاسلام بجرڈیہ میں، اس کے بعد دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار گئے جہاں ابتدائی عربی کتابیں شروعات کیں، پھر یہاں سے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف روانہ ہوئے، اور تقریباً پانچ سال یہاں رہ کر، امام علم وفن، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضویہ، علامہ تحسین رضا محدث بریلوی، مفتی شریف الحق امجدی، مولانا مبین الدین امروہوی، محدث ثناء اللہ مئوی، مولانا بلال احمد بنگوی، مولانا مجیب الاسلام ادروی، مولانا مقبول حسین سنگھیا، مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی، شیر بہار مفتی محمد اسلم رضوی اور مفتی محمد اعظم سے اکتساب علم کرتے رہے۔ اور ۱۹۶۶ء میں فضیلت کی دستار

لیکر وطن واپس ہوئے۔

علم نحو اور صرف سے آپ کافی دلچسپی رکھتے ہیں، ۱۹۷۷ء سے مستقلاً امامت سے وابستہ ہونے کے باوجو صرفی باریکیوں پر اب بھی گہری نظر رکھتے ہیں، کبھی کبھار ہم لوگوں سے صرفی ،نحوی اور فقہی سوال کرتے رہتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا علم پختہ ہے۔

آپ کا عقد مسنون میری پھوپھی سے ہوا، میری پھوپھی باپ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں اس پر مستزاد آپ کا آبائی گاؤں (ملہپنا) دو بہتی ندی کے آغوش میں تھا اور آپ شروع ہی سے نفیس ماحول کے عادی تھے، اس لیے وہاں کا ماحول آپ کے لیے سازگار ثابت نہ ہوا جس کے باعث وہاں سے منتقل ہو کر جھناہاٹ میں مع اہل وعیال مقیم ہو گئے۔

دستار فضیلت کے بعد تدریسی اور تبلیغی خدمات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، دارالعلوم معین الاسلام تھام بھڑوچ گجرات دو سال، دارالعلوم علوی الحسینی نبی پور گجرات پانچ سال، دارالعلوم ناصر الاسلام میرج مہاراشٹرا پانچ سال، امامت تین سال میرج مہارشٹر، امامت اسلام پور بنگال ایک سال، جامع مسجد کشن گنج ایک سال، امامت بنا گوڑی بنگال ایک سال، تدریس دارالعلوم محی الاسلام بجرڈیہ بائسی دو سال، تدریس دارالعلوم امان الاسلام جھناہاٹ بائسی تین سال، اب چند برسوں سے گھر ہی میں اقامت پذیر ہیں۔

مولانا نذیر احمد رضوی

فقیر راقم الحروف کے والد گرامی ہیں، آپ اپنے عہد کے زبردست مرجع خلائق عامل ہیں، جن، بھوت، پری، آسیب، جادو اور دیگر امراض کے علاج میں آپ کو اپنے عہد کا عظیم عامل مانا جاتا ہے، شب وروز ہزاروں پریشان حال آپ کی بارگاہ میں آتے ہیں، دعا تعویز میں زود اثر رکھتے ہیں، شریعت کے پابند ہیں، ۔ایک اندازہ کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں مقام آسجہ پوسٹ آسجہ موبیہ ضلع پورنیہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں پائی پھر ہرنتوڑ بائسی میں، اس کے بعد دارالعلوم مصفائیہ چمنی بازار پورنیہ گئے یہیں امام علم وفن سے اکتساب علم کا موقع ملا۔ متوسط درجوں کی تعلیم کے بعد دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف گئے، جہاں عربی کی اعلی تعلیم حاصل کی۔

متعدد تعلیمی اداروں میں متوسط درجوں تک کی تعلیم دے چکے ہیں، اور تادم تحریر دارالعلوم امان الاسلام جھناہاٹ بائسی میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، تدریسی دور کی مختصر روداد اس طرح ہے۔ پانگی ضلع پورنیہ چھ سال/ بگھا باڑی علاقہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناج پور پانچ سال، مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم حوراجرا سونا پور بارسوئی کٹیہار آٹھ سال، دارالعلوم تنظیم المسلمین بائسی ۱۰ر سال۔ آپ کے بے شمار تلامذہ درس وتدریس کے افق پر نیر تاباں بن کر طلوع ہوئے

ہیں، تادم تحریر دارالعلوم اہل سنت امان الاسلام جھنا ہاٹ رہاسی پورنیہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں حضرت مولانا عبد العزیز رضوی کے انتقال کے بعد سے اب تک اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کی امامت کے فرائض بلا تنخواہ انجام دے رہے ہیں۔

(۹) مولانا مظفر حسین رضوی

آپ کی پیدائش ۱۹۶۲ء میں بہار و بنگال کے سرحدی علاقہ موضع کسیاری تھانہ پوٹھیا ضلع کشنگنج بہار میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں مدرسہ نور الاسلام کوسیاری میں پائی اس کے بعد شاہی چبوترہ امروہا تشریف لے گئے؛ جہاں حضرت علامہ مفتی غلام مجتبی اشرفی علیہ الرحمہ اور ولی کامل مولانا عبد المبین امروہوی علیہ الرحمہ سے مستفید ہوئے۔ ثالثہ اور رابعہ کی تمام کتابیں یہاں مکمل کیں پھر مفتی غلام مجتبی اشرفی علیہ الرحمہ کے ہمراہ جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے اور ایک سال ان سے اکتساب علم کرتے رہے، پھر دارالعلوم فیضیہ ایشی پور، بھاگل پور بہار آئے جہاں امام علم وفن جلوہ فگن تھے۔ کامل تین سال (سادسہ ،سابعہ ،فضیلت) آپ کی درسگاہ سے فیضیاب ہوئے ۱۹۸۰ء میں فراغت پائی ،فراغت کے بعد ایک سال وہیں تدریسی خدمات انجام دی، پھر دارالعلوم حسنات دینیات لاتور مہاراشٹر تشریف لے گئے جہاں مکمل تین سال ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ءاور ۱۹۸۴ء تدریسی خدمات سے وابستہ رہے، ۱۹۸۴ء میں دارالعلوم حنفیہ کھگوا کشنگنج بہار آئے، جہاں فقیہ اہل سنت حضرت علامہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی وغیرہ جیسے جلیل القدر عالم وفقیہ آپ سے مستفید ہوئے پھر ۱۹۸۵ء میں علمبردار اہل سنت حضرت مولانا مفتی رحمت حسین کلیمی علیہ الرحمہ کے اصرار پر دارالعلوم تنظیم المسلمین بائسی تشریف لائے؛ جہاں تادم تحریر منصب تدریس پر فائز ہیں۔ آپ کے سیکڑوں تلامذہ ہندوستان کے معیاری درسگاہوں کی زینت بنے ہوئے ہیں فقیر راقم الحروف کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ ایک اچھے مدرس کے ساتھ ساتھ ساحر البیان خطیب بھی ہیں۔ اپنی بات ہر ایک کے ذہن میں ڈالنے کا ہنر رکھتے ہیں، خوبصورت تعبیرات اور دلنشیں تمثیلات کے مالک ہیں، پورے ہندوستان میں خطابت کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر گردش کرتے رہتے ہیں۔

مولانا منظور عالم ابن مولانا غلام یٰسین رضوی

عہد حاضر کے معروف عالم دین، کامیاب مفتی، جفاکش مدرس اور پختہ قلمکار ہیں ۱۹۶۶ء میں آبائی گاؤں ہرنتوڑ علاقہ بائسی ضلع پورنیہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی اردو اور عربی فاسی کی تعلیم اپنے والد گرامی مولانا غلام یٰسین رضوی سے حاصل کی ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم فیضیہ ایشی پور بھاگل پور بہار آئے اور درجہ ثالثہ میں داخل ہوئے ۱۹۸۰ء میں فضیلت کی تعلیم مکمل کی۔

۱۹۸۱ء میں امام علم وفن کے ہمراہ تخصص فی المعقولات کے لیے جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ آئے، پھر تدریس سے وابستہ ہوئے اور بحمہ تعالی اب تک عالمانہ وقار کے ساتھ تدریس سے وابستہ ہیں، تدریسی خدمات کا دور کچھ اس طرح ہے دارالعلوم لطیفیہ رحمن پور ضلع کٹیہار ایک سال (۱۹۸۲ء) دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف دو سال (۱۹۸۳،۸۴ء) دارالعلوم اجمل العلوم سنبھل تین سال (۱۹۸۵،۸۶،۸۷ء) دارالعلوم غوثیہ قصبہ نیوریہ پیلی بھیت تین سال (۱۹۸۸،۸۹،۹۰ء) دارالعلوم رضویہ مظہر العلوم گر سہائے گنج ضلع قنوج ایک سال (۱۹۹۱ء) پھر دارالعلوم اجمل العلوم سنبھل نو سال (۱۹۹۲ء تا ۲۰۰۰ء) پھر ۲۰۰۱ء سے دارالعلوم غوثیہ قصبہ نیوریہ پیلی بھیت میں تادم تحریر بحیثیت صدر المدرسین تدریس وتصنیف اور کار تحقیق سے وابستہ ہیں، آپ کے مضامین کی تعداد نصف درجن ہے، اور آپ کی تصانیف میں تعریفات، مخزن معلومات، اور سلیقہ زندگی، علما اور طلبا کے درمیان کافی مقبول ہے، مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ: مخزن معلومات، اور سلیقہ زندگی ہندی اور اردو میں متعدد بار شائع ہوئیں۔

مولانا غلام غوث علوی

عہد حاضر کے مخلص، متدین، متشرع عالم دین اور خانوادۂ حضور شعیب الاولیاء کے چشم وچراغ ہیں، آپ کی پیدائش یکم فروری ۱۹۵۴ء کو براؤں شریف تحصیل بانسی ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ہوئی، آپ کی ابتدا تا انتہا مکمل تعلیم درالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں ہوئی ۱۹۷۴ء میں دستار فضیلت سے آراستہ ہوئے، آپ کی پوری زندگی اسلام وسنت کی ترویج واشاعت اور خدمت خلق اور مخلوق خدا کی رشد وہدایت اور رہنمائی میں گزری اور گزر رہی ہے، اشاعت مذہب ومسلک اور تعمیر انسانیت میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں، اتباع شریعت وطریقت، قناعت وتوکل، شجاعت وبہادری، حق گوئی وبے باکی، علما نوازی، نرم گفتاری وخوش روی، معاملہ فہمی، آپ کا نمایاں وصف ہے۔ فراغت کے بعد عرفان العلوم ابلیٹہ راجکوٹ گجرات میں تدریسی خدمات پر فائز ہوئے پھر سراج العلوم لطیفیہ نہال گڑھ سلطان پور یوپی اور تادم تحریر دارالعلوم مسکینیہ دھوراجی راجکوٹ گجرات میں بحیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جہاں اپنے وقت کی عظیم نابغۂ روزگار ہستیاں جلوہ فگن ہو کر فیضان علم وفن سے سیراب کر چکی ہیں بلاشبہہ دارالعلوم مسکینہ کی نشاۃ ثانیہ میں مولانا کا اہم کردار رہا۔ تبلیغی وتعمیری مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک خاطر خواہ تصنیفی کام تو انجام نہ دے سکے، مگر گجرات کی ضرورت کے پیش نظر علم میراث پر گجراتی زبان میں ایک کتاب بنام قانون وراثت ترتیب دی ہے، جو آسان اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عالمانہ اسلوب بیان پر مشتمل ہے

آپ کے اساتذۂ کرام میں: حضرت شیخ العلماء غلام جیلانی صاحب، حضرت علامہ بدر الدین صاحب، حضرت علامہ حکیم نعیم الدین صدیقی صاحب، حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد، حضرت مولانا محمد یونس نعیمی، حضرت مولانا صابر القادری نسیم بستوی، حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی، حضرت مفتی قدرت اللہ رضوی، حضرت مولانا سید احمد انجم عثمانی، حضرت

مولانا محمد حنیف قادری علیہم الرحمہ والرضوان امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، علامہ غلام عبد القادر علوی، حضرت علامہ ومولانا قاری علی حسن صاحب اشرفی ہیں۔

مولانا عطیف قادری بدایونی

مقام مولوی محلہ بدایون شریف یوپی: انتہائی ذہین وفطین، جید عالم دین اور جماعت اہل سنت کے بہترین خطیب ہیں، آپ کی تقریریں دلائل و براہین، فکر وتحقیق، عالمانہ نکات اور قرآن وحدیث سے لبریز ہوا کرتی ہیں، سیاسی اور سماجی احوال پر گہری نظر رکھتے ہیں، افہام وتفہیم کا انہیں ملکہ حاصل ہے، خوبصورت زبان وبیان، دلکش لب ولہجہ، کشادہ قلبی، خندہ پیشانی اور عفو ودرگذران کا خاندانی ورثہ ہے ان تمام خوبیوں کے باوجود خانقاہی مزاج رکھتے ہیں، تادم تحریر مدرسہ قادریہ بدایون شریف میں رہکر تدریسی، تبلیغی اور سماجی خدمات انجام دیتے ہیں

مولانا مفتی ذاکر حسین بن عبد الواحد مرحوم

عمدہ مدرس، بلند اخلاق کے مالک اور عاجزی وانکساری کے پیکر ہیں آپ کی پیدائش ۵ رجنوری ۱۹۷۳ء میں مقام پھدرہ وایا بائسی پورنیہ میں ہوئی، درجہ ثالثہ تک کی تعلیم فیاض المسلمین بائسی میں جبکہ رابعہ کی تعلیم الجامعۃ النظامیہ ملک پور (متصل دالکولہ) ضلع کٹیہار میں ہوئی، پھر ۱۹۹۲ء میں دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد پہونچے جہاں امام علم وفن سے خوب خوب اکتساب علم کا موقع ملا ۱۹۹۵ء میں فضیلت کی دستار ہوئی، اس کے بعد دار العلوم اہل سنت اعجاز العلوم کھیتاسرئے جونپور میں بحیثیت مدرس منتخب ہوئے استاذ ومفتی کی حیثیت سے دین کی خدمات انجام دینے لگے ۲۰۰۲ء میں دار العلوم امیر العلوم سمنانیہ کچھوچھہ شریف آئے اور تادم تحریر یہیں تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں؛ جوایک باران سے ملتا ہے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ پہلے جونپور میں، اور فی الحال دار العلوم امیر العلوم کچھوچھہ شریف میں منتہی جماعت کے طلبا کو فیضیاب کر رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا احمد بن مولانا معین الدین علیہ الرحمہ

مقام بانسباڑی وایا بائسی ضلع پورنیہ میں پیدا ہوئے: معین ملت مولانا معین الدین رضوی علیہ الرحمہ بانی دار العلوم حنفیہ تگھوا کشن گنج بہار کے فرزند جلیل، خوبصورت، خوب سیرت، بہترین قلمکار، کامیاب مدرس، باکمال واعظ، پابند شرع امام، جماعت اہل سنت کا انتہائی محرک وفعال فاضل، مذہب وملت کا درد رکھنے والا سچا خادم اور مذہب ومسلک کے ناشر وناصر ہیں، زبان وبیان پر عالمانہ قدرت رکھتے ہیں، شیریں لب ولہجہ، باوقار و پاکیزہ زندگی اور درجن بھر مضامین کے مالک ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد

گرامی سے حاصل کی پھر دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد گئے جہاں امام علم وفن سے مستفید و مستفیض ہوئے ۲۰۰۱ء میں فضیلت کی دستار لیکر وطن آئے، علمی اور تدریسی خدمات کے لیے آپ نے کلیان کا انتخاب کیا، دستار فضیلت کے بعد سے انکی سیل رواں بن کر کلیان کی سرزمین پر علوم ومعارف کا خزانہ لٹارہے ہیں، منتہی جماعت کے طلبا آپ کی بافیض درسگاہ سے خشیت الٰہی، عشق مصطفیٰ، اور خوف آخرت کا درس لیتے ہیں، تادم تحریر سہ ماہی المختار کلیان کے مدیر اور الجامعۃ الرضویہ کے کامیاب استاذ حدیث وفقہ ہیں۔ حلم وحیا اور صبر ورضا آپ کا نمایاں وصف ہے

مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی ابن مولانا خواجہ مقبول صاحب

آپ جماعت اہل سنت کے باصلاحیت عالم دین اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے قابل افتخار مصباحی فاضل ہیں، خوبصورت فہم وفراست، اور تحقیقی فکر ونظر کے حامل ہیں، خودداری، مہمان نوازی، آپ کا خاندانی وصف ہے، مذہب ومسلک کی تقویت، اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت، قوم وملت کی فلاح وبہبود ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے آپ کافی ذہین ہیں، ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام علم وفن سے علم توقیت آپ نے اس وقت مکمل سیکھ لیا تھا جب آپ ثانیہ میں زیر تعلیم تھے۔ کاغذی اسناد کے مطابق آپ کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۷۴ء کو اسی گاؤں میں ہوئی جس کو امام علم وفن کی سکونت کا شرف حاصل ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں میں پائی اور ابتدائی عربی سے لیکر مولوی تک کی مکمل تعلیم الجامعۃ النظامیہ ملک پور ہاٹ میں حاصل کی، پھر ۱۹۸۹ء کے اواخر میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور روانہ ہوئے، چار سال یہاں رہکر فضیلت کی تکمیل کی، ۷ ارنومبر ۱۹۹۳ء میں فارغ ہوئے، فراغت کے بعد اعلیٰ علوم عقلیہ کی تحصیل کے لیے حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی خدمت میں دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد پہنچے، اس کے بعد تدریس کا آغاز بکارو اسٹیل سیٹی سے ہوا، الجامعۃ الاشرفیہ کے باصلاحیت مصباحی فاضل تھے اس لیے ۲۰۰۴ء میں تربیت تدریس کے شعبہ میں آپ کا انتخاب ہوا، پھر آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لائے دوسال یہاں رہکر آپ نے اپنی تدریسی صلاحیت اور علمی قابلیت پر مزید نکھار پیدا کیا، تربیت تدریس کا کورس مکمل کرنے کے بعد ۲۰۰۶ء میں مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف بحیثیت مدرس اعلی منتخب ہوئے، اور مکمل چھ سال تدریسی خدمات پر مامور رہے، دوسال قبل گھریلو ضرورتوں کے پیش نظر مستعفی ہوکر گھر آگئے، اور تادم تحریر گھریلو امور میں گھرے ہیں، امید ہے کہ علم وفضل کا یہ بحر بیکراں جلد ہی تدریس سے وابستہ ہوجائے گا (آمین)۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور جامعۃ الرضا بریلی شریف کے قیام کے دوران فقہی سیمناروں میں شریک ہوتے تھے اور اس میں کافی دلچسپی بھی رکھتے تھے، قلمی خدمات گو کہ زیادہ نہیں ہیں لیکن دوران طالب علمی کے نصف درجن مضامین آپ کی تحریری صلاحیتوں کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔

مولانا غلام حسین قادری ابن محمد ادریس ابن رحمت اللہ ابن محمد عمر

آپ باصلاحیت عالم دین، جفاکش مدرس اور حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی ایک خود نوشت سوانح کے مطابق آپ کی پیدائش ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء مقام پڑری پوسٹ کریا گوسائیں ضلع بستی حال ضلع سدھارتھ نگر میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب مدرسہ اشرفیہ اہلسنت سراج العلوم میں حاصل کی بعدہ درس نظامیہ کیلئے مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ دارالعلوم اہلسنت تنویر الاسلام امرڈوبھا ضلع بستی کا رخ کیا اور وہیں سے درس نظامیہ وقرأت روایت حفص کی تکمیل ۱۹۹۱ء میں کی مزید تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے معقولات کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے وارث علوم امام احمد رضا، امام علم وفن حضرت علامہ مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی کی خدمت میں مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں حاضر ہوئے اور وہاں ایک سال مکمل کرنے کے بعد حضرت ہی کے ساتھ دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد آگئے یہاں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۳ء کے آغاز میں تخصص فی المعقولات کی سند و دستار سے نوازے گئے۔ امام علم وفن مدظلہ العالی سے درج ذیل کتابیں آپ نے پڑھیں۔ میر زاہد شرح مواقف، میر زاہد، ملا جلال، میر زاہد رسالہ قطبیہ، صدرا، حاشیہ خیالی، حمد اللہ، میبذی، ملا حسن، تصریح، زبدۃ التوقیت، لوگارثم وغیرہ اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ امام علم وفن کی خدمت میں یہ دو سال بڑے ہی قیمتی ثابت ہوئے۔ تخصص فی العقلیات کے بعد دارالعلوم نورالحق چرہ فیض آباد میں ہی آئے اور یہاں عالیہ کی تدریسی ذمہ داری کے ساتھ حضرت امام علم وفن مدظلہ العالی کے حکم پر دارالافتاء کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی اور جامع مسجد کی امامت کے منصب سے وابستہ بھی ہیں، تدریسی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فلسفہ کی مشہور کتاب "ہدیہ سعیدیہ" جیسی دقیق کتاب کی شرح بنام "تحفۂ مظفریہ شرح ہدیہ سعیدیہ" رقم فرمارہے ہیں قارئین دعا فرمائیں کہ یہ دینی کام بہت جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ یہاں بتانا ضروری ہے کہ آپ کو دارالعلوم نورالحق کے سالانہ دستار فضیلت کے موقع سے ۱۹۹۹ء میں حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی نے سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں داخل فرماکر اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

محمد حبیب الرحمٰن نعمانی

آپ نوجوان عالم دین، فاضل محقق اور تحقیقی مزاج کے مالک ہیں، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی والنورانی اور دیگر مشائخ مصر وعصر کے خلیفہ ومجاز ہیں۔ آپ کی ایک خود نوشت سوانح کے مطابق آپ کی پیدائش ۸ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء میں مقام کبرا، بچھو کھری بازار، ضلع: سنت کبیر نگر، یوپی، انڈیا میں ہوئی ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ عربیہ مدینۃ العلوم، بچھو کھری بازار میں داخلہ لیا اور درجہ عالم تک تعلیم حاصل کی، پھر وہاں سے کسان انٹر کالج، بچھو کھری بازار، میں داخلہ لے اور وہاں آپ نے ہائی اسکول (H.S.C) تک کی تعلیم حاصل کی، پھر ۱۹۹۵ء میں

دارالعلوم اشاعت الاسلام پرتاول بازار، ضلع ،مہراج گنج میں داخل ہوئے ، جہاں اپنے والد گرامی کے ساتھ رہ کر درس نظامی کی باضابطہ ابتدا کی اور ۲۰۰۳ء میں دارالعلوم نورالحق ، چرہ محمد پور، فیض آباد، یوپی ، کا سفر کیے، جہاں ۲۰۰۸ء تک حضرت امام علم وفن کے زیرسایہ اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے، اور حضرت ہی کے حکم کے مطابق آپ جامعہ فیضان اشفاق، ناگور، راجستھان گئے پھر وہاں کی مارک شیٹ سے اکتوبر ۲۰۰۹ میں عالم اسلام کی معروف درسگاہ جامع ازھر پہونچے اور کلیہ اصول الدین میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے رہے، ۲۰۱۳ء میں مرحلہ لیسانس مکمل کیے، اس طرح ابھی تک آپ کا تعلیمی سفر جاری ہے۔ تعلیمی اسناد کی تفصیل اس طرح ہے، منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل، (مدرسہ تعلیمی بورڈ، یوپی) ہائی اسکول (کسان انٹر کالج، پچھوکھری بازار ،یوپی) بی اے ،مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ،حیدرآباد (جاری) لیسانس (بی اے) جامعۃ الازھر الشریف ،قاھرہ ،مصر (EGYPT)

آپ نے مختلف اداروں میں درج ذیل اساتذہ کرام سے اکتساب علم کیا (۱) ماسٹر محمد نظام الدین (مرحوم) استاذ مدینۃ العلوم ، پچھوکھری بازار، یوپی ۔ (۲) والد گرامی حضرت علامہ مولانا محمد مطیع اللہ نوری نائب پرنسپل ،دارالعلوم اشاعت الاسلام ، پرتاول بازار، مہراج گنج، یوپی۔ (۳) امام علم وفن وارث علوم رضا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی شیخ الحدیث، دارالعلوم نورالحق، چرہ محمد پور، فیض آباد، یوپی۔ قلمی خدمات میں ”تحقیق وتحشیہ شرح رسالہ قوشجی از علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی (در علم ھیئت) مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، یوپی۔ گراں قدر خدمت ہے، اللہ تعالی آپ سے مزید دین متین کا کام لے۔

حضرت علامہ مفتی محمد شبیر احمد صابر القادری: سیتامڑھی

حضرت علامہ مفتی محمد شبیر احمد صابر القادری، ضلع سیتامڑھی کے ایک بلند پایہ بزرگ اور جلیل القدر عالم دین تھے، جنہوں نے تقریباً پانچ دہائیوں تک شمالی بہار خصوصاً ضلع سیتامڑھی اور ملک نیپال کے سرحدی علاقوں میں اپنے علوم وفنون کی کرنیں بکھیریں اور سینکڑوں طالبان علوم نبویہ کی علمی تشنگی دور کی اور سیراب وشادکام کیا۔ حضرت مفتی صاحب عرصۂ دراز تک سیتامڑھی کی دورافتادہ بستی اندولی اور قرب وجوار کے وہابیت زدہ ماحول میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کرتے رہے۔ جس کے گواہ سیکڑوں کی تعداد میں موجود آپ کے وہ شاگرد ہیں جن کو آپ نے ایک فوج کی طرح تیار کیا تا کہ آپ کے جانے کے بعد اس ضلع میں مسلک اعلیٰ حضرت کے شمع کی لو کبھی مدھم نہ ہونے پائے۔

آپ کی ولادت سنہ ۵ رفروری ۱۹۵۲ء میں اپنے آبائی بستی ”اندولی“ میں ہوئی۔ ابتدائی علوم کی تحصیل کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ مظہر اسلام میں حاضر ہوئے، جہاں آپ نے اس وقت کے اجلہ

علماء کرام خصوصاً سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت محدث احسان علی محدث فیض پوری اور خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی، جیسے وقت کے باوقار ائمہ علوم وفنون سے کسب فیض کیا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ اپنے دور طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں خواجۂ علم وفن کا شاگرد ہوں۔ دورانِ گفتگو حضرت خواجہ صاحب کا ذکر آنے پر راقم نے ایک بار حضرت خواجہ صاحب کی شاگردی سے متعلق دریافت کیا جواباً آپ نے ارشاد فرمایا:

''کچھ یادیں انسان کی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں میری زندگی سے بھی کچھ ایسی یادیں جڑی ہیں جو میرے لئے سرمایۂ حیات ہیں۔ جن میں سے ایک سرکار مفتیٔ اعظم ہند کی زیارت وشرف بیعت وتلمذ اور دوسرے وہ اساتذہ جنہوں نے میری زندگی کے شاہراہ حیات کا ہر لمحہ روشن کر دیا۔ حضرت خواجہ صاحب میرے انہیں کرم فرما اساتذہ میں سرفہرست ہیں جن سے علوم وفنون کے ساتھ ساتھ اعتماد ویقین کی وہ لازوال دولت ملی جس نے زندگی کے ہر موڑ پر میری رہنمائی کی، آج بھی ان سے مل کر اپنی تشنگی کو سیراب کرنے کا جب بھی موقع ملتا ہے میں اُسے ضائع نہیں کرتا۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا فخر رہے گا کہ میں امام علم وفن کا شاگرد ہوں۔''

حضرت مفتی شبیر احمد صابر القادری نے خواجہ صاحب سے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ ساری زندگی اُسے بانٹتے رہے اور اور ایسے ایسے لعل وجواہر پیدا کئے جن میں سے بیشتر آ اپنے اپنے میدانوں میں شہسوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ایک شعلہ بار مقرر خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مدرس بھی تھے۔ افسوس ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا ایسا جلیل القدر شاگرد بھی ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ مطابق ۲۸ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا خدائے تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔

معین قوم وملت، سیّد شاہ معین الدین حسن قادری رضوی

آپ امشرقی ہند صوبہ جھارکھنڈ کے مشہور ومعروف علاقہ ,,راج محل،، کے ایک بزرگ ہستی، پیر طریقت، قطب راج محل، حضور سیّد شاہ فضل کریم علیہ الرحمۃ والرضوان کے سب سے چھوٹے صاحب زادہ ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۔ فروری ۱۹۸۱ء میں اسی علاقہ راج محل میں ہوئی۔ راج محل جو کہ شہنشاہ بر بق کے زمانے میں صوبہ بنگالہ کی راجدھانی رہا ہے، لیکن حالات کی ضرب کیوجہ سے موجودہ ہندستان کا سب سے پسماندہ علاقہ بن گیا ہے۔ حضرت سیّد صاحب قبلہ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے مدارس سے حاصل کی، پھر ۱۹۹۵ء میں اپنے پیر ومرشد حضور تاج الشریعہ علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ کے ایما پر، امام علم وفن حضرت خواجہ ... اور حضرت خواجہ صاحب قبلہ ہی کی خدمت میں رہ کر فضیلت تک تعلیم

حاصل کی ، فضیلت کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے حکم پر مزید ایک ڈیڑھ سال حضرت کی خدمت میں رہ کر کئی
کتابیں پڑھیں ، حالات کے تقاضے کی وجہ سے وطن واپس تشریف لائے ، اور اپنے ادارہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی کیلئے مصروف
ہو گئے ۔ حضرت سید صاحب قبلہ اپنے سینے میں دین اور قوم وملت کا درد لیے ہوئے اپنے نانا جان حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے مشن کی خدمت کیلئے ہر وقت اور ہر لمحہ کوشاں رہتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ آج علاقہ کے علماء کے محبوب نظر اور عوام اہل
کے مرکز نظر بنے ہوئے ہیں ۔ حضرت سید صاحب قبلہ ابھی تو نوجوان ہیں لیکن اس کے باوجود بہت ساری ذمہ داریاں اپنے
کاندھوں پہ اُٹھائے ہوئے ہیں ۔ اصلاح معاشرہ کی خاطر ہر جمعرات کو ایک خاص اپنی ہفتہ وار محفل بنام قادری محفل منعقد
اُن کی زندگی کا ایک خاص حصہ بن گیا ہے ، اس ہفتہ وار محفل کے سارے اخراجات حضرت سید صاحب قبلہ اپنے جیب خاص سے
فرماتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ جمعرات کو اپنی خانقاہ چھوڑ کر کہیں کسی پروگرام میں نہیں جاتے ہیں ۔ حضرت سید صاحب قبلہ ایک اچھے
اخلاق ، خوش مزاج ، خوش گفتار ، خوش رفتار ، شخص ہیں ، بالخصوص علماء سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں ۔ فی الوقت اپنے علاقہ کی حالات کے
پیش نظر عقائد اہل سنت کو ، اکابر علمائے اہل سنت کی کتابوں سے اخذ کر کے اُسے ہندی زبان میں منتقل کر کے ترتیب دے رہے
ہیں ، انشاء اللہ تعالیٰ وہ رسالہ بہت جلد منظر عام پر آجائیگا ، جس کی علاقہ کو سخت ضرورت ہے ۔ حضرت سید صاحب قبلہ اپنے مدرسہ
میں درس وتدریس کا کام بھی انجام دیتے ہیں ۔

اور جھارکھنڈ ، بنگال وبہار کے علاقوں میں اپنی تقریروں سے اہل سنت کی خدمت بھی کر رہے ہیں ، اور اپنے علاقہ
میں کئی ایک تنظیمیں ہیں جس کی سرپرستی بھی فرما رہے ہیں

یعنی اس کم سنی میں ہی حضرت سید صاحب قبلہ کی ذات ایک انجمن بن گئی ہے ۔ پیری مریدی کے کام میں خوب دلچسپی
نہیں لیتے ، بہت سے لوگ آکر خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت مرید فرمالیں ، لیکن سادگی کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں ، ابھی تو
میں بچہ ہوں کچھ کام کرنے دو ، کسی معمر سے بیعت حاصل کرلو ،، حضرت سید صاحب قبلہ کی ذات وحالات پر لکھنے کو تو بہت کچھ
ہے ، لیکن اخر میں بس یہی کہکر اپنی بات تمام کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت سید صاحب قبلہ کی ذات ہزاروں میں ایک ہیں ۔

درج ذیل تلامذہ جن کے حالات وخدمات سعی بسیار کے باوجود بھی میسر نہ ہو سکے

علامہ سید محمود اشرف کچھوچھہ شریف

سید احسن اشرف کچھوچھہ شریف

سید قسیم اشرف جائسی

مفتی کوثر حسن بلرامپوری

علامہ سید تنویر اشرف اشرفی الجیلانی

سید مہدی حسن اشرفی اجمیر شریف

مولانا خواجہ مقبول حسین سنگھیا بائسی

مولانا انوار احمد امجدی بہرائچ شریف

مولانا نیاز احمد گوہاٹی

مولانا خوشتر نورانی (مدیر جام نور دہلی)

مولانا سید فیضان احمد الہ آباد

مولانا سید عبد السلام راج محل

مولانا مفتی عابد حسین بہادر گنج

مولانا مشتاق احمد الہ آباد

مفتی قمر الزماں دربھنگہ

مولانا نظام الدین براؤن شریف

مفتی شہاب الدین براؤں شریف

مولانا عبد الخالق اشرفی جامع اشرف کچھوچھہ

مولانا مجاہد الرحمٰن بدایوں

مولانا محبوب عالم برکاتی کٹیہار

مولانا مفتی مستقیم براؤں شریف

مفتی ذوالفقار رشیدی مصباحی

☆☆☆☆

چودہواں باب

جو آنکھوں نے دیکھا

امامِ علم وفن: کچھ ماضی کی چمکتی یادیں

مولانا محمد ادریس رضوی، ایم۔اے سنی جامع مسجد، پتری پل، کلیان

یوں تو علمائے کرام کے خزانے میں علم قرآن، علم تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ ومنطق وغیرہم جیسے علوم کے لعل وگوہر ہوتے ہی ہیں۔ کچھ حضرات کے پاس خلوص ومحبت اور اخلاق کریمانہ کے پھول بھی ہوتے ہیں۔ہاں! کچھ وہ حضرات بھی ہیں، جن کے پاس علم کے ساتھ خلوص اور اخلاقِ کریمانہ کے بجائے خشک مزاجی، کبر ونخوت اور ہمہ دانی کے وزنی پتھر بھی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں فاسق وفاجر اور داڑھی مونڈوں کے لئے جگہ تو ہوتی ہے لیکن ہم جیسے ناچیز، ہیچمداں، ذرّہ بے مقدار کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ہے، ایسے بھاری بھرکم لوگوں سے ہم جیسے آدمی ایک دفعہ جب مل لیتا ہے تو پھر دوسری دفعہ ملنے سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ لیکن علما ہی کی جماعت میں پیار ومحبت کے پھول برسانے والے ایسے لوگ اور ہستیاں بھی ہیں کہ ان سے ایک بار مل لیجئے تو بار بار ملنے کو جی چاہے۔

ایسی ہی ہستیوں میں ایک نمایاں نام 'امام علم وفن'، حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ النورانی کا ہے۔ آپ ملک العلما کے شاگرد اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ علما کی جماعت میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جانے والے، عوام کی نظر میں پسندیدہ، طلبہ کے حلقے میں محبوب، قرآن وحدیث، فقہ تفسیر، فلسفہ ومنطق کے علاوہ علم ریاضی، توقیت، تکسیر وہئیت کے چمکتے سورج ہیں۔

کئی سال پہلے آپ 'کلیان' تشریف لائے تھے، مولانا مسعود رضا قادری نے مجھے بھی اطلاع کی تھی مگر میں یہ سوچ کر ملنے نہیں گیا تھا کہ پتہ نہیں مزاج کیسا ہے، اور کس نظر سے چھوٹوں کو دیکھتے ہیں؟ کہیں دل میں ہم چھوٹوں کے تئیں حقارت کا جذبہ نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے مگر ان کے تئیں دل میں عقیدت ہے کہ ہمارے بزرگ ہیں۔

۱۷ر اکتوبر ۲۰۱۰ء کو 'الند' ضلع گلبرگہ شریف کے جناب اکبر علی صاحب، جوان دنوں ملک العلما سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ پر گلبرگہ یونیورسٹی سے پی ایچ، ڈی کر رہے تھے تشریف لائے اور فرمایا کہ: مجھے ملک العلما کے شاگرد حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کا پتہ اور فون نمبر چاہئے، میں ان سے حضرت ملک العلما کے متعلق انٹرویو لینا چاہتا ہوں۔ میرے پاس

حضرت کا نمبر نہیں تھا اس لئے مولانا مسعود صاحب سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت جلد ہی 'کلیان' تشریف لارہے ہیں اس لئے فون کی بجائے بالمشافہ انٹرویو کر لیجے گا۔ محترم جناب اکبر علی صاحب خوش ہو کر گلبرگہ چلے گئے اور اپنے نگراں پروفیسر کے، عبدالحمید صاحب کی رہنمائی میں سوالات مرتب کر کے بذریعہ ای میل مجھے بھیج دیا۔

امام علم وفن نومبر میں 'کلیان' تسریف لائے اور میں حضرت سے ملنے ان کی قیام گاہ ''نجم ٹاور'' پہونچا اور ملنے کی اجازت چاہی تو فوراً بلالیا۔ شفقت سے بٹھایا اور خیریت دریافت کی پھر فرمایا کہ: کہاں سے تشریف لائے، رہنے والے کہاں کے ہیں، تشریف آوری کا کوئی خاص مقصد؟ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے حضرت ملک العلما کے متعلق جناب اکبر علی صاحب کے انٹرویو کا تذکرہ کیا اور سوالات پیش کئے:

پہلا سوال تھا: حضرت ملک العلما سے آپ نے کس طرح کا استفادہ کیا ہے، اور کتنے سال تک؟

جواب: ملک العلما کوئی ایسے ویسے عالم نہیں تھے، اعلیٰ حضرت کی بارگاہ کے پروردہ تھے، ان کی خدمت میں مَیں نے ان سے کبھی 'گفت' نہیں، ہمیشہ 'شنید' کی، وہ بھی سر جھکا کر۔ جو کچھ آپ فرماتے سر جھکا کر سنتا جاتا۔ مسلسل پانچ برسوں تک کفش برداری کی سعادت حاصل رہی۔ جب آپ جب علیل ہو کر پٹنہ جانے لگے تو مجھے 'بریلی شریف' جانے کو ارشاد فرمایا۔ اس طرح میں 'بریلی شریف' پہونچا۔

دوسرا سوال تھا: حضرت ملک العلما کا طریقۂ تدریس اور اپنے طلبا کے ساتھ سلوک کیسا تھا؟

جواب: حضرت ملک العلما درس کے دوران صرف متن کے ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ متن کی مکمل تشریح وتوضیح فرمادیتے تھے تاکہ طلبہ کے اندر کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں کی الگ پہچان ہوئی، ملک العلما محنت، محبت اور لگن سے پڑھاتے تھے،۔ جب میں پہلی بار آپ کی درس گاہ میں حاضر ہوا تو ساتھی طلبا نے بتایا کہ جو پہلے پہلے آتا ہے دستور کے مطابق حضرت کے سامنے اسی کو عبارت پڑھنی ہوتی ہے، اس لئے آج تم ہی کو عبارت پڑھنی ہے ۔ میں اگرچہ والد ماجد سے شرح جامی تک پڑھ کے آیا تھا اور میری عبارت بھی درست تھی پھر بھی کچھ گھبراہٹ ہوئی، دل ہی دل میں ساتھیوں کو کوسا کہ یہ لوگ پہلے بتادیئے ہوتے تو اچھی طرح عبارت دیکھ لیتا۔ بہر حال ملک العلما آئے، نام پوچھا اور فرمایا: پڑھو! میں نے عبارت پڑھی، بہت خوش ہوئے۔

میں نے اپنی طرف سے پوچھ لیا کہ اس وقت آپ کونسی جماعت میں تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''میں اصول الشاشی'' وغیرہ پڑھتا تھا۔ طلبہ کے ساتھ آپ کا حسن سلوک بہت اچھا تھا۔ مجھے آپ نے کبھی کسی خدمت کے لئے نہیں فرمایا۔ ایک روز مغرب کی نماز کے بعد خود سے خدمت میں حاضر ہوا اور سر پر تیل ملنے کی گذارش کی۔ اجازت ملنے پر تیل ملنے لگا تو پسند فرمایا اور کبھی کبھی بلانے لگے۔ اسی طرح جب اردو کی کوئی کتاب سننی ہوتی تو مجھے بلاتے اور فرماتے: یہ کتاب سناؤ! وجہ یہ تھی کہ میں دوسرے طلبہ کی بہ نسبت بہت تیز پڑھتا تھا، زبان بھی صاف تھی، موٹی سے موٹی کتاب جلدی ختم ہو جایا کرتی تھی۔

تیسرا سوال تھا: حضرت ملک العلماء کے روزمرہ کے معمولات کیا تھے؟

جواب۔ نماز فجر کے بعد وظیفہ پڑھتے تھے۔ پھر ایک لکڑی کی تختی تھی جسے آپ کپڑے میں باندھ کر رکھتے تھے، اس کے اوپر ریت رہتی تھی، اس تختی کو نکالتے تھے اور لکڑی کے قلم سے اس پر کچھ لکھتے تھے، کچھ دیر تک آپ کا یہ عمل جاری رہتا تھا۔ میں نے پوچھ لیا کہ اس تختی پر آپ کیا تحریر کرتے تھے؟ خواجہ صاحب نے جواب دیا معلوم نہیں کہ کیا لکھتے تھے، میرے خیال سے علم جفر کا کوئی عمل تھا جسے کرتے تھے، یعنی علم جفر کے قائم رہنے کے لئے یہ عمل کرتے ہوں گے۔ اس کے بعد اخبار بینی فرماتے تھے، پھر ناشتہ کر کے درس گاہ میں بیٹھتے تھے۔ پڑھانے کے درمیان طلبہ سے کوئی مروت نہیں کرتے تھے۔ درس گاہ سے اٹھنے کے بعد اپنے کمرہ میں جا کر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ تسبیح پر کیا پڑھتے تھے یہ نہیں بتا سکتا شاید کوئی خاص وظیفہ رہا ہو جسے پڑھتے ہوں۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے اور اس کا خاص خیال فرماتے تھے۔

چوتھا سوال تھا: حضرت ملک العلما کا پسندیدہ لباس کیا تھا؟

جواب: ملک العلما لمبا کرتا اور پائجامہ پہنتے تھے۔ کبھی عمامہ باندھتے اور کبھی صرف ٹوپی ہوتی۔ صدری میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ جلسہ میں جاتے تو عبا پہنتے اور عمامہ ضرور باندھتے۔

میں نے پوچھ لیا: ملک العلماء کن کن موضوعات پر تقریر زیادہ کرتے تھے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ملک العلما مختلف موضوعات پر تقریر کیا کرتے تھے مگر اصلاح معاشرہ پر زیادہ زور دیتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلم قوم اسلامی قوانین کی پابند ہو اور شرعی اصول کے مطابق زندگی گذارے۔

پانچواں سوال تھا: حضرت ملک العلما کی کوئی تحریر، کوئی خط جو آپ کے نام ہو؟

جواب۔ کچھ بھی نہیں، پہلے کے علما ان چیزوں کا التزام نہیں کرتے تھے، (پھر افسوس کرتے ہوئے کہا) حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تین خطوط اور علامہ ارشد القادری کے دو خطوط اور حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن علیہ الرحمہ وغیرہ کے خطوط تھے، سب ضائع ہو گئے۔

میں نے پوچھا کہ یہ سارے خطوط کہاں ہوں گے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا: سب ضائع ہو گئے۔ جس کا نہایت افسوس ہے۔

چھٹا سوال تھا: حضرت ملک العلماء حمدیہ، نعتیہ یا غزلیہ کس طرح کی شاعری کرتے تھے؟

جواب۔: آپ شاعری نہیں کرتے تھے، لیکن ذوق رکھتے تھے۔ ایک واقعہ سنئے! ملک العلما نے ایک دفعہ پردے کی اہمیت سے متعلق بتایا تھا کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہزادیوں میں سے کسی نے حضرت اورنگ زیب سے کہا کہ کل علی الصباح سیر چمن کے لئے جانا ہے۔ اعلان ہو گیا کہ جس راستے سے شہزادی گزرے گی، کوئی اس راستے پر نہ نکلے۔ حتیٰ کہ باغ کا باغبان بھی وہاں نظر نہ آئے، مگر باغبان باغ کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا، ابھی کچھ اندھیرا ہی تھا کہ شہزادی نقاب لگائے ہوئے باغ میں پہنچیں۔ باغبان نے جب یہ دیکھا کہ اندھیرے کے باوجود شہزادی نقاب میں ہے تو بے ساختہ اس کی زبان پر آ گیا

برقع بہ رُخ افگندہ آمد بباغش
تابوئے گل بیساختہ آید بدماغش

یہ شعر سن کر میں (خواجہ) نے عرض کی:حضور! اجازت ہوتو میں بھی اس پرایک شعر سنادوں۔ملک العلما نے فرمایا:سناؤ!میں نے کہا:۔

چہرے پہ برقع ڈال کے آج آئی ہے باغ میں
برقع سے چھن کے بوئے گل تاکہ بسے دماغ میں

یہ سن کر ملک العلما اچھل پڑے اور حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:مولوی سلیمان !سنواس لڑکے نے کیا شعر کہاہے۔واہ واہ کیا برجستہ کہاہے۔

ساتواں سوال:حضرت ملک العلماء اپنے زمانہ کی کوئی علمی وفکری تحریک سے متاثر تھے یانہیں؟

جواب:ان کے زمانے میں اہل سنت کی جوتحریک بھی رہی سب میں ملک العلما نے بھر پور حصہ لیا۔

میں نے پوچھا:ملک العلماء لوگوں کو بیعت کرتے تھے؟آپ نے فرمایا:ہاں !لیکن آج کل کے پیروں کی طرح پیری ومریدی کو پیشہ نہیں بنایا تھا،کوئی آگیا تو بیعت فرمالیتے تھے،علماءاوردانشوران حضرات خود سے آکر آپ کے ہاتھوں پر بیعت ہوتے تھے۔

آٹھواں سوال:حضرت ملک العلما کے روابط جنوبی ہند کے اہل علم سے تھے یانہیں؟

جواب۔میں نہیں بتا سکتا کہ جنوبی ہند کے علما سے آپ کے روابط تھے یانہیں۔

میں نے عرض کی !حضور ملک العلماء کی ''صحیح البہاری'' پرمولانا حیدرشریف مہتمم امدادالمعارف مدرسہ جامعہ نظامیہ حیدر آباددکن کی لکھی ہوئی تقریظ ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے روابط جنوبی ہند کے اہل علم سے تھے؟ آپ نے فرمایا:یہ تو اِدھرآ کر بعد میں معلوم ہوااسی لئے کہتاہوں کہ اس تعلق سے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

پھر میں نے پوچھا: حضرت !چلتے چلتے یہ بتادیں کہ آپ کے کتنے لڑکے ہیں؟تو آپ نے بتایا کہ ۴؍چار تھے،تین تو کم عمری میں اللہ کو پیارے ہوگئے ،ایک کی شادی کی،ان کودولڑکیاں اورایک لڑکا پیدا ہونے کے بعدتیس سال کی عمر میں وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے،اب اہلیہ ہیں،بیوہ بہو،دو پوتی اورایک پوتا ہے۔

میں عرض کیا:حضورایک بات اور،آپ کے اسم شریف سے پہلے ''خواجہ'' کالقب لگنے کی وجہ کیاہے؟آپ نے مسکرا کرفرمایا:کہاجاتا ہے کہ ہمارے اجداد میں سے کوئی صاحب ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے،اوروہ خواجہ ذوالنون مصری کی اولاد سے تھے،اسی مناسبت سے ہمارے خاندان میں ''خواجہ'' کالقب استعمال ہوتا آرہاہے،لیکن میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے نہ کوئی کاغذ ہے۔☆☆☆

امام علم وفن: کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا عبدالمبین نعمانی چریاکوٹ یوپی

امام علم وفن، شیخ المعقولات والمنقولات، حضرت علامہ شاہ خواجہ محمد مظفر حسین رضوی (خلیفہ مفتی اعظم ہند) دامت برکاتہم القدسیہ عہد حاضر کی ایک ایسی بھری پُری شخصیت کا نام ہے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جماعت اہل سنت میں آپ سچے وارث علوم اعلیٰ حضرت ہیں۔ فن منقولات کے ساتھ معقولات پر آپ کو جو دسترس حاصل ہے اس پر تبصرہ کرنا مجھ ناچیز اور ہیچ مداں کے بس کی بات نہیں۔ ان کی علمی گہرائی اور گیرائی پر آپ کے وہ تلامذہ ہی روشنی ڈال سکتے ہیں جنہوں نے آپ کے خوان علم وفضل سے حصہ وافر پایا ہے۔ راقم الحروف کو تو بس آپ کی علمی مجالس میں بیٹھنے اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے کچھ سننے کا ہی موقع ملا ہے۔ ان علمی مجالس کے جواہر پاروں کو کاش اسی وقت نوٹ کرلیا گیا ہوتا، تو آج وہ خاصے کی چیز ہوتے۔ آج آپ عمر کی اس منزل میں ہیں کہ آپ کو افادے پر مجبور کرنا تو کیا، اس کے لیے گزارش کرنا بھی ادب واحترام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس لیے ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ شاید قارئین ''جہان مظفر حسین،، کو اس میں کچھ کام کی باتیں مل جائیں اور جن سے حضرت خواجہ کی شخصیت پر کچھ روشنی بھی پڑ جائے گی حدیث شریف میں آیا **تعلمو االتعلم و تعلموا للعلم السکینة والوقار وتواضعو المن تعلمون منه رواه الطبرانی فی الاوسط (الترغیب والترهیب: ۱/۱۱۴)** علم حاصل کرو اور علم کے لئے سکینہ ووقار (ہیبت و سنجیدگی) اختیار کرو اور جس سے علم حاصل کرتے ہو اس کے لیے تواضع کرو۔

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کی زندگی کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ باتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ملتی ہیں کہ باوجود علم وفضل کے آپ سنجیدگی کے پیکر ہیں، بعض لوگ تھوڑا علم پا کر تکبر وتفاخر کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں لیکن جو بھی حضرت خواجہ صاحب سے قریب رہا ہے وہ بخوبی محسوس کرے گا کہ حضرت خواجہ ان مذموم صفات سے کوسوں دور ہیں، باوجود سنجیدگی کے علم کا وقار اور دبدبہ ایسا کہ بڑے بڑے عالم آپ سے بات کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ آپ کا عالم یہ ہے کہ از خود ہر ایک سے بات کرنے کے لئے تیار رہا کرتے ہیں، یعنی علمی

وقار کے ساتھ اکڑفوں کا مزاج ہرگز نہیں رکھتے بلکہ بلند اخلاق اور نرم خوئی کے پیکر ہیں، بزرگوں اور اساتذہ کی بارگاہوں میں بڑے باادب رہا کرتے ہیں۔ حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں جو آپ کے استاذ تھے، میں نے بارہا دیکھا کہ بڑے ادب سے حاضری دیا کرتے تھے، اور حضرت شارح بخاری حضرت خواجہ صاحب کے علم وفضل سے بڑے متاثر وہ بھی باوجود استاذ ہونے کے آپ کا بڑا لحاظ کرتے علم وفن کے میدان میں آپ کا دریائے سخا ہمیشہ بہتا رہتا ہے، جو بھی آیا سیراب ہو کر گیا، آپ نے ٹال مٹول سے کام نہیں لیا یہ الگ بات ہے کہ ہر کوئی اپنے ظرف ہی کے مطابق لے پاتا ہے، یعنی آپ از خود کتمان علم نہیں کرتے، بھڑوچ گجرات کے مولانا نظام الدین صاحب مصباحی جو برطانیہ میں رہتے ہیں انہوں نے موبائیل کے ذریعے علم توقیت سیکھنے کی خواہش کی تو حضرت خواجہ صاحب نے انہیں موبائیل فون اور انٹرنیٹ سے علم توقیت اور دیگر بعض فنون عقلیہ کی تعلیم دی جس کا ذکر اندور کے سیمینار میں حضرت خواجہ صاحب نے خود کیا، اور مولانا نظام الدین صاحب کے شوق فراواں کی داد دی۔

اعتدال پسندی اور سنجیدگی حضرت خواجہ صاحب کا ایسا وصف ہے کہ اس کی مثال بہت کم ملے گی، انتہا پسندی اور بے جا تعصب سے آپ کا دور کا بھی تعلق نہیں، علمی وتحقیقی میدان میں آپ کسی سے بھی اختلاف کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں ،لیکن علمی اختلاف کو انتشار وشقاق کی شکل کبھی نہیں دیتے اور نہ ہی اپنے مدمقابل کی توہین روا رکھتے ہیں، یوں ہی خانقاہی اور درسگاہی چپقلش کو بھی آپ نے کبھی ہوا نہیں دی، سنیت کو ہی ہمیشہ آپ نے مدار کار بنایا جو سنی رہا اسے گلے لگایا جو بدعقیدہ ہوا اس سے الگ رہا گئے، میں بعض علماء کو جانتا ہوں جو حضرت خواجہ صاحب سے بعض مسائل میں شدید اختلاف رکھتے ہیں لیکن جب کبھی موقع ملا یا کسی جلسہ وکانفرنس میں دونوں کا اجتماع ہوا تو آپ نے ملنے ملاقات کرنے سے نہ صرف یہ کہ گریز نہیں کیا بلکہ خود آگے بڑھ کر ملنے کی سعی بھی کی، یہ وہ کشادہ قلبی ہے جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

سادات کرام کا بھی آپ بے حد احترام کرتے ہیں، اگر چہ شاگرد ہو اور عمر میں بھی کم ہو پھر بھی سید ہونے کے ناطے آپ احترام کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر ملتے ہیں۔

آپ کے اندر خردہ نوازی کا وصف بھی بدرجہ اتم موجود ہے، آپ فکر وفن اور علم وفضل کے بادشاہ ہوتے ہوئے بھی عام سنی دینداروں سے ملنے میں کوئی تکلف نہیں کرتے حتی کہ اپنی حیثیت سے بہت کم درجے کے علما کا بھی احترام کرتے ہیں۔

بذلہ سنجی اور خوش گفتاری تو گویا آپ کی خوبی ہے، میں نے کبھی بھی کرخت لہجے میں اور متکبرانہ انداز سے بات کرتے نہیں دیکھا، مباحثے کی مجلسوں میں بھی دیکھا کہ آپ کے موقف کی اگر کسی نے مخالفت بھی کی تو آپ آپے سے باہر نہ ہوئے بلکہ خندہ پیشانی سے اس کی بات سنی اور سنجیدگی سے جواب دیا۔ یعنی تحمل وبردباری کے بھی آپ پیکر ہیں جب کہ یہ صفت آج عنقا ہوتی جارہی ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے آپ کو خصوصی لگاؤ ہے آپ ہمیشہ اہل سنت کے اس عظیم ادارے کو سراہتے رہتے ہیں اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے کارناموں کو بھی دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے ہیں اور ان کی اہمیت کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں، مجلس شرعی مبارکپور کے سیمناروں میں بھی اکثر شریک ہوتے ہیں اور بحث میں حصہ بھی لیتے ہیں مجلس شرعی کی کئی نشستیں آپ کی صدارت میں بھی منعقد ہوئیں اور شرکا نے آپ کے صدارتی کلمات کو بھی بصد شوق سماعت کیا اور محظوظ ہوئے۔

راقم الحروف کی حضرت خواجہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات بہت عرصہ سے ہے، بارہا عرس اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) بریلی شریف میں ملاقات ہوئی، اس کے علاوہ مبارکپور عرس حافظ ملت (علیہ الرحمہ) میں مجلس شرعی کے سیمناروں میں اور بہت سی کانفرنسوں میں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ متعدد بار ''دارالعلوم نور الحق'' چرہ محمد پور فیض آباد میں بھی محض آپ کی زیارت کے لیے جانا ہوا، جب بھی حاضری ہوئی آپ نے حوصلہ افزا انداز کا مظاہرہ فرمایا، اور خرد نوازی کی اعلیٰ مثال پیش کی، ورنہ ''من آنم کہ من دانم''

ایک بار ''کنز الایمان'' کی قلمی نسخہ سے مطابقت اور تصحیح کے سلسلے میں ناچیز نے حضرت کو یاد کیا تو کرم فرمایا اور مشکل مقامات میں رہنمائی سے نوازا اس موقع پر فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی پورنوی اور خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی تشریف فرما ہوئے تھے اور دو تین روز تک ان حضرات کی ضیافت کی سعادت بھی ناچیز کو حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ جب ہم لوگ کسی لفظ کے بارے میں فیصلہ نہیں پارہے ہوتے تو حضرت خواجہ صاحب سے رجوع کرتے، آپ فوراً یا ذرا تامل کے بعد اسے حل فرمادیتے کہ یہ لفظ ہے یا اس لفظ کا یہ معنی ہے، یا یہاں یہ لفظ چھوٹ گیا ہے یہ ہونا چاہیے، یہ چند ایام بڑے بابرکت رہے اور یادگار ہیں جنہیں میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس وقت میں نے حضرت خواجہ صاحب کی دوربینی اور دقت نظری کا بہت قریب سے مطالعہ کیا اور غایت درجہ متاثر ہوا، ان حضرات محققین کا یہ اجتماع ''دارالعلوم قادریہ'' چریاکوٹ میں آج سے تقریباً سولہ سال قبل ہوا تھا جب میں پہلی بار ''کنز الایمان'' کا مخطوطہ سے مقابلہ کررہا تھا، اور مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھ رہا تھا، جب کہ الفی قرآن شریف کے ساتھ ''کنز الایمان'' پروف اور مقابلے کا کام گزشتہ دو تین سالوں سے چل رہا ہے اور اختتام کے قریب ہے، الفی کے علاوہ عام نسخوں کیلئے بھی نئی کمپیوزنگ کی تصحیح کا کام جاری ہے، اللہ پاک سے توفیق کی بھیک مانگ رہا ہے کہ جلد ہی یہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچے اور مقبول بارگاہ ہو اور سعادت ونجات کا باعث۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: کچھ یادیں کچھ باتیں

مفتی اشرف رضا قادری قاضی ادارہ شرعیہ ممبئی

نابغہ عالم، عبقری اسلام، محقق بے بدل، فاضل اجل واکمل، خواجۂ علم وفن، مولانا مظفر حسین رضوی پورتوی مدظلہ العالی میرے ممتحن ومرشد اجازت ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سالانہ امتحان ۱۹۸۳ء میں آپ بطور ممتحن بلائے گئے۔ ہماری جماعت سابعہ کی کتاب التوضیح والتلویح کا امتحان ان کے یہاں قرار پایا، کتاب حلل المشکلات جامع اصول وفروع، پیر طریقت استاذی الکریم، مرشد اجازت، علامہ محمد نصیر الدین صاحب عزیزی مدظلہ النورانی کے زیر تدریس تھی۔ حضرت خواجہ صاحب کے علمی طنطنہ کے سبب ہماری پوری جماعت متاثر تھی، کسی مصلحت سے ایک ایک کر کے ہمارے ساتھی امتحان کے لئے حاضر ہوتے رہے پتہ نہیں کس پر کیا گذری، جب میری باری آئی تو میرے خیال میں بھی اپنے معیار پر نہیں بلکہ ہمارے اعتبار سے امتحان لیا، حوصلہ افزائی فرمائی، مزید اس فن میں جدو جہد کی ترغیب فرمائی۔ اس کے بعد سے بفضلہٖ تعالیٰ ہمت بلند ہے کسی بھی نابغہ روز گار کے سامنے ہر طرح کے امتحان کے لئے تیار ہوں۔

ممبئی کی ایک محفل میں خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الہ آباد کے کسی قصبہ میں عظیم الشان کانفرنس تھی، جہاں بہت سارے اکابر واصاغر مدعو وجلوہ افروز تھے، مرشدی الکریم، غوث العالم، نائب اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری یقینی تھی، حضرت کا نام سن کر اطراف وجوانب کے مسلمان بادل کی طرح امنڈ کر آئے تھے، حضرت کا سراپا انتظار تھا۔ یکے بعد دیگرے تقاریر ہو رہی تھی مگر سامعین کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، رات دیر گئے حضرت کی تشریف آوری ہوئے، آمد کا اعلان سن کر سارا مجمع پرسکون اور دیدار کا مشتاق ہو گیا۔ صلاۃ وسلام اور دعا کے بعد سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ اسٹیج پر ہی تشریف فرما رہے سارا مجمع، عوام وخواص قطاروں میں کھڑے ہو گئے، ہر ایک کو حضرت سے مصافحہ ودست بوسی کا شرف ملتا رہا، بھیڑ زیادہ ولائن لمبی تھی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ "بھیڑ کی وجہ سے سونچا کہ کل صبح قیام گاہ پر حاضر ہو کر زیارت کا شرف حاصل کرلوں گا،، قیام گاہ پر چلا گیا صبح حاضر بارگاہ ہو کر سلام ودست وبوسی کے وقت حضرت نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ارشاد فرمایا "خواجہ صاحب میں رات آیا آپ اب ملنے آئے ہیں،، میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ حضور رات بھیڑ میں

ملاقات کے لئے حاضر آیا تھا۔ فرمایا خواجہ صاحب! آپ ملاقات کریں اور میں آپ کو نہ پہچانوں ایسا نہیں ہو سکتا آپ خلاف واقعہ بات کر رہے ہیں،، میرا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں تھا، حضرت کی گرفت سخت تھی کیا مجال کہ کوئی جوان اس بوڑھے سے اپنا ہاتھ چھڑا سکے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت اپنے تمام ارادت مندوں اور عقیدت کیشوں کو جانتے و پہچانتے ہیں اور زبان کی احتیاطی ملاحظہ فرمایئے کہ ارشاد فرمایا ''کہ آپ خلاف واقعہ بات کر رہے ہیں،، یہ نہیں فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تکمیل کے بعد بریلی شریف میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر تھا، حضرت نے مولانا مفتی اسلم رضوی مظفر پوری رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث وسلسلہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو میرے دل میں اسے حاصل کر لینے کا جذبہ وشوق پیدا ہوا، موقع غنیمت سمجھ کر میں نے بھی اس کے لئے عرض وگذارش کی۔ میرا مدعا سن کر ایک لمحہ کے لئے حضرت خاموش ہو گئے پھر میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اپنے اندر استطاعت پیدا کیجئے، پھر مجھے بھی احادیث وسلسلہ کی اجازتیں وسند مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ لیجئے،،

اسی مجلس میں میں نے حضرت خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ یہ سب اجازت وسند مجھے عطا فرما دیں تو آپ نے بلا تامل زبانی وتحریری طور پر تمام اجازت وسند عطا فرما دیا۔ فالحمد اللہ رب العالمین علیٰ ذالک۔

جناب سراج الدین شریفی کی عدم توجہ سے مفتی اشرف رضا سیتا مڑھی کے بجائے مفتی اشرف عالم سیتا مڑھی ان کی مرتبہ انٹرویو میں چھپ گیا ہے۔

امام علم وفن کا ایک یادگار پہلو

مولانا احسان الحق دانش رضوی صدر مدرس مدرسہ غوثیہ ملتیہ کربلا، راج محل

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

اسم گرامی :مظفر حسین۔القاب: خیر الاذکیاء، امام علم وفن، وارث علوم اعلیٰ حضرت، مظہر علوم اعلی حضرت۔حضرت امام علم وفن خواجہ برادری کے ایک معزز با اثر عالم باعمل حضرت مولانا مفتی خواجہ زین الدین صاحب علیہ الرحمہ کے گھر تولد ہوئے۔ جب آپ کی عمر ڈھائی سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ داغ مفارقت دیکر اپنے مولی کو پیاری ہوگئی۔آپ کی والدہ ماجدہ کی رحلت کے بعد آپ کی بڑی بھابی جان جو بڑی نیک سیرت تھی آپ کو اپنی کفالت میں لے لی اور اپنی اولاد جیسی پیار ومحبت سے نوازتی رہی۔اور خواجہ علم وفن اپنی بڑی بھابی جان کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے۔جب آپ سن شعور کو پہونچے تو آپ کے پدر بزرگوار نے بغرض تعلیم اپنے ہمراہ مدرسہ اساقت الاسلام محمد یہ ضلع پورنیہ لے کر چلے گئے، جہاں پر آپ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔جب آپ فارسی کی مروجہ کتابیں پڑھ چکے۔تو آپکو درجۂ عربی کی ابتدائی کتابیں شروع کرادی گئیں۔ہمارے علاقہ پورنیہ میں عموما اساتذہ کرام عربی درجۂ ابتدائیہ اور ثانیہ کی کتابیں زبانی پڑھنے کا حکم صادر فرماتے اور تلامذہ زبانی عبارت ومعنی یاد کر کے پڑھتے بھی تھے۔مگر امام علم وفن کے والد گرامی اپنے لخت جگر کو فرمایا کرتے: ان کتابوں کو تم دیکھ کر ہی پڑھو ان شاء اللہ تعالی تم مولوی ہو جاؤگے۔

اور مزید فرماتے کہ تم مغرب تا عشا ہی پڑھا کرو۔بعد نماز عشا سو جاؤ، انشاءاللہ تعالی تم مولوی صاحب ہو جاؤگے۔یہ جملہ آپ کے والد صاحب بارہا فرماتے رہتے۔بقول امام علم وفن آپ کتابیں دیکھ کر پڑھتے تھے مگر معنی والفاظ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جاتے تھے۔زبانی یاد کرنے والے طلبا آپ کی ذہانت وفطانت اور یادداشت پر رشک کیا کرتے تھے۔

ع۔بالائے سرش زہوشمندی۔می تافت ستارہ بلندی

اپنے والد گرامی کے پاس شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بحر العلوم لطفی کٹیہار میں داخلہ لئے۔جہاں اس وقت آفتاب علم وکمال، راس الحکما، ملک العلما حضرت علامہ ومولانا سید شاہ ظفر الدین صاحب بہاری (مصنف صحیح البہاری) شاگرد رشید وخلیفۂ اعلی حضرت علیہ الرحمہ۔شیخ الحدیث، بحر العلوم وجامع المعقولات حضرت علامہ سید سلیمان اشرف صاحب بھاگلپوری۔جامع المنقولات حضرت علامہ ومولانا محمد یوسف صاحب پٹنوی علیہم الرحمہ تدریسی خدمات انجام دے

رہے تھے۔علم وعرفان کے متلاشی حضرات دور دراز مقامات سے آکر اکتساب علم وحکمت کررہے تھے۔امام علم وفن کو بھی ان صاحبان علم وکمال کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر اکتساب علم کا سنہارا موقع میسر آیا۔ابھی علمی پیاس بجھا ہی رہے تھے کہ اچانک ملک العلما بیمار ہو کر مدرسہ لطیفی سے وطن مالوف چلے گئے۔غالبا یہ حضرت امام علم وفن کا ہدایہ آخرین کا سال تھا۔

حضرت ملک العلما کے چلے جانے کے بعد حضرت امام علم وفن بریلی شریف میں اس زمانہ کی مرکزی درسگاہ مظہر اسلام بی بی جی مسجد میں جا پہونچے،اس وقت اس درسگاہ کی مسند تدریس پر ہندوستان کے مایہ ناز اساتذہ متمکن تھے۔حضرت امام علم وفن نے ان نامور اساتذہ سے خوب خوب اکتساب علم کیا اور اپنی پیاس بجھائی۔

حضرت امام علم وفن نے جب درس نظامیہ کی تکمیل فرمالی تو اکابر اہل سنت ومشائخ عظام کی موجودگی میں آپ کے سر پر نیابت رسول کا تاج زریں رکھا گیا۔اور پھر حضرت مفتی ثناءاللہ صاحب محدث مئوی کے ایماواشارہ پر مسجد بی بی جی مظہر اسلام کا مدرس چن لئے گئے۔آپ نے کئی سال تک نہایت ہی جانفشانی اور محبت ولگن سے محنتی طلبہ کو زیور علم سے آراستہ وپیراستہ کرنے میں مثالی کردار پیش کیا۔پھر کیا تھا کل کا مظفر حسین پورنوی اس چند سالہ دور تدریس میں امام علم وفن بن گیا اور وارث علوم اعلیٰ حضرت سے پکارے جانے لگے اس سلسلے کی ایک گفتگو میں خود ہی فرماتے ہیں:

"ہم سنتے آرہے تھے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایسے ایسے فلاں فلاں علوم کے ماہر تھے ان علوم میں انکی ایسی ایسی فلاں فلاں تصنیفات ہیں،اور جب میں مدرس ہوا تو اچانک میرے ذھن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ان علوم وفنون کے مجددین تو ہمارے ہی طرح انسان تھے انہوں نے ان علوم کو ایجاد کیا اور بعد میں آنے والے حضرات نے اس کی تنقیح کی اور جس زبان میں ان علوم وفنون کو مدون کیا گیا ہے اس زبان کو قدر معتد بہ ہم بھی جانتے ہیں۔تو کیا سچ مچ ہم اتنے نادان ہیں کہ محنت کرنے کے باوجود بھی ہم انہیں نہیں سمجھ سکتے؟نہیں،نہیں ہرگز ایسا نہیں یہ خیال آتے ہی ان فنون سے تعلق رکھنے والی کتابوں کی ہم نے تلاش جاری رکھی،بالخصوص امام احمد رضا کی تصنیفات کی جستجو کی؛بحمدہ تعالی مجھے کتابیں ملتی گئیں اور ہم محنت کرتے رہے۔نتیجے میں ہم نے بہت کچھ پایا اور اسے موقع پر استعمال کرتا رہا اس طرح میری ہمت بڑھتی رہی اور ہم آگے بڑھ کر دوسرے فن کی طرف مائل ہوتے رہے۔اس طرح بحمدہ تعالی مجھے رب قدیر نے امام احمد رضا اور مرشد برحق غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے وسیلے سے غوث پاک کا صدقہ عطا فرماتا رہا اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ بحمدہ اس درسگاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ،ہیئت، وہندسہ،توقیت،ومساحت،جبر ومقابلہ،ارسماطیقی،مثلث مسطح،مثلث کروی،زیج،اعمال ستیہ،عمل بالخطائیں، علم الاسطرلاب،علم الربع المجیب،علم حساب،علم لوکارثم،علم مناظرہ ومریا،رمل وتکسیر،علم الابعاد وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا ان علوم وفنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں۔"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رب تعالی نے آپ کو کس قدر ذہن ثاقب عطا فرمایا ہے،آپ کی ذہانت وفطانت اور سنجیدگی،علمی صلاحیت ولیاقت کا ایک عالم متعارف ہے بلکہ علوم وفنون میں یکتا ویگانہ کے قائل بھی ہیں۔☆☆☆

امام علم وفن یادوں کے جھروکے سے

مولانا سید محمد معین الدین قادری رضوی راج محل

میں اپنی کم علمی، کم مائیگی اور بے بضاعتی کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی علمی شخصیت پر کچھ لکھنے کا اہل نہیں کہ یہ بلا مبالغہ سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے لیکن میرے جگری دوست مخلص گرامی حضرت مولانا احمد رضا صاحب نائب مدیر'المختار، کلیان نے یہ خوش خبری سنائی کہ'المختار، کے ارباب حل وعقد'امام علم وفن نمبر، شائع کرنے جارہے ہیں،تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور قلم بدست ہو کر خامہ فرسائی کے لئے بیٹھ گیا ہوں۔

یہ تقریباً پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ میں دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کے زیر سایۂ عاطفت اپنی علمی پیاس بجھارہا تھا اور اس چشمۂ شیریں سے تشنگی دور کر رہا تھا۔

حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے میں یہی سنتا تھا اور ان کے تعلق سے مشہور بھی یہی ہے کہ آپ کی شخصیت ایک خالص منطقی وفلسفی کی ہے۔لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کو صرف منطقی وفلسفی کہنا یہ ان کی بہت محدود تعریف ہی نہیں بلکہ اس ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کیساتھ ناانصافی بھی ہے کیوں کہ آپ صرف منطقی ہی نہیں بلکہ جامع معقولات ومنقولات اور ماہر علوم کثیرہ ہیں۔منطق وفلسفہ کے علاوہ بھی بہت سارے ایسے مروجہ وغیر مروجہ علوم وفنون ہیں جس میں آپ کی شخصیت ایسے نقطۂ کمال پر ہے جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

حضرت امام علم وفن کی ذات علم کے ساتھ اخلاق وکردار میں بھی یکتائے روزگار ہے۔طلبہ ان سے ہر وقت خوش رہتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ طلبہ سے وہ اپنے بیٹے کی طرح پیار ومحبت فرماتے ہیں۔کبھی کسی طالب علم کو غمگین دیکھنا برداشت نہیں کرتے۔میں اور عطیف میاں (خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے سجادہ نشین حضرت سالم میاں صاحب کے صاحبزادہ مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری کے برادرِ عزیز) دونوں کچھ دنوں تک حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی رہائش گاہ پر ایک ساتھ ہی رہے۔ہم نے بہت نزدیک سے دیکھا کہ کھانے کے وقت بچوں سے پوچھتے کھانا کھایا،طبیعت کیسی ہے،دل لگ رہا ہے؟ کوئی طالب علم مدرسہ سے گھر جاتا تو فرماتے اپنے گھر والوں سے سلام کہنا۔کوئی لڑکا گھر سے مدرسہ آتا تو پوچھتے گھر میں ابا،امی، بھائی، بہن، سب خیریت سے ہیں،تمہارا سفر کیسا رہا؟ آج ہی گھر سے آئے ہو،مطبخ سے کھانا نہ ملا ہوگا،آؤ میرے ساتھ کھالو! میں کبھی سوچتا اللہ اکبر! اتنی محبت والفت تو بعض باپ اپنے بیٹوں سے نہیں کرتے،جتنی محبت حضرت خواجہ صاحب قبلہ اپنے طلبہ سے کرتے ہیں۔یہی محبت

یہی شفقت، یہی اخلاق، یہی کردار، یہی خاطر، یہی تواضع، یہی دلنوازی ہی تو ہے کہ حضرت کے تلامذہ آج جہاں بھی ہیں انہیں بھول نہیں پاتے۔

تجربہ تو یہ ہے کہ جب اساتذہ کو خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی طالب علم سے خدمت لینی ہوتی ہے تو وہ وقتی طور پر اس طالب علم سے اظہار محبت کرتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے شفقت فرما دیتے ہیں، نرم نرم لہجے میں باتیں بھی کرتے ہیں۔ مگر جہاں خدمت ختم ہوئی کہ ساری محبتیں اور ساری شفقتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب قبلہ کا عالم یہ ہے کہ وہ سارے طلبہ پر چاہے وہ خدمت کریں یا نہ کریں، اپنے بچوں کی طرح ان سے شفقت فرماتے ہیں۔ کچھ دنوں تک دورہ اور نائب دورہ کے بچے رات کو گروہ در گروہ، ٹولی در ٹولی اور قافلوں کی شکل میں حضرت کی خدمت کرنے آتے تھے، حضرت منع فرماتے کہ وقت ضائع نہ کرو، کتابوں کا مطالعہ کرو، اسباق ازبر کرو لیکن حضرت کے منع کرنے کے باوجود وہ بچے دس پندرہ منٹ تک حضرت کی خدمت کرتے۔ اور کیوں نہ کریں کہ اس دس پندرہ منٹ میں حضرت سے ان بچوں کو جو علمی، فکری، سماجی، سیاسی، جانکاریاں حاصل ہو جاتی تھیں اتنی جانکاری بعض درسگاہوں میں ۴۵ منٹ کی گھنٹی میں حاصل نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے پروانہ وار بن بلائے ان کی خدمت کیلئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔

تجربہ ہے کہ جب انسان کے پاس علم یا ہنر ہوتا ہے یا اسے کسی مقام و مرتبہ تک رسائی ہو جاتی ہے تو اس کے اندر تکبر و غرور اور نخوت وانانیت کے جراثیم بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی میں یہ جراثیم زیادہ ہوتے ہیں اور کسی میں کم۔ لیکن میرے علم کے مطابق حضرت امام علم وفن کی ذات وہ تنہا ذات ہے کہ اتنے علوم وفنون کے ماہر ہونے کے باوجود تکبر وانانیت کا ان کی ذات سے دور تک کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ معمولی انسان سے بھی بڑے خلوص و محبت سے پیش آتے، گرم جوشی سے ملتے ہیں، پرتپاک خیر مقدم کرتے اور برابر کی جگہ میں بیٹھاتے ہیں۔ شاید یہی وہ جوہر ہے جس کی بنا پر حضرت خواجہ صاحب قبلہ آج بھی چھوٹے، بڑے سب کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں۔ اس تعلق سے امام علم وفن علما کی جماعت میں منفرد ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ آپ علم واخلاق اور ادب وشفقت کے جامع پیکر ہیں۔ آپ کے پاس اگر علم ہے اور اخلاق نہیں، تو لوگ وقتی طور پر اپنی علمی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھلے ہی آپ سے تعلق خاطر کا اظہار کریں مگر آپ ان کے دلوں پر حکومت نہیں کر سکتے جو نہی ان کی ضرورت پوری ہوگی وہ آپ سے قطع تعلق کر لیں گے۔ اس کے برعکس آپ کے پاس علم کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ بھی ہوں، تو لوگوں کے دلوں میں چاہے کتنا ہی عرصہ گزر جائے، آپ کے لئے اخلاص و محبت کی دنیا آباد رہے گی، ان کے دل پر آپ کی عظمتوں کا سکہ جما رہے گا۔

یہ دونوں صفتیں حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا ادب آپ کا طرۂ امتیاز ہے، عاجزی و خاکساری آپکی صفت لازمہ ہے۔ کبھی کبھی مجھے اور عطیف میاں سے فرماتے: بہت رو گے ایک دن مجھے یاد کر کے۔ بخدا آج دل روتا ہے اس عظیم ہستی کی قربت و ہم نشینی کے لئے اور میرا دل اپنے رب سے رو رو کر یہی فریاد کر رہا ہے کہ یا قدیر ہمارے امام علم وفن کو صحت وتندرستی عطا فرما اور ان کا سایہ ہم سبھوں پر تادیر قائم رکھ۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ ☆☆

امام علم وفن: کی بارگاہ میں ایک تشنۂ علم وفن

مولانا حیدر رضا مصباحی علی گڑھ

۱۶/ مئی ۲۰۱۰ء بروز اتوار 'عرس عزیزی' کے پر کیف موقع پر از ہر ہند' جامعہ اشرفیہ' مبارک پور میں اساطین ملت کے ہاتھوں راقم حروف کے سر پر اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کا تاج زرین رکھا گیا۔ اس وقت سرور وانبساط کی جس کیفیت سے میں نہال تھا، اس کے اظہار کے لئے نہ تو میرے پاس الفاظ ہیں اور نہ ہی قلم میں وہ توانائی جو اس کی عکاسی کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ اب بھی جب کبھی وہ حسین لمحہ یاد آتا ہے تو دل خوشی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ساعت لمحاتی تھی، جو آئی اور چلی گئی۔ آئی تو ڈھیروں خوشیاں لے کر، مگر ان خوشیوں کے پیچھے فکر بھی تھی کہ آئندہ سال میری مصروفیت کیا ہوگی؟ کسی دینی ادارے میں تدریسی خدمات انجام دوں یا جامعہ اشرفیہ کے ہی **شعبۂ تحقیق فی الفقه** میں تخصص کا کورس کروں یا پھر **جامعة الازهر الشريف** قاہرہ، مصر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے فارم بھر دوں؟

دستار بندی کے بعد سالانہ امتحان کی تیاری میں لگ تو گیا۔ لیکن ذہن سے اس فکر کو اتار نہیں سکا۔ پاس پورٹ کے لئے درخواست دی تھی مگر ابھی تک موصول نہیں ہوا تھا، اس لئے کم از کم اگلے سال تو از ہر شریف نہیں جا سکتا تھا۔ کچھ احباب سے مشورے کے بعد طے پایا کہ ابھی نہ تدریس سے جڑنا ہے اور نہ ہی اختصاص فی الفقہ میں داخلہ لینا ہے بلکہ امام علم وفن کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اکتساب علم وفیض کرنا ہے اور پھر وہیں سے ازہر کیلئے فارم پر کر کے منظوری آنے پر روانہ ہونا ہے۔ میں نے اپنے اس خیال سے گھر والوں کو آگاہ کیا تو وہ راضی ہو گئے اور میں نے فون ہی پر امام علم وفن سے رابطہ کر کے اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: رمضان شریف میں آپ 'سنگھیا' میرے گھر آ جائیے وہیں یہ طے پائے گا کہ کون کون سے فنون آپ کو پڑھنے ہیں۔

یہ اگر چہ حضرت کی طرف سے صریح اجازت نہیں تھی، مگر موبائیل کی وساطت سے کانوں میں رس گھولنے والے حضرت کے ان جملوں ہی نے اس وقت مجھے جو سکون بخشا تھا اسے لفظوں کا جامہ نہیں پہنا سکتا۔ پھر کیا تھا میں نے اپنا فیصلہ محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ گیاوی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ اور پیر طریقت حضرت علامہ نصیر الدین صاحب قبلہ استاذ

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کو سنایا۔ ان حضرات نے تحسین فرمائی اور کچھ مفید مشوروں سے نوازا۔ اس دوران کئی اوارے والوں نے (جن میں حضرت مفتی محمد آل مصطفیٰ صاحب مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو بھی ہیں) اپنے اپنے مدرسے میں تدریس کی دعوت دی، مگر میں نے ان حضرات سے معذرت کرلی۔

سالانہ امتحان کے بعد کچھ امور کی انجام دہی کے لئے میں 'المجمع الاسلامی' مبارک پور اور "جامعہ اشرفیہ،، میں رکا رہا۔ رمضان کی ۲۱/یا۲۲/تاریخ کو گھر پہونچا اور چند دنوں کے بعد مختلف تمنائیں لئے سراپا امید بن کر امام علم وفن کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنی بات پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ: آپ مجھ سے علم توقیت میں 'زبدۃ التوقیت' ہیئت میں 'التصریح' اور منطق میں 'رسالہ میر زاہد' پڑھ لیجے، مگر یہ کتابیں چرہ مدرسے میں نہیں ہیں اس لئے کتابوں کی فراہمی آپ کی اپنی ذمہ داری ہوگی۔ پھر فرمایا کہ عید الفطر کے بعد 'زبدۃ التوقیت' لے کر میرے گھر آجائیے گا۔

حضرت مولانا خواجہ محمد آصف رضا و مولانا محبوب صاحبان کی وساطت سے 'زبدۃ التوقیت' حاصل کی اور عید کے بعد میں حاضر خدمت ہوگیا۔ امام علم وفن بہت خوش ہوئے اور علم توقیت کی اہمیت وافادیت پر نہایت ہی جامع مختصر تقریر فرما کر کچھ اسباق پڑھائے، پھر استخراجِ اوقات کا طریقہ بتایا۔ یقین جانیے! یہ صرف ایک گھنٹہ کا درس تھا اور میں فجر وعشا اور طلوع وغروب کے اوقات متسخرج کرنا سیکھ چکا تھا۔ جس سے مجھے عین الیقین ہوگیا کہ آپ کے تلامذہ میں جو خصوصیات وکمالات ہوتے ہیں ان کا راز کیا ہے؟

شوال کے پہلے عشرہ میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور حاضر ہوا، اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور دعائیں لیں، صدر العلما، عمدۃ المحققین، حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی اور ادیب شہیر حضرت علامہ نفیس احمد صاحب قبلہ کی کرم فرمائیوں سے 'التصریح' اور 'رسالہ میر زاہد' حاصل کی اور چرہ حاضر ہوا۔ اگر کتاب سامنے رکھ کر پڑھنے کا نام ہی پڑھنا ہے تو میں حضرت سے 'تصریح'، "میر زاہد" اور 'زبدۃ التوقیت' ہی پڑھتا تھا۔ ورنہ میری بساط کے لائق وہ کیا چیز تھی جوان کی خدمت میں رہ کر نہیں پڑھ رہا تھا۔

مگر افسوس کہ ابھی مجھے حضرت کی خدمتِ بابرکت میں ۵/ہی مہینے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی کہ اچانک مولانا عبد الحق صاحب قبلہ کے اصرار، حضرت مفتی آل مصطفیٰ صاحب کا مشورہ اور پیر طریقت حضرت علامہ نصیر الدین صاحب قبلہ کے حکم پر مجھے دار العلوم قادریہ 'گلشن برکات' انٹیا تھوک، ضلع گونڈہ میں بحیثیت مدرس آجانا پڑا۔ یقین جانیے! حضرت امام علم وفن کی بارگاہ سے اتنی جلدی جدا ہونے کا مجھے جو افسوس ہوا اور ہے وہ زندگی بھر رہے گا۔

اس ۵/مہینے کی مختصر مدت میں جہاں میں نے علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اپنی بساط کے مطابق اس سے سیراب ہوا، وہیں اخلاق حسنہ، الطاف کریمانہ، جود وعطا، شفقت وتواضع، غیرت وحمیت وغیرہ صفات حمیدہ کے حسین مرقع کا بھی دیدار کیا۔ ذیل میں ان صفات کی کچھ جھلکیاں پیش ہیں۔

حسن خلق: حسن خلق کی اثر آفرینی لوگوں کے نزدیک مسلم ہے۔ اس کا جادو سر چڑھ کے بولتا ہے۔ یہ ایک ایسی

صفت حمیدہ ہے جو نہ صرف انسان سے سر بلکہ دل بھی جھکالیتا ہے۔جس میں یہ صفت ہوتی ہے لوگ اس کے گرویدہ اور عاشق ہوجاتے ہیں۔بدخلق انسان سے لوگ بیزار اور متنفر ہوتے ہیں۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (عمران، ۱۵۹) یعنی (اے محبوب) اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہوگئے،اور اگر آپ بدخلق،سخت دل ہوجاتے تو لوگ آپ کے اردگرد سے پھوٹ جاتے۔

بدخلقی،حسن خلق کی ضد ہے تو تعرف الاشیاءُ باضدادِھا کے مطابق اس کے فوائد وثمرات واضح ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا (مشکوۃ المصابیح ص:۴۳۱) یعنی مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہیں۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: من یحرم الرفق یحرم الخیر (مشکوۃ المصابیح ص:۴۳۱) یعنی جو (لوگوں کے ساتھ) نرمی کرنے سے محروم ہے وہ بھلائی سے محروم ہے۔

حضرت امام علم وفن نہایت بااخلاق،ملنسار اور انسان دوست واقع ہوئے ہیں۔اپنوں کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہر تو سبھی کرتا ہے،مگر انجانوں اور مخالفوں کے سامنے کشادہ روئی اور فراخ دلی کا اظہار سب کے بس کا روگ نہیں،مگر یہ امام علم وفن کی ذات ہے جو اپنوں کے ساتھ ساتھ بیگانوں،بلکہ مخالفوں کے ساتھ بھی حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں۔جانشین مخدوم الملت حضرت علامہ سید مدنی میاں صاحب مدظلہ العالی اور امام علم وفن کے درمیان یہ علمی اختلاف ہوگیا تھا کہ ٹی۔وی کے اسکرین پر نظر آنے والی صورتیں عکس ہیں یا تصویر؟ جانشین مخدوم الملت اسے عکس کہہ رہے تھے اور امام علم وفن تصویر بتاتے تھے۔جانشین مخدوم الملت نے 'ویڈیو،ٹی۔وی کا شرعی حکم' نامی کتاب لکھ کر امام علم وفن کا رد کیا تو امام علم وفن نے 'ٹی۔وی کی تحقیق' میں جواب آں غزل عطا فرمایا۔جس کا اثر فطرتاً دونوں حضرات کے تعلقات پر بھی پڑا۔مگر امام علم وفن نے تجدید تعلقات کے لئے کئی بار کوششیں کی۔میں جن دنوں آپ کی خدمت میں تھا،ان دنوں بھی آپ نے جانشین مخدوم الملت کی بارگاہ میں سلام وپیام بھیجا مگر جانشین مخدوم الملت نے شرعی عذر قرار دے کر انکار فرمادیا۔

<u>شفقت:</u> احادیث طیبہ میں چھوٹوں پر شفقت کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔یہاں تک کہ ایک مقام پر آقائے کائنات،فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:لیس منامن لم یرحم صغیرنا ومن لم یوقر کبیرنا (مشکوۃ المصابیح ص:۴۲۳) یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت امام علم وفن اپنے تلامذہ اور چھوٹوں پر بڑی شفقت فرماتے،ان کا دکھ درد سنتے اور حتی المقدور ان کی تعلیمی،سماجی اور معاشی پریشانیوں کو دور کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ بعد عصر مدرسہ کے طلبہ آپ کے اردگرد ایسے بیٹھے ہوتے ہیں کہ معلوم پڑتا ہے کسی شمع کو پروانوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔اور یہ فقط اس وقت کی خصوصیت نہیں ہے۔بلکہ دگر اوقات بھی کچھ نہ کچھ طلبہ آپ سے اپنی اپنی پریشانیوں کا علاج کراتے رہتے ہیں۔

تواضع: انسان کی عمدہ اور پسندیدہ صفات میں 'تواضع' بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ غالباً حدیث پاک میں یہ مفہوم وارد ہوا ہے کہ: بیشک اللہ عز وجل تواضع کو پسند فرماتا ہے، جو اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند فرما دیتا ہے۔ اور حکما نے تو یہاں تک کہا ہے: التواضع مع الجهل والبخل احمد واحسن من الكبر مع العلم والسخا (مجانی الادب) یعنی جاہل، بخیل جو متواضع ہو، وہ اس عالم، سخی سے بہتر ہے جو متکبر ہو۔

حضرت امام علم وفن کو اس صفت محمودہ سے بھی وافر حصہ ملا ہے۔ آپ انتہائی متواضع ہیں۔ جیسا کہ آپ کے ملاقاتیوں پر واضح ہے۔ تواضع کی حد تو یہ ہے اپنے معاصرین میں کم علم وکم عمر علما کو تو جانے دیجئے! اپنے تلامذہ اور چھوٹے بچوں تک کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ آج ہمارے سماج کا چاہے جو طبقہ بھی ہو، وہ چھوٹوں کو سلام کرنا قولاً نہ سہی عملاً معیوب ضرور سمجھتا ہے۔ جب کہ یہ جہاں اصاغر نوازی ہے وہیں سرکار دو عالم ﷺ کی سنت مبارکہ بھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ: حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا اور فرمایا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تھے تو انہوں نے ان کو سلام کیا تھا پھر ارشاد فرمایا تھا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (صحیح مسلم شریف، ج:۲، ص:۲۱۴) آج یہ سنت نزع کے عالم میں ہے اور مسلمانوں سے اپنی بقا کی بھیک مانگتی دکھ رہی ہے۔ مگر امام علم وفن سے شرف باریابی حاصل کرتے وقت اس نیم مردہ سنت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

یہ بھی آپ کے تواضع کا ایک حصہ ہے کہ آپ کبھی کسی کو 'تو' یا 'تم'' سے خطاب نہیں فرماتے ہیں۔ بوڑھا ہو یا بچہ، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ، سب کو 'آپ' ہی کے لفظ سے خطاب فرماتے ہیں۔

جود وسخا: سخاوت بھی ایک عمدہ انسانی خصلت ہے، جس سے آدمی دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ جب کہ بخل و کنجوسی انسان سے اپنوں کو بھی متنفر اور بیزار کر دیتی ہے۔ اسی لئے احادیث کریمہ میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب میں یہ صفت بھی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ آپ بڑے مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔ آپ کی مہمان نوازی کے عجیب وغریب قصے ہیں۔ مہمانوں کے لئے پر تکلف دعوت کا اہتمام آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آج جب کہ آپ کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہے، نقاہت کا اس قدر غلبہ ہے کہ اپنے کام خود انجام نہیں دے پاتے، مگر مہمان کی آمد پر جو اہتمام کرواتے ہیں وہ واقعی دیدنی ہوتا ہے۔ آنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور دل میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس پیرانہ سالی میں یہ انتظام وانصرام خواجہ صاحب کا ہی حصہ ہے۔

مہمان تو پھر مہمان ہیں۔ حاجت مند طلبہ کی وقتاً فوقتاً حاجت روائی کرتے ہیں۔ خاص طور سے بقرعید، محرم الحرام، عید میلاد النبی ﷺ اور اس طرح کے دوسرے موقعوں پر نادار وغریب طلبہ میں روپے تقسیم کرتے ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ انسان کا کتابوں سے محبت کرنا فطری ہے۔ اور یہ الفت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اگر آدمی کسی وجہ سے کتابوں کے استفادے سے عاجز ہو پھر بھی وہ اپنی کتاب دوسرے کو ہبہ کرنے پر راضی نہیں دکھتا۔ مگر واہ رے امام علم وفن کی

سخاوت! کہ جب امراض نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا، اور کتابوں سے استفادے کے قابل نہ رہے تو اپنی ساری کتابیں ایسے لوگوں کو عنایت فرمادیں جو ان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل تھے۔ اور اب عالم یہ ہے کہ اپنے گھر میں برائے نام بھی کتابیں نہیں رہ گئی ہیں۔ فقیر راقم حروف پر حضرت کی اس قسم کی نوازشات خوب ہوئی ہیں۔

بذلہ سنجی: حضرت خواجہ صاحب بڑے بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔ عالی فکر اور علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہونے کے باوجود اپنے تلامذہ کو خوش کرنے اور ان کی تفریح طبع کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ سامنے والا محو حیرت ہو جاتا ہے کہ یہی شخص جو افکار غزالی اور علوم رازی رکھتا ہے، بچوں کے ساتھ کیسی پر لطف گفتگو کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو میرے ایک چھوٹے بھائی جن کا نام 'کبشہ' تھا سے فرمایا: **یا ابا عمیر! مافعل نفیر،** یعنی اے ابو عمیر! نفیر کا کیا ہو گیا؟ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۴۱۶)

"نفیر،" "نغر،" کی تصغیر ہے۔ ہمارے ہاں کی 'گوریا' کے مشابہ عرب میں ایک پرندہ، جس کا چونچ سرخ ہوتا تھا، اسے "نغر" کہتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس وہ چیڑیا تھی جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔ ایک دن جب سرور کائنات ﷺ نے ان کے پاس وہ پرندہ نہیں دیکھا تو اس کے بارے میں ایسے حکیمانہ اسلوب سے دریافت فرمایا۔ جس سے جہاں ایک طرف شریعت طاہرہ کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف بچوں کو خوش کرنے کی خاطر ان کے مزاج کے موافق پر لطف گفتگو کرنے کا درس بھی ملتا ہے۔ مندرجہ ذیل سطروں میں امام علم وفن کے حوالے سے اس نوع کے دو واقعہ قارئین کرام کی توجہ خاص کے طالب ہیں:

(۱) شہر پورنیہ اور مضافات میں نیچ ذات کی ایک قوم ہے، جبلیار (واضح رہے کہ راقم نے ان کیلئے "نیچ ذات،" کا استعمال لوگوں کے عرف کے اعتبار سے کیا ہے۔ ورنہ سرکار علیہ السلام نے "حجۃ الودع،" کے تاریخی خطبے میں ذات، پات اور اس طرح کے سارے امتیازات کو یکلخت یہ فرما کر کالعدم قرار دے دیا **لافضل للعربی علی العجمی و لا للا بیض علی الاسود الا بالتقویٰ** .او کماقال۔ چرہ مدرسے میں اسی برادری کا ایک لڑکا زیر تعلیم تھا۔ اس کے مزاحیہ قسم کے ساتھی طعنہ دیتے ہوئے اسے "اے جبلیار،،! سے مخاطب کرتے۔ جس سے وہ جل بھن جاتا۔ مگر برداشت وتحمل کا مظاہرہ کرتا اور اساتذہ میں سے کسی کے پاس شکایت درج نہیں کراتا۔

اخیر کار جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور پانی سر سے اوپر ہو گیا تو ایک بار اس نے حضرت خواجہ صاحب کے پاس یہ شکایت کر دی۔ اس پر آپ نے برجستہ فرمایا "اگر کوئی جبلیار کہہ کر پکارے، تو کہے گا قرآن کریم میں آیا ہے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** یعنی اللہ کی رسی کو مظبوطی سے تھام لو۔ پس کلام مجید میں جس حبل کے پکڑے رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ہم اس کو مظبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم اس کے یار ہوئے۔ اس لئے ہم لوگوں کو حبل + یار = حبلیار کہا جاتا ہے۔

(۲) چرہ مدرسے میں 'کلھیا' برادری کا ایک لڑکا پڑھتا تھا۔ اور یہ برادری بھی ادنیٰ شمار کی جاتی ہے۔ اس طالب علم کے ساتھ بھی طلبہ کا وہی سلوک تھا جو مذکورہ بالا طالبعلم کے ساتھ ان کا برتاؤ تھا۔ اس پریشانی سے نجات کے لئے اس نے بھی وہی تدبیر اپنائی جو اُس نے اختیار کی تھی۔ چنانچہ جب اس بچے نے حضرت خواجہ صاحب کے پاس آکر اپنی پریشانی بیان کی تو سن کر آپ نے فرمایا: اگر آئندہ آپ سے کوئی 'کلھیا' کہے تو آپ کہئے گا: حدیث میں آیا الحیاء شعبة من الایمان یعنی حیا ایمان کا ایک جز ہے۔ پس اگر آپ لوگوں کے پاس یہ جز مکمل نہیں ہے تو کیا ہوا۔ ہمارے پاس الحمدللہ یہ جز کامل طور پر ہے۔ اس لئے ہمیں کل + حیا = کلھیا کہا جاتا ہے۔

ذوقِ شعر و شاعری: یوں تو قرآن حکیم میں شعرا کی مذمت وارد ہوئی۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے "وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ" (الشعراء،۲۲۴) یعنی گمراہ لوگ شعرا کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر فی الواقع یہ مذمت تمام شعرا کے لئے نہیں ہے، بلکہ ان کے حق میں ہے جو اپنے ممدوحین کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے فن کار عموماً کیا کرتے تھے۔ ورنہ تو احادیث طیبہ سے اس کی کثیر سندیں فراہم کرائی جاسکتی ہیں کہ خود آقائے دو عالم ﷺ کو اچھی شاعری پسند تھی۔ جبھی تو آپ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شعر گوئی کے لئے منبر شریف پر بیٹھاتے۔

ایک مقام پر رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً یعنی یقیناً بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شاعری فی نفسہ کوئی قبیح فن نہیں ہے۔ ہاں! البتہ شاعر کی غرض کے اعتبار سے اور کلام کے حسن و قبح کے لحاظ سے شعر گوئی حسن یا قبیح دو خانوں میں بٹ جاتی ہے۔

استاذ مطلق، جنھیں بیک وقت درسگاہ میں رائج علوم کے ساتھ ساتھ 'الجفر الجامع' کی نکتہ سنجی، الجبر والمقابلہ کی باریکیاں، مناظر و مرایا کی سیاحت، بحر نجوم کی غواصی، تکسیر کا ابتدائی کسر تو چھوڑیئے انتہائی کسر مثلث کی دونوں قسموں سطحی و کروی پر عبور، ریاضی و ہندسہ، کی الجھی گتھیوں کی تحویل، لوگارثم وار ثماطیقی کا امتزاج، توقیت میں فردیت، استخراج سمت قبلہ میں انفرادیت، ہیئت کی تمام کیفیات واقعیہ و اعتباریہ پر دسترس، وہ بھلا شعر و سخن جیسے لطیف فن کو اپنے دائرۂ کار سے کیسے باہر رکھ سکتے تھے؟ ہرگز نہیں، بلکہ انہوں نے تو اس فن کی اس دقیق صنعت کو زندگی نو بخشی ہے جسے حال اور ماضی قریب کے سخنور تقریباً نظر انداز کر چکے ہیں۔ یعنی شعر کا اپنی معنویت کے ساتھ پہیلی ہونا کہ اس میں موجود الفاظ و حروف کو ترتیب دینے سے کوئی نام برآمد ہو جائے۔ جسے ہم نامی چیستاں، کہہ سکتے ہیں۔ تفریح طبع کے لئے ایسے ہی کچھ اشعار پیش خدمت ہیں۔

چوں ما اسمک گفتہ شد آں لالہ رخ را
گفت عرب اندر برادر گفت برعکس (اخلاق)

اس شعر سے 'اخلاق'، نام بایں طور برآمد ہوتا ہے کہ جب محبوب سے اس کا نام پوچھا گیا تو اس نے جواب میں کہا: عرب اندر برادر۔ پس اگر 'برادر' 'یعنی' بھائی' کی عربی بنا میں تو اخ ہوگا۔ مزید اس نے کہا: گفت برعکس۔ 'گفت' یعنی 'کہا' کی عربی قال ہے اور جب اسے الٹا کریں گے تو لاق ہوگا۔ اور جب دونوں کو ملایا جائے تو اس کی ترکیبی صورت یہ ہوگی اخ + لاق = اخلاق۔

مکر سے دل صاف کر اور خالی ظرف بھر
حس اگر باقی رہے تو سین کو بے سین کر (مظفر حسین)

متاع لوٹا نے میں مارے گئے تم
رفاہ عام میں یہ آہ کیسی (عارف)

راج کا تاج سر سے دور راج رہے خیال میں
آدھا کمال حق پہ ہے آدھا گیا زوال میں (سراج الحق)

باغ میں ایک پھول ہے کیا ہی اچھا نام ہے
جس نے بویا اس نے پایا پھیر دینا کام ہے (ایوب)

حضرت خواجہ صاحب کے ایک صاحبزادے تھے۔ جن کا نام 'تحمید' تھا۔ اب وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ان کی شادی 'کہکشاں' نامی ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ ان کی دو بچیاں اور ایک بچہ یادگار ہے۔ بچیوں کے پکارے جانے والے نام علی الترتیب 'ترانہ' اور 'سہانا' ہیں۔ جبکہ بچے کا نام 'وقار' ہے۔

مندرجہ ذیل شعر میں کس طرح حضرت خواجہ صاحب نے اس پورے خاندان کے افراد کے ناموں کو پرویا ہے، وہ دیکھنے لائق ہے۔

تحمید کا ترانہ کیا خوب ہے سہانا (ترانہ، سہانہ
انکا وقار دیکھو ہے کہکشاں سے اونچا (وقار

<u>قوت حافظہ:</u> قوت حافظہ اللہ عزوجل کی ایسی بیش بہا نعمت ہے جس کی اہمیت آج کے مقابلاتی دور میں دوچند ہوگئی ہے۔ ایک طالب علم تیاری کے موقع پر خوب عرق ریزی کرتا ہے، شب وروز جفاکشی کرتا ہے، نہ رات کی نیند کا صحیح ڈھنگ سے لطف لے پاتا ہے، اور نہ ہی دوپہر کے قیلولے سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ بس ایک ہی نشہ رہتا ہے پڑھنا اور پڑھنا۔ مگر ان سب کے باوجود وہ امتحان میں پچھڑ جاتا ہے اور اس کا ساتھی جس نے اس جیسی محنت نہیں کی تھی، وہ رزلٹ میں اس سے کوسوں آگے رہتا ہے۔ جانتے ہیں یہ کمال کس کا ہے؟ یہ اثر خدائے کریم کی اسی بیش قیمت عطا کردہ دولت کا ہے جسے ہم 'قوت حافظہ' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

امام علم وفن کو اس دولت بے بہا سے وافر حصہ عطا ہوا۔ یوں تو اس دعوے کی تائید میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں تھی کہ علوم وفنون میں امامت کے منصب پر فائز ہونا ہی بدرجۂ اتم اس پر دال ہے۔ مگر اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے فقط ایک واقعہ سپرد قرطاس کرتا ہوں۔ مغرب بعد کا وقت ہے، راقم حروف خواجہ صاحب کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہے۔ علمی ماحول گرم ہے کہ اچانک کسی ضرورت کے تحت ۵ منٹ کی رخصت لے کر میں روم سے باہر جاتا ہوں۔

لیکن واپسی ۵ منٹ تو کیا اس رات نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے دن صبح حضرت کی خدمت میں باریاب ہوا تو رات میں واپس نہ لوٹنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کی: درجۂ اولی کا ایک طالب علم 'گلستاں' کے پہلے باب کی فلاں حکایت پڑھانے کو کہا تھا، اسی کو پڑھانے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ اسی لئے واپسی نہیں ہو پائی۔ یقین جانئے کہ میں نے تو صرف اس حکایت کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا تھا۔ آپ نے فوراً پورا واقعہ اور اسکے مابعد کے اشعار کا مفہوم بھی سنا دیا۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ پتہ نہیں گلستاں کب پڑھائی ہے؟ مگر اب بھی حکایت ایسے ہی یاد ہیں جیسے آج کل پڑھا رہے ہوں۔

حاضر جوابی: حاضر جوابی انسان کی ایک ایسی صفت ہے جو گفتگو میں دوسروں پر اس کے غلبے کا سبب بنتی ہے۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ایک آدمی حاضر جواب نہ ہونے کے باعث علم و فضل میں فوقیت رکھنے کے باوجود اپنے سے کمتر کے سامنے منہ کی کھاتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب میں غضب کی حاضر جوابی ہے۔ ایک دفع مناظر اہل سنت، فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب مضطر نے ایک مثال پیش کی جو کسی قاعدے کے خلاف تھی۔ اس پر خواجہ صاحب نے کہا ما من قاعدة الا وقد استثنی منها البعض یعنی ہر قاعدہ سے کچھ نہ کچھ مستثنی ہوتا ہے۔ پس آپ کا یہ جزئیہ اس قاعدہ سے مستثنی ہے، فلا اشکال۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے ایک قاعدہ بیان کیا اور معترضانہ انداز میں کہا: اس قاعدہ سے تو کوئی مستثنی نہیں، تو پھر آپ کا کلیۂ یہ فرمانا کہ ہر قاعدہ سے کچھ نہ کچھ مستثنی ہوتا ہے، درست نہ ہوا۔ اس پر برجستہ خواجہ صاحب نے کہا: آپ کا بیان کردہ ضابطہ ہمارے قاعدے ما من قاعدة الخ سے مستثنی ہے۔ اس لئے میرا قاعدہ اپنی جگہ صحیح ہے۔

طریقۂ تادیب و اصلاح: استاذ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھے اور جہاں ان کی طرف سے کوئی قابل صلاح عمل نظر آئے تو زدو کوب اور زجر و توبیخ کی بجائے صحیح طریقہ تعلیم کر دے۔ احادیث مبارکہ میں اس طرح کے کئی واقعات ملتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں آداب نبوت سے ناآشنا اعرابی آئے اور ایسی حرکتیں کیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر باش صحابۂ کرام پر گراں گزریں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پرسش نہ کی بلکہ انہیں صحیح راستے کی تعلیم فرما دی۔

حضرت خواجہ صاحب کا دامنِ کمال اس صفت کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ آپ طلبہ کے نشست و برخاست، سلام و کلام اور دوسرے کاموں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور جہاں کوئی خامی دکھتی ہے تو اس کے دفعیہ کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ خود راقم سطور دوران گفتگو لفظ 'مطلب' کا بہت بے جا استعمال کرتا تھا۔ مگر آپ نے اپنے مخصوص انداز میں اس مصیبت سے نجات دلائی۔

کیمیائی نظر: استاذ کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ طالب علم کے جوہر کو پہچانے، پھر اس کے مناسب حال باتیں بتائے۔ تاکہ اس میں اور نکھار پیدا ہوتا جائے۔

حضرت خواجہ صاحب کی نظر بڑی کیمیائی واقع ہوئی ہے۔ آپ فن کار کے فن کو بہت جلدی بھانپ لیتے ہیں۔ پھر اپنی کاوش سے اسے بام عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی شہادت تو ڈھیروں ہے۔ ہم یہاں ان میں سے ایک نذر قارئین کرتے ہیں۔

پچھلے سال برہان پور، ایم۔ پی کے ایک طالب علم نے جن کا نام حسان ملک ہے، چرہ مدرسے میں داخلہ کرایا۔ انہوں

نے حضرت کے سایہ تلے شب وروز بسر کرنا شروع کیا۔ بہت جلدی آپ نے ان کے اس ہنر کو بھانپ لیا کہ اگر ان پر کچھ توجہ دی جائے اور محنت کی جائے تو تحریری میدان میں اچھی خاصی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

چنانچہ آپ نے اس سے ایک مضمون لکھوایا تو بہت خوب پایا۔ اس طرح ان کے اس کمال کا علم الیقین سے عین الیقین ہوگیا۔ پھر برابر تلقین فرماتے رہے اور اب حال یہ ہے کہ ان کے ایک دو مضامین ماہنامہ 'کنز الایمان، دہلی میں شائع ہوئے جو بنظر استحسان دیکھے گئے۔

حوصلہ افزائی: حوصلہ شکنی سے قابل افراد ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ جبکہ حوصلہ افزائی ہم جیسے ناکاراؤں سے بھی عظیم کارنامہ انجام دلا سکتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب علما وطلبائے اہل سنت کے حق میں بڑے حوصلہ افزا واقع ہوئے ہیں۔ معمولی سی کارکردگی پر بے انتہا حوصلہ افزائی آپ کی عادت ہے۔

اقوال زریں: زندہ قومیں اپنے بزرگوں کے اقوال کو محفوظ رکھتی اور اکناف عالم میں انہیں پھیلانے کو اپنا فریضہ تصور کرتی ہیں۔ کیونکہ ان میں جہاں خود ان شخصیات کے زندہ رہنے کا سامان ہوتا ہے وہیں دوسروں کے لئے اپنی زندگی کو سنوارنے کے بیش بہا نقطے بھی ہوتے ہیں۔

اخیر غور تو کیجئے! کہ احادیث طیبہ جو ہمارے لئے احکام ومسائل شرعیہ کی تحصیل کا دوسرا اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن میں تندرست دلوں کے لئے وٹامن ہے تو بیمار دلوں کیلئے شفاء کلی بھی۔ وہ کیا ہیں؟ سرور کائنات علیہ الف الف تحیۃ کے اقوال مبارکہ ہی تو ہیں جنہیں اس امت مرحومہ کے جانباز، باہمت علمائے کرام وائمۂ عظام نے نہایت خلوص وللّٰہیت کے ساتھ جمع فرمایا۔ (واضح رہے کہ راقم نے احادیث کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں منحصر کیا۔ جب کہ اصطلاح میں ''حدیث،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں اس انحصار کے چند اسباب ہیں: (۱) اہل تحقیق کا شیوہ رہا ہے کہ بیان نکتہ کے مقام میں قاعدہ یا تعریف کی تقریر کسی خاص جز میں کرتے ہیں، اگر چہ فی نفسہ وہ عام ہو [ملاحظہ فرمائیں علم الصیغہ ''افادات نافعہ'' کا بیان]

(۲) اگر احادیث کا قولی، فعلی اور تقریری میں تجزیہ کیا جائے تو بآسانی اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ اخیر کی دونوں قسموں کی بہ نسبت حدیث قولی کی تعداد زیادہ ہے۔ پس للاکثر حکم الکل،، کے ضابطے کے تحت احادیث کو اقوال میں منحصر کر دیا گیا (۳) اصول حدیث کا ضابطہ ہے کہ جب حدیث قولی کا تعارض حدیث فعلی یا تقریری سے ہو جائے تو ترجیح اول کو ہوگی۔ اس سے بھی قولی کے پلڑے کے بھاری کا پتہ چلتا ہے۔

''الملفوظ،، جسے اگر علوم وفنون کا گنجینہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ آخر یہ کیا ہے؟ کیا امام اہلسنت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کے سیال قلم سے اس نے وجود پایا؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے اقوال زریں ہی کا وہ حسین انتخاب ہے جو آپ کے خلف اصغر سیدنا مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی کاوش سے منظر عام پہ آیا۔

امام علم وفن کے اقوال زریں آج مسلمان اہل سنت کی پسپائی اور انتشار کے لئے مضبوط ڈھال بن سکتے ہیں۔ان میں بیش قیمت جواہر موجود ہیں یوں تو ایسے اقوال کی تعداد بہت ہیں مگر سردست جو راقم کی یادداشت میں ہیں انہیں نذر قارئین کرام کر رہا ہے۔

(۱)مدارس اہلسنت کے ذمہ داران کو چاہئے کہ بنیادی تعلیم کی تکمیل کے بعد طلبہ کی دلچسپی اور شوق کے لحاظ سے الگ الگ شعبے قائم کریں۔ اور جس طالبعلم کا میلان جس فن کی طرف ہو، جس میدان میں وہ کمال حاصل کرسکتا ہو، اسے اسی میں لگائے رکھیں۔اس سے انشاء اللہ علمائے اہلسنت میں ہرفن اور ہر میدان میں باکمال افراد پیدا ہوں گے جو مذہب ومسلک کے تحفظ کی خدمت بحسن وخوبی انجام دے سکیں گے۔

(۲) ہیرا چاہے کیچڑ میں گر جائے اس کی قیمت گھٹتی نہیں۔وہ وہاں سے جب اٹھایا جائے گا اپنی قیمت وصول کرلے گا۔اور ٹھکری کو اگر سونے چاندی سے مرصع الماری میں رکھ دیا جائے، اس سے اس کا مرتبہ بڑھے گا نہیں، وہ اپنے بھاؤ ہی بکے گی، سونے یا چاندی کی نہیں۔

(۳) علما وطلبا کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے ذہن ودماغ کو مکمل طور سے کام میں لائیں، لکیر کے فقیر نہ بنیں۔ایسا نہ ہو کہ اگر کتاب میں مصنف کی طرف سے کوئی سہو واقع ہوگیا، یا کمپوزر کی غلطی در آگئی، تو اس پر یہ سوچ کر اعتماد کرلیں کہ اتنے بڑے بڑے مصنف سے کیونکر خطا ہوسکتی ہے؟ اس سے علمی گوشے جتنے تھے اتنے ہی رہتے ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہو پاتا۔
آخر اعلی حضرت قدس سرہ نے فقہائے کرام کی عبارات پر تطفل فرمایا ہے۔اسلاف میں بھی متاخرین نے متقدمین کے تسامحات پر امت کو آگاہ کرکے صحیح راستے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

(۴) اساتذہ کو اپنے تلامذہ کے حق میں حوصلہ افزا ہونا چاہئے۔تجربات اس پر شاہد ہیں کہ حوصلہ افزائی کا نتیجہ مثبت آتا ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولیٰ عز وجل ہم اہلسنت پر حضرت امام علم وفن کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم رکھے۔نیز استاذ الاساتذہ، حضرت علامہ مفتی غلام محمد یٰسین صاحب قبلہ، ناظم اعلیٰ الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم، ملک پور، کٹیہار اور ناشر مسلک اعلیٰ حضرت علامہ محمد امام اختر نوری صاحب قبلہ صدر المدرسین الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم، ملک پور، کٹیہار کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان حضرات نے ہی سب سے پہلے راقم کو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا تھا (آمین)

☆☆☆

ذرہ جو آفتاب بن گیا

مولانا محمد نسیم الدین کامل ثقافی دیناجپوری

امام علم وفن جس طرح صورت میں حسینوں سے زیادہ حسین، خوب رویوں سے بڑھ کر خوبرو ہیں۔ چہرہ زیادہ لمبا نہ بالکل گول، گورا گندمی رنگ، اس پر صباحت وملاحت، گھنی سفید ڈاڑھی۔ جہاں جائیں، سب کا مرکز نگاہ ہو جائیں، جس محفل میں بیٹھ جائیں، شمع محفل بن جائیں۔ اسی طرح سیرت میں بھی خلیقوں سے زیادہ خلیق، ملنساروں سے بڑھ کر ملنسار ہیں۔ علم وفن میں انفرادیت ویکتائی اس پر مستزاد۔ متداول درسی علوم کے علاوہ حساب وہندسہ، جبر ومقابلہ، ہیئت ونجوم، مساحت وتوقیت، مثلث مسطح وکروی، جومیٹری ولوگارثم وغیرہ کونسا علم وفن ہے جو آپ کی فکر رسا سے باہر ہو۔

مکتب کے بعد والد ماجد سے شرح جامی تک کی تعلیم لی۔ اوپر کی کتابیں امام احمد رضا کے 'ولد الاعز' 'ملک العلما' سید ظفر الدین بہاری سے پڑھیں۔ 'مظہر اسلام' میں دورۂ حدیث کر کے فراغت پائی اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور 'مفتیٔ اعظم' سے خصوصی سند لے کر ابتدائی درجوں کے مدرس ہوئے۔ اپنی محنت بھی جاری رہی اور 'مفتیٔ اعظم' کا فیضان بھی شامل رہا تھوڑے ہی دنوں میں کسی سے سیکھے، پڑھے بغیر امام احمد رضا کے نصف سے زائد نادر علوم وفنون پر دسترس حاصل کر لی اور ذرہ سے آفتاب ہو گئے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

'قانون شریعت' اور 'بہار شریعت' سے نقل کرنا اور مسئلہ بتانا 'فقہ' نہیں، یہ علم تصوف کے بعد سب سے مشکل فن ہے۔ اس میں بھی آپ کی ضوفشانی دیکھئے!

عام کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ حیض کی اقل مدت تین یوم اور اکثر مدت دس یوم ہے لیکن حیض کے ہمراہ اگر استحاضہ بھی جاری ہو جائے تو معتادہ، یعنی جس کی کوئی عادت بنی ہوئی ہو، وہ اپنی پچھلی عادت کے مطابق روزوں کی قضا کرے؛ اور مبتدیہ، یعنی جسے پہلی بار حیض آیا ہو، وہ اکثر مدت پر محمول کر کے دس روزوں کی قضا کرے۔ مگر فقہ کی مشہور ومتداول کتاب فتاویٰ عالمگیری جلد اول میں علامہ سرخسی کی شرح مبسوط کے حوالے سے ہے کہ:

بیس روزوں کی قضا کرنا بھی پڑ سکتی ہے اور بائیس روزوں کی بھی۔ پچیس روزوں کی قضا کرنا بھی پڑ سکتی ہے اور بتیس روزوں کی بھی۔ تینتیس روزوں کی قضا کرنا بھی پڑ سکتی ہے سینتیس اور اڑتیس روزوں کی بھی۔

کل روزے زیادہ سے زیادہ تیس ہو سکتے ہیں اور حیض زیادہ سے زیادہ دس دن آ سکتا ہے، مگر قضا اڑتیس تک کرنا پڑ سکتی ہے۔ یہ بات بظاہر عقل وفہم سے بعید ہی نہیں بہت بعید ہے۔ لیکن امام علم وفن نے اس کی ایسی توضیح اور ساتھ ساتھ وجہ بیان فرمائی ہے جسے پڑھ لینے بعد علما ہی نہیں، عوام پر بھی مسئلہ کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقالات امام علم وفن ص

☆ ۲۰۰۴ء کی بات ہے کہ مرکز علم ودانش الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں سمینار ہونا تھا۔ امام علم وفن جب چریا کوٹ سے روانہ ہوئے تو فیض آباد ہوتے ہوئے مدرسہ امیر العلوم سمنانیہ کچھوچھہ شریف کو بھی اپنے ایک روزہ قیام ارزانی سے مشرف فرمایا۔ مغرب کے بعد اساتذہ مختلف موضوعات کے سوالات کرنے اور حضرت جوابات عطا فرمانے لگے۔ راقم الحروف نے پوچھا کہ: حضور مفتی اعظم اور صدر الشریعہ نے چین دار گھڑی کا پہننا ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چین دھات کی ہوتی ہے جس کا پہننا ناجائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ گھڑی کا ڈائل بھی دھات ہی کا ہوتا ہے۔ پھر اس کا استعمال جائز کیسے ہے؟ امام علم وفن نے فرمایا:

> "ایک ہے لبس جس کے معنی فارسی میں 'پوشیدن'، اردو میں 'پہننا' ہیں اور ایک ہے وضع جس کے معنی فارسی میں 'نہادن'، اور اردو میں 'رکھنا' ہیں۔ کسی شی پر لبس کا اطلاق جبھی ہوتا ہے جبکہ وہ کل یا اکثر عضو کو محیط ہو اور گھیر لے۔ اگر کل یا اکثر عضو کو محیط نہ ہو تو لبس نہیں، وضع ہے۔ دھات کا لبس ناجائز ہے، وضع نہیں۔ مثلاً میں نے اسٹیل کا گلاس ہتھیلی پر رکھ لیا تو ناجائز نہیں ہو گیا کیونکہ یہ لبس نہیں، وضع ہے۔ گھڑی، پوری کلائی یا اس کے اکثر حصہ کو گھیرے ہوئے نہیں ہوتی ہے اس لئے لبس نہیں کہا جائے گا اور چین گھیرے ہوئے ہوتی ہے اس لئے اس پر لبس صادق آئے گا۔ مختصر یہ کہ ڈائل اور چین اگر چہ دونوں دھات ہی کے ہوتے ہیں مگر ڈائل پر وضع کا صدق ہوتا ہے، لبس کا نہیں۔ اس لئے ناجائز نہیں اور چین پر لبس صادق آتا ہے اس لئے وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔"

☆ جن دنوں ٹی وی کا مسئلہ عروج پر تھا اور کچھوچھہ شریف اور بریلی شریف کی مقتدر شخصیات باہم برسرپیکار تھیں امام علم وفن نے کسی کی تائید ومخالفت سے الگ ہٹ کر غیر جانب دارانہ روش اختیار کی اور اپنے موقف پر مضامین قلم بند کئے جو کئی ماہناموں کی زینت بنے۔

حضرت علامہ سید مدنی میاں زید مجدہ نے یہی خیال کیا کہ امام علم وفن نے ہمارے نظریہ کی مخالفت اور ازہری میاں کی

موافقت کی ہے۔اس لئے انھوں نے 'ٹی وی ویڈیو کا شرعی استعمال' نامی کتاب میں جہاں حضور ازہری میاں دام مجدہ کی تردید کے لئے مختص کئے تو امام علم وفن نے علم صوتیات میں زور قلم صرف کیا، وہیں قریباستائیس صفحات امام علم وفن کے مقالات کی تردید کے لئے مختص کئے تو امام علم وفن نے علم صوتیات علم مناظر ومرایا اور دیگر متعلقہ علوم مثلاً فقہ اصول فقہ ،اور تحقیقات رضویہ کے اجالوں میں مسئلہ ٹی وی کی ایسی تنقیح فرمادی کہ حق کا روئے تاباں منور ہوکر یہ سلسلہ ہی ختم ہوگیا۔

امام علم وفن نے نہایت ہی ایجاز واختصار کے ساتھ کتاب لکھی تھی مگر آپ کے شاگرد مناظر اہل سنت ،فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب مضطر نے مسودہ پڑھ کر عرض کیا کہ :حضور! آپ کا پیرایۂ بیان خالص علمی اور تحقیقی ہے اور مختصر اتنا کہ کم ہی لوگ اس سے مستفیض ہوسکیں گے۔ اجازت ہوتو میں اس کی تسہیل کردوں۔آپ نے اجازت دی اور مفتی صاحب نے کام شروع کیا تو وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ :میں سمجھتا تھا کہ چند ہی دنوں میں تسہیل کا کام انجام کو پہنچ جائے گا مگر جب کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ خواجہ صاحب نے کوزہ میں دریا سمودیا ہے ۔کئی ایسے مقامات آئے کہ میں طیور معانی کو دام الفاظ میں اسیر کرنا چاہتا،مگر وہ نکل نکل جاتے۔

مفتی صاحب کے اس معنیٰ خیز جملے سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آج بعد تسہیل جب معانی ومفاہیم کی دقت کا یہ حال ہے تو قبل تسہیل کیا رہا ہوگا؟ مولائے قدیر علم وفن کے اس بدر کامل کو تادیر درخشاں رکھے اوراس کے فیوض وبرکات سے ہمیں مستفیض فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: ایک مربی اور مشفق استاذ

مولانا جنید رضا مصباحی: اشرفیہ مبارک پور

اس بساط زمین پر ہمیشہ ہی کچھ ایسی قدر آور اور عبقری شخصیات کا ورود مسعود ہوتا رہا ہے، جن کی حیات وزیست کے لمحات سعیدہ دین متین کی خدمت، مسلمانوں کی اصلاح وہدایت اور ملت کے فروغ وارتقا کے لئے وقف رہے۔ جن کی شبانہ روز کی مساعی اور جد وجہد، اہل سنت کی حمایت وحفاظت میں صرف ہوئیں، آج ان کا نام صفحۂ دہر پر آفتاب وماہتاب کی طرح روشن ہے۔

انہیں عبقری شخصیات کی فہرست میں ایک نام امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب پورنوی مدظلہ العالی کا بھی ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کا ایک ایک لمحہ دین مبین کے فروغ واستحکام میں گذرتا ہے۔ یقیناً آپ کی حیات کے پاکیزہ نقوش ایک جہاں کو درس وفا اور پیغام علم وعمل دے رہے ہیں۔

ولادت وتعلیم وتربیت: حضرت خواجہ صاحب قبلہ بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں ضلع پورنیہ بہار، کے علاقہ بائسی موضع 'سنگھیا' میں پیدا ہوئے، ابتدا سے شرح جامی تک والد ماجد سے پڑھا۔ پھر جامعہ لطیفیہ بحر العلوم، کٹیہار میں ملک العلما حضرت سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ سے اکتساب علم وفن کیا۔ اس کے بعد جامعہ منظر اسلام بریلی شریف میں حدیث کا دور کر کے فراغت پائی۔ تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم ہند سے مزید خصوصی سند حدیث اور بیعت وخلافت حاصل کر کے مادر علمی مظہر اسلام ہی میں بساط تدریس بچھائی۔ وہاں کئی برسوں تک محنت کے ساتھ پڑھانے کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد تشریف لے گئے اور اب تک اسی ادارہ میں رہ کر طالبان علوم نبویہ کی تشنگی علم بجھانے میں مصروف ہیں۔

آپ سے ہزاروں طلبہ نے اکتساب فیض کیا اور اب ملک وبیرون ملک میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور مسلک حق کی ترویج میں تن، من، دھن سے لگے ہوئے ہیں۔

امام علم وفن حضرت خواجہ صاحب قبلہ مدظلہ العالی جہاں علوم ومعارف کے بحر ذخار و دریائے ناپیدا کنار ہیں وہیں

خشیت ربانی، زہد وورع، حزم واتقا میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ ذا لک فضل اللہ یو تیہ من یشاء

مربیانہ خصوصیات: ایک دینی قاعد، پیشوااور مربی کے اندر جن اوصاف وکمالات کا ہونا ضروری ہے وہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی ذات ستودہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

ذیل کے سطور میں ہم امام علم وفن کی حیات کے صرف ایک اہم وصف مربیانہ حیثیت کا جائزہ لیں گے اور کچھ حقائق وشواہد بھی قارئین کی نذر کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ آپ کی زندگی کا یہ گوشہ اہل علم وفن اور ارباب فکرونظر کے روبرو ہوسکے۔

شفقت ونرمی: اس امر مشاہد میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور خواجہ صاحب قبلہ کی ذات گرامی کو اللہ تعالی نے بے پناہ علمی کمالات اور فضائل ومحاسن سے نوازا ہے جس کی وجہ سے آپ کی عقیدت ومحبت اہل علم اور عوام الناس کے اذہان میں گھر کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ آپ جس طرف نکل جاتے ہیں تو فوراً معتقدین اور آپ کے چاہنے والے آپ کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور آپ کی خدمت کو اپنے لئے عظیم سعادت مندی سمجھتے ہیں۔ آپ کی ایک عادت کریمہ ہے کہ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں علم وعمل، وعظ وارشاد، پند ونصائح کے موتی بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ صوم وصلوۃ کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں، مذہب حق اور مسلک اعلحضرت پر قائم رہنے اور اس پر ثابت قدمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مگر ان ارشادات وہدایات میں کبھی بھی آپ شفقت ونرمی کے دامن سے تہی دست نہیں ہوتے ہیں۔ یقیناً آپ کی ہر نصیحت وہدایت شفقت ونرمی سے لبریز ہوتی ہے، اور شفقت ونرمی کی واضح مثال راقم الحروف کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ بھی ہے۔

۲۰۰۰ء کی بات ہے جب میں نے دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں درجۂ حفظ میں داخلہ لیا تو حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی خدمت کا بھی موقع ملا اور ناشتہ کرانا، حقہ پلانا راقم کے حصہ میں آیا۔

دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں ربیع الاول شریف کا چاند دیکھنے کے لئے بڑا اہتمام ہوتا ہے اور صفر کی آخری تاریخ کو تمام اساتذہ، طلبہ اور کچھ اراکین دارالعلوم کے وسیع وعریض فیلڈ میں جمع ہو کر عید میلاد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا چاند دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں بھی تمام اساتذہ طلبہ اور اراکین فیلڈ میں جمع ہو کر چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر چاند نظر نہ آسکا۔ چاند دیکھنے والوں کی لائن میں راقم بھی حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے قریب کھڑا چاند دیکھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا چاند تو نظر نہ آسکا مگر مجھے شرارت سوجھی دارالعلوم کے احاطہ میں خوبصورت، دیدہ زیب مسجد بنی ہوئی ہے، سنگ مرمر کا فرش اور دیواروں پر کندہ قرآنی آیتیں اسکے حسن کو دوبالا کرتی ہیں، مسجد کی چھت پر بنے فلک بوس مینارے جن میں سنہرا چاند بنا ہوا ہے مسجد کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو سنانے کے لئے مسجد کے مینار پر بنے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: چاند وہ ہے۔ جیسے ہی میں نے یہ کہا آپ نے فرمایا: کہاں؟ میں نے نادانی میں کہہ دیا" وہ ہے مسجد کے مینار پر۔ حضرت نے جب یہ جملہ میری گستاخ زبان سے سنا تو فرمایا: بڑا بے وقوف ہے، مسجد کے مینار پر چاند دیکھ رہا ہے۔ اور مسکراتے ہوئے کمرے

میں تشریف لے گئے۔

حضرت کے جانے کے بعد میرے بڑے بھائی مولانا تنویر القادری صاحب نے مجھے ڈانٹا اور سرزنش کی۔ میں معافی مانگنے کی غرض سے حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا تو حضرت نے سلام کا جواب دے کر فرمایا: آج تم نے مغرب کے بعد حقہ نہیں پلایا!، اچھا بیٹھ جاؤ! جب میں بیٹھ گیا تو حضرت نے بہت ہی شفقت ومہربانی بھرے لہجے میں فرمایا: اپنے اساتذہ کے ساتھ بہت ہی ادب واحترام سے پیش آنا چاہئے، خلاف ادب بات کرنا خود اپنے لئے نقصان دہ اور ضرر رساں ہوتا ہے۔ یہ ہے حضرت کی تربیت کا انداز اور شفقت ونرمی کی زندہ مثال۔

حسن اخلاق: حسن اخلاق وعمدہ سیرت کا پہلو جس قدر دلکش ودل آفریں ہے وہ اہل بصیرت کی دور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کیوں کہ یہ بات غلط نہیں کہ اچھے اخلاق کے بغیر انسان قبولیت عام نہیں پا سکتا۔

صفات حمیدہ اور خصائل حسینہ سے انسان کے ہر کام میں استحکام، پختگی اور اثر انگیزی دو چند ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ اسلامی اخلاق وآداب کے بھی معلم ہیں اور اس پر عامل بھی۔ آپ اسلامی اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ اس لئے جو بھی آپ سے ایک بار مل لیتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

تواضع: اللہ تبارک وتعالی نے آپ کی طبیعت میں بے پناہ انکسار اور سادگی ودیعت فرمائی ہے۔ راقم کا ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ ہے کہ آپ ہر آنے والے سے ہمیشہ خوش مزاجی اور خوش اخلاقی سے گفتگو فرماتے ہیں۔ اگر کوئی آپ کے پاس مشورہ لینے کی غرض سے حاضر خدمت ہوتا ہے تو نہایت ہی مفید مشورہ سے نوازتے ہیں۔ کبھی کوئی بات غیظ وغضب، ڈانٹ ڈپٹ سے ارشاد نہیں فرماتے ہیں۔ نرم خوئی آپ کی فطرت ہے۔

راقم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ مولانا اسید الحق قادری بدایونی جب ازہر سے واپس اپنے وطن مالوف تشریف لائے اور پھر حضرت سے ملاقات کے لئے اپنے قدیم مادر علمی دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد قدم رنجہ ہوئے تو امام علم وفن اپنے کمرے سے باہر دارالعلوم کے فیلڈ میں تشریف لے آئے اور تیزی سے مولانا اسید الحق قادری سے مصافحہ ومعانقہ کیا۔ یہ ہے آپ کی تواضع وانکساری۔

آپ کی مربیانہ شخصیت پر نظر ڈالی جائے تو دل معترف ہوگا اور زبان پکار اٹھے گی کہ آپ متواضع ہی نہیں بلکہ سید المتواضعین ہیں۔ سفر ہو یا حضر، اپنوں میں ہوں یا بے گانوں میں، کبھی بھی تواضع کا دامن ہاتھ سے چھوٹ نہیں پاتا ہے۔

ہمدردی: امام علم وفن نے جب سے عملی میدان میں قدم رکھا ہے کبھی وطن میں آرام طلبی کے لئے رہنے کی پرواہ نہیں کی۔ بریلی شریف میں حصول تعلیم کے لئے رہے اور اس کے بعد بریلی شریف سے ہی ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد میں بھی ہمیشہ اسلام ومسلمانوں کی خدمت میں لگے رہتے ہیں

۔وہ خدمت دین کے لئے جلسوں، مناظروں، مباحثوں اسی طرح بعض علماء ومشائخ کی عیادت کے لئے ضعیفی، کمزوری نقاہت اور عدیم الفرصتی کا خیال کئے بغیر طویل سفر کیا کرتے ہیں۔

بندہ نوازی: امام علم وفن جس طرح اپنے تلامذہ پر مہربان ہیں، اسی طرح بلا تفریق آپ دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کے عروج وترقی کیلئے شب وروز دعائے خیر کرتے ہیں۔

آپ کا یہ معمول ہے کہ جاڑا ہے تو برآمدے میں اور گرمی ہے تو جامعہ کے فیلڈ میں اپنی چارپائی بچھوا کر بیٹھتے ہیں اور آپ کی چارپائی کے اردگرد بہت سے طلبہ تپائی لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔اور جس کو جو پوچھنا ہوتا ہے، پوچھتا ہے اور آپ جواب دیتے ہیں۔ انہیں حصول علم کی رغبت دلاتے ہیں، ہمت بڑھاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہونے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

آپ کے پاس دارالعلوم نورالحق کے طلبہ ہی نہیں بلکہ رونا ہی، شہر فیض آباد اور اطراف وجوانب کے بہت سے مدارس سے طلبہ آتے ہیں۔آپ بلا تفریق سب کو اسی طرح نوازتے ہیں۔آپ کی تربیت اور بندہ نوازی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج آپ کی درسگاہ بافیض سے ہزاروں طلبہ اپنی علمی تشنگی بجھا کر علوم نبوت اور سنت نبوی سے مزین ہو کر اپنی اپنی جگہ دین وسنیت کا کام کر رہے ہیں۔اور مسلک اعلحضرت کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔

یہ ان کے اوصاف اور خوبیوں کی ایک جھلک تھی جو ہم نے قارئین کے روبرو رکھ دی ہے، جن سے واضح ہے کہ وہ جہاں علوم فنون کے بحر ذخار ہیں وہیں مربیانہ ومرشدانہ خوبیوں کے بھی حامل ہیں۔یقیناً علم وفضل، خشیت وتقویٰ میں آپ ہمارے اسلاف کرام کا نمونہ ہیں۔آج ایسی عظیم اور بے مثال شخصیت کم ہی ہے جو سب کے نزدیک قابل احترام اور قابل تعظیم ہو۔آپ کو ہر خانقاہ اور ہر درسگاہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر عالم ومفتی آپ کی علمی وعقلی بصیرت اور ذہانت وذکاوت کا اعتراف کرتا ہے۔کیوں نہ ہو کہ آپ اپنے عہد کے ممتاز عالم ربانی ہیں۔کام کرنے والے حضرات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ذرہ نوازی کا جو طریقہ میں نے آپ کے یہاں دیکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔یقیناً آپ کی شخصیت ایک آفاقی شخصیت ہے۔آپ کے اخلاق بہت ہی بلند ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کو عمر خضر عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن چند یادیں چند باتیں

مولانا محمد دانش سعدی مقام ٹکری پوسٹ: بیگاؤں تحصیل۔ کھاگا ضلع فتح پور

ملفوظات کو یکجا کرنا ایک امر مستحسن اور قدیم روایت ہے۔ عربی فارسی اردو تینوں زبان میں علما صوفیہ کے محفوظ ملفوظات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ صفائی قلب، تزکیۂ نفس اور استفادہ علمی کے لئے ملفوظات بھی بڑے مؤثر ثابت ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں۔ اسی لئے ہر دور کے باذوق تلامذہ اور مریدین نے اپنے اپنے اساتذہ اور مرشدوں کے ملفوظات واقوال جمع فرمائے۔ ان ملفوظات میں پند ونصائح، حکمت دانائی، خاندانی حالات اور اس عہد کے علمی، مذہبی، سماجی وسیاسی احوال کی عکاسی ہوتی ہے۔ ملفوظات کے اسی معنوی تنوع سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

میں نے اسی اہمیت کے پیش نظر اپنے ذوق کے مطابق امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ کے ملفوظات کو یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں آپ ملفوظات کہیں۔ یا۔ حضرت امام علم وفن کے اقوال۔ تجربات کہیں یا ان احساسات ------------ ان کے لب ہائے مبارک سے نکلے ہوئے جملے یقیناً حکمت ودانائی کے انمول جواہر پارے ہیں، جنہیں میں نے دوران تعلیم محفوظ کرلیا تھا۔ ان کی تعداد اگر چہ زیادہ نہیں تاہم جو بھی ہے، اسے میں نے ذاتی مال سمجھنے کے بجائے قومی اثاثہ کے طور پہ یہاں پیش کردیا ہے۔ ع

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
میں نے جلا کے دل تو سر عام رکھ دیا

مجھے امید ہے میری اس پیش کش سے حضرت امام علم وفن کے حساس ذہن تلامذہ کو تحریک ملے گی، اور وہ بھی اپنے ذہنوں اور ڈائریوں میں مقید حضرت کے ملفوظات وفرمودات کو جمع وترتیب کے ساتھ منظر عام پہ لائیں گے۔

(۱) میں اپنے رفقائے درس کے ساتھ بعد نماز عصر امام علم وفن کی بارگاہ میں حاضر تھا، آپ نے طلبائے مدارس کی ناگفتہ بہ حالت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک مرتبہ میں اور دیگر چند حضرات حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ مفتی اعظم تخت شاہی پر بیٹھے کچھ تحریر فرمارہے تھے۔ قریب ہی ایک نل تھا۔ اسی بیچ دار العلوم مظہر اسلام (بریلی

شریف) کا ایک طالب علم رنگ برنگی دھاری دار سوئٹر پہنے ہوئے آیا اور خوب تیز تیز نل چلا کر پانی بھرنے لگا۔ نل چلنے کی آواز نے مفتی اعظم کے اشتغال میں رخنہ ڈالا۔ حضرت مفتی اعظم نے ہاتھ روکا اور چہرہ پھیر کر اسے دیکھا، مگر کہا کچھ نہیں۔ جب وہ چلا گیا تو ہم حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: دیکھا آپ لوگوں نے اس بچے کو، پانی بھرنے کا سلیقہ تو سیکھا نہیں مگر سوئٹر میں بلی جیسی دھاریاں بنی ہوئی ہیں۔ ہر مدرسے کا یہی حال ہے۔ لیکن کیا کیجئے! انہیں سنگریزوں کے ڈھیر میں کوئی 'ہیرا' بھی ہوتا ہے۔ بس، اسی ایک 'ہیرے' کی خاطر ڈھیروں سنگریزوں کی دیکھ ریکھ اور حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

(۲) ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے امام علم وفن دام ظلہٗ سے عرض کیا: حضور ایک موقع پر آپ نے بیان فرمایا تھا کہ مفتیٔ اعظم کی حیات میں رضا مسجد (بریلی شریف) میں کبھی تراویح کی نماز بیس رکعت نہ ہوتی بلکہ کبھی چوبیس کبھی چھبیس کبھی تیر رکعت ہوتی کیونکہ قرأت میں غلطی کے سبب حضور مفتیٔ اعظم اعادہ کا حکم فرما دیتے۔ کیا کبھی آپ نے بھی مفتیٔ اعظم کی موجودگی میں امامت فرمائی ہے؟ فرمایا:

ہاں! ایک مرتبہ مغرب کی نماز مفتیٔ اعظم کے حکم پر میں نے پڑھائی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس نماز کے سبب میرے دوسرے اعمال بھی قبول فرمالے گا۔

(۳) ایک بار ہمارے ایک رفیق نے امام علم وفن مدظلہ سے عرض کیا: حضور! میرے خاتمہ بالخیر کے لئے دعا فرما دیں آپ نے دعا فرمائی پھر کہا:

ہمارے پیر و مرشد سیدنا مفتیٔ اعظم، قطب عالم تھے۔ ہمہ وقت ملاقاتیوں، استفادہ کرنے والوں، تعویذ کے طلب گاروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ میں اور مفتی ایوب مظہر صاحب ایک بار حاضر بارگاہ ہوئے، وقت رخصت میں نے دست بوسی کی اور جو کچھ عرض کرنا تھا، کیا۔ میرے بعد مفتی ایوب مظہر صاحب نے دست بوس ہوتے ہوئے عرض کیا: حضور! خاتمہ بالخیر کی دعا فرما دیں۔ مفتی اعظم نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا: تم ہو جو اس دعا کے طالب ہو، ورنہ تو لوگ آتے ہیں اور آل، اولاد، دکان، مکان، زر، زن وغیرہ کے لئے دعا کرواتے ہیں۔ کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ وہ خاتمہ بالخیر کی بات کہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین!

(۴) میں اور دیگر کچھ طلبہ بعد نماز عصر امام علم وفن کی خدمت میں حاضر تھے اسی دوران درجہ اولی کے ایک طالب اقبال کے کچھ اشعار آپ کے گوش گزار کئے تو آپ نے اس کی قوت حافظہ کو سراہا پھر فرمایا:

استاذ مکرم حضرت ملک العلما علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ: ذہانت، محنت اور

حافظہ جو شخص ان تین خوبیوں میں سے کسی ایک کا بھی حامل ہے تو وہ عالم بن سکتا ہے۔اور اعلی حضرت قدس سرہٗ میں یہ تینوں خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ذہانت تو ان کی تحریرات سے ظاہر ہے۔محنت کا یہ عالم تھا کہ ضروریات زندگی اور باجماعت نماز پنج گانہ کے علاوہ ہمہ وقت تحریر ومطالعۂ کتب میں مشغول رہتے۔رہا حافظہ! تو ایک مرتبہ اعلی حضرت، محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی دعوت پر پیلی بھیت تشریف لے گئے۔قیام گاہ میں اتفاقاً اعلی حضرت کی نظر ایک ایسی کتاب پر پڑی ،جواب تک اعلی حضرت کے زیر مطالعہ نہ آسکی تھی۔اعلی حضرت نے محدث صاحب سے فرمایا: آپ یہ کتاب مجھے عنایت فرمادیں مطالعہ کر کے بریلی سے واپس بھیج دوں گا۔محدث صاحب نے کہا: حضرت !کتاب ایک ہی ہے۔مگر پھر محدث صاحب کو افسوس ہوا کہ یہ کیسی بات میں نے اعلی حضرت سے کہہ دی ۔پھر سوچا اچھا کل روانگی کے وقت ہمراہ کردوں گا۔مگر جب رات اعلی حضرت کو فرصت کے لمحات میسر آئے تو آپ نے از اول تا آخر پوری کتاب کا مطالعہ کرلیا۔روانگی کے وقت محدث صاحب نے اعلی حضرت کو وہ کتاب پیش کرنا چاہی، تو فرمایا: اب اس کی حاجت نہیں، رات میں نے اس کتاب کا مطالعہ کرلیا ہے، مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر محفوظ رہے گا اور چند ماہ تک بوقت ضرورت بہ نشان سطر وصفحہ حوالہ بھی دے سکتا ہوں۔

(۵) ایک دن امام علم وفن نے فرمایا:

حضرت ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری فرمایا کرتے تھے: روزانہ ایک نئی بات ضرور سیکھو، اور جس دن تم نے کچھ نہیں سیکھا تو سمجھ لو کہ زندگی کا ایک دن ضائع ہوگیا۔اور یہ شعر پڑھتے۔

روزانہ ہی کچھ نہ کچھ کیا کر

کچھ نہیں تو کپڑے پھاڑ کر سیا کر

کبھی فرماتے: ہر دن کتاب سے ایک نئی بات سیکھو! اس طرح ایک سال میں تمہیں ۳۶۵ باتیں معلوم ہو جائیں گی۔اور سنو! سوائے فقہ کے کسی بھی فن میں ۳۶۵ باتیں نہیں ہوتی ہیں۔

(۶) ایک بار امام علم وفن نے عقل وعلم میں تناسب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ملک العلما فرمایا کرتے تھے: کچھ لوگوں کو علم کم اور عقل زیادہ ہوتی ہے جیسے مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی علیہ الرحمہ۔کچھ لوگوں کی عقل اور علم دونوں برابر ہوتے ہیں جیسے محقق نصیر الدین طوسی۔مشہور ہے کہ یہ غالی رافضی تھا لیکن اعلی حضرت رضی اللہ عنہ نے اسے غالی روافض میں شمار نہیں فرمایا ہے۔یہ ہلاکو کا

وزیر تھا ''شیخ الکل فی الکل'' کے لقب سے ملقب تھا۔اور کچھ لوگوں کا علم ان کی عقل سے زیادہ ہوتا ہے اور یہی زیادتی عموماً اس کی بے راہ روی اور بد مذہبی کا سبب بنتی ہے۔ جیسے ابن تیمیہ۔اس کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ تھا۔اسی بنا پر اس نے کئی مسائل میں اجماع کی مخالفت کی ہے۔راہ تحقیق میں صحت کے ساتھ منزل تک پہونچنے کے لئے' یک من علم را دہ من عقل باید' درکار ہے، نہ کہ' دہ من علم را یک من عقل باید'۔

(۷) ایک مرتبہ امام علم وفن نے مجھ سے فرمایا:

حضرت ملک العلما فرمایا کرتے تھے :بسا اوقات عجز وانکسار کا اظہار باعث خسران وملال ہوتا ہے۔اس کا عمومی سبب مقتضائے حال سے ناواقفیت ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی انسان یہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ یہاں مجھ پر اپنی لیاقت وصلاحیت کا اخفا ضروری ہے۔یا۔ اپنی خداداد صلاحیت کا اظہار۔(اس کے بعد امام علم وفن نے فرمایا: ملک العلما اس پر ایک واقعہ سناتے تھے اسے بھی سن لو!)

برٹش کے عہد حکومت میں پٹنہ (بہار) کی عدالت عالیہ کا جج ایک انگریز تھا جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ پٹنہ میں مقیم تھا۔یہ وہ دور تھا جب ہندوستان پر فارسی زبان راج کرتی تھی۔ عام بول چال ہو۔یا ۔شعری نشستیں۔میدان خطابت ہو۔یا۔ انشا پردازی کی گل افشانیاں۔حتیٰ کہ عدالتوں میں داخل کی جانے والی اکثر عرضیاں بھی فارسی ہی میں ہوا کرتی تھیں۔

اس انگریز جج کی ایک لڑکی تھی جسے اپنے گردوپیش کے ماحول کو فارسی زبان کا آئینہ دار دیکھ کر خیال آیا کہ مجھے بھی فارسی زبان سیکھنی چاہیے، تاکہ میں جب یہاں سے سات سمندر پار اپنے ملک کو جاؤں تو فارسی جیسی دولت گراں مایہ سے میرا دامن علم لبریز ہو۔اس نے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار اپنے والد سے کیا تو انہوں نے کہا: یہ تو بڑی اچھی خواہش ہے۔میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔چنانچہ اس نے اپنے پیش کار سے کہا کہ: میری بیٹی فارسی سیکھنا چاہتی ہے، اس لئے اس شہر کے سب سے بڑے فارسی داں کو میرے پاس لاؤ۔منصب پیش کاری کی بنا پر پیش کار صاحب کے معمولی افراد سے لے کر ماہرین زبان و ادب اور ارباب دانش تک سے اچھے روابط تھے۔چند دنوں بعد ہی پیش کار صاحب ایک ایسے ماہر فارسی داں کو لے کر جج کے گھر پہنچے، جن کا سراپا کچھ اس طرح تھا کہ قد درمیانہ، چہرے پر خشخشی داڑھی، متوسط درجے کا لباس، اس پر اس دور کے رواج کے مطابق کوٹ۔پیر میں پرانی چپل۔پیش کار صاحب چونکہ ساتھ تھے اس لئے دیوان خانہ تک رسائی ہوگئی۔جب تھوری دیر بعد جج صاحب آئے اور ان کو اوپر سے

نیچے تک دیکھنا شروع کیا تو پیش کار صاحب فوراً ہی ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا: حضور! یہ ہیں ماہر فارسی داں۔ ماہر فارسی داں کا لفظ سن کر جج نے موصوف سے کہا:

پیش کار صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ایک ماہر فارسی داں ہیں۔ کیا واقعی فارسی پر آپ کو دسترس ہے؟

انہوں خاکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا: آغا! دسترس تو نہیں۔ ہاں! ٹوٹے پھوٹے چند جملے ضرور بول لیتا ہوں۔

یہ سن کر جج اندر ہی اندر پیش کار پر بہت غصہ ہوا اور اخلاقاً چائے وغیرہ سے تواضع کر کے فارسی داں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ہمارے پیش کار صاحب آپ سے بات کر لیں گے۔ جب فارسی داں موصوف رخصت ہو گئے تو جج نے پیش کار کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

میں نے تم کو ماہر فارسی داں لانے کے لئے کہا تھا اور تم ٹوٹی پھوٹی فارسی جاننے والے کو لے کر چلے آئے، ارے جو خود ہی ٹوٹی پھوٹی فارسی بولتا ہو، وہ میری بیٹی کو کیسی فارسی سکھائے گا؟

پیش کار صاحب نے جواباً کہا:

حضور! آپ ہمارے ملک کے رواج سے واقف نہیں ہیں، یہاں کے اکثر ماہرین علم و ہنر، ازراہ عجز وانکسار اپنے کو کمتر اور کہتر بتاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میری معلومات کے مطابق پورے شہر میں اس سے اچھا کوئی فارسی داں نہیں ہے۔

اس پر جج کو بڑا تعجب ہوا اور بالآخر پیش کار پر اعتماد کرتے ہوئے اسی فارسی داں کو اپنی بیٹی کا اتالیق مقرر کر لیا۔

(۸) ایک دن ہم طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے امام علم وفن نے فرمایا:

موجدین نے طرح طرح کی چیزیں ایجاد کیں۔ مصنفین نے انہیں اپنی کتابوں میں منضبط کر دیا۔ شارحین وحاشیہ نگار حضرات نے مجمل کی تفسیر، مغلق کی توضیح وتوجیہ کا فریضہ انجام دے دیا۔ اب کیا ہم اتنے کم فہم ہیں کہ اسے پڑھ کر سمجھ بھی نہیں سکتے؟ ضرور سمجھ سکتے ہیں۔ ہاں! شرط ہے جنون۔ (قدرے توقف کے بعد فرمایا:) ملک العلما فرمایا کرتے تھے:

اگر کسی مسئلہ کی گتھیاں الجھ جائیں تو اس کی تحصیل کے درپے ہو جاؤ! انشاء اللہ العزیز ایک وقت آئے گا کہ اس عقدۂ لاینحل کی عقد کشائی سے تمہارے قلب وروح شاد کام ہوں گے۔

راقم السطور عرض کرتا ہے امام علم وفن دام ظلہ میں یہ بات بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جس کی دلیل خود آپ کے یہ کلمات ہیں:

بحر العلوم حضرت مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری علیہ الرحمہ بڑے قابل و باصلاحیت عالم تھے۔ افتا میں سیدنا مفتی اعظم کے بعد انہیں کا مقام تھا۔ ساتھ ہی نہایت صاف گو بھی، جو بات جانتے کشادہ قلبی کے ساتھ بتاتے اور جو نہ جانتے کہہ دیتے: اسے میں نہیں جانتا۔ میرے پاس جو علوم ہیں ان میں سے کئی کی تحصیل میں نے انہیں کی تحریک پر کی ہے۔ قیام بریلی میں میرا ان کے یہاں برابر آنا جانا تھا۔ کبھی کبھی وہ خود بھی مجھے بلاتے تھے۔

اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی علوم عقلیہ پر مہارت و دسترس کے ضمن میں مفتی صاحب نے مجھ سے فرمایا: خواجہ صاحب! فتاویٰ رضویہ میں کئی مقام پر اعلیٰ حضرت نے لوگارثم کا استعمال فرمایا ہے میں نے ہزار کوششیں کیں مگر معلوم نہ ہوسکا کہ لوگارثم آخر ہے کیا چیز؟ ان کے اس جملے سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت جس علم کو اپنی تصنیفات میں متعدد مقامات پر استعمال فرمائیں اور مفتی صاحب جیسا عالم جس کی تلاش میں سرگرداں ہو، اس میں کچھ نہ کچھ خاص بات تو ضرور ہوگی۔ اسی سے میرے دل میں لوگارثم جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ہندوستان کی ایک بڑی یونیورسٹی کے ریاضی کے پروفیسر سے میرے دیرینہ تعلقات تھے میں نے انہیں خط لکھا کہ آپ کی معلومات میں لوگارثم کا کوئی ماہر جانکار ہو تو برائے کرم مجھے مطلع کریں۔ متعدد خطوط بھیجنے کے بعد ان کا جواب آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: یہاں کے بارے میں اس تعلق سے آپ کا حسن خیال، بس حسن خیال ہی ہے ۔اس دور انحطاط میں کسے اتنی فکر ہے کہ وہ مغز ماری کرے۔

جن دنوں میں دار العلوم فیضیہ، ایشی پور بھاگلپور میں پڑھا رہا تھا دار العلوم کے سالانہ اجلاس میں بحیثیت مقرر ڈاکٹر حسن رضا (پی۔ ایچ۔ ڈی) پٹنہ سے تشریف لائے۔ ان سے پروفیسر صاحب کے جواب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کبھی پٹنہ آئیں، وہاں یونیورسٹی میں ایک سے ایک ماہر فن آپ کو ملے گا۔ ان کے کہنے پر پُر امید ہو کر میں نے پٹنہ کا سفر کیا۔ مولانا حسن رضا اور مفتی محمد مطیع الرحمن دونوں 'ادارۂ شرعیہ' میں رہتے تھے۔ مگر مولانا حسن رضا صاحب کہیں سفر میں جارہے تھے، اس لئے وہ ساتھ تو نہیں ہو پائے، البتہ نشاندہی کردی کہ ہمیں کس شعبہ میں جاکر کن سے ملنا ہے؟ ان کی نشاندہی کے مطابق میں اور مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب وہاں جاکر ان صاحب سے ملے تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگ اس کے لئے ٹیبل کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کا استخراج کیسے اور کن اصولوں کی بنیاد پر ہوتا ہے؟ آپ حضرات فلاں شعبے میں چلے جائیں اور وہاں کے صدر شعبہ سے ملیں، وہی یہ بتا سکیں گے۔ ہم لوگ ان کے کہنے کے مطابق اس شعبہ میں پہونچے اور صدر شعبہ کو اطلاع بھجوائی تو ایک صاحب نے آکر ہمیں عزت و تکریم سے بٹھایا اور کہا کہ صدر شعبہ میٹنگ میں ہیں اس لئے بیس پچیس منٹ انتظار فرمائیے۔

مگر ابھی پندرہ ہی منٹ گذرے تھے کہ وہ صاحب آئے اور ہمیں صدر شعبہ کی آفس میں لے گئے۔ موصوف نے ہمیں دیکھتے ہی سلام کیا اور ایک ہی سانس میں بزبان عربی خیریت پوچھی اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ ہم چونکہ باہر نیم پلیٹ پر یہ دیکھ چکے تھے کہ موصوف غیر مسلم ہیں اس لئے حیرت ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ یہاں سے پہلے وہ قاہرہ یونیورسیٹی میں کئی سال تک اسی شعبہ میں رہ چکے ہیں۔ اس لئے وہ عربی میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ بہر حال جب میں نے آمد کی غرض سے موصوف کو واقف کرایا تو پہلے اُنہوں نے کاغذ قلم لے کر لکھنا شروع کیا۔ پھر جب بات نہیں بنی تو کہا: میں نے پڑھا بھی تھا اور مشق بھی کی تھی مگر اس میں دماغ سوزی کے ساتھ وقت بھی کافی لگتا ہے اس لئے ٹیبل ہی سے کام چلاتا رہا اور ممارست جاتی رہی۔ اب شاید استخراج نہ کر پاؤں۔ پھر چائے منگوا کر پلائی اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

جب اس قدر تگ و دو کے بعد بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تو میرے نزدیک اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی اور میں مسلسل غور و فکر کرتا رہا جس کی وجہ سے کم خوابی کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ آخر برسہا برس کی انتھک محنت رنگ لائی اور فضل ربی سے لوگارثم کی ماہیت اپنی ذاتیات و عرضیات سمیت مجھ پر اس طرح منکشف ہو گئی کہ اب میرے نزدیک اس کی حقیقت قطرۂ آب سے کچھ زیادہ نہیں۔ ٹھیک ہی کہا ہے اقبال نے: ع یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم

(۹) ایک دن فرمایا:

حضرت مجاہد ملت ایک مرتبہ بریلی شریف میں امتحان لے رہے تھے، ساتھ میں، میں بھی تھا۔ کچھ طلبہ تسلی بخش جوابات نہیں دے پا رہے تھے۔ اس لئے دوران امتحان ہی میری جانب مخاطب ہوئے اور فرمایا: خواجہ! دیکھ رہے ہو، معیار تعلیم کس قدر زوال پذیر ہے؟ بھئی! استاذ کے ذمہ ایک کتاب پڑھانی ہو، اور شاگرد کے ذمہ بھی ایک ہی کتاب پڑھنی ہو تو استاذ و شاگرد دونوں سمجھیں گے، کیونکہ دونوں کے پاس متن، شروح اور حواشی دیکھنے اور اس بحث میں نئی نئی شقیں پیدا کرنے کا پورا وقت ہوگا۔ اور استاذ کے ذمہ دو کتابیں کر دی گئیں تو استاذ تو سمجھیں گے مگر شاگرد ترجمہ کے سوائے کچھ نہ سمجھے گا۔ لیکن اگر استاذ پر تین ۳ کتابوں کی تدریس کا بوجھ ہو تو استاذ سمجھے گا نہ شاگرد، بس ترجمہ خوانی ہو گی۔ شروح و حواشی کی بات تو رہنے دیجئے! وہ صحیح معنوں میں متن ہی سے عہدہ برآنہ ہو سکیں گے۔

(۱۰) امام علم وفن کے قیام بریلی کے دوران حضرت صدر العلما مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ جب بھی بریلی تشریف لایا کرتے، آپ کو بلواتے اور مختلف علمی موضوعات پر مذاکرہ فرماتے۔ امام علم وفن فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے فرمایا:

ہم نے کبھی بغیر مطالعہ پڑھا نہیں، اور ہمارے استاذ نے کبھی بغیر مطالعہ پڑھایا نہیں۔ ہم جس دن مطالعہ نہ کر پاتے اس دن درسگاہ میں حاضر تو ہوتے مگر آگے کا سبق پڑھنے کی بجائے پچھلے اسباق کی کوئی نہ کوئی بحث چھیڑ دیتے۔ جس سے استاذ اندازہ

فرمالیتے کہ آج اس نے مطالعہ نہیں کیا ہے۔مگر خواجہ صاحب! آج تو عجیب حالت ہے۔نہ اساتذہ مطالعہ کرتے ہیں نہ طلبہ حالانکہ بغیر مطالعہ پڑھنا، پڑھانا گویا کہ کتاب کے ساتھ........کرنا ہے۔

(۱۱) ایک دن، میبذی کے درس میں ایک مقام پر امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کا ذکر آیا تو امام علم وفن نے ارشادفرمایا:
میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کے اشتغال درس کا یہ عالم تھا کہ جب آپ سفر پر روانہ ہوتے تو پالکی میں بیٹھتے۔آپ کے ۴ شاگرد پالکی اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہوئے چلتے اور کم وبیش ۱۲۰۰ر تلامذہ آپ کے ہم سفر ہوتے۔آپ اسی حالت میں درس کی تقریر وتوضیح فرماتے اور طلبہ بغور سماعت کرتے۔اسی لئے بسا اوقات پالکی لے چلنے کے سلسلے میں طلبہ کے مابین ان بن ہو جاتی کیونکہ ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ پالکی بر دوشوں میں رہے اس لئے کہ جس کو پالکی سے جتنا قرب رہے گا اس کے لئے سماع درس اتنا ہی بہتر ہوگا۔

(۱۲) ایک مرتبہ امام علم وفن نے فرمایا: ماضی کے لوگوں کی قوت حاسہ ہماری بہ نسبت زیادہ بلکہ ہم سے کئی گنا زیادہ تھی۔ رئیس الحکما بو علی سینا کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ: وہ سات فرسخ کی دوری سے مکھی کو دیکھ لیا کرتا تھا۔

(۱۳) ایک دن بعد نماز عصر ہم طلبہ امام علم وفن کی خدمت میں حاضر تھے اور حضرت علمی لطائف وظرائف بیان فرمارہے تھے۔اسی ضمن میں فرمایا:

بسا اوقات معمولی بات میں لوگ متحیر ہو جاتے ہیں۔ایک مرتبہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ کے ایک شاگرد نے مجھ سے کہا: قرآن شریف میں نحن اقرب من حبل الورید آیا ہے حالانکہ نحن ضمیر جمع اور مبتدا ہے تو اس کی خبر بھی بصیغۂ جمع 'نقرب' ہونی چاہئے تھی؟ میں نے فوراجواب دیا: حضرت! یہاں 'اقرب' واحد متکلم کا صیغہ نہیں، اسم تفضیل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: ایک مشفق ومربی استاذ

مولانا محمد انوار احمد مایوس دار العلوم اشرفیہ اظہار العلوم پورنیہ

جب کوئی طالب علم تحصیل علم وفن کے لئے اپنے آبائی وطن سے دور جانے کا قصد کرتا ہے تو طرح طرح کی توہمات اسے دامن گیر ہوتے ہیں۔ وطن کی دوری، ماں باپ کی جدائی، بھائی بہن کا فراق سب کچھ اس پر قیامت برپا کر دیتا ہے اور جب علم و فن کا وہ مسافر پابہ رکاب ہوتا ہے تو ماں باپ کے قدموں کا بوسہ لیتا ہے، احباب واقارب سے گلے ملتا ہے، پھر چلتے بنتا ہے۔ اس وقت ماں باپ، بھائی بہن، خویش واقارب کا حال یہ ہوتا ہے کہ

رخصت کے واقعہ کا اتنا ہی ہوش ہے :: دیکھا کیے ہم اس کو جہاں تک نظر گئی

بہر حال اتنی کلفت ومشقت جھیلنے کے بعد جب وہ کسی ادارے میں داخل ہوتا ہے تو وہاں اسے نہایت ہی شفیق ومہربان استاذ کی ضرورت چاہئے ہوتی ہے جو اپنی خوش اخلاقی ونرم کلامی سے اس کے سارے غموں کو کافور کر دے، اور وہ طالب علم اپنے مقصد کی تکمیل میں جی جان سے جُٹ جائے۔

جب میں وطن سے بیگانہ ہو کر تحصیل علم کے لئے گھر سے روانہ ہوا تو چونکہ حضور امام علم وفن علم وفن کی علمی صلاحیت اور فنی مہارت کا سکہ پورے ہندوستان پر چل رہا تھا اس لئے میں نے اپنے لئے ملک کی دوسری تمام درسگاہوں پر دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد کو ترجیح دی کا رخ کیا۔ الحمد للہ! کہ وہاں پہونچ کر میرا داخلہ جماعت رابعہ میں ہو گیا۔ حضرت امام علم وفن کا علمی تبحر تو اپنے دیگر اساتذہ کرام سے سن ہی لیا تھا، مگر ان کے اخلاق کی کرشمہ سازی وہاں پہونچ کر دیکھی۔ بلاشبہ آپ بہترین اخلاق وکردار کے تاجدار ہیں۔ آپ کی شفقتوں کے سایہ میں آپ کے تمام ہی شاگرد دنیا کے غموں سے آزاد ہو کر تعلیم میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی آپ کی بارگاہ علم وفیض میں زانوئے تلمذ تہ کیا، وہ کسی نہ کسی نہج سے کامیاب وکامران ضرور رہا۔

آج جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو سینے میں یادوں کی ہوک جاگ اٹھی ہے۔ آہ! کتنے سہانے تھے وہ دن، اور کتنا رنگین تھا وہ زمانہ؟ جب میں امام علم وفن کے زیر سایہ دار العلوم نور الحق میں اپنے آپ کو سنوار رہا تھا۔ دنیا کے ہر غم سے دور، بالکل دور۔ نہ ماں باپ کی جدائی کا درد، نہ بھائی بہن کی فرقت کا احساس۔ ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ومربی تھے میرے استاذ امام علم وفن۔ آج میری پتھرائی آنکھیں دار العلوم کے ان حسین، رنگین، مقدس اور پاکیزہ مناظر کو ڈھونڈ رہی ہیں جن میں پیار، محبت، خلوص اور ہمدردی کے جذبوں کا مکمل امتزاج تھا۔ ☆☆☆

امام علم وفن: کو ایسا پایا

مولانا مکرم علی شاہ سمنانی ڈانگی بستی کشن گنج

ماہنامہ بطحاء حیدرآباد کے توسط یہ بہجت آگیں خبر ملی کہ ارکان سہ ماہی المختار خواجہ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کی نادرونایاب شخصیت کی پچاس سالہ تدریسی خدمات کے اعتراف میں امام علم وفن نمبر نکالنے جارہے ہیں۔ سب سے پہلے اس نادروانوکھے کام پر ھدیہ تبرک قبول فرمائیں۔ انوکھا میں نے اس لیے کہا کہ مشائخ وپیران عظام کی حیات وخدمات پرنمبر نکالنا ہر نوعیت سے آسان ہے کہ عقیدت مندوں کی جانب سے ہر ممکن قلمی ومالی تعاون ہوتا ہے۔لیکن ایک استاذ جو صبح وشام دماغ سوزی کے ساتھ شاگرد کو زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ کرتے ہیں یہ طالبان علوم بھی ان معزز حضرات کو بھول جاتے ہیں۔ پڑھ لیا استاذ کی عظمتوں، رفعتوں، شفقتوں کو فراموش کر گئے، بعد وعدے کو چھوڑ کر کہ کچھ افراد ہر حالت میں تعلق برقرار رکھتے ہیں۔

الحمدللہ مجھے یہ شرف حاصل ھیکہ کہ خواجہ صاحب ہمارے دادا استاذ ہیں اسی پر ہمیں ناز ہے۔اور متعدد دفعہ ملاقات کا شرف حاصل رہا یادش بخیر ہے۔ جب میں جامعہ حبیبیہ سلطان پور میں زیر تعلیم تھا اساتذ کرام کی زبانی موصوف کی تبحر علمی کا چرچا سنتا رہا لیکن دید سے محروم تھا یہ دلی حسرت اس وقت پوری ہوئی جب حصول علم کی خاطر مدرسہ منظر حق ٹانڈہ پہونچا۔ منظر میں سالانہ امتحان کے موقع ہر ہندوستان کے مقدر علماء کرام تشریف لاتے ہیں خواجہ صاحب کے بشمول مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی علامہ مفتی شبیر احمد رضوی شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ روناہی۔علامہ مفتی قدرت اللہ علیہ الرحمہ کی زیارت سے مشرف ہوا امام علم وفن کا نام سن چکا تھا دید سے بہرہ ور ہوا ان کے سراپا کو غور سے دیکھتا، تصور کرتا، سوچتا کیا یہ وہی شخص ہیں جن کا ذکر میرے کانوں نے بار بار سنا ہے۔ بالکل سیدھے سادھے۔ تکلف، وتصنع سے مبرا۔ سچ ہے اہل الجنتہ بلہ۔ جنتی سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ شیخی، تکبر وغرور ،خود پسندی سے آپ کی ذات دور ونفور ہے۔ ورنہ آج تو حال یہ ہے کہ انسان کی شہرت جب زیادہ ہوتی ہے بے جا تصنع۔ تکلف ۔ رکھ رکھاؤ لوازمات زندگی بن جاتی ہیں اور وہ خود کو دوسری دنیا کے مخلوق سمجھتے ہیں قریب گیا سلام کیا۔ دست بوسی کی خیریت معلوم کی۔ حضرت والا یہ معلوم کر کے بڑے، خوش ہوئے کہ میں کشن گنج ڈانگی بستی کا رہنے والا ہوں خواجہ صاحب کے پاس میری جماعت کی کتاب ھدایۃ النحو کا امتحان ہونا تھا۔ امتحان لیکر ۹۰ نمبر عطاء کئے جس پر ہمیشہ فخر رہے گا استاذ الکریم مولانا شاکر علی فیض

آبادی مہمانوں کی خد پر ہمارے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مجھے مامور کیا۔ صبح ناشتہ کے وقت مندوبین دو دسترخوان پر حاضر تھے سوائے مفتی اعظم صاحب کے کہ ان کا وطن وہی ہے گھر سے ہی ناشتہ کر کے چلے تھے خواجہ صاحب مفتی شبیر صاحب وغیرہ نے ضد کی لیکن اعظم صاحب یہ کہہ کر رکے کہ میں گھر سے ناشتہ کر کے آیا ہوں خواہش نہیں ہے۔

عالم باعمل حبر الطمطام بحر القمقام مفتی ایوب صاحب پرنسپل ومفتی منظر حق ودیگر اساتذہ بضد ہوئے تب جا کر مفتی اعظم صاحب دسترخوان پر پہنچے خواجہ صاحب جو ملنسار ظریف الطبع ہیں مفتی صاحب کو دیکھتے ہی یوں گویاں ہوئے۔ ع رنگ شراب دیکھ کر طبیعت بدل گئی پھر کیا تھا محفل زعفران زار ہوئی   بڑوں کی بڑی باتیں۔

دوسری ملاقات کچھوچھا مقدسہ کے روحانی فضاء میں ہوئی۔ علمی اختلاف کے باوجود مشائخ سے ان کو کافی عقیدت ہے کچھوچھہ معلی حاضر ہوئے تمام آستانوں پر حاضری دیئے۔ مجدد سلسلہ اشرفیہ ہم شبیہ غوث جیلاں اعلی حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی یہاں کا خصوصی طور سے ذکر فرماتے۔۔ کچھوچھہ کے ہر ادارے میں تقریبا آپ کے شاگرد اعلی مناصب پر فائز المرام ہیں تیسری ملاقات میں مشائخ میں غازی ملت علامہ سید ہاشمی میاں اشرفی جیلانی، نواسۂ محدث اعظم بابائے قوم مولانا سید تنویر اشرف وعلامہ سید جیلانی اشرفی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

درگاہ حضرت مخدوم اشرف رحمۃ اللہ پر حاضری کے بعد محبین کی جھرمٹ میں امیر العلوم سمنانیہ پہنچے یہاں آپ کے خصوص شاگرد مولانا ادریس عالم اشرفی گھس کی ٹولہ کے صاحب زدہ نہین۔ ماہر علوم وفنون علامہ رضوان احمد اشرفی۔ مولانا غلام غوث اشرفی مولانا ذاکر حسین صاحبان ہیں۔ ضیافت ہوئی استاذ شاگردوں میں دیر تک گفتگو ہوئی۔

حضرت مولانا رضوان صاحب جو آپ کے چہیتے شاگرد ہیں تفسیر نسفی کی ایک عبارت کے متعلق آپکی رائے جاننا چاہی خواجہ صاحب مسکراتے ہوئے مشفقانہ انداز میں کہنے لگے۔ رضوان اب تو بڑھے پر رحم کرو پھر عبارت کی نفیس توضیح فرمائی۔

مولانا ذاکر حسین اور ظریف پورنوی صاحب ایک دفعہ دوران درس کہنے لگے کہ خواجہ صاحب بڑے حاضر دماغ ہیں حضرت کے ساتھ میرا اشرفیہ مبارکپور جانا ہوا وہاں کے ایک استاذ دوران گفتگو کہنے لگے خواجہ صاحب! امام شافعی علیہ الرحمہ کے محبین حنفیوں سے عصبیت رکھتے ہیں کچھ ایسا لگتا ہے۔ امام علم وفن کہنے لگے آپ امام شافعی کے چاہنے والوں کی بات کرتے ہیں خود حنفی دوسرے حنفی برادران سے عصبیت رکھتے ہیں!

تیسری ملاقات کچھوچھہ ہی میں جامعہ اشرف کے مختار اشرف لائبریری میں ہوئی اس دفعہ آپ کے ساتھ آپکے خاص شاگرد علامہ اسید الحق بدایونی بھی تھے یہاں بھی آپکے شاگرد مولانا مفتی علامہ عارف رضا اشرفی چکلہ کشن گنج بہار جو کہ جامعہ اشرف کے لائق وفائق استاذ ناظم تعلیمات ہیں۔

خواجہ صاحب حضرت شیخ اعظم علامہ سید اظہار اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کے کارناموں کو سراتے ہیں اور مختار

اشرف لائبری کو شیخ اعظم کا عظیم علمی کارنامہ قرار دیتے اور خود خواجہ صاحب کا جامع اشرف کے استاذ معقولات رہ چکے ہیں۔
لائبری میں دیر تک استاذ جامعہ اشرف سے دینی، ملی، مسائل پر گفتگو ہوئی کہنے لگے دیکھئے کام کی ضرورت ہے۔
اکیڈمی نیچر والے مودی جماعت میں چلے گئے پڑھا لکھا طبقہ دیوبند چلا گیا روزے نماز والے تبلیغی جماعت میں چلے گئے
ڈھول تاشے والے ہماری جماعت میں رہ گئے شاید خواجہ صاحب کا اشارہ آج کے مروجہ قوالی کی طرف تھی۔ یقیناً یہ بہت بڑا المیہ ہے۔
مذکورہ جملوں سے ملت کا درد واضح طور پر نمایاں ہے خواجہ صاحب اپنی یادگار تصانیف اتنی تو نہ چھوڑی لیکن علماء کی ایک
جماعت تیار کی جو اپنی جگہ انجمن ہیں آج آپکے شاگردوں کی ہر میدان میں نمایاں خدمات ہیں۔
لہذا ایسے علماء ساز مفکر کی فکر، ان کے احوال، وکوائف آنے والی نسلوں تک پہونچانا ہم سبھوں کا اہم فریضہ ہے جو آپ
رفقاء (المختار) نبھا رہے ہیں اس عظیم سیش رفت پر پھر مبارکبادی قبول فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: چند تاریخی یادیں

مولانا محمد حسان ملک نوری برہانپوری دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد

جنوری ۱۹۳۴ء کے سرد ایام میں بہار کی سرزمین سے آسمان علم وفن پر اس انجم درخشاں نے طلوع کیا جسے ارباب علم و دانش استاذ مطلق امام علم وفن وارث علوم امام احمد رضا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے نام ولقب سے جانتے ہیں۔ والد ماجد نے مظفر حسین نام رکھا ایسا لگتا ہے جیسے انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ میرا یہ فرزند دلبند ایک دن کئی علوم وفنون میں مہارت وحذاقت پیدا کرکے آسمان علم وفن پر اپنی فتح وظفر کا علم زریں نصب کردیگا پدر بزرگوار غیر منقسم پورنیہ کے چار بڑے علماء میں سے ایک تھے اس لئے والد محترم کی ہی درسگاہ سے آپ کی تعلیمی سفر کا آغاز ہوا اور ملک العلماء کی بارگاہ سے ہوتے ہوئے مرشد گرامی مفتئ اعظم ہند علیہ الرحمتہ والرضوان کے قائم کردہ ادارے دارالعلوم مظہر اسلام (مسجد بی بی جی صاحبہ بریلی شریف) میں انجام پذیر ہوا۔ فراغت کے وقت آپ کو جو سند دی گئی اس میں تحریری طور پر خیر الاذکیاء کے خطاب سے بھی نوازہ گیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد دارالعلوم مظہر اسلام سے ہی آپ نے اپنی تدریسی زندگی کی شروعات کی اور پھر مختلف مدارس وجامعات سے ہوتے ہوئے آج تقریبا ۱۹ سال سے دارالعلوم نورالحق چرہ محد پور ضلع فیض آباد میں شیخ الحدیث اور شیخ المعقولات کی مسند پر فائز ہیں تدریس کے علاوہ پچاسوں تحقیقی وعلمی مقالات ومضامین کو آپ کے قلم سیال نے لباس ہستی بخشا جو ملک کے مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ بس اسی خاکی انجم درخشندہ کی کچھ یادیں کچھ باتیں ۳ رعنادین کے تحت میں نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف۔

استاذ مطلق اور مفتئ اعظم ہند کی عنایات:

ایسا مرشد جو اپنے وقت کا غوث ہو جس کے جانثار مریدوں کی تعداد ایک دو ہزار نہیں لاکھوں لاکھ سے بھی تجاوز کر جائے عوام سے لیکر علماء، غرباء سے لیکر امراء تک جس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوں اور جہاں ہر شخص کی تمنا ہو کہ میرا مرشد میرے گھر قدم رنجہ فرما کر میری قسمت کو اوج ثریا کا ہمسر بنادے وہ مرشد عالی مرتبت بذات خود بغیر کسی پیشگی اطلاع کے جس مرید کے یہاں تشریف لے جائے اور ایک مرتبہ نہیں دو، دو مرتبہ یہی نہیں بلکہ تاریکی میں ہزاروں ہاتھوں کے بیچ اس کے ہاتھ کو پہچاننے

صلاحیت بھی رکھتا ہو اس مرید کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چمنستان کے پھولوں کے بیچ گلاب کی، اور وہ مہکتا سرسبز وشاداب گلاب کوئی اور نہیں بلکہ میرے کریم وشفیق استاذ امام علم وفن کی ذات ہے اور اس رنگارنگ چمنستان کے مالک ہیں شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان میں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں چند واقعات نذر قارئین کرتا ہوں۔ استاذ مطلق بریلی شریف میں تقریباً ۸ سال تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد سلطان پور چلے آئے اور تقریباً ۹/۸ سال تک جامعہ عربیہ سلطان پور کی مسند تدریس سے تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے اس ۹ ر سالہ مدت کے بعد آپ کا آب ودانہ آپ کو بھاگلپور کھینچ لایا جہاں آپ دار العلوم فیضیہ میں تقریباً ۱۰ ر سال تک مسند تدریس پر متمکن رہے اور انہیں دو مقامات سے آپ نے حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ جیسا مناظر، حضرت علامہ مفتی کوثر حسن صاحب قبلہ جیسا بالغ نظر مفتی ومدرس، علامہ عبدالحکیم صاحب جیسا محقق، علامہ ایوب مظہر صاحب قبلہ جیسا خطیب اور علامہ عارف صاحب جیسا مدرس امت مسلمہ کو عطا فرمایا۔

سلطان پور اور بھاگلپور کے زمانہ تدریس میں حضرت مولانا ساجد رضا خان صاحب مرحوم (سابق مہتمم دار العلوم مظہر اسلام) کی دعوت پر استاذ مطلق ہر سال مظہر اسلام کے سالانہ امتحان وجلسۂ دستار بندی میں بحیثیت ممتحن شرکت کرتے رہے۔

(۱) حضرت مہتمم صاحب مرحوم کے صاحبزادہ حضرت مولانا خالد میاں صاحب کی دستار بندی کے سال بھی دعوت نامہ آیا طلبہ کے اختبار وامتحان سے کہیں زیادہ بارگاہ مرشد کی حاضری کا شوق دل ودماغ میں موجزن تھا بصد خلوص دعوت قبول کی اور وقت مقررہ پر بریلی پہنچ گئے، بعد نماز عصر مرشد گرامی کے بیٹھک میں حاضر ہوئے تخت شاہی خالی نظر آیا دریافت کرنے پر پتہ چلا فلاں صاحب اپنے گھر لے گئے ہیں واپس پلٹے بعد نماز مغرب پھر حاضر ہوئے اب بھی شہ نشین خالی ملا معلوم ہوا اب فلاں صاحب اپنے یہاں لے گئے ہیں دل پر پتھر رکھے قیام گاہ واپس آئے رات گزاری دوسرے دن پھر حاضر ہوئے مگر ناکامی ہوئی دل نے کہا۔

فراق میں اس قدر نہ تڑپو :: ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بیقراری :: وصال میں کامیاب ہوکر

سوچا رات جلسے میں تو شرف لقا کی سعادت مل ہی جائے گی۔

نماز عشاء کے بعد مسجد بی بی جی صاحبہ میں جلسے کا آغاز ہوا ہزاروں کا مجمع ہے شعراء، خطباء اور دیگر علماء کرام کے ساتھ استاذ مطلق بھی رونق ممبر ہیں، یکے بعد دیگرے نہایت ہی سکون کے ساتھ نعت وتقریر کا سلسلہ جاری وساری ہے مگر ہر ایک کی نگاہ بار بار پیچھے مڑ مڑ کر اپنے پیشوا کو تلاش کر رہی ہے آدھی رات کے بعد شور بلند ہوا حضور مفتی اعظم ہند مسجد کے اتری دروازہ سے تشریف لا رہے ہیں،، آناً فاناً انسانوں کا ایک ریلا اتری دروازے پر پہنچ گیا وارفتگی کا یہ عالم ہے کہ دست وپابوسی میں دوسرے پر

سبقت لیجانا چاہتا ہے استاذ مطلق بھی آگے بڑھے مگر اس ہجوم نے موقع نہ دیا مجبور ہو کر مسجد کے برآمدے میں رکے ہوئے بیٹھ گئے۔ نقبا ممبر سے بار بار التماس کر رہے ہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند کا دیدار ہو گا آنے دیجئے مگر پروانوں کی کشش پر شمع سے کون روک سکتا ہے بالآخر کچھ دیر بعد مفتی اعظم ہند منبر پر جلوہ بار ہوئے سب کی نگاہیں کام کر گئیں آپ ہی کی ذات تھی استاذ مطلق کی آنکھیں بھی دیدار سے خوب خوب محظوظ ہو رہی ہیں لیکن اس رات بھی اب دست بوسی کا موقع نہ مل سکا۔

تیسرے دن پھر حاضر ہوئے مفتی اعظم کی دردولت پر انسانی سمندر نظر آیا اب دست بوسی کی تمنا لئے ہوئے دل نے کہا آج تو جیت میری ہی ہوگی قطار میں لگے پانچواں یا چھٹا نمبر تھا باری آئی سلام کیا مرشد کی نگاہیں اٹھیں جناب دست بوسی کی سعادت سے ہم آہنگ ہوئے مرشد نے ہاتھ پکڑے ہوئے دریافت کیا "کب آئے" عرض کیا "پرسوں" ارشاد ہوا "آئے پرسوں ملنے اب آرہے ہو" بطور حیلہ عرض کیا "حضور رات ہجوم میں ملاقات ہوگئی تھی" اتنا سنتے ہی مرشد نے ہاتھ چھوڑ دیا اور جلال میں فرمایا "غلط کہتے ہو ہجوم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تم سے مصافحہ کروں اور مجھے معلوم نہ ہو میں نہیں پہچانتا کس کا ہاتھ ہے" استاذ مطلق خاموش ایک طرف بیٹھ گئے مگر خمیدہ سر اپنی خطا پر معافی طلب کر رہا تھا۔ سچ ہے ہیرے کو جوہری ہی پہچانتا ہے کوئی اور نہیں۔ مرشد ہو تو ایسا کہ ہزاروں کے ازدحام میں بھی فراموش نہ کرے۔

(۲) مرشد کی مرید صادق پر الطاف وعنایات کے ایک اور واقعہ کو پڑھئے اور فخر کیجئے ایسے عالی مرتبت مرشد اور قسمت کے دھنی مرید پر۔

سیدنا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ضلع بستی کے گاؤں ہند اشاہی کے دینی اجلاس سے فارغ ہو کر الہ آباد کے لئے روانہ ہوئے خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، مفتی ایوب مظہر صاحب قبلہ، مولانا افتخار احمد صاحب قبلہ حیدرآبادی اور شاعر اسلام جناب راز الہ آبادی، مرحوم مشرف ہمرکابی سے بہرہ ور ہیں، گاڑی تاجدار سنیت کو لئے رواں دواں ہے، ہم سفر حضرات اپنے آقائے نعمت کے پاس نہایت ہی مؤدب، ہمہ تن گوش بن کر حاضر ہیں کہ نامعلوم کب مہر سکوت ٹوٹے اور دہن مبارک سے پھول جھڑنے لگیں ناگاہ مہر سکوت ٹوٹتا ہے لبوں کو جنبش ہوتی ہے دہن مبارک سے پھول جھڑتے ہیں اور تیز بہتی ہوا کے دوش پر سوار ہو کر ہم رکابوں کے کانوں میں رس گھولتے ہیں "الہ آباد جانے کا راستہ سلطان پور ہو کر ہے" اس ارشاد کا ایک ایک لفظ حاضرین کے دل ودماغ میں گھر تو کر لیتا ہے مگر ہزار کوششوں کے باوجود اس کے پس منظر کا ادراک نہ ہو سکا کیونکہ سلطان پور پروگرام میں شامل ہی نہیں تھا لیکن پھر بھی ہار نہ ماننے والے پاکیزہ اذہان پس منظر کی تلاش میں لگے رہے اور نگاہیں سلطان پور کی منتظر ہیں۔ پس منظر تو نہ مل سکا البتہ سلطان پور کی سرحد ضرور مرکز توجہ بن گئی۔ سرحد میں داخل ہوتے ہی جدا جدا دو راستے نظر آئے ایک شہر میں جانے والا دوسرے شہر کے کنارے کنارے الہ آباد جانے والی شاہراہ تک پہنچانے والا ڈرائیور دوسرے راستے پر ہو لیتا ہے لیکن چونکہ قدرت الٰہی اس پس منظر کی اہمیت کو دوچند کرنا چاہتی تھی اس لئے تقریباً ۱۰/۱۲ کیلو

میٹر دور نکل جانے کے بعد مفتی اعظم کے شہد سے بھی زیادہ میٹھے الفاظ کانوں میں پڑتے ہیں'' یہ سلطان پور جانے کا راستہ نہیں ہے '' ڈرائیور عرض کرتا ہے'' حضور! ہم بائی پاس سے جارہے ہیں'' فرمایا'' واپس چلو'' ڈرائیور عرض کرتا ہے حضور! ہم ۱۰/۱۲ کیلومیٹر آگے نکل چکے ہیں'' فرمایا'' گاڑی روکو'' گاڑی رکی باہر تشریف لائے پھر فرمایا'' آپ لوگ ادھر سے جائیں میں سلطان پور ہوکر آتا ہوں'' حاضرین نے دیکھا کہ مفتی اعظم کے چہرے پر آثار غضب نمایاں ہورہے ہیں اسی لمحہ خطیب مشرق آہستہ مگر پرجلال آواز میں ڈرائیور سے مخاطب ہوتے ہیں'' یہ تم نے کیا کیا'' گاڑی موڑو، واپس چلو'' مگر پس منظر اب بھی سمجھ میں نہ آیا جب شہر میں داخل ہوئے مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا'' یہاں ایک مدرسہ ہے جامعہ عربیہ'' جیسے ہی یہ جملہ سنا فوراً ذہن نے کہا یہ ہے اس ارشاد کا پس منظر معاً دوسرا خیال آیا لیکن جامعہ عربیہ والوں نے تو حضرت کو دعوت نہ دی تھی ذہنی اضطراب پھر جوں کا توں ہوں گیا۔ چند لمحات گزرنے کے بعد وقت آچکا تھا کہ اس پس منظر کو کھلی کتاب کی طرح کردیا جائے تو فرمایا'' وہاں خواجہ مظفر رہتے ہیں'' خطیب مشرق نے ڈرائیور سے کہا'' وہیں چلو'' اس پس منظر نے سطح ذہن پر مرتسم ہوتے ہی اضطرابی کیفیت دور کردی کہ مرشد عالی مرتبت مرید صادق کو اپنے شربت دیدار سے سیراب کرنا چاہتے ہیں۔

موسم گرما اپنے شباب پر ہے آفتاب نصف النہار سے ابھی ابھی گزرا ہے استاذ مطلق کھانا تناول فرمارہے ہیں۔ گاڑی جامعہ عربیہ کے صدر دروازے پہ آکر رکتی ہے ایک بچہ نل سے پانی بھر رہا ہے مہمانان گرامی نے بچے سے کہا'' خواجہ مظفر صاحب کو بلاؤ'' وہ بچہ دوڑتے ہوئے بالائی منزل پر پہونچتا ہے ہانپتے ہوئے استاذ مطلق سے شرف تخاطب حاصل کرتا ہے'' کچھ لوگ کار سے آئے ہیں وہ آپ کو بلارہے ہیں'' استاذ مطلق نے بچے سے کہا جاؤ کہہ دو میں کھانا کھا رہا ہوں۔ بچے کو واپس بھیجا دو لقمہ تناول کئے اچانک خیال آیا ذرا دیکھ تو لیں کون ہیں وہ جو مجھ سے ملنے اس چلچلاتی دھوپ میں چلے آئے ہیں فوراً اٹھے وہ بھی اس شان سے کہ جسم پر تہبند اور بنیان ہے ہاتھ میں ہڈی ہے جسے دانتوں تلے دبائے ہوئے ہیں بالکنی میں آکر نیچے نظر کیا دیکھتے ہیں مرشد گرامی مفتی اعظم زینے پر قدم رکھ چکے ہیں، نگاہیں چار ہوتے ہی مرشد والا کی باوقار آواز کانوں کے راستے مرید صادق کی روح میں جذب ہوجاتی ہے'' آپ کھانا کھاؤ ہم آرہے ہیں'' ہزاروں محبتیں قربان ہوں اس ایک جملے پر جو اپنے دامن میں خورد نوازی سے کہیں زیادہ'' چاہت'' کو سمیٹے ہوئے ہے مگر وفادار مرید جو مرشد کی آواز سنتے ہی مسحور ہوچکا تھا ہڈی پھینکی تہبند میں ہاتھ پوچھا اور دیوانہ وار آگے بڑھکر آقا کو اپنی باہوں میں اٹھالیا کمرے میں پہونچ کر اپنی مسند پیش کی یکا یک باادب مرید کی نظر اپنے آپ پر پڑی پورے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی کہ مرشد کے سامنے ایسی حالت میں فوراً کرتا پہنا سر پر ٹوپی رکھی ماکولات ومشروبات کے انتظام میں لگے ٹھنڈے شربت، عمدہ آم اور دیگر پر تکلف اشیاء سے ضیافت کی مینار مسجد سے آذان ظہر کی آواز آئی صدائے حی علی الصلاۃ پر لبیک کہتے ہوئے میر کارواں مفتی اعظم نے پورے قافلے کو ساتھ لیا مسجد پہنچے مخلص مرید نے وضو کرایا جانماز پر تشریف لے گئے دنیائے سنیت کا وہ تاجدار جس کے سامنے عوام وخواص، علماء وامراء سبھی کی گردنیں جھکی رہتی تھی امام کے پیچھے اپنے رب

بے نیاز کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہوا مجسمۂ عجزو انکساری بن کر نماز مکمل کی تسبیح وتہلیل، التماس ودعا، درود وسلام سے فارغ ہوکر پھر جامعہ عربیہ تشریف لائے مسند خواجگی کو زینت بخشی پیکر اخلاص مرید عطردان لے کر حاضر ہوا اپنے ہاتھ سے مرشد ذیشان کے کپڑے پر خوشبو ملی تقریباً ۲ رگھنٹے کا طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر ابھی جانثار مرید کی نگاہوں کی تشنگی بجھی بھی نہ تھی کہ مرشد نے روانگی کا ارادہ کیا نا چاہتے ہوئے بھی کار میں بیٹھایا گاڑی کا دروازہ پکڑے ہیں نگاہیں رخ زیبا پر جمی ہے اسی بیچ گاڑی چل پڑی جذبۂ عشق ہے نظر بھی ہٹانہ گوارا نہیں گاڑی کا دروازہ پکڑے دوڑ رہے ہیں مرشد نے گاڑی رکوائی مرید صادق کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور آئندہ کل پھر اپنی تشریف آوری کا مژدہ سنایا۔

طلب تمام ہو مطلب کی اگر حد ہو :: یہاں لگا ہوا ہے کوچ ہر مقام کے بعد

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا وقت کے پابند استاذ مطلق اپنے معمولات میں مشغول ہوئے مگر آنکھ ہے بار بار دروازے کی طرف اٹھتی ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا انتظار کے لمحات طویل ہوتے جارہے ہیں بلکہ دوپہر ہوچکی ہے کھانا کھایا پیٹھ سیدھی کرنے بستر پر لیٹے آنکھ لگ گئی خواب دیکھا کہ اچانک کمرے میں نور کا جھماکا ہوا چونک کر اٹھے دروازے پر نظر پڑی دیکھا وہ ذات جس کے انتظار میں صبح سے اک اک لمحہ گن گن کر گزارے تھے وقت کا مفتی اعظم اپنا مرشد عالی جاہ پوری آب وتاب کے ساتھ روبرو تشریف فرما ہے اچھل کر اٹھے استقبال کیا مسند پر بیٹھایا خدمت میں لگے حسب سابق طرح طرح کے ماکولات ومشروبات سے ضیافت کی آج بھی تقریباً ۲ ر گھنٹہ تک شربت دیدار سے سیراب ہونے کا موقع ملا پھر جب مرشد نے چاہا رخصت کیا۔

(۳) سیدنا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی ضعیف العمری میں بہیڑی کا جو آخری سفر کیا اس موقع پر حضرت کو لے جانے کی خاطر زندہ دلانِ بہیڑی نے منی بس کا انتظام کیا تا کہ مفتی اعظم استراحت کرتے ہوئے تشریف لے چلے وقت مقررہ پر بس آگئی مفتی اعظم، علالت نقاہت کے باوجود بس میں بیٹھ چکے ہیں حاجی عبد الہادی صاحب افریقی ہم رکابی کی سعادت سے نوازے گئے ہیں بس کا دروازہ اور شیشے سب بند کئے جا چکے ہیں استاذ مطلق، مفتی اعظم روبرو لگے شیشے پر سر ٹیکے محبت بھری نظروں سے اپنے آقا کو دیکھ رہے ہیں آنکھیں اشک برسا رہی ہیں مرشد کی نگاہ کرم اٹھی باوفا مرید کی بے خودی ملاحظہ فرمایا تو ڈرائیور کو (استاذ مطلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) حکم دیا ''انہیں ساتھ لے لو'' بلاوے پر دل خوشی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو گیا آئے اور مرشد کے قدموں میں بیٹھ گئے مرشد گرامی کے دہن میں پان ہے فرمایا منہ کھولو اور اپنے مبارک دہن سے پان نکال کر اپنے دست شفقت سے میرے استاذ کے منہ میں ڈالدیا اس پان کا کھانا تھا کہ استاذ محترم، خواجہ مظفر حسین سے استاذ مطلق اور امام علم وفن ہوگئے۔ حاجی عبد الہادی صاحب ملتجی نظروں سے دیکھ رہے ہیں کہ اے کاش مرشد گرامی کی ایسی ہی عطا مجھ پر ہو جائے لہذا تھوڑی دیر بعد انہیں بھی اپنے اسی عطا کا متحمل بنا دیا۔

ہزاروں ارادت مندوں کی جانیں فدا ہوں اس باقسمت مرید پر جسے اس کے مرشد نے اپنے فرزند کی طرح چاہا، بن

مانگے اپنے خلافت واجازت سے نوازا اور اگر جانب مخالف کو دیکھا جائے تو اس مرید کو بھی اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے

استاذ مطلق کے علمی لطائف وظرائف:

اللہ تبارک وتعالی اپنے مخصوص بندوں کو ایسی حکمت ودانائی عطا فرماتا ہے کہ ان سے ایک جہان استفادہ کرتا اور وہ حضرات بغیر کسی بخل کے علم وعرفان کا افادہ عام کرتے ہیں اسی افادہ واستفادہ میں بعض اوقات ایسی باتیں وجود میں آجاتی ہیں جو بنی لطافت وودقت کی بنیاد پر لطیفہ بن جاتی ہیں جن سے وہی نہیں مابعد کے لوگ بھی اپنے اپنے علم وذوق کے مطابق محظوظ ہوتے ہیں۔ استاذ مطلق کے ایسے ہی کچھ علمی لطائف وظرائف قارئین کی نذر ہیں۔

ملک العلماء صرف متعینہ ۵ رگھنٹے کے مدرس نہیں تھے بلکہ اس کے علاوہ بھی اونچی جماعت کے طلباء آپ کی نشست گاہ میں حاضر ہوتے استاذ مطلق بھی انکے پیچھے بیٹھ جاتے تلامذہ اپنے سوالات پیش کرتے اور ملک العلماء کے مدلل جوابات سے شاد کام ہوتے استاذ مطلق چونکہ نچلی جماعت میں تھے اس لئے براہ ادب کچھ نہ پوچھتے مگر دل کے کان پوری تندہی کے ساتھ متوجہ رہتے البتہ کبھی کچھ عرض کرتے تو بڑے ہی نرالے انداز میں یعنی دونوں ہاتھ جوڑ کر حضور! اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں ،لب کشائی کی اجازت ملتی بولو۔ بولو عرض گذار ہوتے بات اچھی ہوتی، پسند فرماتے، خوش ہوتے، دعاؤں سے نوازتے۔ مندرجہ ذیل لطیفہ ایسا ہی ایک حسین اتفاق ہے مگر یہ لطیفہ لطف واہمیت کے اعتبار سے تمہید ولاحقہ کا متقاضی ہے لہذا پہلے تمہید پڑھیں پھر لطیفہ سے لطف اندوز ہوں بعدہ لاحقہ سے ملک العلماء کا فرحت وسرور ملاحظہ کریں۔

لطیفہ: اپنے وقت کی مشہور شاعرہ زینب النساء مخفی جو شہنشاہ ہندوستان حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی یا بہن ہیں انکی شاعری کی دھوم ہند کی سرحدوں کو توڑ کر جب ایران پہونچی تو ایک ایرانی دانشور نے اپنے خیال کا اظہار کیا کہ جن کے اشعار اتنے عمدہ ہیں خود وہ شاعرہ کتنی عمدہ ہونگی کاش مخفی ایران آتیں تو ہم انکی زیارت سے مشرف ہوتے۔ جب یہ بات مخفی تک پہنچی تو انہوں نے جواب میں ایک شعر کہا جس کا مفہوم ہے ”مخفی کو اگر دیکھنا ہے تو اسکے اشعار میں دیکھو کیونکہ مخفی مخفی ہے ظاہر وعیاں نہیں“ وہ عظیم شاعرہ اک روز شہنشاہ سے بھور کے وقت سیر چمن کی اجازت مانگتی ہیں مدعا سند قبولیت سے ہم کنار ہوتا ہے مخفی جذبۂ احساس مندی سے سرشار ہو کر تشکر کے کلمات بادشاہ پر نچھاور کرتی ہیں معاً شہنشاہ کی آواز محل کے محراب ودر سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتی ہے ”شہر میں اعلان کر دیا جائے کہ آدھی رات کے بعد کوئی بھی شخص آمد ورفت نہ کرے کیونکہ مخفی بھور کے وقت چمنستان کی سیر کو تشریف لے جائیں گی“ یہ اعلان سنتے ہی ایک اعلیٰ فوجی عہدیدار ناصر علی کو جو مخفی کے اشعار سے بیحد متاثر تھا خیال آیا جن کے اشعار اتنے خوبصورت ہوتے ہیں خود وہ کیسی ہونگی آج وقت ہے انہیں دیکھ لیا جائے معلوم نہیں پھر کبھی ایسا موقع ہاتھ آئے نہ آئے لہذا وہ مغرب کے وقت ہی چمنستان میں جا کر روپوش ہو گیا۔ مگر پردے کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے شاہی اعلان ممانعت کے باوجود مخفی نقاب پہن کر آئیں۔ ناصر علی اپنی آرزو کا خون ہوتے دیکھکر بے ساختہ بول پڑا۔

برقعہ بہ رخ افگندہ آمد بہ غش :: تابوئے گل بیختہ آید بہ دماغش

ملک العلماء کے یہ شعر پڑھتے ہی استاذ مطلق نے عرض کیا حضور! اگر اجازت ہوتو میں اسے اردو میں پیش کردوں۔
فرمایا کہو۔ کہو۔ عرض کیا۔ ع

چہرے پر برقعہ ڈال کر آئی ہے آج باغ میں
برقعہ سے چھن کے بوئے گل تا کہ بسے دماغ میں

ملک العلماء خوش ہوئے، پسند فرمایا اور اپنے خادم خاص مولانا عبداللہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا عبداللہ! غضب کا بچہ ہے۔ غضب کا بچہ ہے ابھی تم لوگوں کی ذہن میں شعر کا پورا مطلب بھی نہیں آیا اور اس نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر پیش کردیا۔

لطیفہ : مدرسہ بحرالعلوم کٹیہار میں حضرت مولانا سلیمان صاحب قبلہ بھاگلپوری کی درسگاہ میں نورالانوار کی بحث امرزیر درس تھی اس میں یہ عبارت آئی "لان القول لایوصف بالرشید وانما یوصف بالسدید" استاذ محترم نے پوچھا "سدید" کا کیا معنی ہے امام علم وفن نے عرض کیا "درست" پھر پوچھا اور "شدید کا عرض کیا "درست"

لطیفہ۳: حضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ نے استاذ مطلق سے ایک قاعدہ کے بارے میں دریافت کیا کہ فلاں کتاب میں لکھا ہے "یہ قاعدہ قاعدۂ کلیہ ہے" (مگر یہاں عبارت مسئول عنہا میں) اس کے خلاف ہے۔ استاذ مطلق نے فرمایا "آپ ایک قاعدہ سے غافل ہیں اور وہ یہ ہے مامن قاعدۃ الاقد استثنی منہ البعض (کوئی قاعدہ ایسا نہیں ہے جس سے بعض افراد مستثنی ہوں) اس پر مفتی صاحب نے اعتراض کیا کہ **کل فاعل مرفوع** یہ بھی قاعدۂ کلیہ ہے اس سے کون مستثنی ہے استاذ مطلق نے فوراً جواب دیا" ہمارا بیان کردہ ضابطہ وہ بھی تو ایک قاعدہ ہے اس سے یہ قاعدہ (بحثیت فرد) مستثنی ہے۔

لطیفہ۴: بریلی شریف میں ندوہ کے ایک تعلیم یافتہ نے استاذ مطلق سے کہا قرآن میں ہے "قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب" اس میں سراحۃً علم غیب کی نفی ہے۔ استاذ مطلق نے اسے بروقت خاموش کرنے کے لئے جواب دیا "اس آیت کے دونوں جز "لا اقول" کے تحت ہیں یعنی میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ فسکت الندوی۔

استاذ مطلق اور شعروسخن۔

استاذ مطلق جنہیں بیک وقت درسگاہ رائج علوم کے ساتھ ہیئت وہندسہ، توقیت واستخراج سمت قبلہ، لوگارثم وارثماطیقی، مناظر ومرایا، الجفر الجامع، تکسیر ونجوم، مثلث کروی ومثلث مسطح وغیرہ علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل ہے وہ بھلا شعروسخن جیسے لطیف ترفن کو اپنی نگاہ التفات سے کیسے محروم رکھ سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ نے تو اس فن کی اس داق صنعت کو زندہ کیا ہے جسے حا

ل اور ماضی قریب کے سخن ور تقریباً چھوڑ چکے ہیں یعنی شعر کا اپنے وزن اور اپنے معنویت کے ساتھ چیستاں ہوتا کہ اس میں موجود الفاظ وحروف کو ترتیب دینے سے کوئی نام برآمد ہو جائے۔

علامہ عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ کے ساتھ فارسی اور اردو کے شعرائے قدیم نے اس صنعت میں طبع آزمائی کی ہے متقدمین کے اشعار نے جو ''زلیخا'' اور ''پنج رقعہ'' میں موجود ہیں استاذ مطلق کے دل میں اس صنعت کی تجدید کی تحریک پیدا کی جس کے نتیجے میں بے شمار اشعار نے جامۂ وجود پہنا مگر چونکہ استاذ مطلق کا اپنا کوئی دیوان نہیں ہے اس لئے سب اشعار تو نہ مل سکے البتہ جن تک بندۂ ناچیز کی رسائی ہوئی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

نوٹ:۔ جس شعر سے جو نام برآمد ہوتا ہے وہ شعر کے سامنے قوسین میں درج ہیں رہی یہ بات کہ وہ نام کیسے نکلا اس کی تحلیل قارئین کی ذمہ داری ہے۔

مکر سے دل صاف کر اور خالی ظرف بھر
حس اگر باقی رہے تو سین کو بے سین کر (مظفر حسین)

آملا صدیق سے بہتی صدی الٹے قدم
عین ذات پاک پہ اتری بھی سورۂ الم (آفاق عالم)

حضرت حر پھر گئے حرمت میں دیکھ
از پئے ابن علی حضرت حسین (رحمت حسین)

باغ میں ایک پھول ہے جس کا بڑھیا نام ہے
جس نے بویا اس نے پایا پھیر دینا کام ہے (ایوب)

راج کا تاج سر سے دور راج رہے خیال میں
آدھا خیال حق پہ ہے آدھا گیا زوال میں (سراج الحق)

روئے اسماء دیکھئے تو بے نمک نمکین ہے
کم نہیں کمال میں حق سے مل جانے کے بعد (عین الحق)

قلب دم کو چاک کر پھر وضع کر تو اس قسم
بے الف حوا کے دل میں رکھ تو آدم کا قدم (محمود)

متاع لوٹانے میں مارے گئے تم
رفاہ عام میں یہ آہ کیسی (عارف)

چوں مااسمک گفتہ شدآں لالہ رخ را
عرب اندر بر دار گفت بر عکس
(اخلاق)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشق نبوی میں اپنی سرشاری کی جس کیفیت کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

اپنی اسی کیفیت کا ذکر استاذ مطلق یوں کرتے ہے۔

ان کی لقا کے واسطے شرط لگی ہے موت کی
آب حیات پی کے ہم قضا کو ترس گئے

استاذ مطلق اپنے مزاج، اپنی شان واستغنائی و کیفیت خوداری اور شعریں مقالی کا ذکر کس حسین پیرایہ میں کرتے ہیں

اپنے اور بیگانے سبھی خوش ان سے رہیں
رب نے کچھ ایسا بنیا ہے مظفر کا مزاج
گالیاں دیں سختیاں کر دل میں جو آئے کہو
کچھ نہیں بولے گا بندہ خواجہ رکھتا ہے قلندر کا مزاج
شان خودداری ذرا اور شان استغنائی تو دیکھ
اپنے درویشی میں بھی رکھتا ہے سکندر کا مزاج
کس قدر لہجہ شگفتہ کس قدر شریں مقال
جو نہی سنتا ہے پگھل جاتا ہے پتھر کا مزاج

کئی علوم وفنون میں ماہر ہونے کے باجود عیب کبر ونخوت سے دور رہتے ہوئے بھی اپنی انسان دوستی کا عملی طریق کا ذکر کس سادگی کے ساتھ کرتے ہیں۔

ملنے کی میری ریت ہے انسان کی طرح
انجان سے انجان ہو پہچان کی طرح

زیب وزینت سے آراستہ محفلیں بھی جب انسانی غم کو غلط نہ کر پائیں تو اقبال نے کہا۔

دنیا کی محفلوں سے اکتا چکا ہوں یارب
کیا لطف زندگی کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

اسی بات کا اظہار نیز ایسے موقع پر فطرتاً خلوت نشینی کی خواہش کا ذکر استاذ مطلق اس انداز میں کرتے ہیں۔

لٹ گیا سکون دل مٹ گئی میری ہستی
زندگی کے میلے میں آپسی جھمیلے میں
محفلوں کی گرمی سے تپ چکا ہوں میں یارب
دیدے مجھ کو تنہائی میں رہوں اکیلے میں

اب آخر میں بندۂ ناچیز مقالہ ہذا کو استاذ بھائی مولوی محمد نعمان اشرف کے اس شعر پر ختم کرتا ہے۔

یہ عمر نہ دیکھو میری ملت کے جوانو
تلوار پرانی ہے مگر دھار وہی ہے

☆☆☆☆

امام علم وفن: مشفق استاذ

مولانا غلام مذکر خان جالوی در بھنگہ

میرے مشفق اور مہربان استاذ امام علم وفن بڑے ہی سادہ دل اور قد آور شخص تھے میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے کمرہ نمبر ۹ میں ان ہی روم میں رہتا تھا وہ پڑھاتے بھی تھے ہنساتے بھی تھے اور فجر میں سویارہ جاتا تو گدگدی لگا کر جگایا بھی کرتے تھے پیسہ ختم ہوجاتا تو اپنے پاس سے دیتے تھے کبھی واپس نہیں مانگتے تھے معقول تنخواہ ملتی تھی اس کے باوجود وہ بڑھاپے تک اپنے گھر سے خرچ منگواتے تھے میں پوچھا کہ پیسہ کہاں سے آتا ہے کہتے کہ میں غریب نہیں گاؤں میں فصل ہوتی ہے غلہ ہوتا ہے وہ سب بیچا ہوگا طلباء کی خدمت میں لوٹا دیتا ہوں اس کی برکت سے امام علم وفن بن گیا ہوں وہ تنہائی میں محبت سے سمجھاتے تھے اور سب کے سامنے کبھی ڈانٹتے کبھی شرمندہ کردیتے کبھی کہ زبردستی پڑھادیتے اور سمجھا دیتے تھے فرماتے کہ خوب اچھا کپڑا پہنو پریس کرو نیل دو پالش کرو تیل کنگھی سرمہ استعمال کرو خوب ٹھاٹ سے رہو لیکن سبق یاد کرو نماز کے پابند رہو۔

اور راستے پر چلو تو نگاہیں نیچی رکھو بڑی بڑی منطق وفلسفہ کی گتھیاں آسانی سے سلجھا دیتے ایسا پڑھاتے کہ پلا دیتے اعتراض کرنے پر بہت شاباشی دیتے وہ استاد بھی اور باپ بھی تھے ایک ایک بات انکو یاد رہتی بہت دنوں بعد عرس اعلی حضرت میں ملے تو پہچان گئے بہت دعا دیتے طبیعت خراب ہوئی میں بے ہوش ہو گیا ہوش آیا تو اتنا بڑا عالم اپنے ہاتھوں سے زمین پر بیٹھ کر میرے سر میں تیل مالش کر رہا تھا انکا ایک ایک عمل ان کا ایک ایک پل ہمارے لئے یادگار ہے ان کی دعائیں ہر وقت میرے ساتھ ہیں اللہ تعالی انکو غریق رحمت فرمائے آمین

نثار کرنے کو لائیں کہاں سے ان پہ خوشی
یہی ہیں کچھ غم پنہاں بچے بچائے ہوئے

xxxxxxxxxx

پندرہواں باب

غروب آفتاب

وہ چلے گئے بہارِ گلستاں لئے ہوئے

مولانا مختار حنیف قادری دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد

استاذ مطلق امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ ،،مظفر حسین،، صاحب قبلہ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کی درسگاہ،، ہندستان،، کی تمامتر درسگاہوں میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی، اور آپکے تحقیقی فتاوے اور مضامین عالم اسلام کے علماء وعوام سب کی نظر میں اپنی مقبولیت وپذیرائی، اور قابل اعتماد واعتداد ہونے کے اعتبار سے حرف آخر کا درجہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ملک بھر کے مختلف مدارس وجامعات، اور دارالعلوم کے فارغین وفاضلین اپنی علمی وفکری تشنگی بجھانے کے لئے ،،خواجۂ علم وفن،، کے دربار کی حاضری میں اپنی فیروز بختی وسعادت مندی سمجھا کرتے تھے، صرف یہی نہیں، بلکہ میں نے تقریباً پچیس، تیس سالوں سے زائد مشاہدہ کے دوران اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مدارس کی دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی درسگاہ ہو، جہاں کے اساتذہ میں سے ایک سے زائد نے اپنی تمام تر شہرتوں کے باوجود بارگاہ ،،خواجہ،، کا طواف نہ کیا ہو، اور شاید میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ: آج اردو داں طبقہ میں جہاں کہیں ہیئت وہندسہ، اور جبر ومقابلہ، اور زیج وتوقیت، اور مرایا ومناظر جیسے علوم وفنون کا شدید پایا جاتا ہے، وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ،،امام علم وفن،، ہی کا فیضان ہے، ایسا با فیض عالم خال، خال ہی نظر آتا ہے، کہ ایسے علم وفضل والے اگر صحرا میں بیٹھ جائیں تو گلزار بن جائے، ویرانہ میں قدم رکھدیں تو مدرسہ ہو جائے۔

،،امام علم وفن،، کی آفاقی شہرت صرف درسگاہوں تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ ملک وبیرون ملک، اطراف واکناف عالم میں ہر چہار سو پھیلی ہوئی تھی، یورپ وامریکہ، اور عرب وعجم کے علماء ومفتیان کرام جن مسائل شرعیہ کا حل پیش کرنے میں عاجز ودرماندہ رہ جاتے، ان کی گتھیاں سلجھانے کے لئے دربارِ ،،خواجہ،، میں جبیں سائی کرتے، اور امام علم وفن انھیں اپنے فن علم وآگہی سے بسہولت حل فرمادیتے، خصوصیت کے ساتھ وہ مسائل جن کا تعلق ہیئت وہندسہ، اور توقیت وارثماطیقی وغیرہ علوم عقلیہ سے ہوتا، ان میں تو آپ کے سوا کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کیا جاتا، سچ تو یہ ہے کہ ملک العلماء علامہ ظفر الدین بخاری۔ علیہ رحمۃ الباری۔ کے بعد آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی۔ علیہ الرحمۃ والرضوان۔ کے علوم نادرہ کے

اکلوتے وارث تھے، اور شاید اسی وجہ سے آپ کو علماء ,,وارث علوم امام احمد رضا،، کے لقب سے یاد کرتے تھے، اور بھلا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کو اپنے عہد شباب ہی میں اکابر علماء ہند خصوصیت کے ساتھ حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم وحضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ۔ کی سرپرستی حاصل تھی، چنانچہ میں نے دار القلم، دہلی میں ,,دھرول، گجرات،، کے زیر اہتمام ,,ثبوت رویت ہلال،، وغیرہ سے متعلق منعقد ہونے والے فقہی سیمینار میں شرکت کے دوران دیکھا کہ جب ,,رویت،، کا مسئلہ زیر بحث آیا تو مفتی ,,محمد نظام الدین،، صاحب مبار کپوری نے ایک قدیم رجسٹر یہ کہتے ہوئے نکالا کہ: اس موضوع پر آج سے پہلے بھی بحث ہو چکی ہے، جب تحریر پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ کافی عرصہ پہلے مبارکپور میں حضور مفتی اعظم کی زیر سرپرستی ,,حضور مجاہد ملت، وحضور امام علم وفن،، پر مشتمل دیگر اکابر علماء اہلسنت کی ایک نشست ہوئی تھی جس میں فیصلہ حضور ,,امام علم وفن،، کی رائے پر ہی ہوا تھا۔

حقیقت بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ ہندوستان میں اہلسنت وجماعت کے منعقد ہونے والے وہ تمام فقہی سیمینار و علمی مذاکرے ناقص وادھورے سمجھے جاتے تھے، جن میں استاذ مطلق امام علم وفن کی شرکت نہ ہو۔

سالوں پیشتر کی بات ہے کہ حضور خواجہ صاحب قبلہ ,,شرعی کونسل آف انڈیا،، بریلی شریف کے فقہی سیمینار میں تشریف لے گئے تھے، آپ کے ہمراہ عزیزم مولانا عطیف القادری۔ سلمہ ربہ۔ بھی گئے ہوئے تھے، چونکہ حضرت کو بڑھاپے کا مرض ,,پروسٹیٹ،، عرصہ سے لاحق ہو چکا تھا؛ اس لئے موقع، بموقع اس کی جانچ بھی کرائی جاتی رہتی تھی، یہاں بھی سیمینار سے فرصت ملنے پر جانچ کرائی گئی، رپورٹ موافق نہ ہونے کی وجہ سے ,,علی گڈھ،، تشریف لے گئے، اور وہاں بھی جانچ کرایا، پھر طبیبوں کے مشورہ سے ,,سمپل،، دہلی بھیج دیا گیا، اور کچھ دنوں بعد رپوٹ آنے پر نئی دواؤں کی تجویز کا وعدہ کیا گیا، حضرت واپس دار العلوم اہلسنت نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد تشریف لے آئے، ایک، دوروز قیام فرمانے کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ میں ,,مجلس شرعی،، کے بینر کے تحت منعقد فقہی سیمینار میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت۔ علیہ الرحمہ۔ جس روز نشست کی صدارت فرمارہے تھے، اسی روز مولانا عطیف القادری نے مجھے جانچ کی رپوٹ آنے کی اطلاع دی، ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ: رپورٹ کے مطابق حضرت کا آپریشن اور علاج جلد از جلد نہایت ضروری ہے، میں نے یہ بات حضرت کے گوش گزار بھی کر دی ہے، مگر حضرت سیمینار چھوڑ کر آنے پر کسی طرح راضی نہیں ہیں؛ اس لئے آپ رابطہ کر کے گزارش کریں شاید حضرت آمادہ ہو جائیں، اور چونکہ مجھے خود بھی پہلے ہی سے معلوم تھا کہ یہ مرض بڑھ جانے پر ,,بون کینسر،، بناتا ہے، اس لئے میں نے فوراً ہی رابطہ کر کے مرض کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہوئے بلا تاخیر ,,ممبئی،، سفر کرنے پر غایت درجہ اصرار کیا، حضرت اس شرط کے ساتھ راضی بھی ہو گئے کہ اس نشست کے ختم ہوتے ہی واپس ہو جاؤں گا، ادھر حضرت نے رضامندی ظاہر فرمائی اور ادھر سفر کی تیاری شروع کر دی گئی، سیمینار سے واپسی کے دوسرے دن ہی حضرت اپنے ایک خادم کے ساتھ ممبئی کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں پہونچکر دار العلوم اہلسنت نور الحق، چرہ محمد پور کے سرپرست مخیّر قوم الحاج عزیز الرحمان صاحب کے یہاں قیام فرمایا، حاجی صاحب نے اپنے

ایک صاحبزادہ الحاج ,,محمد اویس،، عرف کبو بھائی کو حضرت کی خدمت اور علاج پر مامور کردیا، انہوں نے ممبئی عظمی کے مشہور سرجن ڈاکٹر سلطان پردھان سے علاج شروع کیا، اور بالآخر طبیب مذکور نے ہی ,,اسماعیلیہ،، ہاسپٹل میں آپریشن کیا، چونکہ پروسٹیڈ کافی بڑھ چکا تھا، اور اس کے مضر اثرات بھی جسم میں شروع ہو چکے تھے؛ اس لئے ڈاکٹر نے مجبوراً پروسٹیڈ کو معتاد مقدار سے زیادہ گہرائی کے ساتھ کاٹا، جس کی وجہ سے پیشاب کی دھار نہ بننے کے سبب حضرت کو سلسل بول کا عارضہ لاحق ہو گیا، ڈاکٹر سے شکایت کی گئی، تو انہوں نے صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ پروسٹیڈ کے مضر اثرات کو ختم کرنے والے ,,کیموتھراپی،، کے انجکشن لگ جانے کے چند مہینوں بعد ایک دوسرا آپریشن کر کے پیوندکاری کردی جائے گی، تو۔ان شاء اللہ تعالی۔ یہ عارضہ ختم ہو جائے گا، چنانچہ چند مہینوں بعد دوسرا آپریشن بھی ہو گیا، مگر۔ مرضی مولی از ہمہ اولی۔ سارے خطرناک امراض کا تو خاتمہ ہو گیا، لیکن یہ عارضہ دائمی ہو گیا جو تادم واپسیں قائم ہی رہا۔

یہاں اگر مخیر" قوم الحاج عزیز الرحمٰن صاحب اور انکے صاحبزادگان واہل خانہ کی والہانہ خدمات کا چرچا نہ کریں، تو احسان فراموشی کے ساتھ، ساتھ علماء حق کے لئے رب ذوالمنن کے غیبی انتظامات سے چشم پوشی بھی ہوگی؛ اس لئے اہل علم واہل ثروت دونوں کی عبرت کے لئے ضروری ہے کہ حاجی صاحب کی خدمات، اور حضرت کے حالات معرض تحریر میں لائے جائیں اور بتایا جائے کہ ,,استاذ مطلق امام علم وفن،، جس وقت علیل ہوئے اس وقت آپکی دو ننھی منھی پوتیوں اور چھوٹے، موٹے ایک پوتے کے علاوہ کوئی اولاد دنیا میں نہ تھی، جو آپ کے علاج ومعالجہ، اور آپ کی مزاج پرسی وخدمت گزاری کے فرائض انجام دیتی، بھلا ہو حاجی صاحب اور ان کے اہل خانہ کا جنہوں نے اپنے سر یہ بیڑا اٹھایا، اور اسے حضرت کی حیات مبارکہ تک نبھایا بھی، حاجی صاحب نے نہ صرف یہ کہ اپنی تجوری کا منہ کھولدیا تھا، بلکہ جس اخلاص ومحبت اور تندہی کے ساتھ خدمتیں انجام دیں، اس کی مثال دور حاضر میں انسان کو خود اپنی اولاد میں بھی کم ہی مل پاتی ہے، چنانچہ امام علم وفن نے جب حاجی صاحب کے دولت کدہ کو اپنے قدم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا، تو حاجی صاحب نے خود اپنا بیڈروم خالی کردیا، اور حضرت اسی میں قیام پذیر ہوئے، علاج ومعالجہ کا موقع آیا تو ایک بیٹا اور ایک گاڑی مع اخراجات حوالے کردیا، آپریشن کے بعد جب سلسل بول کا عارضہ لاحق ہوا تو صفائی، ستھرائی نوکر سے نہیں، بلکہ اپنے بچوں سے کرائی، جب مرض دراز وممتد ہو گیا، تو حضرت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا کہ: حضور آپ تو یہاں تشریف فرما ہیں، گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہونگے؟ اس لئے ان کے اخراجات کے لئے کچھ روپے روانہ کردیئے جائیں؟ حضرت کی ہزار منع کے باوجود بھی گھر کے اخراجات کے روپے روانہ کردئے، امام علم وفن۔ بفضلہ تعالی۔ جب صحتیاب ہو کر واپس دار العلوم تشریف لائے، تو اس کے کچھ ہی دنوں بعد جب حاجی صاحب بھی اپنے گاؤں تشریف لائے، تو احباب اساتذۂ دار العلوم نور الحق میں طے پایا کہ حاجی صاحب کو شکریہ کے طور پر ایک استقبالیہ دیا جائے، پروگرام کے مطابق انہیں مدعو کیا گیا اور وہ تشریف بھی لائے، بندۂ حقیر راقم الحروف شکریہ کے چند جملے بھی پورا نہ

کر پایا تھا کہ وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگے، اور فرمایا کہ بس کیجئے، حضرت ہمارے گھر سے کیا چلے آئے؟ ساری بہاریں لٹ گئیں، ہمارا گھر بے رونق ہو گیا، ہمیں تو اب اپنا ہی گھر اچھا نہیں لگتا۔

یہاں ایک بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ جسے حضرت۔علیہ الرحمہ۔نے خود ہی بیان فرمایا کہ: آپریشن سے پہلے جہاں بہت ساری جانچیں لکھی گئیں، وہیں ,ہیموگلوبن،،۔خون کے سرخ ذرات۔کی بھی جانچ لکھی گئی، جب ساری جانچوں کی رپورٹیں آئیں، تو ہیموگلوبن کی رپورٹ چودہ فی صد دیکھکر ڈاکٹر دنگ رہ گیا، اور اس نے یہ کہتے ہوئے کہ اتنا خون تو تندرست نوجوانوں کو ہوتا ہے، شاید سمپل بدل گیا ہے، دوبارہ جانچ کرانے کا حکم دیا، دوبارہ جانچ پر بھی وہی رپورٹ آئی، ڈاکٹر حیران وششدر رہ گیا! اس لئے اس نے اپنی نگرانی میں جانچ کرایا، پھر وہی رپورٹ پاکر حضرت سے پوچھنے لگا کہ آپ کیا کھاتے ہیں؟ جو آپکی ہیموگلوبن اتنی زیادہ ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ قدرت فیاض نے امام علم وفن کو انوکھی عقل وفکر اور نادر ادراک وحس سے بہرہ ور فرمایا تھا، جو تمام تر اعضاء بدنیہ وقوائے جسمانیہ کے ضعف وناتوانی کے باوجود بھی کسی طرح متاثر نہ ہوئے، امام علم وفن کو میں نے آج سے کوئی پچیس، تیس برس قبل براؤں شریف اپنے آبائی وطن دار العلوم فیض الرسول میں دیکھا تھا، اس وقت حضرت بعض احباب مولانا غلام زرقانی نزیل امریکہ، مولانا سید عقیل احمد بارہ بنکی، مولانا معشوق علی شیخ الحدیث دار العلوم محبوبیہ شمع اسلام وغیرھم کو بعد نماز مغرب ,,مرقات،، کا خصوصی درس دیتے تھے، بندۂ حقیر دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا میں زیر تعلیم تھا، جب گھر آتا حضرت کی بارگاہ کی حاضری کا شرف حاصل کرتا، خصوصیت کے ساتھ ,مرقات،، کے درس میں ضرور شریک ہوتا، اور امام علم وفن بھی والد گرامی حضور مفکر ملت علامہ محمد حنیف صاحب قبلہ قادری۔علیہ الرحمہ۔سے دیرینہ تعلقات کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی کرم فرماتے تھے، میں نے اس وقت سے لیکر وصال پر ملال تک حضرت کے ذہن وفکر، شعور وآگہی، اور حفظ ویادداشت میں کسی طرح کا کوئی فرق محسوس نہ کیا، جب کہ جسمانی کمزوری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بغیر کسی سہارے کے چند گھڑی کھڑا رہ پانا بھی نہایت دشوار تھا، مناظر اہلسنت فقیہ النفس علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ مضطر نے بیان فرمایا کہ:

> ''میں نے استاذ مطلق امام علم وفن کی شب وصال میں سات بجے سے لیکر سات بجکر چوالیس منٹ تک ٹیلی فون پر ایک مقالہ کے کچھ علمی مباحث سے متعلق گفتگو کی، استاذ گرامی نے اس کی تشریح فرمائی، جس پر میں نے کچھ معروضات پیش کئے، جس کا اتنا تشفی بخش جواب مرحمت فرمایا کہ میں مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا،،

یہ تو تھے مفتی صاحب جو اپنی علمی گتھیاں سلجھا رہے تھے، لیکن اس طرح کے یہ صرف اکلوتے نہ تھے، بلکہ دار العلوم نور الحق کی دیوار ودر، اور چرہ محمد پور کے علماء وعوام اس بات کے گواہ ہیں کہ آئے دن علالت سے پہلے اور بعد بھی علماء کرام، ومفتیان عظام بارگاہ خواجہ میں استفادہ کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے، چنانچہ انتقال پر ملال سے چند یوم قبل عید الاضحیٰ کے موقع پر علامہ

شمس الہدی صاحب رضوی، استاذ: الجامعۃ الا شرفیہ مبارکپور متعدد علمی سوالات مثلاً:

(۱) کیا ایک جگہ کا مشاہدہ پوری دنیا کے درجات شمس متعین کرنے کے لئے کافی ہے؟

(۲) کتب ہیئت میں صبح کاذب کے لئے ۱۸/ درجہ لکھا ہے، پھر اس پر عمل کیوں نہیں؟

(۳) ایک ملک کے غروب آفتاب کے اوقات میں زیادہ اور طلوع میں ایسا نہیں ایسا کیوں؟

(۴) پوری دنیا میں عشاء کا وقت اور صبح صادق ۱۸/ درجہ پر ہے، تو اوقات میں فرق کیوں؟ مثلاً: ہندوستان میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان گرمیوں میں ایک گھنٹہ چالیس منٹ کا فرق ہے، جب کہ برطانیہ میں تین، تین گھنٹہ؟

(۵) طلوع فجر صادق اور تبین فجر کے درمیان کتنے وقت کا فاصلہ ہوتا ہے؟

(۶) جب سورج اٹھارہ درجہ زیر افق نہ جائے اور نصف اللیل سے قبل مشرق میں روشنی نظر آئے تو کیا نصف اللیل پر اختتام سحری درست ہے؟

لیکر ,, چرہ محمد پور، تشریف لائے اور چند روز قیام فرما کر استفادہ کر کے تشریف لے گئے ،ان سارے سوالات کے جوابات تحریر کرنے کا یہ موقع نہیں ،ان میں سے صرف ایک سوال نمبر۲ کا جواب لکھ دیا جارہا ہے؛ تا کہ اہل علم کو استاذ مطلق کے اسلوب تحقیق کا کچھ اندازہ ہو سکے ،اور یہ معلوم ہو جائے کہ آپ علماء کے مرجع کیوں تھے؟ امام علم وفن نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کتب ہیئت میں ,,صبح کاذب،، کے لئے ۱۸ درجہ غلط لکھا ہوا ہے، اسی وجہ اس پر عمل نہیں ہے، حقیقت میں یہ صبح صادق کا وقت ہے، استاذ نے اس کے ثبوت و دلیل میں تصریح کا متن دکھاتے ہوئے فرمایا: متن میں صرف صبح لکھا ہے اور شرح میں ,,صبح کاذب،، یہ لفظ ,,کاذب،، شارح کا اضافہ ہے، جو غلط ہے، پھر استاذ نے اس غلطی کی لم واضح کرتے ہوئے فرمایا: دراصل یہ غلطی ابن الہیثم سے ہوئی ہے؛ اسلئے اس کے بعد آنے والے مصنفین نے اسی کی اتباع تحقیق کئے بغیر لکھ ڈالی ہے، انھیں علمی تحقیقات کی بنیاد پر آپ کو ,,امام علم وفن،، کہا جاتا ہے۔

امام علم وفن کی علمی فیاضی صرف دار العلوم کی چہار دیواری اور درسگاہوں تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ علالت کے دوران بھی جس وقت کہ آپ حاجی صاحب کے در دولت پر قیام پذیر تھے ،اس وقت علامہ قمر الزماں صاحب قبلہ اعظمی، مفتی نظام الدین صاحب رضوی ،مولانا حافظ شاکر نوری، امیر سنی دعوت اسلامی، اپنے احباب علماء کے ہمراہ زیارت خواجہ کے لئے تشریف لائے، اتفاقیہ ان دنوں مفتی محمد نظام الدین صاحب کے مصدقہ فتاوی پر مشتمل ,,مرکز تربیت افتاء اوجھا گنج،، کی سالانہ مطبوعہ روداد خواجہ علم وفن کی نگاہوں سے گزری تھی مفتی صاحب سے حضرت نے فرمایا کہ: شاید آپ نے اوجھا گنج کی روداد میں شائع فتاوی کا سرسری مطالعہ کر کے تصدیق کر دیا ہے، بعض فتوے قابل غور ہیں، دوبارہ دیکھ لیں، زیادہ بہتر ہوگا، مفتی صاحب نے فرمایا کیوں؟ کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا: دیکھ لیں، خود ہی سمجھ میں آجائے گا، جب مفتی صاحب نے اصرار کیا، تو حضرت نے

فرمایا: آپ نے تلاوت قرآن، اُدعیہ اور مدائح نبویہ وغیرہ کو موبائل کا ،،رنگ ٹون ،بنانے کے جواز کے فتویٰ پر تصدیق فرمائی ہے، حالانکہ مجھے یہ چند وجوہات سے درست معلوم نہیں ہوتا، حضرت نے مذکورہ چیزوں کو موبائل میں بطور ،،الارم،،ورنگ ٹون استعمال کئے جانے کے عدم جواز کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ذکر فرمائی کہ آدمی موبائل جیب میں لیکر استنجاء خانہ، غسل خانہ وغیرہ میں بھی جاتا ہے، اور ایسی جگہوں پر آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت واَدعیہ ماثورہ ونعت وغیرہ کا پڑھنا، سننا جائز نہیں، مفتی صاحب نے فرمایا کہ: میں نے دانستہ طور پر اس فتویٰ کی تصدیق کی ہے، یہ کہتے ہوئے مفتی صاحب نے حیل وحجت کی، بات ختم ہوتے ہی مفتی صاحب کو استنجاء کی حاجت ہوئی، اور مفتی صاحب جیسے ہی استنجاء تشریف لے گئے، ان کے فون پر نعت شریف گنگنانے کی آواز کمرہ میں موجود سارے لوگوں کو سنائی دینے لگی، مفتی صاحب جیسے ہی باہر تشریف لائے حضرت نے فرمایا: کیا مفتی صاحب نعت شریف سن رہے تھے یا استنجاء فرمارہے تھے؟ مفتی صاحب مسکراتے ہوئے خاموش رہے۔

استاذ مطلق امام علم وفن۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ نے علالت کے بعد عارضۂ سلسل بول لاحق ہونے کے باعث سیمناروں اور جلسوں میں شرکت بالکل بند کردی تھی، ہزار کوششوں، اور صدہا التجاؤں کی طومار لگادینے کے باوجود بھی سفر کے لئے تیار نہ ہوتے تھے، سال، دوسال اسی طرح گزر گئے، حسن اتفاق کچھ اسی طرح کا موقع آیا کہ ایک صاحب اپنے دار العلوم کی تقریب ختم بخاری کی ادائیگی کی دعوت لیکر پہنچے، اس وقت یہ ناچیز بھی موجود تھا، حضرت۔ علیہ الرحمہ۔ نے شرکت سے معذوری ظاہر فرمادی، استاذ مطلق حضور خواجہ صاحب قبلہ مجھ حقیر پر خصوصی کرم فرماتے تھے؛ اسلئے میں حضرت کا کچھ منہ لگا بھی تھا، اسی کرم فرمائی کی وجہ سے میں نے گزارش کی کہ جہاں کہیں حضور عالی کے لئے تمام تر ضروریات کا معقول انتظام وانصرام ہو، وہاں ضرور تشریف لے جائیں، لوگ چہرۂ زیبا کے دیدار واکتساب فیض کے لئے بے چین رہتے ہیں، ساتھ ہی وقتاً فوقتاً ماحول اور آب وہوا کی تبدیلی، لوگوں کی ملاقات اور گفت وشنید سے آپ کو ذہنی وجسمانی راحت بھی میسر ہوگی، حضرت نے معمولی خاموشی کے بعد پروگرام کی منظوری دیدی، اور اس طرح آپ کا سلسلۂ سفر دوبارہ شروع ہوگیا، اگر چہ آپ پہلے بھی زیادہ سفر نہ فرماتے تھے، مگر ضروری واہم پروگراموں میں ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے، اب جبکہ سلسلۂ سفر دوبارہ شروع ہوگیا، تو اب سال میں دو چند پروگراموں میں شرکت ہوجاتی تھی، ابھی سال گزشتہ دار العلوم محبوبیہ شمع اسلام، ڈھلمو شریف، امبیڈکر نگر، یوپی کے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت میں ختم بخاری کراتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ آپ نے ایسا علمی خطاب فرمایا کہ حاضرین ،علماء وطلبہ عش، عش کرنے لگے۔

استاذ مطلق امام علم وفن۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ نے بتوفیق الٰہی حضور سیدنا سرکار مفتیِ اعظم۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کے فیضان کرم سے دار العلوم مظہر اسلام، بریلی شریف ،اور حضور مفتیِ اعظم کے دار الافتاء سے اپنے سفر درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا، اس وقت سے لیکر اپنی حیات طیبہ کے ہر دور وہر جگہ میں خواہ وہ بھاگلپور ہو یا سلطان پور، کچھوچھہ شریف ہو یا براؤں

شریف، الٰہ آباد ہو یا بدایوں شریف، یا چریا کوٹ، محمد پور، خواہ وہ جوانی کا عہد ہو یا بڑھاپے کا، صحت کا وقت ہو یا بیماری کا بہر حال آپ اپنے سرچشمۂ علم و آگہی سے طالبان علوم نبوت کی سیرابی، اور دارالافتاء سے قوم وملت کی رہنمائی فرماتے رہے، بھارت کی بڑی بڑی خانقاہوں کے شہزادے اور اکابر واجلۂ علماء کے صاحبزادے آپ کی بارگاہ کے خوشہ چیں رہے، خواہ وہ خانقاہ رضویہ، بریلی شریف کے تاج الشریعہ ہوں یا خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف کے غازیٔ ملت، خواہ وہ خانقاہ صمدیہ چشتیہ، پھپھوند شریف کے سید انور چشتی و علامہ سید ازہر چشتی ہوں یا خانقاہ اشرفیہ، جائس کے علامہ سید علیم اشرف جائسی و علامہ سید نسیم اشرف جائسی، خواہ وہ خانقاہ رشیدیہ، جونپور کے صاحب سجادہ مفتی عبید الرحمان ہوں یا خانقاہ یارعلویہ، براؤں شریف کے صاحب سجادہ علامہ مختار احمد رضا علوی، خواہ وہ خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف کے ولی عہد علامہ اسید الحق عاصم القادری ہوں یا خانقاہ عالیہ قادریہ، راج محل صاحب گنج کے صاحب سجادہ علامہ سید عبد السلام، خواہ خانقاہ عظمتیہ بازبیریا شریف کے سید شمس الدین ہوں یا خانقاہ مصطفائیہ، چمنی بازار کے سابق صاحب سجادہ کے فرزند علامہ جمیل الرشید، خواہ خانقاہ اشرفیہ سرکارکلاں کے صاحب سجادہ علامہ محمود اشرف یا علامہ بابا تنویر اشرف، یا خانقاہ درگاہ معلیٰ، بالائے جھالرہ، اجمیر شریف کے علامہ سید مہدی میاں، سچ تو یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کے ملک العلماء، اور صدر الشریعہ تھے؛ یہی وجہ ہے کہ جہاں خانقاہوں کے شہزادے درسگاہ خواجہ کے گرد وپیش ہالہ کی طرح دکھائی دیتے تھے، وہیں اکابر علماء ہند کے صاحبزادگان بارگاہ خواجہ میں پروانہ وار نچھاور ہوتے تھے، چنانچہ مناظر اہلسنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اپنے فرزند، وپوتے مولانا غلام زرقانی، وخوشتر نورانی، ادیب شہیر سید مثنیٰ انور اشرفی جیلانی نے اپنے فرزند مولانا راشد مکی اشرفی جیلانی، حضرت سید قطب میاں اشرفی جیلانی نے اپنے فرزند مولانا نظام اشرف اشرفی جیلانی، فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی نے اپنے فرزند مولانا انوار احمد امجدی، مفکر ملت علامہ محمد حنیف قادری نے اپنے فرزند حقیر راقم الحروف، مفکر اسلام علامہ غلام عبد القادر علوی نے اپنے فرزند مولانا آصف رضا علوی الازہری، علامہ غلام یٰسین رضوی نے اپنے فرزند مولانا محمد منظور عالم، کو بارگاہ خواجہ میں بھیجکر تعلیم وتربیت دلائی، اور یہ تو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر صرف وہ چند تلامذہ ذکر کئے گئے ہیں، جو بروقت اس ناچیز کے ذہن وفکر میں حاضر تھے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ''استاذ مطلق،، نے اداروں اور ان کے بیشتر اساتذہ کی طرح صرف پڑھانے اور سلسلۂ تلامذہ بڑھانے کا کام نہیں کیا، بلکہ بنانے کا کام کیا، کمیت سے زیادہ کیفیت پر نظر رکھی، چنانچہ آج سرزمین ہند پر شاید ہی کوئی اہم شرعی فیصلہ اور نزاعی مسئلہ ایسا ہو جو آپ کے تلامذہ کی شرکت کے بغیر اپنے منطقی انجام کو پہونچ سکا ہو، فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن مضطر، مفتی عبید الرحمٰن خانقاہ رشیدیہ، خطیب اہلسنت مفتی محمد ایوب مظہر۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ وغیرھم ایسے نام ہیں جو آج آسمانِ علم وفن پر ماہ ونجوم کی طرح چمکتے دکھائی دے رہے ہیں، فتویٰ نویسی ہو یا مناظرہ کا میدان، درسگاہ ہو یا قلم کی جولانگاہ، فقہی سیمینار ہو یا تحقیقات کا کوئی پیکار، خطابت ہو یا شعر وسخن کی دنیا ہر جگہ تلامذۂ امام علم وفن کی اپنی ایک انفرادی شناخت ہے۔

استاذ مطلق امام علم وفن نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتعلم میں ہی گزاری، درسگاہ سے متعلق ہونے کے بعد سے لیکر وصال پرملال تک کبھی آپ کا سلسلۂ درس وتدریس موقوف نہ ہوا، دوران علالت حاجی عزیز الرحمٰن صاحب کے در دولت پر بھی آپ کا یہ محبوب مشغلہ جاری وساری رہا، انکم ٹیکس کمشنر فاروق بھائی پھگاوالا، اور ان کے رفقاء کو حدیث وغیرہ کا درس دیتے رہے، ہجوم افکار وآلام، جسمانی بیماری وکمزوری اور لاغری وناتوانی کبھی بھی آپ کی علمی روانی کو کمزور نہ کرسکی، دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور میں آپ کی درسگاہ زندگی کے آخری لمحات تک اپنی آب وتاب کے ساتھ سجتی رہی، آپ اپنی اسی پرانی آن، بان اور شان وشوکت کیساتھ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوتے، اور دار العلوم کے طلبہ پورے ذوق وشوق کے ساتھ حاضر بارگاہ ہوکر اکتساب فیض کرتے، اور استاذ مطلق اپنی اسی گہرائی وگیرائی کے ساتھ توضیح وتشریح فرماتے جو آپ کا مابین الاساتذہ طرۂ امتیاز تھا، عمر رسیدہ، بیمار وکمزور ہونے کا کوئی اثر تقریر مسئلہ پر ہرگز نہ ہوتا؛ یہی وجہ ہے کہ آپ کی درسگاہ کے آخری سالوں کے تلامذہ بھی علوم مروجہ ونادرہ میں یکساں دسترس رکھتے ہیں، اس کی زندہ مثال صاحب الارصاد حکیم ملا علی قوشجی کے مشہور زمانہ رسالہ ,,رسالہ قوشجی،، اور اس پر علامہ شاہ وجیہ الدین احمد گجراتی کی شرح کی تبییض اور اس کا تحشیہ ہے، مذکورہ رسالہ وشرح رسالہ کی تبییض وتحشیہ کے لئے علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ نزیل ,,بولٹن،، بریطانیہ مسلسل تگ ودو کرتے رہے، حسب توقع ہندوستان کے بیشتر چھوٹے، بڑے مدارس وجامعات کے مشاہیر اساتذۂ فن سے کوشش ورابطہ کرتے رہے، ہر جگہ مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، شدہ شدہ خواجۂ علم وفن کی بارگاہ میں حاضری دی، تو حضرت نے بھی علالت طبع کی وجہ سے خود یہ کام کرنے سے معذوری ظاہر فرمادی، مگر مایوس نہ فرمایا، بلکہ انھیں دنوں اپنی درسگاہ کے زیر درس طالب علم عزیزم مولانا محمد حبیب الرحمٰن نعمانی،، -جو اسی سال (نومبر ۲۰۱۳ء) میں ازہر سے فارغ ہوکر تشریف لانے والے ہیں- کی نشاندہی فرمادی کہ: آپ ان سے یہ کام لے سکتے ہیں، مفتی صاحب کو بڑی حیرانی ہوئی کہ: جو کام بڑے، بڑوں سے نہیں ہو پارہا ہے، اسے ایک طالب علم بھلا کیا انجام دے پائے گا؟ لیکن دنیا نے دیکھا کہ امام علم وفن کے ایک زیر درس طالب علم وشاگرد نے وہ کردکھایا، جسے آپ کی درسگاہ کا خاصہ کہا جاسکتا ہے، مولانا نعمانی -سلمہ- نے ,,رسالہ قوشجی،، کی تبییض کے ساتھ، ساتھ ایسی حاشیہ نگاری فرمائی ہے کہ اسے پڑھ کر ایک ماہر ہیئت داں کا گمان ہوتا ہے، امام علم وفن اسی کتاب پر لکھی ہوئی اپنی ,,تقریظ،، میں فرماتے ہیں:

,,.........حضرت مفتی نظام الدین حال مقام برطانیہ نے اس کتاب کو برائے تحشیہ اس بندہ ناچیز کے پاس روانہ فرمایا، بندہ حقیر نے علالت طبع کی وجہ سے خود معذرت کرتے ہوئے یہ خدمت فاضل اریب ماہر ہیئت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی کے حوالہ کردی، بعد اتمام اس بندہ ناچیز نے اسے دیکھا اور پڑھا، ماشاء اللہ حاشیہ نگاری میں مولانا موصوف نے کمال کردیا ہے،،

استاذ مطلق امام علم وفن نے یہ تقریظ ,,۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ، ۵/ دسمبر ۲۰۰۹ء،، کو یعنی: انتقال پرملال سے تقریباً چار

سال پہلے تحریر فرمائی ہے، صاف ظاہر ہے کہ فاضل حاشیہ نگاری تعلیم وتربیت آپریشن وعارضہ سلسل بول اور عام جسمانی کمزوری کے بعد ہوئی ہے، اور سلسلۂ تعلیم وتربیت زندگی کے آخری لمحات تک قائم ودائم رہا، جیسا کہ ,,علامہ شمس الہدی رضوی مبارکپوری،، کا عیدالاضحیٰ سے قبل ہیئت وتوقیت کے سوالات لیکر آنے اور اسے حل کرانے اور شب وصال میں ,,مفتی مطیع الرحمن رضوی،، کا دقیق علمی مباحث پر گفتگو کرنے سے ظاہر وباہر ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ان تمام بیماریوں، شوگر، بلڈ پریشر، سلسل بول اور عام جسمانی نقاہتوں کے باوجود آپ کی خوش اخلاقی، مہمان نوازی، ظرافت وخوش طبعی، حلم وبردباری اور خوردان نوازی وغیرہ پر بھی کچھ خاص فرق نہ آیا تھا، چنانچہ شب وصال کو بعد نماز عشاء کھانا تناول فرمانے کے بعد خدمت گزار طلبہ مولوی راشد، حافظ ثاقب، مولوی گلفام اور مولوی ابرار سے فرمایا: آپ لوگ جائیے، سوجائیے، اور دیکھئے صبح سویرے جب آیئے گا، تو اچانک ایسے ہی مت جگانے لگیے گا، پہلے مچھردانی اٹھا کر دیکھ لیجئے گا کہ کہیں میں مر تو نہیں گیا ہوں؟ طلبہ ہنس پڑے، اور کھانا کھانے کے دوران حافظ ثاقب سے فرمایا کہ: صبح آٹھ بجے میری بہو کو خبر کر دینا کہ میں ایمبولنس سے گھر آرہا ہوں، اور یہ دونوں باتیں ایک بار نہیں، بلکہ متعدد بار ارشاد فرمائیں، اسی رات کی بات ہے، حضرت نے مولوی راشد سے فرمایا: ہم دونوں ساتھ گھر چلیں گے مگر تم اپنے وطن جاؤگے اور میں اپنے اصلی وطن جاؤں گا، اسی رات تقریباً نو بجے کے بعد بہو کو فون کیا دوران گفتگو فرمایا: میری طبیعت اچھی نہیں ہے، ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ہے۔

ان ساری باتوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کو اپنے آخری وقت کا بخوبی علم ہو چکا تھا، جیسا کہ حضرت نے ,,مجلس شرعی،، مبارکپور کے فقہی سیمینار ,,ممبئی،، میں خود ہی اعلان، فرمایا تھا کہ: میں نے اپنی موت کا وقت معلوم کرلیا ہے، اور حضرت کا یہ اعلان ,,ماہنامہ اشرفیہ،، میں فقہی سیمینار کی رپورٹ کے طور پر چھپے ,,اداریہ،، میں شائع بھی ہو چکا ہے، خدام نے کھانا کھلانے کے بعد معمول کی دوائیں پیش کیں، حضرت نے انہیں تناول فرمانے کے بعد طلبہ کو اجازت مرحمت فرمائی اور یہ لوگ خدام کے لئے مخصوص کمرہ میں چلے آئے، حضرت نے تھوڑی ہی دیر بعد اشرکام کی ,,بل،، بجائی، مولوی راشد بھاگتے ہوئے حضرت کی آرامگاہ پہونچے، ارشاد فرمایا: آج الجھن بھی محسوس ہورہی ہے، اور سر میں درد بھی، مولوی راشد۔ جوکہ حضرت کے خاندان ہی کے ایک چشم وچراغ ہیں۔ نے سر میں تیل لگایا، مالش کی اور پھر حضرت کے حکم پر اپنے مخصوص کمرہ میں واپس آگئے، تھوڑی ہی دیر بعد پھر ,,بل،، ہوئی، مولوی راشد ومولوی گلفام بھاگے، بھاگے حاضر خدمت ہوئے، ارشاد فرمایا: سینے میں ہلکا درد ہورہا ہے اور الجھن بھی کچھ زیادہ محسوس ہورہی ہے، طلبہ نے عرض کیا: حضور! فیض آباد چل کر ڈاکٹر کو دکھالیا جائے، ارشاد فرمایا: نہیں، اندر سے درد نہیں ہے، اوپری درد ہے، وہ بھی بہت زیادہ نہیں، اسلئے کل صبح جب مولانا مختار صاحب آجائیں گے تو ان سے ڈاکٹر کے بارے میں مشورہ کر کے دکھالیں گے، کچھ دیر کے بعد ارشاد فرمایا کہ: آپ لوگ جائیے سو جائیے، خدام نے عرض کیا: یہیں سو جائیں، فرمایا: نہیں، ضرورت ہوگی تو ,,بل،، بجاؤں گا، خدام روانہ ہوتے اس سے پہلے حضرت نے

ارشاد فرمایا: استنجاء جاؤں گا، حضرت بستر سے اٹھے اور استنجاء خانہ تشریف لے گئے، معمول سے کچھ زیادہ وقت لگا تو طلبہ کو تشویش ہوئی، قریب گئے، تو پانی گرنے کی آہٹ محسوس ہوئی، مطمئن ہو کر واپس ہو گئے، حضرت استنجاء خانہ سے واپس ہوئے تو چہرہ اور ہاتھ سے وضو کے آثار نمایاں تھے، بستر پر تشریف فرما ہوئے، تو خدام طلبہ نے محسوس کیا کہ حضرت کچھ پڑھ رہے ہیں، تھوڑی دیر بعد محسوس ہوا کہ حضرت کے جسم میں کچھ لڑکھڑاہٹ ہو رہی ہے، سنبھلنا چاہ رہے ہیں مگر سنبھل نہیں پا رہے ہیں، لڑکے گھبرا کر دوڑے، پکڑ کر بستر پر لٹایا، اور منہ میں پانی ڈالنا چاہا، مگر پانی ڈھلک گیا، اسی وقت رات کے تقریباً ۳ بجکر ۲۳ منٹ پر مجھے مولوی راشد نے فون کیا کہ: حضرت خواجہ صاحب خدا جانے بیہوش ہو گئے ہیں یا روح پرواز کر گئی ہے، آپ بہت جلد تشریف لے آئیں، میں اس شب سوا تین بجے ہی بیدار ہو چکا تھا: اس لئے فون ملتے ہی فوراً میں نے ڈاکٹر عرفان احمد صاحب کو فون کیا، انہوں نے فرمایا: میں تیار ہوتا ہوں، آپ ,,چرہ،، پہونچکر کسی لوکل ڈاکٹر کو دکھایئے، اگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوں، تو فوراً پہونچتا ہوں، میں تقریباً چار، سوا چار بجے شہر فیض آباد سے ,,چرہ محمد پور،، پہونچ گیا، قریب جا کر دیکھا، دیکھتے ہی دل کی کیفیت بدل گئی، آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، جسم تھرتھرانے لگا، کسی طرح طلبہ سے ٹارچ مانگی اور آنکھ کے پپوٹے کھولکر دیکھا اور پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہوا حسرت بھری نگاہوں سے علم وفن کے اس بدر کامل کو چودہویں ذی الحجہ کے بھور میں گہن آلود ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، اتنے میں طلبہ میں کسی کی آواز کانوں میں گونجی: کیا ہوا حضرت؟ مڑ کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پھوٹ، پھوٹکر رونے لگے، اس وقت مجھے یہی احساس ہوا کہ والد ماجد حضور مفکر ملت۔ علیہ الرحمہ۔ کے انتقال پر ملال کے بعد آج میں دوبارہ یتیم ہو گیا، آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں، عقل بھی کام کر رہی تھی، مگر واہ رے دل؟ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی جھٹلا دینا چاہتا تھا، اے کاش! جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، غلط ہو، مگر کب تک؟ یہ وہ سچ ہے، جو جھٹلایا نہیں جا سکتا، ایک مقامی پریکٹیسر ڈاکٹر ریاض صاحب کو بلوایا، وہ بیچارے لنگی، بنیان میں ہی) بھاگتے ہوئے آپہونچے، آلہ لگایا، اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ بھرائی آواز میں بولے: اب حضرت اس دنیا میں نہ رہے، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کڑوے گھونٹ کو پینا ہی پڑا، فوراً ہی دو طلبہ کو دارالعلوم کے خزانچی جناب عارف بھائی صاحب [جن کا دولت خانہ دارالعلوم سے قریب ہی ہے] کو بلانے بھیجا، اور خود حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ کو اطلاع دینے کی غرض سے بذریعہ فون رابطہ کیا، حضرت نے میرا نمبر اتنی وقت دیکھکر سلام کرتے ہوئے چونک کر پوچھا: کیوں مولانا؟ کیا بات ہے؟ میں اپنی ساری ہمت وتوانائی جٹا کر صرف اتنا کہہ سکا کہ: اب حضرت ہم میں نہ رہے، یہ سنتے ہی مفتی صاحب دھاڑیں مار کر روتے ہوئے، پوچھنے لگے، ابھی رات کو پونے آٹھ بجے میں نے گفتگو کی ہے، یہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ: ساڑھے تین بجے حضرت کا وصال ہو گیا، یہ کہتے، کہتے ایسی رقت طاری ہوئی کہ دونوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں، آگے کچھ بات نہ کر سکے، اور فون منقطع ہو گیا، اب فجر میں کچھ زیادہ وقت نہ رہ گیا تھا، اذان فجر ہوئی، اور لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، اساتذۂ دارالعلوم کی اکثریت پہلے ہی آ چکی تھی، سارے لوگ اشکبار آنکھوں سے دیدار خواجہ کے لئے آپ کی آرام گاہ کی طرف رواں، دواں تھے، بعد نماز فجر اہلیان چرہ محمد پور اور قرب ونواح لوگ آنے لگے، دیکھتے ہی

دیکھنے علماء، عوام کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا، ہر ایک غمزدہ ہے، آنکھیں پرنم ہیں، اور سب کی زبان پر بس ایک ہی بات ہے، حضرت کی مزار یہیں بنائی جائے، لوگ صرف اصرار ہی نہ کر رہے تھے، بلکہ اپنے، اپنے طور پر دلیلیں بھی دے رہے تھے، کوئی کہتا کہ: حضرت کی سب سے زیادہ خدمات ,, چرہ محمد پور،، کو حاصل رہیں: اس لئے انھیں یہیں دفن کرنا چاہئے، کوئی کہتا کہ: چونکہ حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ: الحاج عزیز الرحمٰن صاحب میری وفات کے بعد اگر اجازت دیں تو مجھے میرے آبائی وطن لے جایا جائے ورنہ نہیں: اس لئے حاجی صاحب سے کہا جائے کہ: وہ اجازت نہ دیں، اور تدفین یہیں ہو جائے، الغرض جتنے منہ اتنی باتیں، اور سب کا مآل و مقصد ایک کہ کسی بھی طرح سے حضرت کی تدفین یہیں عمل میں آجائے، اور سچ تو یہ ہے کہ میری بھی خواہش یہی تھی، اور صرف میری ہی نہیں، بلکہ احباب علماء اور اراکین ادارہ کی چاہتیں بھی کچھ اسی طرح تھیں، لیکن قانون شریعت کہ: ,, میت کی تجہیز و تکفین اس کے ورثہ کا حق ہے، اگر چہ وہ میت کی وصیت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو،، ہاتھ، پاؤں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بار بار، اساتذہ و اراکین ادارہ کے مشورہ سے خواہی نہ خواہی مفتی مطیع الرحمان صاحب قبلہ مضطر سے فون پر گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ: امام علم وفن کے اہل خانہ و خاندان بھی حضرت کے آبائی وطن میں ہی تدفین پر مصر ہیں، ساتھ ہی مفتی صاحب نے خانقاہ منعمیہ کے سرخیل حضرت سید محمود میاں صاحب سے بات کرائی، انہوں نے فرمایا: میں وزیر اعلیٰ بہار سے رابطہ کر رہا ہوں، آپ حضرت کو لیکر تشریف لائیں، بہار بارڈر پر آپ کو۔ انشاء اللہ۔ کوئی دشواری نہیں ہوگی، اتنی گفتگو سے صورتحال بالکل واضح ہو چکی تھی، مگر پھر بھی دیوانگان خواجہ کا اصرار ہوا کہ حضرت کے اہل خانہ سے ایک بار گزارش کر لی جائے، شاید وہ راضی ہو جائیں، حضرت کے اہل خانہ سے رابطہ کی کڑی عزیزم مولوی خواجہ محمد راشد۔ سلمہ ربہ۔ سے پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ: اہل خانہ بار بار فون سے پوچھ رہے ہیں کہ جلدی روانہ کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟ اگر کوئی دشواری ہو تو ہم لوگ لینے آجائیں، جب حضرت کی نعش مبارک کو آبائی وطن لے جانا طے ہو گیا، تو لکھنؤ سے قاری عبد الرشید صاحب، دار العلوم وارثیہ کے ذریعہ اے، سی ایمبولینس منگائی گئی، جسے حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ، دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ اپنے ہمراہ لیکر تشریف لائے، تقریباً گیارہ بجے دن میں علماء، عوام کے ہجوم نے اشکبار آنکھوں سے استاذ مطلق امام علم وفن کے چہرۂ زیبا کا آخری و داعی دیدار کیا، نماز جنازہ ہوئی، اس کے بعد خواجۂ علم وفن، شیخ الحدیث دار العلوم اہلسنت نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد، یو، پی علماء، طلبہ اور عوام کے جم غفیر کو روتا، بلکتا چھوڑ کر سوئے وطن روانہ ہو گئے، حضرت کے ہمراہ بندۂ ناچیز اور حضرت علامہ غلام حسین خانصاحب قبلہ قادری، حضرت مولانا منور حسین صاحب قبلہ حشمتی، اساتذۂ دار العلوم، اور حضرت کے دو خدام خواجہ راشد صاحب، حافظ ثاقب صاحب، دار العلوم کے خازن جناب محمد عارف خان صاحب، اور جناب الحاج ظفر الحق خان صاحب، جناب کاشان اختر خان صاحب، جناب شبو خان صاحب، جناب امجد خان صاحب وغیرہ ایک قافلہ کی شکل وصورت میں روانہ ہوئے، بستی سے مظفر پور تک راستہ میں علماء کا جو جتھا قافلہ کے پہونچنے کے وقت میں بغیر کسی انتظار و توقف کے مل گیا اسے حضرت کے روئے زیبا کی زیارت کرائی گئی، اور قافلہ آگے بڑھ گیا، اس طرح ساڑھے پندرہ گھنٹہ مسلسل سفر کے بعد حضرت کے وطن مالوف سے دو، تین کیلو

میٹر کے فاصلہ پر ,, بل پچھی ,, نامی بازار میں خواجۂ علم وفن کے علمی وارث علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ مضطر اپنے استاذ ,, استاذ مطلق ,, امام علم وفن کی حیات مبارکہ کی طرح آج بھی سراپا انتظار اپنے احباب وتلامذہ اور خدام کے ساتھ استقبال میں کھڑے ملے ، اور عین وصال کے وقت ساڑھے تین بجے بھور میں حضرت کے دردولت پر سوگواروں کا یہ حسرت آیات قافلہ حاضر ہوگیا، گاڑی سے اترتے ہی نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ مردوں، عورتوں، جوانوں، بچوں، بوڑھوں کا ایک سیلاب ہے، جو شاید زیارت خواجہ کے لئے پوری رات کھڑا تھا، اب چل پڑا ہے جو تھامے سے نہ تھمے گا، اور روکے سے نہ رکے گا، اور ہوا بھی ایسا ہی ، ہر کس وناکس، ہر چھوٹا و بڑا جلد از جلد دیدار خواجہ سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد بریکیٹنگ وغیرہ کے ذریعہ بھیڑ کو قابو میں کیا جاسکا، اس کے بعد ہی مجھ بندہ حقیر، اور علامہ غلام حسین خان صاحب قادری کو یہ موقع مل سکا کہ اتنے لمبے سفر کے بعد حضور امام علم وفن کا جوڑا، جامہ درست کرسکیں، جب حضور عالی کے زمزم سے دھلے ہوئے کپڑے درست کردئے گئے، تو مزاج شناسوں نے تخت پر جلوہ گری سے پہلے اس کے گرداگرد برف کے چھوٹے، چھوٹے تودے لگا کر برقی پنکھے لگائے تاکہ تخت نشیں کو دھوپ اور موسم کی حدت وگرمی اذیت نہ پہونچائے ، اسکے بعد روئے زیبا سے نقاب اٹھائے اور ہر مشتاق دید کو نماز فجر کے بعد سے نماز ظہر کے قبل تک زیارت خواجہ نصیب رہا، جب میں نے چرہ محمد پور اور سنگھیا کے اوقات دیدار پر غور کیا، تو پتہ چلا کہ دونوں جگہوں پر ملاقات وزیارت کا وقت ایک تھا: صبح سے دوپہر تک، اگر اس کے علاوہ وقت میں دار العلوم وگھر میں کسی سے ملاقات کی، تو وہ تھے اہل خانہ وخدام، یعنی: خواجہ کا معمولِ زندگانی جاودانی ہوگیا۔

زندگی کے معمول کے مطابق نماز ظہر کے بعد قیلولہ کے وقت خوابگاہ کی طرف چل پڑے، مگر آج تنہا یا صرف طلبہ وخدام کے ساتھ نہیں، بلکہ تاحد نگاہ علماء وعوام کے ساتھ، اگر میڈیا کے اندازہ وتخمین کے مطابق امام علم وفن کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں، اور انہیں انکی آخری خوابگاہ تک پہونچانے والوں کی تعداد تقریباً اسی ہزار تھی، تو اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ ان شرکاء میں اکثریت علماء کی تھی، میری نگاہوں نے علماء کا اتنا بڑا ہجوم پورے ہندوستان میں بریلی شریف کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھا۔

علماء، صلحاء، نجباء، نخباء اور گھر، باہر، دور، قریب کے سبھی عوام وخواص کی ہزاروں، ہزار سوگواران کی بھیڑ نے دل پر پتھر رکھکر آسمان علم وفن کو نمناک آنکھوں سے سپرد خاک کردیا اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے وہ چلے گئے، بہار گلستاں لئے ہوئے، دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت کو کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے، اور ان کا فیضان کرم ہم سب کے لئے عام وتام فرمائے (آمین یارب العالمین)

☆☆☆

چراغ بجھ گیا، لیکن ہے روشنی باقی

قاری عبدالرحمن خان قادری، ایڈیٹر ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' بریلی شریف

دنیا میں کتنے لوگ آئے اور چلے گئے۔ اہل جہاں انھیں بھول بھی گئے۔ ان کی یادوں کے نقوش مرور زمانہ مٹادیئے۔ آج ان کا کوئی نام لیوا اور فاتحہ خواں باقی نہیں۔ خاک زمین نے ان کے وجود کو خاک میں ملادیا۔ ان کی تربت کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔

ہاں مگر کچھ ایسی شخصیات بھی عالم وجود میں آئیں جن پر خالق کل جل جلالہ نے خاص فضل وانعام فرمایا انہیں دولتِ علم سے مالا مال کیا عزت وسرفرازی کا نغمۂ بے بہا عطا فرمایا اور دنیا میں اہل دنیا کے درمیان انہیں ممتاز ومخصوص ومنفرد واعلیٰ بنادیا انہوں نے اپنے وجود مسعود کی بھینی بھینی خوشبو اور اپنے اخلاق وکردار والطاف وانسانیت کی عطر پاشی اور خدمت خلق نیز اسلامی اعمال واشغال کی مشکبار کرنوں سے ایک عالم کو مہکا بھی دیا چمکا بھی دیا اور اپنا گرویدہ بھی بنالیا وہ دنیا میں آنے کا مقصد عبادت خداوندی ،اطاعت مصطفوی اور خدمت خلق تصور کرتے تھے۔ وہ اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ جیتے تھے۔ کسی کی دل آزاری یا دل شکنی ان کے نزدیک بہت بڑا پاپ ہوتا ہے وہ دوسرں کی خدمت کرنا، راحت پہونچانا اپنی زندگی کا حسین مشغلہ تصور کرتے ہیں۔

وہ دوسروں کو مسرور وشادماں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کی تکلیف ان کے لئے باعث رنج وتشویش ہوتی ہے ۔اپنی پاک باز، بلند خیال، اعلیٰ فکر، خوردہ نواز اور ماہرین فن شخصیات میں سے خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر صاحب علیہ الرحمہ کی سرمایۂ افتخار اور مظفر وباوقار شخصیت بھی ہے۔ جس نے اپنے گلشن حیات اور چمن فہم وادراک کی تمام بہاریں علم وادب اور فکر وفن کی زلف عنبری پر نثار کردیں۔ جس نے قوم کی بھی خدمت کی اور قائدین کی بھی۔ جس نے فکر وآگہی کی زلف پریشاں کو بھی سنوارا اور مدارس کے نظام شکستہ کو بھی۔ جس نے حدیث وفقہ کے جام لبالب سے ہم سب کو سرشار کیا اور علوم جدیدہ کی روشنی میں اسلام کی صداقت کا سورج بھی اگایا، جس نے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کی گراں قدر کتابوں سے عصری علوم کے وافر خزانے حاصل کئے اور دنیا پر لٹائے جس نے اپنی بصیرت ودانائی سے اپنے امام فکر وفن، امام احمد رضا کی امامت وعبقریت کی دھوم مچادی ،جس پر مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی خصوصی نوازشات کی برسات فرمائی اور فیضان خصوصی بنا کر نواز کر ایک مظفر کو واقعی مظفر اور ایک طالب صادق کو گدائے غوث اعظم اپنی گراں قدر خلافت واجازت کا امین بنادیا۔

ایسی نگاہ ڈالی کہ کامل بنادیا

☆ صاحب تذکرہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ جب بھی بریلی شریف حاضر ہوتے اور اپنے مرشد برحق، اقائے نعمت، سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمتہ والرضوان کی بارگاہ رشد وہدایت سے اکتساب کرتے تو تمام متعلقین واحباب اور شناسا افراد سے ضرور ملاقات کرتے۔

جامعہ منظر اسلام کے استاذ باکمال، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم صاحب لطیفی کی درسگاہ میں بھی تشریف لاتے اور اس طرح راقم الحروف (عبدالرحمن خاں قادری رضوی) سے بھی ملاقات ہوجاتی۔ کبھی کبھی نہایت فکر انگریز اور پردرد گفتگو کرتے۔قوم کی زبوں حالی اور بے راہ روی پر غمناک ہو جاتے۔ علما کے باہمی تصادم اور آپسی اختلافات پر کبیدہ خاطر ہوتے۔ علم کی ناقدری اور خانقاہوں کی علم وفضل سے دوری پر نہایت دلی افسوس کا اظہار فرماتے۔ ایک موقع پر مرشد برحق تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم کا ذکر کرتے ہوئے گویا ہوئے!

مرشد برحق نے کبھی ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ نہیں لگایا۔ کبھی اپنی پیرزادگی پر غرور نہیں کیا۔ کبھی ارادت مندوں بالخصوص اعلیٰ حضرت کے مریدوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ بلکہ اعلیٰ حضرت کے مریدین وخلفاء کو مقام عزت واحترام عطا فرماتے۔ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے بات کرتے۔ خوان کی ضیافت فرماتے۔ اور انکساری کا یہ عالم کہ ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے۔ سچ ہے جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی منکسر المزاج ہے۔ کبھی لوگوں کی زیادہ بھیڑ بھاڑ اور آمدورفت سے زیادہ پریشان ہوجاتے تو برہم ہوکر فرماتے۔ اللہ پیر بنائے پیرزادہ نہ بنائے۔ وہ فیض وکرم کا بہتا ہوا دریا تھے۔ سبھی کو سیراب کرتے تھے وہاں خویش وبیگانہ کا فرق نہ تھا تمام سلاسل طریقت کے وابستگان ان کی زیارت کو سرمایۂ سعادت اور متاع عزت وافتخار سمجھتے ان کی روحانیت وولایت کے آگے سبھی نے سر تسلیم خم کیا۔ وہ ابر کرم تھے سبھی پر شفقت وپیار اور محبت وخلوص کی بھرن بن کر برستے۔ اب تو عالم یہ ہے کہ۔

اب کوئی جلوہ میری نگاہوں کو بھاتا نہیں
ہیں تو دنیا میں بہت لیکن ترے جیسا نہیں

میں اپنے مرشد گرامی کو ہر زاویئے سے دیکھا ہر رخ سے پرکھا، انہیں کامل واکمل پایا وہ فقہ میں لاثانی تھے ادب میں باکمال تھے وہ علم کا بحر ذخار تھے۔

☆ خواجہ صاحب کی پروقار شخصیت اور نورو جاہت میں ڈوبا ہوا چہرہ۔ حسین وجمیل اور چمکدار داڑھی۔ سر پر کلاہ مفتی اعظم کے انداز کی ٹوپی، سفید اور صاف وشفاف پیراہن جو دیکھتا وہ دیکھتا رہ جاتا۔ جب بھی ملتے ہشاش بشاش ملتے۔ رعونت ونخوت کا نام ونشان نہیں۔ دوسروں پر تنقید نہایت عمدہ اور معیاری۔ انہوں نے اپنے نقاد کی کبھی تذلیل نہیں کی۔ علمی گفتگو کرنا علمی

جواب دینا، علوم جدیدہ کی روشنی میں مسلک وموقوف ثابت کرنا اشیاء جدیدہ کی علمی وفنی تحقیق کرنا اپنے موقف کو اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے موتیوں سے آراستہ کرنا، آپ کی قابل تقلید خصوصیت تھی، ایک ملاقات میں کہنے لگے مولانا صاحب! کسی کی مذمت وبدگوئی سے کوئی فائدہ نہیں علمی میدان میں آیئے اور علمی بحث وتمحیص کے دروازے کھولئے علم کی خدمت بھی ہوگی۔ اور علم میں اضافہ بھی ہوگا۔ اور کاروان علم آگے بھی بڑھے گا۔ آپ نے کسی سے جھگڑا کیا۔ کتابوں میں اسے گالیاں لکھیں اس کے موقف پر جاہلانہ حملے کئے محفلوں میں اس کی کھال کھینچی عندالملاقات دست وگریباں ہوگئے۔ تو آپ خود بھی رسوا ہوئے اسے بھی رسوا کیا علم کو بھی رسوا کیا۔ علم کی عمارت منہدم کی۔ اور جاہلوں کا سا کام کر کے شیطان کو خوش کیا۔ اس سے بچیئے خود کو باوقار، باوزن، باعلم، باظرف اور بافیض بنایئے اور ایسا بنایئے کہ آپ کے اخلاف آپ کی مثال پیش کریں اور آپ کو اپنی حیات کا نمونہ بنالیں ۔

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

☆ ۱۴ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰ را کتوبر ۲۰۱۳ء راقم الحروف آستانہ غریب نواز پر حاضر تھا۔ صبح کو بعد نماز فجر سکون واطمینان کے ساتھ حاضریٔ بارگاہ کے بعد مدرسہ معینیہ کی لائبریری میں حاضر تھا۔ حضرت قاری رئیس صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہا تھا۔ گفتگو حضور سیدنا خواجہ غریب نواز کی کرامات اور اسلامی خدمات پر چل رہی تھی۔ میری زبان پر یہ جملے تھے کہ غریب نواز نے ہندوستان میں اسلام پھیلایا اور مرشد برحق سرکار مفتیٔ اعظم ہند نے شدھی تحریک کے زمانے میں اسلام بچایا" ۱۹۲۱ء ۱۹۲۲ء ۱۹۷۰ء کے پر آشوب اور پر تشویش دور میں جبکہ راجستھان، گجرات اور یوپی کے اضلاع میں ارتداد کی عام لہر چل رہی تھی۔ آریہ سماج اپنی دولت وشہرت کی بنا پر مسلمانوں کو بہکا رہے تھے مخلوط معاشرے کے باشندے اسلامی تعلیمات وہدایات سے ناواقف مسلمان بڑی تیزی سے کپڑوں، مکانوں، دکانوں اور پیسوں کے لالچ میں اسلام سے برگشتہ ہو رہے تھے۔ ایسے میں بریلی شریف کا منبع اسلام، مجاہد عظیم، ولی کامل، صوفی بے مثال درویش باکمال اور اسلام کے سچے داعی ونقیب، حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ہی تو تھے۔ جو اپنے چند رفقاء کے ساتھ میدان عمل میں اُتر گئے اور وہ کارنامے انجام دیئے۔ جن کو جتنا خراج عقیدت پیش کیا جائے وہ کم ہے۔ اپنی جیب خاص سے مسجدیں بنوانا۔ مکاتب قائم کرنا، ائمہ ومبلغین کی تنخواہیں ادا کرنا نیز ان کے لئے کپڑوں، کتابوں اور ضروری چیزوں کا انتظام کرنا، اکثر وبیشتر پیدل لمبے سفر کرنا، اپنی صحت اور بیماری کی پرواہ نہ کرنا، آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنا اور انہیں عوام کے سامنے شکست فاش دینا، یہ وہ مساعی اور خدمات ہیں جن کے نتیجے میں تقریباً ساڑھے چار سالہ مدت تبلیغ میں تقریباً ۹ لاکھ افراد دامن اسلام سے وابستہ ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسی دوران شیدائے اعلیٰ حضرت سید محترم حضرت سید سلطان الحسن صاحب چشتی تشریف فرما ہوئے اور موصوف نے یہ روح فرسا، جاں گسل، افسوسناک اور غم خیز "خبر وحشت اثر" سنائی کہ رات خواجۂ علم وفن، ماہر علوم جدیدہ، مدرس بے بدل، جاں نثار اعلیٰ حضرت مجاز حضور مفتیٔ اعظم ہند علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب پورنوی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ چرہ محمد پور اداسی

کی ظلمتوں میں ڈوب گیا۔اہل علم کی محفلیں سونی پڑ گئیں۔ان کے تلامذہ اور پسماندگان غم واندوہ کے دریا میں غوطہ زن ہو گئے۔ علمی، فکری اور فنی ماحول پر اداسی کی گھٹائیں چھا گئیں۔لمبی علالت نے موت کی چادر تانی اور گہری نیند سو گئے، وہ دنیا سے چلے گئے جنھوں نے اعلیٰ حضرت کے "فتاویٰ رضویہ" سے خاص استفادہ کیا اور علوم جدیدہ کی خیرات لی اور بہتیروں کو اسی خیرات کے ٹکڑوں سے مالا مال کر دیا۔اب دنیا میں بہت ہیں مگر ؂

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا کہوں اسے

وہ دنیا سے چلے گئے۔مگر ان کا اجالا موجود ہے۔ان کی چمک، دمک ان کے علم کا نور اور پروقار شخصیت کی ضیاء پاشیاں موجود ہیں ان کے تلامذہ سے ان کا فیضان علمی عام رہے گا۔ان کے مستفدین ان کی "حیات فیض بار" کی یاد دلاتے رہیں گے۔ان کی خدمت گاہیں یعنی مدارس علوم دینیہ ان کا خطبہ پڑھتے رہیں گے اور ان کے در و دیوار کا نور بانٹتے رہیں گے۔گویا وہ روشن ہیں ،ماہتاب ہیں، ضیاء بار ہیں، ان کی نوازشیں، ان کا علمی فیضان، ان کے علوم عقلیہ ونقلیہ کی شمع آج بھی روشن و تاباں ہے اور اہل دنیا سے خاموش زبان میں یوں صدا دے رہی ہے کہ ؂

تو آندھیوں کے تسلط میں فیض نور بھی دیکھ
چراغ بجھ گیا لیکن ہے روشنی باقی

☆☆☆☆

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ اسے

مولانا محمد رونق احسان مصباحی مدرسہ گلشن ابراہیم پٹنہ سیٹی

اسلامہ کلینڈر کے ایک نئے سال کی شروعات ہے۔ ۱۴۳۵ھ نے آتے ہی خاندان برکات کے ایک عظیم سپوت، شہزادہ حضور سید العلماء علیہ الرحمہ حضرت آل رسول نظمی میاں مارہروی کو ہم سے چھین لیا، خدا خیر کرے۔

۱۴۳۴ھ نے بھی سنیت کو کم غم نہیں دیئے تھے۔ خطیب البراھین حضرت صوفی نظام الدین صاحب قبلہ، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ مفتی اشفاق حسین نعیمی اور اخیر اخیر میں امام علم وفن خیر الاذکیا، استاذ العلماء حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہم الرحمۃ والرضوان یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئے۔ اللہ تعالی ان سب پر اپنی رحمت ونور کی بارش برسائے۔ آمین۔

ان حضرات کا رخصت ہو جانا سنیت کا بہت بڑا خسارہ ہے۔ لیکن حضرت امام علم وفن کی رخصتی صرف سنیت کا خسارہ نہیں بلکہ علم وفن کا عظیم نقصان ہے۔ اور مولانا شہباز عالم مصباحی کا یہ کہنا کہ ان کی موت سے علم وفن بھی روا تھا" بالکل بجا ہے، ہمیں تو ان کے بعد ان کے جیسا علوم وفنون کا جامع اور ماہر کوئی اور نظر نہیں آتا۔ (اللہ کرے میرا یہ خیال غلط ہو)

۱۹۳۴ء میں پورنیہ ضلع کے سنگھیا گاؤں میں مولینا خواجہ زین الدین کے گھر جنم حضرت خواجہ مظفر حسین جن کا پیدائشی نام مظفر حسین تھا اور جنہیں دنیا نے امام علم وفن کی حیثیت سے جانا اور پہچانا، حقیقی معنوں میں اس علمی روایت کے امین تھے، جس کی وجہ سے اعلی حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا لوہا اپنوں اور غیروں سب نے مانا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کتنے علوم فنون کے ماہر اور کتنے علوم میں امامت کر درجے پر فائز تھے اس پر بھی ریسرچ ہو ہی رہا ہے (حالانکہ ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد سے اس کی رفتار تھوڑی سست پڑ گئی ہے) اعلی حضرت کے عظیم الشان شاگردوں اور خلفا نے حسب توفیق اور حتی المقدور ان سے خوشہ چینی کی۔ امام احمد رضا کے ولد الاعز ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو طویل صحبت اور اعلی حضرت کی خاص نظر عنایت کی وجہ سے ان کا وافر حصہ میسر آیا۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے دل کھول کر انہیں اپنے عزیز اور منظور نظر شاگرد حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کو منتقل کیا۔

اور دنیائے علم وفن نے انہیں اگر امام علم وفن اور خواجہ علم وفن تسلیم کیا تو یونہی کیا ہوگا۔

امام علم وفن سینکڑوں کے تلامذہ میں سے کس کے حصہ میں ان میں سے کیا آیا یہ تو فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی مدظلہ۔ غازی ملت سید ہاشمی میاں کچھوچھوی۔ مولانا امیر الحق بدایونی اور قاضی شہید عالم رضوی جسے ان کے مایہ ناز شاگردی بتا پائیں گے اللہ کرے بعض لوگوں کا یہ اندیشہ غلط ہو کے بعض علوم وفنون انہیں کے ساتھ دفن ہو گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

علمی حلقوں میں امام علم وفن کا کیا رعب ودبدبہ اور مقام تھا اس کا مشاہدا بار ہا بدایوں، مبارکپور اور پٹنہ وغیرہ میں ہوا۔ مدارس کے علماء وفضلاء اور کالج یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور دانشوران اا یکساں طور پر ان کا احترام کرتے۔ ان کی محفل میں بیٹھتے کوئی علمی مسئلہ چھڑ جاتا اور خواجہ داد تحقیق دیتے۔ علماء اور دانشوران فقہی تفسیر اور اپنی علوم کت ساتھ ساتھ منطق فلسفہ، جبرو مقابلہ، تکسیر وہندسہ اور توقیت اور ریاضی میں ان کی تحقیق اور انکے درک بر عش عش کر اٹھے ان کی ذات ایک چلتی پھرتی درسگاہ تھی جہاں جاتے تشنگان علوم وفنون کا ایک جمگھٹ لگ جاتا جہاں بیٹھتے ایک علمی حلقہ قائم ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں تو اکتساب کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے اور تلامذہ بھی ایسے جو خود استاذ الاساتذہ ہیں۔ ابوالفیض مولانا امیر الحق قادری معینی اپنی تنقیدی بصیرت اور علمی زرف نگاہی کا سارا کریڈٹ حضرت امام علم وفن کو دیتے ہیں تو حضرت مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی اپنے تمام تر علمی فتوحات کا سہرا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے بعد حضرت کے سر باندھتے ہیں۔

اور ان سے اتنی والہانا عقیدت رکھتے ہیں کہ بہت سارے اہل فکر ونظر دونوں شخصیتوں کے تعلقات کو حضرت نظام الدین اؤلیاء قدس سرہ اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے تعلقات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ میرے عزیز مولانا محمد غالب حیدر سعدی کے بقول نماز جنازہ اور تدفین کے وقت مفتی صاحب کی جو حالت تھی، اسے دیکھکر اہل ذوق کو امیر خسرو کا وہ شعر ضرور یاد آ گیا ہوگا جو انہوں نے حضرت محبوب الٰہی کی وفات پر کہا تھا۔

گوری سوے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے، رین بھئی چو دیس

حضرت امام علم وفن بایں فضل وکمال نہایت خلیق، متواضع اور منکسر المزاج تھے، آپ پر وہ کہاوت بالکل فٹ بیٹھتی تھی کہ ''پھل دار درخت زیادہ جھکا ہوا ہوتا ہے'' علماء طلباء کو بھی سلام کرنے میں پہل کرتے۔ سب کے ساتھ خندہ پیشانی ملتے اور یوں مخاطب ہوتے کہ مخاطب گدگد ہو جاتا۔ اسٹیج سے لیکر درسگاہ تک اور درسگاہ سے لے کر نجی محفلوں تک ہمیشہ گفتگو کلموا الناس بقدر عقولھم کی تفسیر ہوتی۔ اکثر علماء کو جہاں'' گھر کی مرغی دال برابر'' کی شکایت رہتی ہے، وہیں آپکو آپ کے اخلاق عالیہ کی وجہ سے سنگھیاں اور بانسی کے اطراف میں بھی وہی عزت اور توقیر حاصل تھی جو فیض آباد، بدایوں اور یوپی کے دیگر علاقوں میں حاصل تھی۔ گاؤں دیہات کے ان پڑھ سادہ لوح لوگ آپ کے اخلاق کی وجہ سے آپ کے گرویدہ تھے اور آج علماء وفضلاء اور طلباء کے

ساتھ ساتھ یہ بھی اپنے آپ کو یتیم اور حزین محسوس کر رہے ہیں۔

حضرت امام علم وفن نے تصنیف وتالیف کی طرف بہت زیادہ دھیان دیا، لیکن تحقیقات امام علم وفن'' اور'' ٹی وی کی تحقیق بھی آٹھ دس تحقیقی کتابیں مختلف علوم وفنون پر ان کی مہارت کا ثبوت ہیں۔اس کے علاوہ ان کے سینکڑوں تلامذہ جو آج اجلہ علماء کی فہرست میں شامل ہیں، اگر اپنی یادداشتوں کا کچھ حصہ ''شیر'' کرلیں تو امام علم وفن کی تحقیقات کے کئی اور دفاتر تیار ہو سکتے ہیں۔اور یہ قوم وملت پر بہت بڑا احسان ہوگا۔فتاوی رضویہ اور مسائل رضویہ کے بعض مصطلحات اور مندرجات کی تفہیم وتوضیح بھی آپ کا عظیم کارنامہ ہے، انہیں بھی مکمل طور پر منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

تم نے جو شمع جلائی ہے، نہ بجھنے پائے
اب تو لے دے کے یہی کام ہمارا ٹھہرا

اخیر میں اس دعا اور تمنا کے ساتھ بات ختم کرتے ہیں کہ جہان علم وفن، امام علم وفن کے احسان کو کبھی نہیں بھولے اور ان کے کام کو عام سے عام تر کرنے کی کوشش کرے گا۔انشاء اللہ

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے۔

☆☆

آہ! علم وفن کا بدر کامل

چودہویں شب کو غروب ہوگیا

مولانا منور حسین حشمتی دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد یوپی

امام علم وفن استاذ مطلق، وارث علوم امام احمد رضا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ آج سے تقریباً ۸۰ سال قبل سنگھیا باسی ضلع پورنیہ بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت علامہ خواجہ زین الدین رضوی علیہ الرحمہ سے حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے بحرالعلوم لطیفیہ کٹیہار، اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید ملک العلماء حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ (مصنف حیات اعلیٰ حضرت) کی درسگاہ میں حاضر ہوئے۔ ۵/سال تک حضرت ملک العلماء کی خدمت میں رہ کر علم وہنر کی موتیاں اکٹھا کرتے رہے، حضور ملک العلماء کی نگاہ کیمیا اثر اور حسن تربیت نے آپ کو کندن بنادیا، پھر وہاں کے بعد مظہر اسلام بریلی شریف میں ایک سال گذار کر فراغت حاصل کی، اور وہیں بحیثیت مدرس آپ کی تقرری ہوگئی اور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست کو تھام کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے، اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کی غلامی میں شامل ہوگئے۔ پھر سرکار اعلیٰ حضرت کے فیض وکرم اور سرکار مفتی اعظم کی نظر عنایت اور خصوصی توجہ نے آپ کو افق ہند کا مہر عالم تاب بنادیا، جو اپنی علمی کرنوں سے صرف ہند وپاک ہی نہیں بلکہ یورپ وافریقہ، برطانیہ وامریکہ کو بھی منور کرتا رہا، مسئلہ لاینحل کو بڑے خوبصورت پیرائے اور منٹوں میں حل فرماتے رہے۔

جہاں بھی لئے تشریف لے گئے اگر وہ جنگل تھا تو منگل بنادیا، صحرا تھا تو گلستاں بنادیا، ویران تھا تو آباد کردیا، طلبا کی بھیڑ لگ گئی، لعل وگہر کی ایک لمبی قطار کھڑی کردی، رنگ برنگے پھولوں سے دارالعلوم کو گلزار بنادیا جس کی خوشبو سے آج پوری دنیا معطر ہے۔

حضرت امام علم وفن مختلف، جگہوں پر (بریلی شریف، سلطان پور، بھاگلپور، کچھوچھہ شریف، براؤں شریف، چرہ محمد پور فیض آباد) کے مدارس ودارالعلوم اور جامعات میں رہ کر تشنگان علوم وفنون کو سیراب کرتے رہے۔ تقریباً ۶۰ سال کی زندگی تعلیم وتعلم اور درس وتدریس پر محیط ہے، عمر کا اکثر حصہ علم دین کی خدمت گذاری میں صرف فرمایا اور دین وسنیت کی خدمت کے لئے

ہمیشہ وقف رہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں منہمک رہے جس کے نتیجے میں بہت سارے مضامین صفحۂ قرطاس پر ابھرے۔ حضرت اکثر فتاویٰ رضویہ کی توضیح وتصریح اور تشریح وتنقیح میں قلم سیال چلاتے رہے، ان کے مضامین آج بھی تحقیقی میدان میں بحرذ خار، جبل شامخ اور حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

درس وتدریس کا میدان ہو یا بحث ومباحثہ کی مجلس، فن مناظرہ کی نکتہ سنجی ہو یا شعروسخن کی محفل، تصنیف وتالیف کی زمین ہو یا منطق وفلسفہ کی پرخار وادی، علم ارضیات کی گہرائی ہو یا علم فلکیات کی بلندی ہر میدان میں اب امیر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ درس وتدریس کا تو عالم یہ تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل کو بھی آسانی اور خوبصورتی کے ساتھ طلبہ کے ذہن میں اتار دینا، اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی کتابوں کو سہل سے سہل انداز میں ذہن نشین کرادینا، طلبہ کو سمجھانے کے لئے علمی لطائف کا ایجاد کرنا، کسی بھی مسئلے کو مختلف زاویوں سے سمجھا دینا دور حاضر میں امام علم وفن ہی کا حصہ اور خاصہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب جب حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ بریلی شریف تشریف لاتے تو امام علم وفن کی درسگاہ میں اس وقت تشریف لاتے جب امام علم وفن طلبہ کی علمی تشنگی بجھا رہے ہوتے: زواہد ثلثہ، قاضی مبارک، شمس بازغہ کی گتھیاں سلجھا رہے ہوتے۔ حضور مجاہد ملت علیہ لرحمہ بریلی شریف تشریف لاتے تو امام علم وفن کی درس گاہ میں اس وقت تشریف لاتے جب امام علم وفن شمس بازغہ کی گتھیاں سلجھا رہے ہوتے۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ اپنا دست شفقت امام علم وفن کی گردن میں ڈال کر محبت بھرے انداز میں فرماتے: ارے خواجہ ایک عرصہ ہوگیا مجھے درس وتدریس چھوڑے ہوئے، ایک زمانہ گذر گیا تعلیم وتعلم کا سلسلہ بند کئے ہوئے، میں چاہتا ہوں کہ ایک سبق آپ سے پڑھ لوں۔ جب امام علم وفن درس میں علمی نکتے بیان کرتے تو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ مسرت وشادمانی سے جھوم جاتے اور بہت محبت فرماتے، اور اپنی قیمتی دعاؤں سے نوازتے۔

یہاں پر ایک علمی نکتے کا ذکر کرنا بے جانہ ہوگا۔ جب بندۂ ناچیز (راقم الحروف) مناظرہ رشیدیہ حضرت کے پاس پڑھ رہا تھا تو بیہ کی توضیح بیان فرماتے ہوئے حضرت نے فرمایا بتاؤ؟ ولا تفتح الخزانہ ولا تکسیر القدح کا کیا مطلب ہے۔ ہم لوگوں نے کہا خزانے کو کھول اور پیالے کو نہ توڑ۔ تو حضرت نے فرمایا یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہیکہ لفظ خزانہ کے خا کو فتحہ کے ساتھ نہ پڑھ اور لفظ قدح کے حا کو کسرہ کے ساتھ نہ پڑھ۔ پھر فرمایا: مسئلہ الزکوۃ مکیہ اس کا مطلب کیا ہے۔ ہم لوگوں نے کہا زکوۃ کا مسئلہ مکی ہے۔ حضرت نے فرمایا: حالانکہ آیت زکوۃ تو مدنی ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ کا مسئلہ مکیہ کے چار حرفوں میں منحصر ہے۔ مثلا! میم کا عدد چالیس ہے یعنی روپئے وغیرہ میں زکوۃ چالیسواں حصہ ہے۔ کاف کا عدد بیس، یعنی بارش کے پانی سے پیدا ہونے والے غلے میں کوۃ بیسواں حصہ ہے۔ یاء کا عدد ۱۰ ار یعنی ٹیوب ویل وغیرہ کے پانی سے پیدا ہونے والے غلے مثلا گیہوں وغیرہ میں زکوۃ دسواں حصہ ہے۔ ہا کا عدد پانچ۔ یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں بھیجا جاتا ہے۔

یہ ہے توجیہ کی وہ توضیح جو حضرت امام علم وفن علیہ الرحمہ نے بڑے ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کی۔

آپ علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ مثلاً منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، جبر ومقابلہ، مثلث کروی وسطحی، مناظر ومرایا، توقیت ومساحت، جفر ونجوم، سائنس وجغرافیہ، تکسیر وارثماطیقی، وغیرہ میں بھی یکساں مہارت رکھتے تھے۔ جن کے جلوے آج بھی ان کی تصنیف ''ٹی وی کی تحقیق،، میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور جس کی جھلکیاں ان کے مضامین کے مجموعہ تحقیقات امام علم وفن میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

بالآخر بہار کے افق سے طلوع ہوکر پورے عالم اسلام پر علم وفن کی ضیا پاشی کرنے والا وہ بدر کامل ہزاروں کو روتا، بلکتا چھوڑ کر ٹھیک چودہویں ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ کی شب ۳ ربج کر ۳ رمنٹ پر غروب ہوگیا اور دنیائے سنیت میں اندھیرا چھا گیا۔ درجنوں علوم وفنون کو اپنے سینے میں لئے ہوئے حضرت امام علم وفن اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہنگامہ رخصت یہ عالم تھا گویا زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ:

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

اور

ہمارے بعد اس محفل میں افسانے بیاں ہوں گے
ہماری داستاں ہوگی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

☆☆☆☆

موت العالم موت العالم

مولانا عبدالقادر رضوی پورنوی الجامعۃ الرضویہ رضا نگر بیل بازار کلیان

آئی حیات لائی قضاء لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

موت، ایک قانون قدرت ہے جو برحق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے دنیا میں فقیر بھی ہیں اور امیر بھی، جاہل بھی ہیں اور عالم بھی ہر نفس کو موت کی لذت سے آشنا ہونا ہے، فقیر وامیر کی موت سے دنیا پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے لیکن ایسے عالم کی موت جو اپنی زبان وقلم سے دنیا میں روشنی پھیلاتا ہے اور اہل جہاں کو زندگی عطا کرتا ہے ایسے عالم کی موت یقیناً عالم کی موت اور دنیا کی ویرانی کا سبب ہے۔

امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین کو ابتک ہم طول عمر کی دعائیں دے رہے تھے اب انہیں رحمت الٰہی کی آغوش میں رہنے کی دعا دے رہے ہے ان کی موت واقعی عالم اسلام کی موت ہے کیونکہ وہ گلستاں علم تھے فکروفن کی بہار تھے وہ عالم ہی نہیں بلکہ علم وفن کی انجمن تھے۔

۲۰ راکتوبر ۲۰۱۳ء مطابق ۱۴ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ اتوار کا دن گزر کر رات ۳ ربجکر ۳۰ رمنٹ کی ساعت بڑی بے قراری گزری اس کے دامن میں حزن وملال کا ایک نادیدہ خاموش طوفان تھا کیونکہ اس بے تاب لمحہ میں امام علم وفن کے وصال کی المناک خبر ہندوستان کی فضاؤں میں گونجتی چلی گئی اور ممبئ کی فضا بھی اس خبر سے درد کرب میں مبتلا ہوگئی۔

نماز صبح کیلئے اٹھا ہی تھا کہ محب گرامی قاری وجہ القمر نے خبر دی کہ حضرت علامہ ومولانا مسعود رضا قادری پرنسپل آف الجامعہ الرضویہ اپنے آفس میں ہیں اور امام علم وفن کی موت کی خبرسن کر نڈھال ہورہے ہیں ان کی آنکھوں میں اشکوں کا بے پناہ ہجوم ہے اور بڑے طلبہ کو آفس میں بلا رہے ہیں، میں بھاگتا ہوا آفس پہونچا اور دیکھا کہ وہ حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن صاحب سے اپنے موبائل پر امام علم وفن کی موت سے متعلق بات کررہے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہیں۔

میں نے مود باسلام عرض کیا اور کہا حضرت واقعی امام علم وفن بھی داغ مفارقت دے گئے؟ انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا ہاں بیٹا یہ خبر سچی ہے آج علم وفن کی ایک تابندہ شمع بجھ گئی اور ہماری جو تمنائیں تھیں وہ بھی سپرد خاک ہوگئیں۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مزید آپ نے فرمایا کہ ہم کچھ ہی دنوں میں سہ ماہی (المختار) کا امام علم وفن نمبر نکالنے اور انہیں کے دست مبارک سے اجرا کرانے والے تھے نیز امام علم وفن کو سیم وزر سے تولنے والے تھے مگر مشیت الٰہی کے آگے بندہ عاجز و بے بس ہے ہمارے ارادوں پر اسی کا ارادہ ومشیت غالب ہے۔

بہر حال ۱۸رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۴ راکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات الجامعۃ الرضویہ کے وسیع وعریض ازہری ہال میں انجمن فیضان رضا کی جانب سے ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں اساتذہ وطلبہ نے ثواب رسانی کیلئے پہلے قرآن خوانی کی پھر قاری وجہ القمر کی تلاوت قرآن سے جلسہ کا آغاز ہوا مگر شدت غم سے وہ بھی عمدہ تلاوت نہ کر سکے چونکہ ہر شخص حزن وملال سے مضمحل تھے، سوگوار فضا، سسکتا ماحول ایسا لگ رہا تھا کہ بام ودر سے بھی غم کی کیفیت نمودار ہو رہی تھی۔ چہرے اداس اداس اور آنکھوں مین اشک غم لرز رہے تھے۔

پھر قصیدہ بردہ شریف ونعتیں پڑھی گئیں اور امام علم وفن علیہ الرحمہ کی شان میں منقبت کے اشعار پڑھے گئے۔ پھر حضرت مولانا محب الرحمٰن، حضرت مولانا محبوب رضا، حضرت مولانا احمد رضا اور حضرت مولانا اظہار مصباحی صاحب نے اپنے اپنے انداز میں حضور خواجہ مظفر حسین کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی، اس طرح یہ تعزیتی جلسہ فاتحہ خوانی وصلاۃ وسلام پر اختتام پزیر ہوا۔

الجامعۃ الرضویہ کے جملہ اساتذۂ کرام اور انجمن فیضان رضا کے سارے طلبہ بارگاہ الٰہی میں دعاء کرتے ہیں کہ رب قدیر انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور باغ فردوس میں ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

سولہواں باب

عربی، انگریزی مقالات

تبحر امام العلم و الفن
فى العلوم النقلية و العقلية

محمد شهزاد رضا جامعة الرضا بريلى شريف

من البديهات التى لا تحتاج الى دليل أن أرض 'بهار' مليئة بأفاحل العلماء وأعظم الأساتذة، وأفذاذ الرجالات، واكابر المحققين والباحثين، وهم الذين تندر أشباههم' والامّة الاسلامية تضعهم موضع الاجلال والاكرام اعترازا بشخصياتهم' وانتفاعا بموهّلاتهم المحيّرة ومآثرهم العلمية، وتحقيقاتهم الأنيقة التى تجعل مقدرة استثنائية فى التنقيب و التمحيص لدى من يباشر الاستمتاع بها مطالعا.

ومن بينهم امام العلم والفن الأستاذ القدير الشان العلام المفتى خواجه مظفر حسين النورى. (رقاه الله أعلى درجات الفضل والكمال)

ولد الشيخ سنة ١٣٥٣ من الهجرة بقرية 'سنگهيا' من مديرية 'فورنية' بولاية 'بهار' وفتح عينه- حفظه الله- بأسرة عامرة بالعلم والثقافة الاسلامية، ومتسمة بالمشاعر الدينية. وكان أبوه الكريم عالما دينيا، ورجلا صالحا متدينا، وهو عنى أيّما عناية بتعليمه و تثقيفه، وعاد كرئيس الهيئة التدريسية بمدرسة 'اساقت رحمت' والى جانب هذا أسرته كانت ذات ثروة وغناء.

أتم الدراسات البدائية فى هذه المدرسة، ثم ساقته شدّة طلبه الى ملك العلماء العلّامة ظفر الدين البهارى تلميذ الامام احمد رضا خان البريلوى. رحمهما رحمة واسعة. بغيةأن يتملأ من معينه الصافى العذب، ويسد ما بقى من الفراغ فى الدراسات العليا، فأتعب استاذه الجليل هذا نفسه فى الدراسات مع الاضافة الى أنه أخذ تثقيف نفسه بنفسه فانكب على طلب العلوم والفنون ليغترب منها ما يروى ظمأ الباحثين المتخصصين مما وصلت يداه حتى حصلت له الحذاقة فى المعارف الاسلامية بمنة الله تبارك وتعالى.

ثم ارتحل الى مدنية 'بريلى' الشريفة لأجل أن يحصل على العلوم الظاهرة و الباطنة لما كان الشيخ مصطفى رضا خان نجل الامام احمد رضا خان. أغدق الله عليهما شآبيب رحمته. يحلى الطلاب بالعلوم

الطاهرة والفيض الروحى. كما يقر شيخنا هذا بان كل ما كسبت يداه ان هو الاّ من فيض المفتى الاعظم بالهند فيقول مع استطراد: ذات يوم قد حضرت بين يديه طالبا سند الحديث فرفع الشيخ المفتى الاعظم التساول الىّ قائلا: هل حصّلت شئيا. قلت على الفور لا! من فضلكم أن تشحنوا قلبى علما ومعرفة ثم تمنحونى سند الاجازة للحديث المبارك. فيايها القراء كل ما ترون لديه هو من فيض شيخنا الجليل المفتى الاعظم.

تربع الشيخ على كرسى التدريس والافادة. فدوّى صيته المرموق. وكسب مكانة سامية بين الأساط العلمية. فطفق الطلاب يفدون اليه لارواء غليلهم. العلميى وتحلية نفوسهم بما ينفع ايّاهم فى العاجلة والآجلة.

ليس فى أرتياب أن الشيخ قد جادت قريحته بثمار علمية ناضجة، قد تلقت قبولا حسنا بين المناطق العلمية، وهى تكن عن نبوغه،وسعة علمه، ودقة نظره وعلو كعبه فى العلوم والفنون. ولو ذهبت أسردها بتمامها واتيت بكل سطرت يداه من المقالات البحثية لطوّلت، ولكن لا باس بقطاف قطوف دانية من بستانه العلمى واليكم بعض العبارات التى ترجمتها بالعربيةهاكذا

فها هو ذاك: يقوم الشيخ بتحقيق مسيرة الشمس والهلال،بكلمات: قد قال تعالى فى أسرار التنزيل عن الهلال: يسئلونک عن الاهلة قل هى مواقيت للناس والحج "الهلال ولو ظل ربع الارض ولكن الشمس اكبر من الارض التى نمشى عليها اضعاف ثلث عشرة مأة الف والنصف ولذا يطلع قرص الشمس ويغرب بدقيقتين و اربع عشرين ثانية وبين الارض والقمر مسافة مأتى الف و اربعين الف ميل،وأما المسيرة بينها وبين الشمس فهى تسع عشرة ملايين،وواحدة وعشرين مأة الف ميل، ومن ثم تقع اشعة القمر على الدنيا فيما يقارب لحظة وربعا، فأشعة الشمس تصل الى الارض زهاء ثمانى دقيقات والنصف بعد أن يمرّا بالخلاء البسيط و كرات العناصر."

(من مقالة امام العلم والفن المسماه ب "ہلال اور اس کی رویت")

نبوغه فى علم التوقيت: كانت له يد طولى فى علم التوقيت وهو يعدّ من العلوم المشكلة كما تشهد عليه مقالاته التحقيقية حول هذا العلم.

ارى من المناسب أن اقدم اليک أيها القارى الكريم! تحقيقه عن الساعة الشمسية الرائجة فى قديم الزمان، فيقول: "الساعة الشمسية تتنوزع الى ثلاثة اقسام. ١ – الأفقية ٢ – العمودية ٣– الفضائية" ثم أوضح طرق اختراعها، واستعلام الاوقات منها، وما يتعلق بها بحيث لا يبقى غموض ولا خفاء، فالذى يشاء مزيدا من الاطلاع فمن واجبه أن يباشر الانتفاع بمقالاته حول هذا الموضوع.

مهارته فى الفقه الحنفى: استاذنا هذا قد انقادت له خبرة فى الفقه الحنفى، ويعالج هو القضايا الغامضة الساخنة التى تحتاج الى تعمق النظر،ودقة متناهية،اسوق فى هذا المقام ما علق الشيخ على فتوى الاستاذ مطيع

الرحمن المضطر عن جواز روية التصوير على شاسة التلفزيون عند ما تخلو عن المحظورات.

السوال: لا تثبت الحرمة الا في التصاوير الساكنة الجامدة وأما حرمة التصاوير المتحركة الغير القائمة فهي لا تثبت.

الجواب: ان عموم النصوص يدل على أن الحرمة تعم جميع التصاوير، ولا تخصيص هنا وأما التصاوير الغير المتبينة ففي وضعها بالبيوت رخصة على أن العلماء الكرام ذكروا في تحريم التصاوير المضاهاة بخلق الله، وهذه المضاهاة اشد في التصاوير المتحركة الغير القائمة بالنسبة الى الجامدة ومن هنا يمكن القول بأن ثبوت حرمة الثاني بعبارة النص، وحرمة الاول بد لا لة النص انظر في الأصول فالجملة هذه التصاوير المتحركة ايضا تجعل من الحرام فعلا"

في نهاية المطاف أحضر أمام القراء الكرام ما وجدت من المميزات في الشيخ الجليل خلال التمتع بما سطرت يداه وما كتب عن شخصيته وهي كما يلي:

١- لا يأتي بتحقيق جديد يعاكس أفكار الأسلاف الكرام.

٢- يبرهن دعواه بالبراهين القاطعة والحجج الساطعة التي لا سبيل الى اخفاقها.

٣-هو وارث العلوم لامام أهل السنة الشيخ احمد رضا خان. قدّس سره العزيز. بوساطة الشيخ العلام ظفر الدين البهاري. تغمدهما الله برحمته ورأفته.

أدعو الله تعالى أن يديم صحته، ويحفظه عن سوء العين، وينضره في الدارين بجاه حبيبه عليه اكرم الصلوة وافضل التسليم.

☆☆☆☆

نافذة على حياة

امام العلم والفن العلامة خواجة مظفر حسين الرضوى

الاعداد : ازهر الاسلام النورى الاء زهرى

من الله على ارض الهند الواسعة الاكناف مترامية الا طراف حيث انجبت بكثير من افذاذ الرجال الذين تألقوا شموسا وبدورا بعد ما اغترفوا من مناهل العلوم لاصافية ومنا يح الفنون النقية وار تشفوا من بساتين العلماء الافاضل والعباقرة الفطاحل رحيقا مختوما وافرغوا كل ما ملكت ايمانهم من الجهد الجهيد والكد الاكيد فى سبيل رقى العقول الاسلامية وازدهارها وتحلية الاجيال الناشئة بتجلية افكارها وتنقية فؤادها بعد تحبير هابالثقافة الدينية والحضارة الاسلامية وهى سنت الله على الارض ولن تجد لسنة الله تبديلا فمن هؤلاء الشخصيات البارزة ذو المجد والكمال وصاحب الفضل والجمال العالم الاجل والفاضل الابجل العلامة خواجه مظفر حسين أدام الله بقائه بحمايتة وصيانته وجعله كنزاو ذخرالكل من يتوسل به ويقتفى آثاره فى الدنيا والآخرة .

اسمه ونسبه : اسمه مظفر حسين الشيخ المولا نا خواجه محمد زين الدين الرضوى بن خواجه عماد على ، ولد فى بلدة فور نيا فى شمال شرق ولا ية بهار الهندية فى دوحة المجد والشرف ونشأ وترعرع فى حجر النعيم وأسرته كانت تتصدر فى صفوف الناس حيث تتدفق فيها النجابة والشرافة من كل منحاه ، لم أعثر على تاريخ ميلاده على وجه التحديد عبد تتبع تام ولكن بعض المؤشرات يشير الى انه من مواليد ١٣٥٨هـ

ابوه كان من كبار علماء عصره ومصره ترجع اليه الصدارة والامامة فى علوم وفنون كثيرة ولكنه بلغ الى أوج كماله فى اللغة الفارسية والعربيةوله يد باسطة فى الجبر والمقابلة والعلوم الرياضة ولذ ارباه منذ طفولته على النمط الاسلامى وادبه احسن تاديبا حتى اصبح سرالابيه .

بدأ حياته العلمية حينما دخل فى الباب الرابع من عمره حيث نظم أبوه حفلة كبيرة حسب التقاليدالهندية كى يحرك عجلة حياته الدراسية باسم الله جل شانه وعم نواله أمام مرأى ومسمع من الناس

کی یشهد وا أن هذاالطفل الصغیر لم ینطق فی مبدأرحلته العلمیة غیر اسم الله امتثالا بأ مر الرسول ﷺ " کل أمر ذی بال لا یبدأ فیه ببسم الله الرحیم أقطع " وبعد ذاک فکر أبوه أن یزینه بحلي العلوم ومجوهرات الفنون فأراد أن یلحقه بمدرسة دینیة تنبعث فیها أنوار الثقافة والمعرفة آناء اللیل وأطراف النهار فلم یجد الیه سبیلا سوی أن یحمله معه الی معهد یتشرف بالتعلیم والتدریس فیه وهومشهورین الاوسا ط العلمیة "اساقت رحمت" فی قریةمحمدیةاستیت علی بعد ۲۵ کیلو مترا عن مسقط راسه وقضی هناک فی حجرایه تسع سنوات مکبا علی الدرس والمطالعه ،مولعا با لثقافة والحضارة حتیٰ اجتاز المرحلة الاولیٰ من الدراسة بعد الحصول علی الشها دة الابتدا ئیةوالاعدادیة فی وولی شرطه الیٰ مدینة کتیهار من ولا یة بها ر الهند وعکف هناک علی ارتشاف من عیو ن العلما ء المتدفقة وقضیٰ سنوات عدیدة منهمکا فی دراسة مجتهداً فی أدا ء مسؤ لیا ته و کا ن یحلم اثنا ء هذه المد قان یرزق بجوار منقذ أهل سنة والجماعة من برائن الکفر و مخالف الطغیان شیخ الاسلام المسلمین آیة من آیاة رب العالمین و معجزۃ من معجزاة سید الانبیاء والمرسلین الامام اکبر الهندی العلامة المفتی احمد رضا خان حنفی مذ هبا والقادری مشربا والبریلی مسکنا .رحمة اللہ تعالیٰ وکا ن علی وشک التخرج فی الشها دة الثا نویة ولکن حلمه الذی یقیمه ویقعده حر ضه علی شد الر حا ل الی مرکز اهل سنة والجما عة مدینة بریلی شریفة فوجد ضا لته و بغیته هنا ک بعد ما تم التحا قة فی دا رالعلوم مظهر اسلام بجوار مسجد بی بی جی با لسنة النها ئیة فی منهج المتکا مل الدرا سی المتدا ول بین مدا رس الاسلا میه الهند فی شوال المعظم ۱۳۸۶ھ وکا نت تلک المدرسة آنذا ک منا رة اسلا میة شا مخة یفد الیها الطلبةمن فج عمیق و یتقا طر الیها عشا ق العلم ولمعرفة من کل بقعة من بقاع المعمورة لأنهم یجدون هنا ک الظلا ل الوارفة تحت رعا یة أعا ظم العلما ء و اکا بر الفقها ء من امثا ل العلا مة الفها مة المحدث ثنا ء الله المئوی و الشیخ المعقولات العلا مة معین الدین خا ن الاعظمی والمفسر الجلیل الادیب والنبیل العلا مة غلام جیلانی اعظمی والفقیه الهندی الکبیر العلامة المفتی شریف الحق الاعظمی رحمهم اللہ وأسکنهم فی فسیح جنا ته. واکمل درا سته فی نفس السنه وتوج بتیجان بتیجا ن الفضل والکما ل فی حفلة عید الخریجین ،فطوی قدمیه الیٰ مسقط را سه مبتهجا مفعها با لفرح الغا مر و بعد الوصول الی البیت ارا دا ن یشرف مدرسة اسلامیة بحلقات الدرس و بخدما ت الدعوة والا رشاد اذ جا ء ت رسا لة من أستا ذ العطوف الحنون المحدث المئو الذی طلبه لیزین أروقة العلم والمعرفة فی نفس المدرسة التی تخرج فیها فغمرته الغبطة وبلغت منه البهجة مبلغة فلبی ندا ء شیخه دون اجا لة فکر واطا لة نظر ووصل طا ئرا علیٰ متن الشوق الجا رف والرغبة الشدیدة وتولی مها م المسؤ ولیة مستعینا بمن اللہ وکرمه أداها احسن الاداء وقام بها علی اتم طریق وافضل وجه .

شیوخه : لم یبغ الشیخ امام العلم وا لفن الی سن الرشد و اقبل علی تحصیل والدرس وتلقی علومه من کبار

علماء عصره واستوعب من علمهم الجم الكثير و من بينهم ...

ملک العلماء العلامه ظفير الدين بها ری

استاذ المتكلمين العلامة سليمان بها جلبوری

فضيلة العلامةالمو لا نا محمد العظيم آدی

را ٔس الا سا تزه العلا مة المحد ث ثنا ء الله المنوی

شيخ المعقولات و منقولات العلامة معين الدين الأعظمی

الا ديب الشهير حضرت العلام غلام جيلا نی الأعظمی

الفقيه الجليل العلامة المفتی شريف الحق الأ عظمی

عليهم الرحمة والر ضوان

تلا مذ ه :. هنـا ک جم غـفير من العلما ء اللذين تلمذو ا بين يديه و نا لو احظا و فيرا و قسطا عظيما من العلم و الفظل وأحر زو ا مكا نة عا ليةو رفعة مر مو قة بين الأساتذه و منهم ....

الشيخ العلا مة المفتی عبيدالرحمٰن الر شيدی

الشيخ العلامة المفتی مطيع الر حمن مضطر الرضوی

الشيخ العلا مة المفتی محمد محمد ايو ب مظهر

الشيخ المفتی نا ظر اشرف النا جفو ری

الاديب اللبيب العلامة الدكتو ر عليم اشرف الجا ئيسی

الشيخ المفتی قا ضی شهيد عا لم الرضوی

الشيخ المفتی محمد شبير عا لم الفو رنوی

الا ديب المحقق العلا مة اسيد الحق القادری الازهری البدايونی

تبحر ه العلمی :. هو بحر زا خر و محيط وا سع للعلوم العقلية والفنون النقلية و كفی به فضلا و شر فا أنه تـلمذ بين أيدی العلما ء اللذين فقدو انظير هم فی عصر هم و فيمن أتو ا بعدهم فأ خذ من كل علم طر فه و صدح عـلا كـل فـنـن بـنـغـمـة مـطر بة محدثة فی النفو س السر رور والابتها ج و تبحر فی التفسير والحديث والمنطق والفلسفة والجبر والهيئة و علم الجعفر والمقا بلة والتوقيت وما الی ذا لک و اظهر ماوهبه الله تعا لیٰ من القدرة والفا ئقة والمقدرة الها ئلة علی المعا رف الجمعة فيما نقشت من نتا ج فكره و عصا رة قريحتة فی الصحف والر سا ئـل والـمـجـلا ت الهندية ولا يمكن لی فی هذ ه العجا لة الا ستقصا ء لجميع ما تر سخ من

الأنوار المقتبسة من مشكاة النبوة فى قرارة وفؤاده وتمركز فى سويداء قلبه فمن يريد أن يتعرف به مزيدا فليراجع الكتاب الجامع لشتات الفضائل والكمالات له وهو يحمل اسم "تحقيقات امام علم وفن" وهاك نموذج منها.

ان كثيرا من العلماء الأجلة قد تحيروا فى تعيين جهة القبلة فى البلاد الأمريكية عند ما وجه اليهم السؤال فقام بتحقيق هذه القضية وأثبت الجهة الصحيحة التى نالت قبول العامة والخاصة وعند ما تناول القلم فى مسألة الأجهزة التلفز يونية من حيث الحلة والحرمة أعجز العلماء الذين يقومون فى وجهه فى سطوع بيانه ورصانة حججه وجماله فى صعوبة عبارته وسلامة الذوق فى اختيار كمالته وحسن تقريره المعنى فى الأفهام من أقرب وجوه الكمال حتى سطع الحق والصواب ،

بيعة وخلافتة : بايع على يد امام الزاهدين ، قدوة السالكين ، كنزا وذخر اللواصلين ورأس المتقين العلامة المفتى آل الرحمن مصطفى رضا خان الشهير با لمفتى الأعظم با لهند وله واقعة معروفة هى أنه رأى فى المنام أنه فى زحام حا شد أمام ضريح القطب الربانى والمخدوم السمنانى فى كشوشه وكلهم يركزون أنظارهم على باب ضريحه كأنهم ينتظرونهم فى غاية من الترقب اذا رأى الطلعة البديعة للمفتى الأعظم بالهند التى كانت تطلع كا لبدر الذى يخرج من الأفق المظلم وعند ما تنبه من منامه ظن أنه أشير اليه أن يبيع نفسه على عتبته فلم يمكث الى أن وصل بغيته ولجأ الى مأمنه وسعد فى الدارين ونال منه الخلافة والاجازة أيضا فى الطريقة القادرية حتى أعطاه شيخه الاجازة فى الحديث الشريفة وزانه بسنده الخاص لطفا وكرما عليه

حسن خلقه : هو حسن الخلق دائم اللطف والكرم يمطر سحاب الودوالحنان على كل من الطلبة والأساتذة ومن يتقرب اليه من السائلين والمتوسلين والطلبة خاصة يرون فيه أبا حنونا وجدا شفوقا يحضرون فى حضرته ليل نهار ويقتبسون من أنوار علمه ومعرفته ويخوضون فى بحر لجى من رشده ونصحه وهدايته المدارس التى شرفها بوجوده ، هناك قائمة طويلة للمدارس التى شرفها بقدومه وأحيا ها بعلمه وفضله وكماله وجماله وزانها بعرفانه ومعرفته وقد أتاحت له ثقافته الواسعة المتنوعة مكانة عالية وفتحت أمامه الأبواب المغلقة فتنقل بين مراكز الثقافة والفكر ومنها....

دارالعلوم مظهر الاسلام ، بريلى الشريفة : قام بتأسيس هذه الدار " المفتى العظم بالهند " ودعا اليها أساطين العلماء لتقديم مسيرة الدراسيه الاسلامية الى قمتها وهذه هى المدرسة التى تخرج فيها امام العلم والفن وبعد انقضاء الاجازة السنوية عين مدرسا فيها فمكث خمس سنوات من ١٣٨١ھ وكان محبوبا لدى أعضاء الهيئة الاداريه ومرغوبا لدى الطلبة لاشراب حب العلم والعرفان فى قلوبهم ونال سمعة طيبة عالية فى

حضراتهم جميعا الى أن غادرها

دارالعلوم مصطفائية تشمنى بازار ،فورنيا: وبعد مغادرة بريلى الشريفة وصل الى دارالعلوم مصطفائية وهذه المدرسة كانت براس ادراتها العالم الجليل العلامة غلام يسين .رحمة الله وا .الذى كان رجلا صوفيا راغبا عن الدنيا ومافيها وكان له اثر بالغ فى قلوب الناس لزهده وورعه ولم يمض على وصوله الا هنيهة من الزمن حتى طار صيتها فى الآفاق وبدأت ترد فى رحابها قوافل الطلبة وعشاق العلم والمعرفة ولكنه لم يمكث هناك طويلا حتى استقال بعد اربع سنوات وخلف وراء ه ذكريات لا تندرس آثارها على مر الدهور وكر العصور .

دارالعلوم مظهر الاسلام ،بريلى الشريفة: وبعد قضاء اربع سنوات فى دارالعلوم مصطفائية حافلة بالخدمات البارزة الدينية رجع الى مهد دراسته ثانية فلكم من قلب حائر رغبه الى الدراسة الشرقية وفواد تائه ركزه على العلوم الدينية ونبض هادء حركه بالشعلة العلمية ومشاعر جامده نشطها للثقافة الاسلامية الى ان تم انقضاء سنتين كاملين وانتقل الى سلطان فور،الولاية الشمالية الهندية.

الجامعة العربية،سلطان فور،يوفى : هذه المدرسة كادت ان تكون فى غاية من الخمول ولدثور بعد ان كانت متعارفة بين الناس وتعدد ايام حياتها قبل وصوله ولذاتم الوفاق بين اعضاء الهيئة الادارية على جلب شخصية فذه نادرة فى زمانه تكون له جولات وصولات فى مبادين مختلفة ومجالات شتى فوصل اليها امام عصره الجامع بين العلوم العقلية والنقلية وقضى ثمانى سنوات مشوبة بالمشاركة الفعالة والمساهمة المشكورة فسار بذكرها الركبان وطار صيتها بين الآفاق فاتحة اليها عدد غير قليل من الطلبة من كل سوب وحدب وجعلوا ينهلون من أعذب المناهل وأرق المغارف ولكن طبيعة اللطيفة لم تنفق مع جوه الداخلى فشدر حله الى المدرسة الفيضية النطامية ،بهاجل فور.

المدرسة الفيضية النطاميةبهاجل فور : هذه المدرسة كانت بحدبة فمطر عليها سحاب العلم الادب غزير أهطلا وأخضرت أراضيها كأنها لبست حلة فشية فاخرة من الخضرة والنمو والازدهار وانفجرت عيون المعارفة والثقافة بين ارجائها المختلفة وانكب عليها الطلبة انكباب الفراش على المصباح وسقطوا عليها سقوط الذباب على الشراب ونالوا ماكانوا يتمنرن من الله سبحانه تعالىٰ من تزكية نفوسهم وتنقية فؤادهم وتحميس مشاعرهم وتحريك عواطفهم وفازوافى كل مجالات الثقافة والفن ومكث امامنا الجليل ثمانى سنوات معصر امهجة قلبه فى سبيل ترقيتها ودفعها نحو التقدم والتجدد ولكنه لم يتم له البقاء هناك ايضا وفرحل الى أرض الصالهين وبقعة السالكين بلدة كشوشه الشريفة .

جامعة اشرفيه ،كشوشه الشريفة: من اكبر الجامعات واشهر ها فى الهند للعلوم الاسلامية والفنون

الدينية مازالت ادارتها وزمامها بايدى الشيخ الاعظم العلامة اظهار اشرف الاشرفى الجيلانى .رحمه الله .مادام على قيد الحياة وترجع اليه رئاستهافى جميع لامو ر صغيرها و كبيرها ويشرف ويشرف فى هذه الايام على نظامها الداخل والكارجى نجله الكريم الفاضل الجليل الشيخ محمود اشرف الاشرفى الجليلانى الذى كان عضدا قويا وساعدا يمينا لابيه فى حياته .

هذه المدرسة كانت لها شهرة واسعة قيل وصول العلامة خواجه مظفر حسين المؤوقر اليها ولكن وجوده فيها اصبح نورا على نور وبلغ بها الى قمة ازدها رها وشهرتها وتخرج على يديه كم موفور من النابهين المثقفين ولكنه لم يحلوله العيش فتركها بعد سنة واحة فحسب وترك خلفه زكريات يحافظون عليها حتى لساعة.

دارالعلوم فيض الرسول براؤں الشريفة : مدرسة عريقة قديمة اسسها شعيب الاولياء العلامة الشاه يار على عليه الرحمة وقام بحسن الادارة لها حتى اصبحت ذات صيت حسن وذكر طائر ومركزا عظيما من مراكز العلم والادب ومنبعا فياضا للثقافة والمعرفة فتخرج فيها كثير من رجال الفكر والدعوة الذين قاموا بمسيرة الحياة الى احسن المقام وقادوا الملة البيضاء فى السراء والضراء بافضل طريق واحسن وجه.طلب رجالها العلامة خواجه مظفر حسين كى ينفخ فى نفوسهاروحا جديدا فتولى زمام التعليم والتدريس وفتح الباب على مصراعيه بالاضافة الى انه قام بجميع مسؤوليات الراجعة اليه احسن قيام طول سنتين كاملتين وغادرها الى اله آباد.

دارالعلوم غريب نواز اله آباد : هذه مدرسة جلية من نتاج فكر وجهد العالم الكبير المربى الجليل العلامة مشتاق احمد النظامى الذى افرغ كل مالديه من نفس ونفيس فى الوصول بها الى قمة الازدهار واوج الشهرة وجلب اليها عالمناالنبيل كى تكون عجلة الدرس والتدريس فى سرعة خارقة وقدر لها الله عز وجل كل ماهدف وغرض فنالت المدرسة رفعة عالية فى قلوب العلماء والطلبة وجال فى فنائها الطالبون للمعارف الربانية صباح مساء وطفق شيخنا المعظم يكشف عما جادت قريحته من نتاج افكاره الجلية فى القضايا العويصة من قضا يا التعليم والتربية ولكن الله سبحانه وتعالىٰ لم يقدر له المكث الطويل فاستقال بعد مدة سنة فحسب وانتقل الى بدايون .

الجامعة القادرية بدايون : تقع هذه الجامعة القادرية فى بلدة كانت قبلة العلوم والمعارف وكعبة العلماء والمفكرين الى ام بعيد وكفى بها فضلا وشرفا ان قدوة السالكين ومحبوب رب العالمين سلطان الفقهاء كامثال تاج الفحول العلامة الشاه عبد القادر البدايونى والعلامة الكبير الشاه فضل رسول البدايونى رحمهماالله واليها ينتهى نسب الشاعر العظيم فى اللغة الاردية شكيل بدايونى. ورد فيهاالعلامة خواجة مظفر

حسين على دعوة شيخ الكل والجل فى الطرقية القادرية البدايونية العالم الجليل الشاة عبد الحميد سالم القادرى مد ظله العرفانى و جلس علىٰ كرسى التدريس فضمن لها التقدم وأحرز لها السباق فى معظم مبادين العلم والفن حتى بلغ بها الى أوج لم يقدر لها البلوغ اليه بعده الا بعد ما حضر فيها الأخ المؤقر العلامة أسيد الحق القادرى الأزهرى حفظه الله ورعاه وكان العلامة يتبادل الودوالاحترام مع الشيخ و جميع أعضاء الهيئة الادارية ما دام موجودا فيها مع أن بينه و بين الشيخ بونا شاسعا فى مختلف القضايا الهامة و بعد ما تم ما قدر له العيش فى رحاب تلك الزوية القادرية حمل رحله على غاربه ووصل الىٰ آخر مورد فى حياته .

دار العلوم نور حق ، تشرّه فيض آباد : فى نهاية المطاف استقرأمره فى دارالعلوم نور حق و هى مدرسة عربية اسلاميه تقع علىٰ بعد خطوات من محطة السكك الحديد فى مدينة فيض آباد ، وصل اليه فى سنة ١٤١٣ اشباعالرغبات رجالها وأهاليها وانقضى عليه أحد عشرعامل معدودة ولكنه لم يرجع تاعبا ولا ناصبا فى الكشف عن الحقائق الغامضة وأماطة اللثام عن القضايا المعقدةوارواء غلة الطلبة واشباع عقول العقلاء وأرباب الكفر والدعوة ،وأثناء هذه المدة الطويلة تحلى جم وفير بحلى العلوم والمعارف ونظموالدرر اللامعة فى أسلاك عقولهم وخيوط فؤادهم وتخرجواعلى يديه متزودين بالثقافة الواسعة والعلم الجم .

فحوى المقال : هذغيض من فيض وقطرةمن بحر ،حاولت فيه أن استوعب جميع ما قدم من اسهامات رائعة وانجازات خارقة طوال عمره وأدعومن الله تعالى أن يبارك فى حياته ويمتعنا بطول ظلاله وأن يرزقنا حظا كافيا من نبعه الفياض .

أستاذدارلعلوم الغوث الاعظم ،فور بندر،غجرات ،الهند

☆☆☆☆

فضيلة الشيخ جبل العلوم

خواجه مظفر حسين رضوى فى اشعة علمه وفنه

اعدها . مولانا .محمد طاهر القادرى الرضوى

الحمد لله الذى لفضله تتم الصالحات وبرضاة تنال الدرجات وبعناية ترفع املحن ونعمته تتوالى المتن وصلاة وسلاما على من بعثه الله تعالىٰ بافصح لسان واجمل بيان وعلى آله واصحابه اجمعين .وبعد

فقد طلب منى اخى العزيز من طلبة العلم فى الجامعة الرضويه منظر اسلام وهى شهيرة فى العالم ان اكتب شيئا فى ترجمة الشيخ مولى العلم والفن خواجه مظفر حسين رضوى (طيب الله ثراه) فاجبته راجيا من الله تعالىٰ وان يلحقنى الله تعالىٰ بالامجاد الصالحين من عبادة المخلصين فاقول وبالله التوفيق لاشبهة بان الرجل يعرف وقدره العلمى بثلاثة اشياء بمعرفة بشيوخه الذين اخذ عنهم العلم،ومعرفة تلاميذة وطلاب الذين اخذ وا عنه العلم،ومعرفة كتبه ومؤلفاتة ،سماحة الشيخ خواجه مظفر حسين الرضوى (طيب الله ثراه) بشيوخه الذين اخذ عنهم العلم وكانوا ائمة عصر هم علما وتقوىٰ ،وعرف به تلاميذة وطلاب به الذين نشروعلمة وفكره فى العالم الاسلامى. والسسو االمدارس الدينية والكليات العلمية ،يدرسون فنون شيخهم ومؤلفاتة وعرف المسلمون بانة من المؤلفين المكثرين والذى بلغت رسالاته حول شتى المواضيع بين صغير وكبير تدل علىٰ غزارة علم وسيارة فكر ،وتميزت بالاسلوب العلمى والجوار الفكرى ،والفرد الشيخ لها باقامة الحجج والبراهين والنقلية والعقلية،فى كل مسالة الف فيها مؤلفا وهو تعلم المدارسة الابتدائيةبمدرسة قريبة من قريبه عند ابيه الشيخ خواجه زين الدين الرضوى (نورالله مرقده) بعد ذالک التحق بالجامعة الطبية بحر العلوم كتيهار بهار وهى شهيرة فى منطقته ودرس فيها عند فضيلة الشيخ ملک العلماء السيد شاه ظفر الدين الرضوى قدس سرهٗ العزيز علوما مختلفة وفنونا بائحة ثم ارتحل الى دارالعلوم مظهر اسلام بريلى الشريفة لحصول على العلوم الاخرىٰ والفيوض والبركات فى ظل قد مى مفتى الاعظم فى الهند فتلقى العلوم المختلفة الاخرىٰ سنة على الاساتذة المتبرعين والشيوخ المهرة منهم فضيلة الشيخ محدث ثناء الله الرضوى ،سماحة الشيخ معين الدين خان الاعظمى شيخ الادب غلام جيلانى الاعظمى الفقيه الاعظم بالهند محمد

شریف الحق الامجدی ،وغیر هم من الاساتذة المهرة الذین هو شموس العلم و الفضل و الکرم حتی تخرج منها وحصل علی شهادة الفضیلة فی ۱۳۷۷ھ فکان راسخا فی العلم والذین عاملا باتباع السنة و الاحسان فی العمل والاتصال بالله تعالیٰ بغایة من الامر الاخلاص والورع والایمان وتزکیة القلب و الروح وتطهیر الظاهر والباطن ،وتعلم الحقائق الدینیة باسهل طریق والدعوة الی الحق والارشاد وتعلم حسنة ،وانکار منکر کل یوم وتصحیح العقیدة وجب الرسول صلی الله علیه وسلم واحقاق الحق وابطال الباطل ،وماکان لهٗ مماثل وعدیل فی عصره فی بعض الفنون منهامنهاالعلم الریاضی مع کل الشعب،علم المناظرة والمرایا،علم الارثماطیقی،،علم لوغارثم،علم المثلث الکروی ،والسطحی علم الجفر،علم المساحة ،علم الزیجاة،علم الهیئة والتوقیت .کانت لهٗ فی تلک العلوم المختلفة مهارة تامة ماوقعت فی معاصریة حتی یاتی یوم یکون فیه المرء مثالابین العوام والخواص .مماکان یتعرض من الذکویات لخربه التحق بالوقیق الاعلیٰ بعد ماعاش حیاتة الکاملة فی خدمة الدین وفی طاعة الله وجب الرسول صلی الله علیه وسلم و الانقیاد الکامل الاحکام الشرعیة وتعالیم الدین وآدابه صباح یوم الاحد عشرون اکتوبر ۲۰۱۳ء .

خسرت الاوساط العلمية بوفاته عالماکبیرا ومربیا جلیلا ونموذجالاتباع السنة والدعوة الی الدین الخالص واخیوا ادعو جمیع اخوان مولی العلم والفن الی اشاعة کتبه،ور سائلهٗ والطباعة والترجمة الی اللغات العالمیة وخصوصا الی العربیة ینتفع الناس کلهم بعلومه تغمده الله تعالیٰ بواسع رحمته وادخلهٗ فسیح جناته ویلهم اهلهٗ وذویه وجمیع محبیه الصبر والسلوان وخلفه من یشغل مکانهٗ وانزل الرحمة والبرکة علی مرقده لیلا ونهارا.

الرامفوری الاستاذ جامعه رضویه منظر اسلام بریلی شریف

☆☆☆☆☆☆

نظرة طائرة على حياة

فضيلة الشيخ الامام للعلوم والفنون الخواجه مظفر حسين الرضوى

مولانا عبد العزيز الخو شتر
فى القسم التخصص فى الفقه فى دار العلوم شيخ أحمد كهتو أحمد آباد غجرات الهند

كم من نوابغ الدهر وفطاحل الزمان قد شرفوا بهذالكون بقدومهم الميمون وارتحلوا الى جوارربه و لكن الدنيا قد سجل بعضهم على صفحات التاريخ وقدجعل بعضهم وراء ظهره وهذا أبين من فلق الصبح ان ارض الهند قد انجبت فى كل عصرمن عصورالتاريخ الاسلامى بها رجالا وابطالا فى كافة الميادين و ادهشوالعالم بمآثرهم وبطولاتهم وخدماتهم وعلو باعهم فى وسعة نظرهم وغزارة اطلاعهم على علوم الكتاب ومعارف السنة ويقطف الناس من حديقتهم الازاهير الفواحة من العلوم والمعارف ويسقون من علومه العلمية وعلى رآس هنولاء العلماء الافذاذ العباقر ةالشيخ الجليل العالم البارع الامام للعلوم والفنون العلامة خواجه مظفر حسين الرضوى بن خواجه زين الدين

تولد الشيخ فى بيت ذات كرامة وشرافة فى سنة ١٩٣٤م فى قرية بانسى بمديرية فورنيه من ولاية بهار كان أبوه متوليا على الارض الكبير فيها ويعد من كبار أثرائها فترعرع فى تنعم و ترفه وتربى فى حجر الرخاء ونشاء نبيل النفس رقيق الحس قوى الشعور فى أسرة علمية وأخذ التعليم التقليدى الرائج فى الهند على يدأبيه ثم وجه عنان عنايته الى المعهدالدينى (جامعةمظهر الاسلام)تتفجرمنه عيون العلم والأدب وشلالات المعرفة والعرفان وتلقى فيها مبادى العلوم العربية والاسلامية والأدبية والشرعية والعقلية والنقلية وغيرها وتأدب على أيادى العلماء ملك العلماء العلامة ظفر الدين البهارى والعلامة سليمان البهاغلفورى وغيرهما وتعمق فى علوم الدين واستكمل حظه من العلوم حتى تخرج منها وجلس فيها على منصب التدريس فى مظهر اسلام وأنفق ايام حياته العلمية فى خدمتها الى خمس سنوات والناس يلجاون اليه من كل فج عميق لينهلوا من منهله الفياض ويروون العطشان من الينابيع

الصافية والمناهل النقية من العلوم والمعرفة ويعطر قلوب الناشئين بنور العلم والحكمة حتى طار صيته في الآفاق .

وليس في مقدور هذا القلم العاجز الموجز ان يصف القارى بنابغة الهند الامام للعلوم والفنون ويحسبنا ان نقول انه ماز من أنداده بغزارة العلم وقوة الحجة .

وأخذ الشيخ اجازة الحديث على يد المفتى الأعظم الهند وبايع على يده بسلسلة القادرية البركاتية مع اجازة سلاسل القران والحديث لم تمض عليه أيام الا قلائل حتى أصبح كوكبا دريا من كواكب عصره والقى الدروس في المعاهد المنتشة وتلمذ على يده فطاحل من الزمان والناس يتوافدون اليه من كل ناحية من نواحي الهند لينهلوا من منهله العلمية و له خبرة تامة في العلوم المتنوعة ولاسيما في الفلسفة والمنطق والزيج والجبر والمقابلة وعلم الربع المجيب و الجفر والرمل والتكسير والأبعاد وفي هذه الأيام يدرس في دار العلوم نورالحق ويشفي غلة الطلاب العلمية من بحره الدفاق ويودي هذه المسئولية بكل ما لديه من لباقته ومهارته ويغذى كثير من الناس من علومه يتهافت عليه العطشان العلوم تهافت الفراش على المصباح ويستفيد منه

كثيرمن الطلبة استفادا تامة ويثقفون ويهذبون من العلم والعرفان يمطر عليهم اللؤلؤ والمرجان من العلم والأدب من مدة طويلة .

۸ من ذی القعدہ ١٤٣٤من الهجرة النبويه

Khawja Muzaffar Husain:
A Brief Biographical Sketch

Khawja Muzaffar Husain (May his soul rest at peace!) who passed away a few days ago (on 20th October 2013 / 14th Zil Hajj 1434 A. H.) , was a religious scholar of high calibre. By virtue of the wide range of his knowledge, he had dexterity both in the age-old curriculum pursued in the madrasas and in the transmitted and rational sciences recommended in the new syllabus when it was revised and reworked by the prominent group of Ulama in near past. Although he was an individual, yet he invited the envy of the great seminaries of his time by virtue of his mastery over various branches of traditional knowledge, brilliance in variety of subjects and depth of his scholarship. He possessed a personality that was multi-layered and versatile and hence was held in high esteem in the religious seminaries as well as various advisory councils and among the literati. Prominent Ulama conferred upon him the title of Imam-i Ilm wa Fann (the leader in the field of knowledge and arts) . He was also popularly known by the title, Khawja, which almost became synonymous Khawja Sahib. to his given name and hence he was referred to as

In addition to the branches of knowledge, he has surpassed his contemporaries in the fields of mathematics, trigonometry, geometry, astronomy, polemics, measurement, zijat (astronomical tables) , jabr wa muqabala (algebra) , Euclid, Arithmetic, tawqit (the science o

horology / the art of measuring time) and others. He was endowed with God-gifted talents in the science of inheritance-laws and hence could explain and summarize them with great ease. Allah, the Exalted, had granted him mastery over the art of polemics and dialectical disputation. His ordinary conversation betrayed this quality and his competence in the field of debate and disputation.

He was widely renowned for his commentary on the philosophical ideas propounded by the famous Muslim scholars such as Razi and Ghazali and he exhibited the scholarly genius of Imam Ahamd Raza in the field of Qur'anic exegeses, Islamic jurisprudence and rational sciences. He had acquired mastery over all the subjects prescribed in the Nizami curriculum. Therefore, he was rightly looked upon as the true successor to Imam Ahmad Raza in various branches of knowledge and was held in high esteem by the community of the leading scholars of his time as he had established an identity for himself not only on the national level but was also known to the community of scholars at the international level. Despite his erudite scholarship, he is also remembered for his sense of humour, sagacity and ready-wittedness.

The name and fame that he earned in his life, was not because of his familial honour and patrimonial position or his regional identity, instead it was due to divine blessings and his personal efforts and endeavour.

Birth, Family and Education

Khawja Sahib was born at Singhya, a village in Baisi Block of Purnea, a district of Bihar in India to Khawja Zain al-Din who traced his descent to the family of one Khawja Imad Ali. It is commonly believed that his forefathers who migrated to India belonged to the family of Khawja Zun Nurain Misri (Egyptian). Thus, the family came to be known as the Khawja family but it does not possess any written document for their genealogical pedigree.

Khawja Zain al-Din, a famous alim (religious scholar) named his

son as "Muzaffar Husain" which alluded to 1358 A. H. according to the chronogram. This name augured well for the young Khawja as "Muzaffar" is derived from the root word "Zafar" which signifies victory and success and he achieved, in the coming years, immense success and scaled great heights in the field of education as well as religious and rational sciences.

Khawja Sahib was taught and brought up under the loving care of his own father in the early years of his childhood in a Madrasa named as "Isaqat-i Rahmat" which was situated at a place situated in the area known as the "Muhammadiya State." Khawja Zain al-Din, recognized as a famous dignified Alim (religious scholar) in the Baisi region, however, was influenced by the Deobanid school of thought. It was probably because the controversial ideas and beliefs of the group of scholars who followed Shah Muhammad Isma'il and the blasphemous writings of the Deobandi Ulama were not known to him. That may be the reason behind the inclination of the dignitaries of the Muhammadiyya State to this sect. Khawja Sahib received from his father, Khawja Zain al-Din at Madrasa "Isaqat-i Rahmat" instructions in elementary education and completed, at the age of nine, the syllabus up to the level of Sharh Jami (an advanced textbook in Arabic grammar, which according to the present Nizamia Syllabus is taught at the fourth grade)

Thereafter, his father decided to send him for higher education to Jamia Latifia Bahr al-Uloom in Katihar (Bihar) where Malikul Ulama, Mawlana Zafruddin Bihari, a prominent disciple of Imam Ahmad Raza Khan Barelwi (May Allah be pleased with them!) and some other leading Ulama of the time such as Mawlan Sulaiman of Bhagalpur and Mawlana Muhammad Yusuf of Azimabad (Patna) rendered their teaching services. Malikul Ulama, the famous biographer of Ala Hazrat, despite his old age, agreed to join Jamia Latifia with the sole aim to propagate Sunniyat (Sunni beliefs and practices) and the school of thought preached by Imama Ahmad Raza Khan. His education in the

Jamia Latifia under the guidance of these scholars helped him understand the fundamental differences between the Deobandi ideas which were insolent and at times blasphemous as well as the cogent and coherent beliefs and practices of the Ahl al-Sunnah wa al-Jama'ah. During annual vacations, Khawja Sahib used to come back to his village and would produce proofs and arguments to substantiate the ideological position of the Aha al-Sunnah wa al-Jam'ah. This resulted in winning over many people including members of his family who had earlier been influenced by the Deobandi ideas to the side of the Ahl al-Sunnahh wa al-Mama'ah.

Khawja Sahib stayed in Jamia Latifia for about four years and received instructions in religious scincces from Hazrat Allama Zafruddin Bihar who was trained by Ala Hazrat Imam Ahmad Raza in various arts and sciences and is popularly known as Malikul Ulama. The guidance and training that Khawja Sahib received from Malikul Ulama enabled him to interpret and explain the rich intellectual legacy of Imam Ahmad Raza Khan. Khawja Sahib is regarded as the sole heir to Imam Ahmad Raza Khan in the field of various arts and sciences. This he proved in his writings which are devoted to the themes and topics discussed in the Fatwa Razwiyya when he was asked by scholars of India and other countries to explain them. That is the reason why Khawja Sahib came to be known as Imam-i Ilm wa fann among the circle of Ulama.

After completing the course of the Jamia Latifia, Khawja Sahib went to Bareilly Sharif so that he could obtained the degree of Fazilat from Darul Uloom Mazhar-i Islam, the Madrasa run under the patronage and supervision of Hazrat Mufti-i Azam-i Hind, the son of Imam Ahmad Raza Khan in 1376 (May Allah be pleased with both of them!) . Leading Sunni Ulama such as Mawlana Muhaddith Sanaullah, Mawlana Muinuddin Khan Azmi, Mawalan Ghulam Jilani Azmi and Mawlan Sharif al-Haqq (May their souls rest at peace! w) ere teaching in the madrasa at that time.

As directed in a dream, Khawja Sahib pledged his spiritual allegiance to Hazrat Mufti-i Azam-i Hind, (became his murid) in 1376 (A. H.) . He received his dastar (the ceremonial turban that signifies the completion of the course of madrasa education) in the same year. Thereafter, he visited the house of the Hazrat Mufti-i Azam-i Hind, where he found Mawlana Aslam of Muzaffarpur receiving a special degree from Hazrat Mufti-i Azam-i Hind. Khawja Sahib too expressed his wish for the same and Hazrat Mufti-i Azam-i Hind favoured him with it. Thereafter, he came back to his native village in Singhiya in Baisi (Bihar) and contemplated over his future plan of teaching in the Madrasa Isaqat-i Rahmat run by the Muhammadiyya State where his father used to teach. Meanwhile, his father first got him married to a girl who came from the family of his relatives in 1376.

Teaching Services

Khawja Sahib was planning to teach in a madrasa of his native place, when received a letter from Mawlan Sanaullah, asking him to teach in Darul Uloom Mazhar-i Islam, the madrasa of Hazrat Mufti-i Azam-i Hind. He willingly and happily accepted this job offer and started his teaching career at that madrasa in Bareilly Sharif. However, with the passage of time, he also taught at various other madrasas. The names of these madrasas are as follows:

Darul Uloom Mazhar-i Isalm, Bareilly Sharif (1376-1381,Darul Uloom Mustafaiyya Chimni Bazar, Purnea in Bhihar (1381-1384,Darul Uloom Mazhari-i Islam and Manzar-i Islam Bareilly Sharif (1384-1387, Jamia Arabia, Sultanpur (1387-1395,Faiziyya Nizamia, Bhagalpur (143-1404,Jamia Ashrafia, Kichawcha Sharif (1403-1404) , Darul Uloom Faiz al-Rasool, Braon Sharif (1404-1406) , Darul Uloom Gharib Nawaz, Allahabad (1406-1407) , Jamia Qadiriyya Badayun (1407-1413) Darul Uloom Noor-i Haqq, Chirrah Faizabad U.P (1413- 14th Zilhajj 1435) .

Having taught in the these madrasas for a long time, Khawja Sahib has trained many Ulama who are rendering their services in the field of teaching and research on various themes related to religious studies. They will carry forward his legacy to the next generation. The names of a few prominent students, who were trained under the supervision of Khawja Sahib and who have earned name and fame not only in India but abroad also are mentioned below:

Mufti Mutiurrahman Razvi is a prominent Muslim scholar of Islamic Studies in general and of Jurisprudence and religious laws in particular. He has written several Fatawas, books and articles on various religious themes. Mufti Sahib has also taught in several madrasas and trained a number of students in the religious studies and the art of fatwa-writing. He is also known for his great skills in the field of scholarly debates and disputation.

Mufti Ubaidur Rahman Rashidi, is a famous spiritual guide (pir wa murshid) of the Rashidi Sufi order. Before, he was appointed as the sajjada nashin of this order, he taught and trained students in the madrasas and wrote Fatawa on religious issues. At present, he is based in Jaunpur, in Uttar Pradesh.

Sayyid Muhammad Hashmi Mian of Kichhawchha Shairif (in Uttar Pradesh) also studied with Khawja Sahib. He belongs to the Ashrafi Sufi order of Makhdum Jahangir Ashraf Simnani (May his soul rest at peace!). Hashmi Mian is a spiritual guide (pir wa murshid) and is renowned for his eloquent speeches delivered at religious gatherings."

Mawlana Sayyid Alim Ashraf of Jais, (Rae Bareilly in Uttar Pradesh) studied religious sciences under the guidance of Khawja Sahib. He is an associate professor in the department of Arabic, Maulana Azad National Urdu University in Hyderabad. He has written several books and articles.

Mawlana Usaidul Haq Asim Qadiri is the scion of the Khanqah-i Qadiriyya of Badayun Sharif. He studied both religious

sciences and rational sciences with Khawja Sahib at the Madrasa Qadiriyya Badayun and Darul Uloom Noor-i Haqq, Chirrah, Faizabad. Thereafter, he went to Jamia al-Azhar for higher education in Hadith and Qur'anic Studies. After he came back to India, he started the work of translating and editing the books that were written by his illustrious forefathers. He has so far published dozens of books. He also teaches at the Madrasa Qadiriyya, Badayun. He travels to various places to deliver sermons and speeches and regularly contributes to the monthly Urdu magazine "Jame Noor". His research articles and critical comments in this magazine have been received well by the readers.

Mawlana Mukhtar Ahmad Baghdadi is a teacher at Darul Uloom Noor-i Haqq at Chirrah, Faizabad, the madrasa where Khawja Sahib spent the last years of his life. Mawalana Baghdadi received his higher education in Baghdad, Iraq. He has also translated and written a few books and contributes articles to Urdu magazines.

Research Works

Khawja Sahib is known not only for the number of students he has taught but also for the writings on various philosophical issues and different branches of what is generally classified as rational sciences. Therefore, Khawja Sahib is popularly considered to be the sole heir to the legacy of Imam Ahmad Raza Khan in the field of rational sciences and arts. Mufti Matiurrahman Razvi, a prominent student of Khawja Sahib writes, "Today, the scholars who have received modern education are unable to understand the sections of the Fatawa Razwiyya that are related to the classical branches [theories] of these sciences while the Ulama who have not studied modern sciences fail to understand the sections that deal with the theories and ideas of modern science. Therefore, we can argue that no individual can claim to understand the Fatawa Razwiyya all by himself. But, Imam-I Ilm wa Fann Hazrat Khawja Muzaffar Husain, a student of Hazrat Malikul Ulama Sayyid Zafruddin Bihari (who is regarded to have inherited the intellectual legacy of

Hazrat Imam Ahmad Raza Khan is the only person who can understand the Fatawa Razwiyya all by himself and can make other understand them."

Mufti Mutiurrahman Sahib has summarized the many articles and books that Khawja has written to interpret certain sections of the Fatwa Razawiyya that deal with rational and philosophical sciences. A few of them are mentioned below to show the diversity and versatility of the Khawja Sahib's range of knowledge in these sciences. Khawja Sahib wrote an article "Mahe Farwari mein Athais ya Untis Din Kiyoon" [Why are there twenty eight or twenty nine days in February] and explained Imam Ahmad Raza's views in this context. He has explained a passage from Imam Ahmad Raza's book that discusses problems related to the theory regarding the movement of the earth in an article titled as "Faza-i Basit mein Raaee ka Dana and Pahad ki Chattan"[The seed of mustard and the rock of mountain in the expanded atmosphere]. He also wrote an article "Kilk-i Raza Ki Khala Paimai" [Imam Ahmad Raza' pen scales the atmosphere] in which he throws light on the astronomical themes discussed in the Fatawa Razwiyya. Khawja Sahib has written an article "Qubt-i Shimali ke Shab wa Roz" [The Days and Nights in the North Pole] and explained the passages from the Fatawa Razawiyya that referred to astronomical themes. In another article "Ilm-i Hindasa par Imam Ahmad Raza Ki Naqd wa Nazar" he has discussed the critique of geometry made by Imam Ahmad Raza.

He wrote several articles on Kashf Saqia, a book penned by Imam Ahmad Raza Khan to discuss the nature of sound, the process that communicates it to the ear and its relation to the actual sound of the speaker. Rub'i Mujib (an astronomical quadrant, also called rubi'i daira) and astrolabe help in determining the times of prayers and the direction of Mecca which the Muslims face while performing their daily prayers. This has been explained by Imam Ahmad Raza Khan. Khawja Sahib wrote an article " Rub'i Mujib aur Ustrlaab ki Daryaft" [The discovery astronomical

quadrant and the astrolabe] in which he has mentioned the parts and functions of the astrolabe and the ways it is used.

Ala Hazrat has described 'Ilm-i Jafar (occult science of numbers and letters; numerology-cum-literology) as a permissible and nice science. This art is related to divining from certain characters written by Hazrat Ali (May Allah be pleased with him!) upon a camel's skin which contains all events past, present and future for a select few of his followers. They were compiled by Imam Ja'far Sadiq (May Allah be pleased with him!) in a book named Jafar-i Jami'. Ala Hazrat has said in Al-Malfuz (the collection of his conversations) that it was a difficult art. The teachers of this art were no more and the great ones in this art intended to hide it. The solution originating from the art of Jafar would be true as this art is taught by the Awliya (friends of Allah) , great Ahl-i Bayt (members of the family of the Prophet) and Ali Murtaza. (May Allah be pleased with all of them!) . Khawja Sahib has written an article "Imam Ahmad Raza aur 'Ilm-i Jafar" (Imam Ahmad Raza and Art of Jafar) . Khawja Sahib has also discussed Imam Ahmad Raza's views on the descent of the horizon under the heading of "Nuzul-i Ufuq ka Gumshuda Farmula" [The Lost Formula of the Descent of the Horizon].

When a fatwa on the issue of sighting the moon on the twenty-seventh day of the lunar calendar was attributed to Huzur Mufti-i Azam-i Hind, Khawja Sahib wrote several articles to refute this false attribution. The community of serious scholars and Ulama appreciated them but a few people who could not comprehend these articles began to malign Khawja Sahib to express their wrongly placed devotion to Huzur Mufti-i Azam-i Hind and declared him as rebelling against his own spiritual master (pir wa murshid) . Dejected and displeased, Khawja Sahib stopped writing further articles on this issue. If he had continued writing, we would have been able to comprehend all the passages of Imam Ahmad Raza's Fatwa Razawiyya that are very difficult to understand for the scholars who are not well-versed in these arts and sciences.

Khawja Sahib's help was sought by the Ulama to interpret passages not
only in the Fatawa Razwiyya but also to explain the Hayat-i Ala Hazrat
(Ala Hazrat's biography) , compiled by his disciple Malikul Ulama
Hazrat Mawlana Zafruddin Bihari and the Jiddul Mumtar, edited by Allama
Muhammad Ahmad Misbahi.

According to Mufti Mutiurrahman Sahib, Khawja Sahib has written
more than fifty articles on various themes related to the science of
horology / the art or science of measuring time, geometry, astronomy,
astrology. In the conclusion of analyzing the various articles that Khawja
Sahib wrote to interpret the books and Fatawa written by Imam Ahmad
Raza Khan, Mufti Sahib, a student of Khawja Sahib rightly claims that
Khawja Sahib, during his lifetime, was the only heir to Imam Ahmad Raza
Khan (May Allah pleased with him!) .

Hazrat Khawja Sahib will be remembered both for the numbers of the
students he has trained under his loving guidance in the various branches
of rational and transmitted sciences as well as for the valuable
contributions he made towards the understanding and interpreting of the
these sciences in the writings of Ala Hazrat Imam Ahmad Raza Khan
(May his soul rest at peace!) . He will be also missed for his simplicity,
humility and noble moral and sociable behaviour both with the Ulama and
the students.

I myself did not have the opportunity to formally study with Hazrat
Khawja Sahib. Not happy with my education in a modern educational
institution in Delhi after compeleting the course of Dars-i Nizamiyya at
Al-Jamiatul Ashrafia at Mubarakpur in Azamgarh (Uttar Pradesh) , I
went to Khawja Sahib for higher education in the sciences he was known
for. He affectionately allowed me to attend his classes for a week and
then advised me to pursue my education in Delhi. He explained his
admonition in such loving words that I wás persuaded to continue my
study in the stream of modern education. Thereafter, I met him several
times. Each time I met him, he reminded me of the few days I had spent

in Darul Uloom Noor-i Haqq at Chirrah in Faizabad. He showed the same affection and love that a formal student expects from his teachers and showered his blessings upon. I will always cherish the words of inspiration and motivation he said to me as well as the happy moments that I spent in his blessed company.

Hazrat Khawja Sahib is no more among us! However, his intellectual legacy will remain for years to come. This legacy is a source of honour and pride for the community of religious scholars but it also invites us to contemplate over how to transmit it to the coming generation and how to make the research works / contributions, made by Hazrat Khawja Sahib, accessible to the academic circle by translating them in various languages or writing commentaries on them.

I pray to Allah, the Exalted, to send His mercy to the soul of Hazrat Khawja Sahib! May his soul rest at peace! May Allah help us in carrying forward the legacy left behind by Hazrat Khawja Sahib! Amin!

Sajjad Alam Rizvi
Assistant Professor,
Department of History, Presidency University
Kolkata 700073, West Bengal

+786/92

(Imam -e Ilm-0 funs A Basic introduction)

Dr. Moin Ahmad Khan Bareilly Sharif

Aala Hazrat A llama Shah IMAM Ahmad Raza Khan is such an ingOenious personality of the Indo-.Pak sub Continent whose academic position and legal institute has general recognizance. His multifarious achievements -deserve that those should be spread on the international Level. His greatest of all deeds in that he beautiful the heart of the Muslim with the love for the Holy Prophet through his academic wonders sweet speeches and most valuable work of all the branches of Knowledge. This is the call of time that his accomplished works should be studied on research lines which will help not only on raising the academic level of the readers but it will also Create so vast broad mindedness in them strengthening the ways of mutual union and unity in the rank and file of the Muslim amah.

Aala Hazrat was a prolific writer. He wrote large number of treatise. It was due to the fact that his head and heart had surging waves of Knowledge which were he aid restrain.

Sheikh Akbar Muhy -ud-din Ibane -Arbi once stated that he did not write books to be recognized as on author but if he Could have not written he would have been exhaust by the over rising flames of knowledge. Such was the matter of Imam -e -Ahle -Sunnat.

It was the personality of Syedy Aala Hazrat that Dr. Sir Zia -ud -din Ahmad Vice chancellery of Aligarh Muslim University who arrived at

Bareilly to discuss the Scholarly matter on Mathematics.
Dr Sir Zia -ud -din received his bachelor's degree from Allahabad University, Securing the first position among science students for which he was awarded the Strachey Gold Medal, Post Graduation in Mathematics from Calcutta University B.sc (Hon) FromCombridge University (England)

Which he became the first Indian to receive Sir Isaac new ton Scholarship, Ph.D.from Gottingen Uni. aid Disc from Allahabad unit. Dr. Sir Zia us -din was really great Mathematic can of the world but it is the matter of great pleasure as well as strange and wonder that he came to meet Saudi Aula Herat for the problem of Mathematics. Ilm-e-Jafar (Science of numbers and letters) Numerology can litelology is one of the raze knowledge of the world. Aala Hazrat had the full command of this knowledge like Sneered other Subjects or branches of knowledge.

Aala Hazrat made various glorious Student of various branches of Knowledge. For example Sadrul Sharia Allama Amjad Ali Azami has a great recognization of the student of Aala Hazrat in the field of fiqha. Just like that Malikul Ulama Fazil-e- Bihari Allama Zafruddin Sb is very famous and alone student of Aala Hazrat who had the part of knowledge of Sarkar Aala Hazrat in the field of the knowledge of Jafar . In simple words we can say that Aala Hazrat made only one student named Malikul Ulama in the field of Elm-e_ Jafar ,and Malik_ul_Ulama also made only student of this branch and this is not any other but a man who is known now a days in the title of" Imam-e-ilm-o-fun" Hazrat Allama Maulana Khuwaja Muzaffar Husain Saheb

Hazrat Muzaffar Husain Sb was born in the District of Purnia . His original birth place is" singhia "village which is near about 40 km a way from the district Purnia . Imam-e-ilm-o-fun grand father was Khuwaja Ahmad Ali sb .Hi was a rich and gentleman of the society .khuwaja Ahmad ali was the vicegerent of Hazrat khuwaja Zun Noorain misri

AlaiHir Rahma. For which reason his family is known as khuwaja.
I had read anywhere a story which is related to the student life of Imam-e-Ilm-o-fun .Once during the study of Darol-uloom Marhar-e-Islam Hazrat went to Hakeem Abdur rasheed who was a famous Hakim but head the faith in Deobandi Maslak ,Hakeem Abdur Rasheed much impressed to Imam-e-ilm-o fun and he praised Khuwaja Sb among one of the teacher of Darul Uloom Dewband . Deobandi ustad asked a question but Imam -e Ilmo -ofun gave a good answer and made speech less to this Deobandi ustad.I
I have remain breed very well the occasion of urs -e -Razvi, when I met . I would like to say that I saw Imam -e-Ilm-fun. I was going with my elder brother Zaheer -e-Millat Moulana Zaheer Raza Khan Alaihir Rahma with the huge gathering of urs-e-Razvi.Moulana Zaheer at once said to me Moin do you Know to this person ?
This is Imam -ul-Nah Khuwaja Muzaffar Sb. I saw to this great person he wore a simple kurta Payjama and he has a small black beg .I saw his simplicity and his glorious face . So simple man an dress and simplicity an whole personality was present .
Imam-e-Ilmo - ofun, whose students all spread an the whole world . Imam -e- Ilm-fun who is really a great genius of the present time . I would like to say that Imam -e-Ilmo-fun is really a memory of Aala Hazrat Azimul Barkat Fazil -e Bareelivi : May Allah save him from a very trouble and give him a long life . (Aameen)

سترہواں باب

منظومات

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

اس مصرع کو میں نے امام علم و فن ہی سے سنا تھا اس مصرع کی بنیاد پر اس نظم کی عمارت کھڑی ہے اور اس فن کے ساتھ کہ اشعار صرف اسماء و حروف پر مشتمل ہیں کہیں بھی افعال کا استعمال نہیں ہے۔

❁ نتیجۂ فکر: کنز الدقائق حضرت علامہ مفتی محمد حسن منظر قدیری مدظلہ صدر و مفتی برکاتی دار الافتاء کلیان ❁

مظفر ،جمال و وجاہت کا پیکر
وہ اخلاق کی خوشبوؤں سے معطر
ہاں بس کہ شیریں کلامی کی خوگر

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

مظفر ،کمالات فن کا گلستاں
ہر ایک پھول خنداں ہر ایک پھول شاداں
زباں گل فشاں ،زندگی گل بداماں

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

مفسر، محدث، فقیہ تمام
ریاضی و فیلاسفی و کلام
ہر اک علم و فن کے وہ بے شک امام

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

گلستان فن میں وہ شان گلاب
نظر میں تو جگنو مگر ماہتاب
نہیں ان کا ہمسر عدیل و جواب

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

جفر، علم توقیت اور ہند سہ میں
قلم کی بہاریں، ہر اک مسئلہ میں
کبھی منہمک گردش مہرو مہ میں

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

علوم رضا کی حسیں ترجمانی
کٹھن مسئلہ سامنے پانی پانی
قدرداں فن و علم کی راجدھانی

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

کبھی تو عروسان زیجات کی
کبھی بات جذروں کے حالات کی
حیات ان کی گویا طلسمات کی

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

وہ واقف طلسمات لوگارثم سے
بہت واسطہ ان کو جذر اصم سے
تعلق بہت علم کے پیچ و خم سے

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

فن وفکر کی یادگار آخری پر
زمانے کا اک اعتبار آخری پر
سلام عقیدت، بہار آخری پر

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کی بارگاہ میں
خراج عقیدت

پروفیسر فاروق احمد صدیقی، سابق صدر شعبہ اردو بہار یونیورسیٹی مظفر پور

السلام اے حضرت خواجہ مظفر محترم
ذات عالی آپ کی اس دور میں تھی مغتنم
وارث علم نبوت حامل فکر رضا
شارح دین وشریعت مستند اہل قلم
تھے امام وقت منقولات ومعقولات کے
معترف تھے آپ کے سب وہ عرب ہو یا عجم
ہیں مروج جتنے بھی دنیامیں سائنسی علوم
تھی بحمد اللہ ان کو دسترس سب میں بہم
عصر حاضر میں یقیناً آپ تھے بحرالعلوم
مثل رازی وغزالی رشک ارباب ہمم
ہم خجل ہیں آپ کی روح معظم کے حضور
قدر دانی سے رہے محروم ہم اے ذوالکرم
در گزر کرنا روش اخیار امت کی رہی
در گزر سے کام لیں اے معدن لطف وکرم

دہر میں ڈھونڈے نہ پاؤگے مری کوئی مثال
آرہی ہے ان کی تربت سے صدا یہ دم بہ دم
حق پرستوں کے لئے تھے نرم خو مثل حریر
اور باطل کے لئے فولاد کی تیغ دو دم
رک نہیں سکتے تھے ہرگز لاکھ ان کو روکتے
حضرت خواجہ کو مولا جنت الفردوس میں
غوث وخواجہ ورضا کا قرب حاصل ہو اتم
ناز کر اے سرزمین پورنیہ ناز کر
تجھ میں تھا اک جوہر قابل وہ خواجہ محترم
علم خواجہ کے ہیں سچے وارث ومسند نشیں
ہم وطن ہی حضرت مفتی مطیع محترم
اک مناظر،اک مصنف،اک فقیہ بے بدل
دیدنی ہے آپ کا زور بیاں زور قلم
آپ کے غم میں دل فاروق بھی صد چاک ہے
اس پہ بھی تھا بے نہایت آپ کا لطف وکرم

تجھ پہ ناز اں تھے ظفؔر خواجہ مظفر قادری

حضرت علامہ مفتی محبوب رضا صاحب روشن القادری خانقاہ عظیمی پوکھریرا شریف ضلع سیتامڑھی (بہار)

علم وفن کے تاجورخواجہ مظفر قادری
بحر عرفاں کے گہر خواجہ مظفر قادری
مفتی اعظم کی نظروں نے پلا کر کر دیا
بیخود ومست نظرخواجہ مظفر قادری
تھی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی نظر
تجھ پہ اے علمی گہرخواجہ مظفر قادری
علم منقولات ومعقولات کے تھے تم امام
تجھ پہ نازاں تھے ظفؔرخواجہ مظفر قادری
نحو وصرف ،فلسفہ منطق سبھی ہیں آئینہ
اقلیدس کے دیدہ ورخواجہ مظفر قادری
بحر توقیت وریاضی ہیئت و تکسیر کے
بالیقیں تم تھے شناورخواجہ مظفر قادری
ہندسہ ،علم نجوم وفلکیات و ارضیات
سب میں تم بالغ نظرخواجہ مظفر قادری
سب میں عمدہ سب سے بہتر سب سے وہ ممتاز ہیں
اونچوں میں اونچا ہے سر خواجہ مظفر قادری
آپ کے مداح میں یہ آپ کا روشن بھی ہے
کیجئے اس پہ نظر خواجہ مظفر قادری

رسول پاک کی اعلیٰ عطا خواجہ مظفر ہیں

نتیجۂ فکر، مولانا محمد شاکر اصغر رضوی پورنوی بائسی، پورنیہ، بہار

سراپا جانشین مصطفیٰ خواجہ مظفر ہیں
ثنا خوان شہ ہر دوسرا خواجہ مظفر ہیں
نقیب مسلک احمد رضا خواجہ مظفر ہیں
اسیر مفتی اعظم سدا خواجہ مظفر ہیں
خدا کی خاص نعمت، اہلسنت کی بڑی دولت
رسول پاک کی اعلیٰ عطا خواجہ مظفر ہیں
چراغ علم وحکمت بجھ نہیں سکتا زمانے میں
فنون اعلیٰ حضرت کی ضیا خواجہ مظفر ہیں
سمجھ لیتے ہیں فوراً جو مزاج مفتی اعظم
وہی ہستی سراپا باخدا خواجہ مظفر ہیں
فروغ سنیت کے واسطے یہ جان لو اصغر
حسین وبہتر وعمدہ دیا خواجہ مظفر ہیں

امام علم وفن ہیں مظہر احمد رضا خواجہ

منظوم خراج عقیدت امام علم فن مظہر اعلیٰ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی "درفن صنعت توشیح"

نتیجۂ فکر۔۔از محمد مبارک رضوی پورنوی کھپڑا باٹسی ضلع پورنیہ بہار

ا۔ امام علم و فن ہیں مظہر احمد رضا خواجہ
نبی کا معجزہ خواجہ بزرگوں کی دعا خواجہ

م۔ منم مستانہ میگویم زبان عشق سے پیہم
وہی ہیں خواجۂ عالم وہی ہیں خواجۂ عالم

ا۔ اسیران علوم دینیہ ہیں در قفس ان کے
زبان پر تذکرے ہی تذکرے ہیں ہر نفس ان کے

م۔ محبت سے بنائی آپ نے پہچان دنیا میں
دکھائی علم و حکمت کی نرالی شان دنیا میں

ع۔ علاج فکر و فن بس ایک انگلی کے اشارے پر
کیا کرتے ہیں کار نیک انگلی کے اشارے پر

ل۔ لبوں پر مسکراہٹ کے حسیں موتی بکھرتے ہیں
گل نسریں کے جیسے دونوں لب کھل کر نکھرتے ہیں

م۔ مکمل حسن کی تصویر کا غماز ہے چہرہ
گل و بلبل کے نغموں کی حسین آواز ہے چہرہ

و۔ وقار ایسا جدھر گذریں اُدھر ذرہ سہم جائے
زمانہ دیکھ لے تو ہمسفر بن کر بہم جائے

ف۔ فصیحانِ زمانہ ان کے پاؤں چوم لیتے ہیں
کبھی مستی میں دودو بات کرکے جھوم لیتے ہیں

ن۔ نکاتی گفتگو کرتے ہیں بزم عام میں خواجہ
کبھی تلوار بن جاتے ہیں رزمِ عام میں خواجہ

م۔ مثالی شان رکھتے ہیں نرالی آن رکھتے ہیں
وہ سارے عالموں میں اک الگ پہچان رکھتے ہیں

ظ۔ ظفریابی کا جھنڈ اگاڑ دیتے ہیں وہ میداں میں
عدوئے مصطفےٰ کو پھاڑ دیتے ہیں وہ میداں میں

ہ۔ ہلالی آنکھ رکھتے ہیں جمالی ناک رکھتے ہیں
ہمیشہ اپنے سر پر وہ حرم کی خاک رکھتے ہیں

ر۔ رسول پاک کی عظمت کے جھنڈے لیکے ہاتھوں میں
منافق کو بھگادیتے ہیں ڈنڈے لے کے ہاتھوں میں

ا۔ ابابیلوں کے لشکر کی طرح شاگرد ہیں ان کے
علی کے تیغ وخنجر کی طرح شاگرد ہیں ان کے

ع۔ علوم نقلیہ کے وہ تواستاذ زمن ٹھرے
علوم عقلیہ کے بھی وہ شاہ فکروفن ٹھرے

ل۔ لدنّی علم سے سینہ خدا نے بھر دیا ان کا
نبی کی معرفت سے دل نگینہ کر دیا ان کا

ا۔ افق پر چاند تارے جس طرح سے جگمگاتے ہیں
میرے خواجہ بایں صورت گلوں سے مسکراتے ہیں

ح۔ حصول علم کی لذت سے ان کو آشنا کہئے
امام علم وفن ہیں ان کو فن کا رہنما کہئے

ض۔ ضیائے علم سے دل کو منور کر چکے خواجہ
نہ جانے کتنے قطروں کو سمندر کر چکے خواجہ

ر۔ رسائی ان کے علم و فن کی وہموں سے بھی آگے ہے
زمانہ اس لئے تو ان کے پیچھے پیچھے بھاگے ہیں

ت۔ تموج بحر علم دیں کی یوں اٹھتی ہے سینے میں
سمندر آگیا ہو جیسے چھوٹے سے سفینے میں

خ۔ خلوص و پیار کا وہ جذبۂ ایثار رکھتے ہیں
نگاہوں میں وہ آقا کا حسیں کردار رکھتے ہیں

و۔ وفا و عشق کے گوہر لٹاتے ہیں زمانے میں
ہزاروں کو وہ دیوانہ بناتے ہیں زمانے میں

ا۔ ارے ہاں ہاں فروغ دین و مذہب ان کا مقصد ہے
مظفر کی حسیں صورت میں قندیل محمد ہے

ج۔ جواب ان کا کہیں اس دور حاضر میں نہیں کوئی
بباطن ہو بھی سکتے ہیں کہ ظاہر میں نہیں کوئی

ہ۔ ہمارا یہ جو دعوی ہے یقیناً حق بجانب ہے
وہ آکے آزمالے آزمانے کا جو طالب ہے

م۔ مکمل علم و فن کا جو ابھی گہرا سمندر ہیں
وہی خواجہ مظفر ہیں وہی خواجہ مظفر ہیں

ظ۔ ظہور شمس کا مطلب ہے گھر گھر روشی بانٹے
تو خواجہ کا ہے مقصد علم دیں سے زندگی بانٹے

ف۔ فلک پر چاند کی ضو سے ستارے جگمگاتے ہیں
زمیں پر علم سے خواجہ ہمارے جگمگاتے ہیں

ف۔ فرائض علم دیں کے حسن و خوبی سے نبھاتے ہیں
ہزاروں کو پڑھاتے ہیں انھیں عالم بناتے ہیں

ر۔ ریاضی ،فلسفہ ،جغرافیہ ،منطق کے ماہر ہیں
خدائے پاک کی ان نعمتوں پر دل سے شاکر ہیں

ح۔ حسیں بھی کم نہیں ہیں دیکھنے میں وہ حسینوں سے
سنی ہے میں نے کچھ ایسی ہی باتیں مہ جبینوں سے

س۔ سحاب علم و فضل مصطفےٰ بن کر برستے ہیں
وہ جس محفل میں جاتے ہیں گھٹا بن کر برستے ہیں

ی۔ یہی تو منفرد پہچان ان کی ہے زمانے میں
کسر باقی نہیں رکھتے وہ علم دیں سکھانے میں

ن۔ نشان اوج سے آگے ہمیشہ پاؤں رکھتے ہیں
وہ برگد کی طرح دامن میں اپنے چھاؤں رکھتے ہیں

ر۔ رہ حق کے مسافر کا وہ رہبر مانے جاتے ہیں
بنام حضرتِ خواجہ مظفر جانے جاتے ہیں

ض۔ گماں سے بھی زیادہ خوبیاں وہ پاس رکھتے ہیں
نظر میں نور سینے میں دلِ حساس رکھتے ہیں

و۔ وضاحت ان کی خوبی کی بیاں ہم کر نہیں سکتے
سمندر ہیں انھیں کوزے میں ہم تو بھر نہیں سکتے

ی۔ یہی دو حرف کی سوغات میرے پاس ہیں لے لو
مبارک شعر کے باغات میرے پاس ہیں لے لو

خواجہ علم وفن

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سیٹی

علم کے کوہ ہمالہ خواجہء عالی مقام ــــ درسگاہوں میں ہے جاری تیرا فیض عام
جب نکلتا ہے کسی بھی انجمن میں تیرا نام ــــ چوم لیتے ہیں ہمارے لب بہ عز واحترام

ذات عالی بے مثالی تھی جہان فکر میں
کیوں نہ ڈوبیں ہم عقیدت مند تیرے ذکر میں

تو زمانے کی نگاہوں میں ہے ذاتِ محترم ــــ سچ تو یہ ہے تو امین شان میراث عجم
تیری تحریروں سے ہیں مسحور ارباب قلم ــــ صاحبان فکر کرتے ہیں سر تسلیم خم

ذکر کرتی ہے صبا اکثر تیرے پیغام کا
چار سو پھیلا ہوا شہرہ ہے تیرے نام کا

کاشف اسرار دیں تھا طرز وجدانی ترا ــــ قہر تھا باطل کے حق میں روز ایمانی ترا
ہیئت وتوقیت میں کوئی نہیں ثانی ترا ــــ فکر تیری جاوداں تھی علم لا فانی ترا

دور حاضر میں تو بزم آگہی کا ساز تھا
ذہن مردہ کو جو زندہ کر دے وہ آواز تھا

تجھ کو بخشی تھی خدا نے وسعت فکر ونظر ــــ لب سے جھڑتے تھے بوقت گفتگو لعل وگہر
تیری شمع علم پہ قربان ہیں شمس وقمر ــــ سرمۂ ارباب دانش تیری خاک رہگزر

کار گاہ زیست میں گنج گراما یہ تھا تو
بن کے علم وفن کا اک نایاب سرمایہ تھا تو

مظہر فکر عمل شیریں سخن شیری مقال

خواجۂ علم وفن

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سیٹی

علم کے کوہ ہمالہ خواجۂ عالی مقام درسگاہوں میں ہے جاری تیرا فیض عام
جب نکلتا ہے کسی بھی انجمن میں تیرا نام چوم لیتے ہیں ہمارے لب بہ عزواحترام
ذات عالی بے مثالی تھی جہان فکر میں
کیوں نہ ڈوبیں ہم عقیدت مند تیرے ذکر میں
تو زمانے کی نگاہوں میں ہے ذاتِ محترم سچ تو یہ ہے تو امین شان میراث عجم
تیری تحریروں سے ہیں مسحور ارباب قلم صاحبان فکر کرتے ہیں سر تسلیم خم
ذکر کرتی ہے صبا اکثر تیرے پیغام کا
چار سو پھیلا ہوا شہرہ ہے تیرے نام کا
کاشف اسرار دیں تھا طرز وجدانی ترا قہر تھا باطل کے حق میں روز ایمانی ترا
ہیئت وتوقیت میں کوئی نہیں ثانی ترا فکر تیری جاو داں تھی علم لا فانی ترا
دور حاضر میں تو بزم آگہی کا ساز تھا
ذہن مردہ کو جو زندہ کر دے وہ آواز تھا
تجھ کو بخشی تھی خدا نے وسعت فکر ونظر لب سے جھڑتے تھے بوقت گفتگو لعل وگہر
تیری شمع علم پہ قربان ہیں شمس وقمر سرمۂ ارباب دانش تیری خاک رہگذر
کارگاہ زیست میں گنج گراما یہ تھا تو
بن کے علم وفن کا اک نایاب سرمایہ تھا تو
تیرا ذوق فکر تھا اک زبدۂ حسن وکمال مظہر فکر عمل شیریں سخن شیری مقال

خوش مزاج وخوش مذاق وخوش نگاہ وخوش خصال　　گویا ہر اک وصف میں پوشیدہ تھی اوج کمال

حق کا چہرہ تھا منور شوخیء گفتار سے
زلزلہ تھا قصر باطل میں تیرے افکار سے

پیکر علمی ترا تھا بحر ناپیدا کنار　　جس کی موج فکر کا دشوار ہے کرنا حصار
مسند تدریس کی زینت قلم کے تاجدار　　تیری ہستی تھی کمال صنعت پروردگار

تجھ کو فیضان رضا نے اک مسیحا کردیا
جوعلوم دیں تھے مردہ تو نے زندہ کر دیا

تو کہ تھا عقدہ کشائے رازہائے فکروفن　　لولو ومرجاں سے تکنے کے ہے قابل ہر سخن
تیرے دم سے تھی سلامت ابروئے انجمن　　روشنی ہی روشنی تھی بزم دیں میں موجزن

کیف آور تھا تکلم ساغر مل کی طرح
رنگ ذہنوں پر چڑھاتا تھا تغزل کی طرح

خوش بیان وخوش نوا تو غازیء کردار تھا　　پیکر علم وعمل ،دانشور ودیں دار تھا
ایک شمع علم تھا ، اک مرکز انوار تھا　　اپنے سینے میں لئے تو جزبہء ایثا تھا

فخر ہو تیری بصارت پر نہ کیوں اس قوم کو
ناز ہو تیری ذہانت پر نہ کیوں اس قوم کو

تو وطن کی آبرو ہے اے امام علم وفن　　تیری تنہا ذات سے روشن تھی کتنی انجمن
یوں رہا تا زندگی راہ عمل پر گامزن　　رنگ لا کر ہی رہی آخر ضعیفی کی تھکن

کہتے کہتے داستان شوق رخصت ہوگیا
بزم دنیا کو خداحافظ کہا اور سو گیا

رحمت حق تجھ پہ ہو اے راہیء ملک عدم　　چومنے کو خود در جنت بڑھے تیرے قدم
موت برحق ہے بخوبی جانتے ہیں یہ تو ہم　　بھولنا دشوار ہے لیکن تیری فرقت کا غم

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہء نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

میرے خواجہ آپ کی دانشوری کے سامنے

❁ نتیجۂ فکر، محمد نعمان اشرف جوہر گنجوی۔ ہزاری باغ (جھارکھنڈ) پن نمبر۔۴۰۶ ❁

منہ چھپا لیتا ہے سورج اس گلی کے سامنے
تک نہیں سکتا دیار خواجگی کے سامنے

نور حق کے نور کی وادی ہے ان کی جلوہ گاہ
چاند سورج کیا ہے اس کی روشنی کے سامنے

مسکراہٹ لب پہ ہر دم اور شگفتہ روئے ناز
پھول ہے کیا ان کے رخ تازگی کے سامنے

گفتگو شیریں و لہجہ پراثر ہے آپ کا
شہد خالص کیا ہے اس کی شیرینی کے سامنے

ان کے اخلاق کریمانہ پہ دنیا ہے نثار
اور سخاوت وجد میں ہے اس سخی کے سامنے

سادگی حسن کے جلوے جو بکھرے چار سو
ہیں نظارے دنگ ادائے دلبری کے سامنے

اے امام علم و فن شمع شبستان رضا
بجھ گئیں شمعیں تری تابندگی کے سامنے

الجھے سے الجھے مسائل اور پیچیدہ عقود
کیوں نہ حل ہوں تیری اک ہلکی سعی کے سامنے

رازیٔ دوراں، زمانے کا غزالی تیری ذات
کیا کوئی آپائے تیری ہمسری کے سامنے

مٹ گئے ہیں بدعقیدوں کی کتابوں کے حروف
خامۂ حضرت کی تحریر جلی کے سامنے

''ٹی وی، کی تحقیق'' کا یا ''سمت قبلہ،، کا جواب
کس میں دم ہے لائے تو اس بیہقی کے سامنے

مغربی دانشوروں نے بھی کیا ہے سر کو خم
میرے خواجہ! آپ کی دانشوری کے سامنے

عقل سے اپنی شہنشاہی کریں دنیا پر آپ
سارے منصب ہیچ فرض منصبی کے سامنے

ہیں تن تنہا مقابل دشمنان دین کے
جس طرح موسیٰ کھڑے تھے سامری کے سامنے

ہیں اگر تلوار کہنہ دھار ہے لیکن وہی
برق رفتاری وہی ہے ہر کسی کے سامنے

شاعری ہے فیض ان کا بھولنا مت اشرفا!
دست بستہ رہنا سالک بستوی کے سامنے

اس شان کے وہ عالم نایاب آپ ہیں

مولانا خالد رضا مسافر۔ جوہر گنجوی ہزاری باغ جھارکھنڈ

اوصاف ہیں کثیر لکھوں کیا حیات پر
نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر
منقول و معقولات کا پیکر کہیں جسے   علم و عمل فنون کا ساگر کہیں جسے
تحقیق کر کے یہ اہل قلم نے لکھ دیا   احمد رضا کے علم کا مظہر کہیں جسے
احسان ہے رسول کا انکی صفات پر
نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

ایسے بھی آفتاب درخشاں ہیں دین پر   احساں ہے جن کی کرنوں کا اہل یقین پر
اس نائب رسول کی عظمت کا آج بھی   شہرہ ہے آسمانوں پہ چرچہ زمین پر
صدقے میں جاؤں آپ کی شان حیات پر
نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

ثانی نہیں ہے آپ کا نایاب آپ ہیں   دور رواں میں علم کا اک باب آپ ہیں
روشن ہے جن کی ذات سے تاروں کی انجمن   وہ آسمان علم کا مہتاب آپ ہیں
قبضہ ہے جن کا کاغذ و خامہ، دوات پر
نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

سچے ہیں آپ وارثِ سرکار کائنات — بولے کبھی خلاف شریعت نہ کوئی بات

اس عاشق رسول کی تعریف کیا کروں — عشق نبی میں ڈوبی ہے جنکی ہر ایک رات

کرتے عمل ہیں اہل خرد ان کی بات پر

نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

ہیں کارواں مسلک احمد رضا کے میر — ہمسر نہ کوئی آپ کا ملتی نہیں نظیر

چشتی ہوں قادری ہوں سہروردی نقشبند — سب ہیں تمہاری زلف گرہ گیر کے اسیر

روشن ہے تیرا حسن سخن کائنات پر

نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

اس کے قلم میں ڈالا ہے اللہ نے وہ دم — ایسا فقیہ جس کی مثالیں بہت ہیں کم

وہ قادر الکلام ہے ایسا کہ کیا کہوں — عاجز ہیں کچھ بھی لکھنے سے خالد مرا قلم

اللہ ان کا فیض ہو میری حیات پر

نازاں ہے فن بھی خواجہ مظفر کی ذات پر

علم وفن کی ہے کمر خم آپ کے جانے کے بعد

محمد نعمان احمد صارم جوہر گنجوی ہاری باغ جھارکھنڈ

ہے فسردہ سارا عالم آپ کے جانے کے بعد
چشم ملت کیوں نہ ہو نم آپ کے جانے کے بعد

بجھ گئی ہے شمع ادبستاں وائے حسرتا
علم وفن کی ہے کمر خم آپ کے جانے کے بعد

اہل سنت غم زدہ ہیں سنیت بھی اشک بار
علم دیں درد مجسم آپ کے جانے کے بعد

شہر کی رعنائیاں لیتے گئے سب ساتھ میں
رہ گیا بس آپ کا غم آپ کے جانے کے بعد

اڑ گئی مسکان پھولوں کے لبوں سے یک بیک
گلشن ہستی ہے مدہم آپ کے جانے کے بعد

کھل گیا اہل جہاں پہ آج یہ عقدہ کہ ہے
موت عالم موت عالم آپ کے جانے کے بعد

خون کے آنسو بہاتا ہے جہان رنگ و بو
نکلا ہر ارمان کا دم آپ کے جانے کے بعد

اہلیہ، پیاری بہو، پوتی ترانہ اور وقار
مثل بسمل ہیں یہ ہر دم آپ کے جانے کے بعد

نور حق بے نور ہے بے رنگ فیض آباد بھی
ہو رہا اندازۂ غم آپ کے جانے کے بعد

آپ کے جلووں میں گم رہتے تھے جوان کے لئے
بے مزہ ہے گل کا موسم آپ کے جانے کے بعد

یاد ہے وہ شیریں لہجہ، گفتگوے بے مثال
یاد آئی اس کی سرگم آپ کے جانے کے بعد

آپ کے جانے سے دنیا میں جو آیا ہے خلا
ہو وہ پر، امید ہے کم آپ کے جانے کے بعد

ہے قلم لرزش میں اور خستہ جگر قرطاس ہے
کیا لکھیں کیسے لکھیں ہم آپ کے جانے کے بعد

آپ اس ناچیز کا رکھتے تھے کس درجہ خیال
آپ کا صارم ہے بے دم آپ کے جانے کے بعد

نغمات مدحت برزبان بلبلان علم و فن

محمد ظفر القادری متصل بریلی شریف (یوپی)

یا خواجۂ فکر و نظر بر تو نشان علم و فن
خسرو بگو یندت ہمہ ایں خسروان علم و فن

ذکرت بہر گوشہ بود در گلستان علم و فن
نغمات مدحت بر زبان بلبلان علم و فن

روشن ز فکر تو شدہ است ایں جہان علم و فن
تو مہر علم و ماہ فن بل آسمان علم و فن

لعل و گہر گل غنچہ و برگ و ثمر شاخ و شجر
قربان تو مہر و مہ و صد کہکشان علم و فن

گیرند دامان ولایت را بدست دل شہا
خیلے خرد مندان دیں دانشوران علم و فن

خواجہ مظفر کہ خدا ایش حکمت و دانش بخود (بداد)
گاہے بدرگاہش رو یدائے طالبان علم و فن

بہر رضا و مصطفی و شیخ من اختر رضا
از بہر خواجہ دہ مرا ہم یک جہان علم و فن

علم رضا کو کردے اجاگر خواجہ مظفر قادری

محمد آصف رضا رضوی متعلم الجامعۃ الرضویہ بیل بازار کلیان

علم کا دریا پیار کا ساغر خواجہ مظفر رضوی ہیں
دین کا حامی قوم کا رہبر خواجہ مظفر رضوی ہیں

علم میں اعلیٰ علم میں بالا علم میں یکتا علم میں تنہا
علم رضا کو کردے اجاگر خواجہ مظفر رضوی ہیں

ناز نہیں ہے خواجہ کو کچھ اپنے علم و حکمت پر
علم وفن کو ناز ہے جس پر خواجہ مظفر رضوی ہیں

انکی صورت ان کی سیرت انکی عادت کیا کہنا
علم وحلم کا جو ہے پیکر خواجہ مظفر رضوی ہیں

علم وفن میں یکتا جو ہیں سارے زمانے میں رضوی
علم وادب میں سب سے بہتر خواجہ مظفر رضوی ہیں

خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

مولانا عبداللہ واصف رضوی حاجی پوری

آج ہیں غمزدہ سارے اہل سنن
خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن
چل دیے سوئے جنت امام سخن
خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

آپ کی ذات مقبول تھی باخدا
علم کے آپ کا ہر سو چرچا رہا
عالموں کو شہا آپ پر ناز تھا
آپ کو مل گیا صدقۂ پنجتن
خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

وارث انبیاء جان نثار نبی
خدمت دین کو زندگی وقف کی
آپ کی موت کیا موت عالم کی تھی
یاد آتی ہے رہ رہ کے بوئے سخن
خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

علم فقہ وتصوف کا تھا آئینہ
اور تفسیر ومنطق کا تھا رہنما
بلکہ توقیت وتفسیر زیجات کا
آپ تھے دہر میں تنہا اک انجمن

خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

مفتی اعظم ہند کا آئینہ
قائد اہل سنت گل خوشنما
عالم باعمل صفی با صفا
سونا ہے جامعہ نور حق کا چمن

خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

زینت درسگاہ علوم نبی
شہر یار قلم حامی دین بھی
آپ کی ذات اک درنایاب تھی
کردیا اس پہ واصف نے ختم سخن

خواجہ علم وفن خواجہ علم وفن

در شان اقدس حضرت امام علم وفن

محمد منان رضا رضوی انس، متعلم جامعۃ الرضا بریلی شریف (یوپی)

زینت ہر انجمن خواجہ مظفر آپ ہیں
نازش اہل سنن خواجہ مظفر آپ ہیں
گل ،کلی، غنچہ،چمن خواجہ مظفر آپ ہیں
با لیقیں رشک چمن خواجہ مظفر آپ ہیں
پیرو مرشد مفتی اعظم کے جلووں کے طفیل
دھر میں باطل شکن خواجہ مظفر آپ ہیں
حضرت شاہ ظفر ہیں ماہتاب رضویت
ان کے جلووں کی کرن خواجہ مظفر آپ ہیں
جنکی ادنیٰ سی نظر نے کردیا ذروں کو بھی
آفتاب فکرو فن خواجہ مظفر آپ ہیں
جنکے قدموں کے وسیلے سے یہ فیض آباد بھی
بن گیا مشک چمن خواجہ مظفر آپ ہیں
آرہی ہے سنیت کی درسگاہوں سے صدا
تاجدار علم و فن خواجہ مظفر آپ ہیں
یہ انس اشعار میں کیا کہہ سکے گا جب کہ خود
جس پہ نازاں ہے سخن خواجہ مظفر آپ ہیں

اس زمانے کا امام احمد رضا بے شک ہے تو

❁ مولوی انور رضا پیار پور راج محل جھارکھنڈ ❁

اے امام علم وفن اک رہنما بے شک ہے تو
علم وفن کا پیشوا و مقتدا بے شک ہے تو

خوب صورت ،خوب سیرت خوش نوا شیریں بیاں
دلنوازی کرنے والا خوش ادا بے شک ہے تو

علم وفن کی ہر جہت کو تو نے روشن کردیا
اپنے مرشد کی عطا سے رہنما بے شک ہے تو

ہندسہ توقیت وہیئت ارثما طیقی رمل
زیج اور لوگارثم میں مقتدا بے شک ہے تو

مفتی اعظم کے جلووں نے سنوارا ہے تجھے
ان کے نوری فکر وفن کا آئینہ بے شک ہے تو

اے امام علم وفن اے آبروئے سنیت
اس زمانے کا امام احمد رضا بے شک ہے تو

لوگ کہتے ہیں امام علم وفن انور انہیں
اور کہتے ہیں رضا کا آئینہ بے شک ہے تو

ہمارے عہد کا تو سعدی شیراز ہے خواجہ

تبریز رضا افقر، آسجہ پورنیہ

حقیقت تیری چشم عالم ہستی سے پنہاں ہے
مگر تیری نظر میں عالم ہستی نمایاں ہے
ہمارے عہد کا تو سعدی شیراز ہے خواجہ
غزالی علم میں تو فکر میں رازیٔ دوراں ہے
مساحت، زیچ، ہیئت، فلسفہ، علم جفر، منطق
امام علم وفن بے شک تو ہر فن کا گلستاں ہے
ارسطو، بوعلی سینا، یہ افلاطون وفارابی
ہر اک کو ناز حکمت پر، یہ حکمت تجھ پہ نازاں ہے
کوئی کچھ بھی کہے افقر، مگر میرے لئے خواجہ
کرامت مصطفیٰ کی، مظہر احمد رضا خاں ہے

عصر حاضر کے احمد رضا آپ ہیں

نتیجۂ فکر، مولانا محمد نور سعید مرکزی، جامعۃ الرضا بریلی شریف. 9634796251

وارث علم شاہ ہدیٰ آپ ہیں
سنیت کیلئے پیشوا آپ ہیں
ماہر علم دین خواجۂ علم و فن
عصر حاضر کے احمد رضا آپ ہیں
دیکھ کر کارنامے یہ کہتے ہیں سب
بالیقیں دین کے رہنما آپ ہیں
فلسفی منطقی کہہ رہے ہیں سبھی
علم و حکمت کا روشن دیا آپ ہیں
جس کو نوری نے خود ہی تراشا ہے وہ
گوہر ذو فشاں خسروا آپ ہیں
لاکھ بدعت کی آندھی چلے بھی تو کیا
کشتیِ دین کے نا خدا آپ ہیں
وارث اعلیٰ حضرت تھے پیارے ظفر
اور پیارے ظفر کی عطا آپ ہیں
دور حاضر میں جس سے ہیں سب مستفیض
اہل سنت کی ایسی ضیا آپ ہیں
اے سعیدؔ ان کا کردار گویاں ہے خود
عالم با عمل با خدا آپ ہیں

آہ خواجۂ علم وفن

مولانا بدر القادری ہالینڈ

خواجۂ علم وفن کی رحلت سے
گلشن فکر آج ہے سنسان

عالم اکتشاف اور تحقیق
ہوگیا اُجڑا اجڑا اور ویران

خواجۂ علم وفن ہوئے رخصت
بزم علمی میں اک اداسی ہے

ساقیا! اگر دور جام چلے
تیرے رندوں کی روح پیاسی ہے

بزم علماء میں شمع روشن وہ
اور طلبہ میں ابرگوہر بار

عہد حاضر میں حضرتِ خواجہ
کا شیوخ علوم میں تھا شمار

علم در سینہ کے وہ قائل تھے
حافظہ ان کا تھا مخزن ان کا

وہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں
ہمہ دم ساتھ تھا گلشن ان کا

عالم دیں تھے عالی شان تھے وہ
سلف صالح کی داستان تھے وہ

شاخ پر میوہ ذات تھی ان کی
اپنے خردوں پہ مہربان تھے وہ

شیریں شیریں زبان تھی ان کی
علم وحکمت سے پر تھا ان کا کلام

ان کے جوہر تو گن نہیں سکتا
بدؔر کران کی خوبیوں کو سلام

علم منقول کے بھی جامع وہ
اور معقول کے دقیقہ رس

دورِ قحط الرجال میں اے بدؔر
شان تحقیق ہوئی ہے ان پر بس

ملکُ العلماء، رضا کے وارثِ خاص
خاص ان کے نشانی خواجۂ فن

نوریؔ مرشد کے فیض باطن سے
کئے آباد نت نئے گلشن

شہر مرشد سے ایک قلم علم ‏ سینۂ خواجہ میں لگا ئی گئی

اس قلم سے بجے کئی گلزار ‏ جن کی خوشبو جہاں میں پائی گئی

اعلیٰ حضرت کے خاص علوم کے وہ ‏ نکتہ رس ، رازدار ووارث تھے

گویا اس بیشہ معانی کے ‏ خواجہ صاحب اکیلے حارث تھے

ان کے شاگردوں کی جماعت سے ‏ فکر وفن ان کا آشکارا ہے

خواجۂ علم و فن کا ہر تلمیذ ‏ اک چمکتا ہوا ستارہ ہے

اپنی فطرت میں وہ جمالی تھا
قصر اخلاق اس کا عالی تھا
رمز احمد رضا کا بکتہ شناس
دور حاضر کا وہ غزالی تھا

فقیر بدر القادری غفرلہ ۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

اٹھارہواں باب

پیغامات ومکتوبات

جن کا علمی فیضان دنیا پہ ٹوٹ کر برسا

..... مولانا محمد شریف خان نوری :بانی ومہتمم جامعہ نوریہ رضا نگر بالا گھاٹ (ایم ، پی)

عزیزی مولانا محمد حسان ملک نوری سے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ ''المختار'' کے ارباب بست وکشاد امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ دام ظلہ کی حیات وخدمات پر ایک وقیع نمبر شائع کرنے جا رہے ہیں۔اس اہم کام پر آپ اور آپ کی پوری ٹیم لائق صد تحسین وہزار مبارکباد ہے۔

امام علم وفن کا شمار ہمارے ان اکابرین میں ہوتا ہے جو اکابرین واصاغرین کے درمیان سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں غالبًا آج آپ کی درسگاہ وہ واحد میکدۂ علم ودانش ہے جہاں کے میخواروں کا سلسلۂ تلمذ صرف ایک واسطے (حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ) سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تک جا ملتا ہے ،علوم متداولہ کے ساتھ علوم نادرہ میں درک آپ کا امتیاز ہے جس پر ''ٹی وی کی تحقیق'' گواہ کافی ہے۔ بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی آپ کے علم وفضل کے سوا خود ایک شناخت ہے ۱۹۹۶ء میں آپ میرے قائم کردہ ادارے ''جامعہ نوریہ' (بالا گھاٹ ،ایم پی)' تشریف لائے تھے گو کہ وہ جامعہ کا شروعاتی دور تھا مگر اس وقت بھی آپ نے کثیر مستند ومعتمد علماء ومشائخ کی موجودگی میں جامعہ کے ارتقاء کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا'' جامعہ نوریہ مستقبل قریب میں مدھیہ پردیش کی ایک مثالی درسگاہ بن کر ابھرے گا'' الحمد للہ آج بزرگان دین کے صدقے وطفیل اور آپ کی دعاؤں سے جامعہ نوریہ خود اپنی شناخت پیدا کر چکا ہے۔ ہندوستان کی شاید کوئی ایسی درسگاہ ہو جہاں بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کا فیضان علم نہ برس رہا ہو خود میرے ادارے میں آپ کے شاگرد رشید عزیزی مولانا حسان ملک نوری سلمہ الباری خدمت علم وفن میں مصروف ہیں۔

علم وحکمت ،دولت وشہرت عطا فرمانے والے رب کی بارگاہ میں قاسم نعمت ﷺ کے وسیلے سے دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ کا سایہ امت اسلامیہ پر تادیر قائم رکھے آمین۔

امام علم وفن: کثیر الجہات شخصیت

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی: شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

اطلاع ملی کہ آپ امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ کی علمی ، دینی ،ملی اور ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔خواجہ صاحب کا انتقال قوم وملت کا ایک عظیم خسارہ ہے، جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔مگر وہ قوم زندۂ جاوید اور سرفراز ہوتی ہے جو اپنے بزرگوں کی خدمات اور کارناموں کو ان کے انتقال کے بعد بھی نہ صرف یاد کرتی ہے بلکہ ان کو مشعل راہ کے طور پر استعمال کرتی ہے۔آپ کی پیش کردہ یہ دستاویزی کتاب بھی آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

خواجہ صاحب ایسی کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، جس کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ مگر آپ کی گوشہ نشینی اور بے نیازی کی وجہ سے آپ کی ذات سے عام دنیا پوری طرح واقف نہیں ہو سکی۔ اس پر ستم یہ کہ آپ کی قربت اور محبت کے دعویدار حضرات بھی آپ کے کارناموں اور خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے میں بہت کامیاب نہیں رہے۔ یہی رویہ ہے، جس کی وجہ سے ہمارے اکابر نہ صرف گمنام رہ جاتے ہیں بلکہ ان کے پیغامات بھی لوگوں تک اچھی طرح نہیں پہنچ سکتے۔ اب خواجہ علیہ الرحمہ کو ہی دیکھئے، ارباب علم ودانش ، ماہرین فکروفن اور حاملان شریعت وطریقت میں کون ہے جو واقف نہیں کہ خواجہ صاحب علم توقیت، علم رمل، علم تاریخ اور ایسے بے شمار علوم جن کی طرف عمومی طور پر علماء نگاہ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں کرتے، کے نہ صرف عالم تھے بلکہ ان پر گہرا درک بھی رکھتے تھے۔ ان کی حیات کا ایک ایک لمحہ اسلامی قدروں کے فروغ، صحیح دینی مسائل کی ترویج واشاعت اور تحفظ شریعت وطریقت کے لیے وقف تھا۔ زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے عالم اسلام کی رہنمائی فرمائی۔ اپنے عہد کے اکثر علوم متداولہ پر دستگاہ تو ثابت کی ہی، اپنی نگارشات کے ذریعہ ان علوم وفنون کو انتہائی بلندیوں پر پہنچادیا۔ مگر افسوس کہ اب تک آپ کے تمام مضامین بھی عام لوگوں کی نگاہ تک نہیں پہنچ سکے۔ ان کے مقالات کا ایک مجموعہ شایع بھی ہوا تو معدودے چند لوگوں تک محدود رہ گیا۔ جبکہ ان کا لکھا ہوا ایک ایک مضمون مستقل کتابوں پر بھاری ہے۔ ان کی ہر تحریر تحقیق سے شغف رکھنے والے ریسرچ اسکالرز کو دعوت فکر دیتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تمام تحریروں کو جمع کیا جائے اور انہیں ارباب فکر وقلم کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ علوم فنون کے نئے نئے ابواب، تحقیق وتنقید کے نئے نئے گوشے اور شرعی معاملات ومسائل کے نئے یا مشکل میدان ہموار ہو سکیں۔ یہی نہیں ان کی خالص علمی تحریروں سے عصر حاضر کے ذخیرۂ معلومات میں غیر معمولی اضافے بھی ہو سکیں گے۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم جن شخصیات کو بہت چاہتے ہیں اور ان کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں، ان کو سمجھنے کی کوشش کم کرتے ہیں۔ ان سے ہماری محبت محض عقیدت تک محدود ہو جاتی ہے۔ خدا کرے خواجہ صاحب کے تعلق سے ہمارا رویہ ایسا نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی کتاب انشاء اللہ خواجہ صاحب کی شخصیت، ان کی تعلیمات اور فکر ونظر کی تفہیم میں نہ صرف معاون ثابت ہوگی بلکہ ان سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کو عمل کی طرف بھی متوجہ کرے گی کہ خواجہ صاحب کی خدمت میں عقیدت کا اصل خراج یہی ہوگا۔

امام علم وفن پر لکھنا ہماری بساط کہاں

مولانا محمد کاظم رضا نعیمی مہتمم اعلیٰ دار العلوم یتیم تنظیم المسلمین بائسی، پورنیہ، بہار

آپ کا رسالہ ''سہ ماہی المختار،، کا جستہ جستہ مطالعہ کیا دل کو سرور ملا۔ نہایت ہی پاکیزہ لب ولہجہ اور مسلم وادب کا عطردان ہے۔ رسالہ ''المختار،، وقت کی اہم ضرورت تھی جس سے اہل علم شوق مطالعہ سے اپنی اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

نیز یہ سن کر نہایت ہی مسرت وشادمانی ہوئی کہ مذکور رسالہ میں آپ امام علم وفن نمبر شائع کر رہے ہیں ہم آپ کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ امام علم وفن نمبر کی خدمت کریں تاکہ علماء وفضلا طلباء اس سے مستفیض ہوں۔

ہم اور ہماری بساط کیا....؟ کہ ہم امام علم وفن امام العلماء حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قادری کی بارگاہ میں لب کشائی

کریں۔ جن کی زبان اور چہرے کا جواب نہیں "ہر زبان میں زباندانی اور چہرہ میں چہرہ،،......ان کی شان میں کچھ کہنا.....کچھ لکھنا.... آفتاب کو چراغ دکھانے کے مثل ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

مولیٰ تبارک وتعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ "امام علم وفن نمبر،، کی خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آپ کی عمر میں بے پناہ برکتیں فرمائے اور ہم سب مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رہیں۔

جن کی علمی سطوت کا اعتراف معاصرین نے کیا

حضرت علامہ مفتی محمد شبیر پورنوی مدظلہ النورانی

امام العلماء، سند الفضلا، استاذ الاساتذہ، خیر الاذکیاء، علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی کی علمی عبقریت کا اعتراف معاصرین نے کیا اور اخلاف نے بھی! انہیں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مکمل دسترس حاصل ہے لیکن فن منطق وفلسفہ میں فی زمانا درجۂ امامت پر فائز مانا جاتا ہے اور اسی شاخ علم نے انہیں شہرت دائمی عطا کی۔ تحریریں آپ کی خالص محققانہ انداز میں ہوتی ہیں جو اپنے موضوع کے جملہ ممتاز گوشوں پر جاری وساری ہیں۔ آپ کو خاص شغف تدریس سے رہا، پوری زندگی آپ کی کتاب وسنت اور ان سے متعلق فنون کی تدریس میں گذری۔ آپ کی شہرت کی آواز آپ کے معاصرین میں گونجتا ہے اور اخلاف بھی آپ کی قدر ومنزلت کے تذکرے میں رطب اللسان ہیں۔

قابل صد مبارکباد ہیں گرامی قدر ومنزلت مولانا احمد رضا سلمہ مدیر سہ ماہی المختار اور ان کے رفقاء! جنہوں نے اس نابغۂ روزگار ہستی کی کاوشوں کو صفحۂ قرطاس میں لاکر تشنگان علم وفن کے لئے سیرابی بخشی۔

مولائے قدیر ان کی اس سعی بلیغ کو قبولیت کا جامہ عطا کر کے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے آمین......بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا ثانی زمانے میں نہیں تھا

مفتی محمد رستم علی قادری ایوبی حسنی: خانقاہ قادریہ حسنیہ تیغیہ اوریا شریف، مشرقی چمپارن

تاریخ کی اوراق گردانی سے یہ بات روز روشن کی ترح عیاں ہو جاتی ہے کہ شجر اسلام کی آبیاری اور گلستان نبی کریم ﷺ کی شادابی وہریالی کیلئے جہاں مجاہدین نے بیش قیمتی لہو کو معبود حقیقی کے حضور قرب رضا کی خاطر دشمنان اسلام کی سرکوبی اور بیخ کنی کر کے علم اسلام کو بلندی اور فتح نصرت کے ان گنت جھنڈے گاڑ دیئے وہیں علماء، فضلا، صالحین نے بھی اسلام مخالف طاقتوں کی تنقیص وتردید کر کے اسلام کی حقانیت وصداقت کو فرنٹ پیج پر لاتے رہے اور خسیس ورذیل جماعت کی ابطا کرتے رہے ان بزرگان دین نے زیست کے خون کا ایک ایک قطرہ اسلام کی نشر واشاعت اور استحکام ومضبوطی کی خاطر وقف کر دی حقیقت کی چشن سے دیکھا جائے تو وہ ہمارے اسلاف و اکابرین امر پیش قدمی نہ فرماتے تو ہم پاک اسلام کا موجودہ صورت میں پہونچنا مشکل دکھائی دیتا اور ہم صحیح طور پر اسلام کے آفاقی پیغامات اور سرمدی نغمات کی سماعت سے محروم ہوتے۔

انہیں علمی قدر آور اور عبقری شخصیت کی فہرست میں عمدۃ العقلاء، خیر الاذکیاء، شیخ الکل فی الکل، بقیۃ السلف، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی طال اللہ عمرہ کا اسم مبارک آتا ہے ایسی شخصیت سال دو سال میں نہیں بلکہ صدیوں میں ہر دۂ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے اور خداداد صلاحیت سے اہل علم وادب کو حیران وششدر کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔

امام علم وفن اسلامی دانشگاہوں میں پڑھائی جانے والی مروجہ علوم وفنون پر کامل بصیرت رکھنے کے علاوہ عصری علوم مثلاً علم ہیئت، ہندسہ، جغرافیہ، توقیت، لوگارثم، قیافہ، جفر، سائنس، اقلیدس، نجوم، ریاضی وغیرہ فنون پر بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے انکا حلقۂ تلمذ بڑا وسیع ہے۔ ان کی بارگاہ میں صرف اسلامی علوم کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہونے والے طالب علم ہی زانوئے تلمذ تہہ نہیں کرتے بلکہ کالجیز اور یونیورسٹیز کے اسٹوڈینٹ بھی ان سے اکتساب واستفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کی شاگردی پر ناز ہوتی ہیں۔ سائل جیسی مراد اور سوچ لیکر حاضر دربار ہوتا ہے اسکی ویسی ہی حاجت روائی کی جاتی ہے، جو جس فن کا متلاشی ہوتا ہے وہ انکی بارگاہ سے بہرہ مند اور آسودہ ہوتا دکھا دیتا ہے ان کی بارگاہ میں ہمہ وقت عقیدت مندوں کا ہجوم ہوتا ہے اور رہے بھی کیوں نہیں بقول شاعر

کیوں نہ گھیرے انہیں مشتاق نگاہوں کا ہجوم
یہ وہ یوسف ہیں جو بازار میں کم آتے ہیں

میری ناقص مطالعہ کی میز سے اب تک خواجہ صاحب کی کوئی تصنیف نہیں گزری (اگر کوئی تصنیف ہوگی بھی تو آج کالعدم ہوگی) کتاب وقلم سے کسی شخص کی قدر وقیمت کا تعین نہیں کیا جاسکتا اگرچہ کتاب وقلم کی افادیت، اہمیت اور قیمت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن افراد سازی اور شخصیت سازی کا درجہ بھی کسی سے کم نہیں ہے، امام المنطق نے شخصیت سازی کی ہے پتھر نما انسانو کو تراش خراش کر لعل وگہر بنا دیا علم وحکمت کی شمع دیکر تاریکی اور تیرگی میں چلنے کا خوگر بنا دیا ہے، لاتعداد فقیہ، محدث، مدبر، محقق، مفکر، مناظر، ادیب، مصنف، فلاسفی، پیدا فرما کر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی کمان سونپی ہے۔ ان کا ہر شاگرد کتاب ہے۔ ہر تلمیذ تصنیف ہے ان کی تصانیف کا شمار کرنا ممکن نہیں جب تک ان کے شاگرد طالبان علوم دینیہ کی علمی تشنگی بجھاتے رہیں گے، میکدۂ علم سے بھر بھر کر جام پلاتے رہیں گے تب تک ان کی تصنیف وجود میں آتی رہیگی گویا ان کا وجود یہ کہتا ہوا نظر آرہا ہے۔

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گر گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

یہ خبر نہایت ہی نیک شگون، فرحت بخش اور مسرت آمیز ہیکہ امام علم وفن کی نصف صدی سے زائد تدریسی تحریری فکری، نظری، ادبی، سائنسی، تقریری خدمات لازوال کا احاطہ کرنے کیلئے ادارہ سہ ماہی المختار کلیان کے کارکنان نے یہ جرأت مندانہ اور قابل ستائش قدم اٹھایا ہے اور نئی نسلوں کو ان کی ذات سے متعارف وآشنا کرانے کی حتی الامکان کوشش وسعی کی ہے۔ دور حاضر کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ایسی عظیم علمی، ادبی، فنی، سائنسی، شخصیت کی پاکیزہ اور جاذب نظر سیرت کے حوالے سے ان کے افکار ونظریات طرز عمل حسنکردار، بلند اخلاق، خوش پوشاک سے نئی نسل کو روشناس کرایا جائے تاکہ نئی نسل ان کی حیات وخدمات کی تابندہ اور درخشندہ نقوش کو مشعل

راہ نما کردارین کی سرفرازی وظفریابی اور رضائے الٰہی کی انمول اور زرخیز نعمت مشرف ہو۔

جن کی علمی دھمک بیرون ملک بھی محسوس کی گئی

مولانا محمد محبوب عالم برکاتی: جامعہ حشمتیہ معراج العلوم سدھارتھ نگر یوپی

یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ حضرات امام علم نام سے خواجہ علم وفن حضرت علامہ شاہ مظفر حسین رضوی پہ المختار کا نمبر شائع کر رہے ہیں جزاکم اللہ خیر الجزا۔ یقیناً یہ ایک مستحسن قدم ہے وہ قوم یقیناً زندہ وتابندہ رہے گی جس میں اسلاف شناسی اور اسلاف کی خدمات واحسانات کے سمجھنے اور یاد رکھنے کی دولت گرامایہ نصیب ہوئی۔ یقین جانیں یہ کام کوئی معمولی کام نہیں جو آپ حضرات انجام دینے جا رہے ہیں یہ نمبر کی تدوین کے نام پر تاریخ نویسی ہے۔ جس کی اہمیت آج نہیں تو کل اہل علم محسوس کریں گے۔ خدائے تعالیٰ آپ لوگوں کو شادکام اور فائز المرام کرے۔

یہ جان کر یقیناً قارئین کو مسرت ہوگی کہ حضرت خواجہ صاحب کے علم کا بانکپن یہاں تک محسوس کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ مریکہ میں مسلمانوں کی بود وباش ۱۹۶۰ء سے شروع ہوئی۔ اس سے پہلے اس سامراج ملک میں مسلمانوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ ۱۹۶۰ء میں باہر ملکوں سے مسلمان امریکہ میں پہنچے اور کچھ لوگ وہیں آباد ہو گئے۔ دھیرے دھیرے یہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگوں کو احکام شرعیہ کی پابندی کی فکر ہوئی تو کوئی مسجد تھی اور نہ کوئی عبادت خانہ۔ لہٰذا مسلمان جہاں رہتے تھے وہیں نماز وغیرہ ادا کر لیا کرتے تھے۔ جب تعداد کچھ اور بڑھی تو مساجد کی تعمیر کا خیال آیا۔ لیکن مسجدوں کی تعمیر سمت قبلہ کا تعین کئے بغیر ممکن نہیں تھی اس لئے لوگوں نے علمائے کرام کی بارگاہوں میں دستک دی۔ پھر علمائے کرام ہی کے مشورے سے بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے تعلق بنایا گیا۔ مثلاً جامعہ صدام، عراق۔ جامع ازہر، مصر۔ جامعہ سعودیہ، سعودی عرب وغیرہا اور استفتا بھیجا گیا۔ ہر جگہ سے جواب آئے کہ امریکہ کی سمت قبلہ امریکہ سے جانب مشرق ہے۔

لیکن مولانا قمر الحسن صاحب قبلہ بستوی (حال مقام امریکہ) نے سوچا کہ اس سلسلے میں علم توقیت کی دنیا کے بے تاج بادشاہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ پورنوی سے کیوں نہ رابطہ کیا جائے۔ چنانچہ موصوف نے بشکل استفتاء سوال لکھ کر امام علم وفن کی بارگاہ میں دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد بھیج دیا۔ آپ نے غور سے سوال کو ملاحظہ فرما کر مدلل ومبسوط جواب تحریر فرمایا۔ جب یہ جواب امریکا پہنچا تو لوگوں مین کھلبلی سی مچ گئی وہاں علمائے کرام کی میٹنگ بیٹھی کیوں کہ ساری دنیائے اسلام کے فتاوے ایک طرف اور امام علم وفن کی تحقیق ایک طرف۔ علماء کرام مس چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں، مگر خواجہ علم وفن کا جواب دلیلوں سے مزین پایا اور حوالہ سرکار اعلیٰ حضرت کے فتوی سے دیکھ کر سب کے سر جھک گئے اور ساری چہ میگوئیاں ھباءً منثورا ہو گئی اور اسی فتویٰ کے حکم کے مطابق مسجدوں کی تعمیر کی گئی یعنی امریکہ کی سمت قبلہ جانب شمال مائل بمشرق ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ استاذ مکرم حضرت خواجہ علم وفن کی ذات مقدسہ وہ ذات ہے کہ پوری دنیائے اسلام کی یونیورسٹیاں ایک طرف اور خواجہ علم وفن کی شخصیت ایک طرف۔ یعنی اعلیٰ حضرت کے بعد اعلیٰ حضرت کے علمی وارثین دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ چھائے رہیں گے۔ مجھے امید یہ کتاب (نمبر) اہل علم وادب میں مقبول ہوگی اور ارباب علم وادب اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

امام علم وفن ایک عدیم المثال شخصیت

محمد تنویر القادری رامپوری: ناظم اعلیٰ سنی مرکز صابری مسجد، غالب نگر، فیروز آباد یوپی

یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ حضرات حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی حیات وخدمات پہ نمبر شائع کر رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ آپ لوگوں کو کامیاب بنائے۔ میں ان کی شخصیت کے حوالے سے کیا لکھ سکتا ہوں وہ آسمان ہیں اور میں زمین۔ وہ آسمان علم کے تارہ ہیں اور میں ذرہ۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ:

آپ اپنے وقت میں فقید النظیر اور عدیم المثال تھے، آپ سے بے شمار علماء نے اکتساب فیض کیا۔ آپ کو دنیا آج استاذ مطلق اور امام علم وفن کے معروف لقب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

آج ساری دنیا پر ایک نظر عمیق ڈالیں کروڑوں علماء، فقہاء، محدثین، مفکرین، مفسرین، ادباء، فصحاء، بلغاء کا اژدہام نظر آئیگا مگر ان تمام میں امام علم وفن کی ذات بابرکت ایسی ہے جیسے ستاروں میں ماہتاب۔ آپ کے ان علوم وفنون کا منبع مصدر اور ماخذ کیا تھا؟ اس سلسلہ میں آپ خود فرماتے ہیں:

''یہ تو اعلیٰ حضرت کا فیضان اور سرکار مفتی اعظم کی نظر عنایت ہے کہ جب میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا تو مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی تھی کیونکہ اکثر بہت ساری باتیں میرے ذہن سے پرے ہوتی تھی میرے دل میں اس کو جاننے اور سمجھنے کی خواہش ہوئی، اور میں ان علوم میں غور کرنا شروع کیا اور دھیرے دھیرے سارے پردے کھلنے لگے اور جہاں کبھی کبھار دقت ہوتی میں اپنے پیر ومرشد حضور مفتی اعظم کے بارگاہ میں جاتا اور دعا کی درخواست کرتا جن کے توسط سے اعلیٰحضرت کا فیضان اتراتا اور میرے مشکلات خود بخود حل ہوجاتے آج خدا کا فضل ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تمام علوم وفنون کو سمجھ سکتا ہوں''۔

آج ساری دنیا میں اتنے علوم وفنون کا جامع وماہر تو بہت بڑی بات ہے ہلکی پھلکی معلومات رکھنے والا بھی نظر نہیں آتا۔ اور اگر کوئی ہے بھی تو ان ہی کے تلامذہ۔ یہی وجہ ہے کہ امام علم وفن نے اپنی بارگاہ کے پروردہ بے شمار ایسے مناظر ومحقق، مفسر ومدرس زمانے کو عطا کئے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں اگر خواجۂ علم وفن کو وارث علوم اعلیٰ حضرت کہا جائے تو یقیناً یہ برحق ہوگا

''سہ ماہی المختار کلیان'' کا یہ تاریخی اور اہم اقدام

(مولانا) مجیب الرحمٰن وحکیم حبیب الرحمٰن نوری: مہتمم اعلیٰ، جامعہ نوریہ رضویہ، بانس باڑی بائسی، پورنیہ بہار

اکابر فراموشی، اسلاف کی خدمات سے روگردانی کا مزاج اور قلمی میدان میں جمود وتعطل پورے ملک خصوصاً بہار میں عرصوں سے قائم تھا ماشاء اللہ! اب وہ رفتہ رفتہ ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے اور یہ نسل نو کے لئے حوصلہ افزا اور خوش آئند اقدام بھی ہے، جس کی ایک کڑی اور اس کا واضح ثبوت' ہے کہ اس نے دور حاضر کی ایک ایسی عبقری شخصیت یعنی امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر

حسین رضوی پورنوی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے کا فیصلہ کیا ہے، بلاشبہ آپ کی ذات دور حاضر کی ایک اہم قابل قدر اور نمایاں علمی ودینی شخصیت تھی، جنھوں نے امت مسلمہ کی علمی ودینی ،فکری وسیاسی اور ادبی قیادت ورہنمائی فرمائی اور اسلام و شریعت کی حفاظت وصیانت اور اس کی دعوت وتبلیغ کے لئے علما وفقہا اور دانشوران ومفکرین کی صورت میں بے شمار افراد پیدا کئے جو ملکی وغیر ملکی سطحوں پہ اپنی قابل قدر خدمات کی بنا پر ممتاز واعلی مقام پہ فائز ہیں، اور یہ بھی ایک تاریخی ریکارڈ ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی تدریسی ،تحریری، تحقیقی ، سائنسی اور فکری خدمات میں گذار دی۔ نصف صدی سے زائد دور تدریس میں عالمان دین اور مفکرین اسلام کی تعلیم وتربیت اور دین کی خدمت فرمائی۔

ہم جیسے بے علم ہیچمداں اور ذرۂ ناچیز سے یہ کب ممکن ہے کہ امام علم وفن کے اوصاف وخصوصیات بیان کریں۔ آپ جہاں منطق ،فلسفہ، اور دینی علوم کے ماہر تھے وہیں علوم رضا کے تنہا وارث بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت امام علم وفن کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، ان کے علمی وروحانی فیوض وبرکات کو پوری دنیا میں عام کرے اور سہ ماہی المختار کی پوری ٹیم کو ان کی اس خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

افسوس وہ شجر سایہ دار اب اس زمانے میں نہیں رہا

❁ مولانا فیضان الرحمن سبحانی ازہری: مہتمم الجامعۃ الواجدیہ موئی پور تروتی دربھنگہ بہار

استاذ گرامی وقار امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علی الرحمہ والرضوان اپنے عہد کے اعلیٰ حضرت تھے، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین رضوی کی علمی یادگار تھے۔ یقیناً ان کا احسان افراد پر بھی اور فن پر بھی۔ تلامذہ پر بھی ہے اساتذہ پر بھی ،خانقاہوں پر بھی ہے درسگاہوں پر بھی۔ ایسی ذات جس کی جھولی میں سب کے لئے وہ سب کچھ ہو جو اسے دنیا آخرت میں کام آئے اس دور میں تنہا وہ ذات حضرت امام علم وفن کی تھی افسوس وہ شجر سایہ دار اب اس زمانے میں نہیں رہا۔ اک خلا ہے جو انہیں کی راہ تک رہا ہے اک خلش ہے جو انہیں ڈھونڈ رہی ہے اور حسرت ہے کہ پھر ان کی بارگاہ میں حاضری کے لئے بیتاب ہے۔

مجھے ان کی درس گاہ میں بیٹھنے، ان سے پڑھنے اور ان کو پڑھنے کے بڑے قریب سے مواقع ملے۔ اللہ اللہ! پیار کا مجسمہ، اخلاص کا پیکر، محبتوں کا سائبان، شفقتوں کا دریا، علم کا پہاڑ، ایک ذات میں کیا کیا اوصاف پوشیدہ تھے۔ اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے جماعت میں ان کے جانے سے کتنا بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ یقیناً ان کا کوئی بدل نہیں، کوئی ثانی نہیں۔ ان کے تلامذہ میں ہونے کا مجھے فخر ہے، میری زندگی کے وہ قیمتی لمحات جو ان کی صحبت میں گزرے یقیناً وہ میری حیات کا انمول حصہ ہیں۔ اور اب وہی ان کی یادوں کا سہارا بھی۔ خدائے تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، اور جماعت کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

اردو میں فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا

فتاویٰ رضویہ

جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے ہزاروں علوم و فنون سے

ہزاروں مسائل بیان فرمائے اور جس کی روشنی میں ہزاروں فتاویٰ مرتب ہوتے

عربی عبارتوں کے ترجمے کے ساتھ جس کی تیس جلدیں مارکیٹ

میں دستیاب ہیں، اب صرف ایک جلد میں

ڈاکٹر امجد رضا امجد

کی ترتیب جدید اور تقدیم و تحشیہ و تسہیل

کے ساتھ

منتخب مسائل فتاویٰ رضویہ

——کے نام سے منظر عام پر——

عوامی ضروریات اور عوامی معیار فہم کے مطابق ترتیب دی گئی اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن

اضافے اور تصحیح کے بعد دو کلر میں

عرس رضوی بریلی شریف میں ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء

میں حاصل کریں

رابطہ نمبر

09835423434-9973362000

القلم فاؤنڈیشن، سلطان گنج پٹنہ —— اسٹار بک ورلڈ دہلی پٹنہ

امام علم وفن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں

مولانا محمد صابر علی رضوی: چیرمین امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ حضرت علامہ مولانا احمد رضا صاحب اور ان کے رفقاء، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ العالی کی شخصیت اور علمی کارناموں کو حیطۂ تحریر میں لانا چاہتے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا کام ہے، خاص کر خواجہ صاحب کی شخصیت تو بلا شبہ اس لائق ہے کہ ان کے علمی اثاثوں کو یکجا کیا جائے اور ان کی جلالت علمی سے نسل جدید کو آگاہ کیا جائے، خواجہ صاحب جیسی شخصیتیں ہر روز نہیں پیدا ہوتیں، صدیوں میں کوئی کوئی اس منصب جلیل کا حامل شخص وارد ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب ہر دلعزیز، خوش گفتار، نرم خو اور اپنے وقت کے عظیم معقولی اور فلسفی ہیں۔ امام علم وفن کا نام سنتے ہی کسی بھاری بھر کم شخصیت کا تصور ذہن وفکر کے پردے پر منعکس ہوتا ہے، بظاہر ایک سیدھا سادہ انسان لیکن علوم وفنون کا بحر ذخار، مواہب وکمالات میں یکتائے روزگار، معاصرین میں درِ نایاب ہیں، امام علم وفن کے نام سے فوراً ذہن اپنے وقت کے عظیم منطقی، ماہر فلسفی، باکمال جفاری اور فکر وفن کے دبستان کی طرف منعطف ہوتا ہے، ویسے تو خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب ہر فن مولی ہیں چاہے علوم نقلیہ ہوں کہ عقلیہ ہر میدان کے مرد ہیں، لیکن بین العلماء آپ کا خصوصی وصف اور امتیاز علوم عقلیہ سے ظاہر ہے، اپنے معاصرین میں آپ کو خاص امتیاز منطق وفلسفہ کے سبب ہے، میں سمجھتا ہوں کہ خواجہ صاحب آج جس منصب پر ہیں اس دور میں وہ منصب علامہ فضل حق خیر آبادی اور علامہ فضل امام خیر آبادی کا ہے، اہلسنت میں آپ کو بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ کی تحریروں کو لوگ دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ جن حضرات نے آپ سے استفادہ کیا ہے وہ اپنے ہمعصروں میں لائق وفائق سمجھے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سیدنا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے تلمیذ ارشد اور چہیتے خلیفہ ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا خصوصی فیضان امام علم وفن کو حاصل ہے، امام علم وفن جہاں ایک طرف قرآنیات، حدیثیات، پہ مہارت رکھتے ہیں وہیں علم ہندسہ، علم جفر، علم ہیئت وتوقیت علم مناظرہ والجبرا جیسے خالص عصری علوم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے آپ کی شخصیت عوامی نہیں ہے، تقریر وجلسہ اور پیری مریدی جیسے معاملات سے آپ دور ہیں، آپ کا تعلق تحریر اور تدریس سے ہے، اس کا اندازہ آپ کے مقالات اور آپ کے دروس کی برکتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ مفتی ایوب مظہر علیہ الرحمہ، مفتی مطیع الرحمن رضوی، مولانا مختار الحسن قادری، خواجہ ساجد عالم، مفتی عبد الحکیم نوری جیسے چند تلامذہ کے ذریعہ خواجہ علم وفن کی تدریسی خوبیوں کو بھانپا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ خواجہ صاحب کو عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے علمی فیضان سے اس ملت کو بہرہ ور فرمائے آمین۔

انیسواں باب

اخباری تراشے

جن اخبارات نے حضرت امام علم و فن کے حوالے سے اپنے دیانت دارانہ جذبے کا مظاہرہ کیا ان میں پٹنہ، دہلی، کلکتہ، لکھنؤ، حیدرآباد کے "روزنامہ انقلاب، روزنامہ پندار، روزنامہ قومی تنظیم، روزنامہ فاروقی تنظیم، روزنامہ اعتماد، روزنامہ منصف، اخبار مشرق۔ دہلی، سیاسی تقدیر، عزیز الہند، راشٹریہ سہارا، جدید خبر، اسی طرح ہندی اخبارات میں ہندوستان، دینک جاگرن (پورنیہ) پربھات خبر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ادارہ "المختار" ان تمام کا شکرگزار ہے۔ یقیناً بارگاہ خواجہ سے انہیں ان کا صلہ ملے گا۔ ادارہ المختار کلیان

مشہور عالم خواجہ مظفر حسین کا انتقال، نماز جنازہ آج

پورنیہ (عائشہ بیگم) انتہائی رنج والم کے ساتھ دنیائے سنیت کو یہ خبر یہ خبر سنائی جارہی ہے کہ وقت کے نامور اور شہرت یافتہ امام علم وفن سے مشہور لائق وفائق جید عالم دین علامہ خواجہ محمد مظفر حسین رضوی سنگھیا ٹھاٹول بائسی پورنیہ کا تعمیل علالت کے بعد 20 اکتوبر بروز اتوار علی الصبح 3.30 بجے دار العلوم نور الحق محمد پور فیض آباد یوپی میں ان کے مدرسہ میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ پورنیہ اور سیمانچل علاقہ کے معروف دینی ادارہ تنظیم المسلمین بائسی میں جیسے ہی یہ دردناک خبر پہونچی مدرسہ کے تمام اساتذہ اور ملازمین سوگوار ہو گئے۔ اور بڑے ہی اہتمام کے ساتھ مدرسہ تنظیم المسلمین کے مہتمم مولانا کاظم رضا اور فعال عالم دین مولانا حسنین رضا نعیمی نے موجود طلباء کو لیکر مولانا مرحوم کی ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرا کر احسان شناسی اور اکابر دوستی کا ثبوت پیش کیا۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازہ 21 اکتوبر کو بروز سموار ان کے آبائی وطن سنگھیا ٹھاٹول بائسی میں دن کے 2 بجے بعد نماز ظہر ادا کی جائیگی۔ مولانا کاظم رضا نے مولانا مرحوم کے متعلقین سے گزارش کی ہے کہ کثیر تعداد میں جنازہ میں شرکت کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ اور مولانا مرحوم کی ترقی درجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کریں۔ خواجہ محمد مظفر حسین رضوی کے انتقال پر تعزیت پیش کرنے والوں میں مفتی زبیر عالم صدیقی، سید رکن الدین، سید محمود اشرف، مولانا اسماعیل، قاری منعم، شمیم اختر، ڈاکٹر آفاق عالم، مولوی ابرار عالم، مامون سرکار، مولانا مسعود رضا، محمد مطیع الرحمٰن، پروفیسر غریب نواز، محمد جہانگیر، شہواز عالم، جاوید عالم، اور قطب الدین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہے۔

مولانا خواجہ مظفر حسین کے انتقال پر تعزیتی نشست

بھاگلپور (اسٹاف رپورٹر) ماہر علم وفن مولانا خواجہ مظفر حسین کے انتقال پر آج خانقاہ شہبازیہ میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں جامعہ شہبازیہ کے طلبہ اور اساتذہ نے مولانا خواجہ مظفر حسین کو خراج عقیدت پیش کیا۔ جامعہ کے طلبہ نے قرآن خوانی کی اور اساتذہ نے مرحوم مولانا خواجہ مظفر حسین کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس موقع پر خانقاہ کے سجادہ نشیں مولانا سید شاہ انتخاب عالم ضیاء شہبازی نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا خواجہ مظفر حسین علم وفن کے کوہ گراں تھے، ان کے انتقال سے ملک میں ایک سنی عالم کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی، یہ ایک ایسا خلاء ہے جس کا پر ہونا ناممکن ہے۔ مولانا انتخاب عالم نے کہا کہ انہوں نے اپنے درس وتدریس کے ذریعہ طلبہ کی کثیر تعداد کو فائدہ پہنچایا۔ اس موقع پر جامعہ شہبازیہ کے صدر مدرس مولانا فاروق اشرفی نے کہا کہ ان کے انتقال سے سنی جماعت کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ انہوں نے الجبرا، علم حیات، علم توقیت، علم جفر میں طلبہ کو بیدار کیا اور انہیں اس علم کی اہمیت سے روشناس بھی کرایا۔ انہوں نے پوری زندگی علم کے فروغ میں وقت صرف کیا۔ انہوں نے مولانا کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

خواجہ مظفر حسینؒ رضوی عظیم شخصیت کے مالک تھے: مفتی ارشاد عالم جامعی

پورنیہ (محمد توصیف عالم): امام علم وفن علامہ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے سانحہ ارتحال پر ملک و بیرون ملک میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی تھی، ہر طرف حضرت علامہ کے لیے دعائے مغفرت و تعزیت کی گئی اور قرآن خوانی کا اہتمام بھی کیا گیا۔ دارالعلوم محمودیہ عربی کالج مدھوپارہ واقع آزاد نگر پورنیہ کے نائب پرنسپل مفتی ارشاد احمد جامعی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ امام علم وفن علامہ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کا انتقال عالم اسلام کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ انہوں نے اپنے تعزیتی تاثرات میں کہا ان کے انتقال سے ادبی دنیا کا ایک بڑے نقصان ہوا ہے۔ ان کے انتقال سے دنیا کے اندر جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کی بھرپائی مستقبل قریب میں بہت ناممکن نظر آ رہی ہے۔ کیونکہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مختلف علوم وفنون پر عبور حاصل تھا اور بہت کامل دسترس و مہارت رکھتے تھے اور علم منطق و فلسفہ میں ان کا بلند مقام تھا۔ مفتی ارشاد نے کہا کہ خواجہ مظفر حسین نے بحسن خوبی متعدد درسگاہوں و مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں اس کے علاوہ ملک و بیرون ملک میں ان کے ہزاروں شاگرد علم وفن کا چراغ روشن کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت علامہ جس قدر ماہر فن تھے اسی طرح عالم باعمل بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تمام چاہنے والوں کے درمیان بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مفتی ارشاد عالم جامعی نے خواجہ مظفر حسین رضوی کی بلند درجات کے لیے دعا کی اور کہا کہ اس کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کشن گنج (نامہ نگار): خواجہ مظفر حسین رضوی علم وفن کے آفتاب درخشندہ تھے ان کی موت سے سیمانچل سمیت پورا ملک اب تک سوگوار ہے۔ ہر جگہ آپ کے تذکرے ہیں اور لوگ ہر مجلس میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف جگہوں میں آپ کے لئے قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی بھی ہو رہی ہے۔ اسی کی ایک کڑی کے طور پر مدرسہ دارالعلوم امجدیہ قدم رسول کشن گنج میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی ہوئی جس میں مشارکین نے علامہ رضوی کے لئے دعائے مغفرت کی اور آپ کے لواحقین کے لئے بھی صبر کی دعائیں کیں۔ ان باتوں کی اطلاع مدرسہ کے مدرس محمد رضوان نے دی ہے۔

آسمان علم وفن کا ایک اور ستارہ غروب

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا انتقال، تدفین آج

علوم دینیہ کے ساتھ علم ہیئت، ریاضی، الجبرہ، علم توقیت اور سائنسی علوم پر مہارت کیلئے دنیا بھر میں جانے جاتے تھے

فیض آباد/نئی دہلی: (محمد رضا فراز/آئی این این) ملک کے معروف عالم دین، استاذ الاساتذہ، جامع معقولات و منقولات مولانا خواجہ مظفر رضوی کا بدھ کی شب ساڑھے تین بجے کے قریب صوبہ اترپردیش کے ضلع فیض آباد میں دارالعلوم نورالحق محمد پور چرہ میں ان کی رہائش گاہ پر انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ کبرسنی کے عوارض کے علاوہ بلڈ شوگر اور گردے کی تکالیف میں مبتلا تھے۔ مرحوم کے جسد خاکی کو بذریعہ ایمبولینس ان کے آبائی وطن پورنیہ ضلع کے بائسی قصبہ لے جایا گیا ہے جہاں ان کی تجہیز و تکفین پیر کو بعد نماز ظہر عمل میں آئے گی۔

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی

خواجہ مظفر حسین رضوی کے انتقال کی خبر سے اتوار کی صبح ملک کے دینی و علمی حلقوں میں رنج و ملال کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے دین میں ان کی شخصیت اگلے وقتوں کی نشانی اور جامع معقولات و منقولات تھی بالخصوص ریاضی، ہیئت، جبر و مقابلہ اور فلسفہ جدید و قدیم اور فقہ اسلامی پر یکساں مہارت رکھتے تھے۔ ان علوم میں استفادہ کے لیے بیرون ملک کے علماء بھی ان سے رجوع کرتے تھے۔ وہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین فاضل بہاری سابق پرنسپل شمس الہدیٰ پٹنہ کے صحیح علمی جانشین تھے۔

دارالقلم نئی دہلی کے بانی و سربراہ مولانا یسین اختر مصباحی نے ان کے انتقال کو ایک علمی روایت کی سب سے مضبوط کڑی کا اٹھ جانا کہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے پرنسپل علامہ محمد احمد مصباحی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی، اتحاد کونسل کے صدر مولانا توقیر رضا خاں بریلوی، امین شریعت مولانا عبدالواجد قادری، ورلڈ اسلامک مشن لندن کے سکریٹری جنرل مولانا قمرالزماں خاں اعظمی، ادارہ تحقیقات عربی و فارسی کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر رضا خان اور علماء و دانشوران ملت کی ایک بڑی تعداد نے اپنے تعزیتی پیغامات میں مرحوم کی رحلت کو ملک و ملت کا ناقابل تلافی نقصان کہا ہے۔ خواجہ مظفر رضوی ۴ ۱۹۳ء میں بہار کے ضلع پورنیہ کے بائسی علاقہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی ثانوی تعلیم اپنے والد مولانا خواجہ زین الدین سے حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک کٹیہار میں دارالعلوم لطیفیہ بحرالعلوم میں ملک العلماء مولانا ظفر الدین فاضل بہاری سے مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی۔ (باقی صفحہ ۱۵ پر)

امام علم وفن کو مدرسہ شرعیہ کا خراج عقیدت

پھلواری شریف (پریس ریلیز) مرکزی مدرسہ شرعیہ، بہار میں گزشتہ روز امام علم وفن حضرت مظفر حسینؒ کے ایصال ثواب کے لئے مدرسہ شرعیہ کے طلبا کی جانب سے محفل قرآن خوانی و میلاد پاک کا انعقاد کیا گیا جس میں [illegible]

خواجہ مظفر حسین

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا انتقال

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی: حیات و خدمات پر ایک نظر

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا انتقال، مدفین آج

مشہور عالم خواجہ مظفر حسین کا انتقال، نماز جنازہ آج

پورنیہ (عائشہ بیگم) انتہائی رنج و الم کے ساتھ دنیائے سنیت کو یہ خبر پڑھی جاتی ہے کہ وقت کے نامور اور شہرت یافتہ امام علم و فن سے مشہور و فائق عہد عالم دین علامہ خواجہ محمد مظفر حسین رضوی سکھیا تھا تول باسی پورنیہ کا طویل علالت کے بعد 20 اکتوبر بروز اتوار علی الصبح 3.30 بجے دارالعلوم نورالحق محمد پور شیخ آباد یوپی میں ان کے مدرسہ میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ پورنیہ اور سیمانچل علاقہ کے معروف دینی ادارہ تنظیم المسلمین باسی میں جیسے ہی یہ روح فرسا خبر پہنچی مدرسہ کے تمام اساتذہ اور طلاء میں سوگوار ہو گئے۔ اور بعد ہی اعلام کے ساتھ مدرسہ تنظیم المسلمین کے مہتمم مولانا کاظم رضا اور فاضل عالم دین مولانا حسین رضا نعیمی نے موجود طلباء کو لیکر مولانا مرحوم کی ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرا کر احسان شناسی اور اکابر دوستی کا ثبوت پیش کیا۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازہ 21 اکتوبر کو بروز سوموار ان کے آبائی وطن سکھیا تھول باسی میں دن کے 2 بجے بعد نماز ظہر ادا کی جائیگی۔ مولانا کاظم رضا نے مولانا مرحوم کے متعلقین سے گزارش کی ہے کہ کثیر تعداد میں جنازہ میں شرکت کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ اور مولانا مرحوم کی ترقی درجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کریں۔ خواجہ محمد مظفر حسین رضوی کے انتقال پر تعزیت پیش کرنے والوں میں مفتی زبیر عالم صدیقی، سید رکن الدین، سید محمود اشرف، مولانا اسماعیل، قاری منظر جسیم اختر، ڈاکٹر آفاق عالم ندوی اور عالم ساموں سرکار، مولانا مسعود رضا، محمد مطیع الرحمٰن، پروفیسر غریب نواز، محمد عجیر، شمشاد عالم، جاوید عالم، اور قطب الدین وغیرہ کے نام قابل ذکر ہے۔

لاکھوں متعلقین کے موجودگی میں خواجہ مظفر حسین سپرد خاک

پورنیہ (عائشہ بیگم) مشہور عالم دین خواجہ مظفر حسین کی نماز جنازہ ان کے چھوٹے بھائی مولانا جاوید عالم نے پڑھائی۔ ان کی جنازے کی نماز بعد نماز ظہر سکھیا تھا تھول قبرستان کے نزدیک واقع روڈ کے نزدیک بڑے میدان میں ادا کی گئی۔ خواجہ مظفر حسین رضوی کو ان کے آبائی قبرستان سکھیا تھا تھول باسی کے قبرستان جنوبی حصہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازہ میں سیمانچل بہار سمیت بنگال، یوپی، مہاراشٹر اور نیپال کے سینکڑوں علماء اور ان کے ارادتمندوں نے حصہ لیا۔ اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازے میں کئی شخصیتوں نے بھی شرکت کی، جس میں خاص کر مولانا مطیع الرحمٰن، مفتی زبیر عالم صدیقی، مولانا کاظم رضا، مولانا شمس الحق رشیدی، مفتی مظفر حسین، مولانا قاسم، مولانا اسمٰعیل، باسی کے رکن اسمبلی مشتاق شوکیا، جدیو کے سینئر لیڈر سید محمود اشرف، سابق رکن اسمبلی رکن الدین، ساموں سرکار، محمد نور اقبال، محمد صدیق کے علاوہ باسی سب ڈویژن اگر واڑے کے اعلیٰ افسران موجود تھے۔ جنازے میں لوگوں کی بڑی تعداد شامل ہوئی، پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج، اور ارریہ سمیت دیگر مقامات کے تقریباً ایک لاکھ سے زائد کی تعداد میں جنازے میں شامل ہوئی۔ جنازہ میں شامل ہونے والے ان کے متعلقین کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ظہر کے بعد سے مٹی دینے والوں کی قطار مغرب تک جاری رہی، جنازہ کے بعد مٹی دینے کیلئے پہلے دور دراز سے آئے لوگوں کو موقع دیا گیا۔ سکھیا تھا تھول قبرستان کے انتظامیہ کمیٹی نے ہجوم کے اعتبار سے بہتر انتظام کیا تھا۔

پورنیہ: لاکھوں چاہنے والوں کی موجودگی میں لے جایا جا رہا ہے خواجہ مظفر حسین رضوی کا جنازہ

خواجہ مظفر حسین رضوی اسلاف کی علمی اور عملی سلسلے کی نمایاں کڑی تھے

خواجہ مظفر حسین رضوی کے انتقال سے علمی و ادبی حلقوں میں غم کی لہر

خواجہ مظفر حسین رضوی چشم نمناک کے ساتھ سپرد خاک

ممتاز عالم دین خواجہ مظفر حسین رضوی کے انتقال پر تعزیت اور دعاء مغفرت

باپ بھائی نے مظفر ہی کو کیا آگ کے حوالے

خواجہ مظفر حسین رضوی کے انتقال سے سیم گنج میں

ا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا خواجہ مظفر حسین کی ذات و خدمات پر سرزمین بہار ہی نہیں دنیائے علم و فن صدیوں ناز کرے گی

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی: حیات و خدمات پر ایک نظر

خواجہ مظفر حسین

خواجہ مظفر حسین رضوی نے داعی اجل کو لبیک کہا

خواجہ مظفر حسین رضوی نے داعی اجل کو لبیک کہا

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا سانحہ ارتحال

حیدرآباد۔ 20 اکتوبر (راست) ریاست بہار کی ایک عظیم علمی شخصیت خواجہ علم و فن ماہر معقولات و منقولات علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا آج 14 ذی الحجہ 20 اکتوبر اتوار کو دارالعلوم نورالحق محمد پور ضلع فیض آباد (یوپی) میں وصال ہوگیا۔ حضرت خواجہ علم و فن عصر حاضر کے ایک انفرادی علمی شخصیت کی شناخت رکھتے تھے۔ وہ لاینحل مسائل کو حل کرنے کی استعداد رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی تصانیف کے افہام و تفہیم کیلئے تنہا مالک سمجھے جاتے تھے۔ تقریباً 50 سال سے ہندوستان کی مختلف جامعات و دارالعلوم میں تشنگان علوم و فنون کو سیراب کراتے رہے۔ پچھلے 18 سال سے دارالعلوم نورالحق فیض آباد یوپی میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے آپ کی فراغت ہوئی تھی۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند کے مرید و خلیفہ تھے۔ ملک و بیرون ملک کثیر تعداد میں آپ کے شاگرد درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ حضرت خواجہ علم و فن کا سانحہ ارتحال ساری جماعت اہل سنت کیلئے خسران عظیم ہے۔ آپ کے وصال کی خبر پورے ملک و بیرون ملک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اکثر مدارس اسلامیہ میں قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ دارالعلوم غریب نواز میں بھی اس کا اہتمام کیا گیا۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کو غریق رحمت کرے۔ (آمین) مزید تفصیلات کیلئے مولانا احمد حسن رضوی قادری سے 9440986450-9849081080 پر ربط کریں۔

علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا سانحہ ارتحال

حیدرآباد۔ 20۔ اکتوبر (راست) یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ہندوستان کی ایک عظیم علمی شخصیت' ماہر معقولات و منقولات علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا 20 اکتوبر اتوار کو صبح میں دارالعلوم نورالحق محمد پور ضلع فیض آباد یوپی میں وصال ہوگیا۔ وہ تقریباً 50 سال سے ہندوستان کی مختلف جامعات میں تشنگان علوم و فنون کو سیراب کراتے رہے۔ پچھلے 18 سال سے دارالعلوم نورالحق فیض آباد یوپی میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے آپ کی فراغت ہوئی تھی۔ آپ مولانا مصطفےٰ رضا خان مفتی اعظم ہند کے مرید و خلیفہ تھے۔ ملک و بیرون ملک کثیر تعداد میں آپ کے شاگرد درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کا سانحہ ارتحال مسلمانوں کے لئے خسران عظیم ہے۔ آپ کے انتقال پر دارالعلوم غریب نواز عثمانیہ یونیورسٹی روڈ حیدرآباد میں بھی قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ تفصیلات کے لئے مولانا احمد حسن رضوی سے فون 9849081080 یا 9440986450 پر ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ماہر معقولات و منقولات علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی سپرد لحد

حیدرآباد۔ 21 اکتوبر (راست) ریاست بہار سے تعلق رکھنے والے عالمی شہرت یافتہ عالم دین علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا 20 اکتوبر کو فیض آباد یوپی کی معروف درسگاہ دارالعلوم نورالحق میں صبح انتقال ہوگیا۔ علامہ کے جسد خاکی کو ان کے آبائی وطن پاکسی ضلع پورنیہ بہار لایا گیا۔ موصوف فقہ اسلامی کے ساتھ علم ریاضی' ہیئت' جبر و مقابلہ' فلسفہ جدید و قدیم اور علم جغرافیہ وغیرہ میں یکساں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علامہ کی زندگی قلندرانہ اوصاف سے پر تھی۔ مذکورہ علوم میں ملک اور بیرون ملک کے کئی علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ جناب سید محمد اشرف مارہروی نے علامہ کے انتقال کو بڑا خسارہ بتایا اور گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ جس طرح علم معقولات و منقولات پر حاوی تھے اب ویسا کوئی نظر نہیں آتا۔ خاص بات یہ ہے کہ ان کے اندر جو درویشی تھی وہ بھی سچے اور مخلص علم والے کا حصہ تھی۔ دارالعلم نئی دہلی کے سربراہ معروف صحافی و مقالہ نگار محقق علامہ یسین اختر مصباحی نے ان کے انتقال کو ایک علمی روایت کی نسبت سے ایک مضبوط کڑی کا ٹوٹ جانا کہا ہے۔ اتر پردیش مبارک پور کی معروف درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے پرنسپل علامہ محمد احمد مصباحی' علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی' علامہ قمر الزماں خان اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن' علامہ بدر القادری مصباحی ہالینڈ' ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ بہار کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر حسن رضا و دیگر علماء نے اپنے تعزیتی پیغامات میں علامہ کی رحلت کو ملت کا ناقابل تلافی نقصان کہا ہے۔ نماز جنازہ 21 اکتوبر کو بعد نماز ظہر ان کے برادر مولانا خواجہ جاوید نے پڑھائی۔ ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی جس میں دہلی کے معروف قلمکار مولانا خوشتر نورانی' مولانا اسید الحق' مولانا مفتی مطیع الرحمان' سیاسی لیڈرس سید محمود اشرف رکن بی جے پی اور سید رکن الدین سابق ایم ایل اے کے علاوہ علاقہ کے اکثر علماء و اساتذہ نے شرکت کی۔ مزید تفصیلات کیلئے مولانا احمد حسن رضوی قادری سے فون 9849081080 پر یا 9440986450 پر ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

بیسواں باب

عکوس ونوادرات

اس باب میں حضرت امام علم وفن کے لکھے گئے خطوط کے عکوس، سند خصوصی عطا کردہ سرکار مفتی اعظم ہند، سپاس نامہ رحضرت امین میاں صاحب قبلہ، سپاس نامہ رحضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ، قائد اہل سند ایوارڈ، عمدۃ العقلا خطاب (فیض العلوم جمشید پور) وغیرہ کے عکوس شامل ہیں۔ ان کی علمی اور تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے ان عکوس کی روشنی میں ایک علمی تحریر سامنے آسکتی ہے اس حوالے سے اس میں ایک کمی ہے۔ انشاء اللہ اس کمی کا ازالہ کیا جائے گا۔ جن حضرات کے توسط سے یہ نوادرات ہمیں دستیاب ہوئے ان تمام کے شکریہ کے ساتھ ہم انہیں شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ ادارہ

Md. Ashfaque Ahmad
Madrasa Ghausia Fasihia
At. Khaltipur
Po. Bahadur Pur
Dist. Malda (W.B)

POST CARD

15

To

Md Ashfaque Ahmad

Madrasa Ghausia

Kaliyachak Maldah

(W.B.)

POST CARD

25

Md Ashfaque Ahmad.

Darul Uloom Ghausia

Razvia Ashraf Nagar.

Hingoli gate NANDED

M.S.

۷۸۶/۹۲

ہمارے یہاں بر قول امام اعظم وقت عشاء کی ابتداء غیبوبت شفق ابیض سے ہوتی ہے۔
اور بہ تکرر مشاہدات اور بار بار تجربات سے ثابت ہے کہ غیبوبت شفق ابیض اس وقت ہوتا ہے
جب کہ آفتاب کا افق سے ۱۸ درجہ انحطاط ہوتا ہے۔ یعنی سمت الراس سے جب بعد کوکب
۱۰۸ درجہ کا ہوتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ شوافع اور بر قول صاحبین وقت عشاء کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے
جب شفق احمر غروب ہوتی ہے۔ مگر کسی کتاب یا ہیئت دانوں کے قول سے معلوم نہیں کہ شفق احمر کب
غروب ہوتی ہے۔ البتہ کچھ لوگوں سے یہ سنا گیا کہ شفق احمر کا غروب اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب
۱۲ درجہ نیچے ہوتا ہے یعنی بعد کوکب ۱۰۲ درجہ ہوتا ہے۔

ہم نے خود یہاں اپنے باہوش بچوں سے تجربہ کرایا تو معلوم ہوا کہ جب آفتاب کا بعد کوکب
۱۰۲ درجہ ہوتا ہے تو واقعی شفق احمر غروب ہو جاتی ہے۔ اس تجربہ سے پتہ چلا کہ شفق احمر کے غروب کے
وقت انحطاط شمس ۱۲ درجہ ہوتا ہے

ہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود شوافع کے معمولات کو جب دیکھا گیا تو ان کے یہاں ٹائم ٹیبل
میں وہی وقت درج ہے جو فی الحقیقت ۱۰۸ درجہ ہوتا ہے۔ یہ گویا شوافع الجھن پیدا کرتا ہے۔
ممکن ہے کہ شوافع نے بر بنائے احتیاط یا بر بنائے توسع احناف ہی کے ٹائم کو منظور کر لیا ہے۔

آپ ملیشیا کے ہیں اس لئے اس کا صحیح حال معلوم کرنے کیلئے آپ کو ہم سے پوچھنے کے بجائے وہاں
کے علماء سے پوچھنا چاہئے جہاں کا ٹائم ٹیبل آپ نے دیکھ کر خط لکھا ہے

آپ وہاں کے لوگوں سے سوال کیجئے کہ آپ کے ٹائم ٹیبل میں عشاء کا جو وقت درج ہے
وہ وقت بعد کوکب ۱۰۸ درجہ کا ہے۔ اور علماء احناف کا بار بار تجربہ ہے کہ ۱۰۸ درجہ پر شفق ابیض
غروب ہوتا ہے۔ شفق احمر اس سے پہلے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے ٹائم ٹیبل میں جو وقت
درج ہے وہ حنفی وقت ہے یا شافعی وقت ہے؟

[illegible]

۳۱ مارچ ۲۰۰۹ء

[illegible]

Darululum Amjadia
Karimuddinpur
Ghosi
Distt Mau (U.P.)

पिन PIN

JAMIA Amjadia
Karimuddinpur
GHOSI
Distt MAU
(U.P.)

سند الخلافة وسند قراءة القرآن المجيد والاجازة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وافضل الصلوة واكمل السلام على رسوله
سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين اما بعد فقد سألني محمد حسان ملك النوري
رضا النوري بن محمد انصار احمد جامع النوري اجازة كلام الله تعالى واحاديث
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واجازة سلاسل اولياء الله فاجزت له
على بركة الله تعالى ثم على بركة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بقرأة القرآن
المجيد مع سنده والاشتغال بحديث النبي الكريم صلى الله تعالى عليه وسلم و
بكل ما هو مذكور في الصحيفة المباركة المسماة بالنور والبهاء في اسانيد
الحديث وسلاسل الاولياء من الاسانيد الحديثية وسلاسل شيوخ الطريقة
والاوراد والاذكار التي وصل اليّ من قدوة الواصلين الى رب العالمين المفتي الاعظم العلام
الهمام الشيخ سيدي وسندي محمد مصطفى رضا خان القادري النوري رضي الله عنه
وايضاً قد اجزت له ما سوى هذه من جميع الاسانيد الاخرى والاذكار والاعمال و
الاوفاق والاشتغال التي حصلت لي من سنت الزمن الشيخ سيد امين ميان
القادري البركاتي ثم اوصيه واوصي نفسي بتقوى الله عز وجل في السر و
الاعلان واتباع سنن سيد الانبياء والمرسلين صلى الله عليه وعليهم وعلى آله ودوام
والاشتغال بالعلوم الدينية وصلى الله تعالى وسلم على افضل خلقه سيدنا محمد وآله
وصحبه و[illegible] وابنه الغوث الاعظم الجيلاني اجمعين وآخر دعوانا
ان الحمد لله رب العالمين

٢٢ [illegible] ١٤٣٣ھ

25 भारत INDIA

IFFCO

इफको खाद का कमाल,
भरपूर फसल
सालों साल.

पोस्ट कार्ड POST CARD

To
Qazi Fazle Ahmad Sh.
Madrasa Ziauloloom
Kachchi Bag مدرسہ ضیاء العلوم

Varansi

पिन PIN

(U.P)

भारत INDIA 50

प्राथमिक शिक्षा –
बच्चे का अधिकार

Madrasa Ziaul Uloom
Kachchi Bag
VARANSI

पिन PIN

مدرسہ ضیاء العلوم کچی باغ بنارس

25 भारत INDIA

25

POST CARD पोस्ट कार्ड

To Qazi Fazle Ahmad Sb

jamia Arabia Ziaul oloom

Kachchi Bag

VARANSI

(U.P.)

पिन PIN

224001

25
INDIA

25

POST CARD

To
Qazi Fazle Ahmad Sb
jamia Arabia Ziaul oloom
Kachchi Bag
VARANSI
(U.P.)

पिन PIN

224001

[illegible]

स्वच्छ रहें,
स्वस्थ रहें।

2001

POST CARD

25 भारत INDIA

To

قاضی فضل احمد صاحب

Ziaul-uloom J 32/93

KachchiBagh.

VARANASI.

पिन PIN 2 2 1 0 0 1

U.P.

Pin 224001

سرزمینِ کلیان میں فضیلت، عالمیت، حفظ اور تجوید و قرأت کی منفرد و ممتاز درسگاہ

الجامعۃ الرضویہ

رضا نگر، بیل بازار، ولی پیر روڈ کلیان، ضلع تھانے، مہاراشٹر

مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ

اندرا نگر، امبرناتھ روڈ، والدھونی کلیان، ضلع تھانے، مہاراشٹر

ازہری ہال

تاج الشریعہ لائبریری

ہوسٹل میں رہنے والے تمام طلبہ کی تعلیمی ضروریات مثلاً کتاب، کاپی، قلم، نیز علاج و معالجہ، طعام و قیام تمام تر ذمہ داریوں کی کفالت مدرسہ ہی کرتا ہے جب کہ عوامی، ہنگامی چندہ کے علاوہ جامعہ کے پاس کوئی پونجی نہیں مزید اس پر مدرسین کی تنخواہ کا بارِ گراں بھی ہے۔

لہٰذا! بڑھتے اخراجات کے پیشِ نظر دردمند اہلِ خیر حضرات سے گذارش ہے کہ جامعہ ہذا کی گرانقدر اور نمایاں خدمات دیکھ کر ترجیحی بنیاد پر کشادہ قلبی کے ساتھ تعاون کریں اور اس دینی و علمی قلعہ کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

AL JAMIATUL RIZVIA
Behind Desai Shoping Centre Bail Bazar Kalyan
Thane (Mh) Cont. 9322329875

MADRASA ISLAMIA YATEEM KHANA
Indra Nagar Ambarnath Road Waldhuni Kalyan
Thane (Mh) Cont. 9323737659
www.aljamiatulrizvia.com email.idjamia.rizvia.kyn@gmail.com

Design & Printed By: Islamic Publisher Delhi Ph.: 011-23284316

شرفِ انتساب

عالم اسلام کے دو عظیم روحانی پیشوا کے نام یعنے

تاجدارِ اقلیم روحانیت، مخزن کشف و کرامت، پیکر رشد و ہدایت، مرشدِ برحق

حضور سیدی مصطفےٰ رضا خاں قادری مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی نگاہِ ولایت اور نظرِ عنایت نے حضرت خواجہ کو علوم رضا اور فنون قدیمہ کا وارث و امین بنادیا۔

اور

چودھویں صدی ہجری کی عہد ساز شخصیت، ماہر ریاضی و ہیئت، محبوب بارگاہِ اعلیٰ حضرت سید شاہ ملک العلماء حضرت محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی صحبت کیمیا گر نے آپ کو علم و فن کے منصب زریں پر تخت نشیں کیا۔

خاکپائے امام علم و فن

احمد رضا احمد

تصحیح و تنقیح

مفتی مطیع الرحمن مضطر • مفتی حسن منظر قدیری • ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد

ہمدم و ہمقدم

مفتی مبشر رضا مصباحی • مولانا سید معین الدین رضوی

ڈاکٹر احمد حسین قادری پورنوی • مولانا جنید رضا رامپوری

پروف ریڈنگ

مولانا نثار احمد مصباحی • مولانا عبد الرزاق پیکر رضوی

مولانا محمد محبوب رضا قادری • مولانا محمد محب الرحمن رضوی

تزئین کار

مولوی محمد شمشاد عالم رضوی

کاتب

محمد سلمان رضا قادری

کمپوزنگ

مولوی ابو صالح رضوی • مولوی عبد القادر رضوی • مولوی غلام حسنین رضوی

مولوی آصف رضا رضوی • مولوی شمس اللقاء فیضی • مولوی وجہ القمر فیضی

متعلمین الجامعۃ الرضویہ کلیان

دارالعلوم نورالحق چرہ فیض آباد کی
مدینہ مسجد جہاں حضرت
امام علم وفن نماز ادافرماتے

دارالعلوم نورالحق چرہ جہاں
حضرت امام علم وفن نے
تدریسی زندگی کی تکمیل کی

دارالعلوم نورالحق چرہ حضرت
امام علم وفن کا حجرہ مبارک

بفضلِ روحانی:
تاجدارِ اقلیمِ ولایت سرکار مفتی اعظم ہند
حضور مصطفےٰ رضا خاں
علیہ الرحمۃ والرضوان

بیادگار
حضور محدث ملت حضرت حافظ و قاری ظفیر الدین رضوی علیہ الرحمہ

بفضلِ عاطفت:
ملک العلماء محبوبِ بارگاہِ اعلیٰ حضرت
مولانا محمد ظفر الدین بہاری
علیہ الرحمۃ والرضوان

سرزمین مہاراشٹر میں دینی، ملی، مذہبی اور مسلکی خدمات انجام
دینے والا منفرد ادارہ "الجامعۃ الرضویہ" کا علمی، ادبی، اور فکری ترجمان سہ ماہی "المختار" کا

امام علم و فن نمبر

مدیر اعلیٰ
محمد ادریس رضوی

بانی و نگراں
ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مولانا محمد مسعود رضا قادری

نائب مدیر
محمد احمد رضا احمد

ترسیل زر کا پتہ:

سہ ماہی المختار کلیان

مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ اندرا نگر امبرناتھ روڈ والدھونی کلیان ضلع تھانہ مہاراشٹر

پبلشر اینڈ پرنٹر محمد جہانگیر اشرف رضوی
نے بھارت پریس ممبئی سے طبع کرا کر آفس "المختار" مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ اندرا نگر والدھونی کلیان سے شائع کیا

ہندوستان کی عبقری اور ہمہ گیر شخصیت مظہر علوم اعلیٰ حضرت نائب ملک العلماء

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند خیر الاذکیاء استاذ مطلق حضرت علامہ

خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

کے حالات و کارنامے

پر مشتمل ایک حسین گلدستہ

امام علم و فن نمبر

ترتیب و تہذیب

احمد رضا احمد

باہتمام

مولانا محمد مسعود رضا قادری

مہتمم الجامعۃ الرضویہ، کلیان

مولانا محمد جہانگیر اشرف رضوی

الجامعۃ الرضویہ کلیان

ناظم مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ والدھونی، کلیان

صفحات	تعداد
816	2100

اشاعت	ہدیہ
۱۴۳۴ھ 2013	500

شرف انتساب

عالم اسلام کے دو عظیم روحانی پیشوا کے نام یعنے

تاجدار اقلیم روحانیت، مخزن کشف و کرامت، پیکر رشد و ہدایت، مرشد برحق

حضور سیدی مصطفےٰ رضا خاں قادری مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی نگاہِ ولایت اور نظرِ عنایت نے حضرت خواجہ کو علوم رضا اور فنون قدیمہ کا وارث و امین بنا دیا۔

اور

چودھویں صدی ہجری کی عہد ساز شخصیت، ماہر ریاضی و ہیئت، محبوب بارگاہِ اعلیٰ حضرت

سید شاہ ملک العلماء حضرت **محمد ظفر الدین بہاری** علیہ الرحمۃ والرضوان

جنکی صحبت کیمیا گر نے آپ کو علم و فن کے منصب زریں پر تخت نشیں کیا۔

خاکپائے امام علم و فن

احمد رضا احمد

سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کا مزار مبارک
جن کے فیوض و برکات نے آپ کو امام علم وفن بنادیا۔

اعلیٰ حضرت کے ولد الاعز حضرت ملک العلماء مولانا ظفرالدین رضوی بہاری
کا مزار مبارک جن کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو مظہر علوم اعلیٰ حضرت بنادیا

مزار پاک حضرت سید شاہ مخدوم
عصمت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بازیریا شریف
جہاں سے حضرت امام علم وفن کو قلبی لگاؤ تھا۔

مدرسہ قادریہ بدایوں شریف
جہاں امام علم وفن نے
چھ سال تدریسی خدمات انجام دیں

مدرسہ قادریہ بدایوں میں
امام علم وفن کی درسگاہ

الجامعۃ الرضویہ کلیان کا ازہری ہال
جہاں حضرت امام علم وفن کئی بار تشریف لائے
اور مدرسین، متعلمین واراکین
کو زرین مشوروں سے نوازا

حضرت امام علم وفن کی آخری آرامگاہ
سنگھیا باسی، ضلع پورنیہ (بہار)

حضرت خواجۂ علم وفن کی رہائش گاہ

جانشین امام علم وفن حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی
کی بستی پچھلا میں واقع
ان کا حجرۂ خاص جہاں کتابوں کا ذخیرہ ہے
اور اسی حجرے میں حضرت خواجہ صاحب قبلہ
قیام فرماتے تھے۔

عرس قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری میں دیا گیا ایوارڈ

سپاس نامہ

خواجہ مظفر حسین

غلام ربانی   غلام رسول   فیض ربانی   غلام علی

ہندوستان اور بنگال کے سرحدی علاقہ ضلع اتر دیناجپور میں واقع
جامعہ نوریہ شام پور رائے گنج

۱۲ر جون ۱۹۹۴ء کو منعقدہ مناظرہ میں کھلی فتح کے بعد مناظر اہلسنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی دام ظلہ نے ڈھائی ایکڑ وسیع وعریض زمین حاصل کر کے اپنے دادا پیر سید ابوالحسن احمد نوری و پیرو مرشد حضور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ سے منسوب جامعہ نوریہ قائم فرمایا۔ الحمدللہ! اب تک مکمل چہار دیواری اور ۱۶×۲۵ کے ۲۱ر کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ نصاب میں درس نظامی کے ساتھ ہندی، انگریزی، حساب، جغرافیہ اور سائنس لازمی طور سے شامل ہے۔ امسال سے حضرت مناظر اہل سنت یہیں مستقل قیام فرما رہے ہیں اور نگرانی کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری افتاء، قضاء اور مناظرہ کی ٹریننگ بھی دے رہے ہیں۔ اسی احاطہ میں الگ سے شعبہ نسواں بھی قائم ہے فی الحال دس معلمین چار معلمات ڈیڑھ سو بیرونی طلبہ ۹۰ر بیرونی طالبات اور تین طباخ مصروف عمل ہیں۔

حضرت امام علم وفن کے مکان کا برآمدہ. جہاں بیٹھ کر آپ نے سینکڑوں مسائل حل فرمائے

حضرت امام علم وفن کے مکان کا باہری حصہ

یہ ایوارڈ محمدیہ عربی کالج پورنیہ کی طرف سے آپ کو دیا گیا

عرس قاسمی مارہرہ شریف میں حضرت امین ملت کے ہاتھوں دیا گیا سپاس نامہ

ہدیہ سپاس

بموقع عرس قاسمی برکاتی ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علم الربع المجیب

علم الزیج

علم الافلاک

علم الابعاد

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عمل بالخطائین

علم نجوم

علم جفر

علم مساحت

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ہیئت

علمِ توقیت

علمِ ہندسہ

علمِ جبر ومقابلہ

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عِلمُ الید

عِلمُ القیافہ

عِلم جرِ اثقال

عِلم موسیقی

عِلم اصوات

عِلم اُکر

وہ علوم وفنون جن پہ متبحر علماء اعلیٰ حضرت العلامہ حسب ذیل ہیں
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علم الحروف

علم مناظر و مرایا

اعمال سیتینیہ

علم رمل

وہ علوم وفنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ہیئت

علمِ توقیت

علمِ ہندسہ

علمِ جبر و مقابلہ

وہ علوم و فنون جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم و فن
علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

علمِ ارثماطیقی

علمِ مثلّث مسطح

علمِ مثلّث کروی

علمِ لوگارثم

وہ علوم و فنون، جن پر مظہر علوم اعلیٰ حضرت امام علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

عِلمُ الاَعداد

عِلمُ الحِساب

عِلمُ التَکسیر

عِلمُ الاُسطرلاب

فہرست مشمولات

پہلا ——— باب

تاثرات مشائخ کرام

دوسرا باب

تاثرات: علماودانشوران

43 ___ 65

تیسرا باب

مشائخ واساتذہ

66 ___ 111

چوتھا ═══ باب

سیرت وسوانح

پانچواں ═══ باب

خصائل وفضائل

چھٹا باب

تدریس وتفہیم

ساتواں باب

فقہ وافتا

آٹھواں باب

مظہر علوم اعلیٰ حضرت

نواں باب

سائنسی وعصری علوم

دسواں ——— باب

تحقیق وتنقید

435 ——— 494

گیارہواں ——— باب

زبان وادب

495 ——— 529

باب بارہواں

جامع علوم وفنون

530 ـــــــ 574

باب تیرہواں

معروف تلامذہ

575 ـــــــ 609

چودھواں باب

جو آنکھوں نے دیکھا

610 ـــــــ 663

پندرھواں باب

غروب آفتاب

664 ـــــــ 688

سولہواں ——— باب

عربی ،انگریزی مقالات

689 ——— 717

سترہواں ——— باب

منظومات

718 ——— 744

اٹھارہواں باب

پیغامات و مکتوبات

انیسواں ——— باب

اخباری تراشے

759 ——— 779

پٹنہ ——— روزنامہ انقلاب روزنامہ پندار روزنامہ قومی تنظیم روزنامہ فاروقی تنظیم روزنامہ سہارا

ہندی اخبارات ہندوستان دینک جاگرن (پورنیہ) پربھات خبر

ممبئی ——— روزنامہ اردو ٹائمز روزنامہ سہارا روزنامہ انقلاب

دہلی ——— روزنامہ انقلاب سیاسی تقدیر عزیز الہند راشٹریہ سہارا جدید خبر

ہمارا سماج روزنامہ صحافت ہندوستان ایکسپریس

کلکتہ ——— روزنامہ سہارا اخبار مشرق

لکھنو ——— روزنامہ انقلاب راشٹریہ سہارا

حیدر آباد ——— روزنامہ اعتماد روزنامہ منصف

بیسواں ——— باب

عکوس ونوادرات

780 ——— 796

سند خصوصی ؍ عطا کردہ سرکار مفتی اعظم ہند

سپاس نامہ ؍ حضرت امین میاں صاحب قبلہ

سپاس نامہ ؍ حضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ

قائد اہل سنت ایوارڈ

عمدۃ العقلا خطاب

امام علم وفن کی تحریریں

اداریہ

اداریہ

ہندوستان کی سرزمین صدیوں سے علم وفکر کا گہوارہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔ یہی سرزمین ہے جسے صوفیہ نے اپنا مسکن بنایا، اسی زمین کی نمی نے تصوف کے نمو کے لئے سازگار فضا فراہم کی، علم حدیث کی اشاعت کے دروازے کے ،فقہ حنفی کے ارتقا کے لئے اسی سرزمین نے اپنا سینہ کشادہ کیا، اسی سرزمین نے علم وادب کے گنج ہائے گرانمایہ پیدا کئے ،اور حضرت امام غزالی اور علامہ ابن ہمام جیسے ماہر علوم وفنون کے بعد امام احمد رضا جیسی نابغہ روزگار اور جامع علوم وفنون شخصیت ہمیں دی۔

امام احمد رضا علم وآگہی کی اس جامع شخصیت کا نام ہے جنہیں کسی نے عبقری الشرق کہا تو کسی نے نابغۂ روزگار۔ کسی نے تہافۃ الفلاسفہ کہا تو کسی نے معجزہ رسول۔ کسی نے امیر المومنین فی الحدیث کہا تو کسی نے امام المفسرین، کسی نے ثانی ابو حنیفہ کہا تو کسی نے خسروئے ثانی، کسی نے عاشق رسول کہا تو کسی نے قطب الاقطاب، کسی نے امام الکلام کہا تو کسی نے اپنے عہد کا آئن اسٹائن ------- یعنی ایک شخصیت اور ان گنت پہلو ------- قدرت نے آپ کے اندر علم، عشق اور ادب کا وہ جوہر رکھ دیا تھا کہ آپ ہر صفات کا مجموعہ ہر خوبی کے جامع اور ہر فن کے ماہر تسلیم کئے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ ملک وبیرون ملک سے علما اور دانشوران تحصیل علم اور اکتساب فیض کے لئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے، کیا عرب کیا عجم ۔کیا برما اور کیا افریقہ --------- آپ ہی کی بارگاہ نے حضرت مولانا شاہ حامد رضا کو حجۃ الاسلام، حضرت مولانا شاہ ظفر الدین رضوی کو ملک العلما حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا کو مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ امجد علی کو صدر الشریعہ، حضرت مولانا نعیم شاہ الدین مرادآبادی کو صدر الافاضل اور حضرت مولانا شاہ عبد العلیم رضوی کو مبلغ اسلام بنایا گویا ایک ذات کی صفات کئی شخصیات میں منتقل ہوگئیں اور سب آپ کی برکتوں سے آسمان علم وفضل پہ آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔

ان میں حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کی وہ شخصیت ہے جن کے حصے میں فقہ وادب کے ساتھ امام احمد رضا کے علوم جدیدہ کا وافر حصہ آیا چنانچہ............ جیسے علوم وفنون کے آپ تنہا وارث تھے کوئی دوسرا ... آپ کا

شریک وسہیم نہیں تھا اپنے عہد میں ''مظہر علوم اعلیٰ حضرت'' کی حیثیت سے آپ کی شخصیت مسلم الثبوت تھی۔آپ نے ان علوم وفنون کو اپنے استاذ اعلیٰ حضرت کی امانت سمجھ کر اپنے تلامذہ میں منتقل کرنا چاہا تو حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا دل، دماغ، سینہ سب اس کے لئے موزوں پاکر یہ امانتیں ان کی طرف منتقل فرمادیں اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں امام علم وفن آسمان علم وحکمت پہ ''مظہر علوم اعلیٰ حضرت'' کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا جس کی تابانی نے ایک جہاں کو منور وتابناک کردیا۔اس روشنی نے بہت سی درس گاہیں آباد کیں، بہت سے خانوادے روشن کئے، بہت سی خانقاہیں زندہ کیں اور بہت سے گمناموں کو شہرت اور بہت سے بے زبانوں کو زبان کا سلیقہ بخشا۔بلا شبہ ان کی ذات میں ہزار ہا شخصیتیں پوشیدہ تھیں ۔ان کے کردار میں جماعتی زندگی کا راز مضمر تھا ان کی تحریروں میں تعمیر شخصیت کے جوہر پنہاں تھے۔ان کی صحبت کیمیا اثر نے:............ع

چاہنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

کے مصداق بہت سے افراد کو مناظر، متکلم، صحافی، مدرس، مبصر، ناقد، محقق اور صاحب کردار ووضع دار بنایا۔افسوس ہے وہ آفتاب علم وفن ۷۸ ؍سالہ دور مکمل کر کے ۲۱؍ ویں صدی کے اوائل میں روپوش ہوگیا، اور اس کے ساتھ ہی علم کا ایک دبستاں بند ہوگیا، اب ہر طرف ''ویران میکدہ ہے خم وساغر اداس ہیں'' کا منظر ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے فروغ رضویات اور تفہیم فکر رضا پر جو تحقیقات پیش کیں وہ انہیں کا حصہ تھا جو موضوع اوروں کے لئے چیستاں ہوتا آپ کی مشکل پسند طبیعت اسے حل کرتی، جو مسئلہ لاینحل ہوتا اس کے لئے آپ ہی حل المشکلات ثابت ہوتے۔امام احمد رضا کے علوم جدیدہ سے متعلق رسائل کا مسودہ جسے کوئی ہاتھ نہ لگاتا اسے آپ سبقا سبقا پڑھاتے۔

جماعت اہل سنت کا ہر فرد جماعت کے اس مضبوط ستون کے ٹوٹ جانے سے غمزدہ اور اداس ہے۔اسے اپنے اس عظیم نقصان کا احساس ہے۔انہیں زخمی احساس کے شکاروں میں ان کے تلامذہ بھی ہیں اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ بھی ،جنہیں حضرت حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت وخدمات کو منظر عام پہ لانے کا شوق ان کی زندگی میں بھی تھا اور ان کی رحلت کے بعد اب یہ شوق ان کے فرائض کا حصہ بن گیا ہے: ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سہ ماہی المختار، کلیان کا یہ ''امام علم وفن نمبر'' انہیں دردمند دلوں کی پکار، ان کے جذبات کا ترجمان، ان کے فرائض کا آئینہ اور ایک علمی وروحانی شخصیت کی بارگاہ میں مخلصانہ خراج۔اس کی ترتیب کا کام کوئی ۱۵؍ماہ پیشتر شروع ہوا مگر امام علم وفن کی شخصیت وکارنامے کا کام اور مہینوں میں سمٹ جائے ایسا کہاں ممکن تھا؟ اس مرحلہ شوق وسعادت کے آغاز سے اتمام تک ہمیں یہی محسوس ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ہمارے کیا؟ کسی کے بھی بس میں

نہیں ہے۔ ظاہر ہے جو ذات '' مظہر علوم اعلیٰ حضرت '' ہو اس کی علمی شان '' ہر لمحہ نیا طور نئی برق تجلی '' کی ہی ہوگی، اور یہ پھیلنے کے لئے ہوتی ہے سمٹنے کے لئے نہیں۔ اسی لئے اس نمبر کے حوالے سے ہمارا یہ ادعا بھی نہیں کہ اس میں '' امام علم وفن '' کی شخصیت سے وابستہ تمام علمی فنی اخلاقی وروحانی پہلوؤں کا احاطہ کرلیا گیا ہے ہاں اتنا ہے کہ ان اوراق سے حضرت امام علم وفن کی جو شخصیت سامنے آتی ہے وہ یقینا نمایاں، ممتاز اور ستاروں میں ماہتاب کی مثل ہے۔

یہ نمبر ۲۰/ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب **تاثرات مشائخ کرام** کے لئے وقف ہے۔ دوسرے باب میں **علما و دانشور** حضرات کے تاثرات شامل ہیں۔ تیسرا باب حضرت خواجہ صاحب کے **مشائخ و اساتذہ** کیلئے مختص ہے۔ چوتھا باب آپ کی **سیرت و سوانح** کا آئینہ دار ہے۔ پانچواں باب آپ کے **خصائل و فضائل** کی عکاسی کرتا ہے۔ چھٹا باب آپ کی **تدریسی و تفہیمی خصوصیات** کا مظہر ہے۔ ساتواں باب **فقہ وافتا** کے حوالہ سے آپ کی مہارت کا غماز ہے۔ آٹھواں باب آپ کے **مظہر علوم اعلیٰ حضرت** ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ نواں باب **سائنسی و عصری علوم** میں آپ کی یکتائی کا خطیب ہے۔ دسواں باب **تحقیق و تنقید** میں آپ کی شان امتیاز کا نقیب ہے۔ گیارہواں باب **زبان و ادب** پہ آپ کی ماہرانہ قدرت کو واضح کرتا ہے۔ بارہواں باب آپ کے **جامع علوم فنون** ہونے کے شواہد پیش کرتا ہے۔ تیرہواں باب **معروف تلامذہ** کی سیرت وخدمات میں آپ کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ چودہواں باب '' **جو آنکھوں نے دیکھا** '' ان کے تلامذہ و حاضر باشوں نے انہیں ویسا پیش کیا ہے جیسا دیکھا ہے۔ پندرہواں باب **غروب آفتاب** کا رقت انگیز منظر پیش کرتا ہے۔ سولہواں باب **عربی انگلش اور بنگلہ زبان** کے توسط سے آپ کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ سترہواں باب امام علم وفن کی بارگاہ میں **منظوم خراج عقیدت** ہے۔ اٹھارہواں باب اس '' امام علم وفن نمبر '' شائع کرنے پر المختار کے سرپرست،، مدیر، اور نائب مدیر کے نام دردمند دلوں کے تشکر آمیز، حوصلہ افزا اور تاثراتی **پیغامات و مکتوبات** ہیں۔ انیسواں باب **اخباری تراشے** کے نام سے ہے جس میں حضرت خواجہ صاحب کی رحلت پہ اخبارات میں شائع ہونے والے تاثرات شامل ہیں اور بیسواں باب آپ کی شخصیت سے وابستہ مختلف **نوادرات کے عکوس** سے لبریز ہیں۔

یہ بیس ابواب پر مشتمل امام علم وفن نمبر کے متنی اشاریے ہیں جس کی تفصیل قارئین اندرون صفحات ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام ابواب میں ملک کے نامور علماء مشائخ، اساتذہ، دانشور شعرا، ادبا، محققین، مصنفین، صحافی اور مختلف اداروں کے ذمہ داروں کی تحریریں شامل ہیں ان میں بعض تحریریں ان حضرات کی بھی ہیں جنہوں نے صلاحیت رکھ کر بھی اس سے قبل کبھی مضمون نہیں لکھا مگر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی محبت ووارفتگی نے ان سے قلم برداشتہ کچھ لکھوا لیا [illegible]

خواجہ صاحب کے علم وفن کا زور نہ سہی، ان کی زندگی کے وہ پر کیف لمحات ضرور محفوظ ہو گئے ہیں جنہیں ان کے تلامذہ اور حاضر باشوں کے علاوہ شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ بعض مقالات ومضامین بڑے معیاری اور وقیع ہیں۔ صاحب تحریر نے یقیناً انہیں بڑی محنت وعرق ریزی سے لکھا ہے انشاء اللہ یہ تحریریں الگ سے کتابی شکل میں شائع کی جائیں گی۔ ان تمام تحریرات کی روشنی میں حضرت امام علم وفن کی شخصیت، جس شان یکتائی وزیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے وہ یہ ہے

امام علم وفن اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کے مظہر ہیں -------علوم اعلیٰ حضرت کے وارث ہیں------- مسلک اعلیٰ حضرت کے وفادار اور اس کی آبرو ہیں---------استاذ العلما ہیں-------فکروفن کے تاجور ہیں-------فکروفن کے ہمالہ اور یکتائے روزگار ہیں-------بے نظیر محقق ہیں-------عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں-------مفتی اعظم ہند کی کرامت ہیں-------عظمت وتواضع کا مادہ اجتماع ہیں---------جامع کمالات ہیں---------مفتی اعظم کی نوری کرن ہیں----------اخلاق ومروت کے گلشن بے خار ہیں-------دنیائے تدریس کے بے تاج بادشاہ اور تفہیم کے تاجور ہیں-------فقہی بصیرت کے حامل اور فقیہہ باکمال ہیں-------پورے فتاویٰ رضویہ کی تفہیم کے تنہا مالک ہیں--------اعلیٰ حضرت کے علمی جانشین اور عرفان رضا کے امین ہیں-------عصری علوم میں منفرد اور حکمت ودانائی کے مظہر اتم ہیں-------تحقیق وتنقید اور اسلوب تحقیق وتنقید میں بے نظیر ہیں -------زبان وادب کے سلطان اور علم وفن کے گلستاں ہیں--------مربی ومشفق استاذ ہیں۔

المختار کا یہ ''امام علم وفن نمبر'' حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی حیات وخدمات پہ شائع ہونے والا پہلا نمبر ہے۔ ہم نے اسے آغاز سے تکمیل تک پہنچانے میں جن مشقتوں کا سامنا کیا ہے اس کی امید کسی صاحب جنوں سے ہی ہو سکتی ہے اور بس۔ اک جذبہ جنوں تھا جو ہمیں کشاں کشاں در در لئے پھر رہا تھا اور ہم احرام شوق باندھے حریم مقصود کے طواف اور مراد ومواد کی سعی میں پروانہ وار دوڑ رہے تھے اسی سعی سعید کے دوران فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے ہمارے سروں پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیا اور ہماری منزل آسان فرما دی۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اس نمبر کے لئے جس محبت ووفائیت کا مظاہرہ فرمایا اس عہد میں کسی اور سے یہ متصور نہیں، اپنی علمی اور سفری مصروفیات کے باوجود انہوں نے اپنے سارے پروگرام منسوخ فرما کر اس کام کے لئے مختلف مقامات کا سفر کیا، دانشوروں سے رابطے کئے، ملاقاتیں کیں اور کام کو منظم کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنے عزیز ترین شاگرد حضرت ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجدؔ کو حکم دے کر اس کار سعادت میں شریک ہی نہیں کیا بلکہ اصل بوجھ ان ہی کے ماتھے پہ ڈال دیا، جسے انہوں نے گویا عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ خدانخواستہ وہ ہمیں نہ ملتے تو شاید یہ عظیم نمبر اپنے وقت موعود پر ہم قارئین کی خدمت میں پیش نہ کر پاتے، جس کے لئے شکریہ کے رسمی الفاظ لکھ کر دکھاوے کی رسم ادا کرنا نہیں چاہتے اس کا صلہ تو

انہیں ''امام علم و فن'' کے علمی فیوض و برکات کی صورت میں ملے گا، انشاء اللہ!۔

بہر حال شب و روز کی محنت و مشقت، سعی بلیغ اور جہد مسلسل کے بعد یہ نمبر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کے عرس پر اور پٹنہ میں منعقدہ ''امام علم و فن کانفرنس'' کے موقع پر منظر عام پہ آرہا ہے۔ موضوع مواد اور پیش کش کے اعتبار سے یقینا تاریخی اور وقیع ہے تاہم یہ نمبر اس معیار کا نہیں ہے جیسا حضرت فقیہ النفس نے خاکہ کھینچا تھا۔ انہوں نے بڑی باریک سے سارے مقالات و مضامین پر نظر ثانی فرمائی، ہمیں ہدایات دیں اور ہم نے اس کے مطابق کام کیا، مگر مفتی صاحب ہدایات کے مطابق قلت وقت کے باعث بعض مضامین تصحیح سے رہ گئے اس لئے اس تعلق سے یقیناً کمی ہے۔ جس کے لئے حضرت مفتی صاحب اور قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ قارئین بصد ذوق و شوق اس کا مطالعہ فرمائیں، حضرت خو صاحب کے فیضان سے مالا مال ہوں اور یہ نمبر کیسا لگا ضرور لکھیں۔

☆☆☆☆

ھدیہ تشکر

[illegible] الجامعۃ الرضویہ، کلیان

بہار کی مٹی بڑی زرخیز ہے۔ اس نے ہر دور میں ہر شعبۂ حیات کو بھی شخصیتیں عطا کی ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور جن کے اندر حق گوئی کا حوصلہ ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے۔ ہمارے ممدوح امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی بہار کی زرخیز مٹی کی پیداوار تھے جن کے قدموں میں ملک کے طول و عرض سے تشنگان علم سمٹ کر آئے اور سیراب و شادکام ہو کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔

حضرت خواجہ صاحب جماعت اہل سنت کے ممتاز اور بعض اعتبارات سے منفرد عالم دین تھے۔ ان کے معاصرین میں من کل الوجوہ کوئی ان کا مماثل و ہمسر نہیں تھا جو یہ کہ ان کی علمی خدمت اور سادگی پسند طبیعت نے انہیں علماء، طلبہ و عوام تمام حلقوں میں مقبول بنایا تھا۔ سرکار مفتی اعظم ہند سے بیعت و خلافت نے ان کی شخصیت میں بھی معرفت و روحانیت کو روشن کر دیا تھا۔ دنیا نے ان کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھا کہ علم کا یہ کوہ ہمالہ معرفت و للہیت اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی کتنا عظیم ہے۔ ان کی خدمات کا حق تھا کہ ان کی زندگی ہی میں ان کے شایان شان ایک علمی مذاکرہ کا اہتمام ہوتا جس میں شائع ہوں اور دنیا پر ان کے "مظہر علوم اعلیٰ حضرت" ہونے کے شواہد و حقائق روشن ہو جائیں۔

سن ۲۰۱۳ء کی ایک شام "الجامعۃ الرضویہ" کلیان کے صحن میں گفتگو کے دوران امام علم و فن کا تذکرہ نکل آیا۔ ان کی سیرت کے دلنشیں پہلو زیر گفتگو آئے۔ مظہر علوم اعلیٰ حضرت ہونے کی دلیلیں دی جانے لگیں۔ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند سے والہانہ محبت کا ذکر چھڑ گیا۔ گویا یہ شام حضرت امام علم و فن کے نام منسوب ہو گئی اور اسی وقت ہم نے ان کے حضور ایک علمی گلدستہ نذر کرنے کا خیال دل میں جما دیا اور اس طرح "الجامعۃ الرضویہ" کلیان کا ترجمان سہ ماہی المختار کا یہ "امام علم و فن نمبر" منظر عام پر آ گیا۔

اس نمبر میں حضرت خواجہ علم و فن کے کون کون سے گوشے سامنے آئے؟ ان کے معاصر ہاتھوں نے انہیں کیسا پایا؟ تلامذہ نے ان کی تدریسی صفات کس طرح بیان کیں؟ اخلاق و اخلاص، استغنا، روحانیت اور خرد نوازی کا کیسا نقشہ کھینچا گیا؟ اور ان کے مظہر علوم اعلیٰ حضرت ہونے کے شواہد کس حد تک پیش ہوئے؟ نمبر کے مطالعہ کے بعد قارئین خود ہی محسوس کر لیں گے۔ ہم تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی بارگاہ میں محبتوں کا یہ خراج ہم قطعی پیش نہیں کر پاتے اگر ہمیں ہمارے مدرسین

بالخصوص مولانا احمد رضا احمد اور عزیزم حافظ شمساد سلمہ کا مخلصانہ ایثار وتعاون اور سب سے بڑھ کر فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، ادیب شہیر حضرت مفتی منظر حسین قدیری اور محقق رضویات ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد اور ادیب لبیب مولانا ادریس رضوی کی معاونت ورفاقت حاصل نہ ہوئی ہوتی۔ ہمارے مدرسین نے مقالات ومضامین کی حصول یابی سے لے کر کمپوزنگ اور ترتیب واشاعت تک کے مراحل طے کرنے کے لئے کلیان سے لے کر بریلی شریف، دہلی، پٹنہ پورنیہ، شام پور رائے گنج فیض آباد تک سفر کیا، صعوبتیں برداشت کیں اور خندہ پیشانی سے ہر کٹھن گھڑی کا عبادت سمجھ کر استقبال کیا تو ہماری جماعت کی ان عظیم شخصیات نے اپنا آرام تج کر، اپنی ضروریات سے صرف نظر فرما کر بلکہ صعوبتوں کو برداشت کر کے اس نمبر کو اصلاح وتصحیح اور ترتیب وتہذیب کی منزل سے گزار کر ایک حسین گل دستہ کی شکل میں پیش کرنے کے قابل بنا دیا۔ خدائے تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

ان کاموں کے درمیان کبھی ہمارا مدرسہ علما کا مہمان خانہ بنا کبھی جامعہ نوریہ رائے گنج میں ہم نے ڈیرے ڈالے کبھی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ نے ہمارا استقبال کیا تو کبھی القلم فاؤنڈیشن میں ہم نے اپنا بستر جمایا۔ یہ ساری وہ جگہیں ہیں جس نے ہمارے نمبر میں معیار واعتبار کا رنگ بھرا۔ خدائے تعالیٰ ان تمام ادارے کو حادثات زمانہ سے محفوظ رکھے

اس نمبر کو منظر عام پہ لاتے ہوئے مسرت کے ساتھ ایک خلش سی بھی محسوس ہو رہی ہے کہ ہمیں یہ نمبر حضرت خواجہ علم وفن کی حیات مبارکہ میں ان کے روبرو منظر عام پہ لانا تھا ساری تیاریاں اسی اعتبار سے کئی ماہ پیشتر سے ہو رہی تھیں مگر افسوس کہ ۲۰ر اکتوبر (۲۰۱۳) کو علم وفن کا یہ آفتاب غروب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ہماری ناتمام حسرتوں کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ ہم اپنی آرزوؤں کے مطابق ان کی بارگاہ میں خراج نہیں پیش کر سکے۔ اگر یہ نمبر ان کی حیات مبارکہ میں آیا ہوتا تو اس کی شان دوسری ہوتی اور ہماری خوشی بھی دوبالا ہوتی، مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ------- اب حضرت کے عرس چہلم کے موقع سے یہ نمبر اس یقین کے ساتھ ہم ان کی بارگاہ میں نذر کر رہے ہیں کہ اسے وہ قبول فرما کر ہماری نگاہ میں ہمیں مکرم بنا دیں گے

اخیر میں ایک بار پھر ہم اپنے کرم فرما حضرات بالخصوص فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، ادیب شہیر حضرت مفتی منظر حسین قدیری اور محقق رضویات ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد اور ادیب لبیب مولانا ادریس رضوی، مولانا غلام رسول بلیاوی مہتمم ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ، مولانا احمر رضوی ابن حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی اور ان تمامی حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے کسی طرح بھی اس نمبر کو سجانے سنوارنے میں ہمارا تعاون کیا خدائے تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کے صدقے ان تمام کو عرفان خواجہ عطا فرمائے اور انہیں دونوں جہاں میں شاد کام رکھے آمین۔

☆☆☆☆☆

احوال واقعی

احمد رضا احمد: مدیر سہ ماہی المختار کلیان

حسین صورت، نفیس طبیعت، پاک طینت، شاہین صفت، عقابی فطرت، متناسب جسامت، گورا گندمی رنگ، نور بھری کشادہ پیشانی، سرگیں آنکھیں، گھنی محراب دار بھویں، گلابی رخسار، خاص قسم کی بارونق داڑھی، موزوں لب، چمکدار دندان، خمیدہ ٹھوڑی، کشادہ سینہ۔ حل المشکلات، کنز النوادرات، مخزن المعلومات، کشف المغلقات، ماہر زیجات و ریاضیات، واقف علم نجوم وفلکیات، جامع معقولات ومنقولات، مظہر علوم اعلیٰ حضرت، خیر الاذکیا، استاذ مطلق، میخانۂ نوری کے بادہ خوار، اخلاق محبت کے علمبردار، نابغۂ روزگار---------ان تمام اوصاف حمیدہ، خصائل جمیلہ اور القابات جلیلہ کے امتزاج سے جو خوبصورت تصویر سطح ذہن پر منعکس ہو اسی کا نام جہان علم وادب میں ''امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی'' علیہ الرحمۃ ہے۔ یعنی ع

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھایئے

یہ کچھ ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ میرے پدر بزرگوار معین ملت مولانا معین الدین علیہ الرحمۃ نے مجھے ابتدائی تعلیم وتربیت سے آراستہ فرما کر تکمیل تعلیم اور تحصیل سند کے لئے امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی بارگاہ خرد نواز میں روانہ فرمایا۔ تقریباً پانچ رچھ سال اس بحر علم وفن میں غوطہ زنی کی، اوران کے چشمۂ شیریں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی، پھر دھیرے دھیرے.........ع ان کے رندوں میں میرا بھی نام آگیا

۲۰۰۰ء میں خلعت ودستار سے بہرہ مند ہو کر تلاش معاش اور دینی خدمات کے لئے عروس البلاد ممبئی وارد ہوا۔ چند شناساؤں کی وساطت سے ''الجامعۃ الرضویہ'' کلیان کے مہتمم اعلیٰ مولانا مسعود رضا قادری اور ناظم اعلیٰ مولانا جہانگیر اشرف رضوی سے ملاقات ہوئی۔ رسمی گفتگو کے بعد بحیثیت مدرس میری تقرری عمل میں آئی، اس وقت یہ ادارہ آب وگل کے مراحل سے گزر رہا تھا، آج الحمد للہ! مہاراشٹر کی عظیم تعلیم گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ دینی، عصری تعلیم کے ساتھ تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ اور ادب وصحافت کے میدان میں بھی اس جامعہ نے گران قدر خدمات انجام دی ہیں اور یہ عمل ہنوز مسلسل ہے۔

مولانا مسعود رضا قادری اور ان کے دست وباز و مولانا جہانگیر اشرف رضوی ''دو جسم ایک قالب'' ہیں اور دونوں دینی ملی اور مسلکی خدمات کے لئے کافی مخلص اور جذباتی ہیں۔ علم دوستی، علماء نوازی، احقاق حق اور اشاعت فکر رضا ان کا محبوب شیوہ

ہے۔اس کے لئے وہ نہ دشوار گزار راہوں کی پرواکرتے ہیں نہ راستے کی کٹھنائیاں ان کے قدموں کی زنجیریں بنتی ہیں۔وہ

گذر جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
مجھے دشواریوں میں اشک برسانا نہیں آتا

کا ترانہ گاتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔ان کے اسی جذبہ جنوں نے حضرت امام علم وفن کی حیات ہی میں ان کی شخصیت وکارنامے پر"المختار" ممبئی کا"امام علم وفن نمبر نکالنے کا ارادہ کیا اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے کوہ پیا حوصلے نے ہی یہ کارنامہ انجام دے دیا۔

"آج سے تقریباً پندرہ مہینہ پیشتر مفتی حسن منظر قدیری، مولانا مسعود رضا قادری، مولانا جہانگیر اشرف رضوی اور" الجامعۃ الرضویہ" کے دیگر مدرسین بعد نماز عصر چائے نوشی پہ بیٹھے تھے، استاذ مکرم حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کی تدریسی، تحریری، تحقیقی اور سائنسی خدمات کا تذکرہ آ گیا، کہ اچانک مولانا مسعود رضا قادری نے پرجوش انداز میں کہہ ڈالا" حضرت امام علم وفن کے حیات وخدمات پر" سہ ماہی المختار" کا نمبر نکالا جائے۔"

محفل میں موجود بھی علم دوست حضرات نے ان کی آواز ملا کر ارادے کو اور مستحکم کر دیا، لیکن اب سب سے کٹھن معاملہ، اس منصوبہ کی انجام دہی کا تھا۔حضرت کا شاگرد سمجھ کر سبھوں نے یہ ذمہ داری میرے سر سونپ دی۔میں نے اولاً تو اپنی کم علمی، بے بضاعتی اور ارباب علم وادب سے عدم رابطگی کے سبب معذرت چاہی مگر مولانا مسعود رضا قادری اور دیگر احباب کے اصرار پیہم پر"نذر شہ" کے طور پر یہ ذمہ داری قبول کرنی پڑی۔

اپنے علم دوست احباب کی مدد سے پہلے اس نمبر کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا پھر اہل فکر وقلم کی بارگاہوں میں حاضری لگائی اور اپنا منصوبہ وخاکہ پیش کیا، قلمی تعاون کی درخواست کی، دہائی دی کہ حضرت خواجہ صاحب کا ہم پر حق ہے ان کی شخصیت وخدمات کے حوالے سے یہ کام ہونا چاہئے۔پہلے پہل قلمکاروں نے اس اقدام کی بڑی ستائش کی، اور مضامین کی فراہمی کا وعدہ کیا لیکن کہتے ہیں کہ سیر چمن کی خواہش ہو تو پھولوں کی خوشبو کے ساتھ کانٹوں کی چبھن بھی سہنا پڑتی ہے، ایسا ہی کچھ تلخ تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب چند بزعم خویش "امرائے قلم" نے اپنی محنت سے قبل ہی اجرت کا مطالبہ کر ڈالا:

مجھے شکوہ ہے اک بیدادگر سے
اب اس میں آپ ہوں یا آسماں ہو

یہ المیہ بھی دھڑکتے دل کے ساتھ پڑھنے کا ہے کہ جوں ہی "امام علم وفن نمبر" کا اعلان شائع ہوا کچھ چہرے عرق آلود ہو گئے، پیشانیوں پر ناگواری کی لکیریں نمودار ہو گئیں اور، مختلف طریقوں سے ہماری حوصلہ شکنی کی کوشش کی گئی، مگر ہم نے باد مخالف کی پرواکئے بغیر منزل مقصود کو اپنا ہدف بنایا.......ع

گلوں سے ان کو کیا ہوگی محبت
جنہیں نفرت ہو کانٹوں کی چبھن سے

بہر حال یہ خاکہ تیار ہوا، عناوین مقرر ہوئے، مختلف ذرائع سے اہل قلم قرطاس تک اسے پہنچایا۔ چند مخصوص عناوین مخصوص قلم کاروں کے لئے مختص کیے گئے۔ بعضوں نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور بعضوں نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ امام علم وفن سے متعلق اس علمی عنوان پر خامہ فرسائی کے ہم اہل ہی نہیں، بس چند مذاکرے اور علمی مجالس کی روداد قلمبند کر سکتے ہیں اور کچھ حضرات نے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کی کہ اس علمی شخصیت پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے۔ خیر راقم نے رابطے کا سلسلہ دراز رکھا اور کوشش بھر ان تمام حضرات تک پہنچا جو خاکہ کے مطابق مقالات ومضامین لکھنے کے اہل بھی تھے اور جن سے امیدیں بھی تھیں۔

اس مرحلہ عشق کو طے کرنے کے بعد تقاضۂ مضامین کا مرحلہ آیا، یہاں بھی یاران میکدہ نے قطرۂ خوں تک نچوڑنے کی پوری کوشش کی۔ پیہم فون، گزارش اور تقاضے کا حاصل مصروفیات کا بہانہ تھا اور بس۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس موضوع پہ لکھنے کے لئے انہیں اپنے اندر کے انسان سے جنگ کرنی پڑ رہی ہو یا پھر ان کے قلم کی روشنائی خشک ہوگئی ہو۔ ان میں سے کچھ تو وہ تھے جنہوں نے امام علم وفن کے شجر سایہ دار کے چھاؤں میں تربیت پائی، خواجہ علم وفن کے خوان کرم سے حصہ پایا، شب وروز استفادہ واکتساب کیا اور آپ کی انگلیاں پکڑ کر بلند مراتب پر پہنچے، مگر اب جب کہ استاذ کی بارگاہ میں محبتوں کا خراج پیش کرنے کا موقع آیا تو پہلوتہی کرنے لگے، اعتراف حقیقت میں چند سطور لکھنے کی توفیق نہ ملی اور وعدوں پہ وعدہ کر کے آخر میں عدیم الفرصتی کا عذر نامعقول پیش کر لیا، گویا ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

کچھ مخلصین نے مضامین بھیجے تو کچھ قلمی تاجروں اور پیشہ ور مصنفوں نے انہیں غصب کر لئے اور میری پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ ایسے ناmساعد حالات اور حوصلہ شکن لمحات میں دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر ہونا فطری تقاضہ تھا، مگر میں بہت احسان مند ہوں اپنے دو محسن اور بزرگ کرم فرما مناظر اعظم فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر ادیب شہیر حضرت مفتی حسن منظر قدیری دامت برکاتہما العالیہ کا، جنہوں نے حوصلہ شکن حالات میں نہ صرف پشت پناہی فرمائی بلکہ قدم قدم پر ساتھ دیا جہاں میری رسائی دم توڑتی یہ دونوں مقدس شخصیات سہارا بن کر کھڑی ہو جاتیں اور میں تازہ دم ہو جاتا، بسا اوقات مناظر اہلسنت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ نے بذات خود فون کے ذریعے بہت سے افراد سے رابطے کئے اور مختلف عنوانات دیکر مضامین لکھوائے، پھر الجامعۃ الرضویہ (کلیان) کے طالب علم مولوی ابو صالح، مولوی عبد القادر، مولوی غلام حسنین، مولوی وجہ القمر، مولوی شمس اللقا اور مولوی آصف نے فارغ اوقات میں کمپوزنگ کی قاری شمشاد عالم رضوی اور قاری سلمان رضا نے محنت ومشقت کے ساتھ تزئین اور سیٹنگ کا فریضہ انجام دیا، مولانا محبوب رضا ومولانا محب الرحمٰن نے خوش دلی

کے ساتھ پروف ریڈنگ فرمائی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان مقالات مضامین میں کچھ ایسے بھی تھے جو محض حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی محبت اور ان سے والہانہ جذبات کی رو میں لکھے گئے تھے پہلے سے مضمون لکھنے کا کوئی تجربہ انہیں نہیں تھا جس کا اثر ہر صفحہ سے نمایاں تھا مگر ان مضامین میں حضرت خواجہ صاحب کی شخصیت کے حوالہ سے بہت کچھ تھا اس لئے اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔اس صورت حال کے سبب ضرورت تھی کہ ان تمام مقالات ومضامین اور منظومات کی نظر ثانی کرالی جائے۔چنانچہ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر ادیب شہیر حضرت مفتی حسن منظر قدیری کے ساتھ اب ڈاکٹر امجد رضا امجد چیف ایڈیٹر "رضا بک ریویو" پٹنہ کی خدمات حاصل کی گئیں کلیان کا شہران کا مہمان خانہ بنا اور مسلسل ہفتہ روز ان حضرات نے بڑی باریک بینی سے تمام موصولہ مضامین ومقالات کا مطالعہ فرما کر اسے منظر عام پہ لانے کے قابل بنایا۔جزاہم اللہ خیرا الجزا

اسی نشست میں مزید کچھ ضروری عناوین کا انتخاب ہوااور مختلف دانشوروں سے مضامین لکھوانے کی نئی کوشش شروع ہوئی۔اس حوالہ سے فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی اور ڈاکٹر امجد رضا امجد نے جو محنتیں کیں وہ نا قابل فراموش بھی ہیں اور شکریہ کے رسمی الفاظ سے ماورا بھی۔ان نئے مقالات ومضامین کی وصولیابی کے بعد جو تقریبا دوسوصفحات پر مشتمل تھے ،ایک بار پھر اس پہ نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی گئی اور مفتی صاحب قبلہ کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ نوریہ،شام پور (رائے گنج) اور رضویات پہ علمی واشاعتی کام کرنے والا ادارہ "القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ ہم لوگوں کا تحقیقی مرکز بنا اس طرح یہ کام مختلف مراحل سے گزرتا ہوا پایہ تکمیل کو پہنچا۔سچ ہے کہ اگر ان حضرات نے اس طرف توجہ نہیں کی ہوتی تو یہ نمبر اتنا وقیع نہیں ہو پاتا۔

حذف واضافہ، قطع وبرید اگر چہ ادارہ کا قانونی حق ہے پھر بھی ہم اخلاقاً اپنے تمام اہل قلم وقرطاس سے معذرت خواہ ہیں، جن کے مضامین میں حسب ضرورت عنوانات یا تحریر میں ضروری تبدیلی کی گئی یا غیر ضروری باتیں خارج کردی گئیں۔ساتھ ہی ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے مقالے مضامین اور تأثرات وپیغامات سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ان ہی حضرات کے قلمی تعاون سے ہم حضرت خواجہ صاحب کی بارگاہ پہ علمی خراج پیش کرنے کے قابل ہوئے۔ایک بار پھر ہم ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں، مناظر اعظم حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ العصر حضرت مفتی حسن منظر قدیری اور آبروئے قلم علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد کی علمی وادبی بارگاہوں میں جن کے بے پایاں معاونت اور اشتراک عمل سے امام علم وفن نمبر سج دھج کر قارئین کی نظروں کی زینت بنا یہ لکھے بغیر ہمارا تشکر نامہ ادھورا رہے گا کہ نمبر کی ترتیب کا کام بظاہر مکمل ہونے کے بعد ایک بار پھر پروف ریڈنگ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہم نے القلم فاؤنڈیشن کو اپنا مستقر بنایا، وہاں ڈاکٹر امجد رضا امجد کی کرم فرمائی سے پٹنہ کی دو عظیم علمی اور تدریسی وملی خدمتیں انجام دینے والی معروف شخصیات حضرت مولانا عبد الرزاق پیکر رضوی مدرس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی اور حضرت مولانا نثار احمد مصباحی صدر مدرس جامعہ غوثیہ تاج العلوم پٹنہ سیٹی کی خدمات ہمیں میسر آگئیں یعنی ایک بار پھر القلم

میں دیوان کان امام علم و فن کی محفل آراستہ ہو گئی، تمام مشمولات کا باریک بینی کے ساتھ پروف پڑھا گیا اور تصحیح کرائی گئی، ہم اپنے ان دونوں علم نواز شخصیتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے اظہار سے اطمینان قلب کے ساتھ یہ نمبر قارئین کے حوالے کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس میں جو کچھ حسن و جمال ہے انہیں حضرات کی رہین منت ہے اور جو نقص و عیب ہے اس ناچیز کا عمل و حصہ ہے۔ اس میں جو حسن و دلکشی نظر آئے ان حضرات کے ذوق سلیم کی تحسین فرمائیں اور جو کمی و خامی نظر آئے میری کم علمی اور بے بضاعتی پر محمول کریں۔

میں محو حسن اس لئے رہتا ہوں اے فنا
دنیا کے عیب پر کبھی میری نظر نہ جائے

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے ہمنوا مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی اور مولانا سید معین الدین قادری کا شکریہ نہ ادا کروں جو ہر دم ہر قدم میرے رفیق کار رہے اور روزانہ دو چار بار موبائل سے حالات دریافت کرتے رہے بلکہ کچھ لوگوں سے خود رابطہ بحال کر کے مضامین فراہم کیے۔ عزیزم مولوی نفیس عالم سلمہٗ اور مولانا جنید عالم رامپوری نے بریلی شریف اور مبارک پور کے قلمکاروں کے مضامین اسکین کرا کر بھیجا، خدائے تعالیٰ انہیں اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے الجامعۃ الرضویہ کے مہتمم اعلیٰ مولانا مسعود رضا اور مولانا جہانگیر اشرف رضوی نے اپنی مصروفیات کے باوجود متعدد مقامات کے سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور تمام ضروری امور کی انجام دہی میں کلیدی رول ادا کیا۔ برکاتیہ مسجد سردے ریسیڈینسی (کلیان) کے صدر حاجی ابوبکر میمن اور نائب صدر حاجی عمر کھتری و دیگر ممبران کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس کام کے لئے مجھے امامت سے بری الذمہ فرما کر مختلف اسفار کے لیئے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمائی۔ جن حضرات نے بھی اس منصوبہ کی تکمیل میں مالی، قلمی اور اخلاقی طور پر حصہ لیا اور اس نمبر کی طباعت و اشاعت میں اپنا سرمایہ فراہم کیا ہم دل کی گہرائی سے سبھوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

کس کس کا نام لوں کس کس کو چھوڑ دوں
مجھ پر کرم سبھی کا ہے سبھوں کا شکریہ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قطعہ تاریخ بر وفات حسرت آیات

ماہر علوم و فنون حضرت العلام خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ

از: پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ

کون اٹھ گیا کہ انجمن علم و فن میں ہے
ہر سمت ایک گریہ، بکا، نالہ، بین، آہ
اک تاجدار مملکت دانش و خبر
تھا طالبان حق کے دلوں کا وہ چین آہ
علم ہیئت کا رازداں تکثیر کا امین
وہ منطق اور فلسفہ کا زیب و زین، آہ
نخچیر ناوک ازل آخر کو ہوگیا
کیوں غمزدوں کو موت نہ ہو قلتین آہ؟
تھا اپنے زور علم سے غیروں میں بھی سند
اس سانحہ پہ کیوں نہ کرے جانبین آہ
وہ پاسبان شرع طریقت کا آشنا
پردہ جو کرگیا تو ہے اک شور شین آہ
اللہ مغفرت کرے درجات ہوں بلند
کرتے رہیں دعا کہ ہے ہم پہ دین آہ
اے برقؔ مجھ کو قطعۂ تاریخ کی تھی فکر
ہاتف نے جو کہا وہ لکھا عین مین آہ

یکتائے روزگار کہو نازش قلم

۴ ۳ ۴ ۱ھ

وہ پاک باز خواجہ مظفر حسین آہ

۳ ۱ ۰ ۲ء

قطعہ تاریخ وفات

امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی

منیر سیفی

ہر لمحہ جن کا وقف تھا اللہ کے لئے
نایاب علم وفن پہ تھی جن کی گرفت سخت
2605[30-415-140=592]-592 2013
مغموم دل ہے آج قلم آب دیدہ ہے
دار الفنا سے آہ مظفر حسین رفت
۱۴۳۴ھ

امام علم وفن کی رحلت پر چند تاریخی فقرے

محمد نور الزماں نوری و محمد فیضان رضا ناز نوری ٹولہ بائسی پورنیہ

الم فوت فخرِ ہندوستان
۲۰۱۳ء

جہان غریق رنج والم
۲۰۱۳ء

اب چلدئے خواجہ مظفر حسین
۲۰۱۳ء

خواجہ اک شان ولایت
۱۴۳۴ھ

ذآیات غوث پاک ہیں
۱۴۳۴ھ

شہنشاہ نطق علم وحکمت
۱۴۳۴ھ

غریق رحمت داں
۲۰۱۳ء

پہلا باب

تاثرات مشائخ کرام

امام علم وفن: جس کی قدر جماعت پر قرض رہی

امین ملت پروفیسر، سید محمد امین میاں مارہرہ شریف

ان تمام دوستوں کو مبارک باد دینا میرا خوشگوار فریضہ ہے جو خواجہ صاحب کے سلسلے میں تاثراتی مجلّہ شائع کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب سے میری چند ملاقاتیں ہیں مگر میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے کرام سے ان کے بارے میں اتنا سنا ہے کہ بڑی پرانی واقفیت لگتی ہے۔ آپ کا شمار علوم اسلامیہ کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی، بحر ذخار سے خواجہ صاحب نے دل کھول کر استفادہ کیا ہے۔

خواجہ صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے آپ کے تربیت یافتہ شاگرد ملک کے مختلف حصوں میں آپ کا نام روشن کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب کی علمیت کا اندازہ تحقیقات امام علم وفن سے لگایا جا سکتا ہے جو خواجہ صاحب کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ملک کے مختلف جرائد میں لکھے تھے۔ یہ مجموعہ مختلف علوم وفنون میں آپ کی دسترس کا عمدہ نمونہ ہے۔

خواجہ صاحب کی مذہبی اور تدریسی خدمات کے مدنظر سال گزشتہ مارہرہ مطہرہ میں ''عرس قاسمی،، کے موقع پر آپ کو سپاس نامہ پیش کیا گیا اور عزت افزائی کی گئی مجھے اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ ہماری جماعت نے خواجہ صاحب کی وہ قدر نہیں کی جسکے وہ حقدار ہیں۔

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب صرف علوم وفنون کے میدان میں ہی امامت کے منصب پر فائز نہیں بلکہ دیگر خوبیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ آپکا حسن اخلاق خوش مزاجی، کشادہ قلبی جود وسخا اور اخلاقی محاسن لائق تقلید ہیں۔

میں بارگاہ رب العزت میں دعاء کرتا ہوں کہ مولائے کرم بطفیل سرور کونین علیہ السلام اہل سنت و جماعت پر آپکے سائے کو دیر قائم رکھے۔ ایک بار پھر میں رسالہ ''المختار'' کے ذمہ داران کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کی طرف سے خواجہ صاحب کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام علم وفن: اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کا مظہر

علامہ توصیف رضا خان خانقاہ رضویہ بریلی شریف

امام علم وفن کی رحلت کی خبر سن کر مجھے بے حد افسوس ہوا خدائے پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے او
ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خواجہ صاحب ہماری جماعت کے بے مثال عالم دین تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے درسگاہ کے بے
تاج بادشاہ تھے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علوم وفنون کا وارث اور مظہر تھے، خواجہ مظفر حسین صاحب ایسے علوم وفنون کے جان
کار تھے کہ ان علوم وفنون کے جاننے والے پوری دنیا میں اب مشکل سے دستیاب ہوں گے۔ خواجہ صاحب کے انتقال سے آج
پوری دنیا میں علمی خلا محسوس کی جارہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عروس البلاد ممبئی میں عرس چہلم کے موقع پر ان کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک عظیم نمبر شائع کر
رہے ہیں یہ مسرت آمیز خبر سن کر سارا غم کافور ہو گیا کیونکہ اس عظیم نمبر سے انشاء اللہ ممدوح کی حیات وخدمات کے ایسے ایسے
گوشے منظر عام پر آجائیں گے جو اب تک عام لوگوں کی نظر سے اوجھل تھے۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صاحب لولاک کے صدقے امام علم وفن نمبر کو پائے تکمیل تک پہونچائے اور
عوام وخواص میں شرف قبولیت بخشے آمین بجاہ سید المرسلین۔

امام علم وفن: مسلک اعلیٰ حضرت کے وفادار

جمال ملت حضرت مولانا جمال رضا خاں قادری بریلی شریف

اسلام کی چودہ سوسال سے زیادہ کی تاریخ ہے۔ دین مصطفیٰ کی خدمت علما ،صوفیا، مجاہدین اور اولیائے کرام اپنے اپنے منصب کو خلوص للّٰہیت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ جہاں مجاہدین کے لہو نے شجر اسلام کو پروان چڑھانے میں ایک زبردست تقویت پہونچائی ہے وہیں اولیائے کرام نے اپنی روحانیت کے جلوے دکھا کر اسلام مخالف طاقتوں کو اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرانے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ صوفیائے کرام کی عاجزی، انکساری اور ایثار نے دین کو اس انداز پر لوگوں کے سامنے پیش کیا، لوگ ان کی عاجزی، انکساری اور ایثار سے متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں جوق در جوق شامل ہوتے چلے گئے۔ علمائے کرام نے بھی ہر دور میں اپنے علم سے دین کے اوپر اعتراض کئے جانے والی طاقتوں کا جواب دیا اور اٹھنے والی انگلیوں کو مروڑ کر ہمیشہ کے لئے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

ایک صوفیٔ باصفا میں ایک عالم باعمل میں اور ایک عاشق اولیا میں جو اوصاف ہوتے ہیں میں نے وہ تمام اوصاف دور رواں کے امام المنطق برادر طریقت حضرت علامہ شاہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی، قادری نوری دامت برکاتہم العالیہ میں بدرجۂ اتم پایا۔

ایک ایسی ذات جس کی علمی جلالت کا احساس اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ موصوف کسی شہر کے کسی ادارے میں اگر خدمت کو قبول فرما لیتے ہیں تو اس ادارے میں آپ کے ہمراہ سیکڑوں طلبہ داخلہ لینے کے لئے اور آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس ادارے کو کوئی نہیں جانتا وہ ادارہ امام المنطق کے تشریف لے جانے سے پورے ہندوستان میں شہرت پا جاتا ہے۔

وہ ایسے عاشق اعلیٰ حضرت اور ایسے فنافی الشیخ ہیں کہ بریلی کی گلیوں میں جب بھی میں نے انہیں چلتے ہوئے دیکھا تو ان میں مفتیٔ اعظم ہند کے دور کے اکابرین کی جھلک نظر آئی۔ وہ جب درگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری دینے آتے ہیں تو نہ

جانے کتنے طلبا ان کے پیچھے ہوتے ہیں مگر وہ خود ایک ادنیٰ خادم و غلام کی طرح حاضر بارگاہ ہوتے ہیں۔

اکثر جلسوں میں امام المنطق کے ساتھ اس فقیر (راقم الحروف) کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے کئ علما، طلبہ کے بیچ امام المنطق کو اس طرح سے جلوہ بار دیکھا کہ نہ بیٹھنے والوں کو احساس ہوتا تھا کہ ہم کسی جلیل القدر عالم ساتھ بیٹھے ہیں نہ خود بہ صاحب کی کسی بات سے احساس ہوتا تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ جلسے اختتام تک جلسہ میں موجود رہنا اور اپنے شاگردوں کے خطابات کو اتنے غور سے سننا جیسے عوام الناس کسی ضروری بات دھیان لگا کر سنا کرتے ہیں؛ یہ امام المنطق کا خاصہ ہے۔

حضور مفتیٔ اعظم ہند اور حضور اعلیٰ حضرت کا ذکر اور ان کی محبت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے وفاداری ان کی ہر بات سے اور ان کے ہر جملے سے ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک محققانہ ذہن رکھنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم کی تحقیق کے خلاف کوئی تحقیق نہیں کی بلکہ جب بات نکلی یہی کہا کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم نے جس مسئلے پر قلم اٹھالیا اس پر مزید تحقیق کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ بلا شبہ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم کی تحقیقات پر ان کے فرمودات کو حق جاننا ان کی دانشمندی ان کی دوراندیشی ان کی علمی جلالت اور مسلک وفاداری پر دال ہے۔

اعلیٰ حضرت اور مفتیٔ اعظم ہند کے مزار مقدس پر جس انداز سے عجز و انکساری کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور ہاتھوں کو باندھ کر قیام کرتے ہیں تو ان کی کیفیت کو دیکھ کر ان کی مرید صادق ہونے کا احساس ہوتا ہے اور زبان حال سے اس وقت انکا وجود یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضور مرشد کھڑا رہوں گا کھڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
نگاہ لطف و کرم اٹھے گی تو جھک کے میرا سلام ہوگا

خداوند قدوس صوفی مزاج اوصاف جمیلہ رکھنے والے اس عالم باعمل کو عمر نوح عطا فرمائے۔ ان کے سینے سے پھوٹنے والی علمی کرنوں سے عالم کو روشن کرے، اور زبان سے جاری ہونیوالے علم کے چشمے سے زمانہ کو سیراب کرے۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

امام علم وفن: فکر ونظر کے تاجور

شہزادۂ شہید راہ مدینہ مولانا سید معین الدین اشرف اشرفی الجیلانی

امام علم وفن حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کی پوری زندگی کو تحریر میں قید کرنے کی ایک کامیاب کوشش المختار کا خاص شمارہ ''امام علم وفن نمبر'' کی اشاعت ہے۔

چمن تو پھول کھلنے کی جگہ ہے اس میں پھول کھلتے اور مسکراتے ہیں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں؛ البتہ وہ پھول قابل ستائش ہے جو صحراؤں اور ریگ زاروں کو لالہ زار بنادے۔

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب سرزمین بہار میں کھلنے والا ایسا ہی پھول ہیں جو اپنے علم وفن کی نسیم بہار سے صحرا کو گلزار بنادیتے ہیں اور بسا اوقات سنگلاخ زمین میں بھی لالہ وگل کی کاشت کرتے ہیں یہ ان کی فنی تحقیقات ہیں۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خواجگی کا تاج رکھتے ہیں، علم وفن کے تاجدار ہیں اور فکر ونظر کے تاجور بھی، علمی دنیا میں اس وقت نہ ان کی کوئی نظیر، نہ مثال، کوئی عدیل نہ ہمسر ہے: وہ تنہا امام احمد رضا کے علوم وفنون کے وارث ومظہر ہیں، امام علم وفن نمبر کی اشاعت پر صد تبریک وتحسین قبول کریں۔

☆☆☆

امام علم وفن: استاذ العلما

ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، خانقاہ منعمیہ متن گھاٹ پٹنہ

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اپنے ملفوظات خوان پر نعمت میں ایک نابغہ روزگار شخصیت حضرت علامہ سید علاؤ الدین جیوری کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''سید علاؤ الدین ایک بہت بڑے بزرگ تھے جملہ اصناف علوم پر عبور رکھتے تھے۔ سید علاؤ الدین نے پورے ہفتہ کو درس کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔ مثلاً ایک روز فقہ کا سبق دیتے، ایک روز علم نحو و منطق سکھاتے، ایک روز اصول و علم کلام پڑھاتے اور ایک روز تفسیر و حدیث کا سبق دیتے'' (۱۵۷ صفحہ اردو ترجمہ)

ایسی شخصیت کے لئے جب میں اپنے زمانہ پر نظر ڈالتا ہوں تو جو شخصیت سب سے پہلے نگاہ میں آتی ہے وہ ہیں حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب متع اللہ المسلمین ببقائہ۔

خواجہ صاحب منقولات ہی نہیں معقولات پر بھی ایسی گہری دسترس رکھتے ہیں کہ علماء ہی نہیں فضلائے علوم سائنس و ریاضی و جغرافیہ بھی آپ کے تبحر کے قائل اور مداح ہیں۔

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ ایک بار ایسے موقعہ پر خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی حاضر آئے کہ علم طبیعات کے جانے مانے استاذ پروفیسر محفوظ الرحمٰن، علم ریاضی کے معروف استاد پروفیسر محمد اظہر حسین صاحب اور جغرافیہ کے ریٹائرڈ استاذ پروفیسر خورشید صاحب بھی خانقاہ میں حاضر تھے اور موقعہ علم توقیت کے سلسلے میں ایک خاص نشست کا تھا۔ تبادلۂ خیال کے دوران جب خواجہ مظفر حسین نے اپنی بات اور تجربہ کی روشنی میں جن نتائج کو پیش کیا تو بیک زبان تینوں ماہرین نے ان کی تحسین فرمائی اور کسی ماہر علوم شرقیہ کی اس قدر بالغ نظری پر حیرت کا اظہار کیا۔ اسی نشست میں ایک حساب کرنے کا موقعہ آیا جس کے لئے

کاغذ و قلم درکار تھا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا مکتوبی نتیجہ سامنے آئے خواجہ صاحب نے زبانی اس کا حساب کر کے نتیجہ بیان کر دیا اور وہ وہی تھا جو بعد میں کاغذ پر سامنے آیا۔ سارے حاضرین عش عش کرنے لگے۔ اور اکیلے میں بھی مجھ سے خواجہ صاحب کی عبقری شخصیت کا بارہا اظہار کرتے۔

بمبئی کے ایک بڑے سیمینار کے موقعہ سے خلوت اور جلوت دونوں میں حضرت خواجہ صاحب سے لگاتار رفاقت کا موقعہ ملا۔ اس موقعہ پر جناب غلام جابر شمس مصباحی کے دولت کدہ پر خواجہ صاحب کے ساتھ اس خاکسار کی دعوت ہوئی تو اس میں بھی مختلف موضوعات پر کھل کر گفتگو ہوئی اور نہ صرف ان کا تبحر علمی واشگاف ہوا بلکہ ان کے اندر کا وہ گراں قدر انسان بھی سامنے آیا جو بزرگوں کی صحبت سے مالا مال، نسبتوں کا قدردان، اخلاق عالیہ کا خوگر اور عاجزی وانکساری کا پتلا تھا۔

بمبئی کے اس سیمینار میں خواجہ صاحب کا ایک اور جوہر کھلا کہ انہوں نے حاضرین کے مجمع کو تقریری سیشن میں خطاب بھی فرمایا۔ عام طور پر صاحب قلم جوہر خطابت سے خالی و عاری ہوتے ہیں اور وہ برجستہ خطاب سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور یہی حال عام طور پر خطیبوں کا ہوتا ہے کہ وہ تحریری میدان میں خود کو تہی دامن پاتے ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب جب خطاب فرما رہے تھے تو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی گفتگو میں خطابی رمق بھی تھی اور سامعین کو باندھنے والی کشش بھی ساتھ ہی ساتھ اس قدر تجربات و مشاہدات سے پر گفتگو فرمائی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ ہر شخص آپ کے بیان کردہ واقعہ کو گوش بر آواز سن رہا تھا اس لئے کہ یہ تاریخ کے وہ ابواب تھے جن کے چشم دید راوی خود حضرت خواجہ صاحب تھے۔ دوسرے یہ کہ جن نتائج و ماحصل کی طرف آپ نے توجہ دلائی وہ بلا شبہ ان کی دقت نظر اور فکر عمیق کے غماز تھے اور اصاغر و اکابر سب کے لئے یہ گہر آبدار سے کم نہیں تھے۔

مشائخ صوفیہ کے یہاں منازل سلوک طے کرنے کے لئے دو راہیں معروف ہیں یعنی جذب اور سلوک۔ لیکن یہ طے ہے کہ وہ جذب جو سلوک سے خالی ہو زہر ہلاہل ہے اور وہ سلوک جو جذب سے عاری ہو بغیر نمک کا کھانا ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ جو مجذوب سالک ہوگا وہ سالک مجذوب سے افضل ہوگا اور اس کا راز یہ ہے کہ سالک مجذوب باکمال تو ہوگا لیکن دوسروں کے لئے غیر مفید ہوگا جب کہ مجذوب سالک باکمال بھی ہوگا اور دوسروں کے لئے بے انتہا مفید بھی ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح معقول بالمنقول زہر ہلاہل ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ جس معقولی کا انجام منقول ہو وہ صد فی صد مبارک ہے اور جو منقول سے چل کر معقول پر ٹھہر جائے وہ اپنی ذات کے لئے مبارک ہوگا لیکن غیروں کے لئے بے فائدہ۔ حضرت خواجہ صاحب کی ذات کا یہ عالم ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں ان کے چوٹی کے معقولی ہونے پر اتفاق ہے لیکن دیکھئے تو سرتاپا منقولی نظر آئیں اور بولیں تو منقولات کی وصلیاں چمک جائیں اور اسی لئے ان کا وجود صد فی صد مبارک ہے۔ متع الله المسلمین ببقائه.

☆☆☆

امام علم وفن : کی فیضان گاہ (براؤں شریف)

علامہ غلام عبدالقادر صاحب قبلہ علوی مدظلہ العالی براؤں شریف

امام علم وفن حضرت علامہ مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی شخصیت وعبقریت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف سے ان کے خوشگوار تعلقات کی ایک معتبر تاریخ ہے۔

ہوا یہ کہ شیخ العلما علامہ غلام جیلانی صاحب قبلہ اعظمی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث وصدر الصدور فیض الرسول براؤں شریف کی تحریک پر امام علم وفن کو براؤں شریف لانے کی کوشش کی گئی تھی مگر کسی وجہ سے نہ آسکے تھے۔ پھر برادر گرامی قدر مجاہد سنیت حضرت خلیفہ بھیا علیہ الرحمہ سابق سجادہ نشین خانقاہ فیض الرسول و برادر گرامی مولوی محمد فاروق احمد صاحب علیہ الرحمہ سابق مہتمم اور اساتذۂ فیض الرسول کی اجتماعی تحریک پر حضرت خواجہ صاحب کو تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے براؤں شریف لایا گیا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں رہ کر اپنی تدریسی خدمات کا ناقابل فراموش انمٹ نقوش چھوڑے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض وجوہات کی بنا پر جب وہ یہاں سے تشریف لے گئے تو میں نے اپنے اہتمام ونظامت کے زمانے میں دوبارہ خواجہ علم وفن کو یہاں لانے کی کوشش کی اور خواجہ صاحب بخوشی دوسری مرتبہ یہاں تشریف لائے اور اس طرح فیض الرسول کے طلبہ کو ایک بار پھر خواجہ صاحب سے اکتساب فیض کے مواقع فراہم ہوئے۔ خواجہ صاحب نے یہاں رہ کر بہت سارے طلبہ کو مستفیض فرمایا چنانچہ یہاں سے اکتساب فیض کرنے والے تلامذہ کی ایک معتبر ٹیم ملک وبیروں ملک میں خدمات دینے میں مصروف ہیں۔ خواجہ صاحب سے میرے اپنی قلبی لگاؤ کا ہی نتیجہ تھا کہ کچھ وجوہات کی بنا پر جب خواجہ صاحب یہاں سے تشریف لے گئے تو میں نے اپنے سب سے بڑے فرزند عزیزم مولانا حافظ وقاری محمد آصف علوی سلمہ (جوفی الحال الجامعۃ الازہر مصر میں مصروف تحقیق ہیں) کو اکتسابِ فیض کے لئے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔

میری دانست کے مطابق موصوف کو خواجہ علم وفن کا لقب دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف سے سب سے پہلے دیا گیا جو آج نہ یہ کہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک بھی یہ موصوف کے لئے زبان زدعوام وخواص ہے۔خواجہ صاحب کے فیض الرسول سے تعلقات کی استواری کا یہ حال ہے کہ یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد بھی وہ یہاں کے ایک فردشمار کئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گاہے بگاہے سالانہ امتحان یا جلسہ واعراس کے مواقع پر خواجہ صاحب کی فیض الرسول میں تشریف آوری کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور خدا کرے تاحیات یہ سلسلہ جاری رہے۔

ہر چند کے اب خواجہ صاحب کی آمد یہاں کم ہو پاتی ہے مگر وہ جب بھی یہاں آئے تو میں نے ادارہ وخانقاہ کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے ان سے یہی کہا کہ حضرت آپ رہنے کو تو کہیں بھی رہیں مگر آپ رہیں گے براؤں شریف ہی کے اوراس محبتانہ اعتراف کو نہ یہ کہ وہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ آج تک نبھاتے چلے آرہے ہیں۔مولائے قدیران کی حیات کو صحت وعافیت کے ساتھ طویل فرما کر ان کے علمی سائے تادیر علمی حلقوں میں دراز فرمائے۔

آمین بجائے حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوۃ والتسلیم۔

☆☆☆

امام علم وفن: میرے خواجۂ علم وفن

سید محمد تنویر ہاشمی خانقاہ ہاشمی، درگاہ حضرت ہاشم پیر، بیجاپور

عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ امام علم وفن کی خدمت میں حاضر ہوکر اس مرد علم ومعرفت آگاہ سے شرف لقا حاصل کروں جس کی جوتیاں اٹھا کر اصاغر، اکابر، جاہل، عالم وفاضل، گم نام' نامور اور گونگے، سحر البیان ہو گئے۔ اللہ تعالی نے چند سال قبل میری یہ دعا قبول فرمائی اور ایک اہم دینی وشرعی مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور ضلع فیض آباد محترم ومکرم، مشفق ومہربان ، امام علم وفن حضرت علامہ مفتی خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ یقین جانیں پہلی ملاقات، مگر ایسا محسوس ہوا کہ مجھے خواجہ علم وفن پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ اس قدر محبت وشفقت فرمائی کہ میں تو حضور والا کا گرویدہ ہوگیا اور میری آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے۔ سادہ لباس میں احقر نے ایک جلیل القدر عالم کو بلکہ ایک صوفی باصفا کو اخلاق کے اعلی اقدار پر فائز المرام پایا۔ گفتگو شروع ہوئی تو حضرت والا کی شیرین بیانی، وجاہت علم، باوقار بزرگی، اللہ اللہ چند لمحوں میں حضرت خواجہ علم وفن نے ایک متنازعہ مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں سید صاحب ضرور اس مسئلہ میں رہبری کرونگا۔ بس اس دن سے حضرت والا میری رہنمائی کرنے لگے اور مناظر اہلسنت فقیہ النفس محترم مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ کو حکم فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہمیں جماعت اہل سنت کی رہنمائی شریعت مطہرہ کی روشنی میں کرنا ہے۔ الحمد للہ! بالآخر دونوں بزرگوں نے ایک تکفیر کے مسئلہ میں علمی تحقیق اور تاریخ ساز فیصلہ جاری کر کے متنازعہ مسئلہ کو اس طرح حل فرمادیا کہ ملک وبیرون ملک سب کو تسلیم کرتے ہی بنی!

چند ماہ قبل مفتی حسن منظر قدیری صاحب خانقاہ ہاشمی بیجاپور تشریف لائے تھے دوران گفتگو آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت امام علم وفن کے اعتراف خدمات میں ایک مجلہ شائع ہونے جارہا ہے اور آپ کو حضرت امام علم وفن کی شخصیت پر اپنے تاثرات قلم بند کرنا ہے محترم محمد مفتی مطیع الرحمٰن صاحب سے فون پر بات ہوئی تو آپ نے بھی حکم فرمایا کہ جلد اپنے تاثرات خواجہ صاحب سے متعلق تحریر کر کے روانہ کرو۔ واللہ! جو کچھ میں نے حضرت امام علم وفن کے بارے میں رقم کیا ہے وہ میرے قلبی احساسات ہی نہیں بلکہ عملی مشاہدہ ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے یعنی جماعت اہل سنت نے جیسی قدر ومنزلت ایسی شخصیت کی کرنی چاہئے تھی نہیں کر سکے۔ ہمارے یہاں چھوٹے بہت جلد بڑے بن جاتے ہیں مگر جو واقعی بفضلہ تعالی بڑے ہیں ہم انکی عظمتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ مبارکبادی کے مستحق ہیں وہ احباب جن کی کاوشوں سے امام علم وفن کی خدمات پر ایک معلوماتی مجلہ شائع ہونے جارہا ہے۔

اللہ تعالی حضور ﷺ کے طفیل حضرت امام علم وفن کو صحت کامل عاجلہ عطا فرمائے۔

☆☆☆

امام علم وفن: شستہ زبان اور بالیدہ فکر کے پیکر

سید محمد انور چشتی، خادم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

استاذی الکریم امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی دام ظلہ برصغیر کے ان جلیل القدر اساتذہ میں ہیں جن کی درس گاہِ علم وفن سے استفادہ کرنے والے علم وادب کے مختلف میدانوں میں امتیازی حیثیت کے حامل ہوئے۔ان کی درس گاہ سے کسب فیض کرنے والے علما کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوئی، جس نے علم وفن کی اشاعت اور ملک وملت کی تعمیر وترقی میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ان کے تلانذہ آج ملک کی مختلف درس گاہوں میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوکر علم وادب کی آبیاری میں مصروف ہیں۔حضرت خواجہ صاحب قبلہ تقریبا نصف صدی سے اشاعت علم دین کے مبارک عمل سے وابستہ ہیں۔آپ نے مختلف اوقات میں جن اداروں کی مسند تدریس کو زینت بخشی ان میں مظہر اسلام ومنظر اسلام بریلی شریف، جامعہ عربیہ سلطان پور، مدرسہ فیضیہ ایشی پور، بھاگلپور، مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف، مدرسہ قادریہ بدایوں اور مدرسہ نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔آپ کے علم وفضل اور تدریسی خوبیوں کے سبب طلبہ آپ سے شرف تلمذ کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ جس ادارے میں بھی تشریف لے گئے تھوڑے ہی عرصہ میں علم وفن کے شائقین طلبہ کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ آپ کی تدریس کا نرالا اور اچھوتا اسلوب طلبہ کی دلچسپی اور توجہ کا باعث ہوتا ہے۔علمی قحط کے اس دور میں جب کہ باکمال اساتذہ کا وجود نادر ونایاب ہے،آپ کی ذات طالبان علوم نبویہ کے لیے ایک عظیم نعمت ہے۔

حضرت خواجہ صاحب دام ظلہ سے مختلف اداروں میں مجھے بھی اکتساب علم کا موقع ملا۔آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کان پور میں، مفتی اعظم کان پور حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب اور مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹ میرٹھ میں اپنے نانا امام النحو، صدر العلما حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمہما اللہ کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کرتے ہوئے اُس وقت کی معروف درس گاہ مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف پہنچا۔یہاں امام علم وفن کی درس گاہ علم وادب آراستہ تھی۔مختلف علاقوں کے طلبہ یہاں تحصیل علم میں مصروف تھے۔مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف

میں جب تک خواجہ صاحب کا سلسلہ درس جاری رہا میں بھی حاضر رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ یہاں سے مستعفی ہوکر دارالعلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لے گئے، تو میں بھی الہ آباد پہنچ گیا۔ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے زمانہ تدریس میں بھی ان سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ کچھ ہی عرصے بعد جب آپ دوبارہ مدرسہ فیض الرسول براؤں پہنچے، تو میں بھی وہاں حاضر ہوگیا۔ اس طرح ایک زمانے تک آپ کی درس گاہ سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالك

حضرت خواجہ صاحب قبلہ ایک قابل قدر استاذ اور بے مثال مدرس ہیں۔ آپ کی تدریس کا انداز نہایت شائستہ اور سنجیدہ ہوا کرتا ہے۔ سخت سے سخت کتابوں اور مشکل سے مشکل اسباق کا درس آپ نہایت آسان اور سہل پیرایے میں دیتے ہیں۔ مثالوں کی روشنی میں مشکل مقامات کی توضیح وتشریح آپ کا امتیازی وصف ہے۔ بڑی بات تو یہ کہ آپ صرف منطق وفلسفہ ہی نہیں بلکہ فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ معقول ومنقول کے تمام فنون کی کتابوں کا درس یکساں مہارت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہرفن میں اختصاص حاصل ہے؛ اور تمام فنون پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ خواجہ صاحب جیسے عبقری استاذ خال خال ہی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔ امین۔

استاذی الکریم حضرت خواجہ صاحب قبلہ ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ خطیب اور تجربہ کار مصنف بھی ہیں۔ یہ تینوں اوصاف ایک ہی شخصیت میں کم ہی جمع ہو پاتے ہیں۔ عموما اچھے مدرسین، عمدہ خطیب نہیں ہوتے؛ اور اچھا خطیب، کامیاب مصنف نہیں ہو پاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر یہ تینوں خوبیاں جمع فرمادی ہیں۔

آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں ربیع الاول شریف کی بارہویں شب کو سالانہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام منعقد ہوا کرتا ہے۔ ہر سال ہندوستان کے کسی صاحب علم خطیب کو خصوصی خطاب کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ ایک سال حضرت خواجہ صاحب قبلہ کو دعوت دی گئی۔ حسب وعدہ آپ تشریف لائے اور حضور خواجہ بندہ نواز سید مصباح الحسن علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل قطعہ کے ابتدائی مصرعے کو موضوع سخن بنایا۔

ہر اک شی کا وہ مبدا ہے یہ منصوص شریعت ہے
وہی ہے منتہی سب کا یہ مضمون شریعت ہے
مگر مصباح کہتا ہے بشر ہیں اس جگہ حیراں
محمد کو خدا جانے یہ عرفان حقیقت ہے

ڈھائی گھنٹے تک پُر مغز علمی وتحقیقی گفتگو فرماتے رہے۔ ایسا نفیس خطاب ہوا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہوگیا اور اہل علم انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک مصرعے کی توضیح وتشریح پر مشتمل ڈھائی گھنٹے کا عالمانہ خطاب آپ ہی کا حصہ ہے۔

پھر دوسرے سال کے سالانہ جلسہ عید میلاد النبی میں بحیثیت خصوصی خطیب آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس بار آپ نے

مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی کو موضوع سخن بنایا، اور پھر اسی شان سے نکات سے بھرپور ڈھائی گھنٹے کا خطاب فرمایا۔ بلاشبہ آپ کی عمدہ خطابت کا یہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قبلہ اس کے علاوہ بھی کئی بار پھپھوند شریف تشریف لائے، آستانہ عالیہ صمدیہ اور جامعہ صمدیہ میں قیام فرمایا۔ جامعہ صمدیہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی کو دیکھ مسرت کا اظہار فرمایا۔ حوصلہ افزا اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

استاذی الکریم حضرت خواجہ صاحب قبلہ تحریر وقلم کے بھی شہنشاہ ہیں۔ ان کے علمی وفکری مضامین ومقالات ملک کے معتبر جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ باضابطہ کئی تصانیف بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی تحریریں حلقہ علم وادب میں دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں اور اعتماد واعتبار کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کی خدمات جلیلہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک وقیع نمبر کی اشاعت کا ارادہ خوش آئند ہے۔ میں ان تمام افراد کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس مبارک عمل میں دامے درمے قدمے سخنے حصہ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مالی مقام ان اتکلم فی حیاته الکریم

السید محمد عبداللّٰہ ابدال الحسنی الحسینی القادری الجیلانی

الحمدللّٰہ الذی علم الانسان ما لم یعلم،واکرمہ بخطابہ الافخم،"ولقد کرّمنا بنی آدم"وجعل نجاته فی اتباع حبیبہ والسواد الاعظم،والصلوٰة والسلام علیٰ حبیبہ وخلیلہ سید ولدآدم،الذی من بُعِثَ بالرحمة والانابة الاعظم،صاحب المجدوالکرم،دافع البلاء والالم،وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ اٰلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ المرضیین والتابعین المعظمین وبارک وسلم........................امابعد

فیقول افقرالعباد اِلیٰ مولاہ الغنی الجوّاد،السید محمد عبداللّٰہ ابدال الحسنی الحسینی القادری الجیلانی،بلغہ الامل ووفقہ لصالح العمل: لماکانت الایام الماضیة ممتلئة بلطائف الرحمانیة،لقد اطلعت الکتاب النفیس مایتعلق بالعلامة المحدث الناقد المحقق البارع الفقیہ،حاوی الفروع والاصول،جامع المعقول والمنقول،حجة السلف،بقیة الخلف،استاذالعلماء،فخرالاکابر،قدوة الاصاغر والمعاصر،شیخ الطریقة،بدرالشریعة،الشیخ خواجہ مظفر حسین الرضوی،حفظہ اللہ تعالیٰ وامتع بہ،المسمی ب"تحقیقات امام علم وفن"کان اھداہ الیّ صدیقی العزیز،مولاناالفاضل،فخرالاماثل،العالم الماھر،محمد حسان ملک نوری،فتح اللّٰہ علیہ فتوح العارفین،احد علماء برھان فور الھند،فی زیارتی ورحلتی الی ناکفور الھند وقد درستُ الکتاب دراسة عمیقة،فوجدتُہ متیناً ممتعاًمھمّاًوانی لاتوقفُ وکذا لا یتوقفُ کل من یطالعہ عن الاعتراف بانّ الشیخ حفظہ اللّٰہ،وفیٰ لھٰذہ المسائل حقھا من البحث والتحقیق وحینما قرأتہ فی بلدی"بنجانہ بَلِی"اُعجبتُ بہ لاستقرائہ واستیفائہ واستیعابہ ،لانّ الشیخ جاء مستوفیً واضحاًفی مبانیہ ومعانیہ حیث امتلأت القلوب الصافیة ،من الانوار یَضِیئُ بھا طرائق الفھم من جمیع المناحی ،لغةً،اعراباً،بلاغةً،استنباطاًوبیاناً،لفوائد حدیثیةولطائف اسنادیة،ومسائل اصلیة وفرعیة،و دقائق

عقلية ونقلية ،وهذاامر لم يسبقه اليه غيره فالحمد لله على ذالك انه اتى في اثناء هذه البحوث
بنقول نادرة عن الجهابذة الاقدمين ،واكتشافات بديعة مع ما اعطاه الله تعالىٰ من ذكاء نادر وفهم
ثاقب واطلاع واسع على العلوم الاسلامية ومتعلقاتها ،قل ما نجدها عند غيره من الباحثين
والمحققين في هذاالعصر ،وقد دافع الشيخ اعزه الله تعالىٰ عن اسلافنا الكرام رضوان الله تعالىٰ
عليهم الى يوم الجزاء والانعام ،فاحسن القيام بالدفاع عنهم جزاه الله تعالىٰ عنا وعن سائر المسلمين.

مالي مقام ان اتكلم في شانه الكريم وحياته العظيم ،وخدماته القويم ،والشيخ حفظه الله تعالىٰ
ونصره بريٌ من قيل وقال ،لانه من مشاهير عصره علماً وزهداً وممن له اليد الطولىٰ في الفقه والحديث
وغيرهما والبارع في عدة علوم وشتّى فنون ،ومفتي كثير الاطلاع ،وواسع الباع في المعقول
والمنقول لا يستنقصه الاّ متغرض ،قلّ ان يذكر علم الاّ وله مشاركة جيدة ،بالجملة رفعه الله تعالىٰ
الى مقام الكمال ،اطال الله تعالىٰ بقائه في عافية وسرور وادام النفع به وبعلومه .وهذا على امتثال امر
صديقي العزيز العالم البارز محمد حسان ملك نوري سلمه ،بان اكتب في حياته المباركة وخدماته
الفاخرة ،فما كتبت الا تشكراً لانه قد ورد "من لم يشكر الناس لم يشكر الله" فبادرت الى ان اشكره
بكلمات ما يليق في شانه الكريم ،ورجوت من الله المنى مع اعترافي بانّ باعي قصير وذهني
كليل ،لكن اردت التشبه لهؤلاء السادة الكرام علىٰ حد ما قيل.

"فتشبهوا ان لم تكونوا امثلهم ان التشبه بالكرام فلاح"

ولقدقمت امتثالاً لامره الى ان اكتب ،ثم شُغِلتُ بواجبات التدريس والتعليم ،وما يتعلق بها مع تواصل
الاسفار وكثرة الشواغل ،فلم يُتح لي كتابته على وجه المطلوب الا في هذا اليوم ،فالحمد لله الذي
يسّرَ واعانَ ،ومد في العمر الى هذا الاوان ،فله الفضل دائما ،وله الشكر واجبا .واسئله القبول بجاه
الرسول صلى الله تعالى عليه واله وصحبه واوليائه الفحول.

امام علم وفن : مسلک اعلی حضرت کی آبرو

مولانا انس رضا خاں قادری دار العلوم مظہر اسلام بی بی جی مسجد بریلی شریف

یوں تو لوگ اپنے خاندان اور قبیلے سے جانے جاتے ہیں مگر کبھی کبھی خاندان و قبیلے میں ایسے قدآور اور ہونہار فرزند ہو جاتے ہیں جس پہ سارا خاندان وقبیلہ ناز کرتا ہے، اور اکناف عالم میں اس خاندان و قبیلے کا نام روشن ہو جاتا ہے بلا شبہ امام علم وفن آبروئے مسلک اعلی حضرت، امام منطق وفلسفہ مجمعۂ علوم وفنون ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ دار العلوم مظہر اسلام کے انہیں خریجوں میں سے تھے جن پر دار العلوم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا آپ کی جودت طبع، ذوق سلیم، تبحر علمی اور درس نظامی میں مضبوط پکڑ کو دیکھتے ہوئے محدث ثناء اللہ صاحب قبلہ اور میرے دادا حضور حضرت ساجد میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کو فراغت کے بعد اس عظیم درسگاہ میں درس وتدریس کی گراں بار ذمہ داری سونپی جسے آپ نے بخیر وخوبی نبھایا، کچھ اساتذہ نے آپ کی روز افزوں ترقی وشہرت پر حسداً روک لگانے کی کوشش کی تو تیز فہم خواجہ نے حالات کو بھانپ کر حضور مفتی اعظم ہند کی دربار میں روداد پیش کردی، حضرت نے دعا دے کر فرمایا کامیابی ملے گی۔

بالآخر ایک دن تمام اساتذہ کے سامنے خواجہ علم وفن کو پڑھانے کا حکم ملا، طلبہ نے سوالات کے بوچھار کر دیئے؛ جو اصلاً مخالف اساتذہ کے تیار کردہ تھے، خواجہ صاحب نے تمام سوالات کے تشفی بخش جواب دیئے، جس سے علماء متحیر ومسحور ہو گئے پھر تو خواجہ فکر وفن کی بلندی کا سورج نصف النہار تک پہونچ گیا، ہر طرف آپ کی علمی تحقیق وتدقیق کے چرچے ہونے لگے، ہر بڑے ادارے سے خواجہ کی مانگ آنے لگی، جن کا احترام کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے متعدد درسگاہوں کو زینت بخشی، لاکھوں تشنگان علوم نبویہ کے کشکول کو گوہر مراد سے بھر کر تقریباً نصف صدی تک علوم عقلیہ ونقلیہ کے بیش قیمت موتی بکھیرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اہل سنت کا عظیم خسارا ہے جس کی بھرپائی نہیں ہوسکتی ہمیشہ اہل سنت کے اس عظیم سالار کے جانے کا قلق وکسک باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اہلسنت کے اس بطل جلیل کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری :: ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

دوسرا باب

تاثرات علماء ودانشوران

امام علم وفن : یکتائے علم وفن

علامہ بہاء المصطفیٰ قادری (مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا ہے۔ اب تک کوئی ایسا آلہ یا پیانہ نہیں ایجاد ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ کسی کی علمی قابلیت یا فنی مہارت کا اندازہ کیا جا سکے۔ ہاں! جو شخص علم وفن میں ماہر و یکتا ہو وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں اپنے علم وفن کے اعتبار سے بہت قابل و ماہر ہے۔ ایک قلیل العلم جو صحیح معنوں میں عالم کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ اپنے زمانے کے امام علم وفن حضرت علامہ استاذ العلما مولانا مظفر حسین صاحب قبلہ جن کے علم وفن کی دہلیز تک جس کی پہونچ نہ ہو وہ اس عبقری شخصیت کے علمی خدوخال پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے؟ جبکہ آپ امام علم وفن کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔

امام علم وفن اپنے در سے کیا کیا نہیں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو علم منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، نحو، صرف، علم بدیع و بیان غرض کہ سائل جس علم کا پیاسا آیا، اسی علم وفن کا جام پلا کر سیراب فرما دیا۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ خواجہ علم وفن بھی ہیں اور خواجہ کی دہلیز سے کوئی پیاسا محروم نہیں واپس ہوتا۔ چھوٹا منہ بڑی بات یہ کم علم کن کن خوبیوں کا تذکرہ کرے؟ میں تو ادنیٰ سا طالب علم ہوں ۔کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے، استاذ اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ نظر دوڑائیے، جدھر دیکھئے شاگردوں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے، جو اپنے خواجہ سے حاصل علمی روشنی سے خود بھی روشن و منور ہیں اور اوروں کو بھی روشن و منور کر رہے ہیں۔ حقیر تو یہی دعا کر رہا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ حضرت خواجہ کے حیات و خدمات اور علم و فضل میں دن دوگنی ترقی عطا فرمائے اور اپنے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے (آمین)

یہ جان کر مجھے بہت خوشی و مسرت ہوئی کہ "الجامعۃ الرضویہ" کلیان مہاراشٹر میں موجود آپ کے تلامذہ، محبین، مخلصین آپ کی حیات و خدمات پر ایک ضخیم "نمبر" کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں جو استاذ کی بارگاہ میں قلمی نذرانہ ہوگا، جس سے عام لوگوں کو بھی حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی خدمات سے مستفیض ہونے کا سنہرا موقع ملے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان شاگردوں کے حوصلہ کو اور تقویت عطا فرمائے اور دیگر حضرات کیلئے مشعل راہ بنائے اور ان کو علم و عمل اور خدمت دین کی مزید توفیق و رفیق عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ و التسلیم

امام علم وفن: ملک العلما کی دوسری تصویر

مفتی محبوب رضا روشن القادری (پوکھریرا سیتامڑھی، بہار)

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین کی کی ذات بابرکات اپنی تبحر علمی، وسعت فکری، فنی کمالات، تحقیقی خیالات ، درسیاتی معلومات، اور عصری علوم وفنون پر کما حقہ مہارت تامہ رکھنے نیز علم وشعور اور فکر وآگہی کو جلا بخشنے کی بنیاد پر محتاج تعارف نہیں۔ حق یہ کہ آپ کی عبقری شخصیت حضرت ملک العلما کی دوسری تصویر کا نام ہے۔

آپ کے سینۂ فیض گنجینہ میں علم معقولات ومنقولات کا عظیم سمندر موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ آپکی باصلاحیت ذات اور باعظمت شخصیت کا شہرہ ہر چہار جانب پھیلا ہوا ہے۔ ہر صاحب علم ونظر اور ذی عقل وہنر آپکی صلاحیت اور فہم وادراک کا ذکر جمیل کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب فیضان کرم ہیں 'ملک العلما، حضرت سید ظفر الدین بہاری کے واسطے سے سیدنا اعلی حضرت، امام اہل سنت، مصدر عشق ومحبت، مجدد اعظم دین وملت، رفیع الدرجت، عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان کے۔ 'بحر العلوم، کٹیہار میں 'ملک العلما، کے علم وفن کا بادل امام علم وفن پر اتنا برسا کہ آپ سر سے پیر تک نہا گئے۔ اس طرح آج آپ 'خیر الاذکیا، 'خواجہ ملت، اور 'امام علم وفن، ہی نہیں بلکہ حضرت 'ملک العلما، کی دوسری تصویر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نظر بد سے بچا کر صحیح سلامت رکھے۔ آمین!

☆☆☆

خواجہ مظفر حسین رضوی: امام علم وفن

علامہ یٰسین اختر مصباحی (بانی وصدر دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵)

خوش شکل، خوش لباس، خوش وضع، خوش مزاج، خوش فکر ایک ایسی شخصیت عالم خیال نہیں بلکہ عالم واقعہ میں طبقۂ علما کے درمیان جلوہ فرما ہے، جو عصر حاضر کے دو چار اکابر علما کی صف میں اپنی منفرد شناخت رکھتی ہے؛ اور اس کی قامت زیبا پہ علوم وفنون کا ملبوس زریں، ہر دیدۂ بینا کے لئے قابل التفات ہی نہیں بلکہ باعث کشش بھی ہے۔

یہ شخصیت شعبۂ تدریس وتحریر میں بحمدہٖ تعالیٰ ہمیشہ مظفر ومنصور رہی ہے۔ جس کی درس گاہ سے بعض بڑے باشعور وباصلاحیت علما پیدا ہوئے ہیں۔ اس قابل افتخار شخصیت کے قلم نے بعض بے حد پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھائی ہیں اور رضویات کے موضوع پر وقیع وگراں قدر تحریروں سے قوم کو نوازا ہے۔

کہنے والے حضرات اس شخصیت کو کبھی 'امام علم وفن' اور کبھی 'خواجہ علم وفن' کہتے ہیں۔ جس کا اصل نام ہے: خواجہ مظفر حسین رضوی۔ ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کی خدمت میں برسوں رہ کر علوم وفنون کی تحصیل کی اور کمال مہارت سے متصف ہوئے۔

شہر عاشقاں، بریلی شریف میں صحاح ستہ کی تکمیل کے بعد سیدی ومرشدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے حدیث کی خصوصی اجازت پائی۔ آپ ہی کے دست گرفتہ وفیض یافتہ ہیں۔

حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، پورنوی کی تحریرات کا ایک مجموعہ بنام 'تحقیقات امامِ علم وفن' مولانا غلام جابر شمس مصباحی کی تلاش وجستجو اور جمع وترتیب کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ اس مجموعہ کو حضرت خواجہ صاحب یا آپ کے معتمد تلامذہ نظر ثانی وتصحیح کے ساتھ دوبارہ شائع کریں تو یہ علمی مجموعہ، حضرت خواجہ صاحب کی تحقیق وتدقیق کا ایک شاہکار ہوگا، اور اس کی اہمیت نیز آب وتاب سے مدتوں اہل علم وفضل محظوظ ومستفید ہوتے رہیں گے۔

راقم سطور کی ملاقات، حضرت خواجہ صاحب سے گاہے گاہے ہوتی رہی ہے۔ میں نے دوران گفتگو آپ کو خوش اخلاق اور علم ...از پایا۔ وسیع النظر ہونے کے ساتھ آپ وسیع القلب بھی ہیں۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے 'یک در گیر محکم گیر' کے اصول پر عمل ...مایا۔ کاش کہ اس اصول کو آپ نے ابتدا ہی میں اپنا لیا ہوتا تو آج کچھ اور ہی بات ہوتی۔ اس کے باوجود آپ کے چند باصلاحیت ...مذہ اس وقت جو دینی وعلمی خدمت انجام دے رہے ہیں؛ اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ: ع

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں، ان کی

☆☆☆

معلوم کرادی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ علم کیمیا اور علم نباتات اور حیوانات سے بھی آپ کو دلچسپی ہوگی۔ اب آپ ہی ایمانداری سے فیصلہ کریں کہ سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بعد بھی ہندو پاک میں کوئی ایسی دوسری شخصیت ہے جس کو اہل علم ذمہ دار طبقہ جامع العلوم والفنون کا لقب دے سکے۔ پھر اگر وہ بطور تحدیث نعمت یہ اظہار فرمائیں تو کیا حرج ہے کہ۔ ع

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

لیکن افسوس اس مغتنم شخصیت کے ساتھ ان کے احباب وتلامذہ نے کیا سلوک کیا؟ کبھی کوئی سلیقے کا ایک مضمون تو نہیں لکھا جس کے ذریعہ وہ مدارس اسلامیہ کی چہار دیواری کے باہر عصری درسگاہوں میں بھی متعارف ہو جاتے۔ دوسرے علاقے اور خطے کے لوگ اپنے پیتل کو بھی سونا بنا کر پیش کرتے ہیں اور ہم اپنے زر خالص کو بھی زر خالص کہنے میں شرم ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ کیا زندہ قوموں کا یہی شعار ہونا چاہئے۔ کوئی پون صدی پیشتر بہار کے شاعر اعظم جناب شاد عظیم آبادی نے اپنوں کی ایسی ہی سرد مہری اور تنگ ظرفی کو دیکھ کر شکوہ کیا تھا کہ۔

میں وہ موتی تیرے دامن پہ ہوں اے خاک بہار
آج تک دے نہ سکا کوئی بھی قیمت میری

حضرت خواجہ بھی اگر اپنے عزیزوں سے یہی گلہ کریں (جو اس مرد قلندر کا شیوہ نہیں) تو کیا کوئی با غیرت اہل قلم ان کو اپنا منھ دکھا سکے گا۔ اب بھی ہم تلافی مافات کی کوشش کریں۔ صبح کا بھولا اگر شام کو آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ علوم وفنون کے مختلف شعبہ جات میں خواجہ علم وفن کی جو خدمات ہیں ان کی قدر و قیمت متعین کریں اور پھر علمی دینی حلقوں میں ان کا تعارف کرائیں تاکہ عصری دانشگاہوں میں بھی ان کی شناخت ہو اور آنے والی نسلیں ان سے اثر پذیر ہو سکیں۔ اور فخریہ یہ اعلان کر سکیں کہ صاحبان جبہ و دستار میں بھی ایسا جوہر قابل موجود ہے جس کو قدیم وجدید علوم وفنون میں حیرت انگیز دسترس حاصل ہے۔ مگر افسوس! وہ در مکنون بازار علم ودانش میں محتاج تعارف رہ گیا۔

☆☆☆

امام علم وفن: ایک ہمہ رنگ شخصیت

مولانا محمود عالم رشیدی، نائب صدر سنی جمعیۃ العلماء ممبئی

رسالہ "المختار" جو تین ماہ پر کمیان کی سرزمین سے نکلتا ہے اس کے خاص شمارہ "امام علم وفن نمبر" کی اشاعت کی خبر نسیم بہار کی طرح گذری اور قلب وجگر کو تروتازہ کر گئی۔

امام علم وفن حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی قبلہ اپنے فرق اقدس پر تاج خواجگی رکھتے ہیں جو ان کی شرافت ونجابت کی پہچان ہے وہ ایک ہمہ رنگ شخصیت ہیں ہر رنگ میں ان کی جلوہ گری ہے شرف دید میسر ہو تو چہرہ پر تروتازہ پھول کی شگفتگی، شرف کلام حاصل ہو تو گفتگو میں حلاوت وشرینی اور تصور کرو تو علوم اعلی حضرت کی آخری یادگار معلوم ہوتے ہیں جواب چراغ سحری کی طرح ٹمٹماتے نظر آرہے ہیں۔

اس علمی انحطاط کے دور میں وہی امام احمد رضا قدس سرہ کے فکروفن کے راز دان ہیں بلکہ یوں کہہ لیجئے آج عالم اسلام میں علوم رضا کو سمجھنے اور جاننے والا ان کے سوا کوئی نہیں۔

ہزاروں میں تنہا مظفر حسین

امام علم وفن: فکر وفن کے کوہ ہمالہ

مولانا عبید اللہ خان اعظمی (سابق ممبر آف پارلیمنٹ دہلی)

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ امام علم وفن کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک دستاویزی تاریخ گوہرشناس حضرات کے ذریعہ منظر عام پر آرہی ہے، جو اپنوں کی قدر شناسی اور غیروں کی معلومات وضروریات کا ذریعہ بنے گی۔ مجھ سے بھی فرمائش کی گئی ہے کہ اس گراں قدر علمی وفکری شخصیت پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے کہ میں اس فکر وفن کے ہمالہ کے نیچے کھڑے ہوکر اس کی رفعت واوصاف سے نابلد اپنی چشم ظاہر میں سمائے کچھ مناظر قارئین کے سامنے پیش کرسکوں۔ شاید یہ خامہ فرسائی ان کے فکر دانوں کی پچھلی صف میں کھڑے ہونے کے لائق بنا سکے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کی دعاؤں کے فیوض وبرکات نے میری تخلیقی صلاحیت اور میری خطابت کو جلا بخشی ہے۔ خواجہ صاحب کی ذات گراں مایہ انسانی اقدار کی پاسبان، کمزور طبقات وغربا پر مہربان، سراپا مہر ومحبت، مجسمۂ اخلاص واخلاق اور نمونۂ درد ہے۔ جن کی علم دوستی اور شفقت سے معمور علمی وادبی، فقہی وفنی مہارت ورہبری نے مجھ جیسے معلوم نہیں کتنے لوگوں میں طلب علم کی جوت جگائی۔ جن کے فیضان توجہ سے نہ جانے کتنے تشنگان علم وادب اعلیٰ مراتب کو پہونچے۔ جنہیں میدان علم وتحقیق کے لوگ کبھی فراموش نہیں کر پائیں گے۔ مناظر اہل سنت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب مضطر آپ کی فکری صلاحیتوں کے مظہر ہیں۔ ان کے علم وفن کے قندیل کی ضیاباریاں جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں پر بجلی بن کر گرتی ہیں اور جہالت وسفاہت کی دستار سے مزین سروں پر فنی وفکری یتیمی کا داغ صاف دکھلائی دینے لگتا ہے۔

آپ نے اپنی زبان میں سادگی اور سلاست کا جو جوہر برقرار رکھا ہے وہ بے حد منجھی ہوئی شخصیت اور وضاحت فکر کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ کی شخصیت مخزن علم بھی ہے اور معدن معلومات بھی۔ آپ کی ذات والاصفات جہاں ایک طرف تاریخی ،تہذیبی، معاشرتی، علمی، ادبی وفنی صداقتوں کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف تجربات ومشاہدات اور احساسات وجذبات کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ بعض واقعات وحادثات اور احسان فراموشی کی روداد صفحۂ قرطاس پر آنکھوں سے ٹپکے ہوئے لہو کی مصداق ہے

۔ موصوف صاحب کو پروردگار عالم نے زبان وقلم کی شاہی بخشی ہے۔ زبان کھولیں تو انداز تکلم پر تقریر فدا ہو جاتی ہے۔ منطقی استدلال فی البدیہہ اور لوچ دار انداز تکلم پھولوں کی کنج میں اس لڑکھڑاہٹ کی مانند ہوتا ہے جس کے نرم ہچکولے سامعین کی ذہنی پنکھڑیاں کھلا دیتے ہیں۔ اور موضوع کا ہر پہلو خوش گوار تواتر و تکرار کے ساتھ دماغ میں یوں دیکھا جاتا ہے جیسے ننھی شبنم کی بوندیں نو شگفتہ پھولوں کے نشیب میں اترتی جائیں۔ اپنی سحر بیانی سے وہ معانی خیز پہلوؤں کو جلوۂ صد رنگ بنا دینے کا ہنر جانتے ہیں۔

جو تجھ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں
علاج گردش لیل و نہار رکھتے ہیں

☆☆☆

امام علم وفن : قاسم علوم رضا

مولانا غلام رسول بلیاوی: مہتمم ادارہ شرعیہ بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے علمی پایہ کی دوسری شخصیت ہندوستان میں دیکھی نہیں گئی، اس کا اعتراف علم وفن سے تعلق رکھنے والے ہر فرد نے کیا اور اس پر آپ کی ہزار سے متجاوز کتابیں بھی شاہد ہیں۔ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کو بھی علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا وافر حصہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد رشید حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کے توسط سے حاصل ہوا گویا اپنے عہد میں امام احمد رضا کے علوم کا وارث وقاسم حضرت خواجہ صاحب بن کر ابھرے اور پوری دنیا پہ چھا گئے۔

ادارہ شرعیہ بہار کے قیام کے بعد اس کی ترقی واستحکام کے لئے بانی ادارہ شرعیہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ہمیشہ ان سے مشورے لئے بلکہ بعض مقامات پہ ان کی خدمات بھی حاصل کیں اس طرح ادارہ شرعیہ کے لئے حضرت خواجہ صاحب نے جو کچھ کیا وہ ہمارے لئے یادگار تحفہ ہے۔ مجھ پر بھی حضرت کی بڑی نوازشات تھیں، جب ملاقات کرتا دعاؤں سے نوازتے خیریت پوچھتے پھر ادارہ شرعیہ کا ذکر ضرور چھیڑتے۔ افسوس ہے علم وفن کا وہ کوہ ہمالہ، اخلاق واخلاص پیکر جمیل، محبت وشفقت کا وہ دریائے بیکراں اور حکمت ودانائی کا وہ سمندر اس دنیا سے رخ موڑ گیا۔ ہم یقیناً ان کی رحلت سے ٹوٹے ہیں ،ادھورے ہوئے ہیں، اک سہارے سے محروم ہوئے ہیں۔ ان کی ذات ایک محفوظ چھاؤنی تھی جس میں علم کی دھمک، پیار کی ٹھنڈک، شفقت کی خوشبو، ایثار کا رنگ اور للٰہیت کی فضا قائم تھی۔ خدائے تعالیٰ حضرت کو وہ مقام عطا فرمائے جس سے انہیں روحانی راحت وسکون ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ ان کے صدقے وطفیل میں ہمیں اور جملہ امت مسلمہ کو دارین کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔

☆☆☆

علوم اعلیٰ حضرت کے تنہا وارث

الحاج سعید نوری، بانی رضا اکیڈمی ممبئی

ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر ونظریہ جانتے ہیں کہ بہار کیذرخیز مٹی سے تقریباً ہر صدی میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں کہ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت، علمی قوت اور فکری بصیرت کی بنیاد پر دین ومذہب کی نصرت وحمایت اور قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لئے بے مثال قربانیاں اور بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ دور حاضر میں جن شخصیتوں نے بہار ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی تحقیقی، تدریسی، تبلیغی اور تحریری میدان میں ناقابل فراموش نمائندگی کی ہے۔ان میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔کیونکہ وہ صرف رمز شناس مدرس، بالغ نظر مفکر، باکمال مدبر، دقیق نظر محقق اور بے نظیر مبلغ ہی نہیں بلکہ اپنے عہد میں علوم اعلیٰ حضرت کے تنہا وارث تھے۔آپ نے رضویات کے مخفی گوشوں کو اجاگر فرمایا، فتاویٰ رضویہ کے پیچیدہ مقامات کی توضیح فرمائی۔

آپ کے مقالات، تصنیفات، تحقیقات اور مضامین پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات عالم اسلام کی وہ آفاقی، عبقری شخصیت تھی جو بیک وقت علوم دینیہ اور عصریہ پر یکساں دسترس رکھتی تھی، تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ اکثر علوم وفنون میں آپ کا بظاہر کوئی استاذ نہیں تھا۔چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح کروی، زیج، اعمال ستینیہ، عمل بالخطائین، مثلث کروی، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، رمل وتکسیر، مناظر ومرایا، علم الابعاد وغیرہ میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں، بلکہ میں ان علوم کا مطالعہ جاری رکھا اور مفتی اعظم ہند کی نظر فیض سے وہ علوم مجھ پر واضح ہوتے گئے۔''

آپ کے تحقیقات جو ہندو بیرون ہند کے مؤقر رسائل وجرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، اس سے آپ کی تحقیقی تصنیفی صلاحیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی نگارشات سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے ورآپ کے درجات کو بلند وبالا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین۔

امام علم وفن: ہالینڈ کے علمی فضاؤں میں

مولانا اسرار احمد (ہالینڈ)

یہ جان کر میری مسرتوں کی انتہا نہ رہی کہ کلیان کا سہ ماہی المختار، امام علم وفن کی حیات اور دینی وعلمی کارناموں پر ایک
مبسوط نمبر نکالنے جا رہا ہے۔ میں صمیم قلب سے اس کے منصوبہ سازوں اور کارپردازوں کو مبارکباد کہتا ہوں۔ ان کی یہ سوچ
اور کارنامہ لائق تبریک وتقلید ہے۔ میں امام علم وفن کو اس وقت سے جانتا ہوں جب ۱۹۷۳ میں مرکز اہل سنت کی درس گاہ منظر اسلام
، بریلی شریف میں زیر تعلیم تھا۔ شمس العلما حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب پورنوی اشرفی علیہ الرحمۃ صدر المدرسین تھے۔ ہماری
جماعت کی یہ کتابیں: ملا حسن، میبذی اور شرح عقائد آپ کے ہاں تھیں۔ وہ میرے مشفق استاذ ہی نہیں، مربی اور کارجین بھی تھے
۔اس لئے ان کو دوسرے طلبہ کی بہ نسبت میری تعلیم وتربیت کی فکر کچھ زیادہ ہی تھی۔ ان کے خیال میں صدارت کے فرائض کی انجام
دہی کی وجہ سے کماحقہ میری تعلیم کی طرف وہ توجہ نہیں دے پا رہے تھے۔ اس لئے ان کی خواہش تھی اور فرماتے تھے کہ اب تم جامعہ
عربیہ سلطان پور خواجہ صاحب کے پاس چلے جاؤ، اور ان کا فیض حاصل کرو۔ اس وقت ان سے زیادہ بافیض استاذ اور کوئی نہیں ہے
۔وہ میرے ساتھی اور ملک العلما کے شاگرد رشید ہیں۔ مگر میرا عالم یہ تھا کہ میں انہیں کا فیض سمیٹ نہیں پا رہا تھا، کہاں جاتا؟۔ اس
طرح میں وارث علوم اعلیٰ حضرت، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں زانوئے
ادب تہ کر کے شرف تلمذ حاصل کرنے سے محروم رہا۔ جس کا افسوس مجھے اب ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

یہاں ۱۹۸۴ء میں رویت ہلال کمیٹی نیدرلینڈ، کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پلیٹ فارم سے ثبوت ہلال کے طرق موجبہ کو عملی
جامہ پہنانے اور اسلامی تاریخوں کا تعین کرنے کے علاوہ، صحیح بنیادوں پر روزے اور نمازوں کے اوقات کا جدول تیار کرنا ہوا، تو خصوص
مقام کے لحاظ سے جن مہینوں اور تاریخوں میں نماز عشاء کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک (غروب شفق ابیض کے بعد سے طلوع
فجر تک سحری وعشا کے وقت) پر عمل کرنا ممکن ہوا، اس کے مطابق؛ اور جن مہینوں اور تاریخوں میں امام اعظم کے مسلک پر عمل کرنا ممکن
نہ ہو سکا، صاحبین کے مسلک (غروب شفق احمر کے بعد سے نصف شب تک) کے مطابق عمل درآمد کیا۔ یعنی افق غربی سے سورج
کا انحطاط ہالینڈ کے محکمۂ فلکیات وآبزرویٹری کے تعاون سے علی الترتیب ۱۸ ڈگری اور ۱۲ ڈگری لیا۔ جس کی تصدیق امام علم وفن حضرت
جہ مظفر حسین رضوی اور مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے علم وفن کی روشنی میں فرمائی اور اپنے تجربوں سے بھی
ں کی تائید کی۔ الحمد للہ! ثم الحمد للہ! کہ اسی جدول کے مطابق یہاں کے مسلمان عمل پیرا ہیں۔

امام علم وفن: بے نظیر محقق

محمد اقبال قادری مصباحی بولٹن، یو۔کے

یوں تو اس دنیا میں لاکھوں شخصیتوں نے جنم لیا مگر انہیں میں کچھ ایسی شخصیات ابھرتی ہیں جو عظیم اور قابل قدر ہوتی ہیں۔ان میں گونا گوں خوبیاں ان گنت کمالات اور متنوع امتیازات ہوتے ہیں۔وہ اپنے علم وعمل سے خود بھی روشن ومنور ہوتی ہیں اور اپنے فیضانِ علم وعمل سے ہزاروں کو روشن بھی کردیتی ہیں۔ان شخصیات میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی قدس سرہ کا مقام ومرتبہ صف اول میں نظر آتا ہے۔

آپ نے عنفوان شباب سے عمر کی آخری سانس تک اپنے تدریسی فیضان سے بے شمار افراد کو منور کیا۔

آج آپ کے تلامذہ ہر ممتاز خدمات انجام دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔آپ ایک متبحر عالم دین، بے مثال مدرس، بے نظیر محقق اور علوم نادرہ میں کمال درجہ کی قابلیت کے حامل تھے۔

آپ سے میری بالمشافہ تو ملاقات نہ ہوسکی مگر ٹیلیفون پر کئے بار رابطہ ہوا۔پیر بھائی ہونے کی حیثیت سے مجھ سے بات کر کے بہت خوشی محسوس کرتے تھے اور میں آپ کی نادر تحقیقات کے ساتھ فون پر آپکی شفقتوں سے بہت متاثر ہوں۔

آخری بار ابھی حج کو جارہا تھا تو میں نے حضرت سے دعاء کے لئے فون پر رابطہ کیا تو حضرت نے بطور عجز وانکسار ارشاد فرمایا: آپ خود مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

پھر میں حج کے لئے روانہ ہوا اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حج سے فراغت کے بعد مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے یہ افسوسناک خبر سے مطلع کیا۔انتقال کی خبر سن کر نہایت افسوس ہوا اور مکہ شریف کی مبارک سرزمین پر حضرت کے لئے مغفرت وترقئ درجات کے لئے دعاء کی۔اخیر میں دعاء ہے کہ رب ذوالجلال حضرت کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

٭٭٭٭

Expert In Modren Education

Sayed Aulade Rasul Qudsi Newyork ,U.S.A

On 20th October,2013 at 11.46pm from moulana Abdur Rab Sahab khateeb-o- imam,Adam masjid Houston,Texas and at 12.02 am from moulana Furquani Sahab khateeb-o- imam,Makkah masjid,Houston ,Texas suddenly I got such a melacholious and regretful news by text message which not only shocked me but also it's effect kept annoying me till one week in such a way that I felt losing my equilibrium .The shocking news was regarding the demise of Khaja-e-ilmo fan Hazrat Khaja Muzaffar Husain Alaihir Rahmah. As soon as I got this news instantly I recited Tarjihah and Suratul Fatiha along with four Qul then passed their rewards to the soul of great personality who was undoubtedly vivid misdaaque of the sacred Hadith "Mautul A'alimi Mautul A'alam(the death of an A'alimi is the death of the world).

unfortunately neither I got opportunity to meet him nor any scope for reaping advantage directly from his vast and broad knowledge though I had been hearing since my early student life about his profound knowledge in different subjects relating to Manquoolaat and Ma'quoolaat from my esteemed father Mufti-e-A'azam Orissa Hazrat A'llama Mufti Sayed Abdul Quddus Alaihir Rahmah who was great praiser and admirer of Hazrat Khaja-ilmo fan.My benevolent father used to say that Khaja Sahab at present is unrivalled and matchless amongst the scholars of Islam.

This is an undeniable fact that except Khaja-e-ilmo fan no one is found more efficient than him specially in Logic and Philosophy.In addition somesubject matters like Logharithm,lime Jafar,timing,astronomy etc werez solely Confinedto him .

He left thousands of students behind him .It was his peculiarity that he through his credible and praiseworthy knowledge not only made his students

expert in Manquoolaat and Ma'quoolaat but also he inculcated in their hearts the spirituality,piety,Almighty fearing morality and the righteousness of life. His principal aim of imparting education to his students was not merely to satisfy an intellectual curiosity but to train rational and righteous individuals for the moral and physical goal of their families,their people and for the entire mankind.He was always focussing on the moral that the Islamic system of education strikes a balance between the need for individual excellences and the requirements of the society.Moreover he used to say emphatically that the Islamic education is totally based on the whole hearted acceptance of the revelation as a guide to all knowledge and conduct.

No doubt he proved by his Allah gifted vast knowledge that the Islamic education is much broader in its scope than the educational system of democratic west and socialist east.

Though I didn't get privilege to be benifitted by his knowledge directly but I'm rather fortunate that I learnt a lot from his praiseworthy and efficient student Hazrat mufti Motiurrahman Muztar rizwi . It will be neither wrong nor any kind of exaggeration to say that Mufti Sahab is the most high ranked student of Khaja-e-ilmo fan. In other words Mufti Sahab is the true inheritant and successor of his profound knowledge.whenever I get any kind of complexity,confusion and complication in any masala instantly without any hesitation I contact him and with broad heart he removes my doubts ,sorts it out and gives such a satisfactory solutions of the problems indeed beyond description.

May Allah bestow a long and healthy life to Mufti Sahab and shower His mercy and bounty on Khaja-e ilmo fan Alaihir Rahmah in abundance,make his holy grave splenid and sparkling and grant him Jannah.

Aameen bijaahi sayyidil mursaleen sallallahu Alaihi wasallam

امام علم وفن: ایک عالمگیر شخصیت

مولانا محمد عاقل رضا صدر مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

صوبہ بہار ہندوستان کا ایک مردم خیز علاقہ شمار ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ارباب فضل وکمال، اصحاب فکر ونظر اور محدثین وفقہا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور خلفاء میں ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ اسی خطہ علم وفن سے تعلق رکھنے والی ایک جلیل القدر شخصیت تھے۔ جو اپنی علمی گیرائی وگہرائی اور تبحر علمی کی وجہ سے ملک العلماء کے لقب سے متصف ہوئے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے دوسرے خلیفہ حضرت علامہ سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کی بے مثال علمی شخصیت اکابر علماء میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کی علمی وسعتوں کا اندازہ ان کی شہرہ آفاق کتاب ''المبین'' سے ہوتا ہے۔ جو اپنے انفرادی علمی موضوع پر امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ عصر حاضر کی شخصیتوں میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کا نام افق شہرت پر نمایاں ہے۔ بریلی شریف میں آپ نے تکمیل کی اور اس کے بعد منظر اسلام میں ہی مستقل پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دیگر معروف اداروں مین آپ نے اپنے طلبہ کو اپنے علمی فیضان سے فیضیاب کیا۔ فی الحال آپ چرہ محمد پور فیض آباد میں کافی وقت سے دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جماعتی درسگاہوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو علم ہیئت وہندسہ توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، مثلث کروی، زیج، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد جیسے کم یاب علوم اور فنون قدیمہ پر کامل دسترس رکھنے والے تنہا نظر آتے ہیں۔ جو اپنی تبحر علمی، وسعت فکر ونظر اور بلند اخلاق جیسے اوصاف جلیلہ کی بنا پر ملک گیر نہیں بلکہ عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔ ابھی جلدی میں امام علم وفن قبلہ کے مضامین ومقالات کا مجموعہ ''تحقیقات امام علم وفن''، مرتب کیا گیا ہے اس میں حضرت امام علم وفن نے علم ہندسہ پر امام احمد رضا کی نقد ونظر کے عنوان سے ایک اہم معلوماتی تحقیقی مقالہ رقم فرمایا ہے۔ اس مقالے میں آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی دقت نظر اور وسعت علم پر اپنے فلسفی استدلال کی روشنی مین محققانہ انداز میں کلام فرمایا ہے، اسی طرح امام احمد رضا اور علم تکسیر عنوان پر آپ نے اعلیٰ حضرت کے علم وآگہی اور اس فن پر امام احمد رضا کی مہارت تامہ پر دلچسپ انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ مائیکروفون کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کی ایک کتاب پر امام علم وفن قبلہ نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا نام (الکشف شافیا

...علم نوجرافیا) ہے یہ کتاب پہلی بار قلمی مخطوطہ سے آپ کی تقدیم کے ساتھ منظر عام پر آئی۔اس میں بہت سارے رموز ونکات کو آپ نے واضح فرمایا ہے۔اور فاضل بریلوی کے متن کی تشریحات بھی کی ہیں۔جو اپنی افادیت واہمیت رکھتی ہے۔حضرت امام علم وفن کا امام احمد رضا محدث بریلوی کے حضور خراج عقیدت کا حسین انداز ملاحظہ فرمائیں۔آپ رقم طراز ہیں۔

''رب کریم اپنے فضل وکرم سے جب کسی بندہ کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اپنی رحمت سے اس کو اتنا بخشتا ہے کہ بندے کو تنگی داماں کی شکایت ہو جاتی ہے۔امام احمد رضا انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں امام احمد رضا کو قدرت الیہہ نے علم وآگہی کا وہ وافر حصہ عطا فرمایا کہ وہ ہر میدان میں یکتا ومنفرد نظر آتے ہیں۔وکونسا علم ہے کہ رب قدیر نے انہیں نہیں بخشا اور وہ کون سا فن ہے کہ جس میں امام احمد رضا کے قلم نے اسرار پنہاں کی عقد کشائی نہیں کی؟ہم جہاں بھی دیکھتے ہیں ہر بساط پران کا کھنکتا ہوا سکہ نظر آتا ہے،،(تحقیقات امام علم وفن)

علمی،قلمی خدمات کے دائرے کی وسعت اپنی جگہ،حضرت امام علم وفن کے در گاہ فیض وکرم سے استفادہ کرنے والے ذی وقار علماء کرام،ذی استعداد مفکرین،ذی استعداد مدرسین،فکر ونظر کے حاملین خطبا پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالئے تو لگتا ہے کہ ہر سمت فیض رضا،کرامت مفتی اعظم ہند بن کر امام علم وفن کے علم وفضل کی بارش ہو رہی ہے۔

بجتا ہے علم دین کا جو ساز دوستو
ہے وہ بھی اسی جرس کی آواز دوستو

مولی تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی عمر اور علم میں بے شمار برکتیں اور فضل وکمال میں بے پایاں عروج وارتقا اور کمال بخشے اور آپ کی فنی وقلمی خدمات کو شرف قبولیت کا اعجاز عطا فرمائے۔آمین

امام علم وفن: علوم اعلیٰ حضرت کے وارث

مولانا محمد نظام الدین القادری الامجدی عفی عنہ برطانیہ

دنیا میں کچھ افراد وہ ہوتے ہیں کہ ان کی ذات وشخصیت سے ادارے، انجمنیں اور تنظیمیں پہچانی جاتی ہیں۔ انہیں اپنے تعارف کے لئے کسی ادارہ یا تنظیم کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ بلکہ وہ تنہا جہاں بیٹھ جائیں وہیں ایک جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ ان میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی ذات صف اول میں نظر آتی ہے۔ اس پر مظہر اسلام سے چرہ محمد پور کے دار العلوم نور الحق میں آپ کی تدریسی خدمات کی تاریخ شاہد عدل ہے۔

اس فقیر کا حضرت سے تعارف چند سال قبل بذریعۂ ٹیلی فون ہوا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ فقیر جب برطانیہ آیا تو یہاں اوقات سحری وعشاء میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف دیکھا تو اس مسئلہ کے حل کے لئے حضرت کا کسی طرح نمبر حاصل کر کے پھر بذریعۂ فون رابطہ کیا اور سلام کے بعد اپنا مدعا پیش کیا اور یہاں کے مسلمانوں کی اوقات کے سلسلے میں پریشانی بیان کی کہ یہاں تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ سے مسلمان مقیم ہیں مگر یہ مسائل تا حال لاینحل ہیں۔ حضرت نے تعاون کی حامی بھری اور میں نے بعد میں چند سوال حضرت کی خدمت میں پیش کئے جن کا حضرت نے محقق اور مدلل جواب برطانیہ ارسال کیا۔ پھر ایک دن میں نے فون پر عرض کیا کہ حضور! مجھے اوقات نکالنا سکھا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا: کیا تمہارے پاس زبدۃ التوقیت ہے؟ میں نے کہا: ہاں! تو پھر حضرت نے فون پر قاعدہ سمجھایا اور کہا کہ اس کی مشق کرو۔ میں نے محنت کی اور اس قاعدہ کو اچھی طرح سیکھ لیا۔ اور حضرت سے فون پر رہنمائی بھی لیتا رہا۔

پھر حضرت نے وہی قاعدہ بذریعۂ Calculator بھی سکھا دیا۔ اس طرح حضرت نے تمام قواعد وقت نکالنے کے بذریعۂ فون تعلیم فرمادئے اور ان تمام کو میں نے تحریر کر کے محفوظ بھی کر لیا۔

قارئین جانتے ہیں کہ توقیت کا فن کتنا مشکل ہے اسکو ٹیلی فون پر سکھا دینا یہ امام علم وفن کی تدریسی کمال اور تفہیم میں اعلیٰ درجہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شاید برصغیر میں اس کی نظیر نہیں مل سکے۔

یہ فقیر ان چند سالوں کے ٹیلی فون پر رابطے سے بہت متاثر ہوا اور آپ کی ذات میں عاجزی، انکساری، تمیز پر شفقت، خورداں نوازی، ملت کا درد، بریلی شریف سے عقیدت اور کمال اخلاص یہ تمام چیزیں محسوس کی۔

آپ کے وصال سے تقریباً دس روز قبل فون پر رابطہ ہوا تھا۔ خیر خیریت دریافت کی، خوش تھے مختلف امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود دو اُف تک ہونٹوں پر شکوہ و شکایت، بلکہ اللہ عزوجل کے فیصلے پر راضی تھے۔ الرضا بالقضاء یہ ایک مومن صادق کی علامت ہے جو آج کل بہت کم نظر آتی ہے۔ آپ باوقار عالم، محقق، مفتی، فلسفی، منطقی، ہیئت، توقیت، جفر، ہندسہ، حساب اور بھی بہت علوم و فنون نادرہ کے حاذق اور ماہر تھے۔ بلکہ آپ بہت سے علوم میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ کے وارث تھے۔ جب آپ کے وصال کی اطلاع برطانیہ میں ہوئی تو کئی حضرات نے میرے ساتھ فون پر رابطہ کیا اور اظہار افسوس کے ساتھ اپنی اپنی مساجد میں دعائے مغفرت کی۔

اظہار تعزیت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

حضرت علامہ محمد حنیف الرضوی ـــــ مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خان الاعظمی ـــــ حضرت علامہ منور عتیق ـــــ مولانا محمد محسن رضوی ـــــ حافظ و مولانا محمد یونس ـــــ حضرت علامہ مقصود صاحب ـــــ مولانا محمد کلیم القادری ـــــ جناب حاجی مشتاق صاحب ـــــ مولانا محمد ادریس صاحب ـــــ مولانا محی الدین صاحب ـــــ علامہ ارشد صاحب۔

اللہ عزوجل حضرت کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کی تمام دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

نوٹ: شرح چغمینی کے صفحہ ۱۲۲ کے حاشیہ نمبر ۱۰ پر غایت انحطاط نکالنے کا قاعدہ ہے جو قارئین کے فائدہ کے لئے حضرت کی تفہیم کے مطابق درج کرتا ہوں۔

عرض البلد کو ۔[۹۰] سے تفریق کرو، جو حاصل ہوگا وہ تمام العرض ہوگا ۔ پھر اس کو میل شمسی سے تفریق کرو تو غایت انحطاط نکل آئے گا

مثال: عرض البلد ۳۰۔۴۸

۔۹۰

۴۱۔۳۰

۳۰۔۲۳ میل شمس ۲۲ جون و

=۱۸۱ غایت انحطاط

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: غزالئ دوراں

مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی ہیگ، نیدرلینڈ

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی وفات حسرت آیات سے ملت اہل سنت میں ایک عظیم [illegible] کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کا وجود مسعود ہمارے تدریسی نظام کا سرمایہ، علمی وتحقیقی مجالس کی آبرو، مسائل دقیقہ کی حل طلبی میں طوفان شناس ناخدا کی حیثیت رکھتے تھے۔

ماضی قریب میں ہم نے اپنے کئی اکابر علماء ومشائخ کو کھویا ہے۔ بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی حضرت مو[illegible] صوفی نظام الدین صاحب، حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب بستوی، شہزادۂ سید العلماء حضرت نظمی میاں صاحب، مفتی [illegible] راجستھان مفتی اشفاق حسین، فاضل نوجوان مولانا نصر اللہ صاحب مصباحی علیھم الرحمۃ والرضوان۔ ان میں سے ہر ایک کی [illegible] اپنی جگہ علمی دینی اور مختلف جہتوں سے نہایت اہم تھی۔ دین ودانش کی انجمنوں میں ہر ایک نہایت بلند وبالا اور ملک وملت کے [illegible] قابل فخر اور سرمایہ کی حیثیت رکھتا تھے، مولیٰ تعالیٰ ہمیں ان سب کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

اے خدا کشتی امت کا نگہباں تو ہے
ہم نے جو کھودیا اب اس کا بدل کیا ہوگا

تقریباً ٦-٨ ماہ کا وقت گزرا حضرت امام علم وفن کے کچھ تلامذہ اور محبین کے کلیان ممبئی سے طبع ہونے والے س[illegible] رسالہ ''المختار'' کا ایک خصوصی شمارہ ''امام علم وفن'' کے نام سے حضرت والا کے اعتراف خدمت کے طور پر طبع کرنے کا ارادہ [illegible] تھا۔ حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب اور کئی احباب نے مجھ کمترین سے بھی اس شمارہ کے لئے قلمی شرکت کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر افسوس وہ کام منظر عام پر آنے سے پہلے ہی حضرت کا وقت موعود آ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ (خواجۂ علم وفن) دور رواں میں برصغیر کے علماء علام کے درمیان ایک حروف شخصیت کا نام ہے، جنہوں نے بالخصوص علوم معقولات، ریاضی، توقیت وہیئت وغیرہ اور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

امام علم وفن: صاحب علم واخلاق

مولانا محمد علی قاضی، مصباحی، جمالی، ایم اے (ہبلی) خطیب مسجد منورہ بنگلور

مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے عہد طالبعلمی یعنی سن ۱۹۸۲ سے قبل کسی موقعہ پر میں نے امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کا ہشاش بشاش، چمکتا ہوا جاذب قلب ونظر چہرہ دیکھا تھا۔ وہ جھلک آج بھی میرے ذہن ودل میں محفوظ ہے۔ ابھی تقریبا دو سال قبل پیر طریقت حضرت مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب قبلہ اور حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب (بگام) کی رفاقت میں بہار اور یوپی کا دورہ ہوا۔ اس موقعہ پر کچھوچھہ شریف سے لکھنو جاتے ہوئے حضرت خواجہ صاحب قبلہ سے شرف ملاقات وکسب فیض کی غرض سے ان کے دار العلوم میں جانے کا حسن اتفاق میسر آیا۔ اللہ اکبر! بالکل پہلی ملاقات تھی مگر ایسا لگ رہا کہ قبلہ خواجہ صاحب مجھے برسوں سے جانتے پہچانتے ہیں۔ نہایت مخلصانہ ومشفقانہ انداز تکلم اور پر تکلف وپر وقار وضع قطع، پھر بھی مجھے وہ نہایت بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ بستر علالت پر ہوتے ہوئے بھی ہم مہمانوں کی مہمان نوازی میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ شائستہ گفتگو بھی فرما رہے ہیں، ادھر اپنے شاگردوں کو ہماری مکمل خاطر تواضع کا حکم بھی دے رہے ہیں اور کبھی خود ہی اپنی نشست گاہ سے اٹھ کر ہمارے دستر خوان کی طرف لپکتے ہوئے ہمیں خورد ونوش کی گذارش بھی کر رہے ہیں۔ واہ بھائی! یہ تو خواجہ علم وفن ہی نہیں بلکہ خواجۂ حسن اخلاق بھی ہیں۔ سچ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کردار سے بنائیے معیار زندگی

ماحول سے حیات کا سودا نہ کیجیے

ہبلی واپسی کے بعد دوبارہ میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی۔ علیک سلیک کے بعد مجھ کم علم وبے عمل کو انہوں نے قاضی ت! کہہ کر مخاطب کیا اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ گفتگو کی۔ اور آپ کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ کہاں وہ کوہ علم وفن، اور یہاں میں ذرۂ بے وقعت وبے وزن؟ مگر وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے۔ سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اے کاش ایسی ہی سادگی، ایسی ہی اخلاق اور ایسی ہی سوچ جماعت اہل سنت کے ہر نمائندہ اور ہر ترجمان میں پیدا ہو جائے تو آج بھی عوام و خواص ہمارے قریب آ سکتے ہیں۔ مگر افسوس!

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

کہنا نہیں چاہتا تھا مگر کہنے پر مجبور ہوں کہ اہل سنت کے کتنے ایسے سپوت ہیں کہ ان کی کما حقہ قدر نہیں کی گئی۔ دنیا کے خانوادوں اور تلامذہ کی حیثیت والوں کو لوگوں نے اپنے اپنے مطالب کے لئے خوب چڑھایا۔ اسی طرح کتنے ایسے جماعت میں چھوٹے ہیں، جو ہر طرح سے قابل ہیں مگر انہیں نظر انداز کیا گیا۔ ان حالات میں اگر کوئی ڈاکٹر اقبال کا یہ (حسب ذیل) شعر پڑھے تو بعض لوگوں کے ماتھے پر شکن کیوں پڑ جاتی ہے؟

اٹھا ہوں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم واقدس ﷺ کے طفیل حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی عمر و صحت میں برکت دے اور ان کے امثال اہل سنت میں پیدا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

تیسرا باب

مشائخ واساتذہ

امام علم وفن: ملک العلما کے تلمیذ مفتی اعظم کی کرامت

حضرت علامہ مختار حنیف قادری بغدادی

علوم شرعیہ اور فنون ادبیہ کی تعلیم و تعلم کا منہج و طریقہ ہر زمانہ میں مختلف اسالیب اور الگ الگ ڈھنگ سے جاری و ساری رہا ہے۔ صحابہ وتابعین کی درسگاہیں، ان کے کاشانوں اور رہائش گاہوں سے لے کر کوچہ و بازار اور مسجد و منبر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ جہاں کہیں ہوتے علوم شریعت کا جام لنڈھاتے۔ دیوانگان علوم نبوت ہر جگہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس لبوں سے جھڑی ہوئی موتیاں سمیٹتے نظر آتے۔ فقہا و مجتہدین اور ائمہ و محدثین کی تعلیم گاہیں، کبھی ان کے دولت کدے اور آرام گاہیں ہوتیں، تو کبھی ان کے گرد و پیش تلامذہ کی حسین جھرمٹ مساجد کے محراب و منبر سجاتی نظر آتی۔ شارع رشید، پر واقع 'جامع الخلفاء' کے ایک ایک ستون سے نہ جانے کتنے فقہا و محدثین کی یادیں وابستہ ہیں۔ فقہا محدثین اور ائمہ و مجتہدین ایک ایک ستون کے پاس جلوہ فگن ہوتے؛ اور ان کے چہار سو طالبان علوم شریعت کا ہالہ بچ جاتا۔ یہ ستون امام ابو یوسف الانصاری ہے، اور یہ ستون امام محمد بن حسن الشیبانی ہے، یہ ستون امام شافعی ہے، اور یہ ستون امام احمد بن حنبل ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان سب کے باوجود اساطین علوم و فنون درسگاہ اور جگہ کا پابند ہو کر نہ رہے، بلکہ سفر و حضر ہر جگہ شمع علم فروزاں رکھتے اور مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ نور و نکہت سے دلوں کو جگمگاتے رہتے۔ سلسلۂ درس علم نبی جاری رکھتے اور تشنگان علوم دینیہ کو سیراب فرماتے رہتے۔ رفتہ، رفتہ ایک عہد وہ آیا جبکہ باضابطہ مدارس و جامعات اور کلیات و معاہد اور دار العلوم کا قیام معرض وجود میں آ گیا، اور تعلیمی سلسلہ اس نہج و نصاب پر جاری ہوا جسے آج ہم کچھ تبدیلیوں کے ساتھ اپنے درمیان مصروف عمل دیکھ رہے ہیں۔

عصر قدیم سے لیکر عہد حاضر تک تمام عصور و عہود میں طریقۂ تعلیم جو بھی رہا ہو مگر سب میں ایک امر قدر مشترک کے طور پر دیکھنے میں آیا کہ اہل علم و فن کی کما حقہ وراثت انہیں تلامذہ میں منتقل ہوئی جنہوں نے خود کو صرف درسگاہوں کی تعلیم تک محدود نہ رکھا، بلکہ اساتذۂ فن کی خدمت گزاریوں کے صلہ میں انھیں جلوت و خلوت اور سفر و حضر ہر جگہ اکتساب فیض کا موقع

ملتا رہا۔ خواہ وہ امام ابو یوسف ہوں یا امام محمد۔ رازی ہوں کہ غزالی۔ سبھی کو اپنے اپنے اساتذہ و معلمین کی نگاہوں میں محبوبیت کا درجہ حاصل رہا ہے۔ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری کو 'ملک العلما' کا رتبہ اسی وقت ملا جب انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی بارگاہ میں 'عزیز فرزند، جان پدر بلکہ از جاں بہتر، ولدی الاعز' کا قرب خاص اور رتبۂ بلند حاصل کر لیا۔

امام علم و فن، ربیب ملک العلما، مظہر مفتی اعظم، وارث علوم امام احمد رضا، استاذ مطلق حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ و عم فیضہ کی مبارک و مسعود زندگی کے تاریخ ساز اور علم نواز عہد کے حسین اوراق اور یادگار لمحات پر اگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے، اور آپ کے زمانہ طالب علمی کے شب و روز سے، مطالعہ کا آغاز کیا جائے، تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ استاذ مطلق کو ملک العلما کی بارگاہ ناز میں وہ قرب خاص حاصل تھا جو آپ کے زملا و رفیقان درس میں شاید کسی کو میسر رہا ہو۔

ان دنوں کی بات ہے جبکہ حضور ملک العلما علیہ الرحمہ 'حیات اعلیٰ حضرت' کی تصنیف و تالیف کا کام انجام دے رہے تھے، تو آپ کے تلمیذ ارشد تقریباً ہر روز مغرب و عشاء کے درمیانی وقت میں، ذوق کی بیداری، مزاج کی شگفتگی اور ذہن سازی کے لئے اردو زبان و ادب کی کتابیں پڑھکر سنایا کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ بحر العلوم لطیفی، کٹیہار کے طلبہ میں اگر کسی کو ملک العلما کی بارگاہ عالی جاہ میں باریابی و لب کشائی کی سعادت مندی و فیروز بختی حاصل تھی، تو وہ صرف اور صرف استاذ مطلق امام علم و فن کی ذات ستودہ صفات کو تھی۔ ان حالات کے تناظر میں جہاں ملک العلما سے تقرب کا پتہ چلتا ہے، وہیں اس امر کی بھی عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ آخر بنگال سے متصل پورنیہ جیسے علاقہ میں پیدا اور بچپن گذارنے والا شخص دہلی ولکھنؤ اور حیدرآباد و عظیم آباد میں بسنے والوں کی طرح مضمون نگاری کیسے کرتا ہے۔ اور زبان و ادب میں اتنی وقیع اور فصیح و بلیغ تحریریں کیسے جنم دیتا ہے؟ تعجب ہے کہ وہ صرف نثر نگار ہی نہیں بلکہ ایک فنکار شاعر بھی ہے؟ ان سارے سوالات کا جواب صرف اتنی سی بات میں مضمر ہے کہ امام علم و فن کی پیدائش ضرور دسنگھیا، ضلع 'پورنیہ، صوبہ بہار، میں ہوئی مگر زبان سازی اور تربیت علمی و فکری تو عظیم آباد پٹنہ کی آغوش کے پروردہ اور اعلیٰ حضرت حسان ہند کی بارگاہ کے تربیت یافتہ، علما کے بادشاہ، علامہ سید ظفر الدین بہاری کی نگہداشت میں ہوئی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملک العلما نے اپنی کتاب 'حیات اعلیٰ حضرت' میں جس طرح مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی حیات مبارکہ کے جن واقعات کو بچپن سے لے کر جوانی و بڑھاپے تک، تعلیم و تعلم سے لے کر فراغت تک، فتویٰ نویسی سے لے کر درگاہ کی جلوہ سامانیوں تک، تجدیدی کارناموں سے لے کر شعر و سخن تک اور خلوت خانہ سے لے کر جلوہ گاہ تک بیان فرمایا ہے۔ یقیناً وہ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ملک العلما اعلیٰ حضرت کے صرف شاگرد نہ تھے، بلکہ صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح بلا تمثیل آل بیت مجدد کے ایک فرد تھے، جس کی تائید اعلیٰ

حضرت کے ان (۴۳) خطوط کے واقعات سے ہوتی ہے جنہیں امام نے ملک العلما کے نام مخصوص الفاظ وآداب کے ساتھ شفقت پدری میں ڈوب کر تحریر فرمائے ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس میں ملک العلما تمام تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں یکتا و بے ہمتا نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج تک ملک العلماء پر وہ کام نہ ہو سکا (اب ہو گیا ہے) جس کے وہ مستحق تھے۔ ملک العلماء جس طرح اپنی اس مذکورہ خصوصیت میں یکتا ہیں، اسی طرح ایک دوسری خصوصیت بھی ہے جس میں اپنے دیگر معاصر تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ہیئت وہندسہ جیسے علوم وفنون کا علم براہ راست اعلیٰ حضرت سے حاصل کیا۔ کچھ علوم وفنون میں تو اکلوتا شاگرد ہونے کا شرف پایا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں.............: اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انہوں (ملک العلما) نے بقدر کفایت اخذ کیا۔..........''

یہ نمونہ کی چند خصوصیات ہیں جو ملک العلماء کو اپنے تمام معاصرین علماء اور تلامذۂ اعلیٰ حضرت میں امتیازی شان بخشتی ہیں۔ ورنہ تو خود اعلیٰ حضرت نے آپ کو 'ملک العلماء، فاضل بہار، کا لقب دیکر' مفتی، مصنف، واعظ، مناظر، جیسے اہم مناصب جلیلہ پر فائز اور اس کا مستحق بتایا ہے۔

یوں تو ملک العلما کے تلامذہ اور شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، مگر ان میں ہمارے استاذ محترم امام علم وفن کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ستاروں میں کہکشاں کو۔ یا۔ سیاروں میں مہر وماہ کو۔ آج دنیا کے مختلف براعظموں سے آنے والے وہ مسائل جو عقدۂ لاینحل کا درجہ رکھتے ہیں، ناخن علم امام علم وفن سے ہی ان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ خواہ وہ امریکہ کا مسئلۂ سمت قبلہ ہو۔ یا۔ برطانیہ کے مختلف شہروں کا وقت نماز۔ خواہ وہ ہندوستان میں اعضا کی پیوندکاری سے متعلق مجلس شرعی کا الجھا ہوا پیچیدہ سوال ہو۔ یا۔ دور جدید کی نوایجاد ٹی، وی اور ویڈیو کی تحقیق، خواہ وہ اٹھائیس رمضان کو چاند دیکھے جانے کا امکان ہو ۔ یا۔ مقدار صاع کی تحقیق، وغیرہ وغیرہ ایسے بہت سے مسائل جن کی تحقیق وتدقیق امام علم وفن استاذ مطلق نے فرمائی ہے، وہ بلاشبہ امام علم وفن، وارث علوم امام احمد رضا ہی کا حصہ ہیں۔ دور حاضر کے کہنہ مشق مفتیان کرام جن مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں عاجز ودرماندہ رہ جاتے، خواجہ علم وفن نہ صرف انہیں حل فرماتے ہیں بلکہ ان سے متعلق تحقیق کا وہ دریا بہاتے ہیں جنہیں دیکھ کر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے قلم خداداد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سمت قبلہ معلوم کرنے کے جو طریقے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے '**كشف العلة عن سمت القبلة**' میں بھی بیان فرمائے ہیں، وہ دس ہیں۔ اس پر امام علم وفن نے ایک مشاہداتی طریقہ کا استدراک فرمایا ہے، جو مقدمہ **كشف العلة** میں مندرج ہے۔ اسی طرح فتاوی رضویہ میں علی گڑھ کے

ست قبلہ سے متعلق جو طریقہ اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، اس پر دو دوسرے طریقوں کا استدراک فرما کر استاذ مطلق نے اپنے دادا استاذ کے حقیقی وارث علمی ہونے کا بین ثبوت دیا ہے۔ دور حاضر کے مفتیان کرام اور محققین اسلام اعلیٰ حضرت کے جن جوابات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ان پر نئے نئے قاعدوں کا اضافہ اور جدید طریقوں کا استدراک یہ کوئی معمولی بات تو نہیں لیکن ہمیں پھر بھی کوئی تعجب اس لئے نہیں کہ یہ کسی اور کا کارنامہ نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت کے علوم نادرہ کے اکلوتے وارث ملک العلما کے شاگرد رشید کا کرشمہ ہے۔ سچ ہے کہ:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو :: پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

استاذ مطلق، امام علم وفن نے ملک العلما کی درسگاہ 'بحر العلوم لطیفی'، کٹیہار، سے سیرابی حاصل کرنے کے بعد استاذ گرامی کے اشارہ پر منبع علم وحکمت، چشمۂ فیضان نبی رحمت، مرکز اہل سنت 'بریلی شریف' کی طرف وارفتگی عقیدت اور وفور شوق کے ساتھ کشاں کشاں چل پڑے۔ وہاں پہونچ کر 'دار العلوم مظہر اسلام' میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ تعلیم وتربیت اور پڑھنے، لکھنے کی ساری تمنائیں تو بارگاہ ملک العلماء سے پوری ہو چکی تھیں، اب یہاں تو صرف اتنی سی آرزو لے کر حاضر ہوئے تھے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، عالم برحق، پیکر تقویٰ وطہارت، حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کے مقدس ہاتھوں سے کچھ پینے کا شرف مل جائے تاکہ دیوانگان رضا میں اپنا نام بھی درج ہو جائے۔ چنانچہ مرشد برحق کے دست مبارک پر شرف بیعت وارادت پا کر اپنی خوش بختیوں پر ناز کرنے لگے، تھوڑے ہی دنوں بعد دار العلوم مظہر اسلام سے سند ودستار فضیلت بھی حاصل کر لی گئی۔ لیکن عصر حاضر کے مستند مولویوں کی طرح صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے پیر ومرشد کی بارگاہ ناز میں دست بستہ حاضر ہو گئے اور نیازمندی کے ساتھ بڑی لجاجت سے عرض کی:

سرکار! ذاتی سند واجازت سے بہرہ ور فرما دیجئے!

ارشاد ہوا: کسی لائق بنے بھی ہو؟

امام علم وفن نے اپنی ساری ہمت وتوانائی اکٹھی کر کے عرض کی:

کسی لائق بن نہیں سکا ہوں، اسی لئے تو عرض کر رہا ہوں کہ حضور بنا بھی دیں اور سند بھی عطا فرما دیں۔

اس پر پیر ومرشد نے اپنے نواسے خالد میاں مرحوم کے ذریعہ سند منگوا کر عطا فرما دی۔

پھر جب 'دار العلوم مظہر اسلام'، کی تدریسی خدمات انجام دینے لگے تو پیر ومرشد نے دار الافتاء کا 'کلید بردار' بھی بنا دیا۔ اس لئے اگر امام علم وفن کو تلمیذ ملک العلماء ہونے کا شرف حاصل ہے تو، انہیں کرامت مفتی اعظم کہا جانا بھی برحق ہے

استاذ مطلق، امام علم وفن نے تقریباً پانچ سال تک 'دار العلوم مظہر اسلام' بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور انہیں دنوں حضور مفتی اعظم کے دار الافتاء میں بحیثیت مفتی فتویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری بھی سنبھالی ...

دنوں دار العلوم مظہر اسلام حضور مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ و سرپرستی اسلام وسنیت کی حمایت ونصرت میں روز افزوں ترقی کی شاہراہوں پر گامزن تھا اور رفتہ رفتہ افکار رضا کی ترویج واشاعت میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ کی صورت اختیار کر چکا تھا، مگر اس کے باوجود دار العلوم منظر اسلام کے صدر المدرسین مفتی افضل حسین صاحب مونگیری کی شخصیت بعض وجوہ سے طلبائے مظہر اسلام کے لئے پرکشش بنی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک خاص وجہ یہ تھی کہ مفتی صاحب بعض علوم نادرہ جیسے توقیت وغیرہ سکھایا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ توقیت کے عملیات کی مشق کرانے میں مہینوں صرف ہو جاتا تھا اور رجسٹر کے رجسٹر بھر جاتے تھے تب جا کر کہیں اس فن میں کچھ شعور پیدا ہوتا تھا۔ طلبہ کی یہ مشقتیں دیکھ کر امام علم وفن کو تشویش رہا کرتی تھی۔ مولانا سلطان صاحب قبلہ ادروی جو کہ حضرت استاذ مطلق کے شاگرد رشید ہیں، اگر چہ دیکھنے میں حضرت سے بھی زیادہ سن رسیدہ معلوم ہوتے ہیں گو عمر میں بڑے تو نہیں مگر کچھ زیادہ چھوٹے بھی نہیں ہیں، کیونکہ حضرت نے بریلی شریف میں دار العلوم مظہر اسلام کی درسگاہ اس وقت سنبھالی تھی جب کہ آپ کی عمر شریف صرف بیس سال تھی۔ مولانا موصوف نے انہیں دنوں مفتی افضل حسین صاحب سے توقیت سیکھنا شروع کیا تھا۔ مولانا ایک دن امام علم وفن کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور موقع مناسب دیکھتے ہوئے اپنی دشواریوں اور آزمائشوں کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت استاذ مطلق "علم توقیت" پہ غور وخوض شروع کیا۔ کچھ ملک العلماء کی تعلیم وتربیت کام آئی اور کچھ ذہن رسا نے ساتھ دیا۔ بالآخر کرامت مفتی اعظم ہند نے کام پورا کر دکھایا اور استاذ مطلق نے مولانا موصوف کو علم توقیت میں اپنا پہلا شاگرد بنایا۔ پھر کیا تھا؟ علم کی خوشبو شدہ شدہ طلبہ میں پھیلی، اور یکے بعد دیگر آپ کے درس میں شریک ہونے لگے۔ اس طرح بہت تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے 'توقیت' سیکھ لی۔

درحقیقت حضرت خواجہ صاحب کو لائق وفائق تو حضور مفتی اعظم کی نگاہ ولایت نے بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت سارے علوم وفنون جو علمائے عہد میں نادر ونایاب ہیں، استاذ مطلق نے بغیر کسی استاذ کے از خود حاصل کیا ہے۔ **وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشا۔**

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اچھے اساتذہ کے لئے اچھا ماحول اور سازگار فضا کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک وہ معقول ادارہ، اچھے طلبہ، مناسب انتظام، خوشگوار تعلیمی ماحول، اور باصلاحیت ذی استعداد اساتذہ کی جماعت نہیں پاتے، نہ تو نمایاں کارنامے انجام دے پاتے، اور نہ ہی نمایاں شاگرد پیدا کر پاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس امام علم وفن جس جگہ تشریف لے جاتے ہیں، اپنی انجمن خود ہی تیار کر لیتے ہیں۔ علم سے کوری پیاسی جگہ پہونچے تو اپنے علم فیاض کے بحر بیکراں سے سیراب کر دیا۔ ریگزار جہالت میں چشمہ علم پیدا کیا۔ بنجر زمینوں میں سبزہ اگایا، جنگل میں گئے تو منگل بنا دیا۔ جس ادارہ کو رونق بخشی، اسے گہوارہ علم

ودانش بنادیا۔ طلبہ سے خالی تھا تو اب مہمانان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آباد وشاد ہو گیا۔ جہاں ابتدائی دو تین جماعتیں تھیں، پر سوچنے کے ساتھ ہی فضیلت کی سند ودستار بٹنے لگی۔ کچھوچھہ شریف، براؤں شریف، بدایوں شریف، سلطانپور، بھاگلپور اورالہ آباد کی درسگاہیں اور در ودیوار، ان کے فارغین وفاضلین ہمارے ان دعوؤں کی تائید وتوثیق میں پختہ دلیل اور بین ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملک کی ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم اہلسنت نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد یوپی جہاں امام علم وفن استاذ مطلق آج تقریباً بیس سالوں سے اپنے فیضان علم وہنر سے ایک جہاں کو سیراب کر رہے ہیں ۱۹۹۳ء میں جب یہاں آپ کی تشریف آوری ہوئی تو اس وقت صرف رابعہ تک کے طلبہ موجود تھے۔ لیکن اسی سال جب آپ تشریف فرما ہوئے تو نہ صرف فضیلت کی فراغت شروع ہوگئی بلکہ شعبۂ تخصص سے بھی فراغت ہوئی، خود راقم الحروف بھی تخصص کے پہلے سال کے فارغین میں سے ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ امام علم وفن ان اساتذہ میں سے نہیں، جو اداروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سلاطین مملکت علم وآگہی میں سے ہیں کہ جہاں فروکش ہو جائیں، مملکت علم کا دارالسلطنت اور پایۂ تخت بن جائے، اگر اتر پردیش میں دور حاضر کے چھوٹے، بڑے اداروں کے فارغین کو دیکھا جائے اور امام علم وفن کے تلامذہ کی جانب ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ تلامذۂ امام علم وفن اس وقت کے بڑے سے بڑے ادارہ کے ممتاز فاضلین سے ہرگز کم نہیں۔ مشاہدہ کے طور پر گنتی کے چند فضلا شمار کرائے جاتے ہیں تاکہ ایک اندازہ قائم ہو سکے۔ استاذ مطلق امام علم وفن کے شاگردوں میں مفتی ایوب صاحب مظہر مرحوم ومغفور، مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر، غازی ملت حضرت ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی، مولانا سلطان صاحب ادروی، سید علیم اشرف صاحب جائسی، سید انور صاحب چشتی، قاضی شہید عالم صاحب بریلی، مولانا یادعلی صاحب شاہجہاں پور، مفتی شبیر صاحب پورنوی، مولانا غلام زرقانی صاحب امریکہ، مفتی انوار احمد صاحب امجدی، مفتی عبیدالرحمٰن صاحب چمنی بازار، سید احسن صاحب کچھوچھوی، سید قسیم اشرف صاحب جائسی، مولانا اسیدالحق عاصم القادری، مولانا غلام غوث صاحب مسکینیہ دھوراجی، مولانا محمد حبیب الرحمان نعمانی ازہری، مولانا عابد حسین صاحب، رائے پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں ورنہ تو تلامذہ استاذ مطلق کی بہت بڑی تعداد ہے، جو روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ سبھوں کو اگر شمار کرایا جائے تو یہ مقالہ، مقالہ نہ رہکر روداد بن جائے۔

استاذ مطلق، امام علم وفن حضور خواجہ صاحب قبلہ مدظلہ کو اللہ رب ذوالمنن نے جہاں نکتہ رس شعور، باریک بین نگاہ، وقاد ذہن، اخاذ فکر، فقہی بصیرت اور معقولی ومنقولی علوم وفنون کی بھرپور صلاحیات سے مالا مال فرمایا ہے، وہیں نہایت خوش اخلاق وملنسار، مؤدب ومتواضع اور حلیم وبردبار بھی بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی درسگاہ کے حاضر باش طلبہ جہاں آپ کی علمی تمکنت، فکری جولانیت اور خداداد بے پناہ علمی قابلیت سے مرعوب رہتے ہیں، وہیں آپ کی خوش طبعی، شفقت

پدری اور بے پناہ ہمدردی وخاطر داری کے باعث فرق مراتب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے یک گونہ بے تکلف بھی ہوجاتے ہیں۔آپ کی انہیں محبتوں اور عنایتوں کی وجہ سے اوقات درس وغیر اوقات درس ہر وقت جبکہ آپ کے آرام کا وقت نہ ہو طلب صبح وشام، دن رات علمی وفکری استفادہ کرتے رہتے ہیں، اور جس علم وفن میں جہاں کہیں انہیں دشواری محسوس ہوتی ہے اسے پوچھ لینے اور حل کرا لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ جس طالب علم کی صلاحیات واستعدادات جس میدان عمل کی طالب ومتقاضی ہوتیں وہ اسی مرغوب وپسندیدہ میدان کار میں امام علم وفن سے رہنمائی حاصل کرتا اور اپنے محبوب ومالوف علم وفن کی تکمیل کرتا، مفتی مطیع الرحمن صاحب مضطر کا علمی کارنامہ، نفس کی فقاہت جہاں درخواجہ کے فیضان سے مستعار ہے وہیں ان کا میدان مناظرہ اور اس کی للکار بھی امام علم وفن کی برسہا برس تربیتوں ہی کی مرہون منت ہے۔ غازی ملت ہوں کہ مفتی ایوب مظہر کی خطابت کے جواہر، درحقیقت آپ ہی کی شاگردی کا ثمرہ ہیں۔اور قاضی شہید عالم صاحب کو تو میں نے ان کے زمانہ تدریس بدایوں میں ربع المجیب، علم مثلث کروی اور دیگر علوم ہیئت وہندسہ کے اسباق نہایت جانفشانی سے حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔سید علیم اشرف جائسی کی حاضر باشی اور سید انور چشتی کی سفر وحضر میں خوشہ چینی کو ان نگاہوں نے براؤں شریف کے عہد مسعود میں بار بار ملاحظہ کیا ہے۔میاں اسید وعطیف تو آج بھی موقع بموقع حاضری دیتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی دریا خود پیاسے کے پاس بھی چلا جاتا ہے۔

یہ تو آپ نے امام علم وفن کی درسگاہ کی کچھ جھلکیاں دیکھی ہیں لیکن امام علم وفن کا علمی فیضان صرف ان کی درسگاہ تک ہی محدود ومحصور نہ رہا، بلکہ درسگاہ سے باہر بھی آپ کا علمی فیض بٹتا رہا۔اصاغر کی تو بات ہی کیا؟ اکابر نے بھی مسائل شرعیہ عصریہ متعلقہ بامور ہندسہ میں آپ کی طرف رجوع کیا ہے ان میں بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری میاں، اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ جیسی مقتدر ہستیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام علم وفن، استاذ مطلق نے اپنی پوری حیات مبارکہ درس وتدریس میں صرف کردی۔کبھی کسی دوسرے میدان کو اپنا مطمح نظر نہ بنایا۔ حالاں کہ آپ اپنے عہد شباب میں ایک اچھے خطیب اور بہترین مناظر بھی تھے، مختلف جگہوں پر اہل سنت کے وکیل ومناظر کی حیثیت سے خود حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے روانہ فرمایا تھا۔

امام علم وفن، استاذ مطلق کو اللہ رب ذو الجلال نے گونا گوں خوبیوں سے نوازا ہے۔معنوی ومادی ہر طرح کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا ہے۔خاندانی ریاست کے ساتھ ساتھ قدرت فیاض نے آپ کو جمال قد، ورعنائی خد سے بھی زیبائش وآرائش بخشی ہے۔متوسط قد، گورا رنگ، گول چہرا، گھنی ترشی ہوئی ڈاڑھی، اونچی ناک، سرگیں آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نمایاں، کشادہ پیشانی، گول، قدرے بڑا سر، غرضیکہ خد وخال، لب ورخسار، اور چہرۂ پرانوار سے ہوشمندی وفطانت

آشکار۔ مگر ان سب میں اللہ تعالیٰ نے جس قابل صد رشک خوبی وکمال سے زیب وزینت بخشی ہے وہ ہے آپ کی یادداشت
وقوت حافظہ۔ اس کا ایک تجرباتی مشاہدہ اس قلمی شیش محل کے تصویر خانہ میں ثبت کر دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی یادداشت
ایک دلکش تصویر مداحان وعقیدت کیشان خواجہ کے لئے یادگار بن جائے۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ جب راقم الحروف
تقصیر مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں حضور استاذ مطلق کی درگاہ والا جاہ سے کسب فیض کرنے والوں کے ... میں
ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے حاضر ہوا تھا۔ میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ، حاشیہ خیالی، ملا حسن، حسامی اور ...
متعدد علوم وفنون کی کتابیں مختلف اوقات میں زیر درس تھیں، خارجی وقتوں میں ربع المجیب، توقیت اور دیگر فنون سیکھنے کے
مواقع میسر تھے۔ احباب کی ایک اچھی جماعت بہم تھی۔ مولانا عابد، مولانا فخر الدین، مولانا اشفاق، اور ابتدائی تعلیم سے
لے کر تخصص تک میرے زمیل مولانا غلام حسین وغیرھم پوری جانفشانی کے ساتھ طلب علم میں منہمک تھے۔ اس وقت ہم
لوگوں کے پاس صرف میر زاہد غلام یحییٰ کے تقریباً سات سے زائد حواشی وشروح موجود تھیں۔ ہم لوگ ان حواشی وشروح کا
مطالعہ کر کے جاتے اور جن مسائل میں انجلائے تام نہ ہوتا استاذ مطلق کی بارگاہ میں پیش کرتے اور حضرت ان مسائل کی
وضاحت نہایت شرح وبسط کے ساتھ فرما دیتے۔ ہم لوگ اس وقت حیرت میں ڈوب جاتے جب دیکھتے کہ حضرت کی تقریر
بالکل ان حواشی وشروح کے موافق ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی موقع آیا کہ استاذ مطلق نے خود ہی ارشاد فرما دیا: فلاں حاشیہ میں
دیکھ لو اس میں یہ مبحث تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔ یہ سن کر ہماری حیرتوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ کیونکہ استاذ مطلق کے
پاس میر زاہد رسالہ کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا، کبھی کبھار ہم ہی سے لے کر چند لمحات کے لئے دیکھ لیا، اور بس۔ حیرت کی بات تو یہ
تھی کہ کسی علمی وفکری سوال کا جواب۔ یا۔ کسی نظری مسئلہ کا حل زور علم سے تو دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت استاذ مطلق کی
درگاہ کا معمول ہے کہ اگر کسی نے حاشیہ میں پیش کردہ اعتراض کے بارے کچھ پوچھ لیا جس کا جواب حاشیہ میں تحریر نہیں، تو
استاذ مطلق خود اس کا جواب مرحمت فرماتے؛ اور اگر جواب لکھا ہوتا تو اس پر اعتراض وارد کر کے چھوڑ دیتے۔ امام علم وفن
کے درگاہ کا یہ عام معمول ہے اس لئے اس تعلق سے آپ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ طلبہ کو کوئی حیرت وتعجب نہیں ہوتا۔ مگر
کتاب کا حوالہ اس کتاب کو دیکھے بغیر نہیں پیش کیا جا سکتا، حیرت یہ تھی کہ آخر خواجۂ علم وفن ان کتابوں کا مطالعہ کب کرتے ہیں؟
حسن اتفاق ایک دن موقع مناسب دیکھ کر بندۂ حقیر جو حضرت کی کرم فرمائیوں سے کچھ منہ لگا تھا، پوچھ بیٹھا کہ: حضور
والا نے ان کتابوں کا مطالعہ کب کیا؟ تو ارشاد فرمایا کہ: جب میں مظہر اسلام، بریلی شریف میں مدرس تھا، اس وقت
دار الافتاء اور کتب خانۂ اعلیٰ حضرت کی چابی ہمارے حوالے تھی۔

مطلب واضح تھا کہ میں نے ان کتابوں کا مطالعہ تقریباً آج سے چالیس سال پہلے کیا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ۱۹۹۲ء
کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنا پرانا مطالعہ اس پختگی کے ساتھ محفوظ ہو قرین قیاس نہیں۔ مگر جب ہم بریلی شریف حضور مفتی اعظم ہند

علیہ الرحمہ کے عرس مبارک کے موقع پر حاضر ہوئے تو امام علم وفن ہمیں سرکار مفتی اعظم کی اس نشست گاہ کی زیارت کرانے لے گئے جہاں سے سرکار مفتی اعظم اپنی ظاہری حیات میں جلوہ بار ہو کر عوام وخواص کو اپنے فیضان کرم سے سیراب فرمایا کرتے تھے۔ اتفاقاً وہاں ایک گجراتی مولانا صاحب سے ملاقات ہوگئی، جن کا اسم گرامی اس وقت ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود بھی یاد نہیں آرہا ہے۔ بہر کیف ان سے استاذ گرامی نے فرمایا کہ جناب آپ اپنی آپ بیتی اور حضرت مرشد گرامی کی کرم فرمائیاں ذرا ان لوگوں کے لئے بیان فرمادیں۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ:

''میرا حافظہ بہت کمزور تھا، حد تو یہ کہ میں نمازوں میں اکثر رکعتیں بھول جاتا تھا۔ ایک بار سیدی مرشدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی کیفیت پیش کر کے دعا کی درخواست کی اور حضرت نے دعاؤں سے نوازا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آج بحمدہ تعالیٰ جو کچھ پڑھ لیتا ہوں، برسوں نہیں بھولتا۔ مگر افسوس کہ تجارتی مصروفیتوں کی وجہ سے فرصت نہیں مل پاتی، اس لئے پڑھنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا،،

اس واقعہ کو سننے کے بعد ہماری ساری حیرانی ختم ہوگئی کہ حضور استاذ مطلق کا چالیس سال پرانا مطالعہ آج بھی کیسے محفوظ ہے؟ جسے کرامت مفتی اعظم نے 'لائق'، بنا دیا ہو، اس کی جانب ذہول ونسیان بھلا کیسے راہ پائے؟

پھپھوند شریف کا واقعہ ہے، جس کے راوی فصیح اللسان حضرت قاری رئیس خان صاحب استاذ دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور ہیں کہ آپسی گفتگو کے دوران امام علم وفن اور ایک بہت ہی مشہور مفتی صاحب کے درمیان کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہوا حضرت مفتی صاحب نے ایک عبارت پیش فرمائی۔ جس پر امام علم وفن نے فرمایا کہ عبارت یوں نہیں بلکہ یوں ہوگی۔ مفتی صاحب مصر ہوئے کہ نہیں عبارت وہی ہے جو میں نے سنائی۔ اس پر کتاب منگائی گئی۔ جس میں دیکھا گیا تو عبارت اسی طرح نکلی جس طرح امام علم وفن نے فرمایا تھا۔ جب کہ مفتی صاحب موصوف کا مطالعہ تازہ تازہ تھا۔

یہ سب تو احوال گذشتہ اور خبر 'کان'، کا ذکر تھا، موجودہ وقت میں جب کہ حضرت کی عمر شریف اس وقت تقریباً پچاسی برس ہو چکی ہے۔ سارے اعضا کمزور ہو چکے ہیں، قویٰ مضمحل ہیں۔ بیماریوں کا ہجوم ہے۔ مگر اس کے باوجود چہرے پر وہی رونق ونور، آنکھوں میں وہی چمک دمک، اور حافظہ کا حال تو یہ کہ بندۂ حقیر بیس سال پہلے اور آج میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ بڑھاپے میں جبکہ قوت حافظہ ہی پر سب سے زیادہ ضعف کا اثر ہوتا ہے، اس کی توانائی کا یہ عالم ہے تو پھر تعقل وتفکر اور تدبر وتفقہ کا ذکر ہی کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام علم وفن: حضور مفتی اعظم کے ایک محبوب خلیفہ

ابو حماد محمد فیروز بخت القادری صدیقی رضوی

وہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی :: ان کا سایہ اک تجلی ان کا عشق پا چراغ

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ زید مجدۃ السامی ایک باوقار عالم دین، نکتہ سنج مدرس عظیم منطقی وفلسفی اور حضور قطب عالم مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفےٰ رضا خان نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید اور محبوب وعزیز خلیفہ ہیں۔ آپ قدیم علوم وفنون کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں بھی مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ کے علمی خوشہ چینوں میں دور حاضر کی بڑی بڑی قابل قدر علمی ہستیاں پائی جاتی ہیں۔ آپ کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ہند وبیرون ہند علوم وفنون کے گوہر لٹا رہے ہیں اور دینی خدمات پر مامور ہو کر آپ کے فیضان علمی کا دریا بہا رہے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کا علمی قد اس قدر اونچا اور بلند ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں اور ہر میدان میں اپنے علمی لیاقت کا لوہا منواتے نظر آتے ہیں۔ غور طلب بات ہے کہ جب آپ کے تلامذۂ کرام کے شوکت علمی، اور جاہ وحشمت کا یہ حال ہے، تو پھر خود استاذ مکرم، امام علم وفن کے علمی دبدبے کا عالم کیا ہوگا۔ ع...

اس پار کا جب یہ عالم ہے اس پار کا عالم کیا ہوگا

آپ یقیناً یکتائے روزگار، علوم وفنون کے گوہر آبدار اور فکر وفن کے تاجدار نظر آتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیائے علم وادب بیک زبان آپ کو عمدۃ العقلاء، خیر الاذکیا، حل المشکلات، امام علم وفن اور خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند کے عظیم القابات وخطابات سے یاد کرتی نظر آتی ہے۔ علوم وفنون کے اس سمندر کے پاس آج بھی پیاسوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اس شمع علم وادب کے ارد گرد ہر وقت پروانوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ میں ایک انجمن، ایک لائبریری اور مکمل تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں

علوم وفنون کا وہ کون سا گوشہ ہے جس کی زلف برہم کو آپ نے اپنے ناخن تدبیر سے سلجھانے کا کارنامہ انجام نہ دیا ہو۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں کہ آج بعض فنون اپنی بقاء میں آپ کی مرہون منت ہیں۔ میرے اس موقف کی تائید میں

اس انٹرویو کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جسے جناب سراج الدین شریفی سہرامی نے امام علم وفن سے لیا تھا اور سوال وجواب کی صورت میں "تحقیقات امام علم وفن" نامی کتاب میں درج ہے:

سوال: کیا اب یہ سمجھا جائے کہ آپ کے ساتھ ہی مذکورہ نایاب وکم یاب علوم وفنون بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے؟

جواب: جی ہاں! شاید ایسا ہی ہو۔

آپ کی ذات مصدر حسنات، منبع فیضان اور مربی خلائق ہے۔ آپ علوم اسلامی کے علاوہ علماء سے رخصت پذیر علوم مثلاً ہیئت وہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، ارثماطیقی، مثلث کروی، مثلث مسطح، زیچ، اعمال ستینیہ، علم اسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، اور علم الابعاد جیسے علوم وفنون پر تبحر دسترس رکھتے ہیں اور عالم اسلام کیلئے منارۂ نور بنے ہوئے ہیں۔

امام علم وفن کی علمی وجاہت، شاہانہ کروفر، رعب ودبدبہ، سطوت وحشمت، شوکت وشہرت، اور ترقی درجات کے پیچھے یقیناً آپ کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی دعائے مستجاب کی اثر آفرینی کام کر رہی ہے۔ خود امام علم وفن کو اس بات کا اعتراف ہے کہ میری ساری کامرانیاں، علمی وفنی مہارتیں اور شوکت وعروج میرے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند کی دعاؤں کا ثمرہ اور نظر کیمیا گر کا اثر ہے۔ ذیل کے اقتباس سے ہمارے ان جملوں کی تائید ہوتی ہے۔ امام علم وفن فرماتے ہیں:

آج میرے پاس جو کچھ ہے اسی "یہ لیجئے" کی برکتیں ہیں بہاریں ہیں۔" (تحقیقات امام علم وفن)

سرکار مفتی اعظم ہند کی نظر کیمیا گر نے امام علم وفن کو خالص کندن بنا کر رکھ دیا۔ آج جدھر دیکھئے امام علم وفن کی ذات ستودہ صفات اور شوکت علمی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر درسگاہ میں آپ کے تذکرے اور ہر محفل مشکبار نظر آتی ہے۔ آپ نہ صرف یہ کہ مسند درس وتدریس کے مسند نشیں، کہنہ مشق مدرس ومعلم اور محقق ہیں بلکہ بحیثیت خلیفہ، حضور مفتی اعظم ہند مسند رشد وہدایت کے مسند نشیں اور طریقت کی راہ کے سالک ورہنما بھی ہیں۔ آپ شریعت وطریقت کے حسین سنگم ہیں، دلوں کو صیقل اور مصفی ومنزکی کرنے کا بھی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ غرض کہ ہر جہت اور ہر زاویے سے اپنے مرشد گرامی کی خلافت واجازت کا حق ادا فرما رہے ہیں۔ تمام خلفائے مفتی اعظم میں آپ کی ذات اپنے مرشد کے لئے جملہ امور میں دفاعی قوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی تحقیقات وتدقیقات اور فتوی کے خلاف جب بھی کوئی رد عمل سامنے آیا ہے، امام علم وفن ہی وہ واحد خلیفہ ہیں جنہوں نے میدان میں کود کر معترض کے اعتراض کا نہ صرف یہ کہ تشفی بخش جواب عطا فرمایا ہے، بلکہ تحقیقات نوری کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ حضور مفتی اعظم ہند کے خلیفہ ہونے کیساتھ ساتھ بلا شبہ فی زمانہ تحقیقات رضا ونوری کے نادر ونایاب شارح بھی ہیں۔